# مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ

چودھری غلام رسول ایم۔اے

علمی کتاب خانہ
کبیر سٹریٹ
اردو بازار

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ
کُلِّهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ (الصف ۶۱ : ۹)

وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ
سب دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرک برا منائیں۔

# مذاہبِ عالم کا تقابلی مطالعہ


غلام رسول ایم اے ایل ایل بی

گورنمنٹ کالج۔ لاہور



کتاب خانہ کبیر سٹریٹ اردو بازار لاہور

اڈیشن۔۔۔۔۔۔۱۹۸۸ء

ناشر :۔۔۔۔علمی کتاب خانہ، اردو بازار لاہور
چھپائی :۔۔۔۔ ندیم پریس پرنٹرز

# اِنتساب

میجر محمد یونس صاحب اؒ
محمود انور بھلّی !

کے نام

جن کی معاونت سے تعلیم حاصل کی

# فہرست مضامین


| | |
|---|---|
| ۱۔ فلسفہ مذہب | ۱۳ تا ۹۵ |
| ۲۔ ہندی مذاہب | ۹۷ تا ۲۹۳ |
| (ہندومت، جین مت، بدھ مت) | |
| ۳۔ ایرانی مذاہب | ۲۹۵ تا ۳۰۹ |
| (زرتشت مذہب، مانوی مذہب) | |
| ۴۔ چینی مذاہب | ۱۱۱ تا ۳۲۸ |
| (تاؤازم، کنفیوشس ازم) | |
| ۵۔ جاپانی مذہب | ۳۲۹ تا ۳۳۴ |
| (شنٹوازم) | |
| ۶۔ یہودیت | ۳۳۵ تا ۴۰۸ |
| ۷۔ عیسائیت | ۴۰۹ تا ۵۵۲ |
| ۸۔ اسلام | ۵۵۳ تا ۸۸۷ |

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

# تقدیم

سب سے پہلے میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں، جس نے مجھ سے جیسے پُرتقصیر
ہ گار بندے کو یہ کتاب لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اگر پڑھنے والا اس کتاب میں
ئی خوبی پائے تو وہ اس کو خدا فضل سمجھے، اگر کوئی غلطی نظر آئے تو وہ میری
ناہ نظری اور کم فہمی کا نتیجہ ہوگی۔

## یرت اور ادیان کا باہمی تعلق

مذاہب عالم کے تقابلی مطالعہ کا سیرت سے ایک گہرا تعلق ہے۔ قرآن مجید میں
ل کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے:
ھُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ
ۙ وَ لَوۡ کَرِہَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ (الصف ۶۱: ۹) وہی ذات ہے جس نے اپنا
ول ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کرے
چہ مشرک بُرا مانیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ امتیازی خصوصیت اس وقت
ے نمایاں نہیں ہوسکتی جب تک مذاہب عالم اور اسلام کی تعلیم کا باہمی مقابلہ کرکے
ہ ثابت کیا جائے کہ اسلام ہی ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور تمام انسانی مسائل کا
ل اسی دین کی تعلیم میں ہے اور دوسرے مذاہب کی تعلیم شعبہ ہائے زندگی میں کامل
ایت کا موجب نہیں ہے۔

## اہب عالم کے مطالعہ کے قرآنی اصول

قرآن مجید نے مذاہب عالم کے مطالعہ کے لئے چند اصول مقرر کئے ہیں، ان
صولوں کی روشنی میں مَیں نے یہ کتاب لکھی ہے۔

### پہلا اصول

قرآن مجید نے مذاہب عالم کے متعلق پہلا اصول یہ مقرر کیا ہے کہ ہر قوم کی طرف

اللہ تعالیٰ نے نبی بھیجے ہیں اور سب ایک ہی چشمہ نبوت سے سیراب ہوئے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے: وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (۳۵:۲۴) کوئی ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔

دوسری جگہ آتا ہے لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ (۱۰/۴۷) ہر ایک قوم کیلئے ایک رسول ہے۔ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ (۲:۲۱۳) اور ان کے ساتھ حق کے ساتھ کتاب اتاری ہے۔

## دوسرا اصول

تمام انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتب پر ایمان لانا دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے ضروری ہے۔ ارشاد ہے: اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (۲:۲۸۵) رسول اس پر ایمان لایا جو اس کے رب سے اس کی طرف اتارا گیا اور مومن بھی سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے۔

اس اصول کے تحت ہر مذہب کے بانی کی عزت ہر مسلمان پر لازم ہو جاتی ہے۔

## تیسرا اصول

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت تمام مذاہب فساد کا شکار ہو چکے تھے اور ان کے ماننے والے باطل عقائد کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے۔ کتب میں تحریف ہو چکی تھی۔ ارشاد الٰہی ہے: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (۳۰: ۴۱) یعنی خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا تھا۔

دوسری جگہ آتا ہے:

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (۲/۷۵) ..... فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا (۲/۷۹)

پس کیا تم امید رکھتے ہو کہ وہ تمہاری بات مان لیں گے اور ان میں ایک گروہ ایسا بھی ہے

اللہ کے کلام کو سنتے پھر اس میں بھی تحریف کرتے ہیں بعد اسکے اسے سمجھ لیا اور وہ جانتے ہیں
. . . . . سو ان کے لئے حسرت ہے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر
کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے عوض تھوڑی قیمت لے لیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مذاہب کے غلط عقائد اور فساد کی اصلاح کی
اور ایک ایسی کتاب دی جو حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرتی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:
اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ (۱۶ : ۶۴)
ہم نے تجھ پر کتاب صرف اس لئے نازل کی ہے کہ تو ان کے لئے وہ باتیں کھول کر بیان
کرے جن میں اختلاف کرتے ہیں۔

## چوتھا اصول

قرآن مجید یہ بیان کرتا ہے کہ ہر ایک نبی ایک قوم کی ہدایت و اصلاح کے لئے آیا
اور جو وہ کتاب لایا ایک خاص قوم اور خاص ملک کے لئے تھی۔ ارشاد ہے:
اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰى قَوْمِهٖ (۷ : ۵۹) ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔
اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا (۷ : ۶۵) عاد قوم کی طرف ان کا بھائی ہود آیا
اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صَالِحًا (۷ : ۷۳) ثمود کی طرف ان کا بھائی صالح بھیجا
اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا (۷ : ۸۵) اور مدین کی طرف ان کا بھائی شعیب آیا
اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (۱۴ : ۵)
اور ہم نے موسیٰ کو نشانات کے ساتھ بھیجا کہ وہ اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف
نکالے۔

عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے: رَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (۳ : ۴۹)
وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول تھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے لئے نبی بنا کر مبعوث کئے گئے۔ جو کتاب آپ
دی گئی وہ تمام دنیا کی ہدایت کے لئے تھی
مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (۳۴ : ۲۸)
اور ہم نے تجھے تمام ہی لوگوں کے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر
بھیجا ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے: قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (۷:۱۵۸) کہہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔
فرمایا: اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ (۱۲/۱۰۴) یعنی یہ قرآن تمام جہانوں کیلئے ہے

## پانچواں اصول

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ ارشاد الٰہی ہے،
اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (۵:۳)

آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمہارا دین اسلام ہونے پر میں راضی ہوا۔

قرآن مجید کے کامل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ کتاب انسان کی زندگی کے ہر شعبہ میں موجب ہدایت ہے۔ ارشاد ہے: ھُدًی لِّلنَّاسِ (۲/۱۸۵) یعنی یہ لوگوں کیلئے کامل ہدایت ہے۔

مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ (۶:۳۸) یعنی اس کتاب میں ہدایت کی ہر چیز بیان کر دی گئی ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے: فِیْھَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ (۹۸:۳) اس میں (قرآن میں) علوم اوّلین و آخرین درج ہیں۔

چودھری سردار محمد صاحب پروپرائیٹر علمی کتاب خانہ کے ارشاد کی وجہ سے سیرت سید البشر کا چوتھا حصہ تیسرے حصہ سے پہلے شائع کیا جا رہا ہے۔ تیسرا حصہ زیر تکمیل ہے۔ اس میں نظامہائے زندگی کے متعلق اسلامی تعلیم بیان کی جائے گی، انشاء اللہ جلد منظر عام پر آجائے گا۔

غلام رسول

# تقدیم طبع ثانی

اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ اس کتاب کو ہر طبقے نے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے۔ اس وجہ سے بہت ہی قلیل عرصہ میں پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا۔ نیا ایڈیشن اہم ترامیم اور مفید اضافوں کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔

سیرت سید البشر کے حصہ اول میں پانچ جلدوں میں سیرت النبیؐ مکمل کرنے کا ذکر کیا تھا۔ اسی سلسلہ میں مذاہب عالم اور اسلام کا معاشرتی، سیاسی، اقتصادی نظام شائع کیے تھے۔ سیرت النبیؐ کے اس طویل سلسلہ کو اب صرف تین جلدوں میں شائع کیا جائے گا۔ پہلا حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی پر، دوسرا حصہ تعلیماتِ نبویؐ اور تیسرا حصہ معترضین کے اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہو گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس بابرکت کام کرنے کی توفیق عطا کرے۔ سیرت سید البشرؐ کا پہلا حصہ ختم ہو چکا ہے۔ نظر ثانی کے بعد کتاب خانہ دانشوراں اردو بازار لاہور شائع کرے گا۔

چوہدری سردار محمد صاحب پروپرائیٹر کا بیحد شکر گذار ہوں کہ جن کی معاونت سے یہ بابرکت کام پایۂ تکمیل اشاعت کو پہنچا ہے۔

غلام رسول ۳۱ جولائی ۱۹۷۶ء

# فلسفہ مذہب

# وحی الٰہی

مذہب کی بنیاد وحی الٰہی پر ہے۔ اس لئے مذہب سے متعلق بحث کرنے سے قبل وحی الٰہی پر بحث کرنا ضروری ہے۔

## وحی کی لغوی بحث

وحی کے معنی لغت میں حسب ذیل ہیں،

الوحی الاشارۃ الکتابۃ والرسالۃ والکلام الخفی وکل ما القیتہ الی غیر یعنی وحی کے معنی اشارہ کرنا، لکھنا، پیغام دینا، دل میں ڈالنا، چھپا کر بولنا اور جو کچھ تم کسی دوسرے کے خیال میں ڈالو۔

کسائی عرب کا محاورہ لکھتا ہے۔ وحیت الیہ بالکلام و اوحیہ الیہ ھو ان تکلم بکلام تخفیہ من غیرہ یعنی کسی سے اس طرح کلام کرو کہ اس کو دوسروں سے چھپاؤ۔ ابو اسحاق لغوی کہتا ہے واصل الوحی فی اللغۃ کلھا اعلام فی خفاء یعنی وحی کا اصل مفہوم تمام لغت میں چھپا کر اطلاع دینا ہے۔

مفردات میں راغب اصفہانی لکھتے ہیں: اصل الوحی الاشارۃ السریعۃ لتضمن السرعۃ قیل امر وحی ذالک یکون بالکلام علی سبیل الرمز والتعریض، وقد یکون بصوت مجرد عن التزکیب وباشارۃ ببعض الجوارح وبالکتابۃ۔ امر وحی یعنی جلد سے جلد کے اصل معنی ہیں اشارہ سریعہ اسے سرعت کی وجہ سے کہا جاتا ہے میں محض آواز صوتی سے جو مرموز، ابہامی بات اور یہ کبھی تو گفتگو ہوتی ہے کبھی اشاروں، کنایوں اشاروں سے ہوتی ہے اور کبھی تحریر، کسب و ربط سے خالی ہوتی ہے اور کبھی اعضا کے

اقرب الموارد میں ہے۔

وحی الیہ اشارہ (اشارہ کیا)

وحی و اوحی الکتاب کتب (لکھا)

وحی الیہ الکلام کلمۃ خفیا (آہستہ بولا)

وحی الرجل اسرع (تیزی اختیار کی)
وحی الذبیحۃ ذبحھا ذبحا وحیًا (سرعت کے ساتھ ذبح کر دیا)
وحی اللہ فی قلبہ الھمہ (الہام کیا)
وحی اللہ ارسل اللہ رسولاً (رسول بھیجا)

مذکورہ بالا معانی کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی کے لفظ کے معنی میں سرعت اشارہ اور کا مفہوم مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔

## لفظ وحی کا استعمال قرآن مجید میں

قرآن مجید میں وحی کا استعمال دو طرح پر ہوا ہے۔ ایک لفظ وحی کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف دوسرے غیر اللہ کی طرف۔

وہ آیات جن میں خدا تعالیٰ نے اپنی طرف فعل وحی کی نسبت مختلف معنوں میں فرمائی ہے ہر وحی الیہ کی رعایت سے وحی کے معانی جدا جدا ہیں۔

۱۔ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ط قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ط[1] پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا سو اسے اور زمین کو کہا۔ آجاؤ خوشی سے یا ناخوشی سے۔ انہوں نے کہا ہم دونوں خوشی سے حاضر ہوتے ہیں پس اس نے سات آسمان دو دن میں بنائے اور ہر آسمان میں اس کا امر وحی ہے۔

۲۔ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا[2] جب زمین اپنا ہلنا ہلائی جائے گی اور زمین اپنا بوجھ باہر نکال پھینکے گی اور انسان کہے گا اسے کیا ہوا ہے؟ اس دن وہ اپنی سب خبریں (زبان حال) سے بیان کر دے گی کیونکہ تیرے رب نے اس کے لئے وحی کی ہے۔

پہلی مثال میں خدا تعالیٰ کا آسمانوں اور زمین سے کلام کرنا اور آسمانوں کی طرف اپنی وحی بھیجنا ظاہر کرتا ہے کہ ایک قسم کی ایسی وحی بھی ہے جس کے ذریعے قوانین الٰہیہ اس وسیع کائنات میں کام کرتے ہیں۔

دوسری آیت میں اس انقلاب عظیم کو بھی ایک قسم کی وحی قرار دی ہے جو زمین پر لایا جاتا ہے

۲۔ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا[3] اور تیرے رب

---

[1] حٰمٓ سجدہ ۴۱ : ۱۱-۱۲ [2] الزلزال ۹۹ : ۱-۵ [3] نحل ۱۶ : ۶۸

نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی کہ پہاڑوں میں گھر بنا۔

اس آیت کریمہ میں شہد کی مکھی جو عمل اپنی طبعی جس سے کرتی ہے اس کو وحی کا نام دیا ہے :

۴۔ اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا[1]

جب تیرا رب فرشتوں کو وحی کرتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو جو ایمان لائے ان کو ثابت قدم رکھو اس آیت میں وحی فرشتوں کو کی گئی ہے۔

۵۔ مسیح کے حواریوں کے لئے وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ[2] اور جب میں نے حواریوں کی طرف وحی کی کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔

۶۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف۔ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی اَنْ اَرْضِعِیْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْکِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ[3]

اور موسیٰ کی ماں کو ہم نے وحی کی کہ اسے دودھ پلا۔ پھر جب اس کے متعلق تجھے خوف ہو تو اسے دریا میں ڈال دے اور نہ ڈرنا اور نہ غم کرنا۔ ہم اسے تیری طرف واپس لائیں گے اور مرسلوں میں سے بنائیں گے۔

پانچویں اور چھٹی مثال میں وحی غیر نبی کو کی گئی ہے جس سے مراد وحی ولایت اور مبشرات ہیں۔ وہ آیات جن میں غیر اللہ کی طرف وحی کی گئی ہے۔

۱۔ رسول۔ فَاَوْحٰٓی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُکْرَةً وَّعَشِیًّا[4] ۱۹/۱۱ اشارہ سے کہا کہ صبح و شام اللہ کی تسبیح کرتے رہو۔

۲۔ فرشتے۔ وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَا یَشَآءُ[5] اور کسی بشر کے لئے میسر نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی سے یا پردہ کے پیچھے سے یا رسول بھیجے پس اپنے حکم سے جو چاہے وحی کرے۔

۳۔ شیطان۔ وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِهِمْ لِیُجَادِلُوْکُمْ[6] یعنی بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں وحی کرتے ہیں کہ وہ تم سے جھگڑتے ہیں۔

---

[1] الانفال ۸ : ۱۲ [2] المائدہ ۵ : ۱۱۱ [3] القصص ۲۸ : ۷ [4] الشوریٰ ۴۲ : ۵۱
[5] الانعام ۶ : ۱۲۱

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا [1] اور اسی طرح ہم نے ہر ایک نبی کے لئے انسانوں اور جنوں میں سے شیطانوں کو دشمن بنایا اور دھوکا دینے کے لئے ایک دوسرے کے دل میں طمع کی باتیں ڈالتے رہتے ہیں۔

تیسری اور چوتھی مثال میں لفظ وحی وسوسہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے

## وحی کی اصطلاحی تعریف

وحی کی انتہائی اعلیٰ صورت کے لحاظ سے اس کے اصطلاحی معنی یہ ہیں: "الکلمۃ الالٰہیۃ تلقی الی انبیائہ و اولیاءہ وحی (راغب) یعنی وحی وہ کلمہ الٰہیہ ہے جو ں کے انبیاء اور اس کے اولیاء پر نازل ہوتا ہے۔

پس وحی قادر و توانا خدا کا اپنے برگزیدہ بندہ کے ساتھ یا اس کے ساتھ جس کو برگزیدہ کرنا چاہتا ہے مکالمہ و مخاطبہ کا نام ہے۔

## وحی کی اقسام

وحی کی حسب ذیل اقسام ہیں۔

**وحی فطری:** فطری وحی جیسے شہد کی مکھی اپنی طبعی حس سے چھتہ بنا کر اس میں شہد جمع کرتی ہے۔ اسی طرح دیگر حیوانات کے کارنامے بھی اسی قسم کی وحی حیوانات سے تعلق ہیں۔ قرآن مجید میں ہے۔ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا [2] اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی کہ پہاڑوں میں گھر بنا۔

**وحی ایجادی:** جب کوئی شخص کسی چیز کی ایجاد پر اپنی تمام توجہ مبذول کر دیتا ہے تو قدرت الٰہی اس شخص کے ذہن پر اس چیز کا نقشہ مرتسم کر دیتی ہے تو وہ موجد اپنی مطلوبہ کوشش میں کامیاب ہو جاتا ہے یہ وحی اور الہام عام انسانوں کو ہوتا ہے چاہے وہ مومن ہوں یا غیر مومن۔ ارشاد الٰہی ہے۔ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا [3] ہم سب کو مدد دیتے ہیں ان کو بھی اور ان کو بھی (مومن اور غیر مومن) تیرے رب کی عطا سے اور تیرے رب کی عطا کبھی رکتی نہیں۔

**وحی الابتلاء:** وحی الابتلا بعض اوقات ہلاکت اور تباہی کا موجب ہوتی ہے وحی الابتلا ہر شخص کو نہیں ہوتی جس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ جسمانی طور پر اندھے، گونگے بہرے پیدا ہوتے ہیں اسی طرح بعضوں کی روحانی قوتیں کالعدم ہوتی ہیں لیکن بعض لوگ اس قسم کے بھی ہوتے ہیں وہ قدرت کی طرف سے ایسا دماغ اور فطری استعدادیں لے کر پیدا ہوتے ہیں کہ ان کو سچی خوابیں

---

[1] الانعام: ۶: ۱۱۲ [2] النحل ۱۶: ۶۸ [3] بنی اسرائیل ۱۷: ۲۰

اور سچے الہام ہوتے ہیں لیکن ان کو خدا کے قرب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اگر تحقیق و تدقیق سے کام جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ ایسی خوابوں میں فاسق، فاجر، کافر، ملحد، زانی مرد اور زانیہ عورتیں بھی ش ہوتی ہیں وہ اس روشنی اور نور سے بالکل محروم ہوتے ہیں جو مقربین اور اہل اللہ کی تمام دنیاوی کو بالکل بھسم اور نیست و نابود کر دیتا ہے۔

دنیا میں بے شمار ایسے آدمی ہو گزرے ہیں جن کو اپنے الہاموں اور خوابوں پر ناز تھا جب ان کی نجی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا وہ ایسے افعال قبیحہ میں مبتلا تھے کی سنگینی خود گنا ہوں کو لرزہ بر اندام کر دیتی ہے۔ اگر ان کے بد افعال کی سیاہی دنیا میں پھیلا دی تو دنیا سے نیکی کا نور بھی دب جائے۔ وہ ہر وقت شیطانی طاقتوں اور حدیث النفس سے مغلوب تھے۔ ان کی وہ سچی خوابیں اور الہام کسی روحانی وجاہت، بزرگی، اور قرب الٰہی پر صاد نہیں۔ ایسے بہت بڑے معبر ہو گزرے ہیں آپ کے پاس ایک شخص نے بیان کیا کہ اس نے خواب میں دیکھا کہ اس کے آستین میں چڑیاں گھستی اور نکل جاتی ہیں آپ نے تعبیر کی کہ یہ شخص قاتل ہے جب اس کی تلاشی لی گئی تو بے شمار مقتولوں کی ہڈیاں نکلیں۔ اسی طرح ایک شخص نے دیکھا کہ وہ انڈوں کی زر چھوڑ دیتا ہے۔ آپ نے تعبیر کی کہ یہ چور ہے۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے ذلیل کے مالکوں کی بھی خوابیں سچی نکل آتی ہیں۔

اس قسم کے لوگوں کو سچی خوابیں آنے کے دو وجوہ ہیں۔ ایک یہ کہ وہ انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کے لئے حجت ہیں اگر وہ سچی خوابوں کی حقیقت سے بالکل آشنا نہ ہوں تو وہ خدا کے سامنے یہ عذر کر سکتے ہیں کہ ان کو نبوت کی حقیقت کا علم نہیں تھا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ عنایت ازلی نے انسانی فطرت میں قرب الٰہی کے حصول کے لئے تخم ریزی کی ہے بعضوں کو سچی خوابیں اور الہام اس وجہ سے ہو جاتے ہیں تاکہ ان کو معلوم ہو سکے کہ کے لئے آگے قدم رکھنے کے لئے ایک کھلا روحانی میدان ہے جس کو طے کر کے قرب الٰہی حاصل کر ہیں اگر ان پر سچی خوابوں کا دروازہ بند ہو جائے تو وہ بیج جو خدا نے اپنے ہاتھ سے انسان کی فطر میں بویا ہے بالکل زائع ہو جاتا ہے۔

وحی الابتلاء کے ضمن میں ایک اور گروہ بھی ہے جن کو سچی خواب اور الہام ہوتے ہیں ان خدا سے کچھ تعلق بھی ہے وہ اپنی اصلاح نفس کے لئے کوشش کرتے ہیں اور خدا کے قرب کی طرف قدم مارتے ہیں ایک سطحی قسم کی نیکی کی تاثیر ان میں پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے ایک محدود دا تک روحانیت کے انوار ان میں پیدا ہو جاتے ہیں مگر ظلمت، تاریکی اور ابتلاء سے خالی ہوتے وہ تقویٰ کی باریک راہوں سے نابلد ہوتے ہیں راست بازی اور قلبی طہارت سے خالی ہو

ہوتے ہیں ان کے دل کے پردوں میں تکبر نخوت عجب دنیا پرستی اور نفس پرستی مضمر ہوتی ہے شیطان ان کے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے ذرا سی لغزش کے وقت ان کے گھر کے اندر داخل ہو جاتا ہے ان کو ہلاکت اور بربادی کے گڑھے میں پھینک دیتا ہے ہاں اگر خدا کا فضل ان کے شامل حال ہو جائے تو وہ پردے میں ہی اس دنیا سے گذر جاتے ہیں۔ ان کی مثال اس طرح کی ہے کہ صاف شفاف پانی ہو اس کے نیچے گوبر اور گند ہو اگر ہوا کا جھونکا نہ آئے تو گند اپنی جگہ پر ہی ساکن رہتا ہے ذرا تیز ہوا کا جھونکا آجائے تو پانی کی لہریں ہی گند کو پانی کی سطح کے اوپر لے آتی ہیں اور گند ظاہر ہو جاتا ہے۔

وحی الاصطفاء : وحی الاصطفاء کے دائرہ میں وہ لوگ شامل ہیں جو خدا کی محبت اور عشق کی آگ میں داخل ہو کر گناہوں کی الائشوں کو بالکل جلا دیتے ہیں وہ اکمل اور اتم طور پر خدا تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔ ان کی اللہ تعالیٰ سے قرب اور تعلق کی یہ نشانی ہوتی ہے وہ خدا کی صفات کے مظہر بن جاتے ہیں۔ اپنے اوپر ایک موت وارد کرے ایسی روحانی زندگی میں داخل ہو جاتے ہیں جو بالکل پہلی زندگی سے مغائر ہوتی ہے۔ یہ لوگ روشنی کے اس ارفع مینار پر کھڑے ہوتے ہیں جہاں تاریکیوں اور ظلمتوں کا گذر نہیں ہوتا۔ وہ لوگ شیطان کی گرفت سے آزاد ہوتے ہیں۔ نہ ان پر نفس امارہ غالب آسکتا ہے نہ حدیث النفس اور نہ شیطان اپنے وساوس ان کے قلوب میں ڈال سکتا ہے وہ بالکل خدا کی آغوش میں ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے :

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا[1] اور جو لوگ ہمارے لئے محنت اٹھاتے ہیں ہم یقیناً انہیں اپنے راستوں پر چلائیں گے۔

## وحی الاصطفا کی اقسام

وحی الاصطفاء کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ وحی نبوت یا متلو۔ یہ وحی، وحی شرعی بھی کہلاتی ہے صرف انبیا علیہم السلام سے مختص ہے شرعی اصطلاح میں وحی نبوت کی تعریف یہ ہے۔ "کلام اللہ المنزل علی نبی من انبیاءہ"[2] اللہ کا وہ کلام جو اس کے کسی نبی پر نازل ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل وحی نبوت ضرورت کے مطابق ایک قوم یا علاقہ کے لئے کسی ایک نبی پر نازل ہوتی تھی۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا۔ انسانی عقل نے ترقی کی اور اقوام کے میل جول میں تمام جغرافیائی رکاوٹیں ختم ہو گئیں اور تمام دنیا سمٹ کر ایک کنبہ کی شکل اختیار کر گئی وحدت نسل انسانی کے لئے ایک عالمگیر وحی کی ضرورت تھی، وہ وحی قرآن کریم کی شکل میں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی یہ وہ کتاب ہے جس میں بنی آدم کی روحانی، معاشرتی، اقتصادی، سیاسی، اخلاقی غرض کہ ہر قسم کی ضروریات کے لئے

---

[1] العنکبوت ۲۹ : ۷۰ [2] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ص ۱۸ ج ۱ دار الطباعۃ العامرہ استنبول ۱۳۰۸ھ مصنفہ بدر الدین العینی

مجمل اور مفصل تعلیم موجود ہے یہی وہ کتاب ہے جس کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا
"فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ان کے لئے تھی"[1]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا "مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں مگر تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو سچائی کی راہ دکھائے گا"[2]

وحی نبوت تدریجاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر آکر قرآن کریم کی شکل میں مکمل ہو چکی ہے، جیسا کہ قرآن مجید کی یہ آیت ظاہر کرتی ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ[3]

یعنی آج میں نے تمہارے لئے دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے۔

۲۔ وحی غیر متلو: وحی نبوت کے علاوہ جو نبی پر وحی نازل ہوتی ہے وہ وحی غیر متلو کہلاتی ہے اور شیطانی تحریکات و اثرات سے بالکل منزہ ہوتی ہے نبی اس وحی کی مدد سے شریعت کے اصول کی تشریح کرتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اٰتانی اللہ تعالیٰ الکتاب ومثلہ، یعنی مجھے کتاب اور اس کی مثل بھی دی گئی ہے۔

کتاب سے مراد وحی متلو یعنی قرآن مجید ہے اور مثل سے مراد وحی غیر متلو یعنی قرآن مجید کے مجملات متشابہات اور فروع کی توضیح و تشریح ہے۔ وحی متلو کا یہ خاصہ ہے۔ اس کے ساتھ تین چیزیں ضروری ہوتی ہیں۔

اوّل: مکاشفات صحیحہ: اس کی مثال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں کشفی رنگ میں بہشت اور دوزخ کا نظارہ دکھانا ہے قرآن مجید میں جنت اور دوزخ کی خبر ہے کشف نے اس خبر کو معائنہ و مشاہدہ میں بدل دیا اسی طرح آپ کی گذشتہ انبیاء علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوئیں یہ بھی کشفی رنگ میں ہوئیں۔

دوم: رویاء صالحہ: رویاء کے ذریعے علم استعارات وحی یا ب پر کھل جاتا ہے اور علوم تعبیر میں مہارت پیدا ہوتی ہے اسی وجہ سے نبی کمالات اور معارف یقینیہ کی طرف تیزی سے ترقی کرتا

سوم: وحی خفی: جو تفہیمات الٰہیہ کے نام سے موسوم ہوتی ہے اس کو وحی غیر متلو بھی کہا جاتا ہے صوفیاء اس کو وحی خفی اور وحی قلب کے نام سے پکارتے ہیں اس وحی کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وحی متلو کے بعض مجملات اور اشارات نبی پر کھل جائیں۔ مثلاً نماز کا حکم قرآن مجید میں موجود ہے لیکن جس رنگ میں آج مسلمان نماز ادا کرتے ہیں اس کا ذکر کہیں بھی قرآن مجید میں نہیں ملتا

---

[1] استثناء ۳۳: ۲ [2] یوحنا ۱۶: ۱۱-۱۳ [3] المائدہ ۵: ۳

قرآن مجید کے اس مجمل حکم کو وحی خفی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کھول دیا۔

وحی ولایت: جب یہ غیر متلو وحی غیر نبی کو ہوگی تو اس وحی کو وحی ولایت کہیں گے' اولیائے کرام اسی وحی سے مختص ہوتے ہیں۔ ولی کی یہ وحی قانونی حیثیت نہیں رکھتی۔ کتب کلام کا عام مسئلہ ہے وَالْاِلْهَامُ لَيْسَ بِحُجَّةٍ عِنْدَ الْمُشَرِّعِ ولی کا الہام شرعی قانون نہیں بن سکتا۔

## وحی ولایت جاری ہے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو حواس ظاہری کے مقابل پر حواس باطنی عطا کئے ہیں۔ حواس ظاہری کو کام میں لانے کے لئے قدرت نے خارج میں ہر قسم کا سامان مہیا کیا ہوا ہے تو پھر یہ کیونکر خیال کیا جا سکتا ہے کہ حواس باطنی پہلے تو انسانوں میں موجود تھے اب مفقود ہیں اور ان کی تربیت کا سامان ختم ہو چکا ہے۔ وحی ولایت کے ختم کرنے کے ساتھ یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ انسان میں حواس باطنی مفقود ہو چکے ہیں لیکن یہ خلاف واقعہ چیز ہے انسان کے اندر حواس باطنی جیسے پہلے موجود تھے اب بھی موجود ہیں جب انسان کے اندر حواس باطنی موجود ہیں تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ان کی تربیت اور پرورش کے لئے وحی ولایت کا دروازہ کھلا ہے اور نسل انسانی اللہ تعالیٰ کی اس نعمت سے ہمیشہ متمتع ہوتی رہے گی۔ قرآن مجید اور حدیث دونوں سے اجرائے وحی ولایت کی تصدیق ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ [1] جو ایمان لائے اور تقویٰ کرتے ہیں ان کے لئے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں خوش خبری ہے اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں یہ بڑی بھاری کامیابی ہے۔

البشریٰ جو ایک متقی انسان کو اس زندگی میں دی جاتی ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی رُو سے رویائے صالحہ صادقہ ہیں۔ حدیث صحیح میں اس کی تصریح موجود ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ [2] نبوت میں سوائے مبشرات کے کچھ باقی نہیں رہا۔ صحابہؓ نے آپؐ سے دریافت کیا یا رسولؐ اللہ! مبشرات کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا رویا صالحہ [3] بخاری میں ابوسعید خدری سے روایت ہے۔ اَلرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَاَرْبَعِيْنَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ رویا صالحہ نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے قرآنی آیت اور احادیث اس بات میں کافی ثبوت بہم پہنچاتی ہیں کہ ولایت وحی اپنی ادنیٰ صورت میں جاری ہے ہاں وحی نبوت جو جبرائیل امین نبی پر لے کر آتا ہے قیامت تک بند ہے۔

---

[1] یونس ۱۰ : ۶۴، ۶۳ [2] بخاری ۹/۱ [3] بخاری ۹/۲

قرآن مجید میں خدا تعالیٰ کی بے شمار صفات بیان کی گئی ہیں ان صفات میں خدا تعالیٰ کا کلام کرنا بھی صفت ہے جس کا ذکر بار بار قرآن مجید میں آتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے: مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ[1] اور کسی بشر کے لئے یہ میسر نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی سے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفات دیکھنا۔ سُننا۔ مجیب اور باسط وغیرہ ہیں اسی طرح قرآن مجید کی رُو سے کلام کرنا بھی اس کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت بھی معطل نہیں ہو سکتی اس سے نقص لازم آتا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات تمام نقائص سے پاک اور منزہ اور تمام خوبیوں کی جامع ہے اگر مبشرات کا دروازہ بند تسلیم کر لیا جائے تو انسان کی پیدائش کی غرض و غایت یہ ہے کہ وہ اپنی روحانی استعدادوں کو زندہ رکھے روحانی زندگی اس وقت تک میسر نہیں آسکتی جب تک وہ مبشرات اور رویاء صالحہ کے پانی سے سیراب نہ ہو۔

## اولیاء کرام کے تجربات

حضرت عمرؓ ایک دفعہ مسجد نبوی میں خطبہ دے رہے تھے۔ دوران تقریر میں فرمایا: "یٰساریۃ الجبل" اے ساریہ پہاڑ کی جانب مڑ جاؤ۔ تقریر میں بے ربط جملہ سن کر سامعین حیران تھے۔ کچھ عرصے کے بعد حضرت ساریہ محاذ جنگ سے واپس آئے تو انہوں نے حضرت عمرؓ سے عرض کی یا امیر المومنین! ہم ایک جگہ کفار کی فوج میں گھر گئے تھے بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی میں نے آپ کی آواز کے مشابہ ایک آواز سُنی جو یہ کہہ رہی تھی "اے ساریہ پہاڑ کی جانب مُڑ جاؤ" ہم نے اس آواز پر لبیک کہا اور پہاڑ پر چڑھ گئے اور فتح ہوئی آپؓ نے فرمایا ہاں آواز میں نے ہی دی تھی۔

امتِ محمدیہ کے تمام اولیاء کرام و علماء عظام اس بات کے قائل ہیں کہ نبی کریم صلعم کی کامل اتباع سے انسان اللہ تعالیٰ کے مکالمات و مخاطبات سے مشرف ہو جاتا ہے۔ کتاب فتح ربانی کی ۵۳ ویں مجلس میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے کسی نے سوال کیا کہ انبیاء علیہم السلام کی طرف خدا تعالیٰ کا رسول جبرئیل فرشتہ آتا ہے اور اولیاء کی طرف اس کا کون رسول آتا ہے جواب میں فرمایا ان کا بھی بلاواسطہ وہی رسول ہے[2]

### وحی ولایت کی حقیقت

اولیاء کرام کو ہونے والی وحی ولایت پہلے عالم برزخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

[1] الشوریٰ ۴۲ : ۵۱

[2] فتح ربانی مطبوعہ مصر مجلس ۵۳

ح مبارک پر منجلی ہوتی ہے اس کا عکس اولیاء کے قلوب پر پڑتا ہے۔

# وحی نبوت اور وحی ولایت کا شرعی مقام

## وحی نبوّت کا مقام

وحی نبوت پر ایمان لانا جزو ایمان ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے، وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ قَبْلِكَ[1] جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو تیری طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا۔

دوسری جگہ آتا ہے: اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ[2] رسول اس پر ایمان لایا جو اس کے رب کی طرف سے اتارا گیا اور مومن (بھی) سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ وحی نبوت (کتاب) پر ایمان لانا دینی فریضہ ہے اس کی ایک حکمت یہ ہے کہ وحی الٰہی اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان سچا تعلق پیدا کرتی ہے۔

دوسری حکمت یہ ہے تاکہ بنی آدم میں اتحاد کا رشتہ قائم ہو جائے۔

## وحی ولایت کا شرعی مقام

وحی ولایت کسی کے لئے قابلِ حجت نہیں اور نہ اس کا اتباع فرض ہے۔ کتب کلام کا عام مسئلہ ہے:

اَلْاِلْهَامُ لَيْسَ بِحُجَّةٍ عِنْدَ الشَّرْعِ ولی کا الہام شرعی قانون نہیں بن سکتا۔ حضرت مجدد الف ثانی نے مختلف مواقع پر یہ بحث کی ہے کہ اگر کسی مقام پر کسی ولی کا الہام ظاہراً حکم شرعی کے خلاف ہو تو ولی ظاہر شریعت کے مطابق ہوگا۔ علامہ الشاطبی فرماتے ہیں کہ اگر کشف، الہام یا خواب کے ذریعے کوئی ایسی بات معلوم ہو، جو قرآن و سنت کے معروف احکام کے مطابق نہیں ہے تو اس کے تقاضے پر عمل کرنا کسی کے نزدیک جائز نہیں۔[3]

## وحی نبوّت ہر ایک شخص پر کیوں نازل نہیں ہوتی

وحی نبوت وہبی امر ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ[4] اللہ خوب جانتا ہے کہ رسالت (وحی نبوت) کو کہاں رکھنا ہے۔

---

[1] البقرہ ۲: ۴ [2] البقرہ ۲: ۲۸۵ [3] الاعتصام ص ۳۵۱ فما بعد، مطبعۃ المنار مصر ۱۳۳۱ھ بحوالہ البلاغ جمادی الاول ۱۳۹۳ھ شمارہ ۵ [4] الانعام ۶: ۱۲۴

کفار انکار نبوت میں ایک وجہ یہ بیان کرتے تھے۔ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰہِ [1] ہم تو ایمان نہیں لائیں گے جب تک وہی وحی نبوت ہم کو نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی گئی تو اللہ تعالیٰ نے اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ کہہ کر ان کے باطل خیال کی تردید کر دی ہے۔ متذکرہ صدر آیت کے علاوہ وحی نبوت کے وہبی امر ہونے پر یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کا ذکر صفت رحمانیت کے تحت کیا ہے۔ صفت رحمانیت اجرِ بلا عمل کی متقاضی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس صفت کے ماتحت مادی زندگی کے لئے ہوا، چاند، سورج، ستارے، زمین، پہاڑ، درخت، پانی وغیرہ پیدا کیے ہیں اسی طرح ابدی زندگی کے لئے وحی نبوت کا سلسلہ جاری کیا تھا۔ جس طرح یہ تمام اشیاء موہبت ہیں اسی طرح وحی نبوت بھی وہبی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے، اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ [2] یعنی وہ ہستی رحمان ہی ہے جس نے قرآن جیسی کتاب کا علم روحانی زندگی کی تکمیل کے لئے دیا ہے۔

## کلام الٰہی تین صورتیں

قرآن کریم کی رو سے اللہ تعالیٰ کی انسان کے ساتھ ہم کلامی کی تین صورتیں ہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِہٖ مَا یَشَآءُ [3] اور کسی بشر کے لئے میسر نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یا پردہ کے پیچھے یا رسول بھیجے اور اپنے حکم سے اس کے ذریعے جو چاہے وحی کرے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے کلام کی تین صورتیں بیان ہوئی ہیں۔

۱۔ وَحْیًا ۲۔ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ ۳۔ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِہٖ مَا یَشَآءُ۔

صورت اوّل میں وحی سے مراد مسلّمہ طور پر "القائی الروع" لیا گیا ہے کیونکہ وحی کے معنی اشارہ سریعہ کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سرعت کے ساتھ ایک خیال بغیر کسی غور و فکر کے اچانک دل میں ڈال دیا جاتا ہے وہ ایک نیا علم ہوتا ہے جو دل میں بجلی کی سرعت کے ساتھ آتا ہے اور اسرار الٰہیہ سے پردہ اٹھا دیتا ہے تمام پوشیدہ حقیقتیں سامنے آجاتی ہیں جس طرح تاریک کمرہ میں روشن چراغ آجائے اور کمرہ کی تمام تاریکی کافور ہو جاتی ہے اور ہر ایک نشیب و فراز سامنے نظر آنے لگتا ہے اس کو وحی خفی کہتے ہیں۔ یہ وحی کی ادنیٰ صورت ہے اس میں نبی اور غیر نبی دونوں شامل ہوتے ہیں۔

وحی کی دوسری صورت "من وراء حجاب" ہے یعنی پس پردہ۔ اس میں رویا، کشف اور الہام شامل ہیں اس صورت میں انسان کو علم حواس باطنی کے ذریعے خارج سے آتا ہے واضح طور پر

---

[1] الانعام ۶ : ۱۲۴ [2] الرحمٰن ۵۵ : ۲،۱ [3] الشوریٰ ۴۲ : ۵۱

سوال تو کرتا ہے مگر متکلم اور نظارہ دکھانے والے کو نہیں دیکھتا۔ اس صورت میں بھی نبی اور غیر نبی دونوں شامل ہیں۔

وحی کی تیسری صورت اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَا یَشَآءُ ہے یعنی جبرائیل امین کے ذریعے وحی انسان کو پہنچائی جاتی ہے اس کا نزول بھی خارج سے حواس باطنی ہوتا ہے لیکن اس وحی کے لئے حواس سامعہ اور باصرہ مخصوص ہیں۔ یہ وحی انبیاء علیہم السلام پر ہی نزل ہوتی ہے۔ غیر نبی اس میں شامل نہیں ہوتا۔ یہ وحی کی اعلیٰ ترین واضح اور بیّن اور یقینی صورت ہے۔ قرآن مجید اور دوسری کتب سماوی اس وحی اعلیٰ کی حامل ہیں اس وحی کو وحی متلو بھی کہتے ہیں، یعنی وہ وحی جو الفاظ میں پڑھی جاتی ہے اس کو وحی نبوت بھی کہتے ہیں اور قرآنی اصطلاح میں اس کو کتاب کہتے ہیں۔ کتاب اس وجہ سے کہ وہ ایک شاہی فرمان کی حیثیت رکھتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے نبی پر نازل کرتا ہے، تاکہ نبی اسے بنی آدم کو پہنچا دے اور لوگ اس فرمان کے مطابق زندگی گزاریں۔

## نزول وحی کے طریقے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف طریقوں سے وحی نازل کی جاتی تھی۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حارث بن ہشام نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ پر وحی کس طرح سے آتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔

اَحْیَانًا یَاْتِیْنِیْ مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ وَهُوَ اَشَدُّهٗ عَلَیَّ فَیُفْصَمُ عَنِّیْ وَقَدْ وَعَیْتُ عَنْهُ مَا قَالَ وَ اَحْیَانًا یَتَمَثَّلُ لِیَ الْمَلَكُ رَجُلًا فَیُكَلِّمُنِیْ فَاَعِیْ مَا یَقُوْلُ[1] یعنی کبھی تو ایسے آتی ہے جیسے گھنٹی کی آواز اور یہ مجھ پر بہت سخت ہوتی ہے پھر وہ حالت مجھ سے جاتی رہتی ہے اور میں اس سے محفوظ کر لیتا ہوں جو وہ (فرشتہ) کہتا ہے اور کبھی فرشتہ انسان کی شکل میں میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے بات کرتا ہے میں اس کا کہا یاد کر لیتا ہوں۔

اس حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کے دو طریقے بیان کئے ہیں۔

۱۔ صلصلة الجرس۔ پہلا طریقہ یہ ہے آپ کو اس قسم کی آواز سنائی دیتی تھی، جیسی گھنٹیاں بجنے سے پیدا ہوتی ہے۔ "صلصلة" دراصل اس آواز کو کہتے ہیں جو لوہے کے ایک ٹکڑے کو دوسرے پر مارنے سے پیدا ہوتی ہے پھر اس کا اطلاق ہر اس آواز پر کیا جانے لگا۔ جس میں جھنجھناہٹ ہو چنانچہ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

الصلصلة فی الاصل صوت وقوع الحدید بعضہ علی بعض ثم اطلق علی کل صوت لہ طنین[2]

---

[1] صحیح بخاری ص ۳ ج ۱، اصح المطابع کراچی [2] فتح الباری جلد ۱ ص ۱۶، جلد ۸ ص ۴۳۶

وحی کی آواز کو "صلصلۃ الجرس" سے تشبیہہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح گھنٹے کی آواز صوت محض کی صورت میں سُنائی دیتی ہے اور اس کا کوئی مبداء اور مقطع نہیں ہوتا اس طرح وحی کی اس آواز کا جس کو نبی سنتا ہے کوئی مقطع اور مبداء نہیں ہوتا اس بناء پر یہ آواز مرکب نہیں بلکہ بسیط ہوتی ہے [1]

صلصلۃ الجرس (گھنٹے کی آواز) سے کیا مراد ہے اس بارے میں مختلف مسلک ہیں۔

۱۔ حضرت امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ خدا کی آواز ہوتی ہے جو تمام فضا میں گونج جاتی ہے چنانچہ وہ اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت بیان کرتے ہیں۔ إذا تکلم اللہ بالوحی جب اللہ تعالیٰ وحی کے ساتھ کلام کرتا ہے۔

۲۔ ابن حجر عسقلانی کا یہ مسلک ہے کہ یہ آواز فرشتہ وحی کے پروں کی ہوتی تھی۔ حدیث نبویہ سے پتہ چلتا ہے کہ فرشتوں کے پروں سے اس قسم کی آواز آتی ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلعم نے فرمایا إذا قضی اللہ الامر فی السماء ضربت الملائکۃ باجنحتھا خضعانا لقولہ کانہ سلسلۃ علی صفوان فاذا فزع عن قلوبھم قالوا ماذا قال ربکم؟ قالوا للذی قال الحق وھو العلی الکبیر [2] جب اللہ تعالیٰ آسمان میں حکم صادر فرماتے ہیں تو فرشتے خوف کی وجہ سے اپنے پر پھڑپھڑانے لگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا کلام اس طرح سنائی دیتا ہے جیسے پتھر پر ایک زنجیر کی آواز سنائی دیتی ہے۔ پس جب ان کے دلوں سے خوف اور گھبراہٹ دُور ہو جاتی ہے تو وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا حکم صادر فرمایا ہے وہ (مقربین) کہتے ہیں کہ حق بات کا حکم صادر ہوا اور وہ بلند اور بزرگ ہے۔

۳۔ ابن حجر عسقلانی نے ایک اور روایت نقل فرمائی ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں اذا تکلم اللہ بالوحی یسمع اھل السموات صلصلۃ کصلصلۃ السلسلۃ علی الصفوان فیفزعون ویرون انہ من امر الساعۃ [3] جب اللہ تعالیٰ کوئی وحی فرماتے ہیں تو اہل سماوات اس کو اس طرح سنتے ہیں جس طرح لوہے کی زنجیر ایک صاف پتھر پر پڑنے سے آواز آتی ہے پس وہ (فرشتے) (اللہ تعالیٰ کے جلال کے باعث) ہیبت زدہ ہو جاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ شاید یہ قیامت کے متعلق کوئی حکم ہے۔

نمبر ۱ مسلک یہ ہے کہ یہ فرشتہ کی زبان کی آواز ہوتی تھی۔ کئی شارحین بخاری اور جید محدثین اس کے بھی قائل ہیں۔

---

[1] فیض الباری جلد ۱ صفحہ ۱۹ [2] فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۴۳۶

۱۔ علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ یہاں تشبیہ آواز کے ترنم میں نہیں بلکہ اس کے تسلسل میں ہے، کہ جس طرح گھنٹی کی آواز مسلسل ہوتی ہے اور کسی جگہ ٹوٹتی نہیں اسی طرح وحی کی آواز بھی مسلسل ہوا کرتی تھی [1]

۲۔ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی سے نقل کرکے اس تشبیہ کا جو مطلب بیان کیا ہے وہ مذکورہ بالا تمام توجیہات سے زیادہ لطیف ہے ان کا یہ کہنا ہے کہ یہ تشبیہ صرف دو اعتبار سے دی گئی ہے۔ ایک تو آواز کے تسلسل کے اعتبار سے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ دوسرے اس اعتبار سے کہ گھنٹی جب مسلسل بج رہی ہو تو عموماً سننے والے کو اس کی آواز کی سمت متعین کرنا مشکل ہوتا ہے کیونکہ اس کی آواز ہر جہت سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور باری تعالیٰ چونکہ جہت اور مکان سے منزہ ہے اس لئے کلام الٰہی کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی آواز کسی ایک سمت سے نہیں آتی بلکہ ہر جہت سے آتی ہے اس کیفیت کا صحیح ادراک تو بغیر مشاہدہ کے ممکن نہیں لیکن اس بات کو عام ذہنوں کے قریب لانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے گھنٹیوں کی آواز سے تشبیہ دی ہے [2]

عصر جدید میں وحی کی اس صورت میں جو آواز سنائی دیتی تھی۔ اس کو سمجھنا چنداں مشکل نہیں۔ گھر سے جب پیغام کسی دوسرے شہر میں بھیجا جاتا ہے تو الفاظ کو ٹک ٹک کی آواز سے ادا کیا جاتا ہے۔ تار کو وصول کرنے والا کلرک جو اس فن سے واقف ہوتا ہے۔ اس آواز کو سن کر الفاظ میں ملتا جاتا ہے لیکن ایک عام آدمی کے نزدیک جو اس فن سے نابلد ہوتا ہے وہ ٹک ٹک کی آواز بے معنی ہوتی ہے اسی طرح وحی کی آواز کو جب کوئی دوسرا سن لیتا تھا تو اس کی کیفیت کو اپنے الفاظ میں بیان تو کرسکتا ہے لیکن اس بسیط اور بے جہت آواز کلام الٰہی کو اخذ نہیں کرسکتا تھا یہ مقام صرف نبی سمجھ سکتا تھا۔ مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں۔

وصلصلة الجرس ههنا كنقرات التلغراف لاداء الرسالة [3]

گھنٹہ کی آواز ٹیلیگراف کی ٹک ٹک کی طرح ہے جو پیغام رسانی کے لئے کی جاتی ہے۔ وحی کی یہ صورت جس کو حدیث میں صلصلۃ الجرس کے الفاظ میں تعبیر کیا گیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر زیادہ اشد اور اثقل ہوتی تھی۔ حدیث میں آتا ہے۔ احیاناً یاتینی مثل صلصلۃ

---

[1] فتح الباری مصنفہ حافظ ابن حجر صفحہ ۱۶ ج ۱ المطبعۃ البہیۃ ۱۳۴۸ھ بحوالہ البلاغ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ جون ۱۹۷۳ء جلد ۷، شمارہ ۴ [2] فیض الباری ص ۱۹، ۲۰ جلد ۱ قاہرہ ۱۳۵۷ھ بحوالہ البلاغ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ جلد ۷، شمارہ ۴ [3] مشکلات القرآن ص ۱۲۶

الْجَرَسِ وَهُوَ اَشَدُّهُ عَلَيَّ[1] کبھی تو وحی ایسے آتی جیسے ایک گھنٹہ کی آواز آتی ہے یہ مجھ پر بہت سخت ہوتی۔ قرآن مجید نے اسے "قَوْلًا ثَقِيْلًا" (وزنی کلام) کہا ہے۔ اس صورت میں وحی الشد اور اثقل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مادیت سے منقطع ہو کلی طور پر عالم روحانی کی طرف منتقل ہونا پڑا تھا۔ تاکہ سامع (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) اور حامل وحی (جبرئیل) میں مناسبت سماع پیدا ہو جائے۔ چونکہ اس وقت آپ کی جہت بشری اور جہت ملکوتی میں متصادم ہو تھا۔ اس وجہ سے وحی کی یہ صورت آپ پر اثقل اور شدید تر ہوتی تھی۔

۲۔ تمثل ملک: وحی کی دوسری صورت جو اس حدیث میں بیان کی گئی ہے یہ ہے کہ فرشتہ انسانی شکل میں آپ کے پاس آکر پیغام الٰہی پہنچاتا۔ وحی کی اس صورت میں آپ کوئی خاص دشواری اور بوجھ محسوس نہ کرتے۔ چنانچہ صحیح ابوعوانہ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے وحی کی اس صورت کا ذکر کرکے فرمایا وَهُوَ هُوَنُهُ عَلَيَّ[2] اور یہ صورت میرے لئے سب سے زیادہ آسان ہوتی ہے۔

حضرت عائشہؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں تو وحی کے صرف دو طریقے بیان کئے گئے ہیں، لیکن دوسری احادیث میں اس کے علاوہ بھی کئی طریقے بیان ہوئے ہیں۔ علامہ حلیمیؒ نے لکھا ہے کہ رسول کریمؐ پر وحی چھیالیس مختلف طریقوں سے نازل ہوتی تھی[3] لیکن حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ انہوں نے کامل وحی (جبرئیل علیہ السلام) کی مختلف صفات کو وحی کے مختلف طریقے شمار کرکے تعداد چھیالیس تک پہنچا دی ہے ورنہ تعداد اتنی نہیں[4]

دوسری احادیث میں نزول وحی کے جو طریقے بیان ہوئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

۳۔ فرشتہ کا اصل شکل میں آنا۔ وحی کا تیسرا طریقہ یہ تھا کہ حضرت جبرئیل امین بغیر کسی انسانی شکل اختیار کئے اپنی اصل صورت میں وحی نبوت لے کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے

۴۔ رویائے صالحہ: وحی کا تیسرا طریقہ رویائے صالحہ تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نزول قرآن سے قبل سچے خواب نظر آتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ اَوَّلُ مَا بُدِئَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرٰى رُؤْيَا اِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ[5] پہلے جو وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر شروع ہوئی وہ حالت خواب میں سچا رؤیا تھا سو آپ جو خواب دیکھتے تھے صبح کی روشنی کی طرح اس کی سچائی ظاہر ہو جاتی تھی۔

---

[1] بخاری جلد ۱ صہ ۳، ۴۵۷ [2] الاتقان ج ۱ ص ۴۶ [3] فتح الباری مصنفہ حافظ ابن حجر ج ۱ صہ ۱۶ [4] ایضاً [5] صحیح بخاری جلد ۱ صہ ۲

یہ وحی غیر متلو تھی۔ وحی متلو کے نزول کا آغاز آیت اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ سے ہوا تھا۔

۴۔ کلام الٰہی: اللہ تعالیٰ کسی فرشتہ یا آواز کے توسط کے بغیر براہِ راست نبی کے دل پر وحی نازل فرمائے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے شبِ معراج میں رسول کریم صلعم کی طرف وحی فرمائی ارشاد الٰہی ہے ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى [1] پھر قریب ہوا اور بہت قریب ہوا۔ سو وہ دو کمانوں کے قریب ہوا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر قریب ہوا۔ سو اس نے اپنے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کی۔

۶۔ نفث فی الروع (بات کا دل میں ڈال دینا) حضرت جبرئیل علیہ السلام کسی بات کو آپؐ کے قلب مبارک میں القا کر دیتا تھا۔ چنانچہ ایک روایت میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رُوْعِیْ [2] روح القدس (جبرئیل علیہ السلام) نے میرے دل میں بات ڈال دی۔ اور مستدرک کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

اِنَّ جِبْرِیْلَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَلْقٰى فِیْ رُوْعِیْ اَنَّ اَحَدًا مِنْكُمْ لَنْ يَّخْرُجَ مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى يَسْتَكْمِلَ رِزْقَهٗ [3] جبرئیل علیہ السلام نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ ہم میں سے کوئی دنیا سے نہیں جائے گا جب تک اپنا رزق پورا نہ کرے۔ یہ وحی، وحی غیر متلو تھی۔

۷۔ اللہ تعالیٰ کا بلاواسطہ کلام فرمانا: اللہ تعالیٰ، کسی فرشتہ کے بغیر نبی سے کلام کرتا ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا۔ ارشادِ الٰہی ہے: وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا [4]

۸۔ اللہ تعالیٰ کا بغیر حجاب کے کلام کرنا: حضرت ابن القیم اس طریقۂ وحی کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں ھی تکلیم اللہ لہ کفاحًا من غیر حجاب یعنی وہ طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نبی سے بغیر حجاب کے کلام فرمائے۔

اس کے ساتھ علامہ صاحب یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ وحی کا یہ طریقہ تمام امت کے نزدیک مسلّم نہیں بلکہ اس کے قائل وہ علماء ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے رویت باری تعالیٰ کی کیفیت کے بارے میں سلف اور خلف میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھ سے خدا کو دیکھا۔ جیسا کہ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ نے اپنی رویت اور کلام کو محمدؐ اور موسیٰؑ پر تقسیم فرما دیا۔ پس موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے دو مرتبہ کلام کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا" [5]

---

[1] النجم ۵۳: ۸-۱۰ [2] الاتقان ج ۱ صفحہ ۴۶ [3] مستدرک حاکم کتاب البیوع ج ۲ ص ۴
[4] النساء ۴: ۱۶۴ [5] ابن کثیر ج ۴ ص ۲۵۰

حضرت عبداللہ بن عباس کا مسلک بھی یہی ہے ۔

اس کے برعکس بعض علماء کا یہ مسلک ہے آپ نے اللہ تعالیٰ کی رؤیت اپنی روحانی بصیرت کی تھی اور ان مادی آنکھوں سے نہیں کی تھی۔ جیسا کہ محمد بن کعبؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ کے بعض اصحاب سے نقل کیا ہے کہ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا آپؐ نے اپنے رب کو دیکھا آپ نے فرمایا:

لم أرہ بعینی ورأیتہ بفؤادی مرتین ثم تلا ثم دنا فتدلی۔ میں نے اس کو ان آنکھوں سے نہیں لیکن دل کی آنکھوں سے دیکھا ہے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ثم دنا فتدلی (پھر وہ بہت زیادہ قریب ہوا)

علامہ ابن کثیر نے ایک اور روایت نقل فرمائی ہے کہ صحابہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا۔ کیا آپؐ نے اپنے رب کو دیکھا ہے آپؐ نے فرمایا

رأیتہ بفؤادی مرتین ثم قرأ "ما کذب الفؤاد ما رأی"[1] میں اس کو اپنے دل سے دو مرتبہ دیکھا ہے پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ما کذب الفؤاد ما رأی (دل نے جو کچھ دیکھا غلط نہیں دیکھا۔)

اس مسئلہ میں حضرت عائشہؓ کا یہ مسلک ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا۔ وہ قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کرتی ہیں۔ "لا تدرکہ الأبصار وھو یدرک الأبصار" آنکھ اس کا احاطہ نہیں کر سکتی اور وہ آنکھ کو پا سکتا ہے حضرت عائشہؓ کے قول کے معنی بھی اسی قدر ہو سکتے ہیں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو ان آنکھوں سے نہیں قلب سے دیکھا یا کشف یا رویا میں دیکھا اس کے خلاف نہیں۔

پس حق یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کو اپنے قلب سے دیکھا اور بعض حدیثوں میں رؤیت میں دیکھنے کا ذکر ہے اور یہ آیت لا تدرکہ الابصار کے خلاف نہیں ۔

۹۔ کتابت کے ذریعے وحی: وحی کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لکھی ہوئی چیز موحی الیہ کشف کی حالت میں ظاہر کر دیتا ہے ۔

۱۰۔ تفہیم غیبی: بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو کسی مشکل ترین عقدہ کے حل کا غیب فہم عنایت کر دیتا ہے جس تک دوسرے شخص کی فکر و نظر رسائی نہیں کر سکتی۔ دراصل القاء فی القلب اور نفث فی الروع ہی ایک قسم ہے یہ وہ خاص فہم ہے جو اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا فرمایا تھا۔ ارشادِ الٰہی ہے ۔

---

[1] ابن کثیر ج ۴ ص ۲۵۰

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ۝ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا [1] اور داؤد اور سلیمان کو جب وہ کھیتی کے معاملے میں فیصلہ کرنے لگے جب اس میں لوگوں کی بکریاں رات کو چر گئیں اور ہم ان کے فیصلے کے گواہ تھے۔ سو ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا اور سب کو ہم نے فہم اور علم دیا تھا۔ علامہ الشیخ علاؤ الدین بن محمد بن ابراہیم اپنی تفسیر خازن میں "فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ" کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں یعنی یہ فیصلہ ہم نے اس کو سکھایا اور ہم نے اس کو الہام کیا [2] ایسا ہی علامہ بغوی نے تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے [3]

علامہ علاؤ الدین بعض اہل علم کا قول نقل کر کے فرماتے ہیں کہ تفہیم غیبی دراصل وحی ہی ہوتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ حضرت داؤدؑ اور سلیمان علیہما السلام نے یہ فیصلہ وحی ہی سے کیا تھا" [4] یہ وحی، وحی غیر متلو ہے اس میں غیر نبی بھی شامل ہوتے ہیں۔

## وحی الٰہی کے اترنے کی جگہ

قرآن مجید میں یہ امر واضح ہے کہ وحی الٰہی کے اترنے کی جگہ انسانی قلب ہے جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے: قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ [5] کہہ جو کوئی جبرئیل کا دشمن ہے سو بیشک اس نے اللہ کے حکم سے تیرے دل میں اتارا۔

## وحی الٰہی قلب پر کیوں نازل ہوتی ہے؟

انسان کے دو حصے ہیں ایک تو وہ حصہ جو قدرت کی ہدایت کے مطابق بے اختیار اور بغیر قوتِ ارادی کے چل رہا ہے، مثلاً ہمارے جسم کا اندرونی نظام وغیرہ انسان کا دوسرا حصہ قلب ہے جو انسان کو دنیا کی تمام اشیاء سے امتیاز بخشتا ہے جس کے تحت انسان علم حاصل کر کے تمام کائنات کا حاکم بنتا ہے۔ کیونکہ انسانی عقل ادراک اور شعور کا مرکز ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے دل کو حصولِ علم کے لئے حواس ظاہری اور حواس باطنی عطا فرمائے ہیں، ہم حواس ظاہری سے سن کر دیکھ کر، چھو کر، چکھ کر علم حاصل کرتے ہیں۔ پھر اس علم کو قلب میں منتقل کر دیتے ہیں، پھر قلب عقل و شعور کے سامنے پیش کرتا ہے اور عقل صحت اور عدم صحت کا حکم نافذ کرتی ہے۔ اسی طرح حواسِ ظاہری کے مقابل پر حواس باطنی ہیں، حس باصرہ کے بالمقابل باطنی آنکھ، حس سامعہ کے بالمقابل باطنی کان حواسِ ذائقہ، شامہ اور لامسہ کے بالمقابل باطنی حواس ذائقہ شامہ اور لامسہ ہیں جب انسان کا دل تمام

---

[1] الانبیاء ۲۱: ۷۸، ۷۹ [2] خازن ج ۴ ص ۲۴۶ [3] بغوی علی ہامش الخازن ج ۴ ص ۲۴۶ [4] خازن ج ۴ ص ۲۴۶ [5] البقرہ ۲: ۹۷

دنیاوی کدورتوں اور غلاظتوں سے پاک صاف ہوتا ہے۔ بدن کے ساتھ مشغول رہنے کے باوجود خدا سے متصل ہو جاتا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ اس کے مطہر قلب پر وحی نازل کرتا ہے اور انسان باطنی حواس، حواس ظاہری کی طرح نظارے دیکھتے ہیں، ذائقے چکھتے ہیں، خوشبو سونگھتے ہیں، آواز سنتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے صرف انسان کے دل کو ہی باختیار اور بارادہ بنایا ہے وہ صحیح علم حاصل کر کے اس کے مطابق عمل کرے یا نہ کرے اس وجہ سے یہ ضروری تھا کہ خدا قلب کو اپنی وحی کے لئے جائے نزول بناتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو یہی گرامی نعمت گراں قدر عنایت ہوئی ہے جو دوسری مخلوق کو نہیں ملی۔

## انسانی قلب پر وحی کا نزول کس طرح ہوتا ہے

وحی الٰہی ایک علم ہے انسان کے مقصد حیات کو پورا کرنے کے لئے اس کی راہنمائی کرتا ہے چونکہ یہ علم باطن سے تعلق رکھتا ہے اس لئے براہ راست قلب کے حواس باطنی پر پڑتا ہے۔ جب اس علم کا نزول قلب کی حس باصرہ پر ہوتا ہے تو وحی ایک نظارہ کی شکل میں ہوتی ہے جسے کشف اور رویا کہتے ہیں جب قلب کی حس سامعہ پر اس کا نزول ہوتا ہے تو وحی الٰہیہ کو ایک لطیف، پُر شوکت، پُر رعب اور لذیذ کلام سُنائی دیتا ہے، جب قلب کی حس ذائقہ پر نزول ہوتا ہے تو وحی الٰہیہ ایک عجیب خوش ذائقہ چیز کی حلاوت اور لذت زبان محسوس کرتا ہے جب قلب کی قوت شامہ پر اس کا نزول ہوتا ہے تو ایک عجیب خوشبو کا احساس ہوتا ہے جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کے پیرہن سے خوشبو محسوس کی اور فرمایا: اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ [1] یقیناً میں یوسف کی خوشبو پاتا ہوں اگر مجھے بہکا ہوا نہ سمجھو۔

یہ قلب کی باطنی قوت شامہ کا احساس تھا اس طرح جب قلب کی قوت لامسہ پر اس کا نزول ہوتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے، کسی کلام نے آکر اس کے دل کے پردوں کو چھوا ہے اور وہ الفاظ دل کے باطنی کانوں کو سُنائی دیتے ہیں۔ یہ عجیب و غریب احساس ہوتا ہے جس کی لذت اور کیفیت وہی بیان کر سکتے ہیں جو صاحب حال اور روحانی کوچہ سے آشنا ہوتے ہیں۔ جن کے حواس باطنی گناہوں، دنیاوی الائشوں، تکبر و نخوت کی دیمزوں سے ناکارہ ہو چکے ہوں۔ وہ اس الٰہی سر کو نہیں سمجھ سکتے۔

## قلب پر نزول وحی کے متعلق تین اہم امور

قلب پر نزول وحی کے متعلق تین اہم امور کا جاننا ضروری ہے

۱۔ **حواس ظاہری کا تعطل**: جب خدا تعالیٰ انسان کے حواس باطنی پر وحی نازل کرتا ہے، تو حواس ظاہری اس وقت معطل ہو جاتے ہیں تاکہ عالم ظاہر کے محرکات و تاثرات سے عالم باطن

---

[1] یوسف ۱۲ : ۹۴

کے محرکات و تاثرات خلط ملط نہ ہو جائیں۔

۲۔ **ایک ہی وقت میں متعدد حواس پر وحی کا نزول:** بعض اوقات وحی کا نزول ایک ہی وقت میں کئی حواس باطنی پر ہوتا ہے۔ یعنی قلب ایک ہی وقت میں دیکھتا بھی ہے سنتا بھی ہے چکھتا بھی ہے۔

۳۔ **باطنی و ظاہری حواس میں اشتراک:** انسان کے حواس باطنی اور ظاہر میں ایک حس مشترک ہے کہ انسان باطن کی ہر ایک حس کو اسی طرح محسوس کرتا ہے جس طرح وہ ظاہر کی حس کو محسوس کرتا ہے مثلاً وحی کے وقت کسی انسان کی باطن کی آنکھ کام کر رہی ہو اور ظاہری آنکھ اس وقت معطل ہو۔ پھر بھی باطن کی آنکھ کے احساس کی کیفیت اسی طرح ہوگی جس طرح ظاہری آنکھ سے دیکھنے کے وقت ہوتی ہے حس مشترک کی وجہ سے موحی الیہہ یوں محسوس کرتا ہے کہ اس کے اندر کوئی آنکھ ہے جس سے وہ دیکھ رہا ہے اسی طرح دوسرے حواس کا معاملہ ہے غرض کہ یہ حس مشترک باطنی حواس کو بھی ظاہری حواس کے رنگ میں پیش کرتی ہے۔ بعض اوقات موحی الیہہ کو مغالطہ لگ جاتا ہے کہ آیا جو نظارہ اس نے دیکھا ہے عالم ظاہر کا ہے یا عالم باطن کا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب آگ کی روشنی دیکھی تھی وہ باطنی نظارہ تھا۔ لیکن مشترک جس نے اسی قدر غلبہ اختیار کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یوں محسوس کیا کہ وہ ظاہری آنکھ سے آگ کی روشنی دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ باطنی آنکھ سے دیکھ رہے تھے لیکن عالم باطن کی آواز نے اس مغالطہ کو دور کر دیا۔

## وحی کی ضرورت

انسان کی عقل کوتاہ اور ناقص ہے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں پر وحی نازل کی تاکہ وہ آسمانی نور انسان کی عقل کی راہبری کرے قرآن مجید میں آدم علیہ السلام کا واقعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کی عقل فطری کمزوری کی وجہ سے شیطانی وسوسہ سے مغلوب ہوگئی اور وہ سکون قلب کی جنت سے محروم ہوگئے تب حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے وحی کے ذریعے کچھ کلمات سیکھے، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی رحمت کے سایہ میں لے لیا۔ جو اس میں نقص تھا۔ دور ہوگیا۔ گویا فطری کمزوری کا علاج وحی الٰہی سے کیا گیا۔ بندہ کی روحانی ربوبیت کا سامان وحی الٰہی میں ہے کہ عقل کے ذریعے ہی انسان کو اپنی تمام مشکلات کی گرہ کشائی کرنا پڑتی تو وہ عقل کی کمزوری کی وجہ سے ٹھوکریں کھا کر ہلاکت کے اتھاہ گڑھے میں گرا پڑا رہتا۔

دنیا کے بڑے بڑے فلاسفہ نے برملا عقل کی کوتاہ بینی اور فکر کی نارسائی کا واشگاف الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔ سقراط کا یہ مقولہ مشہور ہے "ہم اتنا بھی نہیں جانتے کہ نہیں جانتے"

انگلستان کا مشہور فلسفی ڈیوم ہیوم واضح الفاظ میں قرار کرتا ہے کہ "انسان ذی عقل مخلوق اور اس لحاظ سے علم اس کی خاص دماغی غذا ہے لیکن ساتھ ہی انسانی عقل و فہم کے حدود اتنے ہیں کہ اس باب میں اس کو وسعت و اذعان دونوں حیثیات سے بہت ہی کم اپنے فتوحات تشفی نصیب ہو سکتی ہے"[1]

دیقراطیس کا قول ہے "کوئی بات سچ نہیں اور اگر ہے تو ہم کو معلوم نہیں"[2]

جب انسان کی عقل ناقص ہے تو وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ انسان جو اپنی عقل کے تدبیر سے پیچیدہ مسائل کی گرہ کشائی کرے گا وہ صحیح ہوں گے۔

فلسفہ یونان کے جو بنیادی نظریے تھے وہ صدیوں تک دنیا میں مقبول اور رائج رہے آج موجودہ فلسفۂ یورپ نے ان کو بالکل باطل قرار دیا ہے کون کہہ سکتا ہے کہ آج جو فلاسفہ عا کے زور سے جن نظریات کی عمارت تعمیر کر رہے ہیں وہ مستقبل میں بھی قائم و دائم رہے گی۔

پس وحی الٰہی زندگی کے ہر شعبہ میں انسان کی راہنمائی کے لئے ضروری ہے تاکہ وہ ہر قسم لغزشوں اور ٹھوکروں سے محفوظ و مصئون رہ کر جادۂ صواب پر گامزن رہے۔ اسی وجہ خدا تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں یہ دعا سکھائی ہے جس کو ہر ایک مسلمان پنجگانہ نمازمیں دہراتا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (ہمیں سیدھے را کی ہدایت دے راستہ ان لوگوں کا جن پر تونے انعام کیا) یہاں انعام سے مراد نور وحی ہے۔ جو لوگ نور وحی سے منور ہوتے تھے وہی جادہ صواب پر گامزن ہوتے ہیں۔ ان کی اقتداء ہی لغزشوں سے رکھتی ہے اور منزل مقصود تک پہنچاتی ہے۔

شاید کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ پھر عقل انسانی کا فائدہ کیا۔ جب زندگی کے تمام شعبہ میں مکمل طور پر راہنمائی نہیں کر سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ عقل اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی عنایت نعمت ہے جس طرح خدا کے دوسرے حواس مثلاً قوتِ سامعہ، قوتِ لامسہ، قوتِ ذائقہ، قو باصرہ نعماء عظمیٰ میں سے ہیں اسی طرح انسانی عقل بھی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسانی حواس ایک حد کے محدود ہیں۔ انسان کی آنکھ ایک حد تک دیکھ سکتی ہے جو چیز اس کی حد سے باہر ہو گی اس کو دیکھ سکے گی اور اگر کوئی فیصلہ صادر کرے گی تو غلطی کا قوی امکان ہے اسی طرح کان ایک حد سُن سکتے ہیں اگر اس کی حد سے باہر کی آواز کو سننے کی کوشش کریں تو وہاں بھی غلطی کا امکان ہے طرح روحانیت کے بے شمار معاملات ہیں جو انسان کی عقل سے بالاتر ہیں ان کا احاطہ کرنا انسان کی عق

[1] ہیومن انڈر اسٹینڈنگ مصنفہ ڈیوڈ ہیوم بحوالہ فہم انسانی ص ۵ مترجم پروفیسر عبدالباری
[2] لیوس کی سوانحی تاریخ فلسفہ (ہسٹاگرو فکل ہسٹری آف فلاسفی) ص ۷۰ بحوالہ فہم انسانی ص ۱۱

ید تر ہے اور عقل کا ٹھوکر کھا جانے کا احتمال ہے ایسے معاملات میں وحی الٰہی کا عقل کی دست گیری
نا لازمی اور لابدی ہے اگر اللہ تعالیٰ ایسے امور میں مدد اور دست گیری نہ کرے تو اللہ تعالیٰ
صفت رحمانیت پر زد پڑتی ہے اور قیامت کے روز انسان اپنی لغزشوں کے بارے میں
بجانب ٹھہرے گا جب باریک در باریک نہاں در نہاں امور سے متعلق اس کی رسائی ہی نہیں
۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی راہنمائی ہی نہیں کی تو پھر اس کا حساب کتاب کیسا ؟ ۔

جس طرح ایک انسان اپنی قوتِ باصرہ کی مدد کے لئے خوردبین اور دوربین، باریک اور
ر کی اشیاء دیکھنے کے لیئے استعمال میں لاتا ہے وہ آلے انسان کی قوتِ باصرہ کو اس کی حد سے پرے
اشیاء کو دیکھنے میں مدد دیتے ہیں اسی طرح وحی الٰہی عقلِ انسانی کو اس کی حد سے باہر نکال کر ایسے
ر کے سمجھنے میں مدد دیتی ہے جو اس سے بالاتر ہوتے ہیں پس وحی عقل کے خلاف نہیں ہے بلکہ عقل
ے لئے ایک روشنی کا مینار ہے تاکہ انسان ان چیزوں کا بھی احاطہ کر سکے جو اس کی عقل سے بالاتر ہیں
یہاں مناسب سمجھتا ہوں کہ "خلاف عقل" اور "بالاز عقل" سے متعلق کچھ عرض کر دوں ۔

## خلاف عقل اور بالاز عقل میں فرق

آج کل عقل پسند اور نیچریوں کی یہ عادت ہے کہ جو امر ان کی محدود عقل میں نہ آئے
اس کو خلاف عقل قرار دے کر رد کر دیتے ہیں، اوّل تو عقل کے لحاظ سے مختلف لوگ ہوتے ہیں اگر
ب فطین آدمی کوئی مسئلہ بیان کرے تو اس سے فروتر عقل والا آدمی اس وجہ سے انکار کر دے کہ وہ
سئلہ اس کی عقل میں نہیں آتا تو کوئی اس انکار کو معقول نہیں کہہ سکتا ۔ عقل کے لحاظ سے لوگوں میں
ی فرق کی وجہ سے یہ ممکن ہے کہ جو ایک مسئلہ کسی کے نزدیک معقول ہے دوسرے کے نزدیک غیر معقول
۔ آج کم علمی کی وجہ سے غیر معقول نظر آتا ہو وہ کل علم کی روشنی کی وجہ سے معقول نظر آئے ۔ پس کسی امر
اس وجہ سے انکار کر دینا کہ وہ کسی کی عقل میں نہیں آتا خود کم عقلی پر دلالت ہے ۔

جب بے تار کی تار برقی ایجاد ہوئی تو معلوم نہیں کہ کتنے سائنس دانوں نے اس ایجاد کو غیر معقول کہا
وگا ۔ لیکن تجربے نے اس کی صحت پر مہر ثبت کر دی تو تمام سائنس دان یقین کر گئے ۔

مناسب طریقہ یہی ہے کہ جب کوئی کسی کے سامنے بالاز عقل امر بیان کرے تو فوراً اس کی تردید
کر دے بلکہ اس کو حوالۂ خدا کرے اس امر کے سمجھنے کی سعی بلیغ کرے ۔

ہاں ! اگر کوئی امر اصول متعارفہ کے خلاف بیان کیا جائے تو اس کو خلافِ عقل قرار دے کر رد
کر دے ۔ مثلاً کوئی یہ کہے کہ فلاں زمانہ میں سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہوا یا کوئی یہ کہے
کہ دو اور دو چار نہیں بلکہ پانچ ہوتے ہیں تو پھر انکار کرنا ہی عین عقل ہے ۔ اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے
کہ کوئی امر اصول متعارفہ اور مسلمات عقلی کے خلاف ہو تو وہ خلافِ عقل قرار دیا جائے گا اگر اصول متعارفہ

اور مسلماتِ عقلی کے خلاف تو نہیں لیکن سمجھ میں نہیں آیا تو وہ امر بالاز عقل کے تحت آئے گا۔
خلافِ عقل اور بالاز عقل کے درمیان فرق کرنا ہر عقل مند آدمی کا کام ہے ورنہ علمی ترقی رُک جائے گی کہ جو بھی کوئی چیز عقل کی حد کے اندر نہ آئی تو اس کو خلاف عقل قرار دے کر رد کر دیا اس طرح محنت اور کوشش کا جذبہ بالکل سرد پڑ جائے گا۔

## دوسری ضرورت

انسان کی طبعی فطرت ہے کہ وہ اپنے جیسے بشر کے سامنے سر نہیں ہوتا۔ ہاں! انسان اسی کا فرمانبردار بن کر نقشِ قدم پر چلے جس کے متعلق اس کا ایمان ہو کہ وہ ایسی قادر اور توانا ہستی سے تعلق رکھتا ہے اور وہ عظیم ہستی اس کی پشت پر ہے اس کے انکار سے دین اور دنیا میں خسران اور گھاٹا ہے اور ایمان لانے سے فلاح امر کو واضح کرنے کے لئے ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

شیخ الرئیس بوعلی سینا کا ایک طالب علم خادم تھا۔ جو شیخ الرئیس کے فلسفہ اور علم سے بہ متاثر تھا اور وہ تعجب کیا کرتا تھا کہ ان کا مخدوم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو کیسے مان جب کہ وہ خود ان سے علم و حکمت میں بڑھا ہوا ہے اس خیال کا اظہار وہ کئی دفعہ بوعلی سینا سے بھی کر شیخ اس سے روگردانی کر لیتا اور ڈانٹ دیتا۔ ایک مرتبہ دونوں اصفہان کے شہر میں ٹھہرے ہوئے رات کو سخت سردی تھی اور برف باری ہو رہی تھی۔ شیخ الرئیس نے صبح کے وقت اپنے خادم کو جگا وضو کے لئے پانی طلب کیا۔ اس پر اس نے سخت سردی اور صبح نہ ہونے کا عذر تراشا۔ اس کے بعد نے صبح کی اذان کے وقت جگایا اور پانی طلب کیا۔ اس وقت بھی برف باری کا عذر کیا۔ اتنے میں نے کہا "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" شیخ نے اپنے خادم سے کہا۔ سنو مؤذن کیا کہتا۔ اس نے کہا وہ کہہ رہا ہے۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ شیخ الرئیس نے اس کی گمراہی کرنے کا موقع غنیمت جانا اور کہا دیکھو تم مرے خادم ہو۔ پھر تم مجھے سب سے زیادہ پسند کرتے ہ سب سے زیادہ میری عزت اور احترام کرتے ہو۔ یہاں تک کہ تم مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ و سے بھی افضل گردانتے ہو اور میرا ان کی پیروی کرنا ناپسند کرتے ہو۔ ان تمام باتوں کے باوجود یہ بجالانے کے سلسلے میں سردی اور برف باری کا بہانہ تراشتے ہو مگر یہ مؤذن علی الصبح برف باری سردی کے عالم میں مسجد کی طرف آیا ہے اور مینار پر چڑھا ہے اور محمد عربی کی رسالت کا بلند آ سے اقرار کیا ہے یہ ایمان اور یقین کا محکم جذبہ ہے جس نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کی زنجیروں کو جکڑ دیا ہے اس مثال سے قارئین وحی الٰہی کی حکومت اور علم و حکمت کی حکومت سمجھ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے وحی کے نزول کا سلسلہ اس وجہ سے جاری کیا تھا تاکہ لوگ ایک برتر

.رقادر و توانا ہستی کا کلام سمجھ کر اس پر عمل کریں اور ذہنی اور عملی انتشار سے بچ جائیں موحی الیہہ .ایمان لاکر وحدت اور اتحاد کی لڑی میں منسلک ہوجائیں۔

**تیسری صورت** انسان کی فطرت اس قسم کی ہے کہ جس ہستی کی عظمت کا احساس اس کے دل میں پیدا ہوجائے اس کے خلاف دل میں خیالات ہی پیدا ہیں ہوتے اور اس کے ہر حکم کی فرمانبرداری کرنے اور اس کے رنگ میں رنگین ہونے کی سعی بلیغ کرتا ہے وحی الٰہی انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت پیدا کرتی ہے جس کی وجہ سے انسان خدا کی صفات میں رنگین ہونے کی کوشش کرتا ہے حتیٰ کہ وہ اس زمین کی چھاتی پر چلتا پھرتا مظہر خدا بن جاتا ہے اس کی عمدہ مثال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود اور آپؐ کے صحابہ کرام ہیں جو اس .رتی پر چلتے پھرتے مظہر خدا تھے یہ قرآنی وحی کا سب سے بڑا معجزہ ہے اس نے صحابہؓ کے دلوں سے گناہوں کی میل کو اس طرح دھو دیا کہ ان سے خدا کی صفات منعکس ہونے لگیں۔

**چوتھی ضرورت** سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت رب العالمین بیان ہوئی ہے اس صفت میں ضرورت وحی کی طرف اشارہ ہے۔ رب کے معنی اج العروس اور لبن نے پیدا کرنا، پرورش کرنا، کمال تک پہنچانا، تنظیم و تکمیل دینا لکھے ہیں۔ امام راغب نے ھا ہے کہ رب وہ ذات ہے جو تدریجاً ایک چیز کو کمال تک پہنچاتی ہے۔ پس اسم رب کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ہر مخلوق کو اپنے کمال تک پہنچائے۔ جسمانی ربوبیت کے لیئے عالم جسمانی میں ہر قسم کی چیز یدا کردی۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہمارا وجود، صرف گوشت اور ہڈیوں کا ڈھانچہ ہی نہیں، بلکہ س میں ایک لطیف چیز روح بھی مفید ہے۔ ان کا کمال صرف جسم کی پرورش تک محدود نہیں، بلکہ ہ اخلاق ہیں پس جس طرح جسمانی ربوبیت کے لئے خارج میں ہر قسم کا سامان مہیا کیا ہے اسی طرح روح کی پرورش کے لئے عالم روحانی میں وحی الٰہی ہے۔ جو انسان کی روح کی صفائی اور کمال کا ذریعہ ہے۔

**پانچویں ضرورت** جس طرح انسان کے جسم کے امراض ہیں اور ان کا علاج اللہ تعالیٰ نے خارجی دنیا میں پیدا کیا ہے، اسی طرح روحانی امراض ہیں جن سے انسان کی روح میں نقص لازم آتا ہے۔ ان روحانی امراض کو دور کرنے کے لیئے اللہ تعالیٰ نے وحی الٰہی کا سلسلہ جاری کیا ہے۔ یہی بات قصہ آدمؑ میں بیان ہوئی ہے۔ جب آدمؑ سے لغزش سرزد ہوئی اور وہ اطمینان قلب سے محروم ہوگئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بیماری کو دور کرنے کے لیئے چند کلمات سکھائے۔ یہ وحی الٰہی تھی۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ [1]

---

[1] البقرہ ۲ : ۳۷

پھر آدمؑ نے اپنے رب سے (کچھ) باتیں سیکھیں۔ پس اس سے اس پر (رحمت سے) توجہ کی بے شک وہ (رحمت) سے توجہ کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

وحی الٰہی نے اس روحانی بیماری کا علاج کر دیا اور وہ دوبارہ اطمینان قلب کی دولت سے متمتع ہو گئے اور اس قصہ آدم میں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا۔ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ [1] پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا، نہ ان کو ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ ہبوط انسانی کا علاج وحی الٰہی ہے جو نسل انسانی میں وقتاً فوقتاً آتی رہے گی اس کی پیروی سے انسان روحانی امراض سے نجات پائے گا اور انسان اس ارفع مقام پر پہنچ جائیگا جہاں سے روحانی ہبوط واقع نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید میں آتا ہے: اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ [2] کہ میرے بندوں پر تیرا غلبہ نہیں۔

یہ وہی بندے ہیں جو وحی الٰہی کی اتباع کرتے ہیں۔

# وحی الٰہی کے مقاصد

## پہلا مقصد: ہدایت اور فلاح

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے آغاز میں ہی وحی کا مقصد بیان فرمایا ہے:

ارشاد الٰہی ہے: وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ [3] اور جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو تیری طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی کامیاب ہونے والے ہیں۔

ان آیات میں دو الفاظ "ھُدًی" اور "فَلَاحٌ" وحی کی غایت پر دلالت کرتے ہیں۔ ہدایت کے معنی ہیں: الارشاد والدلالۃ بلطف الی ما یوصل الی المطلوب یعنی لطف کے ساتھ لے جانا اور راہنمائی کرنا اس کی طرف جو منزل مقصود تک پہنچا دے۔ امام راغب نے ہدایت کی چار اقسام بیان کی ہیں:

---

[1] البقرہ ۲: ۳۸ [2] الحجر ۱۵: ۴۲

[3] البقرہ ۲: ۴، ۵

اول: فطری ہدایت جو عام ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدائش کے ساتھ ہی عنایت فرمائی ہے۔ کہ قرآن مجید میں آتا ہے:

قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی [1] کہا ہمارا رب وہ ہے نے ہر چیز کو اس کی پیدائش عطا کی پھر اسے (اپنے کمال کی راہ) دکھائی۔

دوسری ہدایت وہ ہے جو انسانوں کو نبیوں کے ذریعے ملتی ہے، جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا [2] اور ان میں سے ہم نے امام بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے ہیں۔

تیسری ہدایت وہ توفیق ہے جو اس شخص سے خاص ہے جو ہدایت پا جائے۔ ارشادِ الٰہی ہے۔ وَالَّذِیْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًی [3] اور جو ہدایت اختیار کرتے ہیں وہ انہیں ہدایت میں بڑھاتا ہے۔

چوتھی ہدایت منزل مقصود تک پہنچا دینا ہے۔ جیسے سَیَهْدِیْهِمْ وَیُصْلِحُ بَالَهُمْ [4] ان کو منزلِ مقصود پر پہنچائے گا اور ان کی حالت سنوار دے گا۔ اس آیت میں ہدی سے مراد وہ راستہ ہے چلنے والے کو ابتدائی منزل سے چلا کر آخری منزل تک پہنچا دے۔ وحی اور الہام کو ہدی اس وجہ سے کیا ہے کہ وحی انسان کی تمام روحانی مخفی قوتوں اور استعدادوں کی آبیاری کرتی ہے پھر اس کو زمین سے اٹھا کر نقطۂ عروج تک پہنچا دیتی ہے پس وحی کا مقصد ہدایت ہے یعنی انسان کو روحانیت کی راہ پر ڈال کر قاب قوسین کے اعلیٰ مقام تک پہنچا دینا ہے۔ اس ارفع مقام سے آگے اور کوئی مقام نہیں ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر انسان وحی کے سایہ کے نیچے اپنی استعداد کے مطابق ہی ترقی کر سکتا ہے اب قوسین" کا مقام ارفع بنی نوع انسانوں میں سے صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی حاصل یا تھا۔ کیونکہ آپ ان تمام روحانی استعدادوں کے مالک تھے جو فرداً فرداً پہلے انبیاء علیہم السلام نے اندر رکھتے تھے۔ اسی مقام کا نام مقام محمود ہے۔

دوسرا لفظ جو وحی کے مقصد کی طرف راہنمائی کرتا ہے وہ "فلاح" ہے۔ فلاح کے معنی ق یعنی پھاڑنا ہے۔ زمین میں ہل چلانے پر بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے کسان کو "فلاح" تے ہیں اور فلاح کے معنی ظفر اور ادراک بقیۃ ہیں (راغب) یعنی کامیابی اور مطلوب پالینا۔

جس طرح ہل چلانے سے زمین کی مخفی قوتیں ظہور میں لائی جاتی ہیں اسی طرح وحی کے ذریعے سان کی مخفی اور پوشیدہ استعدادیں ظاہر ہو کر اپنے نقطۂ کمال کو پہنچ جاتی ہیں۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ انسان کی جسمانی اور روحانی پرورش کے سامان خدا ی صفت رحمانیت اور ربوبیت کے تحت آتے ہیں۔ جہاں بھی جسمانی اور روحانی پرورش کے

---

[1] طٰہٰ ۲۰: ۵۰ [2] السجدہ ۳۲: ۲۴ [3] محمد ۴۷: ۱۸ [4] محمد ۴۷: ۵

سامان کا ذکر ہوگا۔ وہاں "رحمٰن" اور "رب" کے الفاظ استعمال ہوں گے۔ متذکرہ بالا آیات میں بھی لفظ "رب" استعمال ہوا ہے۔ اُولٰئِکَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ[1] اس آیت میں لفظ "رب" معنی خیز ہے رب کے معنی تاج العروس اور لین انگریز لغت نویس نے پیدا کرنا پرورش پانا، کمال تک پہنچانا، تنظیم و تکمیل دینا لکھے ہیں۔ امام راغب نے لکھا ہے کہ رب وہ ذات ہے جو تدریجاً ایک چیز کو کمال تک پہنچاتی ہے۔

اس آیت میں لفظ رب کے تحت وحی کا مقصد بیان کیا گیا ہے یعنی رب وہ ہستی ہے جس نے انسان میں بے شمار مخفی استعدادیں رکھ دی ہیں وحی کے ذریعے ان تمام راہوں کو تجویز کر دیا۔ جن پر چل کر انسان اپنی مخفی استعدادوں کو تکمیل تک پہنچا سکے۔ یہی ارتقاء کا مسئلہ جسے ڈارون نے ایک غلط طریق سے بیان کیا ہے جس کی اصلاح سپنسر نے کی ہے۔

اس مسئلہ کی حقیقت یہی ہے کہ ایٹم کے ذرات سے لے کر انسان تک جو بھی چیز ہے وہ اپنے اندر بے شمار مخفی استعدادیں رکھتا ہے۔ انسان کی یہ مخفی استعدادیں اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام "رب" کے تحت وحی کے ذریعے نشوونما پاتی ہیں اور نقطۂ کمال تک پہنچتی ہیں۔

ان تینوں الفاظ کی بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وحی کا مقصد تکمیل انسانیت ہے۔

## دوسرا مقصد خدا کی معرفت حاصل کرنا

سورۃ التکاثر میں یقین کے تین مراتب کا ذکر ہے۔ عِلْمَ الْیَقِیْن عَیْنَ الْیَقِیْن اور حَقَّ الْیَقِیْن

پہلا مرتبہ یقین دلائل علمی سے حاصل ہوتا ہے اس لئے اسے علم الیقین کہتے ہیں۔ دوسرا مرتبہ مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے جسے عین الیقین کہتے ہیں تیسرا مرتبہ کسی چیز کے اندر داخل ہو جانے سے حاصل ہوتا ہے جسے حق الیقین کا نام دیا جاتا ہے۔

ان مراتب یقین کو ایک مثال سے واضح کیا جا سکتا ہے ایک شخص دُور سے کسی جگہ دھواں دیکھے اور دھوئیں سے ذہن منتقل ہو کر آگ کی طرف چلا جائے۔ چونکہ دھوئیں اور آگ میں تعلق لاینفک ہے پس اس علم کا نام علم الیقین ہے پھر اگر اور آگے جائے تو آگ کو اپنی برہنہ آنکھ سے دیکھ لے۔ یہ علم عین الیقین کے نام سے موسوم ہوتا ہے پھر خود آگ کے حلقہ میں داخل ہو کر آگ کی حرارت محسوس کرے تو یہ مرتبہ حق الیقین کا ہے۔

جب خدا تعالیٰ کی ذات کا علم کاوش کے ذریعے حاصل ہوگا تو وہ علم علم الیقین کہلائے گا کیونکہ انسان کے اندر ایک روشنی ہے جو اس کو بتاتی ہے کہ سب سے اوپر ایک اعلیٰ اور برتر ہستی ہے یہ انسانی فطرت کی شہادت ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ

[1] البقرہ: ۲: ۵

النَّاسَ عَلَيْهَا[1] یعنی خدا کی فطرت جس پر لوگ پیدا کئے گئے ہیں دوسری آیت یہ ہے وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ[2] اور ہم اس سے اس کی رگ وجان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ خدا کی ہستی کا شعور انسان کی فطرت میں ہے لیکن جو علم فطرت سے حاصل ہوگا۔ وہ علم الیقین کے مرتبہ میں داخل ہوگا۔

اس کے بعد دوسرا مرتبہ عین الیقین کا ہے۔ اس مرتبہ کے علم سے وہ علم مراد ہے کہ ہمارے یقین اور اس چیز میں جس پر یقین کیا گیا ہے کوئی درمیانی واسطہ نہ ہو۔ مثلاً خدا کی ہستی کا ثبوت قرآن مجید کو ٹھہرائیں۔ کیونکہ قرآن مجید ہر پہلو سے اعجازی اوصاف رکھتا ہے جس کی مثل کوئی نہیں لاسکتا۔ قرآن مجید کا بے مثل ہونا، خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایک ٹھوس دلیل ہے۔ یہ علم علم الیقین کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ کی معرفت سے متعلق سب سے واضح اور بین شہادت وحی الٰہی ہے کیونکہ وحی میں خدا کا انا الموجود کہنا انسان کے اندر معرفت کاملہ تامہ پیدا کرتا ہے یہ علم حق الیقین کے نام سے یاد ہوتا ہے۔

اگر دنیا میں وحی کا سلسلہ نہ ہوتا تو انسان کے اندر سے خدا کے متعلق معرفت تامہ ختم ہوجاتی اور وہ اندھیروں میں خدا کی ہستی سے متعلق ٹامک ٹوئیاں مارتا پھرتا۔

## تیسرا مقصد۔ ذریعہ علم

حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے نام اور صفات سے آگاہ کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلی وحی جو نازل ہوئی وہ بھی علم سے تعلق رکھتی ہے۔ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ۔ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ[3] اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا انسان کو ایک لوتھڑے سے۔ پڑھ اور تیرا رب سب سے بڑھ کر بزرگی والا ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے وحی کے ذریعے علم دینے کی بنیاد رکھی ہے۔ کیونکہ علم انسان کے ذہنی قویٰ کو ترقی دیتا ہے۔ علم ہی کسی قوم اور ملک کے عروج کا ذریعہ ہے اس لئے قرآن مجید میں آتا ہے يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ[4]

اللہ ان لوگوں کے درجات بلند کرے گا جو تم میں سے ایمان لائے اور وہ جنہیں علم دیا گیا۔ اس آیت کریمہ میں انسان کی بلندی اور سرفرازی کا ذریعہ ایمان اور علم کو قرار دیا ہے۔ انسان کی

---

[1] الروم ۳۰ : ۳۰ [2] ق ۵۰ : ۱۷ [3] العلق ۹۶ : ۱-۵ [4] المجادلہ ۵۸ : ۱۲

فطرت میں طلبِ علم کی تڑپ پیدا کر دی ہے۔ اس وجہ سے اپنے خالق حقیقی سے یہ دُعا کرتا ہے رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا[1] اے میرے رب میرے علم کو بڑھا۔ مذکورہ بالا آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ علم کی دولت انسان کو وحی کے ذریعے ہی میسر آئی۔

## چوتھا مقصد۔ انسان کو بلند مقام پر کھڑا کرنا

خدا تعالیٰ کی تمام مخلوقات میں سے انسان اشرف اور ارفع ہے کیونکہ تمام کائنات کو انسان کے لئے خادم بنایا ہے۔ گویا انسان اور باقی تمام کائنات کا رشتہ خادم اور مخدوم کا ہے اور انسان حقیقی معنوں میں اسی وقت مخدوم ہوگا جب وہ خود تو اپنے مالکِ حقیقی کے سامنے سجدہ ریز ہو اور دوسری مخلوق کو اپنے فائدہ کے لئے استعمال کرے۔ قرآن مجید میں آتا ہے وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ مَا فِي الْاَرْضِ یعنی آسمانوں اور زمین جو کچھ بھی ہے وہ تمہارے تابع ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے شرک کو گناہ عظیم کہا ہے۔ شرک کرنے سے اللہ تعالیٰ کی شان تو نہیں گھٹتی۔ اگر تمام دنیا کے لوگ بھی خدا کا شریک ٹھہرالیں تب بھی خدا کی عظمت اور بڑائی میں فرق نہیں آئے گا۔ دراصل جو اللہ تعالیٰ نے شرک کو ظلم عظیم قرار دیا ہے وہ اس وجہ سے کہ انسان خود اپنے ارفع مقام سے گر کر نیچے آتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ[2] یعنی جو اللہ کے ساتھ اور کسی کو شریک بناتے تو گویا وہ بلندی سے گر پڑا پھر اسے پرندے اُچک لیں گے یا ہوا اسے اُلٹ کر دُور کے مکان میں پھینک دے گی۔

شرک کے مقابل پر اللہ تعالیٰ نے وحدانیت کا سبق دیا ہے۔ اس سبق میں انسان کے لئے فوائد مضمر ہیں۔ پس اگر اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے شرک کے نقصان اور وحدانیت کے فیوض نہ بتاتا تو تو انسان کائنات کی ہر چیز کے سامنے جھکا ہوا نظر آتا۔ آج جو سائنس کی ترقی کے نشان نظر آرہے ہیں وہ کبھی نظر نہ آتے۔ کیونکہ کائنات کی اشیاء نے تو مخدوم ہونا تھا اور انسان نے خادم۔

انسان نے کائنات کی اشیاء کو مقدس اور بلند خیال کر کے ان سے فوائد حاصل کرنے کے لئے تحقیق کا دروازہ ہی بند کر دینا تھا۔

پس اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے انسان کو اس کا بلند مقام بتایا، پھر دوسری مخلوقات کے ساتھ اس کا رشتہ۔ تاکہ اپنے بلند مقام سے نیچے نہ گرے۔

---

[1] طٰہٰ ۲۰ : ۱۱۴

[2] حاشیہ : ۲۲ : ۳۲

# مذہب کی تعریف اور ماہیت

انگریزی زبان میں مذہب کے لئے RELIGION کا لفظ ہے جو لاطینی زبان سے ماخوذ ہے جس کا مفہوم عقیدے اور پوجا پاٹ کا ایک نظام ہے۔

مفکرین نے مختلف الفاظ میں مختلف تعریفات کی ہیں۔ سر۔ ای۔ بی ٹیلر (TAYLOR) نے مذہب کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی ہے۔ "Religion means the belief in spritual beings"[1]

یعنی مذہب رُوحانی مخلوقات پر ایمان لانے کا نام ہے

فرید وجدی نے لکھا ہے کہ "مذہب ان معقول خیالات کے مجموعہ کا نام ہے جن کا مقصد یہ ہے کہ تمام افراد انسانی رشتہ میں منسلک ہو جائیں اور وہ جسمانی فائدوں سے اس طرح بہرہ یاب ہوں جس طرح قوت عقلیہ سے وہ ہدایت حاصل کرتے ہیں۔ مذہب نوع انسان کے لئے ایک ابدی چیز ہے"[2]

کانٹ KANT کہتا ہے کہ "ہر فریضہ کو خدائی حکم سمجھنا یہ مذہب ہے"۔

شوپنہار (SCHOPENHAWER) لکھتا ہے کہ "مذہب موت کے تصور سے وابستہ ہے"۔

برونائٹ ہیڈ لکھتا ہے۔ "مذہب اعتقاد کی اس قوت کا نام ہے جن میں یہ قوت ہوتی ہے کہ وہ انسان اور انسانی کریکٹر CHARACTER میں انقلاب پیدا کر دیتی ہے۔ بشرطیکہ انہیں خلوص کے ساتھ قبول کیا جائے اور بصیرت کے ساتھ سمجھا جائے"[3] اوسپنسکی OSPANSKI نے گرجیف کے حوالے سے لکھا ہے۔

"مذہب ایک انسانی تصور ہے جس قسم کی انسان کی اپنی سطح ہوگی اسی قسم کا اس کا مذہب ہوگا اس لئے ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی کا مذہب دوسرے آدمی کے لئے قطعاً موزوں نہ ہو"[4]

---

[1] انسائیکلو پیڈیا آف برٹینکا جلد ۱۹ ایڈیشن ۱۳ سنہ ۱۹۲۹ء صـ ۱۰۳

[2] تطبیق المدیانۃ الاسلامیۃ صـ ۲۴

[3] امام غزالی کا فلسفہ مذہب واخلاق مصنفہ ڈاکٹر سید حسین صاحب قادری نور ایم اے عثمانیہ صـ ۱۸۱

[4] IN SEARCH OF THE MIRACULOUS P. 299

مشہور عالم نفسیات پروفیسر جیمز ایچ لیوبا JAMS. H. LEUBA نے اپنی ایک تصنیف میں مذہب کی مختلف تعریفات نقل کی ہیں جو مذہب کے کسی نہ کسی ضروری جزو پر حاوی ہیں ان تعریفات میں سے چند تعریفیں نقل کی جاتی ہیں۔

ایک تعریف تو مذہب کی یہ ہے" مذہب نام ہے اس احساس کا جو کسی مقدس۔ بالاتر اور ان دیکھی ذات کا وجود انسان کے قلب و دماغ میں پیدا کرتا ہے"

دوسری تعریف یہ ہے" مذہب نام ہے ایک ازلی اور ابدی حقیقت پر ایمان لانے کا جس کی حیثیت اور ارادہ انسانی منشا اور ارادے سے بالاتر ہے اور جس کا تعلق انسان کی زندگی کے ساتھ بہت گہرا ہے"

تیسری تعریف یہ کہ" مذہب ایک روحانی اور نفسی حالت ہے جس کی بنیاد یہ عقیدہ ہے کہ انسان اور کائنات میں باہمد گر ہم آہنگی پائی جاتی ہے"

چوتھی تعریف یہ ہے کہ" مذہب نام ہے ان مافوق الانسانی قوتوں کی رضا جوئی کا جو انسانی زندگی پر حکمران ہیں"

پانچویں تعریف یہ ہے" مذہب نام ہے اس جستجو کا جو انسان زندگی کے حقیقی مقاصد کے ادراک کے لئے کرتا ہے"[1]

جب مذکورہ بالا تعریفات پر گہری نظر ڈالی جائے۔ تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ کوئی تعریف بھی دین کے جامع تصور پر حاوی نہیں بلکہ دین کے کسی ایک پہلو کو ظاہر کرتی ہے۔

## قرآنی تعریف

" مذہب ان ہدایات اور احکام کا نام ہے جو وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے اپنے بندوں کے لئے بھیجے۔ جن پر گامزن ہو کر انسان اس دنیا اور آخرت کی زندگی کے گیسو سنوار سکتا ہے"

گویا مذہب انسان کی روح اور جسم کی تمام اقتضاءات کو پورا کرنے کا نام ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ[2] اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی بھلائی عطا کر۔ ہم کو آگ کے عذاب سے بچا۔ یہ آیت ظاہر کرتی ہے۔ مذہب کا تعلق جسم اور روح دونوں سے ہے۔

---

[1] GOD OR MAN مطبوعہ لندن ۱۹۳۴ء

[2] البقرہ ۲:۲۰۱

اسلام میں دین اور دنیا کی دوئی کا تصور بالکل باطل ہے۔ الٰہی دین انسانی زندگی کا ایک مکمل دستورِ حیات ہے اسی وجہ سے اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔

قرآن مجید نے اس مفہوم کو دین۔ ملت۔ سبیل، شریعت، ہدایت، صراط اور طریق کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ یہ الفاظ راستہ، روش، راہنمائی کے معنوں میں مشترک ہیں اسلام کے تصورِ مذہب کو سمجھنے کے لئے مذکورہ بالا قرآنی الفاظ کی تشریح کرنا ضروری ہے۔

**دین کا مفہوم** اسلام نے مذہب کے لئے "دین" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ[1] یعنی اسلام ہی خدا کے نزدیک حقیقی دین ہے۔

ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ[2] وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اُسے سب دینوں پر غالب کرے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا[3] آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے اور تمہارا دین اسلام ہونے پر راضی ہوں۔

امام راغب نے دین کے لفظ کے معنی اور تشریح ان الفاظ میں کی ہے "الطاعۃ والجزاء فاستعیر للشریعۃ والدین کالملۃ یقال اعتبارًا بالطاعۃ والانقیاد للشریعۃ (مفردات) دین کے معنی اطاعت اور جزا کے ہیں اس کا اطلاق شریعت پر بھی ہوتا ہے دین اور ملت مترادف ہیں شریعت پر اس کا اطلاق ان معنوں میں ہے کہ شریعت کی اطاعت اور اس کے سامنے اپنی گردن انقیاد خم کرنا لازم ہے۔

بخاری میں ہے۔ اَلدِّیْنُ الْجَزَاءُ فِی الْخَیْرِ وَالشَّرِّ یہاں دین سے مراد نیکی اور بدی کا بدلہ ہے۔

گویا اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی اور اطاعت کا نام دین ہے۔

**ملت کا مفہوم** قرآن مجید میں آتا ہے، قُلْ صَدَقَ اللّٰہُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ[4] کہہ اللہ نے سچ فرمایا ہے پس راست رو ہو کر ابراہیم کے دین کی پیروی کرو اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔

---

[1] آل عمران ۳: ۱۹ [2] الصف ۶۱: ۹ [3] المائدہ ۵: ۳ [4] آل عمران ۳: ۹۵

ایک دوسرے موقع پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ[1] تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب اس نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے۔

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ[2] کہہ بے شک مجھ کو میرے رب سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دی ہے۔ دین صحیح ابراہیم راست رو کے مذہب کی طرف اور وہ میں سے نہ تھا۔

امام راغب زیر لفظ ملت لکھتے ہیں۔ اَلْمِلَّةُ كَالدِّيْنِ هِيَ اسْمٌ لِمَا شَرَعَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِعِبَادِهٖ عَلٰى لِسَانِ الْاَنْبِيَاءِ لِيَتَوَصَّلُوْا بِهٖ اِلٰى جِوَارِ اللّٰهِ (مفردات) ملت دین کا ہی مترادف ہے اور یہ نام اللہ تعالیٰ کے اس طریق کا جو اس نے اپنے بندوں کے لئے انبیاء علیہم السلام کی زبان سے بیان کیا ہے تاکہ بندے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں اس کے بعد دین اور ملت میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ملت کی نسبت صرف نبی کی طرف کی جاسکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی جاسکتی اور دین کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے گویا ملت سے مراد وہ چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے وضع فرمایا جب دین کا اس پر اطلاق اس کے قائم کرنے والے کی نسبت سے ہے کہ اس کے معنی اطاعت کے ہیں

## لفظ سبیل کا مفہوم

قرآن مجید نے مذہب کے مفہوم کو سبیل کے لفظ سے بھی تعبیر کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ[3] اپنے رب کے رستے کی طرف حکمت اور اچھے وعظ اور ان کے ساتھ اس طریق پر بحث کر جو نہایت عمدہ ہو۔

دوسری جگہ آتا ہے وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ[4] اور اس کے راستہ کی پیروی کر جو میری طرف رجوع کرتا ہے۔

حضرت امام راغبؒ نے السبیل کے معنی الطریق یعنی راستہ کے کئے ہیں سَبِيْلُ السَّلَامِ کے معنی طَرِيْقُ الْجَنَّةِ کے ہیں یعنی وہ راستہ جو جنت کی طرف لے جاتا ہے۔

## لفظ شریعت کا مفہوم

اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تعلیمات کے لئے شریعت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا[5] ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور طریق مقرر کیا ہے۔

---

[1] الحج ۲۲: ۷۸، [2] الانعام ۶: ۱۶۱ [3] النحل ۱۶: ۱۲۵ [4] لقمان ۳۱: ۱۵ [5] مائدہ ۵: ۴۸

دوسری جگہ آتا ہے ، ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ[1] پھر ہم نے تجھے اس معاملہ میں ایک کھلے راستہ پر لگا دیا سو اس کی پیروی کر اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کر جو علم نہیں رکھتے ۔

حضرت امام راغب زیر لفظ شرع لکھتے ہیں الشرع ینھج الطریق الواضح یقال شرعت لہ طریقاً و الشرع مصدر ثم جعل اسماً للطریق النھج فقیل لہ شرعٌ و شَرْعٌ و شریعۃ و استعیر ذالک للطریقۃ الالھیۃ

شرع کے معنی واضح راستہ کے ہیں شرعٌ ، شَرْعٌ اور شریعۃ کے ایک ہی معنی ہیں اور مراد اس سے طریقہ الٰہیہ ہے ۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول حضرت امام راغبؒ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں : ... الشرعۃ ما ورد بہ القران و المنھاج ما ورد بہ السنۃ کہ شریعت سے مراد قرآن مجید اور منہاج سے مراد سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے ۔

## لفظ ہدایت کا مفہوم

قران مجید میں مذہب کو ہدایت کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے ۔ قرآن مجید میں آتا ہے ؛

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ[2] پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو میری ہدایت پر چلا تو ان کو نہ ڈر ہے اور وہ غمگین ہوں گے ۔

حضرت امام راغبؒ نے الھدایۃ کے معنی ان الفاظ میں بیان کئے ہیں دلالۃ بلطف یعنی مہربانی سے راہنمائی کرنا ۔ امام راغب نے ہدایت کو چار طرح پر بیان کیا ہے ۔

اوّل : فطری ہدایت جو عام ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدائش کے ساتھ عنایت فرمادی ہے قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى[3] کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی پیدائش عطا کی پھر اسے (اپنے کمال کی) راہ دکھائی ۔ یا فرمایا : وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى[4] جس نے (حد کا) اندازہ لگایا پھر راہ دکھائی ۔

دوسری ہدایت وہ ہے جو انسانوں کو انبیاء علیہم السلام کے ذریعے ملتی ہے یعنی انبیاء علیہم السلام کی دعوت الی الحق ۔ جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا[5] اور ان میں سے ہم نے امام بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے ۔ یہ سب انسانوں کے لئے عام ہے جس کے لحاظ سے قرآن شریف کو هُدًى لِّلنَّاسِ[6] (سب لوگوں کے لئے ہدایت ہے) فرمایا ۔ انبیاء علیہم السلام

---

[1] الجاثیہ : ۴۵ : ۱۸ [2] البقرہ ۲ : ۳۸ [3] طٰہٰ ۲۰ : ۵۰ [4] الاعلیٰ ۸۷ : ۳ [5] السجدہ ۳۲ : ۲۴ [6] البقرہ ۲ : ۱۸۵

ایک راستہ دکھا دیتے ہیں اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا [1] ہم نے اسے راستہ دکھا دیا ہے۔ چاہے وہ شکر گزار ہے اور چاہے ناشکرا۔

تیسری ہدایت وہ توفیق ہے جو اس شخص سے خاص ہے جو ہدایت پا گیا۔ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى [2] اور جو ہدایت اختیار کرتے ہیں وہ انہیں ہدایت میں بڑھاتا ہے۔ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ [3] اور جو اللہ پر ایمان لاتا ہے وہ اس کے دل کو ہدا دیتا ہے۔

چوتھی ہدایت آخرت میں ملے گی۔ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ [4] انہیں منزل پر پہنچائے گا اور ان کی حالت کو سنوار دے گا۔

## صراط اور طریق کا مفہوم

قرآن مجید میں "صراط" اور "طریق" کے الفاظ مذہب کے معنی میں وارد ہوئے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے: اِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ [5] تو یقیناً سیدھے کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ صراط کے معنی امام راغب نے الطریق المنہل یعنی آسان راستہ کے کئے ہیں۔

طریق کا لفظ بھی انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے قرآن مجید میں آتا ہے، قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ [6] کہا اے میری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی جو موسیٰ کے بعد اتاری گئی اس کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے ہے وہ حق کی طرف اور سیدھی راہ کی طرف ہدایت کرتی ہے۔

امام راغب نے الطریق کے معنی کئے ہیں السبیل الذی یطرق باالرجل ... استعیر کل مسلک یسلکہ الانسان فی فعل محمودًا کان او مذمومًا۔ طریق کے معنی راستے کے ہیں جس کو انسان اپنے پاؤں تلے روندتا ہے پھر ہر مسلک پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے خواہ وہ مسلک اچھا ہو یا برا۔

## قرآنی تخیل دین

دین کے متعلق قرآنی تخیل لفظ "اسلام" میں مضمر ہے۔ اسلام کے لغوی معنی صلح کے اندر داخل ہونا ہیں۔ امام راغب فرماتے ہیں اسلام کے معنی سلم میں داخل ہونا اور سلم اور سلم دونوں کے معنی صلح کے ہیں (مفردات) یہ دونوں لفظ قرآن مجید میں صلح کے معنی میں مستعمل ہوئے ہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

---

[1] الدھر ۷۶: ۳ [2] محمد ۴۷: ۱۷ [3] التغابن ۶۴: ۱۱ [4] محمد ۴۷: ۵ [5] الشوریٰ ۴۲: ۵۲
[6] الاحقاف ۴۶: ۳۰

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً[1] اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم سارے کے سارے صلح میں داخل ہو جاؤ۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا[2] اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اس کی طرف جھک جاؤ۔ مسلم وہ ہے جو خدا اور خدا کے بندوں سے صلح کرے۔ خدا سے صلح کا مطلب یہ ہے کہ انسان خدا کے احکام اور قوانین پر گامزن ہو۔ یہ بات ہمارے تجربہ اور مشاہدہ میں ہے کہ اس کائنات کی ہر چیز مقررہ قوانین کے تابع ہے اور ہر چیز کی فلاح اور کامیابی قوانین مقررہ کی اطاعت سے وابستہ ہے۔ کائنات کی کوئی چیز بھی قوانین مقررہ سے سرمو انحراف نہیں کر سکتی۔ قرآن مجید میں آتا ہے: اَلَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ[3] جس نے سات آسمانوں کو ایک دوسرے کے اوپر پیدا کیا تو رحمان کی پیدائش میں کوئی اختلاف نہ دیکھے گا۔ پھر نظر کو لوٹایا تو کوئی بگاڑ دیکھتا ہے پھر نظر کو بار بار لوٹا، نظر تیری طرف تھک کر واپس آجائے گی۔

جان کلیوی لینڈ پی ایچ ڈی ماہر ریاضی و کیمیا لکھتا ہے "اور جب سے یہ کائنات وجود میں آئی ہے اس وقت سے یہ مقررہ قوانین کی پابندی کر رہی ہے"۔[4]

آج سے ایک سو سال قبل مغربی اہل علم دہریت کی آغوش میں جا رہے تھے لیکن قانون کے وجود نے دہریت کی اس بڑھتی ہوئی رو کو روک دیا ان لوگوں نے دنیا کی ہر چیز کو قانون کے ماتحت پایا اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ کوئی مدبر ہستی ہے جو اس کائنات کو ایک ضابطہ اور قانون کے تحت چلا رہی ہے۔

جب علیم و حکیم ہستی نے دنیا کی ہر چیز کو ایک قانون اور ضابطہ کے ماتحت کر دیا ہے تو لازمی امر تھا کہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے قوانین بناتی جس پر چل کر انسان فلاح و کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا۔ یہ قوانین اللہ تعالیٰ مختلف ادوار میں مختلف انبیاء علیہم السلام پر نازل کرتا رہا، اور ان قوانین کی آخری اور مکمل شکل قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا[5] آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے اور تمہارے

---

[1] البقرہ ۲: ۲۰۸ [2] الانفال ۸: ۶۱ [3] الملک ۶۷: ۳، ۴

[4] خدا موجود ہے، مترجم عبدالحمید صدیقی [5] المائدہ ۵: ۳

لئے اسلام کو تمہارا دین پسند کیا ہے۔

قرآن مجید جملہ صحف سابقہ کی جامع ہے اور اس میں وہ تمام قوانین بیان کر دیئے گئے ہیں جو مختلف زمانوں میں مختلف انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوتے رہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے: فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ[1] اس (قرآن) میں قائم رہنے والی کتابیں ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ سے صلح کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان ان تمام احکام اور قوانین کا جوا اپنی گردن پر رکھ لے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نازل فرمائے ہیں۔

بندوں سے صلح کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان اپنے دوسرے بھائی سے نیک سلوک کرے۔ ان کو نقصان پہنچانے سے اجتناب کرے۔ ان دونوں امور کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان کیا ہے: بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ[2] ہاں جس نے اپنے آپ کو اللہ کا فرمانبردار بنایا اور وہ احسان کرنے والا ہے تو اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور ان کو کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے پس دین کا اساسی تصور اللہ تعالیٰ کے قوانین کی اطاعت اور بندگان خدا سے محبت ہے۔

## مذہب فطری چیز ہے

مذہب کے فطری ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ہر قوم اور ہر نسل میں مذہب مشترک امر ہے، جس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ مذہب ایک فطری چیز ہے کیونکہ تمام دنیا کا کسی موہوم اور باطل چیز پر جمع ہو جانا عند العقل ممتنع ہے

پلوٹارک (PLUTARCH) کہتا ہے کہ "کسی انسان نے کوئی ایسی بستی نہیں دیکھی جس میں مذہب نہ ہو"[3]

والیٹر (VOLTAIRE) فرانس کا مشہور مفکر کہتا ہے۔

"زوراسٹر ZOROASTER منو MANO سولن SOLON سقراط SOCRATES سب کے سب ایک ہی کی پرستش کرتے تھے اور یہی فطرت ہے"[4]

جرمن کا ایک حکیم لکھتا ہے:

---

[1] البینۃ ۹۸: ۳ [2] البقرہ ۲: ۱۱۲ [3] PLUTARCH: HUMANITY AND DEITY.

[4] لوتھر (MARTIN LUTHER) کتاب الفلسفہ (ترجمہ عربی) ص ۱۷۵ مطبوعہ بیروت۔ بحوالہ امام غزالی کا فلسفہ مذہب و اخلاق مصنفہ ڈاکٹر سید حسین صاحب قادری شور ایم۔ اے

"مذہب ابدی چیز ہے، مذہب جس حاسہ کا نتیجہ ہے وہ کسی زمانہ میں کبھی معدوم نہیں ہو سکتا"
حوالہ الکلام مصنفہ شبلی ص۱۳۲

پروفیسر سبیٹر SABATER لکھتا ہے:

"میں کیوں پابند مذہب ہوں؟ اس لئے کہ اس کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ پابند مذہب
نا میری ذاتیات میں ہے۔ لوگ کہیں گے کہ یہ وراثت یا تربیت یا مزاج کا اثر ہے، میں نے خود اپنی
ے پر اعتراض کیا ہے لیکن میں نے دیکھا کہ سوال پھر پیدا ہوتا ہے اور وہ حل نہیں ہوتا۔ مذہب کی
ورت جس قدر مجھ کو اپنی ذاتی زندگی کے لئے ہے اس سے زیادہ عام سوسائٹی کو ہے۔ مذہب کے
اخ و برگ ہزاروں مرتبہ کاٹ ڈالے ہیں لیکن جڑ ہمیشہ قائم رہی ہے جو کبھی زائل نہیں ہو سکتی مذہب
چشمہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا ہے اور فلسفیانہ فکر اور زندگی کے دردناک تجربے اس کو اور گہرا کرتے
تے ہیں۔ انسانیت کی زندگی مذہب ہی سے قائم ہوئی ہے اور اسی سے قوت پائے گی"

قرآن مجید کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ مذہب فطری چیز ہے، ارشاد الٰہی ہے:

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۙ

ں اپنا منہ دین کی طرف سیدھا ہو کر کر۔ یہ وہ خدا کی فطرت ہے جس پر خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے
د کی پیدا کی ہوئی حالت کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ یہی قائم رکھنے والا یا رہنے والا دین ہے لیکن
ر لوگ نہیں جانتے۔

اس آیت کریمہ میں دین حنیف کو اللہ کی فطرت قرار دیا ہے اور اسی پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔

## مذہب کی غرض و غایت

جیسا کہ پہلے یہ ذکر ہو چکا ہے کہ مذہب فطری چیز ہے، اس لئے مذہب کی غرض و غایت بھی
رت کے اقتضائات کو پورا کرنا ہے۔ فطرت کے اقتضائات دو قسم کے ہیں: روحانی اقتضا اور مادی اقتضا
روحانی اقتضاء اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ارد گرد گھومتا ہے کیونکہ خدا کی ہستی کا شعور انسان کی فطرت
ں رکھا ہوا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے، وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ
لْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ۝ اگر تو ان سے سوال کرے کہ کس نے
سمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے تو ضرور کہیں گے کہ انہیں غالب علم والے نے پیدا کیا ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے: وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ

---

ت الجیوہ سال اول ص۱۵۵ بحوالہ الکلام مصنفہ مولانا شبلی ص۱۳۲ ت روم ۳۰: ۳۰
ت الزخرف (۴۳: ۹)

وَذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا[1] اور جب تیرے رب نے بنی آدم سے یعنی ان کی پیٹھوں سے ان کی اولاد پیدا کی اور ان کو اپنے اوپر گواہ ٹھہرایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے جواب دیا ہاں ہم گواہ ہیں۔

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں خدا کی ہستی کا شعور انسان کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا ہے۔

مذہب اللہ تعالیٰ کی ہستی پر دلائل اور براہین کے ذریعے محکم ایمان پیدا کرتا ہے ایمان کے آب زلال سے ہی روحانی زندگی کا شجر سرسبز اور شاداب رہ سکتا ہے۔

اگر تمام مذاہب عالم کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ خدا کی ہستی کا تصور ہر مذہب میں پایا جاتا ہے۔ جو اس امر کا ثبوت ہے کہ مذہب کی غرض و غایت اللہ کی ہستی پر یقین پیدا کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ہستی پر جتنا زیادہ یقین اور ایمان ہوتا ہے انسان اتنا ہی بدیوں سے دور ہے اور نیکیوں کی طرف رغبت کرتا ہے۔ کیونکہ حقیقی معرفت ہی انسان کو گناہوں کی آلائشوں سے پاک کر سکتی ہے۔ اس کی یوں مثال سمجھئے کہ اگر کسی شخص کو یہ یقین ہو کہ اس بل میں سانپ ہے تو وہ اس میں ہاتھ نہیں ڈالے گا سانپ اس کو ڈس لے گا۔ اسی طرح کوئی شخص وہ دودھ نہیں پیئے گا جس کے متعلق اس کو یہ یقین ہو کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے۔

پس مذہب کی پہلی غرض اللہ تعالیٰ پر یقین پیدا کرنا ہے۔

فطرت کی دوسری اقتضا مادی ہے جس میں خاندان، معاشرہ، حکومت اور بین الاقوامی امور شامل ہیں۔ مذہب ان تمام اداروں سے متعلق کامل تعلیم دیتا ہے جس سے انسان کی زندگی نہایت ہی خوشگوار اور عمدہ بن جاتی ہے۔

---

[1] الاعراف ۷: ۱۷۲

# مذہب کی ضرورت

**توحید کو قائم کرنا** اگر مذاہب عالم کا عمیق نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات قاری پر اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔ مذہب کی اساس توحید باری تعالیٰ ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے توحید اور خدا شناسی کی تعلیم دی۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ[1] تجھ سے پہلے ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف ہم (یہی) وحی کرتے تھے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو میری ہی عبادت کرو۔

خدا کو ایک ماننے سے اللہ کی عظمت اور بزرگی میں اضافہ نہیں ہو جاتا۔ اگر تمام دنیا کے خدا کو تسلیم کرنا چھوڑ دیں تب بھی خدا کی عظمت اور بزرگی میں فرق نہیں آتا۔ اس عقیدہ میں انسان کے لئے ہی فوائد مضمر ہیں۔

**انسانی عظمت و شرف** توحید کا لازمی نتیجہ انسانی عظمت ہے۔ جب ایک انسان اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک تسلیم کر لیتا ہے تب وہ دنیا کی غلامی سے نجات پا جاتا ہے اور اس کو پوری کائنات پر برتری حاصل ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا[2] اور یقیناً ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی ہے اور ہم نے ان کو خشکی اور تری میں سواری دی اور ان کو اچھی چیزوں سے رزق دیا اور ہم نے ان کو بہتوں پر جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے بڑی فضیلت دی ہے۔

زمین، آسمان، چاند، سورج، دریا، سمندر غرض کہ کائنات کی ہر چیز انسان کی آسائش اور انتفاع کے لئے پیدا کی گئی ہے ارشاد الٰہی ہے: هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا[3] وہی ذات ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا۔

**اتحاد نسل انسانی** عقیدۂ توحید انسانی نسل کے اتحاد کے کونے کا پتھر ہے، یہی وہ بنیاد ہے جس پر اتحاد کی عمارت استوار کی جا سکتی ہے۔ قرآن مجید میں خدا کو رب العالمین کہا گیا ہے یعنی تمام اقوام کا رب۔ عربی زبان میں رب کے معنی ایک چیز کو تدریجاً ترقی دے کر اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا ہے (امام راغب) اللہ تعالیٰ اپنی صفت ربوبیت کے تحت

---

[1] الانبیاء ۲۱: ۲۵ [2] بنی اسرائیل ۱۷: ۷۰ [3] البقرہ ۲: ۲۹

دنیا کی تمام اقوام کی روحانی اور جسمانی پرورش کرتا ہے گویا تمام قومیں خدا تعالیٰ کی عیال ہیں وہ سب کی خبرگیری کرتا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے واضح طور کہا ہے۔ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً[1] یعنی سب لوگ ایک ہی قوم ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: الخلق عیال اللہ ساری مخلوق عیال اللہ ہے۔

توحید کا عقیدہ یہ سبق دیتا ہے کہ تمام بنی انسان کو اتحاد اور محبت کے ساتھ زندگی بسر کرنی

**مساوات** عقیدہ توحید سے مساوات کا سبق ملتا ہے اور تفریق بین الناس اور اونچ نیچ کا مسئلہ پامال ہوتا ہے۔ عقیدہ توحید ہی پامال شدہ لوگوں کو اٹھا کر بڑوں کے دوش بدوش کھڑا کرتا ہے۔ اسلام نے نسلی، قومی، لسانی، لونی امتیازات کو ختم کر کے حسن عمل اور اخلاق حمیدہ کو وجہ تکریم قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ[2] معزز وہ ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ متقی ہے۔

انسانی مساوات کا مسئلہ اسلام کی رُو سے اس قدر اہم تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو اہم باتیں بیان کی تھیں ان میں یہ مسئلہ بھی بیان فرمایا اس خطبہ کے الفاظ یہ ہیں: أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا لِأَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَى[3] لوگو! ہاں بے شک تمہارا رب ایک ہے بے شک تمہارا باپ ایک ہے ہاں! عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کے سبب سے۔

**رواداری** توحید باری تعالیٰ کا پیغام بنی نوع انسان کے ہر طبقے تک پہنچایا گیا ہے بنا وہ ہر ایک سے مطالبہ کرتا ہے کہ ہر مذہبی کتاب اور ہر رسول کو تسلیم کیا جائے اور مذہب کے نام پر خون خرابا نہ کیا جائے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ[4] دین کے بارے میں کسی طرح کا جبر نہیں۔

لَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ[5] اور ان کو گالی نہ دو جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔

**امن عالم** عقیدہ توحید امن عالم کا ضامن ہے۔ کیونکہ عقیدہ توحید عالمگیر اخوت، اتحاد محبت، مساوات جنم دیتا ہے اور نفرت اور عداوت تعصب کو بالکل ختم کرتا ہے جب دشمنی اور تعصب دنیا کی قوموں سے مٹ جائے تو دنیا میں امن قائم کرنا مشکل نہیں

---

[1] البقرہ ۲: ۲۱۳ [2] بیہقی کتاب الایمان [3] الحجرات ۴۹: ۱۳ [4] مسند احمد [5] البقرہ ۲: ۲۵۶ [6] الانعام ۶: ۱۰۸

رہتا۔ امنِ عالم کے خرمن کو صرف اسی وجہ سے آگ لگی ہوئی ہے، نسلی، لسانی اور لونی تعصبات کی آندھی چل رہی ہے۔

**تزکیۂ نفس** انسان کی اخلاقی ترقی کے لئے عقیدۂ توحید بڑی طاقت ہے۔ اسی وجہ سے ہر مذہب نے خدا کو ایک ماننے پر بہت زور دیا ہے۔ انسان کے اندر جو اخلاقی بلندی اور کمال آج نظر آ رہا ہے وہ خدائے واحد پر ایمان لانے کا ہی ثمرہ ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار صفات اور نام بیان ہوئے۔ قرآن مجید میں آتا ہے، وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى[1] اس کے سب نام اچھے ہیں۔ "حسنیٰ" کے لفظ میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ وہ ذات ہے جو تمام صفات حسنہ کی جامع اور تمام عیوب سے منزہ ہے۔ ان صفات کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے اندر وہی صفات پیدا کرنے کی کوشش کرے اور انہی صفات کے تحت اپنی زندگی بسر کرے۔ نبی کریمؐ کا ارشاد ہے "تخلقوا باخلاق اللہ" یعنی اللہ کے اخلاق اختیار کرو۔ یہی وجہ ہے قرآن مجید میں جہاں جہاں ایمان باللہ کا ذکر آیا ہے وہ اعمال صالحہ بجا لانے کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ گویا ایمان باللہ عمل صالح کے بغیر بے سود ہے۔

تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ ہر نبی نے اپنے اپنے وقت میں عقیدہ توحید کی بنا پر اپنی اپنی قوم کو قعرِ مذلت سے نکال کر اخلاقِ حسنہ کے ایسے بلند مینار پر کھڑا کر دیا جو تصور میں بھی نہیں آ سکتا۔

**علوم کی ترقی** عقیدۂ توحید علوم اور سائنس کی ترقی کا ضامن ہے۔ عقیدۂ توحید نے انسان کو یہ سبق دیا کہ وہ اشرف المخلوقات ہے اور کائنات کی ہر چیز انسان کی آسائش اور انتفاع کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اس سبق نے انسان کو کائنات کی ہر چیز کو مسخر کرنے کی طرف توجہ دلائی اور انسان کائنات کے عناصر کے خواص معلوم کرنے میں لگ گیا جس سے مختلف علوم اور سائنس نے ترقی کی۔

**انسانی فلاح** انسانی فلاح کے دو پہلو ہیں ایک روحانی اور دوسرا مادی۔ مذہب ہی ایک ایسی قوت ہے جو انسان کی روحانی اور مادی فلاح کی ضامن ہے اور وہ اصول مقرر کیے ہیں جن پر چل کر انسان کامیابی و کامرانی سے ہم کنار ہو سکتا ہے۔ روحانی فلاح کا تعلق عبادت الٰہی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ[2] مومن یقیناً کامیاب ہیں جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں۔

اگر مذہبی دنیا کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ ہر مذہب میں عبادتِ الٰہی کا تصور پایا جاتا ہے۔ دنیا میں جتنے مصلح اور نبی آئے ہیں ہر ایک نے عبادتِ الٰہی پر زور دیا ہے۔

---

[1] بنی اسرائیل، ۱۷: ۱۱۰ [2] مومنون ۲۳: ۱-۲

کیونکہ عبادت ہی وہ پانی ہے جس سے گناہوں کی آگ ٹھنڈی ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے : وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ [1] اور یقیناً ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا کہ اس کی عبادت کرو اور جھوٹے معبودوں سے بچو۔

قرآن مجید نے بنی نوع انسان کی پیدائش کی غرض وغایت ہی عبادت قرار دی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ [2] کہ میں نے جن وانس اس لئے پیدا کئے ہیں تاکہ وہ میری عبادت کریں۔

دوسری جگہ آتا ہے : یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ [3] اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا، اور انہیں جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی ہو۔

عبادتِ الٰہی صرف انسان کی رُوح اور دل کی پاکیزگی کا موجب ہی نہیں بلکہ اس کا سوسائٹی پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ کیونکہ عبادت انسان کے اخلاق سنوارتی ہے۔ کسی کام میں مواظبت اور مداومت اختیار کرنے کا سبق دیتی ہے۔ انسان میں ہمدردی اور اخوت کے جذبات پیدا کرتی ہے عبادت سے انسان کی قوت عملیہ کو جلا ملتا ہے۔ یہی وہ امور ہیں جو ایک صحت مند سوسائٹی کے لیئے ضروری ہیں۔ پس عبادت چند الفاظ کی رٹ اور چند حرکات کی نمائش نہیں بلکہ اس کے پیچھے ایک حقیقت ہے اور ان کے نتائج میں اخلاقی ارتقاء اور فلاح۔

مادّی فلاح کا تعلق انسان کی دنیاوی زندگی سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مذہب کی کتاب میں دنیاوی زندگی کو بہتر بنانے کے لیئے اصول بیان ہوئے ہیں۔ قرآن مجید تو ان اصولوں کو بڑی شرح وبسط کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ مثلاً انسان کے باہمی تعلقات، اس کی عائلی، عمرانی اور سیاسی زندگی، مناکحت، طلاق، ورثہ، تقسیم دولت سرمایۂ محنت، عدالت، فوجی تنظیم، جنگ وصلح، قومی اقتصادیات، قرضے اور معاہدات، غرباء یتامیٰ، بیوگان کی امداد کے قوانین اور دوسرے بے شمار مسائل پر روشنی ڈالتا ہے جن کے علم اور عمل سے انسان خوشگوار زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

## عقل کی راہنمائی

انسان کی عقل کوتاہ اور ناقص ہے۔ دنیا کے فلاسفران نے عقل کی کوتاہ بینی کا اقرار کیا ہے۔ سقراط کا یہ مقولہ مشہور ہے "ہم اتنا بھی نہیں جانتے کہ نہیں جانتے" اگر انسان کو اپنی عقل سے زندگی کی تمام گتھیاں سلجھانی پڑتیں اور دنیاوی زندگی بہتر بنانے کے لیئے تمام اصول وضع کرنے پڑتے تو عقل کے نقص کی وجہ سے انسان قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا۔

---

[1] النحل ۱۶: ۳۶ [2] الذّٰریٰت ۵۱: ۵۷ [3] البقرہ ۲: ۲۱

مذہب نے انسان کی عقل کی راہنمائی کے لئے عائلی۔ عمرانی۔ سیاسی۔ اقتصادی اصول وضع کر دیئے ہیں۔ تاکہ انسان ان اصولوں کی روشنی میں زندگی کے ہر قسم کے مسائل کو حل کر سکے۔ اگر انسان کے سامنے وہ اصول نہ ہوتے تو وہ ہلاکت اور بربادی کے گڑھے میں گر جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے عقل و فہم سے کام لینے کی بہت تاکید کی ہے اور عقل و فہم کے مختلف گوشوں کو قرآن مجید نے مختلف الفاظ سے واضح کیا ہے کہیں فقط حکمت سے تعبیر کیا ہے کہیں لفظ لب سے اور کہیں شعور سے کہیں بصیرت سے کہیں تفکر سے اور کہیں بصیرت سے کہیں تفکر سے اور کہیں تدبر سے کہیں لفظ توسم سے۔

قرآن مجید نے مختلف پیرایوں میں یہ بیان کیا ہے کہ انسان کو غور و فکر اور عقل و تدبر سے کام لینا چاہیئے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا[1] جسے حکمت و دانائی عطا ہوئی اسے بے شمار بھلائیاں مل گئیں۔ أَفَلَا تَعْقِلُونَ[2] تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ وَمَا يَشْعُرُونَ[3] یہ شعور سے کام نہیں لیتے۔ أَفَلَا تُبْصِرُونَ[4] تم بصیرت سے کام نہیں لیتے۔ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ[5] اہل عقل ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ إِنَّ ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ[6] اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا[7] یہ قرآن میں غور نہیں کرتے کیا دلوں میں تالے پڑے ہیں۔ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ[8] اس میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ مذہب اور عقل کا باہمی تعلق کتنا ہے۔ اسی گہرے تعلق کو بیان کرتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دِينُ الْمَرْءِ عَقْلُهُ وَمَنْ لَا دِينَ لَهُ لَا عَقْلَ لَهُ[9] انسان کا دین اس کی عقل ہے اور جس کا کوئی دین نہیں اس کو عقل نہیں۔

## حیات بعد الموت کی اطلاع

انسان خدا تعالیٰ کی ہستی پر یقین کائنات کے محکم نظام پر نظر دوڑا کر پیدا کر سکتا ہے، اور انسان کی فطرت میں خدا کی ہستی کا تصور مرکوز ہے۔ مگر جزا و سزا اور حیات بعد الموت کا علم سوائے مذہب کے کہیں سے حاصل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ انسان کی اپنی عقل اس قدر دور کے نتائج کو بھانپ نہیں سکتی۔ پس خدا تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی معرفت وحی کے ذریعے جزا و سزا کا قانون لوگوں کو بتایا اور جو لوگ اس قانون کی خلاف ورزی کریں گے وہ مستوجب سزا ٹھہریں گے اور جو اس قانون کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالیں گے وہ انعاموں کے وارث ہوں گے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ قَالُوا بَلَىٰ قَدْ

---

[1] البقرہ ۲: ۲۶۹ [2] البقرہ ۲: ۴۴ [3] ۲: ۹ [4] ۲: ۲۸ [5] البقرہ ۲: ۲۶۹ [6] الرعد ۱۳: ۳
[7] محمد ۴۷: ۲۴ [8] الحجر ۱۵: ۷۵ [9] کنوز الحقائق حرف دال

جَاءَنَا نَذِيرٌ[1] یعنی جب دوزخ میں لوگوں کو ڈالا جائے گا تو ان سے دوزخ کا دربان پوچھے گا کیا تمہارے پاس ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا

خدا تعالیٰ کی صفت عدل بھی اس امر کا متقاضی ہے کہ وہ حق و انصاف کا میزان قائم کرنے سے پہلے اپنی برگزیدہ ہستیوں کی معرفت جزا و سزا کا قانون بتائے خدا تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو ایسے قانون کے تحت سزا دے جس کا انہیں علم ہی نہیں۔

---

[1] الملک ۶۷: ۹،۸

# مذہب کا آغاز و ارتقاء

مذہب کے آغاز کے بارے میں دو نظریے پائے جاتے ہیں۔ ایک ارتقائی نظریہ، دوسرا مذہبی نظریہ۔

**ارتقائی نظریہ** اس نظریہ کی رُو سے جب انسان پیدا ہوا تو وہ مذہب کے تصور سے بالکل ناآشنا تھا اور مذہب کی ابتداء مظاہر پرستی سے شروع ہوئی۔ سب سے پہلے زمین کی پرستش شروع ہوئی۔ سوسائٹی کا اوّلین نظام امہاتی نظام تھا اور مرد کے مقابلہ میں عورت کو زیادہ فضیلت حاصل تھی اور چونکہ زمین جس پر انسان بود و باش رکھتا تھا ماں ہی کی طرح اس کی پرورش اور ربوبیت کا سامان فراہم کرتی تھی۔ اس لئے سب سے پہلے زمین کی پرستش شروع ہوئی اور اسے دھرتی ماتا کہنے لگے۔ اس کے بعد جب معاشرہ میں مرد کی اہمیت بڑھی تو امہاتی نظام کی جگہ ابوی نظام نے لے لی۔ تو الوہیت کے تصور میں تبدیلی رونما ہوئی اور دھرتی ماتا کے مقابلہ میں "آسمانی باپ" کی اہمیت بڑھ گئی تو اس سلسلہ میں سورج اور چاند کی پرستش شروع ہوگی۔

**سورج اور چاند** اقوام عالم کی تاریخ پر نظر دوڑائی جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی بیشتر اقوام میں سورج کا شمار معبودان اعلیٰ میں تھا۔ چنانچہ مصر کا دیوتا اوسیرز اور ہورس۔ بابل کا شمس، اشوریوں کا اشور سب آفتاب ہی تھے۔ یونان، ایٹروریہ، جرمنی برطانیہ اور اسکنڈی نیویا کے لوگ آفتاب کی پرستش کرتے تھے۔ ہندوستان میں ویدک دور سے لے کر اب تک "سوریہ پوجا" ہوتی آئی ہے اور جاپان میں بادشاہ میکاڈو کو بھی سورج کا اوتار مانا جاتا تھا۔ جب انسان نے کاشتکارانہ زندگی کا آغاز کیا، سورج کی گردش سے غلہ بونے اور کاٹنے کا زمانہ متعین کیا تو آفتاب پرستی کو عروج ہونے لگا۔

چاند کی پرستش سورج کی نسبت کم ہوئی۔

**ستارے** ستاروں کی پرستش مختلف قوموں نے کی ہے۔ بابل میں ستاروں کی پرستش زور پر رہی ہے۔ ستارہ پرستی کا ایک فائدہ یہ ہوا ہے کہ اس سے علم النجوم اور

---

لہ بعض مورخین کا یہ خیال ہے کہ مذہب کی ابتدا اسلاف پرستی سے شروع ہوئی اور بعض کا یہ کہ مذہب کی ابتدا مظاہر پرستی سے۔

اور بعد میں [illegible] بنیاد پڑی۔ سورج اور چاند کی طرح ہر ستارہ کا ایک دیوتا تھا اور اس میں برتر کا پایا [illegible] تھا لیکن ان میں سب سے زیادہ اہمیت "قطب ستارے" کو حاصل تھی۔ کیونکہ وہ آسمان کا [illegible] تھا اور تمام ستارے اس کے گرد گھومتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، مصر قدیم کے دیوتا ہورس کا قول ہے کہ "میں وہ ہوں جو آسمان کے قطب پر صدر نشین ہے اور تمام خداؤں کی طاقتیں میری طاقتیں ہیں" سمیری قوم کا سب سے بڑا معبود "انو" بھی قطب ستارے کا دیوتا تھا۔ ہندوؤں کے برہما کا تعلق بھی قطب ستارے سے ہے۔ اسی طرح جاپان میں سب سے بڑے خدا کے نام کے معنی ہیں "آسمان کے مقدس مرکز کا مالک دیوتا"

**پہاڑ** بعض اقوام عالم میں پہاڑوں کی رفعت اور منفعت کی وجہ سے پرستش کی جاتی رہی ہے۔ کیونکہ پہاڑوں کی وجہ سے بارش ہوتی اور پہاڑوں سے دریا نکلتے اور زمین کو زرخیز بناتے ہیں۔ مختلف اقوام عالم میں بعض پہاڑ مقدس سمجھے جاتے تھے۔ مثلاً ہندوؤں میں کیلاش پربت، یہودیوں میں کوہ صیون اور مسلمانوں میں کوہ طور۔

مختلف اقوام کی دیومالاؤں میں ایک ایسے مقدس پہاڑ کا ذکر پایا جاتا ہے جو دیوتاؤں کے مسکن تھے۔ مثلاً ہندوؤں کا سمیرو۔ بابل والوں کا کھرساک کُرّا، چینیوں کا کون لوئین، یونانیوں کا اولمپس ایرانیوں کا البرز (یا ہرابرزایتی) وغیرہ وغیرہ

**درخت** مقدس پہاڑ سے ایک مقدس درخت کا تصور بھی وابستہ ہے۔ مثلاً ہندوؤں کا سوم، ایرانیوں کا ہوم، نارڈک قوم کا ایش یگ ڈرازل، یہودیوں کا شجرۃ الحیات (یا شجرۃ العلم) مسلمانوں کا طوبیٰ وغیرہ۔ اہل بابل "بہشتی درخت" کی نقل بنا کر پرستش کرتے جسے اشیرا کہتے تھے۔ نارڈک قوم میں بھی مقدس درخت کی پرستش ہوتی تھی اور یہ رسم عیسائیوں میں "کرسمس ٹری" کی شکل میں اب بھی جاری ہے۔

**آگ** عناصر اربعہ میں سب سے زیادہ آگ کی پرستش ہوئی ہے۔ اس پرستش کا رواج اس وقت ہوا جب انسان نے آگ کو دریافت کیا چونکہ آگ کے بجھ جانے سے دوبارہ حاصل کرنا مشکل ہوتا۔ لہٰذا جہاں تک ممکن ہوتا لوگ آگ بجھنے نہیں دیتے تھے۔ آگ کو زمین پر سورج کا نمائندہ تصور کیا جاتا تھا۔ سورج یا آگ کی روشنی کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہوا کہ خدا نور محض ہے بجلی بھی آگ کی ایک صورت تھی۔ جسے "خدائی تازیانہ" اور غضب الٰہی کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح بعض اقوام میں آتش فشاں پہاڑ کی پوجا ہوتی ہے۔

قدیم ہند کے آریہ لوگ اگنی کو سب سے بڑا دیوتا مانتے تھے۔ پارسی زمانہ قدیم سے آتش پرست رہے ہیں۔ یونان کے ہر شہر میں ایک بڑا آتش کدہ ہوا کرتا تھا۔ جہاں دن رات آگ روشن رہا کرتی

تھی۔ اٹلی میں بھی یہی رواج تھا وہاں آگ کی دیوی کا نام ویسٹا تھا۔ آگ کے بعد پانی کی سب سے زیادہ پرستش کی گئی ہے۔ قدیم زمانہ کی تمام مشہور تہذیبوں نے دریائی وادیوں میں ہی جنم لیا اور وہیں پھلی پھولیں، مصر میں رود نیل، عراق میں دجلہ و فرات، ہندوستان میں سندھ اور گنگا جمنا چین میں ہوانگ ہو کی وادیاں زمانہ قدیم میں تہذیب کا خاص مرکز تھیں۔ اس لئے یہ بات قرین قیاس ہے کہ یہاں کے لوگوں نے کسی نہ کسی صورت میں ان دریاؤں کی بھی پرستش کی ہے۔ اہل مصر نیل ندی کو دیوتا مانتے تھے جس کا نام "ہاپی" تھا۔ عراق میں پانی کے دیوتا اِیا کی پرستش ہوتی تھی اور ہندوستان میں ہندو گنگا جل کو مقدس سمجھتے تھے اور دریا ے سرسوتی کی دیوی علوم و فنون کی مربی تصور کی جاتی ہے دریاؤں کو خوش کرنے کے لئے انسان نے قربانیاں کیں اور بسا اوقات زندہ انسانوں کو ہی دریا کی لہروں کی نذر کر دیا جاتا تھا۔

**ہوا** آگ اور پانی کی نسبت ہوا کی پوجا کم ہوئی ہے۔ اگرچہ ہر ملک کی دیومالا میں ہوا کا دیوتا ہونا ضرور پایا جاتا ہے۔ مٹی کو زمین کے ساتھ ہی پوجا گیا، مٹی کا تعلق کاشتکاری اور حب الوطنی سے رہا ہے۔

**اعضائے جنسی** جنسی خواہش ایک فطری تقاضا ہے۔ اس کی تسکین کے دو مقاصد تھے۔ اوّل: حصول لذّت، دوم افزائش نسل اور اسی اہمیت کے پیش نظر اعضائے جنسی کی پرستش مصر، عراق، ہندوستان، یونان اور روم وغیرہ ہر جگہ ہونے لگی۔

**حیوان پرستی** دنیا کے ہر خطے میں حیوان پرستی کا رواج رہا ہے۔ حیوان پرستی کی ابتداء جانوروں کے خوف سے ہوئی۔ بعد میں یہ عقیدہ رواج پا گیا کہ مُردوں کی روحیں حیوانی قالب میں چکر لگاتی ہیں تو حیوان پرستی کا عام رواج ہو گیا۔ اس سلسلہ میں انسان اور حیوان ملے ہوئے "مرکب دیوتا" (COM POSITE GODS) پیدا ہو گئے۔ جیسے ہندوؤں میں گنیش جی، وشنو کے بعض اوتار بھی اسی نوعیت کے ہیں۔

مصر اور ہندوستان میں حیوان پرستی کا بہت زور رہا ہے۔ مصری گبریلے سے لے کر ہاتھی اور شیر تک کی پوجا کرتے رہے ہیں۔ مصر میں حیوان پرستی کا ایک شرمناک پہلو یہ بھی تھا کہ عورتیں اپنے کو مقدس جانوروں کے سامنے پیش کر دیتی تھیں۔ اسی طرح جاپان میں آئنو قوم کے لوگ اپنی عورتوں سے ریچھ کے بچوں کو دودھ پلواتے تھے۔ جب ریچھ بڑا ہو جاتا تو اس کو رسیوں میں باندھ کر میدان میں لایا جاتا اور اس پر تیر اندازی کی جاتی۔ بعد ازاں اس کا گوشت سب مل کر کھاتے۔ ریچھ ان کا معبود یا "ٹوٹم" تھا۔

**ٹوٹم پرستی** (TOTENISM) بھی حیوان پرستی کی ایک قسم ہے شمالی امریکہ کی اوجبوا (OJIBWA) قوم اپنے مقدس جانوروں کو "ٹوٹم" کہتی تھی۔ اس ٹوٹم پرستی

کا رواج شمالی امریکہ کے قدیم باشندوں کے علاوہ افریقہ، آسٹریلیا اور ہندوستان میں رہا ہے اور کسی حد تک اب بھی ہے جانوروں کے علاوہ درخت۔ پودے یا بعض دوسری اشیاء بھی ٹوٹم ہو سکتی ہیں۔

**اکابر پرستی**

جب نسلِ انسانی نے اجتماعی حیثیت سے ترقی کی۔ انسان نے عائلی زندگی سے بڑھ کر قبائلی زندگی اور قبائلی زندگی سے بڑھ کر مملکت کو جنم دیا تو اکابر پرستی اور شاہ پرستی کا رواج شروع ہو گیا۔ دنیا کے ہر خطے میں اکابر پرستی کا رواج رہا ہے۔

**توحید**

قرآن اور تورات کا نظریہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا تو اس کی جسمانی ضروریات کی طرح اس کی روحانی ضروریات کا بھی سامان مہیا کیا۔ انسان کی روحانی ضرورت کا سامان توحید اور عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس روحانی ضرورت کو انبیاء علیہم السلام کے ذریعے پورا کیا۔ ہر قوم کی طرف نبی بھیجے انہوں نے لوگوں کو توحید اور عبادت الٰہی کی تعلیم دی۔ اس وجہ سے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آغاز میں ہی انسان کا مذہب توحید تھا۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ[1] کہ میں نے جن و انس کو محض عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ ہر قوم میں عبادت کا تصور انبیاء علیہم السلام نے پیش کیا۔ ارشاد الٰہی ہے: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ[2] اور یقیناً ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور جھوٹے معبودوں سے بچو۔ ہر نبی نے اپنی قوم کو توحید کا سبق دیا۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ[3] اور تجھ سے پہلے ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف ہم یہی وحی کرتے تھے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں سو میری عبادت کرو۔ یہ آیت ظاہر کرتی ہے، توحید اور عبادتِ الٰہی لازم و ملزوم ہیں۔ بائبل کے مطالعہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آغاز میں ہی انسان کا مذہب توحید تھا۔ بائبل میں آتا ہے۔

"خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا"۔

اب مغربی محققین بھی ارتقائی نقطۂ نظر کو ترک کر کے قرآنی نقطۂ نظر کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ چنانچہ پروفیسر شمیٹ نے لکھا ہے۔

"علم شعوب و قبائل انسانی کے پورے میدان میں اب پرانا ارتقائی مذہب بالکل بیکار ہو گیا ہے۔ نشو و نما کی مرتب کڑیوں کا وہ خوش نما سلسلہ جو اس مذہب نے پوری آمادگی کے ساتھ تیار کیا تھا اب ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے اور نئے تاریخی رجحانوں نے اسے اٹھا کر پھینک دیا ہے"۔[4]

---

[1] الذّاریٰت ۵۱: ۵۶ [2] النحل ۱۶: ۳۶ [3] الانبیاء ۲۱: ۲۵

[4] THE ORIGION AND GROWTH OF RELIGION P. 262

یہی مصنف ایک اور جگہ رقمطراز ہے۔

"اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ انسان کے ابتدائی تصوّر کی اعلیٰ ترین ہستی فی الحقیقت توحیدی اعتقاد کا خدائے واحد تھا اور انسان کا دینی عقیدہ جو اس سے ظہور پذیر ہوا، وہ پوری طرح ایک توحیدی دین تھا۔[1]

ابتداء آفرینش سے انسان کا اصلی مذہب توحید تھا اور بعد میں جب لوگ عقیدہ توحید سے منحرف ہوئے اور وہ شرک اور الحاد کی تاریک وادی میں بھٹکنے لگے تو اصلاح کے لئے دنیا میں ہر قوم میں پیغمبر آئے اور لوگوں کو توحید کا درس دیتے رہے۔

---

[1] (THE ORIGION AND GROWTH OF RELIGION

# دوسرے مذاہب کی موجودگی میں اسلام کی ضرورت

## پہلی ضرورت: تکمیل شریعت

اسلام سے پہلے جس قدر مذاہب آئے وہ سب قومی اور محدود ضروریات کے مطابق ان کا پیغام اپنے اندر عالمگیر حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ قرآن مجید میں نوح علیہ السلام کے متعلق آتا ہے لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ (۷: ۵۹) ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ حضرت ہود علیہ السلام کے متعلق آتا ہے: اِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا (۷: ۶۵) قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ حضرت صالح علیہ السلام کے متعلق آتا ہے۔ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صٰلِحًا ثمود قوم کی طرف ان کا بھائی صالح نبی بن کر آیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے متعلق آیا: وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا (۷: ۸۵) مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب آئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَکَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (۱۴: ۵) اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا کہ وہ اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا: رَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول تھے۔ (آل عمران ۳: ۴۹)

اگر مذاہب عالم کی کتب کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بالکل عیاں ہو جائے گی کہ کسی کتاب نے بھی عالمگیر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ ویدوں کو لیجئے۔ نہ تو خود وید نے عالمگیر الہام ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور نہ کسی وید بھاشکر نے وید کی تعلیم کو عالمگیر قرار دیا۔ اگر وید کی تعلیم عالمگیر ہوتی تو ضروری تھا کہ اس کی تعلیم کی اشاعت اور تبلیغ ہندوستان کی چار دیواری سے باہر ہوتی، اور وید کے ماننے والے دنیا کی دوسری اقوام تک اس کے پیغام کو پہنچانا ضروری سمجھتے۔ لیکن اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان میں شودر وید کا کلام سننا تو درکنار وید کی شکل دیکھنے سے محروم رہا۔ منوجی کے قول کے مطابق ایک شودر برہمن کے منہ سے وید کو سن لے تو اس کو قتل کر دینا ضروری ہے۔ یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ وید کی تعلیم عالمگیر نہیں تھی، بلکہ صرف ایک قوم کے لئے تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول تو اب تک انجیل میں لکھا ہوا ہے۔

"میں صرف بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کے لئے آیا ہوں، پس میں بچوں کی روٹی کتوں آگے نہیں ڈال سکتا" (متی: ۱۵ باب)

پہلے انبیاء علیہم السلام کا پیغام ربانی لے کر صرف ایک ہی قوم کی طرف آنا زمانہ اور ت انسانی کے مطابق تھا۔ نزول قرآن مجید سے قبل دنیا کے ممالک ایک دوسرے سے الگ تھلگ ، ذرائع رسل و رسائل مفقود تھے، اس وجہ سے قومیں ایک دوسرے سے بالکل بے خبر تھیں۔ سرے انسان کا ذہن ایک عالمگیر شریعت کو اٹھانے کے قابل ہی نہیں تھا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ رورت کے مطابق مختلف وقتوں میں پیغام بھیجتا رہا۔ جب دنیا رسل و رسائل اور ذرائع آمدورفت وجہ سے ایک کنبہ کی شکل اختیار کرتی جا رہی تھی تو ایک مکمل شریعت کی ضرورت پڑی جو نوع انسان کی تمام ضرورتوں کو پورا کرے۔ سو اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے رسولِ کریم م اسلام کی تعلیم دے کر بھیجا۔ قرآن مجید نے یہ دعویٰ کیا ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ كُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (۵: ۳) آج میں نے تمہارا دین تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی مت تم پر پوری کر دی ہے، دین اسلام تمہارے لئے پسند کیا ہے۔ دوسری جگہ قرآن مجید ں آتا ہے: فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (۹۸: ۳) قرآن مجید میں تمام کتب کی تعلیمات کا عطر ہے۔

## دوسری ضرورت: مذہبی اختلاف کا فیصلہ

اسلام سے پہلے تمام مذاہب اختلافات اور تنازعات کا شکار بن چکے تھے، اب ضروری تھا ہ تمام مذہبی اختلافات کا فیصلہ ہوتا۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان تمام اختلافات کا فیصلہ کرنے کے لئے سول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اسلام کی تعلیم کو نازل فرمایا۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (۱۶: ۶۴) اور ہم نے تجھ پر کتاب صرف اس لئے زل کی ہے کہ تو ان کے لئے وہ باتیں کھول کر بیان کرے جن وہ اختلاف کرتے ہیں اور وہ ان وگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان لاتے ہیں۔ جب ہم مذاہب عالم کی تاریخ کا مطالعہ رتے ہیں تو ان کو اختلافات کے بھنور میں پھنسا ہوا پاتے ہیں۔ یہودی مذہب میں فریسیوں کا یہ اعتقاد تھا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی راست بازی سے راست باز ٹھہر کر نجات پا جائیں گے قرآن مجید میں آتا ہے: وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً قُلْ

اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (۲:۸۰-۸۲) اور ہیں کہ سوائے گنتی کے دنوں کے ہمیں آگ نہیں چھوئے گی کہہ تم نے اللہ سے کوئی اقرار لیا ہے اپنے اقرار کے خلاف نہیں کرتا بلکہ اللہ پر وہ بات بناتے ہو جو تم نہیں جانتے، ہاں جو بدی کمائے اور اس کی برائیاں اسے گھیر لیتی ہیں وہی آگ والے ہیں وہ اسی میں رہیں گے۔

ان آیات میں ان کے باطل عقیدہ کی تردید کر دی ہے کہ کسی نبی کی راست باز سے راست باز ٹھہر کر کوئی نجات نہیں پا سکتا بلکہ نجات کا دارومدار عمل ہے۔ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ یعنی برے اعمال کی سزا ضرور انسان کو گھیر لیتی ہے سزا کو کسی نیک آدمی کی راست بازی دور نہیں کر سکتی۔ برے اعمال کی سزا کو کسی نیک آدمی کی راست بازی دور نہیں کر سکتی۔ برے اعمال کی سزا ضرور انسان کو گھیر لیتی ہے

اسی طرح یہود نے عزیر کو خدا کا بیٹا بنا لیا تو اللہ تعالیٰ نے عقیدہ ابنیت کی پُرزور تردید ارشاد الٰہی ہے: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا (مریم ۸۹-۹۱) اور کہتے ہیں کہ رحمٰن نے بیٹا بنا لیا ہے یقیناً تم ایک خطرناک بات کر گزرے قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جائے اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر کہ وہ رحمٰن کے لئے بیٹے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

اگر عیسائیت کا مطالعہ کیا جائے تو وہاں بھی اختلافات ہی اختلافات نظر آتے ہیں، کیتھولک تین خداؤں کے سوا حضرت مریم کو بھی معبودیت کے تخت پر بٹھاتے ہیں اور پوپ کو معصوم عن الخطا گردانتے ہیں۔ پروٹسٹنٹ صرف باپ بیٹا روح القدس تک ہی الوہیت کو جائز سمجھتے اور پوپ کو معصوم عن الخطاء نہیں مانتے۔ پھر پروٹسٹنٹ فرقہ کے اندر بے شمار اختلافات ہیں

عشاء ربانی کے نظریہ کے تحت بعض کے نزدیک شراب اور روٹی حلق کے نیچے اترتے مسیح کا خون اور گوشت بن جاتی ہے۔ اسی طرح عشاء ربانی میں شامل ہو کر مسیح سے توصل پیدا کرتے ہیں۔ اسی طرح کفارہ کے عقیدہ نے مسیحیوں کو گناہ کی زندگی میں دھکیل دیا ہے۔

قرآن مجید نے عقیدہ تثلیث کو باطل قرار دیا ہے، ارشاد الٰہی ہے: فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ پس اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور مت کہو کہ خدا تین ہیں اس عقیدہ سے باز آجاؤ تمہارے لئے بہتر ہے اللہ صرف ایک ہی معبود ہے۔

اسی طرح عیسیٰ اور مریم کے خدا ہونے کی تردید کی۔ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۵ : ۱۱۶) اور جب اللہ نے کہا اے عیسیٰ بن مریم کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا کے سوا دو معبود بنا لو۔

کفارہ کی تردیدیوں کی، وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (الانعام ۶ : ۱۶۴) یعنی کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھا سکے گا۔

قرآن مجید نے ہندو مذہب کے مشرکانہ عقیدہ کی کئی جگہ پُرزور الفاظ میں تردید کی ارشادِ الٰہی ہے، اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۳ : ۶۴) یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب بنائے۔

**عقیدہ تناسخ کا رد:** یہ عقیدہ ہندوؤں کا ہے۔ اس عقیدہ کی رُو سے خدا گناہ معاف نہیں کر سکتا۔ اس وجہ سے ایک انسان کو اپنے بُرے اعمال کی سزا بھگتنے کے لئے مختلف جونوں میں تبدیل ہونا پڑتا ہے۔ قرآن مجید نے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (جزا و سزا کے دن کا مالک) میں اس عقیدہ کا رد کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مالک کا لفظ بجائے ملک کے اس لئے اختیار کیا ہے کہ ملک محدود اختیارات کا حاکم ہوتا ہے، وہ کسی مجرم کو چھوڑ نہیں سکتا۔ مالک کے اختیارات وسیع ہیں جسے چاہے معاف کر دے۔ پس خدا تعالیٰ جزا و سزا کے دن جسے چاہے معاف کر سکتا ہے۔ پھر قرآن مجید اللہ تعالیٰ کو غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ (۴۰ : ۳) کہتا ہے۔ یعنی اللہ گناہوں کو معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔

**روح و مادہ کی ابدیت اور ازلیت کا عقیدہ:**

یہ عقیدہ بھی ہندو ازم کا ہے۔ اس عقیدہ کی رُو سے خدا کی صفات میں شرک لازم آتا ہے قرآن مجید نے ایک جگہ نہیں بلکہ بے شمار جگہ پر ہر قسم کے شرک کا رد کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (آل عمران : ۶۴) یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب بنائے۔

سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کو رب العالمین کہا ہے۔ رب کا لفظ استعمال کر کے یہ بتایا ہے کہ اللہ کی ذات اور صفات میں کوئی شریک نہیں، وہ مادہ اور روح کا بھی رب ہے اس وجہ سے

یہ خدا کی کسی صفت میں شریک نہیں ہو سکتے۔

## تیسری ضرورت: کتب سابقہ کی غلطیوں کی اصلاح

لوگوں نے سابقہ کتب سماوی میں بعض ایسی غلط باتیں شامل کر دی تھیں جو مذہب کی روح کے سراسر منافی تھیں۔ قرآن مجید نے ان غلطیوں کی اصلاح کی۔ مثلاً بائیبل میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے تھے، حضرت لوط علیہ السلام اپنی ہی بیٹیوں سے سے فعل شنیع کے مرتکب ہوئے، حضرت ہارون علیہ السلام نے بچھڑے کا ایک بت بنایا، حضرت داؤد علیہ السلام نے اوریا کی بیوی سے زنا کیا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی بیویوں کو خوش کرنے کے لئے بتوں کی پوجا کی۔

قرآن مجید نے فرداً فرداً تمام انبیاء علیہم السلام کا ذکر انتہائی تعریفی الفاظ میں کیا ہے، اور اصولی طور پر عصمت انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُم بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ (۲۱: ۲۵-۲۶)

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَغُلَّ (۳: ۱۶۱) کسی نبی کی شان نہیں کہ وہ خیانت کرے۔

یہ دونوں آیات عصمت انبیاء علیہم السلام پر محکم دلیل ہیں کہ انبیاء علیہم السلام وہی کرتے ہیں اور وہی کہتے ہیں جو اللہ کی طرف سے وحی ہو، ان کی زندگی وحی الٰہی کے مطابق گزرتی ہے۔

## چوتھی ضرورت: سابقہ کتب سماوی کے برحق ہونے کی تصدیق اور حفاظت

قرآن مجید کے نزول سے قبل ہر نبی کی بعثت قومی سطح پر ہوتی تھی اس وجہ سے ان پر جو وحی نازل ہوتی تھی وہ بھی اسی قوم کے ساتھ مخصوص ہوتی تھی۔

اس طرح ہر قوم صرف اپنے آپ کو ہی وحی کی نعمت عظمیٰ سے مستفیض سمجھتی تھی دوسروں کو محروم۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہر قوم میں تنگ نظری اور تعصب کا مرض پیدا ہو گیا۔

اسلام آیا تو اس نے نہ صرف پہلی وحیوں کو برحق قرار دیا بلکہ ان پر ایمان لانا ضروری قرار دیا اور کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک وہ پہلی کتب پر ایمان نہ لائے۔

قرآن مجید میں آتا ہے: وَآمِنُوا بِمَا أَنزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ

وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ (بقرہ: ۴۱) اور پس اس پر ایمان لاؤ جو میں نے اتارا اس کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس ہے اور تم اس کے پہلے منکر نہ بنو۔

دوسری جگہ آتا ہے، وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ (مائدہ ۴۸) اور ہم نے تیری طرف کتاب حق کے ساتھ اتاری اور جو اس سے پہلی کتب کی تصدیق کرتی ہے اور ان پر محافظ ہے اور ان کے درمیان ان کے مطابق فیصلہ کر جو اللہ نے اتارا ہے۔

قرآن مجید پہلی کتب کا مصدق دو لحاظ سے ہے: ایک تو اس لحاظ سے کہ قرآن تمام کتب سماوی کو من جانب اللہ مانتا ہے۔ دوسرا اس لحاظ سے مصدق ہے کہ پہلی کتب میں قرآن مجید اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشگوئیاں تھیں، قرآن مجید نے ان پیشگوئیوں کو پورا کر کے ان کتب کو سچا ٹھہرایا ہے۔

## پانچویں ضرورت: گم شدہ توحید کو قائم کرنا

قرآن مجید کے نزول سے قبل دنیا سے توحید کا چراغ جو مختلف انبیاء علیہم السلام نے مختلف زمانوں اور مختلف جگہوں میں روشن کیا تھا بجھ چکا تھا۔ ہندو مذہب میں تینتیس کروڑ دیوتا بن چکے تھے بدھ مذہب میں خدا کی ہستی کا تصور خرافات، توہمات اور قیاسات کے نیچے دب کر گم ہو چکا تھا۔ زرتشت مذہب میں خالق خیر و خالق شر دو معبود یزدان اور اہرمن کے نام سے پوجے جاتے تھے۔ یہودیوں نے عیسائیت کے نقش قدم پر چل کر حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا دیا تھا عیسائیت تثلیث کے چکر میں پھنسی ہوئی تھی۔ غرض کہ تمام دنیا کسی نہ کسی رنگ میں شرک کے مرض میں مبتلا تھی۔ سو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعے توحید کی بجھی ہوئی شمع کو از سر نو جلایا اور تاریک دلوں کو خدا کی توحید سے منور کیا اور شرک کے پودے کو جڑ سے اکھیڑ پھینکا۔

## چھٹی ضرورت: تکمیل انسانیت

سابقہ مذاہب کی کتب سماوی میں انسانی قویٰ کی نشوونما و تربیت کے لئے افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔ یہودی مذہب انتقامی جذبہ کو زیادہ ابھارتا ہے اور عیسائیت جذبہ رحم کی اس رنگ میں تربیت کرتی ہے کہ غصہ جو انسان کا طبعی جذبہ ہے بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ عیسائیت کی تعلیم کی رُو سے اگر کوئی کسی عیسائی کے ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا بھی اس کی طرف کر دینا چاہیئے۔ یہی

حال ہندو اور بدھ مذہب وغیرہ کا ہے۔ اس وجہ سے تکمیل انسانیت کے لئے ایک ایسے دین کی ضرورت تھی جو انسانی قوتوں کی اعتدال پر نشو و نما کرتے، سو اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو نازل کیا۔

اسلام میں افراط اور تفریط کا رنگ نہیں ہے بلکہ اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دی گئی ہے۔ قرآن مجید انتقام کی بھی تعلیم دیتا ہے لیکن مناسب موقع پر، قرآن مجید انفاق فی سبیل اللہ کی تعلیم دیتا ہے لیکن تبذیر سے روکتا ہے۔ قرآن مجید رحم کی بھی تعلیم دیتا ہے لیکن مناسب موقع پر۔ غرض کہ اسلام نے انسانی قویٰ کی نشو و نما اعتدال پر کر کے انسانیت کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے۔

## ساتویں ضرورت: نسلِ انسانی کو وحدت کی لڑی میں منسلک کرنا

اللہ تعالیٰ کی توحید کا یہ تقاضا ہے کہ نسلِ انسانی کو وحدت کی لڑی میں منسلک کر دیا جائے۔ اس تقاضا کو اسلام نے پورا کیا۔ اسلام سے پہلے کسی مذہب نے بھی نسلِ انسانی کی وحدت کا نظریہ پیش کیا۔ ارشادِ الٰہی ہے: كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا (۱۰:۱۹) سب لوگ ایک ہی امت ہیں لیکن وہ آپس میں جھگڑتے ہیں۔

دوسری جگہ آتا ہے: وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ فَذَرْهُمْ فِي غَمْرَتِهِمْ حَتَّىٰ حِينٍ (۲۳:۵۲-۵۴) یہ تمہاری قوم ایک ہی قوم ہے اور میں تمہارا رب ہوں، سو مجھ ہی سے ڈرو۔ مگر انہوں نے اپنے معاملہ کو آپس میں قطع کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، ہر گروہ اس پر خوش ہے جو ان کے پاس ہے، سو ایک وقت تک انہیں اپنی جہالت کی نیند میں چھوڑ دے۔

اسلام نے وحدت نسلِ انسانی کو ختم کرنے والے تمام تعصبات کی جڑ کاٹ کر رکھ دی ہے۔

## مذہبی تعصب

مذہبی تعصب کو ختم کرنے کے لئے یہ تعلیم دی کہ تمام کتب اور رسل اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں۔ وہ تمام قابلِ احترام اور معزز ہستیاں ہیں۔ اسی وجہ سے ایک مسلمان ہونے کے لئے سابقہ کتب سماوی اور تمام رسل پر ایمان لانا فرض قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ (۲:۲۸۵) ہم کسی رسول کے درمیان تفریق نہیں کرتے

دوسری جگہ آتا ہے: كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۲/۲۸۵
سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔
اسلام صرف دوسرے مذاہب کے انبیا علیہم السلام کو ہی صرف سچا نہیں مانتا بلکہ یہ تعلیم بھی دیتا کہ تمام مذاہب میں نیک آدمی پائے جاتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے:
لَيْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ
الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ
(۳/۱۱۲-۱۱۴) یعنی اہل کتاب سب برابر نہیں ہیں، اہل کتاب میں سے ایک جماعت حق پر ہے جو اللہ کی
ت کو رات کی گھڑیوں میں پڑھتے اور سجدے کرتے ہیں، وہ اللہ اور آخری دن پر ایمان لاتے ہیں
کے کرنے کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں اور نیکی کرنے میں جلدی کرتے ہیں، وہی
نیکوں میں سے ہیں۔

دوسری جگہ آتا ہے: وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ
(اعراف ۷: ۱۸۱) اور ان میں سے جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے ایک جماعت ہے جو حق کی راہ بتاتے ہیں
اسی پر انصاف کرتے ہیں۔

مذہبی تعصب کو بالکل ختم کرنے کے لئے قرآن مجید نے تمام مذاہب کو ایک مشترکہ امر یعنی توحید
جمع ہونے کی دعوت دی ہے کیونکہ تمام مذاہب کی بنیاد توحید پر ہی قائم ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:
مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ
(الانبیاء ۲۱: ۲۵) تجھ سے پہلے ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف ہم نے یہی وحی کی کہ میرے
سوا کوئی معبود نہیں سو میری عبادت کرو۔

اگر تمام مذاہب کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ ہر مذہب میں خدا کا تصور موجود ہے
ایک الگ امر ہے کہ مرور زمانہ سے مذاہب کے اس تصور میں انسانی خیالات کی آمیزش ہوتی چلی
گئی ہے۔

قرآن مجید نے اس مرکزی نقطہ کے سامنے رکھ کر یہ دعوت دی: قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ
تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ
شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (آل عمران ۳: ۶۴) کہہ اے
اہل کتاب اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان امر مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی
کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے

مواقع بنائے۔

## قومی، لونی، لسانی تعصبات

وحدت نسلِ انسانی کے لئے قومی، لونی اور لسانی تعصبات نہایت ہی خطرناک ہیں۔ ان تعصبات نے دنیا کی اقوام میں منافرت اور مخاصمت کی آگ بھڑکا دی ہوئی ہے۔ قرآن نے ان تعصبات ختم کرنے کی نہایت ہی اعلیٰ پیرایہ میں تعلیم دی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (الحجرات ۴۹: ۱۳) یہ خطاب تمام دنیا کو ہے — اے لوگو! غور کرو تم ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہونے کی وجہ سے ایک ہی نسل کے افراد ہو تمہاری شاخیں اور قبیلے ہیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، خدا کو کسی قوم کا فرد عزیز نہیں ہاں خدا کو صرف وہ عزیز ہے جس کے دل میں خوف الٰہی ہو اور نیک عملی زندگی بسر کر کے نوعِ انسانی کی خدمت کرے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لابیض علی اسود ولا لاسود علی ابیض الا بتقوی (زاد المعاد ص ۳۲ ج ۴) کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر فضیلت ہے نہ کسی گورے کو کسی کالے پر تفوق ہے اور نہ کسی کالے کو کسی گورے پر فضیلت ہے ہاں اگر فضیلت ہے تو صرف تقویٰ کی وجہ سے۔

دوسری جگہ قرآن مجید میں آتا ہے: وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ (روم ۳۰: ۲۲) اس کے نشانوں میں سے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں میں اختلاف ہے۔ یقیناً اس میں علم رکھنے والوں کے لئے نشان ہے۔

یہ تمام آیات قومی، لسانی اور لونی تعصبات کی جڑ پر تبر رکھ کر کاٹ رہی ہیں۔

قرآن مجید نے اس نظریہ کو عملی رنگ میں نماز اور حج کی عبادت میں پیش کیا ہے جہاں تمام انسان بلاتفریقِ قوم وملت ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے ہو کر وحدت نسلِ انسانی کی تصویر پیش کر رہے ہوتے ہیں۔

عصرِ حاضر کا انسان قومی تعصبات کے بدنتائج اور عواقب کو دیکھ کر خود اس نظریہ سے بیزار نظر آتا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر ہکسلے نے ۱۹۴۷ء میں لکھا تھا:

"قومیت پرستی اخلاقی تباہی کا موجب ہے کیونکہ یہ عالمگیریت کے تصور کے منافی اور ایک خدا کے انکار پر مبنی ہے اور انسان کی قیمت بحیثیت انسان کچھ نہیں سمجھتی۔ دوسری طرف یہ تفرقہ انگیزی کا موجب ہے۔ انانیت اور تکبر پیدا کرتی ہے۔ باہمی نفرت بڑھاتی ہے اور جنگ کو نہ صرف ضروری قرار دیتی ہے بلکہ مقدس ٹھہراتی ہے۔"

ڈاکٹر "GAULD" اپنی کتاب "MAN NATURE AND TIME" میں لکھتا ہے: "اب جو چیز بالکل فطری نظر آتی ہے یہ ہے کہ تمام نوع انسانی کی ایک منظم برادری قائم کی جائے۔"

یہ ہے اسلام کے زندہ مذہب اور سچا ہونے کا ثبوت۔ جس نظریہ تک انسان کا ذہن اب پہنچا ہے اس نظریہ کو قرآن نے چودہ سو سال قبل بیان کر دیا تھا۔

## آٹھویں ضرورت: اللہ تعالیٰ کے ارادۂ ازلی کی تکمیل کرنا

خدا کا وہ ارادہ جس سے اشیاء پیدا کرتا ہے اس کی تکمیل ایک ضروری امر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کیا ہے کہ بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے وحی نازل کرے سو وحی وقتاً فوقتاً ضرورت کے مطابق نازل ہوتی رہی۔ اس ارادہ کی تکمیل کے لئے یہ ضروری تھا کہ اسلام اپنی مکمل صورت میں قرآن کی شکل میں نازل ہو۔ اگر قرآن مجید نازل نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کا ارادہ ازلی پایۂ تکمیل کو نہ پہنچتا۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات میں نقص لازم آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام نقائص سے منزہ اور تمام خوبیوں کی جامع ہے اس وجہ سے اسلام کا مکمل صورت میں آنا ضروری تھا

# اسلام میں دوسرے مذاہب اور اہلِ مذاہب کی حیثیت

اس موضوع پر بحث کرنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ اس بارے میں اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب اور اہلِ مذاہب کا عقیدہ اور طرزِ عمل کیا رہا ہے اس کے بعد ہی اسلام کی رواداری کا صحیح اندازہ ہو سکے گا۔

تمام مذاہب کے طرزِ عمل پر بحث تو طویل ہو جائے گی اس لئے دنیا کے صرف تین بڑے مذہب یہودیت، عیسائیت اور ہندو دھرم کے عقیدہ اور طرزِ عمل کو زیرِ بحث لایا جائے گا، یہودیت اور نصرانیت ایک ہی اصل کی دو شاخیں ہیں اور ایک دوسرے کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ[1] اور یہود کہتے ہیں کہ عیسائی کسی سچائی پر نہیں اور عیسائی کہتے ہیں یہود کسی سچائی پر نہیں حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں۔

یہود حضرت عیسٰی علیہ السلام کو نعوذ باللہ مفتری سمجھتے ہیں اور عیسائی یہود کو گمراہ اور قابلِ نفرت تصور کرتے ہیں۔ ان دونوں کی عداوت کی داستان سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں جب عیسائیوں کے ہاتھ میں عنانِ حکومت آئی تو وہ یہودیوں کو نیست و نابود کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے۔ یہودی کا لفظ عیسائی دنیا میں دشنام کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔

عہدِ عتیق میں انبیاء علیہم السلام پر اس قسم کے گندے اور فحش الزامات لگائے گئے جن کا مطالعہ ذوقِ سلیم پر گراں گزرتا ہے۔ اس قسم کی اخلاق سوز باتیں پڑھ کر ایک قاری یہود کے عقیدہ اور طرزِ عمل سے بخوبی آشنا ہو جاتا ہے۔

یہود غیر یہود کو (GENTILE) بے دین اور کافر کہتے ہیں اور اپنے آپ کو خدا کی چہیتی اور لاڈلی قوم سمجھتے ہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے: نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ[2] یعنی ہم خدا کے فرزند اور اس کے چہیتے ہیں۔

ہندو دوسرے مذاہب والوں کو ملیچھ اور چنڈال سمجھتے ہیں البیرونی قدیم ہندوؤں کی مذہبی رواداری کے متعلق لکھتا ہے:

"ہندو دین میں ہم سے کلی مغائرت رکھتے ہیں۔ دوسرے مذہب والوں کو یہ لوگ ... ملیچھ یعنی ناپاک سمجھتے ہیں اور ان سے ملنا جلنا، شادی بیاہ کرنا، ان کے قریب

---

[1] البقرہ ۲: ۱۱۳ [2] المائدہ ۵: ۱۸

جانا، ان کے ساتھ بیٹھنا اور کھانا پینا ناجائز سمجھتے ہیں، جس چیز میں کسی دوسری قوم کی آگ یا پانی سے کام لیا گیا ہو اس چیز کو ناپاک سمجھتے ہیں اور اس کی اصلاح کی کوئی شکل نہیں ہے، گو نجس چیز پاک چیز سے مل کر پاک ہو سکتی ہے۔ لیکن ہندوؤں میں جو شخص ان میں سے نہیں ہے اور ان میں داخل ہونا یا ان کے مذہب کو قبول کرنا چاہتا ہے اس کو اجازت نہیں ہے اور یہ صورتِ حال انسانیت کے ہر رشتے کو توڑ دیتی ہے۔

یہ لوگ رسم و رواج اور عادات و خصائل میں ہم سے اس درجہ اختلاف رکھتے ہیں کہ اپنے بچوں کو ہم سے اور ہماری وضع و لباس وغیرہ سے ڈراتے ہیں اور ہم لوگوں کو شیطان کی طرف منسوب کرتے ہیں اور شیطان کو خدا کا مخالف اور دشمن قرار دیتے ہیں اگرچہ اس کی نسبت ہم لوگوں (مسلمانوں) کی جانب کی جاتی ہے، لیکن اس سے دوسری قومیں بھی مستثنیٰ نہیں ہیں وہ سب کو شیطان سمجھتے ہیں۔

ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ ملک صرف انہی کا ملک ہے۔ انسان صرف انہی کے قوم کے لوگ ہیں، بادشاہ صرف انہی کا بادشاہ ہے، مذہب صرف انہی کا مذہب ہے علم صرف وہی ہے جو ان کے پاس ہے، یہ لوگ بہت تعلی کرتے ہیں اور جو کچھ تھوڑا بہت علم ان کے پاس ہے اس کو بہت سمجھتے ہیں اور اپنی خود پسندی کی وجہ سے جاہل رہ جاتے ہیں، ان کے اہلِ علم نہ صرف دوسروں بلکہ اپنی قوم کے نااہل لوگوں سے بھی علم چھپاتے ہیں۔ ان کے خیال میں ان کے شہروں کے سوا دوسرے شہر ہی نہیں ہیں اور نہ ان کے شہروں کے علاوہ کہیں انسان بستے ہیں اور نہ ان کے علاوہ کسی کے پاس علم ہے اگر ان سے کہا جائے کہ خراسان اور فارس میں بھی علم ہے تو اس کو غلط سمجھیں گے [1]

یہ تو قدیم ہندوؤں کا نقطۂ نگاہ ہے جدید ہندو مت کے بانی سوامی دیانند نے اسلام اور عیسائیت پر اپنی مشہور کتاب ستیارتھ پرکاش میں جس قدر ناروا اور دلخراش حملے کئے ہیں وہ ناقابلِ بیان ہیں۔

## اسلام کی تعلیم

اسلام ایک ایسا دین ہے۔ جس کا خدا صرف مسلمانوں کا خدا نہیں بلکہ سب جہانوں کا خدا ہے

[1] کتاب الہند ملخصاً

سب کی ربوبیت اسی کے ذمہ ہے۔ قرآن مجید کی پہلی سورۃ "فاتحہ" میں آتا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ یعنی سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اسلام کا رب صرف اہل عرب کا ہی رب نہیں بلکہ ہندوستان، ایران، شام، انگلستان، امریکہ اور دنیا کے تمام ممالک کے رہنے والوں کا رب ہے جس نے جسمانی ربوبیت کے سامان ہر کو دیئے ہیں اسی طرح روحانی ربوبیت کے سامان سے بھی کسی یا قوم یا بستی کو خالی نہیں رکھا۔ قرآ اس بات کو کئی جگہ بیان کیا ہے ارشادِ الٰہی ہے،

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ[1] یعنی ہر اُمّت میں نذیر ڈرانے و آتے رہے ہیں۔ دوسری جگہ آتا ہے۔ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ[2] یعنی ہر قوم کی طرف ہدایت دینے وا آتے ہیں۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے: لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ[3] یعنی ہر اُمت کی طرف رسول آ

پھر فرمایا: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْكَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْكَ[4] یعنی ہم نے تجھ سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے ر بھیجے ہیں ان میں سے بعض رسولوں کا ہم نے تجھ پر ذکر کیا ہے اور بعض کا ذکر نہیں کیا۔

پس قرآن مجید کی یہ آیات ہر مسلمان کی نگاہ میں شری مہاراج کرشن، رامچندر، بدھ، زرتشت اور کانفیوشش قابلِ تکریم اور تعظیم ٹھہراتی ہیں۔ اسی وجہ سے تمام مسلمانوں نے انہیں اپنی اپنی قوم ہادیانِ برحق سمجھا ہے۔

مسلمانوں کو تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا ضروری قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ[5] اور ہر ایک خدا پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں ایمان لایا اور ہم خدا کے رسولوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے۔ ان سے انکار کرنا کفر اور ض قرار دیا ہے۔

وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا[6] اور جو شخص خدا کا اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اس کے رسولوں کا انکار کرتا ہے وہ گمراہی میں دُور نکل گیا۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلموں کو مسجد میں ٹھہراتے ان کو ان کے طریقے پر مسجد عبادت کرنے کی اجازت دے دیتے۔ ایک مرتبہ نجران کے عیسائیوں کا وفد مدینہ آیا۔ آنحضر

[1] فاطر ۳۵: ۲۴ [2] رعد ۱۳: ۷ [3] یونس ۱۰: ۴۷ [4] المومن ۴۰: ۷۸
[5] ۲: ۲۸۵ [6] نساء ۴: ۱۳۶

رمت میں مسجد میں حاضر ہوا۔ اس وقت ان کی نماز کا وقت آگیا تھا۔ اس لئے انہوں نے مسجد میں
ماز شروع کر دی۔ بعض مسلمانوں نے روکنا چاہا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع
یا اور فرمایا نماز پڑھ لینے دو۔ چنانچہ عیسائیوں نے مسجد نبویؐ کے اندر نماز پڑھی[1]

## دین میں جبر نہیں

اسلام کسی دوسرے مذہب کے آدمی کو جبر سے مسلمان بنانے کا حامی نہیں، اس کا یہ واضح اعلان ہے کہ دین میں جبر نہیں۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ[2]

دین میں زبردستی منوانا نہیں، ہدایت کی راہ گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے: وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ[3] کہہ دو کہ حق (اسلام) تمہارے رب کی طرف سے آچکا ہے، پس جو چاہے ایمان لائے جو چاہے انکار کرے۔

تبلیغ حکمت اور دانائی کے ساتھ کرنی چاہیئے، ارشاد الٰہی ہے: اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ[4] اپنے رب کے راستہ کی طرف دانائی اور اچھی اچھی باتوں کے ذریعے بلاؤ اور بہت پسندیدہ طریقے سے بحث کرو۔

مذاہب کے باطل معبودوں کو بھی بُرا کہنے کی ممانعت کی ہے: لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ[5] جو لوگ خدا کے سوا دوسرے معبودوں کی پرستش کرتے ہیں ان کو گالی گلوچ اور بُرا بھلا نہ کہو یہ لوگ بھی نادانی سے خدا کو بُرا کہنے لگیں گے۔

# اسلام کا مقام دیگر مذاہب میں

جیسا کہ پہلے یہ ذکر ہو چکا ہے کہ اسلام نے تمام مذاہب کا سرچشمہ وحی الٰہی کو قرار دیا ہے۔ ان توراۃ کا ذکر کیا ہے تو اس کے متعلق یہ فرمایا ہے: فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ[6] یعنی اس میں ہدایت اور نور ہے۔ جب تمام مذاہب سچے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے قرار دیئے جائیں تو پھر ہر مذہب والا کہہ سکتا ہے کہ ہمارے پاس ہماری کتاب موجود ہے، اس میں سچائی اور ہدایت

---

[1] زاد المعارج اوّل ص ۵) [2] بقرہ ۲: ۲۵۶ [3] کہف ۱۸: ۲۹
[4] نحل ۱۶: ۱۲۵ [5] انعام ۶: ۱۰۸ [6] مائدہ ۵: ۴۴

کا سامان بھی ہے تو پھر ہم اسلام اور اس کی کتاب کو کیوں مانیں۔

جہاں اسلام نے دوسرے تمام مذاہب کو اللہ تعالیٰ کی جانب قرار دیا ہے تو وہاں بھی ایک ایسا ارفع مقام بیان کر دیا ہے جس کی وجہ سے دوسرے تمام مذاہب کے لوگوں کو اسلام کا ماننا ضروری ہو جاتا ہے۔ وہ ارفع مقام یہ ہے کہ اسلام تمام نبیوں کا موعود دین قرآن مجید میں آتا ہے: وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ [1] اور جب اللہ نے نبیوں کے ذریعے سے عہد لیا کہ جو کچھ میں نے تمہیں کتاب اور حکمت سے دیا ہے پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو اس کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے تو تم نے ضرور اس پر لانا ہوگا اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ کہا کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میرے عہد کا بوجھ ہو۔ انہوں نے کہا ہم اقرار کرتے ہیں۔ کہا پس گواہ رہو اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہو

اس مضمون کو دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے: وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ [2] اور بے شک یہ پہلوں کی کتابوں میں بھی ہے۔

یہ دونوں آیات ظاہر کرتی ہیں کہ اسلام تمام انبیاء علیہم السلام کا موعود دین ہے اور اس کے متعلق ہر مذہب کی کتب میں پیشگوئیاں موجود ہیں۔

یہ مناسب ہوگا کہ مذاہب عالم کی کتب سے وہ پیشگوئیاں اور بشارات درج کی جائیں جن میں بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر موجود ہے۔

## بشارات کے متعلق ایک اصولی بحث

۱۔ بشارات کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ خواب کا سا مضمون رکھتی ہیں۔ عام طور پر مشتبہ رہتی ہیں اور خواص پر بھی کبھی قرائن سے اور کبھی اس نبی کے ظہور کے جس کی نسبت وہ بشارات ہیں یا اس کے اور دلائل سے نبوت نبوت کے بعد اور مبشر نبی کی تفسیر سے ظہور پاتی ہیں۔ عیسائی نکتۂ خیال سے تو جس کی نسبت بشارت کبھی کبھی وہ بھی نہیں سمجھ سکتا۔ یوحنا خود ایلیا ہونے سے انکار کرتا ہے حالانکہ مسیح اسے ایلیا قرار دیتے ہیں۔ دیکھو لوقا ۱/۱۷ متی ۱۱/۱۴ اور ۱۷/۱۲

[1] سورۃ آل عمران: ۳: ۸۱ [2] الشعراء ۲۶: ۱۹۶

۲۔ بشارات میں بالعموم نام صفاتی ہوتے ہیں ذاتی نہیں۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان کی قیمت اس کی صفات کے لحاظ سے ہوتی ہے نہ کہ اس کے ذاتی نام کے لحاظ سے۔ جیسے حضرت مسیحؑ کا ذاتی نام یسوع ہے، اس نام کی پیشگوئی کتب سابقہ میں نہیں پائی جاتی، مسیحؑ کے نام کی پیشگوئیاں موجود ہیں۔

۳۔ بشارات میں مقامات اور ملکوں کے نام بھی صفاتی ہوتے ہیں۔

۴۔ بشارات کی مدت سے انسانوں کی مدت مراد نہیں ہوتی۔ قرآن مجید میں آتا ہے: اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّوْنَ یعنی اللہ کے ہاں ایک دن تمہارے شمار سے ہزار برس ہوتا ہے۔

ہندوؤں کے نزدیک بھی برہما کا اور انسانوں کا سال گنتی کے لحاظ سے الگ الگ میعاد کا ہوتا ہے۔

۵۔ کسی بشارت کا کوئی حصہ عقل اور علم کے خلاف ہوگا تو وہ ناقابلِ قبول ہوگا۔

۶۔ بشارت کا افسانوی حصہ واقعات کی تعبیر کے مطابق قبول کیا جائے گا۔

۷۔ کسی نبی کے متعلق دوبارہ دنیا میں مبعوث ہونے کی بشارت سے مراد اس نبی کی صفات پر کسی دوسرے نبی کا مبعوث ہونا ہے۔ لوقا ۱، ۱۷ میں مسیح نے ایلیا کے دوبارہ آنے کی تشریح اسی طرح کی اور جناب کرشن فرماتے ہیں کہ ہم کسی اور شکل میں حسبِ ضرورت اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں۔

۸۔ اگر کسی مقدس کتاب کی بشارت میں ایک ہی ہستی کے متعلق دو جہتیں ہوں گی تو اس کی ایک ہی جہت قابل قبول ہوگی۔ کیونکہ الہامی کتب تحریف کی وجہ سے کم و بیش اپنی اصلیت ضائع کر چکی ہیں: نیز یہ امر خود کتاب کی صداقت کے خلاف ہے کہ وہ ایک ہی ہستی کے متعلق دو مخالف و متضاد خیال رکھتی ہو۔

## پارسی مذہب میں نوید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

زرتشتی مذہب جسے عوام پارسی مذہب کے نام سے جانتے ہیں ایران کا قدیم مذہب ہے۔ اسی مذہب کو آتش پرست اور مجوسی دین بھی کہا جاتا ہے۔ ان کی مذہبی کتب ژندی اور پہلوی دو زبانوں میں پائی جاتی ہیں، قدیم ایرانیوں کی مذہبی کتب میں دو دفتر اہم ہیں، ایک کا وساتیر اور دوسرے کا اوستا یا ژند اوستا نام ہے۔ ان کتب کے دو حصے ہیں: خرد وساتیر اور کلاں وساتیر۔ ۲۔ خرد اوستا اور کلاں اوستا۔ انہی دو کو ژند اور مہا ژند کہتے ہیں۔

جناب زرتشت کو خدا تعالیٰ نے مخاطب کر کے ژند اوستا کی کتاب ژند اوستا فروردین

یشت ۱۳ میں فرمایا:

اس کا نام فاتح مہربان اور اسی کا نام "استوت اربنا" (تعریف کیا گیا یا محمد) ہوگا۔ وہ رحمت کا مجسمہ ہوگا کیونکہ وہ تمام جہان کے لئے رحمت ہوگا۔ وہ حاشر ہوگا اس لئے کامل انسان اور روحانی انسان ہونے کی وجہ سے وہ تمام لوگوں کی ہلاکت کے بخلاف مبعوث ہوگا۔ وہ مشرک لوگوں اور ایمان دار لوگوں کی اصلاح کرے گا۔ یعنی مشرکین، بت پرست اور زرتشتی مذہب کے پیروؤں بدیوں کی اصلاح کرے گا۔"

(جیمس ڈارمیٹر مترجم ژندا وستا کا اس آیت پر نوٹ فروردین یشت ۲۸ آیت ۱۲۹)

دنیا میں ایک ہی عظیم الشان رسول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے ہیں جن پر یہ پیش گوئی لفظاً لفظاً صادق آتی ہے۔ وہ تمام صفات جو اس بشارت میں بیان کی گئی ہیں وہ آپ کی ذاتِ مقدس میں پائی جاتی ہیں۔ آپ کا فاتح مہربان ہونا فتح مکہ کے دن ظاہر ہوا۔ اپنے خونخوار دشمنوں کو لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہہ کر چھوڑ دیا۔ آپ کا نام محمد۔ آپ کا رحمۃ للعالمین ہونا جبکہ آپ سے قبل تمام انبیا صرف اپنی اپنی قوم کے لئے رحمت تھے۔ آپ کا حاشر ہونا یعنی آپ کے قدموں پر دنیا کی تمام قوموں کا اکٹھا ہونا، بت پرستوں کی اصلاح کرنا۔ یہ صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات ہیں۔

## مہاتما بدھ کی پیشگوئی

مہاتما بدھ کی ایک پیش گوئی میتیا (METTEYYA) کی آمد پر مشتمل ہے چنانچہ "چکاوتی سنگھ ناد" سنتاڈی ۳ : ۶ ۷ میں لکھا ہے:

ترجمہ: بھائیو! اس وقت دنیا میں ایک اعلیٰ ہستی مبعوث ہوگی۔ اس کا نام برگزیدہ میتیا ہوگا۔ کامل معرفت والا، حکمت، نیکی اور سرور مطلق والا۔ تمام عالمین کا عالم بے نظیر۔ ہدایت کے متمنی لوگوں کا ہادی۔ ملائکہ اور انس کا معلم۔ ایک بدھا عظم جیسا میں اس وقت ہوں۔ وہ خود کامل طور پر جانے گا اور دیکھے گا۔ گویا کہ یہ کائنات اس کی روبرو اپنی ساری ارواح عرفاجن و شیاطین برہمنوں کشتریوں، ویشوں (علماً اہل سیاست اور کاروباری لوگوں) کے ساتھ موجود ہے۔ جیسا کہ میں برائی العین اسے دیکھ اور جان رہا ہوں۔ صداقت اپنی اصل پیاری کامل اپنی اٹھتی ہوئی خوبصورتی میں ہوگی اور اعلیٰ زندگی کی معرفت مع اپنے کمال وصفائی اصلی روح اور الفاظ دونوں کی وساطت سے ظاہر کی جائے گی۔ جیسا کہ میں اب ظاہر کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہزاروں صحابہ کی جماعت ہوگی جیسا کہ میرے ساتھ چند سو کی جماعت ہے (بدھ کی کتب مقدسہ جلد ۴ صفحہ ۴۰۷)

---

لہ یوسف ۱۲ : ۹۲

## لفظ میتیہ کے معنی سنسکرت اور پالی لغت میں

جس طرح اس نام کا تلفظ مختلف کتابوں مختلف ہے اسی طرح اس کے معنی میں بھی خفیف سا اختلاف ہے :

الف: میتریا کے معنی سنسکرت لغت میں مہربان، دوست یا رؤف الرحیم کے ہیں۔ (سنسکرت انگلش ڈکشنری مولفہ مونیر ولیم صفحہ ۱۸۱)

ب: بودھی ستو کا نام اور آئندہ آنے والے بدھ کا نام جو موجودہ دورِ عالم کا پانچواں بدھ ہوگا۔ (بدھ ازم مذکور صفحہ ۱۸۱)

ج: یہ لفظ میتری سے ہے جس کے معنی دوستی، خیر خواہی کے ہیں۔ (کتاب مذکور صفحہ ۱۲۸)

د: معلم محبت ہے۔ رحمۃ للعالمین۔ اقرب فی المودۃ۔

ہ: پالی لغت میں اس کے معنی دوستی، رحم، رحمت، محبت، شفقت، ہمدردی مخلوق کی خیر خواہی ہیں (رپالی ڈکشنری مصنفہ ولیم سٹیڈ)

اس پیشگوئی میں میتیہ کا لفظ قابلِ غور ہے جس کے معنی مہربان دوست یا رؤف الرحیم ہیں۔ قرآن مجید نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس صفت کا حامل قرار دیا ہے جس کی شہادت آپؐ کی سوانح زندگی میں موجود ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے :

ا: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (۲۱ : ۱۰۷) آپؐ کو تمام قوموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

ب: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (۳ : ۱۵۹) سو اللہ کی رحمت سے تو ان کے لئے نرم ہے اور اگر تو سخت کلام سخت دل ہوتا تو تیرے اردگرد سے بکھر جاتے۔

ج: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (۹ : ۱۲۸) یقیناً تمہارے پاس تمہی میں سے ایک رسول آیا ہے تمہارا تکلیف پانا اس پر شاق گزرتا ہے وہ تمہارے لئے بھلائی کا خواہش مند ہے مومنوں پر مہربان رحم کرنے والا ہے۔

میتیہ کے دوسرے معنی معرفت، حکمت، نیکی و علم، تعلیم و ہدایت میں کمال رکھنے والے کے ہیں۔ یہ تمام صفات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔

## قرآن مجید کے متعلق پیشگوئی

مہاتما بدھ کے اصل الفاظ کا ترجمہ کتب مقدسہ جلد ۴ صفحہ ۴۷ پر یوں دیا ہے :

ıe truth lovely in consummation will be proclaimed

ıth in the spirit and in the letter,

"پیغام حق اپنی دلنواز تکمیل اور روز افزوں خوبصورتی میں حافظہ اور حروف دونوں میں کیا جائے گا"

اس ایک جملہ میں قرآن مجید کے اکثر خصائص بیان کر دیئے ہیں جو دنیا کی کسی کتاب کو

۱۔ وہ پیغام حق ہے۔

۲۔ قلوب پر اثر انداز ہونے والا ہے۔

۳۔ اس کی صداقت روز بروز کھل کر سامنے آئے گی۔

۴۔ حفاظ کے سینوں میں محفوظ رہے گا۔

۵۔ احاطۂ تحریر میں آکر اس کا ایک ایک حرف محفوظ ہو جائے گا۔

## اہل ہنود کی کتب مقدسہ میں پیشگوئی

مہرویاس ہندوؤں کے ایک بڑے مرتاض اور صفا کیش رشی مانے جاتے ہیں۔ ان کی سے بڑی تالیف ۱۸ مجلدات پر ان ہیں۔ ان پرانوں کے ۱۸ سمندر ہیں۔ ایک بڑے پایہ کی کتا بھوشیہ پران ہے جس میں آئندہ کی خبریں بیان کی گئی ہیں۔ اس کے پرتی سرگ پرب ۳ کھنڈ ۲ ادھیا ۳ شلوک ۵ تا ۸ میں یہ بشارت موجود ہے۔

پیش گوئی کا ترجمہ:

ایک ملیچھ یا اجنبی ملک اور زبان کا معلم روحانی اپنے صحابہ کے ساتھ آئے گا اس کا نام محم گا۔ راجہ بھوج نے اس مہادیو (ملائکہ۔ سیرت) عرب کے رہنے والے کو آب رود گنگا اور پنچ گو سے غسل کرا کے (یعنی تمام گناہوں سے پاک ٹھہرا کر) ولی ادارت سے نذر و نیاز پیش کر کے اس تعظیم کی اور کہا میں تیرے حضور جھکتا ہوں۔ اے فخر نسل انسانی عرب کے رہنے والے! شیطان مارنے کے لیے بہت سی طاقت مہیا کرنے والے دشمن میچھوں سے محافظت کیے گئے ہو۔ پاک ہستی مطلق اور سرور کامل کے مظہر ہیں تیرا غلام ہوں مجھ کو اپنے قدموں میں آیا ہوا جانیے۔

اس بشارت کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ اس بشارت میں حضور کا نام محمدؐ صاف بتا دیا ہے۔

۲۔ ملک عرب کا آپ کو رہنے والا بتایا ہے۔ (لفظ معنی مروستھل کے ریگ زار کے ہیں)

۳۔ آپؐ کے صحابہؓ کا ذکر خصوصیت سے کیا۔ شاید ہی دنیا میں کوئی اور نبی آیا ہوگا جس سے

اپنے پیروکار کو اپنے رنگ میں اتنا رنگین کیا ہو۔
۴۔ وہ گناہوں سے پاک فرشتہ سیرت ہوگا۔
۵۔ ہندوستان کا راجہ اس سے دلی عقیدت رکھے گا۔
۶۔ آپ کی دشمنوں سے حفاظت ہوگی۔
۷۔ آپ ہر قسم کی بدی کو مٹانے والے ہوں گے۔
۸۔ آپ خدا کے مظہر اتم ہوں گے۔
۹۔ مہرشی اپنے آپ کو آپ کے قدموں میں آیا ہوا قرار دیتا ہے۔
۱۰۔ آپ کو فخر نسل انسانی بتایا ہے۔

یہ بشارت اس قدر صاف اور واضح ہے جس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں۔

## اتھروید میں رسول کریمؐ کی بشارت

کنتاپ سوکت کا پہلا منتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک۔

ترجمہ: یہ سنو اے لوگو! ایک قابل تعریف تعریف کیا جائے گا۔ اے کورم ہم نے دشمنوں کے ... میں ساٹھ ہزار اور نوے ہزار لئے ہیں"۔ یہ ترجمہ پنڈت راجہ رام صاحب پروفیسر ڈی اے وی کالج نے ہے۔

"اے لوگو! یہ احترام سے سنو لوگوں میں تعریف والا انسان تعریف کیا جائے گا۔ اے زمین ... خرامی کرنے والے بادشاہ ساٹھ ہزار نوے دشمنوں کو اکھاڑ پھینکنے والے بہادروں میں ہم تے ہیں"۔ اتھروید کانڈ ۲۰ سوکت ۱۲۷ منتر) یہ ترجمہ پنڈت کھیم کرن الرآبادی نے کیا ہے۔

اس بشارت کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ آپ کا نام محمدؐ ہوگا۔
۲۔ وہ شہزادہ امن ہوگا۔
۳۔ دشمنوں کی کثرت میں خدا اس کی حفاظت و صیانت کرے گا۔

یہ تینوں امور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔

## سام وید میں احمدؐ رسول اللہ کی بشارت

ترجمہ: احمدؐ نے اپنے رب سے پُرحکمت شریعت کو حاصل کیا۔ میں سورج کی مانند ... شن ہو رہا ہوں (پرپاٹھک ۲ کھنڈ ۶ کا منتر ۸)

اس بشارت میں مندرجہ ذیل امور کا ذکر ہے :

ا ۔ حضور کا نام احمد ہے ۔
ب ۔ آپ کو شریعت دینے جانے کا ذکر ہے ۔
ج ۔ شریعت کے ساتھ حکمت ملنے کا بھی اظہار ہے ۔
د : اس بشارت کو دیکھتے وقت رشی آفتاب رسالت کے نور سے منور ہو رہا ہے ۔

# تورات مقدس میں مثیل موسیٰ کی پیشگوئی

موسیٰ کی پانچویں کتاب استثنا رباب ۱۸ آیات ۱۷ تا ۲۲ میں ملاحظہ کریں ۔

"میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے کہوں گا وہ سب ان سے کہے گا اور ایسا ہوگا کہ جو باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لے کے کہے گا، نہ سنے گا، تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا۔ لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا یا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے گا اور اگر تو اپنے دل میں کہے میں کیونکر جانوں کہ یہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں تو جان رکھ کہ جب نبی کچھ خداوند کے نام سے کہے اور وہ جو اس نے کہا ہے پورا نہ ہو، واقع نہ ہو تو وہ بات خداوند نے نہیں کہی بلکہ نبی نے گستاخی سے کہی تو اس سے مت ڈر۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک کسی نبی نے ایسا دعویٰ نہیں کیا جیسا کہ بشارت میں مذکور ہے اور یہودی برابر موسیٰ جیسے ایک نبی کی آمد کے منتظر چلے آتے ہیں چنانچہ یوحنا ۱ : ۱۹ - ۲۲ میں ہے کہ لوگوں نے یوحنا بپتسمہ دینے والے سے دریافت کیا کہ تو کون ہے تو اس نے کہا، نہیں۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ کیا تو الیاس ہے تو اس نے کہا، نہیں۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ کیا تو وہ نبی ہے تو اس نے کہا، نہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہود کو ایک مسیح کی آمد کا انتظار تھا اور ایک الیاس کی دوبارہ آمد کا۔ تیسرے کسی "نبی" کا جس کی اس قدر شہرت تھی وہاں نام لینے کی بھی ضرورت نہیں۔ اب ظاہر ہے کہ مسیح اور الیاس کی دوبارہ آمد کے سوائے جو بشارت یہود میں مشہور تھی اور صرف مثیل ہی کی تھی جو استثناء میں مذکور ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح کے ظہور سے پہلے یہودی انبیاء کے منتظر تھے، ایک مسیح کا ایک الیاس کی دوبارہ آمد کا ایک مثیل موسیٰ نبی کا حضرت عیسیٰ نے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا۔ حضرت یحییٰ الیاس کی دوبارہ آمد کے مصداق قرار پائے "وہ نبی" کے مثیل ہونے کا دعویٰ نہ حضرت مسیح نے کیا، اور نہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے۔ ان کے بنی اسرائیل میں سلسلہ نبوت ختم ہو جاتا ہے۔ اور بنی اسماعیل میں سے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ

دعویٰ نبوت کیا اور مثیل موسیٰ ہونے کا دعویٰ کیا۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ

(المزمل ۱۵) یعنی ہم نے تمہاری طرف ایسا رسول بھیجا ہے جیسا کہ فرعون کی طرف بھیجا۔

قرآن مجید نے بار بار یہ دعویٰ کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰ ہیں۔

## دس ہزار قدوسیوں والی پیش گوئی

"خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت ان کے لئے تھی۔" (استثنا ۳۳: ۲)

سینا سے آنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہے جو سینا سے نکلا۔ سعیر سے جس کے پاس بیت لحم ناصرہ ہے حضرت مسیح علیہ السلام ظاہر ہوئے۔

وہ کونسا فاران ہے جس میں سے خدا ظاہر ہوا۔ جہاں سے مسیح کے بعد رسول نکلا۔ اس پر وحشی شریعت نازل ہوئی۔ وہ کون سا دین ہے جو فاران سے نکل کر تمام دنیا میں پھیل گیا۔ وہ مکہ کی وہی غیر ذی زرع ہے جہاں ایک امی نبی پر خدا کی آخری مقدس شریعت نازل ہوئی اور تمام دنیا میں پھیل گئی۔

دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آنے والا ایک ہی انسان دنیا کی تاریخ میں ہے یعنی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو دس ہزار مقدس انسانوں کے ساتھ فاتحانہ شان میں مکہ میں داخل ہوئے۔

## انجیل مقدس میں رسولِ کریمؐ سے متعلق نوید احسن

ایک اور تمثیل سنو: ایک گھر کا مالک تھا جس نے انگورستان لگایا اور اسے چاروں طرف سے گھیرا اور اس میں حوض کھودا اور برج بنایا اور اسے باغبانوں کو ٹھیکہ پر دے کر پردیس چلا گیا اور جب پھل کا موسم قریب آیا تو اس نے اپنے نوکروں کو پکڑ کر کسی کو پیٹا اور کسی کو قتل کر دیا اور کسی کو سنگسار کیا۔ پھر اس نے اور نوکروں کو بھیجا جو پہلوں سے زیادہ تھے اور انہوں نے ان کے ساتھ بھی اسی طرح کیا۔ آخر اس نے اپنے بیٹے کو ان کے پاس یہ کہہ کر بھیجا کہ وہ میرے بیٹے کا لحاظ کریں گے۔ جب باغبانوں نے بیٹے کو دیکھا تو آپس میں کہا کہ یہی وارث ہے اسے قتل کر کے اس کی میراث پر قبضہ کر لیں اور اسے پکڑ کر باغ سے باہر نکالا اور قتل کر دیا۔ پس جب باغ کا مالک آئے گا تو ان باغبانوں کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ انہوں نے اس سے کہا: ان بُرے آدمیوں کو بُری طرح ہلاک کرے گا اور باغ کا ٹھیکہ اور باغبانوں کو دے گا جو موسم پر اس کو پھل دیں (متی ۲۱: ۳۳)

باغ لگانے والا خداوند بنی اسرائیل ہے (یسعیاہ ۵ باب ۲-۳)
انگور بنی اسرائیل کی قوم ہے ۸۰ زبور ۹ تاکستان یروشلم ہے غزل الغزلات ۸ باب ۱۲ یسعیہ ۵ باب ۳-۵-۷
اور موسم پر ایک نوکر باغبانوں کے پاس بھیجا تاکہ وہ اس انگور کے باغ کا پھل اس کو دیں لیکن باغبانوں نے اس کو پیٹ کے خالی ہاتھ پھیرا۔ تفسیر دیکھو یرمیاہ ۲۷ باب ۲۵، ۲۸۔
پھر اس نے دوسرے نوکر کو بھیجا، انہوں نے اس کو پیٹ کر اور بے عزت کر کے خالی ہاتھ پھیرا۔ تفسیر: یہ شخص اوریاہ تھا۔ یرمیاہ ۲۶ باب ۲۳۔ یہ اس لئے کہ متی ۲۱ باب ۳۵ میں مار ڈالا لکھا۔ پھر اس لئے تیسرے کو بھیجا انہوں نے اسے گھائل کر کے نکال دیا۔ تفسیر ۲ تاریخ ۲۴ باب ۲۱۔
تب باغ کے مالک نے اپنے بیٹے (یہ مسیح ہیں) کو بھیجا شاید اسے دیکھ کر دب جائیں۔
جب باغبانوں نے بیٹے کو دیکھا تو آپس میں کہا کہ یہی وارث ہے، اسے قتل کر کے اس کی میراث پر قبضہ کر لیں اور اسے پکڑ کر باغ سے باہر نکالا اور قتل کر دیا۔
یہاں بیٹے سے مراد صلح کار کے ہیں۔ بیٹے کا لفظ کتب مقدسہ میں وسیع معانی میں استعمال ہوا ہے۔ متی ۵ باب ۹ میں لکھا ہے: مبارک وے جو صلح کار ہیں کیونکہ خدا کے فرزند کہلائیں گے اور مسیح صلح کا شاہزادہ ہے۔
مار ڈالا سے مراد سخت ایذائیں ہیں۔
آخر کار باغ کا مالک آئے گا تو ان باغبانوں کے ساتھ کیا کرے گا۔ انہوں نے اس سے کہا ان بُرے آدمیوں کو بُری طرح ہلاک کرے گا اور باغ کا ٹھیکہ اور باغبانوں کو دے گا جو موسم پر اس کو پھل دیں گے۔
مالک خود آئے گا:
بیٹے کے قتل کے بعد باغبانوں کو سزا دینے کے لئے مالک خود آئے گا یعنی خدا خود آئے گا اس سے مراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور آمد ہے۔ خدا کے آنے سے مراد وہ شخص کامل ہے جو الوہیت کا مظہر اتم ہے، اس میں تمام صفات الٰہیہ ظلی طور پر بدرجہ اتم پائی جائیں۔
باغ کا ٹھیکہ اور باغبانوں کو دے گا سے مراد یہ ہے کہ نبوت بنی اسرائیل سے چھین کر بنی اسمٰعیل کو دے دی جائے گی۔ متی ۲۱ باب ۴۳ میں ہے۔ اس لئے میں تمہیں کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جاوے گی اور ایک قوم کو جو اس کے پھل لاوے دی جائے گی۔
مذکورہ بالا انگورستان کی تمثیل کے بعد ایک اور تمثیل اس کی تشریح میں بیان کی:
"کیا تم نے یہ نوشتہ نہیں پڑھا کہ وہ پتھر جسے معماروں نے رد کیا وہ کونے کا سرا ہوا۔ یہ خدا

ن سے ہوا اور ہماری نظروں میں عجیب ہے۔" (مرقس ۱۲: ۵-۱۱)

"جو اس پتھر پر گرے گا چور ہو جائے گا پر جس پر وہ گرے اسے پیس ڈالے گا۔" (متی ۲۱: ۴۴، ۴۵)

"پھر وہ کیا ہے؟ جو لکھا ہے کہ وہ پتھر جسے راج گیروں نے رد کیا وہی کونے کا سرا ہوا ہر ایک جو اس پتھر پر گرے چور ہوگا اور جس پر وہ گرے اسے پیس ڈالے گا۔" (لوقا ۲۰: ۱۷، ۱۸)

معماروں سے مراد بنی اسرائیل ہیں جو ہمیشہ اپنے بنی اسماعیل کو رد کرتے رہے۔ آخر کار ان سے ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ جو کونہ کا پتھر ہے جس سے نبوت کی عمارت کی تکمیل ہوئی۔

تمثیلی زبان میں حضرت مسیح علیہ السلام نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ بیٹے کو صلیب دینے کے بعد خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک اور مامور ظاہر ہوگا جو کونے کا پتھر کہلائے گا۔ عبری میں لفظ ایبن ہے جو کونے کے پتھر کے معنی دیتا ہے لیکن لغت میں اس سے مراد شہر کی عمارت کی زمین کی حفاظت کے لئے برج کا وہ محافظ پتھر ہے جو سب کی حفاظت کرتا ہے۔ چنانچہ سلاطین دوم ۱۴: ۱۳، یرمیاہ ۲۱: ۴، سلاطین اوّل ۷: ۲۴، ایوب ۳۸: ۶، تواریخ دوم ۲۸: ۲۴ اور ۲۶: ۱۵ میں یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے اور صفنیاہ ۳: ۶ میں قوموں کی حفاظت کا پتھر معنی دیتا ہے۔ ان معنوں کے علاوہ یہ سب کے سردار، سب پر حکمران اور سب کے محافظ کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ دیکھو یشوع ۲۰: ۲، عزرا ۱۴: ۳۸، یسعیاہ ۱۹: ۱۳، زکریا ۱۰: ۴)

ان معنوں کی بنا پر کونے کا پتھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جس نے تمام انبیاء علیہم السلام اور مذاہب کی تصدیق کی اور تمام کو من جانب اللہ قرار دیا۔

اس بشارت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ پتھر جس پر گرے گا وہ بھی چور چور ہو جائے گا اور جو اس پتھر پر گرے گا وہ بھی چور چور ہو جائے گا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ پڑھتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ بشارت بھی آپؐ کی ذات بابرکات سے پوری ہوئی کہ جنہوں نے آپؐ کے ساتھ مقابلہ کیا وہ بھی ہلاک ہوئے اور جن کے ساتھ آپؐ نے مقابلہ کیا وہ ہلاکت کے گڑھے میں گرے۔

## احمدؐ کی آمد کے متعلق بشارت

حضرت مسیحؑ نے اپنی جدائی کی خبر دیتے ہوئے اپنے غمگین حواریوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

۱۔ اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو میرے حکموں کو مدِّ نظر رکھو۔

۲۔ میں باپ سے دُعا کروں گا اور وہ تمہیں ایک دوسرا فارقلیط دے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا۔

۳۔ روح حق جسے دنیا حاصل نہیں کر سکی، کیونکہ وہ اسے نہیں دیکھتی اور نہ اسے جانتی ہے، تم اسے پہچانو گے کیونکہ وہ تم میں ہمیشہ رہے گا)

۴۔ میں تمہیں یتیم نہ چھوڑوں گا، میں تمہارے پاس آؤں گا۔ (یوحنا باب ۱۴: ۱۸، ۱۹)

مگر جب فارقلیط آئے گا جسے میں تمہارے پاس باپ کے پاس سے بھیج دوں گا، جو باپ سے آئے گی وہ میری شہادت دے گی (یوحنا باب ۱۵ آیت ۲۶)

۷۔ تاہم میں تمہیں سچ کہتا ہوں میرا جانا ہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ اگر میں نہ جاؤں تو فا تمہارے پاس نہ آئے گا۔ اگر میں جاؤں تو میں اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔

۸۔ جب وہ آئے گا تو وہ دنیا کو گناہ، نیکی اور عدالت سے ملزم گردانے گا۔

۹۔ گناہ سے اس لئے کہ انہوں نے مجھے نہیں مانا۔

۱۰۔ صداقت سے اس لئے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے اب نہ دیکھو گے۔

۱۱۔ عدالت سے اس لئے کہ دنیا کا سردار آزمایا جائے گا۔

۱۲۔ میری اور بھی بہت سی باتیں ہیں جو میں تمہیں کہنا چاہتا ہوں، مگر تم میں ابھی ان کی برد

۱۳۔ البتہ جب وہ روح حق آئے گی تو وہ تمہیں ساری سچائی کی طرف رہنمائی کرے گی۔ کیونکہ وہ ا طرف سے کچھ نہ کہے گی مگر جو کچھ وہ سنے گی وہی کہے گی اور وہ تمہیں آئندہ کی خبریں دے (یوحنا باب ۱۶، آیات ۷۔۱۳)

## لفظ فارقلیط پر بحث

فارقلیط کا صحیح ترجمہ پیراکلیٹوس ہے۔ یہ یونانی لفظ ہے جس کے معنی احمد ہیں سیل نے قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ عبرانی لفظ فارقلیط کے معنی احمد ہیں مگر یہ ہی وہ یہ بھی تحریر کرتا ہے کہ مسلمانوں نے انجیل برناس میں تحریف کر کے پاراکلیٹ کو پری کلیوطا بنا دیا ہے جس کے معنی ستودہ یعنی احمد ہیں۔

پس عیسائیوں کے اپنے اقرار کے مطابق فارقلیط کے معنی احمد ہیں جس کے متعلق مسیح اپنے بعد آنے کی بشارت دی تھی۔ فارقلیط والی بشارت کو پڑھ کر کئی نیک دل راہب دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

قرآن مجید میں بھی آتا ہے: وَ اِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ

إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُبِينٌ [1] اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ میں تصدیق کرتا ہوں توراۃ میں سے اس کی جو میرے سامنے ہے اور بشارت دیتا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہے۔ سو جب وہ ان کے پاس کھلے دلائل لے کر آگیا تو انہوں نے کہا یہ ایک صریح جادو ہے۔

انجیل یوحنا میں فارقلیط (احمد) سے متعلق جتنی نشانیاں بیان ہوئی ہیں وہ سب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود سے پوری ہوتی ہیں اور یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ بشارت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے

جب یہ واضح ہو گیا کہ اسلام دین موعود ہے جس کے متعلق تمام سابقہ انبیاء علیہم السلام نے پیشگوئیاں کی تھیں تو اس سے منطقی طور پر حسب ذیل باتیں مستنبط ہوتی ہیں جن سے تمام مذاہب عالم میں دین اسلام کو ایک ارفع مقام حاصل ہو جاتا ہے۔

۱۔ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔

۲۔ دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔

۳۔ دین اسلام کے بعد کوئی نیا دین نہیں آئے گا۔

## اسلام کی عالمگیریت

جیسا کہ پہلے یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ابتداء میں سب اقوام عالم ایک دوسرے سے الگ پڑی ہوئی تھیں اور ان کی ذہنی اور روحانی استعدادیں بھی اتنی نہیں تھیں کہ وہ ایک مکمل شریعت برداشت کر سکتیں۔ تو اس وجہ سے یہ ضروری تھا کہ ہر ایک قوم میں الگ الگ نبی آتے اور ان کی استعدادوں اور ضرورتوں کے مطابق الگ الگ شریعت لاتے۔ چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام خود تسلیم کرتے ہیں کہ وہ شریعت کو نامکمل چھوڑ رہے ہیں۔ انجیل یوحنا باب ۱۶ : ۷، ۸، ۱۲، ۱۳ میں لکھا ہے۔

"لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ تسلی دہندہ تمہارے پاس نہ آوے گا۔ مجھے تم سے اور باتیں بھی کہنی ہیں مگر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا۔"

---

[1] الصف: ۶

یہ ضروری تھا کہ انسانی استعدادیں ارتقائی منازل طے کر کے بلوغت کو پہنچ جائیں اور اس قابل ہو جائیں کہ وہ مکمل شریعت کو برداشت کر سکیں، اور وقت آجائے کہ تمام اقوام عالم آپس میں منافرت ختم کر دیں۔ تو یہ ضروری تھا کہ اس وقت ایک ایسا رسول آئے جو عالمگیر شریعت لائے، جو ہر قوم اور ہر زمانہ کے لئے ہو تاکہ اقوام عالم کی باہمی منافرت اور مغائرت دور ہو کر ایک عالمگیر اخوت قائم ہو جائے۔ اس کے لئے یہ ضروری تھا کہ ہر نبی اپنی قوم سے یہ عہد لیتا کہ جب وہ موعود نبی عالمگیر شریعت لائے تو اس کو ضرور مانتا اور اس موعود نبی کی مدد کرتا۔ اگر ہر نبی اس موعود نبی کی بشارت نہ دیتا تو اس کی امت یہ عذر کر سکتی تھی کہ وہ اپنے قومی مذہب کو ترک نہیں کر سکتی۔

دنیا میں کوئی ایسی کتاب نہیں اور نہ مذہب جس نے عالمگیر ہونے کا دعویٰ کیا ہو، سوائے اسلام کے قرآن مجید میں آتا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ[1] اور اے محمدؐ! ہم نے تم کو سارے لوگوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے، لیکن اس بات کو اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

ایک دوسری آیت ہے: قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ[2] اے نبی کہہ دیجئے کہ میں تم سب لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ[3] ہم نے آپ کو سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

كان كل نبي يبعث الى قومه خاصة وبعثت الى كل احمر و اسود[4] ہر ایک نبی اپنی خاص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں تمام سرخ اور سیاہ اقوام کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

یہ آیات اور حدیث اس امر کا واضح ثبوت ہیں کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔

## دینِ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے

دین اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کی مقدس کتاب نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اسلام ایک مکمل دین ہے، ارشادِ الٰہی ہے: اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ

---

[1] سبا ۳۴: ۲۸ [2] اعراف ۷: ۱۵۸ [3] انبیاء ۲۱: ۱۰۷ [4] مسلم باب المساجد

نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا[1] آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے تمہارا دین اسلام ٹھہرا کر راضی ہوا ہوں۔

اسلام کے مکمل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ انسان کی زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی راہنمائی کرتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ الانعام: ۶: ۳۸

یعنی نوع انسان کی ضرورت کی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اس میں بیان نہ ہوئی ہو۔ دوسری جگہ آتا ہے فِیْهَا کُتُبٌ قَیِّمَةٌ (۹۸: ۳)

یعنی اس قرآن میں تمام کامل حقانیتیں اور علوم اوّل و آخرین جمع ہیں۔

## دینِ اسلام کے بعد کوئی نیا دین اور نبی نہیں آئے گا

دین اسلام کا مکمل ہو جانا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ سلسلہ نبوت ترقی اور ارتقاء کی تمام منازل طے کر چکا ہے، اب مزید ترقی کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس طرح اکمال دین خاتم نبوت ہے نبوت کے ختم ہونے کے بارے میں قرآن مجید میں آتا ہے: مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ[2] محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسولؐ اور خاتم النبیین ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتم النبیین کی تفسیر ذیل کے ارشادات میں فرمائی ہے۔

۱۔ انا خاتم النبیین لا نبی بعدی: میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

۲ ان النبوة والرسالة قد انقطعت فلا نبی بعدی ولا رسول: نبوت اور رسالت کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے اب میرے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی رسول۔

۳۔ مثلی ومثل الانبیاء کمثل رجل بنیٰ بیتاً فاحسنه واجمله الا موضع لبنة فجعل الناس یطوفون حوله ویتعجبون هلا وضعت هذه اللبنة انا هذه اللبنة وانا خاتم النبیین

یعنی میری اور دوسرے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے مکان بنایا ہو اور اس کو ہر لحاظ سے خوبصورت کیا ہو، ہاں صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی ہو لوگ اس مکان کے گرد گھومنے لگے اور تعجب کرنے لگے اور کہنے لگے کہ یہ آخری اینٹ کیوں نہیں لگائی وہ آخری اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔

قرآن مجید کے اوّل مفسر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہی مہبط وحی ہیں۔ جس آیت کی تفسیر آپ کی زبان مبارک سے نکل ہے وہ صحیح ہے اور اس کو نہ ماننا دائرہ اسلام سے خارج ہونا ہے۔

---

[1] مائدہ: ۵: ۳ [2] احزاب ۳۳: ۴۰

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتم النبیین کی تفسیر لا نبی بعدی بیان کی ہے جس کے معنی ہیں میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ لا نفی جنس کا ہے جس نے نبوت کے اجراء کی ہر لحاظ سے نفی کی ہے۔

یہ کہنا کہ بغیر شریعت کے نبی آسکتا ہے، یہ نبوت کے نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ نبی میں ایک امتیازی خصوصیت پائی جاتی ہے وہ یہ کہ جبریل علیہ السلام کا وحی نبوت لے کر اس پر نازل ہونا۔ وحی نبوت کا نازل ہونا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ شریعت ابھی مکمل نہیں ہوئی۔ کیونکہ وحی نبوت احکام الٰہیہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ اسلام کی موجودگی میں نئے احکام الٰہیہ کے نازل ہونے کی گنجائش ہی نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید دین اسلام کو اکمل قرار دیتا ہے۔

پس جو شخص نبوت کے جاری ہونے کا قائل ہے وہ دراصل اسلام کو کامل دین نہیں سمجھتا۔ پس دین اسلام کامل ہو چکا ہے۔ اب زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جس کی راہنمائی یہ دین نہ کرتا ہو۔ اس دعوی اور اعلان کے ہوتے ہوئے اجرائے نبوت کا قائل ہونا، پھر مدعی نبوت کے ماننے کو جزو ایمان قرار دینا ساتھ ستر کروڑ مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا نہایت ہی افسوس ناک اور نقصان دہ امر ہے۔ اجرائے نبوت کے عقیدہ سے صرف امت اسلامیہ کا اتحاد ہی پارہ پارہ نہیں ہوتا بلکہ اسلام کا ہی تختہ الٹتا ہے۔

# وحدت الادیان

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ربوبیت کے تحت جس طرح ہر قوم کو اس کی جسمانی پرورش کے لیئے ذرائع بہم پہنچائے اسی طرح اس نے ہر ایک قوم میں اس کی روحانی اور اخلاقی نشوونما اور ترقی کے لئے انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ[1] یعنی کوئی قوم ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔ پھر فرمایا: وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ[2] ہر قوم کے لئے رسول ہے: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا[3] اور یقیناً ہم نے ہر قوم کے لئے ایک رسول بھیجا۔

تمام انبیا علیہم السلام ایک ہی روحانی چشمہ سے سیراب ہو کر ایک دین کو لے کر آتے رہے ہیں۔ اس اصولی اور بنیادی دین کی آخری اور تکمیلی شکل اسلام ہے۔ وہ اصولی اور بنیادی دین کیا ہے۔ توحید، عبادت اور معاملات۔ یہ وہ تین امور ہیں۔ جن کی انبیاء علیہم السلام زمانہ کے تقاضے کے مطابق اپنی اپنی قوم میں تبلیغ اشاعت کرتے رہے اور یہی وہ امور ہیں جن پر تمام مذاہب حقہ کا اتفاق ہے۔ جزئیات احکام میں ہر قوم و مذہب کی زمانی و مکانی خصوصیات کے سبب اختلاف ہو سکتا ہے۔ لیکن دین کے اصل اصول میں سرمو اختلاف نہیں۔ اس نظریہ کو قرآن مجید میں اس طرح واضح کیا گیا ہے۔ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ[4] اس نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ مقرر کیا ہے جس کا نوحؑ کو حکم دیا تھا اور جو ہم نے تیری طرف وحی کی اور جس کا ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو حکم دیا کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔ مشرکوں پر وہ دین گراں ہے جس کی طرف تم ان کو بلاتے ہو۔ اللہ اپنے لئے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے اور اسے اپنی طرف ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین وہی ہے جو نوحؑ کا تھا ابراہیمؑ کا تھا موسیٰؑ کا تھا عیسیٰؑ کا تھا۔ اسی وحدت کو قرآن مجید نے دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاۗءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـــًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ[5] کہہ اے اہل کتاب اس بات کی طرف

---

[1] فاطر ۳۵: ۲۴ [2] یونس ۱۰: ۴۷ [3] النحل ۱۶: ۳۶ [4] الشوریٰ ۴۲: ۱۳ [5] آل عمران ۳: ۶۴

آؤ جو ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان یکساں ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب بنائے اور اگر وہ پھر جائیں تو تم کہہ گواہ رہو کہ ہم فرماں بردار ہیں۔

اگر تمام مذاہب عالم کا بنظر عمیق مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔ ذات باری تعالیٰ کا عقیدہ تمام مذاہب میں امر مشترک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امر مشترک کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ[1] اور تجھ سے پہلے ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف ہم (یہی) وحی کرتے تھے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں سو میری ہی عبادت کرو۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ[2] اور یقیناً ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور جھوٹے معبودوں سے بچو۔

مرور زمانہ سے پچھلی نسلوں نے اپنی تحریفات سے اس دین میں تفرقے پیدا کر دیئے اور دین کی صحیح شکل بگاڑ دی۔ قرآن مجید میں آتا ہے: إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ[3] وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے کر دیا اور (کئی) فرقے ہو گئے۔ تیرا ان سے کوئی تعلق نہیں ان کا معاملہ اللہ کی طرف ہے پھر وہ ان کو بتائے گا جو وہ کرتے تھے۔

سورۃ المومنون میں وحدت دین کا مضمون ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ[4] اور کہ یہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا رب ہوں پس مجھ سے ڈرو اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسولوں کی جماعت ایک ہی جماعت ہے۔ حدیث میں اس نظریہ کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ الْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِعَلَّاتٍ أُمَّهَاتُهُمْ شَتَّى وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ[5] حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں سب لوگوں سے عیسیٰ ابن مریم سے دنیا اور آخرت میں قریب ہوں اور تمام انبیاء آپس میں علاتی بھائی ہیں کہ ان کی مائیں جدا جدا ہیں اور دین ایک ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی راہ پر چلنے کی ہدایت فرمائی جس پر پہلے انبیاء علیہم السلام

---

[1] الانبیاء ۲۱: ۲۵ [2] النحل ۱۶: ۳۶ [3] الانعام ۶: ۱۶۰ [4] المومنون ۲۳: ۵۲
[5] صحیح بخاری کتاب الانبیاء

مزن تھے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ یہ وہ ہیں کو اللہ نے ہدایت دی، سو ان کی ہدایت کی پیروی کر۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ وَیَھْدِیَکُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ ۔ اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے لئے کھول کر بیان کر دے اور تمکو ان کی راہیں دکھا دے جو سے پہلے تھے۔ یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس راہ پر قدم مارا جس پہ پہلے علیہم السلام چلے اور وہی راہ ہے جو بنی نوع انسان کی فلاح کی ضامن ہے۔ قرآن مجید میں وہی تعلیم ہے۔ کی تبلیغ مختلف زمانوں میں مختلف انبیاء علیہم السلام نے۔ وہی تعلیم اعجازی رنگ میں قرآن میں بیان کر گئی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: مَا یُقَالُ لَکَ اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِکَ ۔ تجھے نہیں کہا جاتا مگر وہی جو تجھ سے پہلے رسولوں کو کہا گیا۔

وَاِنَّہٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ ۔ اور وہ پہلے پیغمبروں کے صحیفوں میں موجود ہے۔

اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی صُحُفِ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی ۔ یقیناً یہ پہلے صحیفوں میں ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔

ان آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی تعلیم دی گئی جو پہلے روں کو دی گئی۔ ان معنوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نئی دعوت لے کر اس دنیا میں نہیں آئے بلکہ تعلیم اور دعوت کا اعادہ اور تکرار ہے۔ جو دنیا سے مٹ چکی تھی یا مختلف مذاہب کے پیروکاروں نے یف سے اس دعوت کی حقیقت کو مسخ کر دیا تھا۔ اسلام نے اس مٹی ہوئی تعلیم کو تفصیل اور تکمیل کے ساتھ ر دیا ہے۔ اسی کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ غِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ۔ آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو ر دیا اور تمہارا دین اسلام ہونے پر راضی ہوا۔

---

۵ الانعام ۱۱: ۹۰ ۶ النساء ۴: ۲۶ ۷ حٰمٓ السجدہ ۴۱: ۴۳ ۸ الشعراء ۲۶: ۱۹۶ ۹ الاعلیٰ ۸۷: ۱۹، ۲۰ ۱۰ المائدہ ۵: ۳

# ہندی مذاہب

ہندو مت

جین مت

بُدھ مت

# ہندو مت

## ہندو قوم کی ابتدائی تاریخ

### ہندو قوم کی تاریخ محفوظ نہیں

ہندو قوم کی تاریخ کہیں محفوظ نہیں ہے۔ مورخین کی یہ تحقیق ہے کہ ۱۲۰۰ سے پہلے کی ہندوستان کی تاریخ کے متعلق کوئی قابل ذکر کتاب جس کو تاریخی کتاب کہا جا سکے یا کوئی ایسی تصنیف جس سے اس ملک کے تاریخی حالات معلوم ہو سکیں اس ملک کے باشندوں یعنی ہندوؤں نے نہیں لکھی۔ [1]

الفنسٹن سابق گورنر صوبہ بمبئی نے اپنی کتاب تاریخ ہند میں لکھا ہے۔

"جب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ کوئی کیسی ہی جاہل اور اکھڑ قوم کیوں نہ ہو، اکثر اپنے آباؤ اجداد کے حالات کی کوئی نہ کوئی کتاب رکھتی ہے تو اس بات پر کمال تعجب ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے پاس باوجودیکہ ان کی قوم نہایت عمدہ شائستگی اور تربیت کے درجے پر پہنچ گئی تھی کوئی کتاب تاریخ سے ملتی جلتی بھی نہیں ہے۔ ہندوؤں کے حالات کی تحریروں میں سے جو کچھ موجود ہے وہ جھوٹی کہانیوں اور مبالغہ آمیز جھوٹے تاریخی واقعات سے اس طرح خلط ملط ہے کہ ان میں سے کوئی سچی مسلسل تاریخ نکلنے کی توقع نہیں ہو سکتی اور نہ کسی عام واقعے کی تاریخ سکندر کے یورش کرنے سے پہلے کی قائم ہو سکتی ہے اور نہ کوئی مسلسل بیان ہندوؤں کے حالات کا ہندوستان پر مسلمانوں کے تسلط کرنے تک لکھا جا سکتا ہے۔"

مشہور فرانسیسی عالم ڈاکٹر لیبان لکھتا ہے:

"ان ہزارہا جلدوں میں جو ہندوؤں نے اپنے تین ہزار سال کے تمدن میں تصنیف کی ہیں ایک تاریخی واقعہ بھی صحت کے ساتھ درج نہیں ہے۔ اس زمانہ میں کسی واقعہ کو پیش کرنے کے لئے ہمیں بالکل بیرونی مہاروں سے کام لینا پڑتا ہے۔ ان کی تاریخی کتابوں میں عجیب خاصیت (یعنی) ہر چیز کو غلط اور غیر فطری صورت میں دیکھنے کی نہایت بین طور پر پائی جاتی ہے اور انسان کو اس خیال پر مجبور کرتی ہے کہ ان کا دماغ ہی ٹیڑھا ہے۔ . . . . قدیم ہندوؤں کی کوئی تاریخ ہی نہیں ہے اور نہ عمارات اور یادگاروں سے اس کی تلافی ہوتی ہے۔ . . . . . ہندوستان کا تاریخی زمانہ فی الواقع مسلمانوں کی فوج کشی کے بعد سے شروع ہوا اور ہندوستان

---

[1] مقدمہ تاریخ ہند قدیم صفحہ ۱۰۵

پہلے مورخ مسلمان ہیں۔ ؎

بھائی پرمانند صاحب لکھتے ہیں:

"ہندوستان میں عام طور پر جو تاریخی کتابیں رائج ہیں ان کے تین حصے ہیں۔ زمانہ قدیم جو کہ نامکمل ہے بدقسمتی سے ہمارے بزرگوں کو اپنے حالات درستی سے قلمبند کرنے کا شوق نہ تھا۔ جو کچھ حالات لکھے ہوئے ملتے ہیں وہ شاعرانہ مبالغہ سے بھرے ہوئے ہیں، جن کی امداد سے صحیح بات پر پہنچنا محال ہے۔ غالباً سوسائٹی کے اندر ایسی تبدیلیاں ہوئی ہی نہ ہوں گی جن کو قلمبند کرنے کا انہیں خیال آتا۔"[1]

پنڈت جواہر لال نہرو اپنی کتاب "THE DISCOVERY OF INDIA" میں لکھتے ہیں:

"اہل چین، اہل یونان اور عربوں کے برعکس قدیم ہندوستان کے لوگ مورخ نہیں تھے۔ ہماری بڑی بدقسمتی ہے اور اسی نے یہ دشواری پیدا کر دی ہے کہ ہم گزشتہ عہد کے واقعات زمانہ یا تاریخ متعین کر سکیں۔ یہ واقعات کچھ اس طرح باہم گڈمڈ گتھا ہو رہے ہیں کہ ان سے بے خلفشار پیدا ہو جاتا ہے۔ . . . . ہمارے ہاں صرف ایک کتاب یعنی کلہان کی راج ترنگنی ہے جسے ہم تاریخی کتاب کہہ سکتے ہیں۔ یہ کتاب کشمیر کی تاریخ ہے اور بارہویں صدی عیسوی میں لکھی گئی تھی۔ باقی واقعات کے لئے ہمیں تصورات کی دنیا میں جانا پڑتا ہے۔ . . . . . !

بیرونی مورخین مثلاً اہل یونان، اہل چین اور عربوں کی شہادت پر . . . . مثال کے طور پر بکرماجیت کو لیجئے، یہ ۵۷ ق۔م سے شروع ہوتا ہے لیکن اس زمانہ کے ادھر اُدھر ہمیں تاریخ میں ہی بکرماجیت کا آتا پتا نہیں ملتا۔ ایک بکرماجیت چوتھی صدی عیسوی میں گزرا ہے، لیکن یہ چوتھی صدی عیسوی کا بکرماجیت اس سمت کا موجد کیسے ہو سکتا ہے جو ۵۷ ق۔م سے شروع ہوتا ہے۔ اس بکرماجیت کو اس سمت سے متعلق ثابت کرنے کے لئے ہمارے پڑھے لکھے طبقہ نے جس طرح تاریخ سے کھیل کھیلا ہے وہ نہایت تعجب انگیز ہے۔ وہ اس بات پر بھی بڑا زور دیتے ہیں کہ یہی وکرم ہے جس نے باہر سے آنے والوں کے خلاف جنگ آزادی کو برپا کیا۔ اور اس بات کے لئے اپنی پوری کوشش صرف کر دی کہ ہندوستان اکھنڈ رہے اور ایک ہی قومی حکومت کے ماتحت ہو، حالانکہ وکرم کی سلطنت شمالی اور وسطی ہندوستان سے آگے نہیں تھی . . . حقیقت ہے کہ ہندوستانی (یعنی ہندو) اپنی قدیم روایات ہی کو تاریخ تسلیم کر لیتے ہیں اور ان پر کسی قسم کی ناقدانہ نگاہ نہیں ڈالتے۔ انہیں اس قسم کے غیر ذمہ دارانہ طریق فکر اور نہایت آسانی سے نتائج تک پہنچ جانے کے مسلک کو بالآخر چھوڑنا پڑے گا۔"[2]

آریوں کے اصلی وطن کے بارے میں شدید اختلاف ہے۔ بال گنگا دھر تلک منتظر بارہ نظام

---

[1] تاریخ ہند ص ۱۴۱ ۔ ۱۴۲ [2] رسالہ زمانہ کانپور ستمبر و اکتوبر ۱۹۱۴ مضمون تاریخ ہند کا مطالعہ۔

؎ ص ۷۷، ۷۹

کرتے ہیں۔ پروفیسر میکس ملر اور مسٹر جنیفی روس کا مشرقی حصہ بعض مورخ کہتے ہیں۔ کہ وہ کہیں باہر سے نہیں آئے تھے۔ بلکہ تبت یا کشمیر میں آباد تھے جہاں سے وہ سارے ہندوستان میں پھیل گئے۔ اور یورپ وغیرہ میں بھی گئے۔

ان کا زمانہ آمد بھی یقین کے ساتھ متعین نہیں کیا جاسکتا۔ غالباً ان کا سب سے پہلا جتھا ۱۴۰۰ ق م ہندوستان آیا۔ اس کے بعد یکے دیگرے ان کے گروہ ہندوستان میں وارد ہونا شروع ہوگئے اور یہاں کے دراوڑ باشندوں کو جنوب اور مشرق کی طرف دھکیل کر ان کی زمین پر قابض ہوگئے اور شمالی ہندوستان "آریہ ورت" کے نام سے مشہور ہوگیا۔

## آریا قوم کا دھرم

آریا قوم کا دھرم کیا ہے۔ آریا کہتے ہیں کہ ہندو بمعنی غلام۔ یہ سنسکرت کا لفظ نہیں بلکہ فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں پرغلام وغیرہ ہیں۔ یہ نام ہمارے مخالفین اور دشمنوں نے رکھا ہے۔ اس وجہ سے سوامی دیانند جی بانی آریا سماج اور پنڈت لیکھرام نے اپنے اس نام کے خلاف بڑے غصہ کا اظہار کیا ہے اور لکھا ہے کہ ہمیں ہندو نام ترک کرکے آریا کہلانا چاہیئے۔ [1]

آریا کا لفظ وید و شاستر میں موجود ہے۔ لیکن یہ لفظ دھرم کے معنی میں استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ ایک قوم کا نام ہے۔

## قدیم آریوں کا دھرم

آریوں کے دھرم کی بنیاد وید ہیں جن کا تفصیل ذکر بعد میں آئے گا۔ آریائی قوم اپنے مسلک، اور روایتوں کا خزانہ لے کر ہندوستان میں وارد ہوئی، وقت کے ساتھ ساتھ قدیم قوموں کے عقیدے بھی ان میں مدغم ہوگئے۔

## قدیم اقوام کا مذہب

ان اقوام کی مستند اور معتبر تفصیلات نہیں ملتیں۔ اس وجہ سے قیاس اور مفروضات سے کام لینا پڑتا ہے کہ یہ اقوام شرک کی پرظلمت وادی میں بھٹک رہی تھیں۔ سحر و فسوں کا عام چرچا تھا۔ البتہ بحر روم سے آنے والی قوم دراوڑ کے متعلق اب معلومات کا خزانہ ہڑپہ اور موہنجودھارو۔ کی کھدائی سے ملا ہے۔ وہاں کے آثار قدیمہ میں جو چیزیں دستیاب ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ درختوں، جانوروں مثلاً بیل، ناگ، ہرن، چیتا وغیرہ کی پرستش کرتے تھے۔ دشنو اور شو ڈراویڈیں دیوتا تھے۔ اور ان کے مجسموں کی پرستش کرتے تھے۔

## آریا قوم کا ابتدائی دھرم

قرآن مجید کے اصول کے مطابق ہر قوم میں نبی اور ہادی آتے رہے ہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ (یونس ۱۰: ۴۷) یعنی ہر قوم کی طرف رسول آتے رہے ہیں۔ دوسری جگہ آتا ہے۔ إِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا

[1] کلیات آریا مسافر مصنفہ پنڈت لیکھرام۔

خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ، فاطر ۳۵: ۲۴ یعنی ہر اُمت میں اللہ تعالیٰ کے ڈرانے والے آئے ہیں۔ اس اصول کو مدنظر رکھ کر یہ کہا جائے گا کہ دنیا کے تمام مذاہب کی ابتدا وحی سے ہوئی ہے اور توحید ان کا بنیادی عقیدہ ہے۔ لہٰذا ہندو مذہب کی عمارت بھی توحید پر استوار ہوئی ہے۔ لیکن بعد میں عوام کی جہالت کی وجہ سے توحید کی جگہ شرک نے لے لی۔ اور بعض غلط عقائد اور رسوم راہ پا گئے اور بانیوں کی مقدس تعلیم سے دور چلے گئے۔

ویدوں کے ابتدائی زمانہ میں آریا قوم توحید پر قائم تھی، ایک ہی خدا کی عبادت کرتی تھی البیرونی نے اپنی مشہور کتاب میں لکھا ہے کہ "خدا کے متعلق ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ واحد ہے، غیر فانی ہے، نہ اس کا کوئی آغاز ہے نہ انجام۔ وہ مختار مطلق، قادر مطلق، حکیم مطلق ہے۔ حی اور محی، احکم الحاکمین اور رب ہے۔ وہ اپنی خسروی و سلطانی میں لاثانی۔ وہ نہ کسی سے مشابہ ہے نہ کوئی اس کے مشابہ"۔[1]

"ویدوں سے بتوں کا رواج اور پرستش کی چیزوں کے ظاہری نشان اور علامتیں قائم کرنے کا رجحان ثابت نہیں ہوتا"۔[2]

**قدیم اقوام کا ہندومت پر اثر** جب ہندو قوم برصغیر میں داخل ہوئی تو اس کو بُت پرست قوم کی ثقافت سے واسطہ پڑا۔ تو آہستہ آہستہ ہندو قوم میں بھی بت پرستی اور مظاہر پرستی کا رواج عام ہو گیا۔ ہندوؤں میں جو "تریمورتی" کا تصور ہے یعنی برہما، شو، وشنو۔ ان میں سے شو اور وشنو ڈراوڈین دیوتا تھے۔ آہستہ آہستہ یہ دونوں دیوتا ہندو دھرم میں خاصی اہمیت حاصل کر گئے۔ اس طرح اور بھی بے شمار غیر ویدی رسوم ہندو دھرم کا جزو لاینفک بن گئیں۔

# ہندومت کی کُتب

**ویدوں کا بیان** ہندو اپنی مذہبی کتب کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

۱۔ شرتی یعنی کانوں سے سُنا، جسے مکاشفہ کہنا چاہیئے۔

۲۔ سمرتی یعنی باپ دادوں کی طرف سے پہنچا، جسے حدیث یا روایت کہنا چاہیئے۔

حصہ اول تو ویدوں پر مشتمل ہے اور دوسرے حصے میں ساری کتب شامل ہیں جو ویدوں کے علاوہ ہیں۔

---

[1] البیرونی سنچاؤ جلد اول ص ۲۷ بحوالہ مسلم ثقافت ہندوستان میں ص۵ مصنفہ عبدالمجید سالک۔
[2] انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس باب توحید

**وید** لفظ وید کا مصدر وِد ہے جس کے معنی جاننا، سوچنا، موجود ہونا، غور کرنا اور حاصل کرنا ہیں۔ لفظ وید معروف کتب کے لئے ان کتابوں میں استعمال نہیں کیا گیا۔ یہ وہ لٹریچر ہے جو تقریباً دو ہزار سال کے عرصہ میں ہندیوں نے مختلف علوم و رسوم سے متعلق جمع کیا۔ اس کا نام وید رکھ دیا ڈاکٹر سریندر ناتھ داس گپتا اپنی مشہور کتاب "A HISTORY OF INDIAN PHILOSOPHY VOL. I" میں لکھتے ہیں۔

"ایک مبتدی جسے پہلے پہل سنسکرت لٹریچر سے متعارف کرایا جائے، یہ دیکھ کر پریشانی سی محسوس کرے گا کہ متضاد مطالب اور موضوعات پر مختلف مستند کتابیں ہیں، لیکن ان سب کا نام وید یا سرتی (سنی سنائی باتیں) ہے۔ یہ اس لئے کہ وید اپنے وسیع مفہوم کے اعتبار سے کسی خاص کتاب کا نام نہیں، بلکہ یہ نام ہے قریب دو ہزار سال کے طویل عرصہ پر پھیلے ہوئے لٹریچر کا۔ چونکہ یہ لٹریچر مظہر ہے اس علمی تگ و تاز کے ماحصل کا جو ہندوستان کے رہنے والوں نے مختلف اطراف و جوانب میں اس قدر طویل عرصہ میں جمع کیا، اس لئے اسے لازماً متضاد عناصر کا مجموعہ ہونا چاہیئے۔" (صفحہ ۱۱ - ۱۲)

لفظ وید صرف ان معروف کتب کا نام ہی نہیں بلکہ ان کے علاوہ دوسری کئی ایک کتب کو بھی یہ نام دیا گیا ہے جیسے آیور وید (طب)، سرپ وید (سانپ کا وید) اُپنشاج وید (چڑیلوں کا وید) اسُر وید (شیطانوں کا وید) دھنر وید (تیر کمان کا وید) اتہاس وید (تاریخ) پران وید (قصے کہانیوں کا وید)۔

**وید کا موضوع** نرکت جو وید کی مستند ترین لغت ہے اس میں لکھا ہے کہ جس مقصد کو جس دیوتا کے ذریعہ رشی نے پورا ہوتا ہوا جان کر اس کی تعریف کی ہے وہی دیوتا اس منتر کا ہے۔ اسی طرح گوناگوں مقاصد سے رشیوں نے منتر لکھے ہیں۔ نرکت ادھیائے، کھنڈ ۱، ۳ وید کی انوکرمنکا میں ہے:

"ارتھے پشوہ ارشیو دیوتاش ابھی دھاون"

رشی مقاصد کو لے کر دیوتاؤں کی طرف بھاگے۔ گویا ویدوں کا موضوع اپنے مقاصد اور ضروریات کے لئے دیوتاؤں کی تعریف اور التجائیں کرنا ہے۔

خود وید میں لفظ وید دنیوی مال و منال کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ گویا وید اس کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

**ویدوں کی تصنیف کی غرض و غایت** ہر مصنف اپنی کتاب کے آغاز میں اپنی تصنیف کی غرض و غایت بیان کرتا ہے۔ چاروں ویدوں کا آغاز بالترتیب اگنی (آگ) وایو (ہوا) سوریہ (سورج) اور آپہ (پانی) سے ہوتا ہے۔ رگ وید اگنی سے شروع ہوتا ہے، اگنی کی پرستش اسی غرض کے لئے سکھاتا ہے۔ اس کے

پہلے سوکت میں اسی کی حمد و ثنا کے بعد منتر ۳ میں لکھا ہے "اگنی کی مہربانی سے پرستش کرنے والے کو دولت ملتی ہے جو دن بدن ترقی کرتی جاتی ہے۔" اگنی کے بعد دوسرے درجہ پر اندر دیوتا کی تعریف کی گئی ہے۔ اندر آریوں کے لئے ان کے مخالفوں سے دولت غصب کر کے لاتا ہے۔ سوریہ ان کی ہری بھری کھیتیوں کو پکاتا ہے اور پانی کھیتوں اور لوگوں کی پیاس کو بجھاتا ہے۔ گویا ویدوں کی تصنیف کی غرض و غایت آگ، ہوا، سورج اور پانی کی پرستش کرنا، پھر ان کے ذریعہ سے دنیوی فوائد حاصل کرنا ہے۔

ویدبلحاظ تقسیم چار ہیں۔

۱۔ **رگ وید** | اس کے دس ہزار منتر ہیں جو ۱۰۱۷ یا ۱۰۲۸ سوکتوں اور دس منڈلوں میں تقسیم ہیں۔ سارا وید نظم میں ہے۔ اس میں خداؤں کی تعریف اور بزرگی کے گیت ہیں اور دیوی دیوتاؤں کو مخاطب کر کے ان سے دعائیں کی گئی ہیں۔ رگ وید سب ویدوں سے پُرانا وید ہے اگرچہ "پرانوں کی رو سے سب سے پہلے یجر وید تھا اس کو توڑ پھوڑ کر چار وید بنائے گئے ہیں"[1] اس پر سائیں آچاریہ نے سنسکرات میں بھاشیہ لکھا ہے، ولسن اور میکس مولر نے انگریزی ترجمہ کیا ہے۔

۲۔ **یجر وید** | یہ سارا رگ وید سے ماخوذ ہے۔ قربانیوں کے موقع پر گایا جاتا ہے۔ یگیہ میں استعمال ہونے والی اشیاء کو مخاطب کیا گیا ہے۔

۳۔ **سام وید** | اس وید میں محض راگ اور گیت ہیں۔ رگ وید سے نصف ہے۔ کئی منتر رگ وید سے ماخوذ ہیں۔ سوم یگیہ پر گایا جاتا ہے۔ تاریخی لحاظ سے اس وید کو کوئی اہمیت حاصل نہیں۔ سائیں آچاریہ نے بھاشیہ لکھا ہے۔

ان تین ویدوں کو "تری ودیا" علوم ثلاثہ کا نام دیا جاتا ہے۔

۴۔ **اتھروید** | اس میں کل چھ ہزار منتر ہیں جو بیس ادھیاؤں میں تقسیم کئے گئے ہیں۔ تقریباً ایک ہزار دو سو منتر رگ وید سے ماخوذ ہیں۔ نصف کے قریب نثر میں ہے۔ اس کا زیادہ حصہ جادو کے متعلق ہے۔ یہ وید قدیم آریوں کے تمدن کا آئینہ دار ہے۔ اس میں ہمدوست کی تعلیم ہے۔

ہر وید کو مندرجہ ذیل تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ سنگھیتہ بھاگ یا منتر بھاگ: جس میں دیوی دیوتاؤں کو مخاطب کر کے ان سے دعائیں مانگی گئی ہیں۔

۲۔ براہمن بھاگ: اس حصہ میں منتروں کی تشریح اور جائے استعمال بیان کیا گیا ہے۔ ہر وید کے ایک یا دو برہمن ہیں غالباً یہ برہمنوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے آٹھویں اور پانچ صدی

---

[1] ہندو ازم ص ۹۳ مصنفہ پروفیسر گووند داس۔

ق۔م کے درمیان تصنیف کئے گئے۔

۳۔ ارنیک: وہ حصہ جو جنگلوں میں تصنیف کیا گیا یا جنگلوں میں جاکر پڑھا جاتا ہے۔

یاسیک منی مصنف ندوکت اویدوں کی ڈکشنری) کے نزدیک ویدوں کے صرف دو ہی حصے ہیں یعنی سنگھیتہ بھاگ اور منتر بھاگ۔ ارنیک صرف برہمنوں کا حصہ ہیں۔

## اصل وید گم ہوگیا

مہابھارت شانتی پروشلوک ۱۳۴۷۵ میں لکھا ہے کہ دواسُر (جن) جنہوں نے برہما جی کو دنیا پیدا کرنے میں مدد دی تھی وید کو چرا کر لے گئے۔ اس پرو کے شلوک ۱۳۵۰۶ میں بھی یہی لکھا ہوا ہے۔ وشنوران ۳: ۴: ۱۲ میں ہے کہ چاریگوں کے آخر پر ویدوں کا گم ہوجانا کل یگ کا حادثہ ہوا تو سات رشی آسمان سے ظاہر ہوئے اور انہوں نے پھر ان کو جاری کیا۔

مہابھارت شانتی پرو میں ویدوں کے گم ہوجانے پر برہما کے واویلا کا ذکر کیا گیا ہے۔ "وید میری قوت اعلیٰ ہے . . . . . ویدوں کے بغیر میں کیا کروں گا۔ وید دنیا میں اعلیٰ وجود ہے" نہ صرف مہابھارت اور پرانوں میں اس کا ذکر ہے بلکہ رگ ویدادی بھاشیہ بھومکا (دیانند) کی تمہید میں لکھا ہوا ہے کہ جو زمانہ ویدوں کی تعلیم کا مستشرقین بیان کرتے ہیں وہ دراصل ویدوں کا رواج نہ رہنے کا زمانہ ہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وید کا تو اتر تاریخی مفقود ہے۔

مہابھارت شلیہ پرو "SHALYA PARVA" میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ملک میں بارہ برس تک بارش نہ ہونے کی وجہ سے سخت قحط پڑا۔ سب رشی معاش کی تلاش میں دیش چھوڑ کر کہیں دوسری جگہ چلے گئے اور ویدان کے ذہنوں سے بالکل محو ہوگیا۔ لیکن دریائے سرسوتی کا بیٹا رشی سرسوت اپنے دیش میں مقیم رہا۔ ایک مچھلی پر گزارہ کرتا رہا، جو اس کی ماں (دریائے سرسوتی) اسے روزانہ کھانے کے لئے دیتی تھی۔ سرسوت نے ویدوں کو دوبارہ قائم کیا اور رشیوں کے واپس آنے پر ان کو ویدوں کی تعلیم دی۔[1] بدھ چرتر میں بھی لکھا ہے کہ وید مکمل طور پر بھول گئے تھے۔

## وید کتنے ہیں

جب یہ معلوم ہوگیا کہ ویدوں پر ایک ایسا زمانہ آیا جب وہ اس دنیا سے اٹھ گئے تھے تو لازمی طور پر ان کی تعداد میں بھی اختلاف ہوگا اور تحریف اور تبدیلی بھی ہوئی ہوگی۔

وشنو پران میں لکھا ہے کہ شروع میں وید صرف ایک ہی تھا جس میں ایک لاکھ منتر تھے۔ اس کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک عرصہ گزرنے کے بعد یہ حصے آپس میں مل جل گئے اور کئی حصے بھول بھی گئے۔

---

[1] ہندو از م صفحہ ۸۳

دواپر یگ کے شروع میں کرشن دوئی پائن KRISHAN DAWAI PAIN یا ویاس
نے اس ایک وید کو چار حصوں میں تقسیم کیا[1] اور ویدوں کی تعلیم کو رواج دینے
کے لئے اس نے اپنے چار شاگردوں یعنی پیلاد، وئی شمپائن، جیمنی اور سومنت کو علی الترتیب
رگ وید، یجروید، سام وید اور اتھروید سکھائے۔ پھر ان تلامذہ نے اپنے شاگردوں کو سکھائے۔
یہ امر تاریخی شواہد سے واضح ہے کہ ویاس کئی ہوئے ہیں اور کئی بار ویدوں کی ترتیب و
تدوین ہوئی ہے۔ پہلے ایک وید کو چار حصوں (رگ وید، یجروید، سام وید اور اتھروید) میں
تقسیم کیا گیا۔ پھر ہر وید کو سنگھیتہ، براہمن اور اریئک میں بانٹا گیا۔ پھر یجروید کے دو حصے کئے
گئے یعنی شکل یجروید (SHUKAL YAJUR VEDA) اور کرشن یجروید (KRISHAN YAJUR VEDA)
اس طرح چار سنگھیتاؤں کی بجائے پانچ سنگھیتا ہو گئیں: ۱۔ رگ وید سنگھیتہ۔ ۲۔ تیتریہ سنگھیتہ
(کرشن یجروید) ۳۔ واجنی سنگھیتہ (شکل یجروید) ۴۔ سام وید سنگھیتہ۔ ۵۔ اتھروید سنگھیتہ۔
شکل یجروید پھر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: ۱۔ کنو (KANVA) اور
(MAD NYANDINI) ۲۔ اتھروید کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے
پیلاد PIPPALADA ۲۔ شونک SHAUNAKA ہر ایک وید کے ساتھ ایک یا ایک
سے زیادہ براہمن الحاق کر دیئے گئے ہیں جیسے رگوید کے چار، کرشن یجروید کے چار، شکل یجروید
ایک، سام وید کے آٹھ اور اتھروید کا ایک براہمن ہے۔

اپنشدوں کو بھی وید کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔ کم و بیش ۱۰۸ اپنشد بتائے جاتے ہیں۔ مگر سناتن
دھرم کے عالم پنڈت جواہر پرشاد نے ۱۸ تسلیم کئے ہیں اور شنکراچاریہ نے سولہ۔

بانی آریہ سماج سوامی دیانند صاحب سرسوتی، ہر وید کے ساتھ صرف سنگھیتہ (منتر) بھاگ کو ہی تسلیم
کرتے ہیں، براہمن اپنشد وید وغیرہ کو وید کا حصہ قرار نہیں دیتے۔ مگر سناتن دھرم والے براہمن
اور اپنشدوں کو وید کا لازمی حصہ قرار دیتے ہیں۔

ایک ایسا وقت بھی تھا جب وید صرف تین شمار ہوتے تھے چوتھے وید کو بعد کی تصنیف

---

[1] عام مذہبی تشریح یہ کی جاتی ہے کہ منتروں کی ایک کتاب "ادگ" پہلے سے
موجود تھی جس کو بعد میں رشی ویاس نے ترتیب دے کر چار حصوں رگ، یجر، سام
اتھر میں اس کی درجہ بندی کی (ہندو دھرم ص۸۲)

خیال کیا جاتا تھا۔

ایک یہ بھی خیال ہے کہ وید تعداد کے لحاظ سے ۱۱۳۱ ہیں (مہا بھاشیہ باتنجلی)

پس ویدوں کی تعداد کے بارہ میں شدید اختلاف ہے۔ ایک نظریہ یہ ہے کہ وید ایک ہی تھا دوسرا نظریہ یہ ہے کہ وید تین ہیں[1] تیسرا نظریہ یہ ہے کہ وید چار ہیں۔ ایک خیال یہ ہے وید پانچ ہیں[2]۔ ایک خیال یہ ہے کہ ویدوں کی تعداد ۱۱۳۱ ہے۔

مہا بھاشیہ جو دیانند جی کے نزدیک بھی ایک مستند کتاب ہے اس میں اس کی تفصیل یوں بیان ہوئی ہے۔

۱۰۱ شاخیں یجر وید کی ہیں، ہزار طرح کا سام وید، ۲۱ طرح کا رگ وید اور ۹ طرح کا اتھروید ہے۔ ان کی مجموعی تعداد ۱۱۳۱ ہوتی ہے۔

سوامی دیانند جی نے اس حوالہ کو صحیح مانا ہے مگر اس میں سے چار کو چار وید اور باقی کو وید کی شرح بتاتے ہیں یہ توجیہ غلط ہے۔ کیونکہ وید کی ۱۲۷ شرحیں ہونے کا کوئی ثبوت کسی مستند کتاب میں نہیں پایا جاتا۔ بلکہ یہ چاروں وید جن کو آریہ اصل بتاتے ہیں وہ شاخوں میں شامل مہا بھاشیہ کے مذکورہ حوالہ کے علاوہ شٹر گورو شش نے بھی لکھا ہے کہ وید کی ۱۱۳۷ شاخیں ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ وید ابتدا میں ایک تھا۔ اس کے بعد وید تین ہوئے۔ پھر ان میں اضافہ در اضافہ ہو کر چار بنے۔ اس کے بعد برہمنوں کی ذاتوں کے مطابق تیرہ ہو کر ۱۱۳۱ وید بنے۔ اور بالآخر وید بیشمار ہو گئے۔ جیسا کہ تیتریہ برہمن ۳ : ۱۰ : ۱۱ : ۲۴ میں لکھا ہے: "وید بے شمار ہیں"۔

## ویدوں میں تحریف کا ثبوت

ویدوں پر غور کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ تحریف و تبدیل سے پاک نہیں ہیں۔

## اتھروید میں تحریف کے ثبوت

سوامی دیانند نے رگ وید آدی بھاشیہ بھومکا ہندی کے صفحہ ۸۶ پر لکھا ہے کہ اتھروید کا پہلا منتر "ادم شنو دیوی" ہے۔ لیکھرام نے کلیات آریہ مسافر میں لکھا ہے کہ پہلا منتر "ادم شنو دیوی" ہے۔ مہا بھاشیہ کے مصنف کا نظریہ ہے کہ پہلا منتر "ادم شنو دیوی" ہے۔

---

[1] تین ویدوں کا نظریہ لفظ ترئی (TRAYI) سے قائم ہوا ہے یعنی ترئی ودیا سے مراد تین وید ہیں رگ وید یجر وید۔ سام وید) اس کا ثبوت ویدک اور غیر ویدک لٹریچر سے ملتا ہے۔ اس نظریہ کے قائلین کا یہ کہنا ہے کہ ابتدا میں تین وید تھے اتھروید بہت بعد میں شامل کیا گیا ہے۔ مشت پتھ برہمن میں وید تین ہی بیان کئے گئے ہیں گیتا میں تین ویدوں کا ذکر ہے۔ [2] پرانی (اگرچہ وید چار ہیں پر کسی کسی نے پانچ بھی مانے ہیں) رگ وید کرشن یجر وید شکل یجر وید۔ سام وید۔ اتھروید۔ بھارت ورش کا دھارمک اتہاس صفحہ ۳۵)

لیکن موجودہ وید کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منتر چھبیس ۲۶ ہیں۔ معلوم ہوا کہ پہلے پچیس منتر بعد میں ملائے گئے ہیں۔

## اتھروبید میں منتروں کی تعداد میں اختلاف

سائن بھاشیہ ۵۹۷۷ سیوک لال ۵۰۴۷
ساتولیکر ۷۰۰ ویدک سدھانت ۶۰۰۔

## یجروید میں تحریف

یجروید بمبئی والے میں ۱۲۵ دھیائے کے ۴۷ منتر ہیں لیکن دیانند نے جو اجمیر سے چھپوایا ہے اس میں ۴۸ ہیں۔
یجروید کے ۴۰ ادھیائے میں "اوم کھم برہم" بمبئی والے میں منتر کا جز نہیں ہے، لیکن دیانند نے اس کو منتر میں شامل کر دیا ہے۔

یجروید بھاشیہ دیانند ادھیائے ۹ منتر ۲۰ میں ایک لفظ "گیات" ملایا گیا ہے۔
یجروید بھاشیہ دیانند ادھیائے ۲۵ منتر ۴۸ میں پورا منتر زیادہ کیا گیا ہے کسی سناتنی نسخہ میں نہیں ہے۔

یجروید بھاشا بھاشیہ دیانند ادھیائے ۲۶ منتر ۲۱ منتر میں لفظ اگناوہ کو گراوا بنا دیا گیا ہے۔
یجروید بھاشا بھاشیہ دیانند ادھیائے ۲۶ منتر میں لفظ الوہتے کو الوہتے بنا دیا گیا ہے۔
یجروید بھاشا بھاشیہ دیانند ادھیائے ۱۶ منتر ۳۸ میں لفظ میدھیائے کو نا موزوں سمجھ کر میگھیائے بنا دیا گیا ہے۔

یجروید بھاشیہ دیانند ادھیائے ۳۸ منتر ۱۴ میں لفظ گھرم کو نامناسب سمجھ کر دھرم بنا دیا گیا ہے۔

یجروید بھاشا بھاشیہ دیانند ادھیائے ۳۸ منتر ۱۴ میں لفظ سگھرم کو نامناسب سمجھ کر سُدھرم بنا دیا گیا ہے۔

## تعداد منتروں میں اختلاف

۱۔ یجروید کے کل منتر دیانند کے نزدیک ۱۹۷۵۔
۲۔ یجروید کے کل منتر ساتولیکر کے نزدیک ۱۴۰۰۔
۳۔ یجروید کے کل منتر شوشنکر کے نزدیک ۹۸۷۔
۴ یجروید کے کل منتر سوامی ہری پرشاد کے نزدیک ۱۰۰۰۔

## سام وید میں تحریف

سام وید میں سب ویدوں سے زیادہ تحریف ہوئی۔ اس وید میں ۷۰ منتر چھوڑ کر سارا رگوید سے ماخوذ ہے یعنی ۱۸۰۰ منتر اس میں رگ وید کے ہیں۔

یہ وید جوناگڑھ کے مطبع ست دھرم سوریہ پرکاش، کلکتہ بنارس لاہور اور اجمیر میں بھی چھاپا

گیا ہے۔ اجمیر میں یہ نسخہ آریوں نے شائع کیا ہے جو سب نسخوں سے مختلف ہے، ان کے مطبوعہ سا
وید میں ہوا منی سوکت کے ۱۰ منتر اور رانیک ارتھیا کے ۵۵ منتر جو علما سلف کے نزدیک وا
کا جز نہیں اسے بھی وید میں ملا دیا گیا ہے۔ سائن آچاریہ نے ان منتروں کو الگ رکھا ہے۔ جیوانا
والوں نے اسے چھاپا ہی نہیں۔

ہر مطبع کے مطبوعہ سام وید کے منتروں کی تعداد میں اختلاف ہے۔

۱۔ اجمیر میں آریاؤں کے مطبوعہ سام وید میں منتروں کی تعداد ۱۸۲۴ ہے
۲۔ جیوانند و دیاساگر کے مطبوعہ سام وید میں تعداد ۱۸۰۸ ہے۔
۳۔ پنڈت ستوشکر آریا پنڈت کے حساب سے تعداد ۱۵۴۹ ہے۔
۴۔ پنڈت ساتولیکر کے نزدیک منتروں کی تعداد صرف ۷۰ ہے۔
۵۔ سوامی ہری پرشاد جی نے ۶۵ منتر کا نیا سام وید شائع کیا ہے۔

منتروں کے علاوہ قدیم نسخوں میں اختلاف کثرت سے ہے۔ اس کے لئے پنڈت جے دیو
شرما کا سام وید بھاشیہ مطبوعہ اجمیر کے حواشی ملاحظہ کیے جائیں۔

## رگ وید میں تحریف

رگ وید کے مختلف نسخوں میں منتروں کی تعداد میں
کافی اختلاف ہے، ذیل میں اختلاف کا نقشہ دکھایا
جاتا ہے۔

۱۔ انوواک انوکرمنی کی رو سے ۱۰۵۸۰
۲۔ گایتری وغیرہ اوزان متفرق کی رو سے ۱۰۱۴۲
۳۔ سائنا چاریہ کی گنتی تقریباً ۱۰۰۰۰
۴۔ پنڈت دیانند بانی سماج ۱۰۵۸۹
۵۔ پنڈت ستوشکر آریہ ۱۰۴۰۲
۶۔ پنڈت جگن ناتھ ۱۰۴۵۲
۷۔ مہی داس شارع چرن ولیہ ۱۰۴۷۲
۸ ستیہ درت شاستری ۱۰۴۴۲
۹ ہری پرشاد ویدک منی ۱۰۰۰۰

ویدوں میں تحریف و تبدل کے ہندو علما بھی معترف ہیں،

۱۔ پنڈت ویدک منی صاحب اپنی کتاب وید سروسو کے صفحہ ۹۷ پر رقمطراز ہیں

"حقیقت میں جس قدر بُری حالت اس اتھروید کی ہوئی ہے اتنی اور کسی وید کی نہیں ہوئی۔ ائن آچاریہ کے بعد بھی کئی سوکت اس میں ملا دیئے گئے ہیں۔ ملانے کا ڈھنگ بہت اچھا سوچا لیا، وہ یہ کہ پہلے اس کے شروع اور آخر میں "اتھ" (شروع) اور "اِتی" (ختم) لکھا دیا جاتا تا ا۔ جب دیکھا کہ کسی نے پوچھا تک نہیں تب شروع اور آخر میں اتھ، اتی لکھنا بند کر دیا بس صرف تنے سے وہ (یعنی اضافہ) سنہتا (ویدک مجموعہ) میں مل جاتا ہے۔ جیسے رگ وید سنہتا میں بالکھلیہ کت ملائے جا رہے ہیں ویسے ہی اتھروید کے آخر میں آج کل کنتاپ سوکت ملائے جا رہے ہیں۔ ر پوچھا جائے کہ پانچویں انوواک سے لے کر کنتاپ، سوکتوں سمیت جتنے سوکت اتھروید میں ملائے ا رہے ہیں وہ کہاں سے آئے تو کوئی جواب نہیں ملتا۔ جہالت کا اتنا دور دورہ ہے کہ آخر میں اتھروید نہتا سمایتا لکھا ہوا دیکھ کر ہی یہ یقین کر لیا جاتا ہے کہ بس جو کچھ اس خاتمہ تک چھپا ہوا یا لکھا ہوا ہے وہ ب اتھروید سنہتا ہے، یہ خیال نہیں کیا جاتا کہ چھاپنے والا یا لکھنے والا کون اور کتنی قابلیت رکھتا ہے"

۲۔ پنڈت مہیش چندر پرشاد بی اے سنسکرت ساہتیہ کا انہاس جلد دوم کے صفحہ ۱۶۰ پر لکھتے ہیں۔

"واجنی شاکل یجر وید سمہتا بالکل نئی طرز پر ہے۔ اس میں وید اور برہمن بھاگ (حصے) ب الگ پائے جاتے ہیں۔ اس میں چالیس ادھیائے ہیں مگر لوگوں کو وشواش ہے کہ ان میں ۱۸ اصل ں اور باقی بعد میں ملائے گئے ہیں۔ ادھیائے ۱ سے ۱۸ تک بھاگ تیتری سنہتا و کرشن یجر وید کے نظم ثر سے مطابقت رکھتا ہے۔ ان ۱۸ ادھیاؤں کے ہر ایک لفظ کی تشریح اس کے برہمن سے ملتی ہے مگر باقی ۱۷ ادھیاؤں کے صرف تھوڑے تھوڑے منتروں پر ہی اس میں ٹیکا (حواشی) پائی جاتی ہے۔ کاتیائن نے ادھیائے ۲۶ سے ۳۵ تک کو کھل (ملاوٹ) کے نام سے لکھا ہے۔ ادھیائے ۱ سے ۲۵ میں بھی یگیہ کے طریقوں کا ذکر ہے یہ تیتری سنہتا سے نہیں ملتے۔ ۲۶ سے لے کر ۲۹ ادھیاؤں ک کچھ خاص پرانہی یگیوں کے متعلق منتروں کا ذکر ہے جس کے بارہ میں پہلے ادھیاؤں میں بیان ہے ر اس نے خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ضرور بعد میں دیئے گئے ہیں"

۳۔ پنڈت شانتی دیو شاستری رسالہ گنگا فروری ۱۹۳۱ صفحہ ۲۴۲ پر لکھتا ہے۔

"پہلے تو آج تک یہ فیصلہ نہیں ہوا کہ وید چار ہیں یا تین۔ منوسمرتی اور شت پتھ برا ہمن ی رو سے رگ وید، یجر وید اور سام وید یہ تین وید ہیں اور ورجنی اپنشد، برہمنیو اپنشد اور ڈک اپنشد کی رو سے چار وید ہیں"

۴۔ پنڈت ہردے نرائن ایم۔ ایس۔ سی رسالہ گنگا بابت ماہ جنوری ۱۹۳۱ صفحہ ۲۴۳ پر ھتا ہے۔

"شونک رشی کے دیوہ وغیرہ تصانیف میں وید منتروں اور ان کے لفظوں اور حرفوں تک

کی جو گنتی دی ہوئی ہے وہ موجودہ ویدوں میں نہیں ملتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ویدوں میں کئی ملائے گئے ہیں اور کئی نکالے گئے ہیں"۔

۵۔ پنڈت شانتی دیو شاستری رسالہ گنگا بابت ماہ فروری ۱۹۳۱ء صفحہ ۲۳۱ پر لکھتا ہے۔

"جس وقت شونک رشی کا چرن ویوہ تصنیف ہوا اس وقت شاکل شاکھا (رگوید) کے ایک لاکھ ۵۴ ہزار آٹھ سو چھبیس الفاظ، چار لاکھ ۳۲ ہزار حروف اور دس ہزار چھ سو بائیس منتر تھے۔ آج کل گنتی کرنے پر یہ تعداد نہیں ملتی"۔

۶۔ ڈاکٹر تارا پد چودھری ایم اے پی ایچ ڈی پروفیسر پٹنہ کالج رسالہ گنگا کے وید نمبر بابت ماہ جنوری ۱۹۳۲ء کے صفحہ ۴۷ پر لکھتا ہے۔

"ان کے علاوہ (ویدوں میں ایسے الفاظ بھی ہیں جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشد پاٹھ (غلط متن) معلوم ہوتا ہے کہ بولنے والوں اور لکھنے والوں کی خامیوں کے باعث کئی قسم کی غلطیاں واقع ہوگئی ہیں"۔

۷۔ پنڈت ویدک منی جی اپنی کتاب وید سروسو کے صفحہ ۱۰۵، ۱۰۶ پر لکھتا ہے۔

"گوپتھ براہمن کا زمانہ تصنیف میں وہ زمانہ ہے جبکہ یگیوں کا عروج تھا۔ اس زمانہ میں رگ ویدی، یجر ویدی، سام ویدی اور اتھر ویدی ایک دوسرے سے اینٹھے ہوئے تھے اور مختلف قسم فرائض اور من گھڑت طریقوں سے یگ وغیرہ کرنے میں محو تھے اور ان میں سے جس جس کو رگوید کے جو قدر منتر مطلوب تھے وہ اس اس نے اپنے اپنے وید میں شامل کر لئے تھے۔ اور ہر ایک اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتا تھا اور دوسروں سے نفرت کرتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ شاکھا بھید (نسخوں کے اختلاف کے باعث رگویدی رگویدی سے یجر ویدی یجر ویدی سے سام ویدی سام ویدی سے اور اتھر ویدی اتھر ویدی سے الگ ہوگیا تھا۔ داشکل سنہتا والا ساکل سنہتا (یہ رگ وید کے دو مختلف نسخوں کے نام ہیں) ماد ھینید سنہتا والا کانو سنہتا (یہ یجر وید کے دو مختلف نسخوں کے نام ہیں) کو تھم سنہتا والا پپلاد سنہتا (یہ اتھر وید کے دو مختلف نسخوں کے نام ہیں) کے پاٹھ (متن) کو سب سے اعلیٰ اور خالص اور دوسری ساکھا (نسخے) کے متن کو قطعی برا اور غلط کہتا ہے۔ آج وید کے مختلف نسخوں میں طرح طرح کے اختلافات نظر آتے ہیں یہ اکثر اسی بڑے زمانہ میں جنم پائے ہوئے ہیں"۔

۸۔ اسی کتاب کے صفحہ ۱۰۹ پر لکھا ہے: "یہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ اس وقت اتھر وید کی صرف دو شاکھا سنہتا (مختلف نسخے) ملتے ہیں۔ ایک پپلاد سنہتا اور دوسری شونک سنہتا۔ دونوں میں پپلاد زیادہ لائق تسلیم ہے لیکن وہ چھپی نہیں اور نہ ہی اس پر سائن آچاریہ نے تفسیر کی ہے۔ دوسری شونک سنہتا چھپی ہوئی ملتی ہے جس کے تین ایڈیشن مختلف پریسوں میں چھپے ہوئے ملتے ہیں، جن میں دو مول

صرف تمن) اور ایک سائن آچاریہ کی تفسیر کے ساتھ چھپی ہے۔ دونوں مول میں سے ایک ویدک یں اجمیر کی اور دوسری بمبئی پریس کی چھپی ہوئی ہے۔ اس کا چھاپنے والا سیوک لال ہے۔ تینوں بن سوکتوں (بابوں) اور منتروں میں اختلاف ہے۔

## کیا موجودہ وید الہامی ہیں؟

موجودہ وید الہامی نہیں ہیں۔ وید کے الہامی نہ ہونے کا اقرار ہندو علما کو بھی ہے۔

سروانوکرمنی جو وید سے متعلق ایک اہم کتاب ہے اس میں لکھا ہے، جس کا کلام ہے وہ رشی ہے، یعنی کلام الہامی نہیں بلکہ رشیوں کا ہے (۲:۴) تیتریہ ارنیک اپنشد جو مستند ہے، اس میں ہے "ویوتا جس کا کلام ہے وہ رشی ہے"۔ نرکت میں یاسک آچاریہ کہتا ہے: "ایک رشی کتس بھی ہے منتروں کے بنانے والا"۔

پنڈت ستیہ ورت اپنی تصنیف وید تری کے صفحہ ۴، پر لکھتے ہیں: "ایسا ہی یہ امر ثابت ہے کہ ہمارے بزرگ رشیوں نے ہی ویدوں کو تصنیف کیا"۔

پنڈت رزویشاستری لکھتے ہیں کہ تلک بھی برہم وادی کپش اویدوں کے الہامی ہونے کا عقیدہ کا کھنڈن (تردید) کرتے ہیں (رگوید الوچن کی بھومکا)

سوامی ہری پرشاد، لالہ لاجپت رائے، بھائی پرمانند ایم اے وغیرہ بھی ویدوں کو الہامی نہیں مانتے صرف اپنے بزرگوں کی یادگار سمجھ کر اس کی حفاظت کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ [1]

پنڈت رادھا کرشن مشہور پروفیسر ہندو فلاسفی بنارس یونیورسٹی اپنی کتاب "فلاسفی آف دی اپنشدز" میں رقمطراز ہیں۔

**WE FIND IN THE UPNISHADS AN ADVANCE ON THE SAMHITA MYTHOLOGY**

یعنی ہم اپنشدوں میں ویدک افسانوں سے زیادہ ترقی یافتہ خیال پاتے ہیں۔

**"SO NUMEROUS ARE SUGGESTIONS OF TRUTH, SO VARIOUS ARE THEIR GUESSES TO GOD THAT ALMOST ANY BODY MAY SEEK IN THEM WHAT HE WANTS AND FINDS WHAT HE SEEKS"**

یعنی صداقت کے بارہ میں ان کے قیاسات اس قدر گوناگوں اور خدا کے متعلق ان کے ظنون اس قدر مختلف ہیں کہ ہر شخص کو یقیناً ان میں جو چاہتا ہے اور ہر قسم کا خیال جو تلاش کرتا ہے ان میں مل جاتا ہے۔ [2]

پنڈت ستیہ ورت سام شری اپنی کتاب ترئی پراچے صہ ۷، پر لکھتے ہیں کہ ایسے ہی بلاشک وشبہ یہ بات صحیح ہے کہ ہمارے بزرگ رشیوں ہی نے ویدوں کو تصنیف کیا۔" یہی پنڈت جی اپنے گرو

---

[1] ہندو سنگھٹن مولف بھائی پرمانند ایم اے۔ [2] فلاسفی آف دی اپنشدز صہ ۱۶

پنڈت سام شری سے متعلق لکھتے ہیں،

"سام شری پکشہ درتمان (موجودہ) ویدوں کو بھارتیوں (ہندوستانیوں) کے لئے ہی مانتے ہیں۔ ویدوں کو ایشوری گیان (علم خداوندی) نہیں مانتے۔ ان کو آریہ ورتی آریوں کی سبھیتا (تہذیب) کا اتہاس (تاریخ) مانتے ہیں۔"

پنڈت جواہر لال نہرو اپنی کتاب "THE DISCOVERY OF INDIA" میں رقمطراز ہیں،

"بہت سے ہندو ویدوں کو الہامی کتاب سمجھتے ہیں۔ یہ میرے نزدیک ہماری بڑی بدقسمتی ہے کیونکہ اس طرح ان کی حقیقت ہم سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ وید صرف اس زمانہ کی معلومات کا مجموعہ ہیں۔ وہ بہت سی چیزوں کا غیر مرتب شدہ ذخیرہ ہیں۔ دعائیں، قربانی کی رسومات، جادو ٹونے، شاعری وغیرہ" (ص ۷۷)

گورو کل کانگڑی کے پروفیسر وید پنڈت چندر منی ودیالنکار اپنے ترجمہ نرکت حصہ اول صفحہ ۹۶ پر وید کی ناقص زبان ہونے کی وجہ سے یہ کہتا ہے کہ وید پرماتما کے دیئے ہوئے نہیں۔

"پرماتما پورن (مکمل) ہے بدی (اگر) وید پرماتما کے دیئے ہوئے ہیں تو اس کی بھاشا (زبان) میں اتنا اپورنتا (نقص یا ادھورا پن کا) اہا دوش (عظیم الشان غلطی) نہیں ہونی چاہیئے۔ . . . . یہ اتہاسکار (اعتراض) ہمیں بہت دُکھاتا ہے۔ ویدک بھاشا میں اتنی بھاری تری دکمزوری، خرابی) کا ہونا بڑا کھٹکتا ہے۔"

## ویدوں کے رشی یا مصنف

ویدوں کے شاعر رشی کہلاتے ہیں۔ لفظ رشی کے معنی منتر دیکھنے والا ہیں۔ منتر دیکھنے سے مراد دل سے منتروں کا دیکھنا، ان کا بنانا ہے۔ اس لئے ویدک تعلیمات میں رشی کی تعریف یہ ہے۔ "جس کا کلام ہے وہ رشی ہے۔"

دانا رشی منتروں کے بنانے والے ہیں (تیتریہ برہمن ۲، ۸، ۵)۔ ایک رشی کے مکمل کلام کو سوکت کہا جاتا ہے (۱: ۱۳)۔ جس دیوتا سے کوئی تمنا پوری ہونے کی آرزو کر کے رشی نے اس کی تعریف کی وہ اس منتر کا دیوتا کہلاتا ہے (نرکت: ۱۷)۔

گویا ویدوں کے منتر رشیوں کی دیوتاؤں سے التجائیں ہیں۔

## کیا رشی رسول یا نبی تھے؟

لفظ رشی رسول یا نبی کا مترادف نہیں۔ سینکڑوں رشی گزرے ہیں جو رشی کہلائے مگر ان کا دعویٰ الہام نہیں منتروں کو سمجھنے اور سمجھانے والے بھی رشی کہلاتے ہیں۔ شاعر پنڈت بھی ویدوں میں رشی کہلائے۔

رشیوں کی اولاد اور شاگرد بھی رشی کہلائے (رگ وید منڈل ۔ اسوکت ۶۲ منتر ۵) منتر بنانے والوں کو رشی کے علاوہ برہمن، عالم اور شاعر بھی کہا گیا ہے۔

ویدوں کے رشیوں کے بارہ میں علماء ہنود کا اختلاف ؛

ویدوں کے مصنفین کے متعلق ہندو علماء کا شدید اختلاف ہے۔ ایک نظریہ یہ ہے کہ برہما دیوتاؤں میں سب سے پہلے ہوا۔ تمام عالم کا خالق اور رازق۔ اس برہما کے چار منہ تھے۔ ایک ایک منہ سے ایک ایک وید پیدا ہوا۔

برہما کے کس کس منہ سے کون کون وید نکلا۔

اس کے مشرقی منہ سے رگ وید وغیرہ، جنوبی منہ سے یجروید وغیرہ، مغربی منہ سے سام وید اور شمالی منہ سے اتھروید نکلا۔

**دوسرا نظریہ** دوسرا نظریہ یہ ہے کہ وہ چار رشیوں (اگنی، وایو، انگرا اور ادتیہ) پر الہام کئے گئے۔ شتپتھ برہمن سے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے کہ اگنی سے رگوید، وایو سے یجروید اور ادیتہ سے سام وید ظاہر ہوا۔ مگر اتھروید کے نزول رشی کا اس میں ذکر ہے نہ اس وید کا نام۔ اور نہ انگرا رشی اس میں کہیں مذکور ہے۔ البتہ گوپتھ برہمن میں جو اتھروید کا خاص برہمن ہے اتھروید کا دیوتا چاند لکھا ہے۔

آریہ سماج کے ان فرضی رشیوں کے حالات زندگی کہیں نہیں ملتے۔

**تیسرا نظریہ** ویدہ ۱۴ رشیوں کا کلام ہے جن کے نام ویدوں کے اندر درج ہیں۔ تمام علماء یورپ، روشن خیال علماء ہند و سوامی دیانند، پنڈت ناتھو رام، ابناش چندر ورت، ستیہ ورت، سامشرمی سائن اچاریہ، سوامی ہری پرشاد، یاسک اچاریہ مولف نرکت کا بھی یہی نظریہ ہے۔ اس کی تصدیق خود ویدوں کے اندر موجود ہے۔ ہر ایک سوکت یا غزل پر اس رشی کا نام موجود ہے جس کا وہ کلام ہے۔

وید کے صدہا منتر ایسے ہیں جن میں رشیوں کا یہ دعویٰ موجود ہے کہ یہ ان کے بنائے ہوئے ہیں۔ نمونہ کے طور پر چند ایک درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ ہم قابل تعریف اگنی کے لئے اپنی عقل سے اس منتر کو بناتے ہیں جیسے بڑھئی رتھ بناتا ہے (رگ وید منڈل اسوکت ۹۵ منتر ۱)

۲۔ اے اگنی تو اس منتر سے ترقی کر جو ہم نے اپنی لیاقت اور واقفیت سے بنایا۔ (رگ وید ۱: ۲: ۳: ۱۸)

یہ منتر اے روشنی کمار دیو ہم نے تمہارے لئے گھڑا ہے جیسے بھرگو بڑھئی رتھ گھڑتے ہیں (رگ

ویدمنڈل ۴ سوکت ۶ امنتر ۲۰)

۴۔ اسی طرح یم یمی سوکت میں دو توام بہن بھائیوں کا مکالمہ ہے۔ اس سوکت کے اوپر بعض منتروں پر رشی یم بتایا گیا ہے اور بعض کی رشیہ یمی ہے۔ سوکت میں بھی یم کا کلام مذکر صیغے میں اور یمی کا جواب مؤنث صیغہ میں ہے۔ جس سے یہ ظاہر ہے کہ یم یمی اس کو سمجھنے والے نہیں بلکہ باہم کلام کرنے والے ہیں۔ اسی مکالمہ کا نام یم یمی سوکت ہے۔ چنانچہ اس سوکت کے منتر ۷، ۹، ۱۳، ۱۴ میں بھی یم یمی نام موجود ہے۔

منتر صرف دیوتاؤں کی تعریف ہی میں نہیں لکھے گئے بلکہ راجاؤں کی مدح میں بھی گھڑے گئے۔ وہ بھی ان رشیوں کی خوب قدر کرتے تھے۔ یہ منتر وید کی اصطلاح میں دان ستتیاں یا خیرات کی تعریف کے منتر کہلاتے تھے۔ مثلاً رگ وید منڈل ۸ سوکت ۱ پر لکھا ہے کہ کنو خاندان کا رشی میدھاتتھی اور میدھیاتتھی ہیں۔

۵۔ ۱۱ منتر ۳۰ سے ۳۳ تک کا رشی اسنگ چھتری رشی ہے اور منتر ۳۴ کا رشی اسنگ کی بیوی انگرا کی بیٹی شاشوتی ہے۔ راجہ اسنگ نے رشی کو دان دیا، اس نے اس کی تعریف یوں کی۔ "اے اگنی پریوگ کا بیٹا اسنگ دان دینے میں دوسروں سے دس گنا بڑھا گیا ہے۔ اس کے دیئے ہوئے دھوے دھوے بیل میرے پاس ایسے ہیں جیسے پانی میں کنول کی ڈنڈیاں نکلی ہوں"۔ (رگ وید منڈل ۸ سوکت ۱ منتر ۳۳)

۶۔ اس منتر سے پہلے اسنگ خود میدھاتتھی کو اپنی تعریف کے لئے کہتا ہے۔

"میدھاتتھی بار بار میری تعریف کرو۔ میری مدح کرو۔ دولت مندوں میں ہم سب سے زیادہ دولت والے ہیں۔ میرے تحفہ سے دوسروں کے گھوڑے بنائے گئے۔ میرا طریق اعلیٰ ہے۔ میرا ہتھیار بلند ہے۔ کھانے کے بعد ارادت سے میں نے تمہارے رتھ کو جوتا تھا۔ میں دل لبھانے والا دان کرنا جانتا ہوں۔ میں یاذو خاندان کا اور مولیشیوں والا ہوں"۔ (رگ وید منڈل ۸ سوکت ۱ منتر ۳۰، ۳۱)

۷۔ راجہ چیتر کے دان کی تعریف میں سوبھری رشی یوں تعریف کرتا ہے۔

"چیتر ہی راجہ ہے دوسرے سب رانیاں ہیں۔ جیسے بادل بارش سے زمین کو خوش کرتا ہے ویسے ہی سرسوتی ندی کے کنارے رہنے والے نے ہزار جگہ مجھے دس ہزار دان دیئے (رگ وید ۸ : ۲۱ : ۱۸)

ان حوالہ جات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وید مختلف رشیوں کی تصنیف ہیں، چنانچہ ڈاکٹر داس گپتا لکھتے ہیں۔

"رگ وید کے منتر نہ تو کسی ایک شخص کی تصنیف ہیں نہ کسی ایک زمانہ کی۔ یہ منتر غالباً مختلف

انوں میں مختلف رشیوں نے تصنیف کیے اور یہ بھی بعید از قیاس نہیں کہ ان میں سے بعض منتر آریوں نے ہندوستان میں آنے سے پیشتر تصنیف کئے ہوں۔ یہ منتر تمام سینہ بسینہ چلے آتے تھے اور ہر زمانہ کے شاعران میں اضافہ کرتے رہتے تھے۔ غالباً جب یہ مجموعہ بہت ضخیم ہو گیا تو اسے موجودہ شکل میں مدون کیا گیا۔ اس لئے ان میں دراصل آریوں کے ہندوستان میں آنے سے پہلے اور بعد کے ان کی ترقی کے مختلف ادوار کی جھلک دکھائی دیتی ہے اور عہد قدیم کی اس سوسائٹی کے انداز و اطوار کا پتہ چلتا ہے جس نے انہیں تصنیف کیا۔"

## ویدوں کی تالیف کا زمانہ

ویدوں کے زمانہ تدوین و تالیف میں شدید اختلاف ہے۔ سناتن دھرمی اور آریہ سماجی اس امر پر متفق ہیں وید شروع دنیا سے ہیں۔ پنڈت دیانند کے نزدیک ابتداء دنیا پر ایک ارب نو کروڑ برس گزر چکے ہیں۔ گویا پنڈت صاحب کے نزدیک ویدوں کے نزول پر بھی اتنا ہی عرصہ گزر چکا ہے۔ اس کی تردید مستشرقین اور ہندو علماء کی جدید تحقیقات اور اندرونی شہادت کر رہی ہیں۔

ڈاکٹر ہاگ (HAUG) ایتریہ برہمن کے انگریزی ترجمہ کے دیباچہ صـ۴۲ پر منتروں کا زمانہ ۴۰۰۰ سے ۲۰۰۰ برس قبل مسیح بتاتے ہیں۔ پروفیسر انباش چندورت ۸۰۰۰ سے ۱۰۰۰۰ تک زمانہ قرار دیتے ہیں (رگ وید انڈیا) مہاتما تلک کی رائے میں ۴۵۰۰ سے ۵۰۰۰ برس قبل ہے اور پروفیسر میکس ملر کی تحقیقات ۸۰۰ سے ۱۰۰۰ قبل مسیح (قدیم سنسکرت لٹریچر صـ۵۶۲ اور ترجمہ رگ وید جلد ۴ ہیرٹ لیکچرز صـ۲۴)

پروفیسر ملر ویدوں کے عہد کو چار حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

۱۔ سوتر لٹریچر ۲۰۰ سے ۶۰۰ ق۔م تک۔
۲۔ براہمن ۶۰۰ سے ۸۰۰ ق۔م تک۔
۳۔ منتر ۸۰۰ سے ۱۰۰۰ ق۔م تک۔
۴۔ چھند۔ رگ وید کے آخری حصہ سمیت ۱۰۰۰ سے ۱۲۰۰ ق۔م تک۔

(CAMBRIDGE HISTORY OF INDIA PART I, p. 112)

پروفیسر مونیر ولیم (MONIER WILLIAM) ہندوازم میں لکھتے ہیں:

"IN THIS MANNER WE MAY BE JUSTIFIED IN ASSUMING THAT HYMNS OF IN VEDA WERE PROBABLY COMPOSED BY A SUCCESSION OF POET AT DIFFERENT DATES BETWEFN 1500 AND 1000 YEARS BEFORE CHRIST"
(HINDUISM P. 19)

چنانچہ ہم یہ فرض کرنے میں حق بجانب ہیں کہ ویدوں کے حمدیہ گیت غالباً ۵۰۰ ۱ اور ۱۰۰۰ ا
مسیح کے درمیان مختلف شاعروں نے مختلف تاریخوں میں لکھے۔ (ہندو مت صفحہ ۱۹)

انباش چندر کہتے ہیں۔

THE HYMNS THEMSELVES ARE OF DIFFERFNT
ERIODS SOME BEING OLDER AND SOME
ECENT"

حمدیہ گیت بذاتِ خود مختلف زمانوں سے متعلق ہیں کیونکہ کچھ پرانے معلوم ہوتے ہیں ا
کچھ نئے۔

انباش چندر رگویدک انڈیا میں لکھتے ہیں۔

But the language of the Rigvedic Hymns being
doubtedly more archaic excepting some hymns of
e Xth mandala than that of the Atharia Veda their
mposition is rightly regarded as belonging to an
rlier period. The Yanjur Veda and the Atharva Veda
ntain in them distinct Geographical references and
her internal evidence which go to show that they were
mposed in a much later period the Rigveda. The two
riods having probably been separated from each other
thousands of years, during which many physical and
matic changes had taken place (Regvedic India
P. VIII)

رگ وید کے حمدیہ گیتوں کی زبان دسویں منڈل کے چند گیتوں کو چھوڑ کر اتھروید کی زبا
سے قدیم ہے اور اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ رگ وید کا زمانہ تالیف بہت پہلے ہوگزرا ہے
یجروید اور اتھروید میں ایسے واضح جغرافیائی حوالے اور اندرونی شہادتیں موجود ہیں جو یہ ثابت کر
ہیں کہ وہ رگ وید کی نسبت بعد کے زمانہ میں مدون کئے گئے۔ اور دونوں زمانوں میں ہزاروں س
کا وقفہ حائل ہے اور اس زمانے میں بہت سی طبعی اور موسمی تبدیلیاں ہو چکی تھیں۔

مہاتما تلک نے "آرکٹک ہوم ان دی ویداز" میں صرف ستاروں کی گردش کے حساب
جو سالانہ موسموں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ویدوں کی عمر ۴۰۰۰ برس قرار دی ہے۔

جیمس ہیسٹنگز (JAMES HASTING) نے اپنی انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ ویدوں کا زمانہ ۱۳۰۰ ق۔م سے ۲۰۰۰ ق۔م تک سمجھا جاتا ہے۔

**اندرونی شہادت**

ویدمیں بعض فنون، قصاب کے اوزاروں، بڑھئی کے ہتھیاروں اور برتنوں کا ذکر ہے۔ موجودہ تحقیقات کی رو سے وہ اوزار دس ہزار برس پہلے موجود نہ تھے۔

ویدوں میں بعض کتابوں کا ذکر ہے جو اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ کتب ویدوں سے پہلے موجود تھیں۔ مثلاً اتہاس (تاریخ) پُران، گاتھا، ناراشنسی، یہ سب کتب کے نام ہیں جو ویدمنتر میں موجود ہیں (اتھروید ۱۵۔۶۔۷ تا ۱۱)

**ویدوں کا وطن**

ویدوں کے وطن کے متعلق ہندو علماء میں شدید اختلاف ہے۔ سناتن دھرم کے نظریہ کے مطابق ویدوں کا وطن شمالی ہندوستان یا آریہ ورت ہے۔ جس کی حدود اربعہ ایک طرف سندھ ہے تو دوسری طرف دریا جمنا، تیسری جانب کشمیر ہے چوتھی حد راجپوتانہ۔ بندھیاچل سے نیچے کا ملک آریہ ورت سے خارج ہے۔

آریہ سماج کا خیال ہے کہ وید ملک تبت میں نازل ہوئے تھے حالانکہ فزیالوجیکل تحقیقات میں ہمالیہ اور تبت کے پہاڑ بندھیاچل کی نسبت بہت نئے ہیں۔ وید میں کسی جگہ تبت کا ذکر نہیں۔ بانند نے لفظ تروشٹپ سے تبت مراد لی ہے۔ یہ لفظ گو پتھ برہمن اور مہابھارت میں بھی استعمال ہے۔ اور کسی جگہ اس سے مراد تبت نہیں ہے

ان دو نظریوں کے علاوہ مستشرقین کا یہ دعویٰ ہے کہ آریہ وسط ایشیا سے ہندوستان میں آئے۔ یہ وسط ایشیا میں رہائش کے زمانہ میں بننے شروع ہوئے اور پنجاب میں آکر مکمل ہوئے۔ پروفیسر ہاش چندر داس اس نظریہ کا مخالف ہے، وہ فزیالوجیکل تحقیقات سے ثابت کرتا ہے کہ وسط ایشیا اس وقت زیر آب تھا اور ہمالیہ کا نام ونشان اس وقت نہ تھا۔ راجپوتانہ اس وقت سمندر تھا (رگوید کڑیا) پس ویدوں کا وطن پنجاب ہے۔

چوتھا نظریہ مہاتما تلک کا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وید قطب شمالی پر بننے شروع ہوئے (ارکٹک م ان دی ویدز)۔

پانچواں نظریہ پروفیسر پران ناتھ ہندو یونیورسٹی بنارس کا ہے جنہوں نے السٹریٹڈ بلی بمبئی کے کئی نمبروں میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ ہندوستان کی کتاب نہیں۔ رگوید مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں جن شہروں اور قوموں اور راجاؤں کا ذکر ہے ان کا تعلق م اور دوسرے مغربی ممالک کے ساتھ ہے۔ اس نے اپنے اس مضمون میں یہ ثابت کیا ہے کہ موجودہ

رگوید کا ۱/۵ حصہ بابل اور شام کے علاقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ گویا وید بابل سے بننا شروع ہوا اور ہندوستان میں آکر مکمل ہوا۔

# تعلیماتِ وید

## ویدوں میں ظالمانہ احکام

وید مخالف کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی تعلیم دیتے ہیں۔ یجر وید کی تعلیم کا خلاصہ سوامی دیانند کے الفاظ میں یہ ہے۔

۱۔ "دھرم کے مخالفوں کو زندہ آگ میں جلا دو۔" (یجر وید ادھیائے ۱۳ منتر ۱۲ دیانند بھاش)

۲۔ "دشمنوں کے کھیتوں کو اجاڑ و یعنی گائے بیل بکری اور لوگوں کو بھوکا مار کر ہلاک کرو۔" (حوالہ مذکور منتر ۱۳)

۳۔ "اپنے مخالفوں کو درندوں سے پھڑوا ڈالو۔" (یجر وید: ۱۵، ۱۷، ۱۹)

۴۔ "ان کو سمندر میں غرق کرو۔" (۱۵: ۱۸)

۵۔ "جس طرح بلی چوہے کو تڑپا تڑپا کر مارتی ہے اس طرح ان کو تڑپا کر مارو۔" (۱۶: ۴۵)

۶۔ "ان کی گردنیں کاٹ دو۔" (۵: ۲۲)

۷۔ "جائز اور ناجائز طریق سے ہلاک کردو۔" (۱: ۲۸)

۸۔ "مخالفوں کا جوڑ جوڑ اور بند بند کاٹ دیا جائے۔" (۱۳: ۴۸)

۹۔ "ان کو پاؤں کے نیچے کچل دو اور ان پر رحم نہ کرو۔" (۱۷: ۳۹)

## سام وید کی تعلیم

۱۰۔ "اے مخالف تم سر کٹے ہوئے سانپوں کی طرح بے سر اور اندھے ہو جاؤ۔ اس کے بعد پھر جو تم میں چیدہ چیدہ ہوں ان کو اندر اور آگ دیوتا تباہ کریں۔" (سام وید اُتر آرچک پرپھاٹک گیارہ منتر)

۲۔ "اے اندر دیوتا! ہمارا دیا ہوا سوم رس تجھے خوش اور متوالا کرے، تو ہمیں دھن و دولت دے اور وید کے دشمنوں کو تباہ اور ہلاک کر۔" (سام وید اُتر آرچک آدھیائے ۱۱ منتر ۱)

۳۔ "اے اندر دیوتا! تو غیر ویدک دھرمیوں کو کب یوں کچل کر تباہ کرے گا جیسے چھتری وار پھول کو پاؤں سے کچل کر تباہ کر دیا جاتا ہے۔ اے اندر تو کب ہماری ان دعاؤں کو سنے گا۔" (سام وید اُتر آرچک ادھیائے ۱۰ منتر ۳)

## اتھروید کی تعلیم

"اے ویدک دھرمی راجاؤ اور دوسرے ویدک دھرمیو تم شیر جیسے بن کر رعیتوں کو کھا جاؤ اور چیتے جیسے بن کر اپنے دشمنو

کو باندھ کر جکڑ لو اس کے بعد اپنی مخالفت کرنے والوں کے کھانے تک اٹھا لو۔" (اتھروید کانڈ ۴ سوکت ۲۲ منتر)

۲ "اے دبھ تو ہمارے دشمنوں کے دلوں کو توڑ دے۔ جیسے تواگتے وقت زمین کی کھال کو چیرتی ہوئی اوپر کو نکل آتی ہے ویسے ہی ان ہمارے دشمنوں کے سروں کو چیر کر اوپر کو نکل کر ان کو گرا کر تباہ کر دے۔" (اتھروید کانڈ ۱۹ سوکت ۲۸ منتر ۴ تا ۱۰)

۳۔ "اے دبھ تو میرے دشمنوں اور مقابلہ کرنے والوں کو چبھ اور میرے دوسرے ہر قسم کے مخالفین کو بھی چبھ جا اے دبھ تو میرے دشمنوں اور مقابلہ کرنے والوں کو تباہ کر۔ اور ہمارے مخالفین کو بھی تباہ و برباد کر وغیرہ وغیرہ۔" (اتھروید کانڈ سوکت ۲۹ منتر ۱ تا ۹۔

منوسمرتی جو تمام ہندوؤں کے نزدیک ویدوں کی تفسیر ہے۔

"ویدوں پر اعتراض کرنے والوں کو ملک سے باہر نکال۔" (ادھیائے ۲ شلوک ۱۱)

## دوسروں کے مال و دولت پر نظر رکھنے کی تعلیم

۱۔ اے اندر پرماتما کیلئے (غیر آریوں) میں گایاں تیرا کیا بناتی ہیں (سوم (بھنگ) میں ملانے کے لئے دودھ دہاتی ہیں اور نریگیہ کا برتن (اپنے دودھ) سے گرم کرتی ہیں۔"

۲۔ "پرم گند کی دولت ہمارے لئے لوٹ لا۔" (رگوید منڈل ۳ سوکت ۵۳ منتر ۱۴)

## عورتوں کے متعلق تعلیم

عورت معاشرہ کا ایک اہم ترین رکن ہے، لیکن ویدک دھرم نے ان کو تعزلات میں گرا کر ان کے ہر قسم کے معاشرتی حقوق کو چھین لیا ہے۔

رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۹۵ منتر ۱۵ میں لکھتا ہے۔

"عورتوں کے ساتھ محبت نہیں ہو سکتی۔ عورتوں کے دل فی الحقیقت بھیڑیوں کی بھٹ ہیں، دوسری جگہ آتا ہے۔

"اندر (آریوں کے ایشور) نے خود یہ کہا ہے کہ عورت کا دل استقلال سے خالی ہے اور وہ عقل کی رو سے ایک نہایت ہلکی چیز ہے۔" (رگوید منڈل سوکت ۳۳ منتر ۱۷)

ان دو منتروں سے چار حکم مستنبط ہوتے ہیں۔

۱۔ کسی عورت سے مستقل محبت نہیں کی جا سکتی۔

۲۔ عورت دھوکے باز ہے۔

۳۔ ہر عورت کی عصمت مشتبہ ہے

۴۔ عورت کم عقل ہے۔

## عورت کی معاشرتی حیثیت

مندرجہ بالا چار وجوہات کی بناء پر برہمن گرنتھوں اور شاستر کاروں نے حسب ذیل قوانین مرتب کئے ہیں ۔

۱۔ عورت اور شودر دونوں کو نر دھن (مال سے محروم) کہا گیا ہے (یجروید ادھیاء ۸ منتر ۵ منو ادھیاء ۸ شلوک ۴۱۶ ادھیاء ۹ شلوک ۱۹۹)

۲۔ لڑکی باپ کی جائداد کی وارث نہیں (اتھروید کانڈ ۷ سوکت ۱۷ منتر ۱ یجروید ۸ : ۵ نرکت ۳ : ۴۔ منو ۹ : ۱۹۹)

۳۔ کسی عورت کو خاوند سے حکومت نہیں مل سکتی (اتھروید کانڈ ۷ سوکت ۱۷ منتر ۱)

۴۔ اگر کسی بیوہ کو اپنے خاوند کی طرف سے جائداد ملتی ہے تو اسے جائداد کی بیع و فروخت کا کوئی اختیار نہیں (اتھروید کانڈ ۷ سوکت ۱۷ منتر ۱)

۵۔ اولاد ذکر کے نہ ہوتے ہوئے بھی بیٹی وارث نہیں بلکہ متبنیٰ جو غیر کا بیٹا ہوتا ہے وارث ہوتا ہے۔ (منو ادھیاء ۹)

۶۔ نکاح ثانی کی ممانعت ہے۔ کیونکہ ایک جائداد بلا وجہ دوسرے کے قبضہ میں نہیں جا سکتی۔ (منو ۱۵ : ۱۵۱)

۷۔ خلع کی ممانعت یعنی خاوند خواہ کیسا ہی بے رحم اور ظالم ہو، دائم المریض ہو مگر عورت کو اس سے علیحدہ ہونے کی اجازت نہیں۔ (منو ۵ : ۱۵۱)

۸ عورت کا وجود صرف اس لئے ہے کہ بچے دیں، ان کی پرورش کریں اور ہر روز خانہ داری کے کام میں مصروف رہیں۔ (منو نواں باب ۲۷)

۹۔ کسی لڑکی یا نوجوان عورت یا بڈھی عورت کو کبھی گھر میں بھی کام اپنے اختیار سے نہیں کرنا چاہیئے۔ طفولیت میں عورت کو باپ کا تابع رہنا چاہیئے اور جوانی میں شوہر یا بیٹوں کا اگر وہ انہیں چھوڑ کر چلی جائے تو اپنے اور اپنے شوہر دونوں کے خاندان پر بدنامی کا دھبہ ڈالے گی۔ منو شاستر پانچواں باب ۱۴۷، ۱۴۸)

۱۰ عورت کو جوئے میں ہارنے اور فروخت کا جواز (نرکت ۳ ؛ ۴)

۱۱۔ جن لڑکیوں کے بھائی نہ ہوں ان کی شادی نہیں ہو سکتی (اتھروید ۱۷ ؛ ۱)

۱۲۔ لڑکیوں کی موجودگی میں لڑکے پیدا کرنے کیلئے نیوگ کا حکم (ستیارتھ باب ۴ مضمون نیوگ)

## ہندو وکیل کی رائے

"جس طرح درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے اسی طرح قوموں کے تمدن اور تہذیب پر ان کے رسم و رواج کا اثر ہے۔ ہندو

عرم میں مردوں کے حقوق نہایت احتیاط کے ساتھ تمام معاملات میں محفوظ کر دے گئے ہیں۔ مگر یہ ایک دس ناک امر ہے کہ عورتوں کے حقوق کی حفاظت نہیں کی گئی۔ نہایت رنجدہ بات ہے کہ قدیم ندو دھرم کی بنا پر عورت کو جائداد سمجھا گیا ہے یا ایک ایسی ہستی جو مرد سے عقل اور اخلاق کی بنا پر ایت کم تر درجہ پر ہے۔ اس لئے ہندو شاستروں کا زور عورت کے فرائض پر ہے حقوق پر نہیں۔ اس یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ہندو سوسائٹی کے بنانے میں عورت کا کوئی حصہ نہیں۔ عورت کے یدائش سے لے کر وفات تک تمام افعال زندگی، مشکلات اور مصائب بلکہ زندگی کے معمولی مقتضیات عانے پینے، جاگنے سونے، غسل کرنے، باہر کے معمولی کاروبار میں مرد کے رحم پر چھوڑ دیا گیا ہے اور اسے رت کے لئے نمبر ۴ خدا بنا دیا گیا ہے۔" (بھگت رام سیکرٹری انجمن ہمدرد حیوانات فیروزپور چھاؤنی)

## ویدک دھرم میں عورت کی روحانی حیثیت

۱۔ عورتوں کے لئے مذہبی تعلیم کی ممانعت ہے۔ (منو ۹: ۱۸)

۲۔ مرد اور عورت دونوں کے لئے نجات کے الگ الگ راستے ہیں۔ مرد اپنے زور بازو سے مکتی مارگ (طریقہ نجات) پکڑ سکتا ہے مگر عورت کی نجات خاوند پر مرمٹنے سے ہی ہو سکتی ہے، وہ براہ راست خدا سے نجات حاصل نہیں کر سکتی (منو ۲: ۶۶-۹: ۱۸ اور ۵: ۱۵۵)

۳۔ گیتا میں جنیا عورت اور شودر کو پاپ یونی (گناہ کے قالب) قرار دیا گیا ہے۔ (گیتا ادھیاء ۹ شلوک ۳۲)

۴۔ عورت کی عصمت و پاکیزگی کے خلاف منوادھیا، اور شپتھ برہمن، رگوید، یجروید، اتھروید کا مطالعہ ضروری ہے، بعد کے لٹریچر میں بھرتری ہرکا ویراگ شتک۔ یوک وششٹ میں عورت کو بدترین خلائق قرار دیا ہے۔

۵۔ اتھروید ۵، ۱۷، ۸، ۹ میں لکھا ہے: "اگر کسی عورت کے دس خاوند ہوں، مگر اس کے بعد برہمن اس کا ہاتھ پکڑ لے تو وہ برہمن کی ہو جاتی ہے، برہمن ہی خاوند ہے نہ کشتری اور نہ ویش تمام لوگوں میں اس امر کا اعلان کرتا ہوا سورج ہر روز چلتا ہے۔"

## ویدمیں ناقص توحید

ویدوں میں خالص توحید نہیں پائی جاتی ہے اور یہ پیشوا کا تصور جو ویدوں نے پیش کیا وہ انسانی ذہن کا تراشیدہ ہے۔

ویدکے سوکتوں کے اوپر ایک تو دیوتا کا نام ہے اور دوسرے کسی رشی کا۔ دیوتا وہ ہے جس کی تعریف یا پرستش کا ذکر اس سوکت میں موجود ہے، رشی اس کا مصنف ہے۔

ویدوں میں دیوتاؤں کی تعداد مختلف ہے۔ یجروید میں لکھا ہے کہ دیوتا کل ۳۳ ہیں۔ ۱۱ زمین پر ۱۱ آسمان میں اور ۱۱ اور جنت میں۔

رگوید منڈل ۳ سوکت ۹ منتر ۹ میں لکھا ہے کہ کل دیوتا ۳۳۴۰ ہیں۔ رگوید کے بیان کے مطا
۳۳۳۹ دیوتاؤں نے مل کر اگ دیوتا کو گھی سے سینچا اور اس کے پاس گئے۔ پس ۳۳۳۹ میں ایک
کا اضافہ ہوا تو ۳۳۴۰ دیوتا بن گئے۔ چنانچہ رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۵۲ منتر ۶ میں واضح الفاظ میں
لکھا ہے کہ کل دیوتا ۳۳۴۰ ہیں۔

بلحاظ جائے رہائش دیوتاؤں کی تین اقسام ہیں، پرتھوی ستھانی (زمین میں رہائش والے امدھ
ستھانی (جو فضا میں مقیم ہیں) دیو ستھانی (آسمان میں رہنے والے دیوتا) مثلاً اگنی، اندر، سوریہ
اتھروید ۲ : ۹ : ۱۲' واتھرو ۱۹ : ۲۷ : ۱۱ — ۱۳' رگوید ۱ : ۱۳۹ : ۱۱' رگوید ۷ : ۱۹ : ۵
شتپتھ ۱۱ : ۶ : ۳ : ۴) اس کے علاوہ درختوں، جانوروں وغیرہ میں رہنے والے دیوتاؤں کا ذکر
اتھروید ۱ : ۳۰ : ۳ — میں ہے۔

دیوتاؤں کی یہ کثرت شرک فی ذات الٰہی ہے۔ ہندو روح مادہ، آکاش اور زمانہ کو خدا
کے برابر ازلی ابدی گردانتے ہیں۔ یہ شرک فی صفات الٰہی ہے۔ اسی طرح آگ، ہوا، پانی، در
پہاڑ، زمین، سورج اور چاند کی عبادت کرنا شرک فی عبادت الٰہی ہے۔

## ویدوں کی رو سے الیشو کا تصور

یجروید ۱ - وہ اگنی ہے۔ وہ وایو ہے، وہ چندرما ہے
وہ روشنی ہے وہ آپہ ہے وہ پرجاپتی ہے (۳۲/۱)

۲۔ "کیا میں اس روح برتر کو جان سکتا ہوں۔ جو سب کچھ ہے۔ اور تاریکی سے پرے ہے صرف
اسی کو جان کر کوئی موت عظیم پر فتح پا سکتا ہے۔ نجات کے لئے کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے" ۳۱/۱۸

۳۔ "خدا ایک ہے۔ وہ غیر متحرک ہے۔ تاہم دماغ سے زیادہ سریع السیر ہے حواس اس تک نہیں
پہنچ سکتے اگرچہ وہ ان میں ہے۔"

رگوید ۳ "ہزاروں سروں والا پرش (الیشور) ہزاروں آنکھوں والا، ہزاروں پاؤں والا، وہ تر لوکی
(کائنات) کو سب طرف سے گھیر کر ٹھہرا ہوا ہے" (۱۰-۹۰-۱)

۵۔ سام وید ۔ "اے خدا تو ہمارا باپ ہے، ہمارا بھائی ہے۔ ہمارا دوست ہے (۱۸۴۱)

۶۔ اتھروید "تو مرد ہے، تو عورت ہے۔ تو کنواری لڑکی ہے، تو بوڑھا آدمی ہے۔ جو لاٹھی لے
لڑکھڑا رہا ہو تو ہر طرف موجود ہے۔" (۱۰-۸-۲۷)

۷۔ "وہ ایک ہے تنہا ایک۔ اس میں تمام معبود ایک ہو جاتے ہیں" (۱۳)

۸۔ "صحیح علم دین کے جاننے والے ۳۳ دیوتاؤں کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ وہ صرف ایک
ہی میں موجود ہیں اور اس کے ذریعے سے اپنے صحیح اور فطری فرائض انجام دیتے ہیں (۱۰-۸-۲۷)

۹۔ "اے حیوانات کے مالک پرماتما تیرے منہ کو تعظیم ہو۔ اے سب کے خدا تیری آنکھ کو تعظیم

تیری کھال کو تعظیم، تیرے قابلِ زیارت جسم کے آگے پیچھے کو تعظیم ہو۔ پیٹ کے لئے، زبان کے لئے تیرے منہ کے لئے، دانتوں کے لئے، تیرے (دانتوں کی) بدبو کے لئے تعظیم ہو۔" (۱۱-۲-۵، ۶)

تمام دیوتاؤں میں ورن کا مقام بہت بلند ہے۔ اتھروید کے چند بند ملاحظہ ہوں۔

۱۰ "ورن، آقائے اعلیٰ دیکھتا ہے۔ گویا وہ نزدیک ہو جب کوئی شخص کھڑا ہوتا یا چلتا ہے یا چھپتا ہے اگر وہ لیٹے جاتا یا اٹھتا ہے جب دو آدمی پاس بیٹھ کر کانا پھوسی کرتے ہیں تو بھی شاہ ورن کو اس کا علم ہوتا ہے وہاں فضل ثالث کے موجود ہوتا ہے۔

"یہ زمین بھی شاہ ورن کی ہے اور یہ آسمان بھی جس کے کنارے بہت بعید ہیں۔ دونوں سمندر ورن کی کمر ہیں۔ وہ پانی کے اس قطرے میں بھی موجود ہے۔" "اگر کوئی آسمان سے پرے بھاگ کر جانا چاہے تو بھی وہ شاہ ورن سے نہیں بچ سکتا۔ اس کے جاسوس دنیا کی طرف بڑھتے ہیں اور ہزار آنکھوں سے اس زمین کی نگرانی کرتے ہیں۔"

"شاہ ورن سب کچھ دیکھتا ہے جو زمین و آسمان کے درمیان اور اس کے پرے ہے اس نے انسانوں کے پلک جھپکانے تک کا شمار کیا ہے جیسے ایک کھلاڑی پانسہ پھینکتا ہے ویسے ہی وہ سب چیزوں کا فیصلہ کر دیتا ہے (۴-۱۶-۱-۵)

مندرجہ بالا اقتباسات میں ورن سے چند اوصاف منسوب کر دیئے گئے ہیں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ویدوں میں ناقص توحید (HENOTHEISM) موجود ہے۔

ہمہ اوست کا عقیدہ:۔ آریوں نے ہر معبود یا مظاہر فطرت کو ایک خدا کا ہی مظہر تسلیم کر لیا۔ رگوید میں ہے "ایک اگنی (آگ ہے) جو بہت سی جگہوں پر روشن ہوتی ہے۔ ایک سوریہ (سورج) ہے جو سب پر چمکتا ہے۔ ایک اُشا (شفق صبح) ہے جو اس سب کو منور کرتی ہے وہ جو ایک ہے یہ سب کچھ ہو گیا۔ (رگوید منڈل ۸ سوکت ۵۸۔

ویدوں میں بہشت ایک گھوڑے کی صرف ہزار دن کی مسافت پر ہے۔ وہ اس قدر تنگ ہے کہ بقول سوامی دیانند جی اس میں زیادہ ارواح کے آجانے سے بھیڑ بھاڑ کا خطرہ ہے[۳]

یہ برہمنوں کو کھلانے پلانے اور خیرات کرنے سے حاصل ہوتی ہے اس میں گھی کے تال، شہد کی نہریں، بہتی ہوئی شراب، دودھ کی نہریں، دہی کے تالات، نیلوفر کے حوض، لونڈے اور عورتوں کے جھنڈ بہشتیوں کو ملیں گے۔[۴]

---

[۱] اس کا مقابلہ زبور ۱۳۹ آیت ۱ سے کیجئے [۲] اس کا مقابلہ زبور ۱۳۹ کی آیات ۷ تا ۱۲ سے کیجئے۔ دونوں میں اس قدر مشابہت ہے کہ بجائے ورن کے زبور کی آیتیں سرقہ معلوم ہوتی ہیں۔

[۳] ستیارتھ پرکاش۔ میعادی مکتی کا مضمون [۴] اتھروید کانڈ ۴ سوکت ۳۴

اس میں ایشور جی کے بیٹھنے کی ایک پالکی، سونے کے لئے پلنگ [1] اور شری اور لکشمی دو بیویاں ہیں جن میں دیدک ایشور ہمیشہ غلطاں رہتا ہے۔ [2]

تخلیق کا گیت :- رگوید کی دسویں کتاب، سوکت ۱۲۹ میں تخلیق کائنات سے قبل کی حالت بیان کی گئی ہے۔

۱ "اس وقت عدم تھا اور نہ وجود
نہ عالم بار اور نہ آسمان جو اس سے پرے ہے
کیا چیز سب کو محیط تھی اور وہ سب کچھ کہاں قائم تھا
کیا وہ پانی اور عمق بے پایاں تھا؟
۲۔ "اس وقت فنا و بقا کا کوئی وجود نہ تھا۔
اور نہ دن رات کا کوئی فرق نہ تھا۔
وہ "ایک" اپنے آپ میں بغیر سانس (یا ہوا) کے سانس لے رہا تھا۔
اور اس کے سوا کوئی دوسری شے نہ تھی"
۳ ابتدا میں تاریکی پر تاریکی چڑھی ہوئی تھی۔
سب کچھ (کائنات) غیر متمیز صورت میں پانی ہی پانی تھا۔
وہ "ایک" جو خلا میں جامۂ عدم پہنے ہوئے تھا۔
حرارت نے اس کو اپنی طاقت سے پیدا کیا"
۴ "اس میں ابتدا، خواہش نمودار ہوئی۔
یہ خواہش عقل یا روح کا ابتدائی تخم تھی۔
جس کو رشیوں نے اپنے دل و دماغ کی کاوش سے معلوم کیا۔
کہ وہ (تخم) عدم و وجود میں واسطہ اتصال ہے"۔
۵ وہ شعاع نور جو عالموں میں پھیلی
کیا وہ عالم پستی سے نمودار ہوئی یا عالم بالا سے؟
پھر بیج بوئے گئے اور قوتیں پیدا ہوئیں
کارخانۂ قدرت عالم پستی میں اور اقتدار دارادہ عالم بالا میں"
۶ حقیقت کی کس کو خبر ہے؟ یہاں اس کا اعلان کون کر سکتا ہے۔
کائنات (یا عالم مخلوقات) کی پیدائش کہاں سے یا کس سے ہوئی؟

---

[1] اتھروید ۱۰: ۲۰: ۳۱ [2] یجروید ۳۱: ۲۲۔

کیا دیوتا بھی اس کے ظہور میں آئے ؟
(یا دیوتا بھی بعد کی پیدائش ہیں)
تو پھر کون جانتا ہے کہ وہ (کائنات) کہاں سے نمودار ہوئی ہے"۔

۷ یہ عالم مخلوقات کہاں سے نمودار ہوا۔
یہ کہ وہ خلق بھی ہوا ہے یا نہیں ؟
وہ جو بالاترین آسمان سے سب کچھ دیکھتا ہے۔
اس حقیقت کا علم صرف اسی کو ہے یا مشاید وہ بھی نہیں جانتا"۔

برہمن اس (ایشور) کا منہ ہے۔ ایشور کے بازوؤں سے کھشتری، رانوں سے ویش، پاؤں سے زمین اور کان سے طرفین پیدا ہوئیں۔ چاند من (دل) سے پیدا ہوا۔ آنکھ سے سورج پیدا ہوا۔ منہ سے اندر اور آگ اور سانس سے ہوا پیدا ہوئی (رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۹۰ منتر ۱۲-۱۴)

## زمین اور آسمان کی کیفیت

رگوید منڈل ۳ سوکت ۵۵ منتر ۲ میں لکھا ہے کہ "اس نے ان دونوں (زمین اور آسمان) کو دو کٹوروں کی طرح باہم بھر دیا ہے"۔

اتھروکانڈ ۱۱ سوکت ۳ منتر ۱۱ میں ہے "یہ زمین پکتے ہوئے چاولوں کی ہنڈیا (دیگ) کی مانند اور آسمان ڈھکنا ہے"۔

## آسمان کے ستون

جس طرح زمین کے لئے پہاڑ میخوں کا کام دیتے ہیں اسی طرح آسمان کے لئے ستونوں کا کام دیتے ہیں۔ چنانچہ اتھروید کانڈ ۱۳ سوکت ۴ منتر ۴۸ میں لکھا ہے "سردی اور گرمی کو قائم کیا اور پہاڑوں کو ستون بنایا"۔

ویدوں کی رو سے تخلیق کائنات اور کیفیت زمین و آسمان موجودہ علمی تحقیقات کے سراسر خلاف اور خلاف عقل ہے۔ اس سے ویدوں کی علمی معیار کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

## برہمنا یا برہمنیت

ویدوں کا زمانہ کے بعد برہمنوں کو مذہبی قیادت حاصل ہو گئی تھی انہوں نے اپنی مذہبی قیادت کے جواز میں جو کتب تالیف کیں انہیں برہمنا کہا جاتا ہے۔ ان کتب کا مقابلہ اگر بدھ مت اور جین مت کی مذہبی کتب سے کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان میں حالات و واقعات کو غلط رنگ میں پیش کیا گیا ہے جس سے برہمنوں کی مذہبی سیادت ثابت ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ کتب ہندو مت کی صحیح نمائندگی نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ ان کتب کا تعلق صرف ایک ہی طبقہ کے ساتھ مخصوص ہے، وہ بھی ذاتی اغراض اور مذہبی پیشوائی حاصل کرنے کے لئے۔ ان کتب کے مطالعہ سے یہ اثر پیدا ہوتا ہے کہ برہمنوں کو قدیم زمانہ سے

ہی مذہبی تفوق حاصل ہے۔ ہندومت میں جین مت اور بدھ مت کی اصلاحی اور انقلابی تحریکیں جاری ہوئیں، برہمنا میں ان کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ہندومت کی تاریخ میں کوئی خلا پیدا نہیں ہوا۔ شروع سے آخر تک اس میں تسلسل قائم رہا۔

برہمنا میں یونانیوں اور ہنوں کے ہندوستان پر حملوں کا کوئی ذکر موجود نہیں۔

**برہمنا کا عہد** آریاؤں کے گنگا اور جمنا میں آباد ہونے کا زمانہ برہمنا کا زمانہ کہلاتا ہے۔ برہمنا دراصل ویدوں کے ضمیمہ یا تتمہ کی حیثیت رکھتے ہیں، جنہیں ہم رسوم اور دینیات کی کتب کہہ سکتے ہیں۔ برہمنا کا عہد ۸۰۰ ق۔م سے شروع ہو کر ۵۰۰ ق۔م پر ختم ہوتا ہے۔

برہمنا میں اچھی قسم کے خیالات بھی ملتے ہیں، لیکن ان میں نہایت ہی گھٹیا درجہ کی رسوم تصوف اور ضعیف الاعتقادی کی بھی آمیزش ہے۔ اس کی وجہ بقول ٹیلی یہ ہوگی کہ جاہ و اقتدار کے حریص پروہتوں کو غیر محدود روحانی اقتدار سپرد کر دیا گیا تھا۔[1]

ویدوں کا زمانہ امید و رجائیت اور مسرت کا زمانہ تھا۔ لیکن برہمنا کے عہد کے آغاز میں ہندو ذہن پر مایوسی اور قنوطیت غالب آگئی۔ ممکن ہے کہ اس کی وجہ تبدیل آب و ہوا ہو، کیونکہ ہندو آریا پنجاب کو چھوڑ کر گنگا اور جمنا کے علاقے میں مقیم ہو چکے تھے، جس کی آب و ہوا نم آلود ہونے کی وجہ سے انسان کاہل اور سست بنا دیتی ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہندو آریاؤں کی مرکزیت ختم ہوتی جا رہی تھی اور ان کی سلطنت چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں میں بٹتی جا رہی تھی جو ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتی تھیں۔

برہمنا کے عہد میں ہندو مذہب میں انحطاط نے راہ پالی تھی۔ اس وجہ سے اس میں کسی قسم کی نہ کشش باقی رہی تھی اور نہ لوگوں میں مذہبی لگن بڑھی تھی۔ ظاہری مذہبیت کا غلبہ بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ ایک پیشہ ور مذہبی طبقے نے جنم لے لیا۔ تمام مذہبی رسوم اور عبادات کی پیشوائی انہی کے ہاتھ میں تھی۔ مذہبی رسوم اور پرستش کے طریقے بھی پیچیدہ ہوتے چلے جا رہے تھے۔ اس عہد میں قدیم آریائی دیوتاؤں کا وقار بہت حد تک کم ہو چکا تھا۔ ان سے تعلق قائم کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ قربانی کا طریقہ بھی پیچیدہ ہو گیا۔ قربانیوں کی حیثیت محض سحر و فسوں کی ہو گئی اور یہ عقیدہ عام ہو گیا کہ اگر قربانی صحیح طور پر کی جائے تو حاجت روائی اور مطلب براری میں کوئی چیز حائل نہیں ہو سکتی۔ قربانی سے شگون لینے کا رواج عام ہو گیا۔ عوام قربانی کے طور طریقوں کو بھول گئے۔ نتیجۃً ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا جس کو مذہبی پیشوائی حاصل ہو گئی۔ سحر و فسوں کی مقبولیت کی وجہ سے اس طبقہ کے اقتدار میں اضافہ ہو گیا۔ اور جس نے خود کو انسانی دیوتا ہونے کا دعویٰ

---

[1] ٹیلی تاریخ مذہب صـ ۱۲۳

دیا اسی کی ذات کو قربانی کا مرکز بنا دیا گیا اور وہ کائنات کی قوت اعلیٰ بن گیا۔
برہمنا میں حیات بعد الممات کا عقیدہ زیادہ واضح تھا۔ اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس زندگی کو کیسے عمدہ بنایا جا سکتا ہے۔ ویدک عہد میں قربانی کا مقصد صرف دنیاوی مصائب سے نجات حاصل کرنا تھا، لیکن اس عہد میں قربانی کی افادیت اس دنیا کی جگہ دوسری دنیا تک وسیع ہو گئی۔ یہ نظریہ قائم ہو گیا کہ قربانی کے ذریعہ آنے والی زندگی کو خوشگوار اور عمدہ بنایا جا سکتا ہے۔

# ذات پات کی تقسیم اور برہمنوں کا تفوق

ہندوؤں میں انسانیت سوز ذات پات کا امتیاز ہے۔ جس ہندو مصلح نے اس امتیاز کو مٹانے کی سعی کی ہیں وہ ناکام و نامراد ہوا ہے۔ کیونکہ ذات پات کا امتیاز ہندوؤں کی گھٹی میں رچا ہے۔ اس انسانیت سوز تعلیم کا سرچشمہ ان کی مذہبی کتب ہیں۔

وید میں لکھا ہے۔ برہمن پرماتما کے منہ سے، کشتری بازوؤں سے، ویش رانوں سے اور شودر پیروں سے پیدا ہوا۔ (رگوید۔ یجروید۔ اتھروید)

وید کے لئے برہمن، حکومت کے لئے چھتری، کاروبار کے لئے ویش اور دکھ اٹھانے کے لئے شودر پیدا کیا ہے۔ (یجروید ۳۰: ۵)

منوشاستر ہندوؤں کی قانون کی کتاب ہے۔ اب ہم اس کتاب سے حوالہ جات درج کرتے ہیں، جن میں مختلف ذاتوں کے فرائض اور شادی بیاہ کے مسائل درج ہیں۔

"قادر مطلق نے دنیا کی بہبودی کے لئے اپنے منہ سے اور اپنے بازوؤں سے اور اپنی ران سے اور اپنے پیروں سے برہمن، چھتری، ویش، اور شودر کو پیدا کیا۔" (باب اول ۳۱)

"اس دنیا کی حفاظت کے لئے اس نے ان میں سے ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ فرائض قرار دیئے۔" (باب اول ۸۷)

"برہمنوں کے لئے وید کی تعلیم اور خود اپنے اور دوسروں کے لئے دیوتاؤں کو چڑھاوے چڑھانا اور دان لینے دینے کا فرض قرار دیا۔" (باب اول)

"چھتری کو اس نے حکم دیا کہ خلقت کی حفاظت کرے، دان دے، چڑھاوے چڑھائے، پڑھے اور شہوات نفسانی میں نہ پڑے۔" (باب اول ۸۹)

"ویش کو اس نے یہ حکم دیا کہ مویشی کی سیوا کرے، دان دے، چڑھاوے چڑھائے تجارت دین اور زراعت کرے۔ (باب اول ۹۰)

"شودر کے لئے قادر مطلق نے صرف ایک ہی فرض بنایا ہے، وہ ان تینوں کی خدمت کرنا ہے" (باب اول ۹۱)

"شاستر کا فیصلہ یہ ہے کہ جس شخص کا باپ آریہ ہو اور ماں آریہ نہ ہو وہ اپنی خصائص سے آریہ بن سکتا ہے، لیکن جس کی ماں آریہ ہو اور باپ غیر آریہ وہ کبھی آریہ بن نہیں سکتا۔" (باب دہم ۷)

"جس طرح شودرا اور برہمن عورت سے ایسی اولاد پیدا ہوتی ہے جو ذات سے باہر ہے اسی طرح اگر ذات سے باہر اشخاص چاروں ذاتوں کی عورتوں سے ہم بستر ہوں تو ان کی اولاد بھی ذات سے خارج ہوگی۔" (باب دہم ۳۰)

"جو برہمن شودر عورت کو ہم بستر کرتا ہے وہ مرنے کے بعد دوزخ میں جاوے گا۔ اور اگر اس سے کوئی اولاد پیدا ہو تو برہمن اپنی ذات سے خارج ہو جاتا ہے۔" (باب سوم ۱۷)

## برہمنوں کی عمر کے حصے

انسان کی اوسط عمر ۱۰۰ سال مان کر زندگی کو پچیس پچیس سال کے حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جنہیں آشرم کہتے تھے۔ برہمن اس طریقہ سے اپنی زندگی بسر کرتے۔

۱۔ برہمچریہ آشرم:۔ پچیس سال کی عمر تک ضبط نفس کرتے ہوئے گرو سے مذہبی تعلیم کرتے جس میں ویدوں کو حفظ کرنا اور معنی سمجھنا خاص تھا۔ اور خاص استادوں سے مذہب کے اسرار سیکھتے۔

۲ گرہستھ آشرم:۔ پچاس سال ——— کی عمر تک برہمن شادی کرتا اور خانہ داری کے فرائض ادا کرتا۔ دیگر فرائض میں ویدوں کی تلاوت، دیوتاؤں کے لئے قربانیاں، آباؤ اجداد کی نذر و نیاز، مہمان نوازی، صدقہ و خیرات اور پرندوں کو کھلانا شامل تھا۔

۳۔ وان پرستھ آشرم:۔ پچھتر سال تک وہ تارک الدنیا ہو جاتا کسی جنگل میں جا کر عبادت میں مصروف ہو جاتا۔ اسی دور میں ارنیک نامی مذہبی کتب کا مطالعہ کیا جاتا۔

۴۔ سنیاس آشرم:۔ بغیر زندگی بھکشو بن کر بغیر کسی جگہ قیام کئے زندگی گذارتا۔ اس دور میں بھی مذہبی غور و فکر جاری رہتا۔ دوسروں کو مذہب کی تعلیم دیتا۔ مراقبہ میں موت کی تیاری کرتا۔

## برہمن کا گزر اوقات

تمام ذاتوں میں برہمن طبقہ کو تفوق اور فضیلت حاصل ہے۔ ان کی گزر اوقات دوسری ذاتوں کے دان پر ہے۔

برہمن کو دان دینا ہندو کا اعلیٰ ترین فرض ہے۔ منو لکھتے ہیں۔

"کسی ایسے شخص کو دان دینا جو برہمن نہیں ہے ثواب کا موجب ہے، لیکن جو شخص اپنے کو برہمن کہے اسے دینا دوناثواب ہے۔ پڑھے ہوئے برہمن کو دان دینے کا لاکھ مرتبہ ثواب ہوتا ہے،

ل ماخوذ تمدن ہند مصنفہ ڈاکٹر گستاولی بان مترجم سید علی بلگرامی ناشر مقبول اکیڈمی ص ۲۲۳

ویدپڑھے ہوئے برہمن کا ثواب لامتناہی ہے۔" [1]

## برہمنوں کے خاص حقوق

منو لکھتا ہے۔ "برہمن کی پیدائش گویا شاستر کا جنم لینا ہے۔ کیونکہ وہ شاستر پھیلانے کے لئے آیا ہے اور برہما سمان ہے۔" (باب اول ۹۸)۔

"جب کوئی برہمن پیدا ہوتا ہے تو وہ دنیا میں سب سے اعلیٰ مخلوق ہے۔ وہ بادشاہ ہے کل مخلوقات کا۔ اور اس کا کام ہے شاستر کی حفاظت۔" (باب اول ۹۹)

"جو کچھ اس دنیا میں ہے برہمن کا مال ہے۔ چونکہ وہ خلقت میں سب سے بڑا ہے کل چیزیں اسی کی ہیں۔" (باب اول ۱۰۰)

"برہمن کو اگر ضرورت ہو تو وہ کسی گناہ کے اپنے غلام شودر کا مال برجبر لے سکتا ہے۔ اس سے سب سے اس پر کوئی جرم عائد نہیں ہوتا کیونکہ غلام صاحب جائیداد نہیں ہو سکتا۔ اس کی کل املاک مالک کی مال ہے۔" (باب ہشتم ۴۱۷)

"جس برہمن کو رگ وید یاد ہو وہ بالکل گناہ سے پاک ہے اگرچہ وہ تینوں عالم کو ناس کر دے یا سبھی کھانا کیوں نہ کھائے۔" (باب نہم ۲۶۲)

"بادشاہ کو کیسی سخت ضرورت ہو اور وہ مرتا بھی ہو، تو بھی اسے برہمنوں سے محصول نہ لینا چاہیئے اور نہ اپنے ملک کے کسی برہمن کو بھوک سے مرنے دینا چاہیئے۔" (باب ۱۳۳)

"سزائے موت کے عوض میں برہمن کا صرف سر مونڈا جائے گا لیکن اور ذات کے لوگوں کو سزائے موت دی جائے گی۔" (باب ہشتم ۳۷۹)

"راجہ کو نہیں چاہیئے کہ برہمن کو کسی حالت میں بھی قتل کرے اگرچہ اس نے کتنا ہی جرم کیوں نہ کیا ہو۔ ایسے مجرم کو مال اور جان کے ساتھ ملک بدر کر دینا چاہیئے۔" [2] (باب ہشتم ۳۸۰)

چھتری :۔ اس طبقہ کا کام ملک کا دفاع تھا۔ یہ طبقہ ہندو معاشرہ میں دوسرے درجہ پر تھا۔

ویش : اس طبقہ کا کام زراعت، تجارت اور صنعت کو فروغ دینا تھا۔ ان کا درجہ تیسرا اور ان کی زنار بندی چھتریوں کے بعد ہوتی تھی۔

ویشوں کے متعلق منو لکھتا ہے۔

"ویش کو چاہیئے کہ زنار بندی اور اپنی ذات میں شادی کرنے کے بعد کاروبار میں مصروف ہو جائے اور مویشی کی نگہداشت کرے۔" (باب نہم ۳۲۶)

---

[1] ماخوذ از تمدن ہند ص ۲۲۳ [2] تمدن ہند ص ۲۱۳

"اسے چاہیئے کہ بیج بونے کے طریقے سے واقف ہو، اچھی بُری زمین کو پہچاننے اور اور اور پیمانوں کو بخوبی جانے۔" (باب نہم ۳۳۱)

"اسے مزدوروں کے نرخ سے واقف ہونا چاہیئے اور مختلف زبانیں جاننا چاہیئے اور قسم کے مال کی حفاظت اور اس کی خرید و فروخت سے واقف ہونا چاہیئے۔" (باب ۳۳۲) [1]

**شودر** شودر ہندو معاشرہ کا ذلیل ترین طبقہ تھا۔ ان کے لئے مندر، سکول، کنویں چشمے الگ اور مخصوص ہو گئے۔ وہ اس راہ پر نہیں چل سکتے تھے جس پر کسی ذات کا ہندو جا رہا ہو۔ اور نہ اسے وہ خوراک کھانے کا حق تھا جو اعلیٰ ذات کے ہندو کھاتے وہ اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے لئے گندے اور ادنیٰ کام کرتے تھے۔ عملاً وہ قدرت کی ہر اس شے سے محروم تھے جن پر اعلیٰ ذات کا ہندو اپنا پیدائشی حق جتاوے۔ اس پر زندگی کے تمام دروازے بند تھے۔ نہانا دھونا ان کے لئے ناممکن ہو گیا کیونکہ کنوؤں، چشموں پر اعلیٰ ذات کا ہندو قابض ہے۔

**شودر کے فرائض** منو لکھتا ہے۔ "لیکن شودر کا اعلیٰ ترین فرض یہ ہے کہ وہ ویدوں کے ماہر گھرست برہمنوں کی، جو تقوے میں مشہور ہیں، خدمت کرے اور یہی اس کی نجات کا ذریعہ ہے۔ (باب نہم ۳۳۴)

"برہمن کی خدمت کرنا شودر کے لئے نہایت قابل تعریف بات ہے اور اس کے سوا کسی اور چیز سے اسے اور کوئی اجر نہیں مل سکتا۔" (باب دہم ۱۲۳)

"شودر کو اگر موقع ملے تو اسے نہیں چاہیئے کہ مال و دولت جمع کرے کیونکہ شودر دولت جمع کر کے برہمنوں کو دکھ دیتا ہے۔" (باب دہم ۱۲۹)

**شودروں پر مظالم** شودر جس عضو سے برہمن کی ہتک کرے وہی عضو اس کا کاٹ دیا جائے۔ اگر برہمن کے برابر بیٹھ جائے تو کمر پر داغ لگا کر چٹ ملک سے باہر نکال دینا چاہیئے۔" (منو ۸: ۲۸۱ اتھر ۱۹: ۲۲: ۲۱، ۵: ۱۱: ۶)

"ویدستے پر دونوں کانوں میں سیسہ ڈال دو، پڑھنے میں زبان کاٹ دو۔ یاد کرنے پر اس دل کو چیر دو۔" ایمانسا کی شرح میں شنکر رامانج اور مادھوا چاریہ نے لکھا ہے)۔

"شودر کو نیک صلاح نہ دینی چاہیئے۔" (منو ۴: ۸۰ رگوید ۸: ۷۰: ۱۱، ۲: ۱۲: ۴ وغیرہ)

ہندو دھرم میں ذات پات ایک ایسا آہنی بندھن ہے کہ ہر ذات کا آدمی جس ذات میں جنم لیتا ہے مرتے دم تک اسی میں رہتا ہے۔ منو لکھتا ہے "نیچی ذات والا اونچی ذات والے کا اختیار کرے تو راجا اس کی دولت چھین کر اسے ملک سے نکال دے۔" (منو ۱۰: ۹۶، رگ وید

[1] تاریخ تمدن ہند ص ۲۲۴، ۲۲۵

۳ : ۵۳)

"اپنی ذات میں شادی جائز ہے۔" (منو ۳ : ۴۲ : ۳ : ۱۲ رگ وید ۱۰ : ۱۷ : ۲ نرکت ۲ : ۱۳)

سوامی دیانند بانی آریہ سماج لکھتے ہیں "مسلمان وغیرہ مذاہب ویدک دھرم میں آویں تو وہ جس ذات کے لائق ہوں اسی میں رہیں اور کھان پان وغیرہ معاملات بھی اپنی ذات والوں کے ساتھ کریں آریہ لوگ ان کے ساتھ یہ کام نہ کریں۔ اس میں کسی طرح کا نقصان نہیں ہوگا۔" (دستخط دیانند سرسوتی ۱۴ اپریل ۱۸۸۱ء)

## مسئلہ ذات پات کے بارہ میں ہندو راہنماؤں کی رائیں

ملک کی ترقی میں صرف ذات پات ہی رکاوٹ ہے جب تک اسے جڑ سے نہیں اکھاڑا جاتا ہمارے ملک کی نجات نہیں ہو سکتی۔" (ایم۔ سی راجا ممبر اسمبلی)

"ذات پات کی تفریق ہی ہمیشہ ہندوؤں کی تباہی کا باعث رہی ہے۔" (رزائن سوامی دہلی)۔

"سوسائٹی کے جسم میں ذات پات گھن کے کیڑے ہیں۔" (سردار ہری سنگھ ممبر اسمبلی)

"اگر ہم ہندو قوم کو دنیا میں زندہ رکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں سب سے پہلے ذات پات کو دور کرنا چاہیئے۔" (بہادر دھن بھوٹ ایم اے)

"اچھوت کہلانے والوں کی گراوٹ ہندوؤں کے لئے کلنک ہے۔" (ہردیال سنگھ ایم اے)

"ہندو قوم کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ذات پات کا مسئلہ یقیناً تباہی کا رستہ ہے۔" (لالہ لاجپت رائے ایم اے)

"جنم سے پیدا ہوئی اونچ نیچ جھوٹی اور غلط ہے، انسان سب برابر ہیں۔" (بھائی پرمانند ایم اے)

"میرے دل کا زخم اسی دن دور ہوگا کہ جب ذات پات کی تفریق دور ہوگی۔" (رام دیو بی اے پرنسپل گورو کل کانگڑی ہردوار)

نواکھالی میں گاندھی جی نے کہا "اگر ہندو دھرم نے زندہ رہنا تھا تو وہ ذات پات کے نیز ہوتا۔" (مہاتما گاندھی)

# قربانی

"یجن (قربانی) ویدوں کی روح ہے۔ یہ منتروں سے بھی زیادہ قدیم ہے کیونکہ منتروں کی بجا آوری کے لئے بنائے گئے۔" وشنو اور اندر نے یہ وسیلے جہان قربانی کے لئے بنایا[1] اور مخلوقات

---

[1] رگوید ہفتم ۹۹ : ۴۔

کے خداوند (پرجاپتی) نے شروع میں قربانی کو داخل کیا، جس کے وسیلے اس نے جہان کو بنایا۔ منو نے طوفان کے بعد کشتی سے اُتر کر پہلا یہی کام کیا کہ قربانی چڑھائی۔ "قربانی جہان کے پہیے کی دُھری ہے اور ساری چیزوں کے خلق کرنے کی قوت[1] یہ ازلی، ابدی اور عالمگیر ہے۔ دیوتا اور انسان دونوں قربانی چڑھاتے ہیں"[2]

**قربانی کی اقسام** :۔ ۱۔ پھلوں وغیرہ کی قربانی ۲ حیوانوں کی قربانی۔ ۳ سوم کی قربانی۔ چنانچہ یجنے ومسابر ہمامیں یہ ذکر ہے کہ پھلوں کی قربانی سے دینداروں نے اس جہان کو فتح کیا۔ حیوانوں کی قربانی کے ذریعہ وسطی جہان کو سوم کی قربانی کے ذریعہ اعلیٰ جہان کو۔

ایک چوتھی قسم کی قربانی بھی تھی جس میں کچھ پھل پھلواری اور کچھ گوشت ہوتا تھا، یہ خانگی قربانی کہلاتی تھی۔ کہتے ہیں کہ منو نے یہ چوتھی قسم کی قربانی یعنی پانچ یجن چڑھائی[3]

قربانی کے ذبح کرنے والوں کو یہ ہدایت ہوتی تھی کہ وہ جانوروں کو حتی الامکان کم تکلیف دیں۔

انسانی قربانی کا ذکر وید کے قدیم منتروں میں آیا ہے لیکن یہ انسانی قربانی عام نہیں تھی۔ رگوید کے دسویں منڈل کے نوے منتر میں پرش کا ذکر ہے، جس کے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے اور دیوتاؤں کے آگے اس کی قربانی چڑھائی گئی۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کی قربانی قدیم آریاؤں کو معلوم تھی۔

برہمنا میں انسانی قربانی کا ذکر بار بار آتا ہے۔ "سب کچھ انسانی قربانی ہے، سب کچھ حاصل کرنے کے لئے، سب کچھ پانے کے لئے"۔ "اس قربانی کے ذریعہ قربانی چڑھانے والا سب کچھ حاصل کرتا ہے"۔ "پرش نارائن ساری چیزوں پر سبقت لے گیا اور پرش میدھ کی قربانی کے ذریعہ سب کچھ ہو گیا۔ اس لئے کچھ تعجب نہیں کہ یہ کہا گیا[33] بے شک انسان قربانی کے جانوروں میں سے پہلا ہے[4] ستھ پتھ برہمنا کے مطابق کیا پرن سانکانیا وہ آخری شخص تھا جس نے انسانی قربانی کے لئے مذبح کھڑا کیا۔

**قربانی کے مقاصد** ۱۔ دیوتاؤں کو خوش کرنا۔

"کاش کہ یہ قربانیاں اسے خوش کریں[5]"، "کاش کہ ہم اپنی قربانی کے ذریعہ تجھے خوش کریں[6]"۔

جس دیوتا کے لئے جانور ذبح کیا جاتا وہ دیوتا خوش ہو جاتا (ستھ پتھ برہمنا اول ۹: ۱: ۳)

۲۔ قربانی چڑھانے والے کی خوشحالی۔

---

[1] رگوید اول ۶۴: ۴۔ [2] رگوید دہم ۸۲: ۹۰: ۱۳۰۔

[3] ستھ پتھ برہمنا اول ۸: ۱: ۷۔ [4] ستھ پتھ ہفتم ۲: ۱: ۱۸۔ [5] رگوید اول [6] رگوید ہشتم ۱۹: ۳۰

"کاش کہ کسی مرد ہمیشہ اقبال مند رہے جو قربانیوں اور تعریفوں کے ذریعہ ہمیشہ تجھے خوش کرتا رہتا ہے۔ کاش کہ اس کی سرگرم زندگی کے سارے دن اقبال مندی سے کٹیں اور اس کی قربانی اجر پیدا کرے۔" [1]

۳ خطاؤں کا دور ہونا:

جب قربانی کے جانور کو آگ کے لئے تیار کیا جاتا تو اس کو ان الفاظ سے مخاطب کیا جاتا: "جو خطائیں دیوتاؤں سے سرزد ہوئیں تو ان کو دور کرتا ہے۔ جو خطائیں تیروں سے سرزد ہوئیں تو ان کو دور کرتا ہے۔ جو خطائیں ہم سے ہوئیں تو ان کو دور کرتا ہے۔ جو خطائیں ہم سے دن کو یا رات کو سرزد ہوئیں تو ان کو دور کرتا ہے۔ جو خطائیں سوتے یا جاگتے سرزد ہوئیں تو ان کو دور کرتا ہے۔ جو خطائیں ہم سے دانستہ یا نادانستہ سرزد ہوئیں تو ان کو دور کرتا ہے۔ تو گناہ کا دور کرنے والا ہے۔" [2]

۴۔ مشکلات اور مصائب سے بچنا۔

"گناہ آلودہ نہیں کرتا، مشکلات حملہ نہیں کرتیں، نہ مصیبتیں اس شخص کو دکھ دیتی ہیں جس کی قربانی پر اندر اور ورُن حاضر ہوتے ہیں۔" [3]

**قربانی کی اقسام** ویدوں کی قربانیاں دو قسم کی تھیں: ۱۔ نتیا یعنی دائمی قربانیاں۔ یہ لازمی ہوتی تھیں۔ خاص اوقات اور موقع پر ان کو چڑھانا فرض تھا

۲۔ انتیا یعنی اختیاری قربانیاں۔ چڑھانے والے کی مرضی پر موقوف تھیں۔ کسی منت کے لئے یا کسی خواہش کے پورا ہونے پر۔

رگوید میں ذکر ہے کہ دن میں تین دفعہ دعائیں اور قربانیاں ادا کی جاتی تھیں۔ صبح، دوپہر اور تیسرے پہر کو۔ (رگوید سوئم ۲۸)

# اسلام میں قربانی کا تصوّر

اسلام نے انسانی قربانی کو بالکل موقوف کر دیا اور صرف جانور کی قربانی کو جائز قرار دیا۔

قربانی قربان سے مشتق ہے۔ لغت عرب میں قربانی کے یہ معنی ہیں: قرب الشئ قرباناً یہ چیز خوب قریب ہوئی۔

القربان بالضم ما تقرب الی اللّٰہ۔ قربان ضمہ (پیش) کے ساتھ جو اللہ کی طرف نزدیک کرے۔ وما تقرب بہ اور قربانی وہ ہے جس کے ذریعہ اللہ کے نزدیک ہو۔ القربان جلیس الملک وخاصتہ قربان بادشاہ کا جلیس اور اس کا خاص۔ ومنہ الصلوۃ قربان کل تقی اسی

---

[1] رگ وید چہارم ۱۷: ۴ [2] تانڈیا برہمنا رگ وید ہفتم ۸۲: ۷

محاورہ پر ہے کہ نماز ہر ایک متقی کے لئے قربان ہے۔

لغوی تشریح سے قربانی کا فلسفہ خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی قربانی وہ عمل ہے جس کے ذریعہ انسان اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے۔

اسلامی نقطہ نگاہ سے قربانی صرف کسی جانور کو ذبح کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ خواہشات نفسانی کی سرکش اونٹنی کو ذبح کرنے کا نام ہے۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں قربانی کے فلسفہ کو اس آیت کریمہ میں بیان کیا ہے لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (الحج ۲۲: ۳۷) یعنی اللہ تعالیٰ کو جانور کا گوشت اور اس کا خون نہیں پہنچتا بلکہ اللہ تعالیٰ کو تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے اور تقویٰ احکام الٰہی کے تابع زندگی بسر کرنے کا نام ہے۔

پس اسلام میں قربانی کا یہ تصور ہے کہ جس طرح جانور انسان کی چھری کے نیچے اپنی گردن رکھ دیتا ہے اور اس کا اپنا کوئی اختیار نہیں رہتا۔ اسی طرح انسان اللہ تعالیٰ کے احکام کے تابع اپنی زندگی بسر کرے اور انسان اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی کے تابع بنا لے۔

## دُعا یا تعریف

دنیا کے ہر مذہب میں دعا کا سراغ ملتا ہے۔ چنانچہ ویدوں میں بھی دیوتاؤں سے دعائیں مانگی گئی ہیں۔

"ان کے ذریعہ وہ اپنے سارے زبردست دشمنوں پر غالب آتا ہے۔"[1]

"دعا اور تعریف کے ذریعہ دیوتا خوش ہو جاتے ہیں اور ان کی قوت بڑھ جاتی ہے۔"[2]

"قابل پرستش اگنی کی بڑائی اپنے پرستاروں کے گیتوں، دعاؤں اور تعریفوں کے ذریعہ ہوتی ہے۔"[3]

ایک رشی نے وُرن کو مخاطب کر کے یوں کہا "اے وُرن تجھے خوش کرنے کے لئے ہم تیرے من کو منتروں سے باندھتے ہیں، جیسے گاڑی والا تھکے ہوئے گھوڑے کو۔" پھر ایک اور رشی نے یہ کہا کہ "دعا سب سے زیادہ سلاح ہے۔"[4]

## دُعا کے مقاصد

۱۔ گناہوں کی معافی۔

گناہوں کی معافی کے لئے دیوتاؤں سے دعائیں کی گئیں "اے وُرن اگر ہم نے اپنے کسی مرد یا دوست یا رفیق یا بھائی کی یا ہمسایہ یا گونگے شخص کا قصور کیا ہے تو تو اے وُرن اس کو ہم سے دور کر دے۔ اگر قمار بازوں کی طرح جو کھیل میں دھوکا دیتے ہیں ہم نے دانستہ یا نادانستہ قصور کیا تو تو اے وُرن ان سے ہم کو مخلصی دے جیسے کسی بندھوے کو آزاد کر دیتے ہیں تاکہ اے وُرن ہم تجھے عزیز سمجھیں۔"[5]

۲۔ مادی ضروریات کے لئے۔

---

[1] گوید دوم ۴۷: ۷ [2] گوید ہشتم ۱۳: ۱۲ [3] رگوید ہشتم ۱۲: ۱۹، ۲۲ [4] رگوید سوم ۵: ۲
[5] رگوید ششم ۷۵: ۱۹، ۸۵: ۷، ۸

ویدوں میں اور بھی دعائیں ہیں۔ جو فصلوں کی عمدگی، مویشیوں کی بہتات، گروؤں کو دودھ حاصل ہونا
ں کے ہاتھ سے فصلوں کو بچانا، بارشوں کا بروقت ہونا سے متعلق ہیں۔

# قرآن میں دُعا کی تعلیم

اسلام کی روح ہی دُعا ہے۔ کیونکہ دعا کے ذریعہ ہی انسان اللہ تعالےٰ کی ہستی
ل بصیرت حاصل کرتا ہے اور حق الیقین کے مقام پر پہنچتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ یعنی مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

قرآن مجید نے ویدوں کی تعلیم کے خلاف صرف اللہ تعالیٰ سے ہی دعا مانگنے کی تعلیم دی ہے، قرآن
میں آتا ہے۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا
كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ وَمَا دُعَاءُ الْكٰفِرِيْنَ
اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ (الرعد ۱۴)

یعنی دعا کرنے کے لائق وہی سچا خدا ہے جو ہر چیز پر قادر ہے اور جو لوگ اس کے سوا غیر کو
پکارتے ہیں وہ کچھ بھی ان کو جواب نہیں دے سکتے۔ ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسا کوئی پانی کی طرف
ہتھ پھیلا دے تاکہ اس کے منہ تک پہنچ جائے لیکن وہ پانی اس کے منہ تک نہیں پہنچ سکے گا۔ جو لوگ اللہ
کے سوا اوروں سے دعا کرنے والے ہیں وہ اللہ سے بالکل بے خبر ہیں، ان کی تمام دعائیں باطل ہیں۔

قرآن مجید نے دعا کے قبول ہونے کے لئے تین شرطیں بیان کی ہیں:

۱۔ دعا صرف خدا سے کی جائے۔ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ

۲۔ خدائی احکام پر عمل کیا جائے۔ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ

۳۔ خدا پر صحیح ایمان ہو۔ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ (البقرہ ۲: ۱۸۶)

**دو رزمیہ نظمیں** ہندو حماسہ سرائی کی دو مشہور و معروف نظمیں مہا بھارت اور رامائن ہیں۔ یہ دونوں نظمیں اس دور کی آریائی تہذیب کی تاریخ ہیں۔

اس بات میں شدید اختلاف ہے کہ ان میں سے کون سی کتاب قدیم ہے۔ اکثر فضلا کا یہ خیال ہے کہ مہا بھارت رامائن سے ایک صدی پہلے تصنیف ہوئی۔

**مہا بھارت** زمانۂ تالیف: ہندو لٹریچر میں مہا بھارت سب سے طویل تالیف ہے ان میں دو لاکھ پندرہ ہزار اشعار ہیں۔ اگر جلدوں میں اس کو تقسیم کیا جائے تو پانچ پانچ سو صفحات پر مشتمل پندرہ جلدیں ہوں گی۔ ان کے مصنف مختلف زمانوں میں مختلف

ہیں، اس کا ایک مؤلف نہیں ہے۔ اس وجہ سے اس کا زمانۂ تالیف معین کرنا مشکل ہے۔ تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں آخری الحاق اور اضافہ تیسری صدی عیسوی کے بعد کا ہے۔

## مہابھارت کی کہانی

لفظ مہابھارت کے معنی خاندان بھارت کی تاریخ کے ہیں۔ اس تالیف میں کوروؤں اور پانڈوں کی باہمی جنگ کا ذکر ہے۔ ہستناپور جو دہلی کے قریب تھا اس میں چندر بنسی خاندان کے دو گھرانے کورو اور پانڈو بستے تھے۔ کورو سو بھائی تھے جن کا رئیس دریودھن تھا۔ یہ سب دھرت راشٹر کے بیٹے تھے۔ پانڈو کے پانچ بیٹے تھے۔ یودھشٹر، بھیم، ارجن، نکل اور سہدیو (جو پانڈو کہلائے) پانڈو ہستناپور کا راجہ تھا لیکن وہ جلد ہی راہی ملکِ بقا ہوا اور بڑے بیٹے نابینا یودھشٹر کے ہاتھ میں عنان حکومت آئی۔ کوروؤں اور پانڈوؤں میں پرانی رقابت چلی آ رہی تھی۔ پانڈو کو دارالحکومت سے نکال دیا گیا۔ تمام ملک میں پھرتے رہے اور مختلف قبائل سے استمداد کرتے رہے۔ ایک بھائی نے پنچال کے راجہ کی لڑکی دروپدی کو بہت سے رقبوں کے بیچ میں سے کمان کو ختم کر کے جیت لیا اور وہ پانچوں بھائیوں کی مشترک بیوی بن گئی۔

جلاوطنی سے لوٹ کر پانڈوؤں نے ایک الگ شہر آباد کیا۔ دریودھن کی آتشِ رقابت بھڑک اٹھی اور ان کو تباہ و برباد کرنے کے لئے جوا کھیلنے کی سکیم سوچی۔ جوئے کی بازی میں پانڈو اپنی سلطنت، مال و دولت وغیرہ ہار گئے۔ حتیٰ کہ دروپدی کو بھی ہار گئے۔ پھر ان کو اپنے شہر سے نکلنا پڑا۔ چونکہ جوئے کی بازی میں ان سے دھوکا ہوا تھا۔ اور ان کی بیوی دروپدی کو بھرے مجمع میں ذلیل و خوار کیا گیا تھا سب بھائی مفلسی کی حالت میں دروپدی کو لے کر صحراؤں میں پھرنے گھومنے لگے۔ بھیم نے یہ عہد کیا کہ وہ کوروؤں شہزادوں کا خون پی کر اپنی آتشِ غضب کو بجھائے گا۔ فریقین اپنے اپنے حلیف اور مددگار تلاش کرتے ہیں۔ آخر کار کشیتر کے میدان میں اٹھارہ دن کی خون ریز لڑائی میں تمام کوروؤں شہزادے مارے گئے۔ یودھشٹر نے کورو دیش کا تخت حاصل کیا۔ بتایا جاتا ہے کہ اس جنگ میں ہندوستان کے تمام راجے شریک ہوئے تھے۔ اور اس نے ہند قدیم کے تمدن کو تباہ کر دیا۔ دراصل یہ بھارت اور پنچالہ قوموں کے درمیان ایک جنگ تھی جس کا زمانہ ۱۵۰۰ اور ۱۰۰۰ کے درمیان مانا جاتا ہے۔

## مہابھارت کا ہندوؤں میں مذہبی مقام

ہندو لٹریچر میں مہابھارت کا بہت بلند مقام ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دیوتاؤں کے سامنے چاروں ویدوں کو ایک پلہ میں اور مہابھارت کو دوسرے پلہ میں رکھا گیا اور فیصلہ یہ ہوا کہ مہابھارت کا پلہ بھاری ہے۔ ہندوؤں کا یہ نظریہ ہے کہ جو کوئی اس کتاب کا ایک حصہ بھی پڑھ لے تو اس کے تمام گناہ دھل جاتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب آسمان پر تالیف ہوئی اور اس کو انسانی ضابطۂ حیات کے طور پر زمین پر بھیجا گیا۔

## رامائن

رامائن کئی صدی قبل مسیح تالیف ہوئی۔ اس میں چوبیس ہزار اشعار ہیں جو سات حصوں

ہیں منقسم ہیں دوسرے حصے سے لے کر چھٹے حصہ تک راجہ چندر جی کو ایک بہادر انسان کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ ہندوؤں کے اعتقاد کے مطابق رامائن کے مصنف وشنو ہیں۔ تمام مورخین کے مطابق یہ حصے والمیکی کے تصنیف کردہ ہیں۔ جن کا زمانہ کم از کم چھٹی صدی ق۔م تھا۔ پہلے اور ساتویں حصے میں رام چندر جی کو خدا (وشنو) کا اوتار مانا ہے۔ انہیں غالباً بعض دوسرے مصنفین نے دوسری صدی ق۔م میں اضافہ کیا رامائن مغربی بنگال اور بہار کی مذہبی روایات کو ظاہر کرتی ہے۔ اس کے دوسرے حصہ کی روایات جنوبی ہند میں برہمنیت کی توسیع اور اشاعت کے متعلق ہیں۔

ہندوؤں میں اس کتاب کا پڑھنا ثواب کا موجب ہے۔ جو لوگ سنسکرات سے نابلد ہیں وہ ہندی میں رامائن پڑھتے ہیں۔ جسے گوسائیں تلسی داس جی نے اکبر کے دور میں لکھا گیا۔ اس کا پورا نام رام چرترمانس ہے

**رامائن کی کہانی** رامائن میں سری رام چندر جی کی ان لڑائیوں کا ذکر ہے جو انہوں نے لنکا کے راکشس بادشاہ راون سے اپنی بیوی سیتا جی کو چھڑانے کے لئے لڑی تھیں۔

اجودھیا کے راجہ دسرتھ کی تین بیویاں تھیں۔ کوشلیا، کیکئی اور سمترا۔ کوشلیا سے رام چندر جی، کیکئی سے بھرت اور سمترا سے لکشمن اور ستروہن پیدا ہوئے۔ رام چندر جی کی شادی ودیھ کے راجہ جنک کی لڑکی سیتا جی سے ہوئی۔ چونکہ رام چندر جی سب سے بڑے اور ذہین اور رموز سلطنت سے واقف شہزادے تھے۔ اس لئے راجہ دسرتھ نے اسے اپنا ولی عہد بنایا کیا۔ رام چندر جی کو اپنی سوتیلی ماں کیکئی کی سازشوں کی بنا پر جلاوطن ہونا پڑا اور کیکئی نے اپنے خاوند دسرتھ سے اپنے بیٹے بھرت کے لئے تخت حاصل کر لیا۔ رام چندر جی اپنے بھائی لکشمن اور اپنی بیوی سیتا کو لے کر جنگل میں چلے گئے۔ وہاں راون کی بہن سوپنکھا تھی، وہ رام چندر جی پر عاشق ہو گئی اور سیتا جی کو تباہ و برباد کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن رام چندر جی اور لکشمن نے اسے دور کیا اور اس کی ناک اور کان کاٹ لئے۔ آتش انتقام کو بجھانے کے لئے چالیس ہزار راکشسوں کی فوج رام چندر جی پر لے آئی۔ لیکن رام چندر جی کے مقابل پر ناکام و نامراد رہی۔ تب وہ اپنے بھائی راون کے پاس گئی اور سیتا کو اٹھا لے جانے کی خواہش کی۔ راون سیتا کو اٹھا لے گیا۔ رام نے ہنومان کی مدد سے جو بندروں کا بادشاہ تھا اسے آزاد کرایا اور راون کو شکست دی۔ آج بھی اس واقعہ کی یاد میں دسہرے کا تہوار بنایا جاتا ہے۔

ان دونوں رزمیہ نظموں میں ایسے ایسے خلاف عقل اور خلاف قیاس واقعات بیان کیے گئے ہیں جن کو پڑھ کر انسان خیالاتی دنیا میں چلا جاتا ہے۔ دراصل یہ دونوں نظمیں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ نیکی اور برائی ہمیشہ ایک دوسرے سے برسرپیکار چلی آرہی ہیں۔ اور انجام کار نیکی غالب آتی ہے۔

ہندوؤں کے نزدیک رام چندر جی نیکی، شرافت اور فرزندانہ اطاعت میں ایک مثالی انسان

ہیں اور رام راج ایک مثالی حکومت کا نمونہ ہے سیتا اطاعت شوہر کی بنا پر ایک مثالی بیوی ہے، لکشمن وفادار بھائی اور ہنومان اطاعت گزاری کی علامت ہیں۔

## اپنشد

موضوع :۔ اپنشد کا موضوع روح (آتمن) خدا (برہمن) اور نیچر ہے۔

مقام۔ ویدوں کے بعد دوسرے درجہ کی کتابیں اپنشد ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک ان کا درجہ ویدوں سے بڑھا ہوا ہے[1] خود اپنشدوں کو بھی ویدوں پر فضیلت کا ادعا ہے[2] اپنشد کے معنی ہیں قریب بیٹھنا۔ ذہین شاگرد معلم کے نزدیک بیٹھتے تھے۔ وہ ان کے سامنے فلسفہ اور رازداری کے خطبات بیان کرتے تھے۔ یہ وہ فلسفیانہ خطبات ہیں جو گروؤں نے اپنے ہونہار ذہین فطین شاگردوں کو دیئے تھے۔ یہ خطبات ۸۰۰ ق م اور ۵۰۰ ق م کے مابین مرتب ہوئے۔ ان میں ۱۰۸ خطبے ہیں جو مختلف استادوں کے بیان کردہ ہیں۔ سب سے بڑا یجنوالکی (YAJNAVALKYA) مردوں میں اور گرگی (GARGI) عورتوں میں ہوئے ہیں۔

یجنوالکی نے دنیا کے مصائب سے گھبرا کر گھر بار چھوڑ دیا۔ اس کا فلسفہ جرمنی کے فلاسفر شوپنہا (SCHOPEN HAUR) کی قنوطیت سے بھی زیادہ بڑھ کر ہے۔[3]

اپنشدوں کا خدا :۔ اپنشدوں کا خدا شخصی (سگن) بھی ہے اور غیر شخصی (نرگن) بھی۔ پہلی صورت میں وہ کائنات کا خالق، مالک، رب، حاکم اور تباہ کرنے والا ہے دنیا والوں کی قسمت اسی کے اختیار میں ہے وہ نیکوکاروں کو جزا اور بدکاروں کو سزا دیتا ہے۔

ایک نقطہ نگاہ یہ بھی ہے کہ چونکہ خدا ہر چیز پر سمایا ہوا (انتریامی) ہے اس لئے اس کا جسم تمام اجسام کا مجموعہ ہے اس کا دماغ تمام دماغوں کا مجموعہ ہے سب کے ہاتھوں سے وہ کام کرتا ہے سب کے پیروں سے وہ چلتا ہے سب کی آنکھوں سے وہ دیکھتا ہے اور سب کے کانوں سے وہ سنتا ہے۔ دوسری صورت یعنی خدا کا غیر شخصی ہونے کا اندازہ اس اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے۔ "نہ وہ کثیر ہے۔ نہ دقیق نہ وہ خفیف ہے نہ طویل، نہ وہ آگ کی طرح سرخ ہے نہ پانی کی طرح سیال، اس کا سایہ نہیں ہے اس میں تاریکی نہیں ہے۔ وہ بغیر ہوا، بغیر تعلق کے، بغیر ذائقہ کے بغیر لوک کے، بغیر آنکھوں کے بغیر گویائی کے بغیر دماغ کے بغیر سانس کے، بغیر دہانہ کے، بغیر ناپ کے اور بغیر ظاہر و باطن کے ہے۔" (برہدارنیک ۳-۳-۸) اس طرح آریائی فلاسفہ نے خدا کو تمام صفات سے معرا کر دیا بظاہر دونوں صورتوں میں تضاد نظر آتا ہے۔

---

[1] راجہ موہن رائے کے لیکچرز [2] منڈک اپنشد منڈک اول کھنڈ امنتر ۶، ۴ چھاندوگیہ اپنشد پہ پاٹھک ۷، کھنڈ ۱، ۲ پشتتہ برہمن کانڈ ۱۰ ادھیاء ۳ برہمن ۵ کھنڈ ۱۲

[3] R.E. HUME : THE THIRTEEN PRINCIPALS UPANISHADS OXFORD U. P.

لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب ہم اپنے آپ کو مجسم اور محدود سمجھتے ہیں۔ اس وقت خدا شخصی ہے اور جب ہم ریاضت اور مجاہدات سے دنیاوی الائشوں سے پاک ہوجاتے ہیں اور خدا کی صفات میں رنگین ہوجاتے ہیں اس طرح اپنی شخصیت کے حدود سے باہر نکل جاتے ہیں تو شخصی خدا اور مادی دنیا ہمارے لئے غائب ہو جاتی ہے تو ہم اور خدا ایک ہوجاتے ہیں۔ دوئی کے پردے چاک ہوجاتے ہیں۔ روح اور خدا ایک ہو جاتے ہیں۔

پیدائش عالم: تخلیق کائنات کے بارے میں اپنشد ایک خاص نظریہ رکھتے ہیں۔ اپنشدوں کا خالق کسی مادی مادے سے دنیا کو نہیں پیدا کرتا بلکہ خود اپنے اندر سے پیدا کرتا ہے۔

"جس طرح مکڑی جالا بنتی ہے جس طرح کہ پودے زمین سے اُگتے ہیں۔ اسی طرح یہ سب کچھ جو یہاں ہے اس غیر فانی سے نکلا ہے۔" (منڈک ۱-۱-۷)

"جیسے چھوٹی چھوٹی چنگاریاں آگ سے اڑتی ہیں اسی طرح آتمن سے تمام عالمین، دیوتا، ارواح انسانی اور کل زندہ مخلوقات برآمد ہوئی ہیں (بریہد ۲-۱-۲۰)

اپنشد کا پہلا سبق یہ ہے کہ انسان کا ذہن محدود ہے۔ اس کی مدد سے حق تک رسائی نہیں ہوسکتی کمزور دماغ جس میں ذرا سی ہوا اور خوراک کی تبدیلی سے درد پیدا ہوجاتا ہے کس طرح حقیقت لامحدود کو سمجھ جس کا یہ ایک بہت ہی چھوٹا حصہ ہے معلوم کرسکتا ہے۔ دوسری شے جس کی مدد سے وہ حقیقت کو سمجھ سکتا ہے وہ آتما ہے۔ آتما تمام روحوں کی روح ہے۔ وہ مراقبہ سے ملتی ہے۔ اس کے لئے انسان کو اپنے جسم اور ظاہری حواس پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے بلکہ پندرہ دن تک برت رکھے۔ صرف پانی پر گزارہ کرے اور کچھ نہ کھائے۔ اس طرح دماغ کو امن ہوگا اور خاموش رہنے کی عادت پیدا ہوجائے گی۔ اس میں طہارت پیدا ہوجائے گی اور جذبات نفسانی کی سرکش اونٹنی ذبح ہوجائے گی۔ اس مراقبہ کی حالت میں روح اپنے تئیں محسوس کرتی ہے اور اس بڑی روح کو سمجھتی ہے جس کا یہ خود ایک جزو ہے۔ آخر کار انسان کی شخصیت فنا ہوجاتی ہے اور وحدانیت اور حقیقت اس کے سامنے آشکار ہوجاتی ہے۔[1]

ہندو فلاسفی کا دوسرا قدم براہمہ ہے۔ یہ تمام کائنات کی روح اعظم ہے جو ساری کائنات پر مستولی ہے۔ نہ مذکر ہے نہ مؤنث۔ بغیر جسم و شخصیت کے سب کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ تمام کائنات کی ہستی اس میں ہے۔ یہی پوشیدہ حقیقت ہے۔ نہ پیدا ہوئی نہ مرے گی اور نہ کبھی کمزور ہوگی۔ یہ وہ قوت عظیم ہے جو

---

[1] KATHA UPANISHAD IV, 1-11-24 : CHANDOGYA VI. 7.
RADAHA KRISHNAN:- INDIAN PHILOSOPHY VOL. L. PP. 145—151

تمام طاقتوں اور خداؤں پر غالب ہے۔

اس فلسفہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ برا ہمر تمام کائنات کی روح تو ہے لیکن نہ وہ کسی کو بخش سکتی ہے نہ کسی کو سزا دے سکتی ہے۔ تمام انسان اپنے گناہوں کی پاداش میں اس دنیا میں بار بار جنم لیتے ہیں۔

اس فلسفہ کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ آتما اور برا ہمر ایک ہی ہیں۔ جو ہمارے اندر قوت ہے، جس کو ہم نے روح الارواح کہا ہے وہ وہی ہے جو روح کائنات ہے۔ گویا خدا اور انسانیت کی ماہیت اور حقیقت ایک ہے۔ ارشاد ہوتا ہے "جو (اپنے سوا) دوسرے معبود کی پرستش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ ایک ہے اور میں دوسرا ہوں وہ شخص عقل مند نہیں"۔ (برہدا-۴-۱۰) جو یہ کہتا ہے کہ "خدا ہے" اس کے سامنے پردہ ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ میں "خدا ہوں" اس نے خدا کی معرفت حاصل کر لی۔ اس لئے انسان کو اپنی ذات کے بارے میں سوچنا چاہیے "دراصل جس نے اپنے نفس کو دیکھ لیا سن لیا، سمجھ لیا اور جان لیا اس نے سارے عالم کو جان لیا"۔

قرآن مجید کے نزدیک خالق مخلوق، عابد معبود کی ماہیت ایک نہیں ہو سکتی۔ اپنشد روح اور مادے میں تفریق نہیں کرتے۔ ان کے مطابق علت اولی روح ہی ہے "یہ سب روح پر مبنی ہے روح کائنات کی بنیاد ہے روح برہمن ہے"۔

## فلسفہ اپنشد کے نقطہ نگاہ سے نجات

بادشاہ جنک نے یجنوالکی سے پوچھا کہ بار بار پیدائش سے انسان کس طرح نجات حاصل کر سکتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ریاضت اور مجاہدات سے تمام خواہشات نفسانیہ کو کچل کر اپنے تئیں روح کائنات کے اندر مدغم کیا جا سکتا ہے۔

فلسفہ اپنشد اسلامی فلسفہ نجات کے بالکل خلاف ہے۔ اسلام کے نزدیک انسانی روح طہارت کی جتنی بھی منزلیں طے کر لے لیکن وہ حلقہ بشریت سے باہر نکل نہیں سکتی اور اس کا حلول اللہ کے اندر نہیں ہو سکتا۔ ارشاد الٰہی ہے۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي (الفجر ۸۹: ۲۷ تا ۳۰) اے اطمینان پانے والی جان! اپنے رب کی طرف لوٹ آ۔ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی، سو میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ انسانی روح خواہ کتنی پاکیزہ ہو جائے وہ خدا میں حلول نہیں کر سکتی۔ وہ بندوں میں ہی میں شامل رہے گی۔ ہاں پاکیزگی کی وجہ سے اس کو ہمیشہ کا آرام اور سکھ مل جائے گا۔

## پران

پران کے معنی قدیم کے ہیں۔ ہندوؤں میں مستند اور سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتابیں ہیں۔ وید جس قدر کم یاب اور غیر الفہم ہیں، پران اسی قدر زیادہ دستیاب

اور سہل الفہم ہیں۔ پران تعداد میں اٹھارہ ہیں، ان میں آٹھ لاکھ سے زیادہ اشعار ہیں۔

## پرانوں کی قدامت

ویدوں کے مطالعہ سے یہ علم ہوتا ہے کہ یہ کتابیں ویدوں سے بھی زیادہ قدیم ہیں۔ چنانچہ اتھروید کانڈ ۱۱ سوکت ۷، منتر ۲۴ میں لکھا ہے: "باقی بچے ہوئے (خدایا قربانی) اسے رگ، سام، اتھروا اور پران مع یجروید ظاہر ہوئے"۔ اسی طرح اتھروید کانڈ ۵ سوکت ۶ منتر ۱۲ میں لکھا ہے: "اس کے (طالب علم کے) پیچھے تاریخ، پران، گاتھا اور نارا شنسی چلے۔ رگوید میں بھی یگیہ پڑھے جانے والے پران کا ذکر کیا ہے، منڈل ۱۰ سوکت ۹۰ منتر ۶ میں لکھا ہے: "پران یگیہ کے ذریعہ ہمارے بزرگ رشی بنائے گئے"۔ چھاندوگیہ اپنشد پراپاٹھک ۷، کھنڈ ۱، ۲ میں بھی پرانوں کا ذکر ہے۔ ان حوالہ جات سے ظاہر ہوتا ہے کہ پران ویدوں سے زیادہ قدیم ہیں۔

جہاں پرانوں کی قدامت ویدوں سے ثابت ہے وہاں یہ بھی واضح ہے کہ مختلف اوقات میں متفرق لوگوں نے اس میں اضافے کئے۔ چنانچہ پرانوں میں سولہویں صدی عیسوی کے اثرات پائے جاتے ہیں۔[1]

گپت سامراج کے زوال کے بعد بھی ان کی اصلاح کی گئی ہے اور ان میں مزید مضامین شامل کرنے کا فیصلہ ہوا۔

## نفس مضمون

پرانوں میں آریہ نسل کے ابتدائی قبائل، کائنات کی ابتدا، اس کا درجہ بدرجہ ترقی کرنا پھر پردہ فنا میں جانا، ہندوؤں کی قابل پرستش ہستیوں کے واقعات زندگی اور افسانے، حکومتی خاندانوں کی تاریخیں بیان ہوئی ہیں۔ اس میں فرقہ وارانہ مباحث بھی موجود ہیں، ہر فرقہ اپنے دیوتا کی فضیلت اور برتری ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

سنسکرت کے مشہور عالم بہلر کے مطابق یہ فرقہ دار از دیومالا، فلسفہ، تاریخ اور مذہبی قوانین کے مجموعے ہیں اور یہ جاہل عوام کے لئے اور شودروں کے اعلیٰ طبقات کے لئے لکھی گئی تھیں۔[2]

## تخلیق کائنات

کائنات کی تخلیق کے متعلق پران یہ بتاتے ہیں کہ براہما نے ایک انڈا دیا۔ پھر اس پر خود بیٹھا اور مرغی کی طرح بیٹھ کر بچہ نکالا، وہ کائنات ہے۔ دنیا کے کئی دور ہیں۔ ہر ایک دور ایک ہزار مہاجگ یا مہایوگ کا ہوتا ہے اور ہر ایک مہاجگ ۴۳۲۰۰۰ سال کا ہوتا ہے گویا دنیا کا ایک دور ۴۳۲۰۰۰۰۰۰ سال یعنی ۴ ارب ۳۲ کروڑ سالوں کا ہوا۔ دنیا کے ایسے کئی دور گذر چکے ہیں۔ دنیا بالکل پردہ عدم میں نہیں جائے گی۔ ہر ایک مہایوگ میں چار یوگ یا چار جگ ہوتے ہیں جن میں بنی نوع انسان درجہ بدرجہ تنزل کی طرف جاتی رہی ہے موجودہ مہایوگ میں تین یوگ گزر چکے ہیں۔ جن کے ۱۸۸۸۸۸۸ سال ہوئے۔ ہم چوتھے جگ میں گذر رہے ہیں اور ۴۲۶۹۶۵ سال مزید باقی ہیں۔

---

[1] بنی پرشاد باب ہفتم اور اے جی رالسن انیشینٹ انڈیا باب پنجم

[2] لاز آف منو منقولہ وی اے اسمتھ آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا ص ۳۳

پرانوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ تخلیق کائنات کا کوئی خاص مقصد نہیں۔ ایک مہایوگ کا فنا ہو جانا ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک چوہے کا مر جانا، اس سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں۔

# قانون کی کتابیں

ہندوؤں کے مجموعہ قوانین کو دھرم ستر اور دھرم شاستر کہتے ہیں، ان میں سے منوسمرتی نے ہندو معاشرے پر نہایت ہی گہرا اثر ڈالا۔

لفظ دھرم جس کا ترجمہ قانون کیا جاتا ہے اصل میں اس سے زیادہ وسیع مفہوم کا حامل ہے۔ مثال کے طور پر دستروں میں خاندانی فرائض خصوصاً مذہبی اور اخلاقی قوانین درج ہیں۔ "دھرم ستر انفرادی اور اجتماعی زندگی کا تذکرہ ساتھ ساتھ کرتے ہیں۔ وہ خاندانی رسوم کی اہمیت جتاتے ہیں لیکن فوراً ہی سماجی رسم و رواج، قانون اور حکومت کی طرف رجوع کرتے ہیں"[1]

اس کے برعکس دھرم شاستر میں صرف قانون ہی موضوع ہے۔

منو کا مجموعہ قوانین جدید ہندو قانون کی اساس ہے۔ ستر اسن عیسوی سے پہلے تصنیف ہوئے اور شاستر سن عیسوی کی پہلی صدی میں مرتب ہوئے۔

## منو کا قانون

منو کو شمل خاندان سے بادشاہ تھا۔ اس نے ہندو قوم کے لئے ۸۰۰ قبل مسیح میں قانون وضع کیا، اسے منوسمرتی کہتے ہیں۔

منو کے قانون پر بحث کرنے سے پہلے اچھے قانون کی خصوصیات بیان کرنا ضروری ہے تاکہ یہ آسانی سے معلوم کیا جا سکے کہ آیا منو کے قانون میں ایک اچھے قانون کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

۱۔ اچھا قانون انسانی فطرت کے مطابق ہوتا ہے۔
۲۔ اس کی بنیاد انصاف، مساوات اور انسانی عظمت پر ہوتی ہے۔
۳۔ عقل کے معیار پر پورا اترتا ہے۔
۴۔ معاشرہ کے ہر طبقہ کے انسانوں کے حقوق کی نگہداشت ہوتی ہے۔
۵۔ اس میں لچک ہوتی ہے تاکہ اس کو عصری تقاضوں کے مطابق ڈھالا جا سکے۔

## معاشرہ کی درجہ بندی

منو نے تمام معاشرے کو درجہ بندی کے ساتھ چار ذاتوں میں تقسیم کیا ہے: سب سے افضل برہمن، پھر کشتری، اس کے بعد ویش اور پھر شودر کا درجہ ہے۔ پھر ہر ذات کے لئے الگ الگ فرائض مقرر کئے ہیں۔ ان

---

[1] بینی پرشاد تھیوری آف گورنمنٹ اِن انیشینٹ انڈیا ص ۱۵۸۔

چار ذاتوں میں شودر نہایت ہی ذلیل و رذیل ہے۔

ویش کا کام کھیتی کرنا، سود لینا، چارپایہ کی پرورش کرنا۔ یہ سب کام ویش سے کرائے جائیں۔ برہمن، کشتری اور ویش کی سیوا شودروں سے کرائی جائے۔ ۸/۴۱۰

برہما نے شودر کو برہمنوں کی خدمت کے واسطے بنایا ہے، اس لئے خواہ شودر ہو یا غلام ہو اس سے کام برابر لینا چاہیئے۔ ۸/۴۱۲

برہمنوں کے لئے وید کی تعلیم اور خود اپنے لئے اور دوسروں کے لئے دیوتاؤں کو چڑھاوے دینا اور دان لینے دینے کا فرض قرار دیا ہے (باب۔ اول)

چھتری کو اس نے حکم دیا ہے کہ خلقت کی حفاظت کرے، دان دے، چڑھاوے چڑھائے وید پڑھے اور شہوات نفسانی میں نہ پڑے۔ (باب اول ۸۹)

## شودروں پر مظالم

شودر جس عضو سے برہمن کی ہتک کرے وہی عضو اس کا کاٹ دیا جائے۔ اگر برہمن کے برابر بیٹھ جائے تو کمر پر داغ لگا کر، چوتڑ کٹوا کر ملک سے باہر نکال دینا چاہیئے (منو ۸: ۲۸۱)

شودر کو نیک صلاح نہ دینی چاہیئے۔ (منو ۴: ۸۰)

## شادی میں تفریق

نیچی قوم کی عورت اوپر کی قوم کے مرد سے اوپر کی قوم کی عورت نیچی قوم کے مرد سے شادی نہیں کر سکتی۔

اپنی ذات سے اونچی ذات کو چاہنے والی کنیا (دختر) تھوڑا ڈنڈ بھی نہیں پا سکتی۔ اور اپنی ذات سے نیچی ذات کو چاہنے والی کنیا کو گھر میں نہیں رکھنا چاہیئے (۸/۳۶۵)

اونچی ذات کی کنیا، خراد خواہش کرنے والی ہے یا نہ کرنے والی ہے، رذیل آدمی سے جماع وغیرہ کرے تو ذات کے تفاوت کی وجہ سے اس آدمی کا عضو تناسل قطع کر دینا چاہیئے۔ مگر خواہش کرنے والی ہم قوم سے جماع کرنے والا شخص سزا کے لائق نہیں ہوتا، اور اگر اس کنیا کا باپ راضی ہو تو اس کو کچھ معاوضہ دے کر شادی کر لے۔ (۸/۳۶۶)

## غلامی

منو کے قانون میں غلاموں کی آٹھ قسمیں ہیں۔

۱۔ لڑائی میں فتح کیا ہوا۔ ۲۔ خوراک پر غلامی منظور کرنے والا۔ ۳۔ کسی جرم کے عوض غلامی قبول کرنے والا۔ ۴۔ گھر کی داسی سے پیدا ہوا۔ ۵۔ خرید کیا ہوا۔ ۶۔ ان میں سے ملا ہوا۔ ۷۔ بزرگ سے وراثت میں ملا ہوا۔ ۸۔ بھگت یہ سب داس ہیں۔

برہمن داس شودر سے دولت لے لیوے، اس میں کچھ بچا نہ رکھے کیونکہ وہ دولت کچھ اس کی ملکیت نہیں ہے، وہ بے زر ہے۔ جو دولت فراہم کرے اس دولت کا مالک اس کا سوامی ہے۔ ۸/۴۱۷

قرآن مجید پہلی وہ آسمانی کتاب ہے جس نے ہر قسم کی غلامی سے آزادی کا اعلان فرمایا۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ (البلد ۹۰: ۱۱: ۱۳)
سو وہ اونچی گھاٹی پر چڑھنے کی ہمت نہیں کرتا اور تجھے کیا خبر کہ اونچی گھاٹی کیا ہے: کسی گردن کا آزاد کرنا۔
اس آیت کریمہ میں اونچی گھاٹی سے مراد گردنوں کا آزاد کرنا ہے۔ گویا قرآن مجید انسانوں کو آزادی کی بلند گھاٹی پر چڑھانے آیا ہے جس پر وہ اب تک نہیں چڑھا تھا تاکہ وہ آزادی کے رفیع مقام پر چڑھ کر شرف انسانیت کو حاصل کرلے۔

حدیث میں آتا ہے۔ براء بن عازب سے روایت ہے کہ ایک اعرابی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: یارسول اللہ! مجھے آپ کوئی ایسا عمل بتائیں کہ بس میں اس سے سیدھا جنت میں چلا جاؤں۔ آپؐ نے فرمایا: "تم نے لفظ تو مختصر کہے ہیں مگر بات بہت بڑی پوچھی ہے تم ایسا کرو کہ غلام آزاد کرو اور اگر خود اکیلے آزاد نہ کرسکو تو دوسروں کے ساتھ مل کر آزاد کرو۔"
قرآن مجید نے جنگی قیدیوں کے متعلق یہ تعلیم دی: فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً (محمد ۴۷: ۴) جنگی قیدیوں کو احسان کے طور پر چھوڑ دو یا مناسب فدیہ لے کر۔
مصر کے منتصب عیسائی مصنف جرجی زیدان نے لکھا ہے کہ اسلام غلاموں کے حق میں رحمت ہو کر آیا۔

## وراثت

وراثت کے متعلق بھی منو کا قانون عقل، فطرت اور عدل کے خلاف ہے۔
منوسمرتی میں لکھا ہے: ماں باپ کی تمام دولت بڑا بیٹا لے۔ چھوٹا اور منجھلا بھائی سب بڑے بھائی سے اوقات گزاری کریں جس طرح والدین سے پرورش پاتے تھے۔ (۹/۱۰۲)
قرآن مجید میں آتا ہے۔ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ (نساء ۴: ۱۱) اللہ تم کو تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ ہر مرد کا دو عورتوں کے برابر حصہ ہے۔ یعنی ہر دو حصے اور بیٹی ایک حصہ لے۔

باپ اور بھائی دولت کو نہیں پاتے بیٹا ہی دولت پاتا ہے بیٹا نہ ہو تو باپ اور بھائی دولت کو پاتے ہیں۔ (۹/۱۸۳)
اگر بیٹا لاولد مر گیا ہے تو اس کی ماں اس کی دولت لے (۹/۲۱۵)
اسلامی قانون میں بیٹا پوتا خواہ کتنا ہی نیچے درجہ میں ہوں اگر ان میں سے کوئی موجود ہے تو باپ کا ہر حصہ ہے اور ماں کا بھی ہر حصہ ہے بیٹا یا پوتا اسے محروم نہیں کرتے۔
وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ (النساء ۴: ۱۱)
اگر اولاد ہے تو ماں باپ میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے۔
جو شخص بیٹا نہیں رکھتا اس کی تمام دولت نانی پائے اور دو بیٹوں سے ایک باپ کو ایک نانا کو (۹/۱۳۰)

اسلامی قانون میں لاولد مرد یا عورت کے ترکے میں اس کا بھائی اور بہن ۱/۶ یا ۱/۳ حصہ کے وارث ہیں۔ ان کا درجہ قرابت میں نانی سے بہتر ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗ اَخٌ وَّاُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ (نساء ۴ آیت ۱۲)

اگر کوئی مرد یا عورت جس کی میراث لی جاتی ہے کلالہ ہو اور اس کا بھائی یا بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا ہے، اور اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو تہائی میں شریک ہیں۔

لاوارث برہمن کی دولت راجہ ہرگز نہ لے دوسرے ورنوں کی دولت وارثوں کے نہ ہوئے کی حالت میں راجہ حق ہے (۹/۱۸۷)

اسلامی قانون میں کوئی بھی لاوارث مرجائے تو اس کا مال بیت المال میں داخل ہوگا۔

منوسمرتی کا قانون وراثت بھی مساوات اور عدل پر مبنی نہیں ہے۔ اس طریقۂ تقسیم سے ایک طبقہ امیر اور ایک طبقہ غریب ہوتا چلا جاتا ہے اور معاشرہ دو طبقوں امراء اور غرباء میں تقسیم ہو جاتا ہے۔

## جرائم کی سزائیں

منو کے قانون میں جرائم کی سزاؤں میں بھی نہ تو عدل و انصاف کو پیش نظر رکھا گیا اور نہ فطرت انسانی کو۔ سزائیں وحشیانہ ہیں اور بعض خفیف جرائم کی سزائیں سنگین ہیں اور بعض سنگین جرائم کی سزائیں خفیف ہیں ہیں۔ اور طبقاتی تقسیم کے اصول کو بھی سزاؤں میں مدنظر رکھا گیا ہے۔

ادھیائے ۸ اشلوک ۱۲۵ میں سزا کے مقام حسب ذیل ہیں۔

عضو تناسل۔ شکم۔ زبان۔ دونوں ہاتھ۔ دونوں پاؤں۔ دونوں کان۔ دونوں آنکھ۔ ناک جائیداد جسم یہ دس ڈنڈ (سزا) کے مقام ہیں۔

اسلامی قانون میں جسمانی سزاؤں کے چار اقسام ہیں۔ ۱۔ قتل۔ ۲ صلیب۔ ۳۔ ہاتھ پاؤں مخالف طرفوں سے کاٹ دینا۔ ۴۔ نفی من الارض یعنی قید و حراست اور جلاوطنی ——— یہ سب سزائیں متبادل ہیں۔

قاضی کو اختیار ہے کہ مجرم اور جرم کے حالات کو مدنظر رکھ کر ان چار سزاؤں میں سے جو سزا چاہے دے۔

قرآن مجید میں چوری، زنا، قذف کی سزائیں الگ الگ آیتوں میں لکھی ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا

مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ (مائدہ ۵
ان کی سزا جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلانے کی کوشش
ہیں صرف یہی ہے کہ وہ قتل کئے جائیں یا صلیب پر مارے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف
سے کاٹے جائیں یا ان کو قید کیا جائے۔ یہ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان
بڑا عذاب ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِ
(المائدہ ۵: ۳۴) سوائے ان کے جو توبہ کرلیں اس سے پہلے کہ تم ان پر قابو پالو۔ سو جا
لو کہ اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

## قتل کی سزا

برہمن مجرم قتل کی سزا سے مستثنیٰ ہے، اس کی موزوں سزا یہ ہے ملک سے با
نکال دینا کافی ہے۔

اگر برہمن یا عالم شخص بہت گناہوں کا مجرم ہے تو بھی اسے قتل نہ کیا جائے۔ جسمانی سزا نہ دے
کر اسے ملک سے باہر کر دیا جائے۔ (۳۸۵)

دنیا میں ودوان یعنی برہمن کے قتل سے زیادہ کوئی گناہ نہیں ہے کیونکہ اس سے مسئلہ تعلیم کو
نقصان پہنچتا ہے۔ اس لئے راجہ برہمن کو قتل کرنے کا خیال بھی نہ لائے۔ (۸۱)

اسلامی قانون میں قاتل خواہ کسی قوم یا خاندان کا ہو یا کسی اعلیٰ منصب کا ہو، سب کی قتل
یا دیت ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے: وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِا
(بنی اسرائیل آیت ۳۳)

اس آیت میں لفظ نفس سے مراد نوع انسانی کا ہر فرد ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے غلام کو قتل کر دے یا اس کے ہاتھ پاؤں
کاٹ دے ہم اس شخص کو قتل کر دیں گے اور اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے (ترمذی)

## زنا کی سزا

جو شخص خواہش کرنے والی دختر ہم قوم سے جماع کرے وہ سزا قطع اعضا
پاوے۔ (۳۶۴)

برہمن، کشتری، ویش کی عورت شوہر وغیرہ سے محفوظ ہو یا نہ ہو، اس سے زنا کرنے وا
شودر کا عضو تناسل قطع کرنا، تمام دولت چھین لینا اور قتل کی سزا دینی چاہیئے۔

اگر وہ غیر محفوظ عورت سے جماع کرے تو اسے دونوں متذکرہ صدر سزائیں اور قتل کی سز
دینا چاہیئے (۳۷۴)

اگر ویش محفوظ برہمنی سے جماع کرے تو اسے ایک سال تک جیل خانے میں قید کیا جائے،

کے بعد اس کا سب مال چھین لیا جائے۔ اور اسی جرم میں کشتری ہزار رہن ڈنڈ دے اور گدھے کے پیشاب سے مونڈ مونڈ دائے۔ (۲۷۵)

اگر کشتری یا ویش شوہر وغیرہ غیر محفوظ برہمنی سے جماع کرے تو کشتری پانسو رہن اور ویش دو ہزار رہن ڈنڈ دے۔ (۲۷۶)

اگر کشتری یا ویش دونوں شوہر وغیرہ سے محفوظ برہمنی سے جماع کرے تو وہ دونوں شودر کی طرح ڈنڈ کے لائق ہیں یعنی ان کو سب اعضاء سے معذور کر دینا چاہیئے خواہ لال کش سے ڈھانپ کر کشتری کو جلا دینا چاہیئے۔ (۲۷۷)

شوہر وغیرہ سے محفوظ برہمنی کے ساتھ جماع کرنے والے برہمن کو ہزار رہن دینے کی سزا ہے، برہمنی کی خواہش سے جماع کرنے والے برہمن کو پانسو رہن ڈنڈ دینا چاہیئے۔ (۲۷۸)

قرآن مجید نے زنا کی سزا سو کوڑے مقرر کی ہے۔ اس سزا میں منو کے قانون کی طرح قومی قبائلی یا نسلی تفریق نہیں کی۔ مجرم خواہ کسی نسل یا قبیلے سے ہو اسے سزا مذکور دی جائے گی۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (النور ۲۴: ۲)

زانی عورت اور زانی مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور ان پر مہربانی تمہیں اللہ کے حکم کی تعمیل سے نہ روکے اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہو اور چاہیئے کہ ان کی سزا کے وقت مومنوں کی ایک جماعت موجود ہو۔

## چوری کی سزا

منو کے قانون میں چوری کی سزائیں پانچ قسم کی ہیں: پہلی دفعہ زبانی سزا دے یعنی تم نے اچھا کام نہیں کیا، پھر ایسا کام نہ کرنا۔ دوبارہ جھڑکے اور لعنت کر کے اس کام سے ہٹا دے اور سہ بارہ کرے تو جرمانے کی سزا دے۔ اگر اس پر بھی نہ مانے تو قید اور جسم کے انگ کاٹنے کی سزا ہے (۲۷۹)

جس عضو سے دوسرے کی چیز چرائے اسی عضو کو قطع کرنا چاہیئے تاکہ پھر ایسا کام نہ کرے۔ (۲۷۹)

اگر جسم کا عضو کاٹنے سے مجرم جرم سے باز نہ آئے تو اس کو چار قسم کی سزا ایک ساتھ دینی چاہیئے۔ (۲۷۹)

چار قسم کی سزا سے وہ سزائیں مراد ہیں جو اوپر اشلوک ۲۷۹ میں مذکور ہیں۔

اسلامی قانون میں چوری کے عادی مجرم کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (مائدۃ ۵: ۳۸) اور چوری کرنے والا مرد ہو یا عورت ا
دونوں کے ہاتھ کاٹ دو یہ ان کے لئے ہوئے جرم کا بدلہ ہے اور خدا کی طرف سے عبرت ناک سزا ا
خدا غالب و حکمت والا ہے۔

اس آیت میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نکال کے طور پر لکھی ہے۔ "نکال" کے طور سزا عادی مجرم کو دی جاتی ہے۔

تھوڑے مذموم امر کے لئے لفظ نکال استعمال نہیں کیا جاتا، اگر وہ بڑا اور مشہور ہو جائے تو اسے نکال کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ خدا نے ایسے چور کے لئے جو چوری پر اصرار کرے ہاتھ کاٹنے کی سزا نکال کے طور پر مقرر کی ہے۔

## شہادت

منو کے قانون میں مجرم کو جھوٹی شہادت دے کر سزا سے بری کرانا سچی شہادت دینے سے بہتر ہے۔ یہ جھوٹ کی تعلیم ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔

جہاں سچ بولنے سے برہمن، کشتری، ویش، شودر قتل ہوتا ہو وہاں جھوٹ بولنا سچ سے بھی زیادہ اچھا ہے (۸:۱۰۴)

دیدہ و دانستہ رحم کی نظر سے جھوٹ بولنے سے سورگ سے نہیں گرتا اور اس کی بانی وغیرہ دیوتا کی بانی کے برابر سمجھتے ہیں۔ (۸:۱۰۴)

قرآن مجید یہ تعلیم دیتا ہے کہ شہادت دینے والا ہر حالت میں سچی گواہی دے خواہ وہ کسی بڑے خاندان کے فرد کے خلاف ہو، خواہ اس کے اپنے کسی عزیز کے خلاف ہو۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ (البقرہ ۲: ۱۴۰)

اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے اپنی گواہی کو اللہ کے پاس سے چھپایا۔

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ (البقرہ ۲: ۲۸۳)

تم شہادت کو نہ چھپاؤ جو اسے چھپائے اس کا دل گناہ گار ہے۔

منو سمرتی میں لکھا ہے: عورتوں کی گواہ عورتیں اور دوج یعنی برہمن، کشتری اور ویش کے گواہ دوج شودروں کے گواہ شودر، چنڈال کے گواہ چنڈال۔ (۸:۶۸)

گواہی میں تخصیص قائم کرنا عقل، عدل اور انصاف کے صریحاً منافی ہے۔ اسلام کی رو سے ہر وہ شخص گواہی دینے کا حق رکھتا ہے جس نے کوئی خلاف قانون بات ہوتے ہوئے دیکھی۔

# جدید ہندو مذہب

۳۰۰ء سے ۷۰۰ء تک کا زمانہ تاریخ ہند میں پرانوں کا دور کہلاتا ہے کیونکہ اس زمانہ میں ۱۸ پران

تصنیف ہوئے یہی وہ زمانہ تھا جب ہندو مذہب کی بنیاد پڑی۔ بدھ اور جین مت کو نیچا دکھانے کے لئے برہمنوں نے اپنے مذہب اور سنسکرت زبان کی پرزور تبلیغ اور بت پرستی کو رواج دیا۔[1]

پہلی صدی عیسوی میں کاندھارا کے فن کاروں نے گوتم بدھ کا مجسمہ تیار کیا۔ کنشک کے عہد تک مجسمہ سازی کا فن معراج تک پہنچ گیا۔ اور ایک صدی میں بنارس، اندھرا اور امراوتی میں گوتم بدھ کے مجسمے بننے لگے۔ بدھ مت کے تتبع میں جین مت کے لوگوں نے بھی اپنے بزرگوں کے مجسمے بنانے شروع کر دیئے۔ ان کی دیکھا دیکھی ہندوؤں نے بھی اپنے معبودوں کو مرئی صورت میں دیکھنے کے لئے ان کے مجسمے بنانے شروع کر دیئے۔

اس مجسمہ سازی اور بت پرستی کے دور میں اپنشدوں کی تعلیمات اور ویدوں کے معبود پس پشت ڈال دیئے گئے اور جو دیوتا ویدی عہد میں ثانوی حیثیت رکھتے تھے وہ اول درجہ کے معبود قرار دیئے گئے ان کی حفاظت کے لئے مندر تعمیر کئے گئے۔ بتوں کے پجاری غسل کرواتے، کپڑے پہناتے، زیورات اور پھولوں سے سجاتے، کھانا کھلاتے اور رات کو خوب صورت کپڑوں میں لپیٹ کر سلاتے۔

**اہنسا:** ہندوؤں نے بدھ مت اور جین مت سے متاثر ہو کر اہنسا کا اصول اپنا لیا۔ اہنسا کے معنی ہیں کسی کو "نہ مارنا" اس اصول کو اپنانے کے بعد ہندوؤں نے جانوروں کی قربانیاں کم کرنا شروع کر دیں۔ آہستہ آہستہ قربانیوں کا رواج بالکل ختم ہو گیا۔ یہاں تک کہ ہندو گوشت خوری سے بھی پرہیز کرنے لگے۔ اس اصول کو فلسفہ ویدانت نے بھی تقویت دی۔ کیونکہ فلسفہ ویدانت کی رو سے ہر چیز میں خدا کا ظہور ہے۔

**عقیدہ تثلیث** جیسا کہ ویدوں کی تعلیمات کے باب میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ ہندوؤں میں بے شمار دیوتا اور دیویاں ہیں۔ دراصل معبودوں کی کثرت کا تصور ہمہ ہستی نظریہ سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ اس نظریہ کے مطابق مظاہر فطرت کی عبادت خدا کی عبادت ہے ویدک دھرم کی غیر مقبولیت کے پیش نظر برہمنوں نے یہ محسوس کیا کہ ویدک دیوتاؤں میں بنیادی تبدیلی کرنی چاہیئے۔ چنانچہ اس احساس کے نتیجہ میں ہندو دھرم میں تین بڑے خدا مقرر کئے گئے: براہما، شیوا، وشنو۔ ان کو ہی تری مورتی یعنی تین شکلیں کہتے ہیں۔ ان کے تحت بے شمار دیوتا اور دیویاں مقرر کی گئیں۔

**براہما** یہ دیوتا عالم کا خالق اور کائنات کا نقطہ آغاز تصور کیا جاتا ہے۔ ہندو تثلیث میں برہما کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ اس دیوتا کا تصور صرف فلسفیانہ ہندو ذہن کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ مادی صورت کی عبادت کی طرف جلد مائل ہوتا ہے اس وجہ سے اس دیوتا کی پرستش بہت ہی ہوتی ہے۔ تمام ہند میں صرف چند ایک ہی ایسے مندر

---

[1] نواب علی قریشی تاریخ ہند جلد ۱ ص ۲۲۲

ہیں جو برہما کے نام پر بنے ہیں۔

برہما کے متعلق ہندوؤں کا یہ نظریہ ہے کہ وہ ایک روح مطلق ہے جو قائم بالذات ہے۔ تمام عالم میں سائر دوائر ہے۔ ہر ہندو کی یہ تمنا ہے کہ وہ ایک روز اس روح مطلق میں جذب ہو جائے اسی میں اپنا نروان اور نجات خیال کرتے ہیں۔

اس کے مجسمہ میں چار سر اور چار ہاتھ دکھائے جاتے ہیں جن میں سے ایک ہاتھ چمچہ، دوسرے میں لوٹا (قربانی کا سامان) تیسرے میں تسبیح اور چوتھے میں وید ہوتا ہے۔ اس کی سواری ہنس ہے۔ یہ میرو پربت پر اپنے بیوی سرسوتی سمیت رہتا ہے جو فنون لطیفہ کی دیوی ہے اور مور پر سوار ہوتی ہے۔

**وشنو** ہندوؤں کا دوسرا دیوتا وشنو ہے۔ یہ ویدی معبود ہے منتروں میں اسے معبود شمس ظاہر کیا گیا ہے۔ اس کی اہمیت دیوتا شیوا کی نسبت زیادہ ہے۔ یہ اشیا کی حفاظت اور بقا کا ذمہ دار ہے۔ یہ رحم کا بھی دیوتا ہے۔ وشنو کی پرستش کرنے والوں کی یہ علامت ہے کہ وہ ہر صبح سرخ گیرو سے اپنی پیشانی پر وشنو کی مثلث نما علامت لگا لیتے ہیں۔

ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ وشنو کو عبادتوں، منتوں، قربانیوں اور دعاؤں کے ذریعہ اس عالم مادی میں نزول کے لئے آمادہ کیا جا سکتا ہے۔ وشنو کسی بڑے انسان کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور معجزا کام سرانجام دیتا ہے۔ ہندوؤں کے جتنے بڑے بڑے ہیرو ہو گزرے ہیں وہ وشنو کا ہی مظہر قرار دیتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ وشنو کی روح ان میں حلول کر گئی تھی۔ وشنو کی روح صرف انسانوں کے اندر ہی حلول نہیں کرتی۔ جانوروں اور پودوں میں حلول کر جاتی ہے۔

**اوتار** وشنو کے حسب ذیل ترتیب وار دس مظہر اوتار تھے۔

۱۔ متسیہ اوتار مچھلی کی صورت میں۔ ۲۔ کورم اوتار کچھوے کی صورت میں ۳۔ وراہ اوتار سور کی صورت میں ۴۔ نرسنگھ اوتار، انسان اور شیر کی مرکب صورت میں ۵۔ وامن اوتار بونے کی صورت میں ۶۔ پرشو رام کی صورت میں ۷۔ رام چندر کی صورت میں ۸۔ کرشن کی صورت میں ۹۔ بدھ کی صورت میں ابھی دسواں یعنی کالکی اوتار باقی ہے جو ۴۲۵۰۰۰ سال میں ظاہر ہو گا۔

ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا کو تباہی سے بچانے کے لئے وشنو نے نو اوتار لئے۔ جب دنیا کی اخلاقی حالت خراب ہو جاتی ہے۔ تو خدا اس کو اصلاح کے لئے حیوان یا انسان کی صورت میں زمین پر جلوہ گر کرتا ہے۔ اس نظریئے کی بنا پر بعض دیگر مذاہب ہندو مذہب میں ضم ہو گئے مثلاً بدھ مت اور بھاگوت مذہب۔

سنہ ۲۰۰ ق م اور سنہ ۲۰۰ ء کے درمیان فلسفہ ویدانت کا بہت زور تھا۔ اس فلسفہ کی وجہ سے وشنو پرستی پر زوال آ گیا۔ جنوبی ہند کے شہر سری رنگم کے مندر کے ناظم رامانوج نامی ایک شخص نے وشنو پرستی

احیاء گیا۔

وشنو کے چار ہاتھ دکھائے جاتے ہیں جن میں سے ایک میں سنکھ، دوسرے میں گدا (گرز) تیسرے میں چکر (رخ) چوتھے میں پدم (کنول) وشنو کی سواری گرنڑ ہے جو انسان اور پرند کی مرکب صورت ہے اس کی بیوی شری حسن و دولت کی دیوی ہے۔

**وشنومت کے فرقے** وشنو مذہب میں انسان اور خدا کے تعلق پر بحث کی جاتی ہے۔ اس بحث اور تشریح میں وشنومت کے دو فرقے پیدا ہو گئے۔ ایک فرقہ یہ کہتا ہے انسان اللہ تعالےٰ کی مرضی کے تابع ہے۔ اس کی مثال وہ بلی کے بچے سے دیتا ہے کہ جس کو اس کی ماں اپنے منہ میں پکڑ کر لے جاتی ہے اور بچے کو اپنی طرف سے کچھ نہیں کرنا پڑتا۔ دوسرا فرقہ یہ کہتا ہے کہ خدا خود انسان کی طرف توجہ نہیں ہوتا بلکہ انسان خود اپنا قدم خدا کی طرف بڑھاتا ہے تب خدا اس کی طرف آتا ہے۔ وہ اس کی مثال مدر کے بچے سے دیتے ہیں جو اپنی ماں کے سینے سے چمٹ جاتا ہے اور ماں اس کو لے جاتی ہے۔

رام نوج کے فرقے کے بالمقابل بنگال میں کیتا بھیا (۱۴۸۵ تا ۱۵۳۳) نے ایک نئے فرقہ کی بنیاد ڈالی۔ بنگال کے لوگ رقص و سرود کے بہت دلدادہ اور شائق تھے، اس لئے اس نے غور و خوض اور مراقبہ کی جگہ عشقیہ بھجنوں کو دے دی۔ یہ بھجن وشنو کی تعریف میں گائے جاتے تھے۔ کیتا بھیا کو کرشن کا مظہر قرار دے دیا گیا، مندروں میں کرشن اور رادھا کی مورتیوں کے ساتھ اس کی بھی مورتی رکھ دی گئی۔

ایک فرقہ دلابھا (۱۴۷۹ تا ۱۵۳۱) نے قائم کیا۔ اس فرقہ کے نظریہ کے مطابق پروہت اور گرو صرف چند خاندانوں سے ہو سکتے ہیں اور انہی کو صرف مندر بنانے کے اختیارات ہیں۔ اس فرقہ کے ہر فرد کا یہ فرض ہے کہ وہ ان مندروں کی زیارت کرے۔ اس وجہ سے پروہتوں کا مذہبی مقام بہت بلند ہو گیا، جس سے بے شمار قباحتیں پیدا ہو گئیں۔

**وشنومت کی خدمات** اس فرقہ کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ ذات پات کی تمیز کے خلاف آواز بلند کی۔ آج ہندوستان میں ذات پات کے خلاف جو تحریکیں اٹھتی ہیں وہ سب اسی کی صدائے بازگشت ہیں۔

انہوں نے مذہب کی تبلیغ کے لئے دیسی زبان کو استعمال کیا اور اس سے قبل سنسکرت کے علاوہ کسی اور زبان میں مذہب کو بیان کرنا گناہ عظیم خیال کیا جاتا تھا۔ اس طرح سنسکرت کے تقدس اور اجارہ داری کو ختم کر دیا۔

وشنوؤں نے اپنے فرقہ کی بنیاد محبت اور ہمدردی پر رکھی، جس کے باعث باہمی اتحاد کو بہت تقویت ملی۔

**شیو** شیو بربادکرنے والا دیوتا ہے۔ اس کی پیشانی پر ایک تیسری آنکھ — (تری لوچن) ہے جب

وہ اسے کھولتا ہے تو آگ اس طرح نکلنا شروع ہو جاتی ہے گویا ایک آتش فشاں پھٹ پڑا ہے۔ ہر چیز جل راکھ ہو جاتی ہے۔ کام دیو (عشق کا دیوتا) اس کی نگاہ غضب کا شکار ہو کر اپنے جسم سے محروم ہو گیا۔

یہ رگ وید کے دیوتا رُدر یعنی ہوا یا پانی کے دیوتا سے مشابہ ہے۔ بعد میں یہی دیوتا اگنی کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ ویدک زمانہ میں یہ دیوتا تباہی و بربادی کے متصور ہوتے تھے۔

شیوجی کے مقلدین کی علامت لنگم تھی۔ اس نشان سے ان کے مندر بھرے ہوئے تھے۔ اسی علامت پر فرقہ لنگایتوں کا قائم ہوا۔ پجاری مندر میں جاتے، لنگم کو بوسہ دیتے اور ان سے دعائیں مانگتے۔ میسور (دکن) اور دراوڑی اقوام میں لنگم کی پرستش جاری ہے۔

موہنجوڈارو سے دریافت شدہ اثرات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیوجی کی پرستش وہاں عام تھی۔ اس جگہ شیوجی کی مورتاں تین سروں والی ملی ہیں۔ گول لمبے پتھر بھی ملے ہیں جو مرد کے عضو تناسل کے مشابہ بنا گئے ہیں۔ شیوجی کی اس پرستش کو شکتی پوجا کہا جاتا ہے۔ شکتی کے معنی طاقت اور قوت جماع ہیں۔ اس پرستش سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ہندو یہ سمجھتے تھے کہ یہ دیوتا پیدا کرنے اور زینت و نابود کرنے کی طاقتوں کا مالک ہے۔ شیوجی کا تعلق رقص و غنا سے بھی رہتا ہے۔ اس کو بعض مجسموں میں ایک دلکش انداز میں رقص کرتے ہوئے بھی دکھایا گیا ہے یہ اس کا نٹ راج روپ ہے۔

لنگم کے مقابل پروتی (زنانہ عضو) کی بھی پرستش ہوتی تھی۔ شیو کی بیوی کا نام کالی دیوی ہے جن کے مختلف مقامات پر مختلف نام ہیں، کالی، پربتی اوما، درگا۔ یہ مختلف نام مختلف اوصاف کی وجہ سے ہیں کالی دیوی موت اور زندگی کی دیوی سمجھی جاتی ہے۔ اس کے متعلق ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ ایک دن تمام عالم کو فنا کر دے گی۔ اس دیوی کی شکل بہت ہی ڈراؤنی بنائی گئی ہے سیاہ رنگ ہے، منہ کھلا ہوا ہے گویا کھانے کو انسان مانگتی ہے۔ زبان باہر نکلی ہوئی ہے۔ گلے میں سانپوں اور کھوپریوں کے ہار پڑے ہوئے ہیں، انسانوں کی لاشوں پر ناچتی ہوئی نظر آتی ہے۔ چہرہ اور چھاتیاں خون سے لتھڑے ہوئے ہیں۔

پربتی اوما کی حیثیت سے ایک حسین اور رحم دل ماں دکھائی گئی ہے۔ اس کی مورتی اس طرح بنائی گئی ہے کہ اس کے دونوں ہاتھ آگے کو بڑھے ہوئے ہیں۔ یہ اس امر کی علامت ہے کہ وہ تمام مخلوق کی مدد کے لئے تیار ہے۔

درگا کی حیثیت سے ایک غضب ناک حسین عورت کی شکل میں شیر پر بیٹھا یا ہے۔

**شیومت کے فرقے** شیومت کے متعدد فرقے ہیں۔ ایک فرقہ پسوپتا ہے یعنی گھر ملو جانوروں کے آقا کا پجاری۔ شیو کی ایک اہم صفت گھر ملو جانوروں کا آقا ہے اس فرقہ کا طریقہ عبادت یہ ہے کہ وہ جسم پر راکھ مل لیتے ہیں اور رقص و سرود کی محفلیں قائم کرتے ہیں۔ بیل کی طرح آوازیں نکالتے ہیں۔ اس فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا کرما کی بندھن میں جکڑا ہوا نہیں۔ بلکہ اس

شیو کے پجاری مرنے کے بعد خدا قرب حاصل کر لیتے ہیں۔

دوسرا فرقہ شیو سدھانت ہے۔ اس فرقہ میں خدا کا تصور پایا جاتا ہے ان کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان کرما کی بندشوں میں جکڑا ہوا ہے اور روح ازلی ابدی ہے۔

تیسرا فرقہ لنگایتوں کا ہے۔ یہ جنوبی ہند میں گیارھویں اور بارھویں صدی عیسوی میں تھا۔ ان لوگوں کے پاس سونے چاندی کے لنگم ہوتے تھے۔ یہ فرقہ ذات پات کا شدید مخالف تھا۔ پروہتوں کا زبردست احترام کرتے تھے۔ یہ لوگ مردوں کو دفن کرتے تھے اور بیواؤں کی دوسری شادی کو جائز قرار دیتے تھے۔

چوتھا فرقہ ناتھ کہلاتا ہے جس کا مرکز بنگال ہے۔ یہ شکتی کے نظریہ کا سخت حامی ہے۔ یہ فرقہ راہبانہ زندگی کا شدید مخالف ہے۔ جنسی تعلقات، گوشت، مچھلی، منشیات کے استعمال کو عبادت کی حیثیت دیتا ہے یہ لوگ خدا کو بحیثیت ماں کے مانتے ہیں۔ اور خدا کو اوما دیوی کی شکل میں ظاہر کیا گیا۔ اس وجہ سے دیوتا کی نسبت دیوی کی زیادہ اہمیت ہے اور عورتیں بھی پروہت اور گرو بن سکتی ہے۔

**شیو کی اولاد** شیو کا ایک بیٹا کارتکیے ہے جو دیوتاؤں کی فوج کا قائد ہے۔ دوسرا بیٹا گنیش ہے، یہ عقل و فن کا دیوتا ہے۔ اس کی مورت اس طرح بنائی جاتی ہے کہ جسم تو انسان کا ہوتا ہے، سر ہاتھی کا۔ وہ ایک چوہے پر سوار ہوتا ہے۔ اس کی بیوی لکشمی ہے۔ گنیش اور لکشمی ہندوؤں میں محبوب ترین دیوتاؤں میں سے ہیں۔

**شکتی پوجا** وشنو اور شیومت کے ماننے والوں کے بعد سب سے زیادہ شکتی کے بھگت ہیں جو خدا کو بحیثیت ماں کے مانتے ہیں اس فرقہ کا بنگال میں سب سے زیادہ زور ہے ہندوؤں کے بعض مشہور و معروف علماء اور درویش شکتی آچاریہ، رام کرشن پرم ہنس سوامی وویکانند وغیرہ "مادر الٰہی" کے ماننے والے ہیں۔[1]

شکتی کے ماننے والے فلاسفی کو مذکر اور مادے کو مؤنث مانتے ہیں جنہیں پرش اور پرکرتی کہتے ہیں انہیں کے ملنے سے سارے عالم کی تخلیق ہوئی ہے۔ ہندوؤں کا مشہور بت "اردھا ناری ایشوری" بھی اسی چیز کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہ بت گویا برہما کا ہے۔[2]

**ثانوی حیثیت کے دیوتا** ۱۔ اپسرائیں یا جنت کی رقاصائیں جو راجوں کو بہلاتی ہیں۔ ۲۔ گندھرو سماوی موسیقار جن کا اوپر کا حصہ جسم انسان کا اور نیچے کا پرند کا ہے ۳۔ ناگا یعنی سانپ ۴۔ ورکش دیوتا جو درختوں کے محافظ ہیں ۵۔ یکشنی (عورت) اور یکش (مرد) جو دولت کے دیوتا کبیر کے ماننے والے ہیں۔ ۶۔ راکشش یا دیو جن میں سے مشہور راون ہوا ہے جس کے دس سر تھے۔

---

[1] نگار خدا نمبر ص ۶۶ [2] نگار خدا نمبر ص ۶۶

مذکورہ بالا دیوی دیوتاؤں کے علاوہ ذاتی، خاندانی اور گاؤں کے الگ الگ دیوتا ہیں خیال کیا جاتا ہے۔ کہ ہندوؤں کے کل دیوی دیوتاؤں کی کل تعداد ۳۳ کروڑ ہے [1]

## گائے کی پوجا

حیوانات کی پرستش وحشی قوموں کی یادگار ہے۔ وہ حیوانات کو انسانوں دیوی اور دیوتاؤں سے برتر خیال کرتے ہیں، ہندو کلچر کی بنیاد بھی گائے بیل کی عظمت اور پرستش پر ہے۔ ہندوؤں میں ویدوں سے لے کر پرانوں، سمرتیوں اور مذہبی قصص تک میں اس کی پرستش اور عظمت کا ذکر ہے۔ وید کے چند منتر درج کئے جاتے ہیں۔

"پرجاپتی دیوتا (خالق کائنات) اور پرمیشٹھی دیوتا اس کے دو سینگ ہیں۔ اندر کا سر ہے۔ اگنی دیوتا اس کی پیشانی ہے۔ یم دیوتا اس کے گلے کی گھنڈی ہے۔ سوم دیوتا اس کا مغز ہے۔ آسمان اوپر کا جبڑا ہے اور زمین نیچے کا جبڑا"۔

پھر فرمایا: "سارا جہان اور کل دیوتا گویا گائے کا ہی سراپا ہیں" (اتھروید کانڈ ۹۔ سوکت ۷)

ایک جگہ یوں فرمایا: "تجھ پیدا ہوتی ہوئی اور پیدا ہو چکی ہوئی کو سلام اور سجدہ تیرے بالوں کے لئے، تیرے گھروں کے لئے اے اگنی دیوتا کے مجسمہ تجھے سلام اور سجدہ ہے۔" (اتھروید کانڈ ۱۰ سوکت ۱۰)

رگ وید میں ہے: "بیل نے اٹھایا ہوا ہے زمین کو آسمان کو" (رگ وید ۱۰: ۱۰۲: ۱)

اتھروید میں ہے: "بیل نے زمین اور آسمان کو اٹھایا ہوا ہے" (اتھروید ۴: ۱۱: ۱)

## گائے پرستی کا اثر

اس تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ قدیم ہندوستان میں دھرماتما لوگ گائے کے گوبر میں سے دانے چن چن کر کھاتے، اس کا پانی نچوڑ کر پیتے (مہابھارت) تمام دھرم شاستروں میں اس کا گوبر اور پیشاب پینا گناہوں کی معافی کا ذریعہ خیال کیا گیا ہے۔ (منوسمرتی)

برہما جی کی مدح میں لکھا ہے کہ وہ منوں گوبر روزانہ نچوڑ کر اس سے غسل کرتے (مہابھارت) کرشن جی بیل پر سوار ہونے سے قبل اس کی پیٹھ کو چھو کر اسے تعظیم دیتے تھے۔ (مہابھارت) مہاتما گاندھی نے کہا کہ جب تک ہندوستان میں ایک گائے بھی ذبح ہوگی اس وقت تک اس ملک کو حقیقی معنوں میں آزاد متصور نہیں کیا جائے گا۔

**"FREEDOM IS NO FREEDOM AT ALL IF COW SLAUGHTER IS NOT PROHIBITED"**

مہاتما گاندھی کے نزدیک گائے اور آدمی کے ذبح کرنے میں کوئی فرق نہیں، کہتے ہیں:

---

[1] نگار خدا نمبر ۶۶

**"That he makes no distinction between the slaughter of man and that of cows.**

سوامی دیانند کہتے ہیں کہ وید کی رُو سے ذبح گاؤ کے جرم میں ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کو ذبح کر کے گائے کو خوش کرنا چاہیئے (سوامی دیانند کا رگوید بھاشن منڈل ۱ سوکت ۱۲۱ منتر ۱۰۔ یجروید بھاشن ادھیاء ۳۴ منتر ۴ وغیرہ وغیرہ)

ویدوں میں یہ صریح حکم ہے کہ اگر شودروں کے پاس گائیں ہوں تو ان سے چھین لینی چاہیئں صوبہ بہار میں ایک اچھوت قوم کیکٹ نام بستی میں رہتی تھی۔ ان کے پاس گائیں اور دولت تھی۔ ان کے اس جرم کی وجہ سے آریوں نے ان کے خلاف اعلانِ جنگ کیا اور اپنے سپہ سالار فوج اندر کو کہا۔

"اے اندر! کیکٹوں میں گائیں تیرا کیا بناتی ہیں، نہ تیری ندر نیاز کے لئے دودھ دوہاتی ہیں اور نہ یگیہ کا برتن گرم کرتی ہیں۔ اے طاقت ور اندر! تم ان گایوں کو ہمارے پاس لاؤ اور پرمگند (اچھوتوں کے راجا) کی دولت بھی ہمیں دے دو۔" (رگوید منڈل ۳ سوکت ۵۳ منتر ۱۴)

منوسمرتی ادھیاء ۹ شلوک ۴۱۶ اور ۴۱۷ کی وضاحت اور تشریح کی رُو سے شودر کو دولت اور گائے وغیرہ رکھنے کی اجازت نہیں۔ برہمن کو ہر وقت یہ اختیار ہے کہ وہ ان سے جبراً چھین لے۔

**انسانیت کی توہین** | یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ انسان اپنی ذہنی قابلیت اور اخلاقی قوتوں کے لحاظ سے دنیا کی سب چیزوں سے نہ صرف افضل ہے بلکہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے ہی بنائی ہیں۔ گائے کو انسان سے افضل کر دینا یا برابر قرار دینا نہ صرف علم و عقل کے خلاف ہے بلکہ انسانیت کی توہین ہے۔ قرآن مجید نے انسان کے وقار کو بلند کیا، اور اعلان کیا وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ (بنی اسرائیل، آیت ۷۰) اور ہم نے نوعِ انسان کو قابلِ تعظیم بنایا۔

دوسری جگہ یہ اعلان کیا کہ دنیا و مافیہا کی تمام چیزیں بنی نوع انسان کے لئے پیدا کی گئی ہیں ارشاد ہے: هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (بقرہ آیت ۳۰) اللہ کی ذات ہے جس نے تمہارے لئے پیدا کیا وہ سب کچھ جو زمین میں ہے۔

# ہندو مت کے عظیم ہادی اور ان کے حالاتِ زندگی

**رام چندر جی** | وشنو کے اوتاروں میں سے ساتویں اوتار ہیں۔ ان کا ذکر مشہور رزمیہ نظم

رامائن میں کیا گیا ہے۔ رام چندر اجودھیا کے راجہ دسرتھ کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ عقل وفہم اور نیکی میں بڑھے ہوئے تھے۔ راجہ دسرتھ نے ان کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ لیکن ان کی سوتیلی ماں کیکئی نے اپنے بیٹے بھرت کو ولی عہد مقرر کرانے کی کوشش کی اور رام چندر جی کے خلاف سازشیں کرنا شروع کر دیں۔ آخر کار بادشاہ سے بھرت کو ولی عہد مقرر کرانے میں کامیاب ہو گئی اور رام چندر جی کو جلا وطن ہونا پڑا۔

رام چندر جی کی شادی اودھ کی راجکماری سیتا سے ہو چکی تھی۔ جلا وطنی کے زمانہ میں یہ وفادار بیوی اور بھائی لکشمن ان کے ہمراہ رہے۔ بعد میں سیتا کو لنکا کے راجہ راون نے اغوا کر لیا۔ ہنومان کی مدد سے رام چندر جی نے لنکا پر حملہ کیا اور راون کو قتل کر کے سیتا کو واپس لائے۔ دسہرے کا تہوار اسی کی یاد میں منایا جاتا ہے۔

رامائن میں رام چندر جی کو بہترین انسان، وفادار بیٹا اور مثالی خاوند سیتا کو وفا شعار بیوی اور لکشمن کو جان نثار بھائی کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

ہندوؤں میں رام چندر جی، سیتا، لکشمن اور ہنومان کی بہت توقیر اور عزت ہے۔

## کرشن جی مہاراج

کرشن جی مہاراج متھرا میں پیدا ہوئے، جو دریائے جمنا کے کنارے پر واقع ہے۔ ان کے والد کا نام واسدیو اور والدہ کا نام دیوکی ہے۔ اس وقت متھرا کا حکمران راجہ کنس تھا جس کی رعایا اس کے ظلم وستم، بے رحمی اور ناانصافیوں کی وجہ سے تنگ آئی تھی۔ کسی نجومی نے اسے بتایا کہ اس کی بہن دیوکا کا آٹھواں لڑکا اس کا قاتل ہوگا۔ اس نے فوراً اپنے بہنوئی کو مار ڈالنے کا قصد کیا۔ لیکن وہ منت سماجت کر کے اس شرط پر رہا ہوئے کہ وہ اپنے ہر لڑکے کو قتل کرنے کیلئے بادشاہ کے سپرد کر دیں گے۔

چنانچہ بادشاہ نے دونوں کو اپنے محل میں قید رکھا۔ دیوکی کے بطن سے سات لڑکے پیدا ہوئے جو راجہ کے حوالے کر دیئے گئے۔ اس بے رحم نے سب معصوم بچوں کو قتل کر دیا۔ جب آٹھواں بچہ کرشن جی مہاراج پیدا ہوئے تو واسدیو فوراً اسے کپڑے میں لپیٹ کر محل سے باہر نکلے اور گوکل کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں ان کا دوست نندجی رہتا تھا۔ وہ شیر فروش فرقہ کا سردار تھا اپنے اوصاف حمیدہ کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ اس کی بیوی جسودھا بھی عمدہ اخلاق کی مالکہ تھی۔ واسدیو نے اپنے فرزند کو نندجی کے حوالے کیا۔ جس وقت واسدیو اپنے بچے کو لے کر گوکل پہنچے تو نندجی کے ہاں بھی لڑکی پیدا ہوئی تھی، وہ اپنے دوست کی لڑکی کو لے کر متھرا روزانہ ہو گئے۔ تیسرے روز کنس کو معلوم ہوا کہ اس کی ہمشیرہ کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے۔

جسودھا نے کرشن مہاراج کی خوب دیکھ بھال کی اور والدین کی محرومی کا احساس تک نہ

ہونے دیا۔ اور بہت جلد اپنی بہادری اور خوش خلقی کی وجہ سے گوکل اور ان کے نواحی علاقوں میں مشہور ہو گئے۔

ایک دن اہالیان گوکل ایک بڑے یگ کی تیاری میں مصروف تھے۔ اس زمانہ میں ایرین اندر دیوتا کی پرستش کی جاتی تھی اور ان کی خوشنودی کے لئے بڑی بڑی قربانیاں کی جاتی تھیں۔ اس موقع پر سری کرشن جی مہاراج نے ایک ایسا وعظ کیا جو اس وقت مروجہ مذہب اور عقیدہ کے خلاف تھا۔

آپ نے نند جی سے دریافت کیا یہ انتظام کس لئے ہو رہا ہے اور آپ کس کی عبادت کرنا چاہتے ہیں؟ نند جی نے جواب دیا کہ ملکی رسم و رواج کے مطابق اندر دیوتا کے حضور قربانی دی جائے گی، تاکہ وہ خوش ہو کر بارش برسائے اور فصلیں اچھی ہوں اس وقت سری کرشن جی مہاراج نے کہا۔ اے بزرگوار! اندر کی پرستش ایک فعل عبث ہے انسان کی خوشی اور راحت کا سرچشمہ اس کے افعال اور اعمال ہیں۔ اور دنیا میں سے اعلیٰ شے اعمال ہیں، اسی پر زندگی کا انحصار ہے۔

جب سری کرشن جی مہاراج اپنے مقدس نظریات کی وجہ سے مشہور ہو گئے تو راجہ کو خوف لاحق ہوا اور کرشن مہاراج کو ہلاک کرانے کی بھی کوشش کی گئی۔ جب راجہ کو یہ علم ہوا کہ سری کرشن نند کے فرزند نہیں بلکہ اس کی ہمشیرہ کے لڑکے ہیں تو وہ خوف زدہ ہوا۔ اب مہاراج کو قتل کرانا بھی آسان نہ تھا کیونکہ وہ تمام قلمرو کے محبوب بن چکے تھے۔ ہر آدمی ان کے لئے اپنی جان قربان کرنے کو تیار تھا۔ اب کرشن کو دغا سے قتل کرانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

ایک شخص اکرور متھرا میں رہتا تھا۔ اس کے سری کرشن جی کے ساتھ نہایت ہی دوستانہ تعلقات تھے۔ راجہ نے اکرور کو بلا کر کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ کرشن میری ہمشیرہ کے فرزند ہیں۔ میں یہ نہیں پسند کرتا کہ وہ گوالوں کے لڑکوں میں زندگی بسر کرے۔ تم جاؤ اور اس کو حل میں لے آؤ تاکہ وہ شہزادوں کی طرح زندگی بسر کرے۔

اکرور یہ پیغام لے کر گوکل پہنچا۔ اور اس نے کرشن جی مہاراج کو اس بات کی طرف مائل کیا کہ وہ متھرا میں جا کر راجہ کے پاس زندگی بسر کرے۔ چنانچہ کرشن جی اہالیان گوکل کو غم کی وادی میں چھوڑ کر اپنے بھائی بلرام کے ساتھ متھرا کی طرف روانہ ہو پڑے۔

راجہ نے کرشن جی کا نہایت ہی تزک و احتشام کے استقبال کیا اور اس کی آمد کی خوشی میں مختلف تقریبوں کا انتظام کیا۔ ان کھیلوں میں مکا بازی کی بھی لڑائی تھی۔ اس میں کرشن جی کو شامل ہونے کی دعوت دی۔ اور مکا زوں سے راجہ نے خفیہ طور پر کہ کرشن جی کو ہلاک کر دینے کے لئے کہہ دیا ہوا تھا۔ آپ ژرف نگاہی سے تاڑ گئے تھے۔ سری کرشن جی نے نہایت ہی آسانی سے مکہ باز کو ہلاک کر دیا۔ اس کے

بعد راجہ کنس پر حملہ کیا اور اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ آخر کار لوگوں نے متفقہ طور پر سری کرشن جی کو تخت پر بٹھا دیا۔ سری کرشن جی مہاراج نے پھر کہن سال راجہ اگرسین کو، جسے راجہ کنس قید خانہ میں ڈال رکھا تھا طلب کیا اور اس کو تخت پر بٹھا دیا۔

یکایک سری کرشن جی مہاراج کی طبیعت میں انقلاب آیا۔ انہوں نے سندی من رشی کے مکان پر علوم فلسفہ، الٰہیات، سیاست مدن اور اصول حکمت کی تعلیم پانا شروع کر دی۔ ان علوم کے ساتھ ساتھ انہوں نے فن تیر اندازی، سپہ گری اور جنگی فنون میں بھی مہارت حاصل کر لی۔

سری کرشن کی عدم موجودگی میں راجہ جراسندہ نے متھرا پر چڑھائی کی۔ راجہ کی دو بہنیں کنس کے عقد میں تھیں۔ اپنے بہنوئی کا بدلہ لینے کے لئے راجہ نے متواتر اٹھارہ حملے کئے، ہر دفعہ شکست کھائی۔ اٹھارویں دفعہ راجہ جراسندہ نے طاقت ور شودر کالیاھن کے ساتھ مل کر حملہ کیا۔ شمال کے پہاڑی شودر اس کی فوج میں تھے۔ جب سری کرشن جی مہاراج کو راجہ جراسندہ کی قیادت میں ایک لشکر جرار کی آمد کی خبر معلوم ہوئی تو اس نے فوراً سمندر کے ساحل پر ایک نیا شہر دوارکا تعمیر کروایا، جس پر قبضہ کرنا مشکل تھا اور محاصرہ کے وقت تھوڑی سی فوج سے شہر کا دفاع کیا جا سکتا تھا۔ متھرا کے تمام مرد، عورتیں اور بچے اس شہر میں بھیج دیئے۔

میدان جنگ میں کالیاھن سری کرشن مہاراج کے ہاتھوں مارا گیا۔ اور دشمن سپاہ کے پاؤں اکھڑنے والے ہی تھے کہ جراسندہ مہاراج کی فوج پر ٹوٹ پڑا اور سب بہادر میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ مگر سری کرشن جی مہاراج کسی تدبیر سے دوارکا پہنچ گئے۔

غرض کہ چند ہی سالوں میں سری کرشن جی سب حکمرانوں پر فوقیت لے گئے۔ حتیٰ کہ کورو اور پانڈو جو ہند کے شہنشاہ تھے مہاراج کے مطیع و فرماں بردار بن گئے۔

سری کرشن جی مہاراج عمر بھر ظلم و ستم اور بے انصافیوں کے خلاف سینہ سپر رہے اور غریبوں اور مظلوموں کے حامی و ناصر بنے۔ ایک دفعہ راجہ جدھشٹر نے اپنی فتوحات کو شہرت دینے کے لئے راج سوئگ کرنے کا ارادہ کیا۔ راجہ جدھشٹر کوئی کام بھی سری کرشن مہاراج کے مشورہ کے بغیر نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ فاصد مہاراج کو بلایا گیا۔ اسی اثنا میں سری کرشن مہاراج کے پاس چند مقید شہزادوں کا پیغام آیا کہ وہ ایک بدکار ظالم راجہ جراسندہ کی قید میں گل سڑ رہے ہیں۔ یہاں سے نجات کا کوئی ذریعہ نہیں، صرف آپ ہی ہمیں یہاں سے نجات دلا سکتے ہیں۔

جب سری کرشن جی مہاراج راجہ جدھشٹر کے پاس پہنچے تو انہوں نے راجہ کو پہلے راج سوئگ کرنے کا مشورہ یوں دیا: "اے بادشاہ! آپ جنگی طاقت اور جہانداری نہ خوبیوں کی بدولت سب شاہوں کے مقابلہ میں شہنشاہ عالی مرتبت ہیں۔ مگر چند ستم رسیدہ تاجور جراسندہ کے قید خانے میں پڑے سڑ رہے ہیں۔ اپ

رہائی سے مایوس ہو کر دائم الحبس قیدیوں کی طرح ناشاد و نامراد زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں جب تک جراسندھ زندہ ہے، وہ اپنے ہتھکنڈوں سے باز نہ آئے گا اور سرشوسن کے ساتھ آپ کے جگ میں فتنے اور ہنگامے برپا کر کے خلل انداز ہو گا۔ اس لئے میری رائے میں پہلے اس سے نبٹ لیا جائے پھر جگ کی رسم ادا ہو۔" لے

آخر یہ طے پایا کہ سری کرشن جی مہاراج، ارجن اور بھیم تینوں جائیں اور دست بدست لڑنے کی درخواست کریں اور اس کو کیفر کردار تک پہنچائیں۔ چنانچہ برہمنوں کے بھیس میں راجہ جراسندھ کے پاس گئے اور دست بدست لڑائی کا چیلنج دیا۔ راجہ نے بھیم کے ساتھ مقابلہ کرنے کا اظہار کیا۔ آخر کار اہل شہر کے سامنے مقابلہ ہوا۔ راجہ مارا گیا اور قیدی شہزادوں کو وہاں سے رہائی دلوائی۔

پانڈوؤں اور کوروؤں کے درمیان لڑائی ہوئی۔ پانڈو مظلوم تھے، انہوں نے سری کرشن جی مہاراج کی مدد لی اور کوروؤں کو کیفر کردار تک پہنچایا۔

**وفات** کوروؤں اور پانڈوؤں کی لڑائی کے بعد پرواسش جاترا کے لئے گئے۔ ان کے ہمراہ ان کے لڑکے، پوتے، جادوں خاندان کے شہزادے بھی تھے۔ اس متبرک مقام پر پہنچ کر دینی رسوم ادا کیں۔ وہاں شراب کے نشہ کی وجہ سے زبردست قتل و غارت کا بازار گرم ہوا بسری کرشن جی مہاراج ان بے کفن نعشوں پر نگاہ ڈال کر ایک طرف چل دیئے۔ ایک جنگل میں پہنچ کر ایک درخت کے نیچے سوئے۔ وہاں سے ایک شکاری کا گزر ہوا۔ اس نے دور سے گھنے درختوں میں سے دیکھ کر یہ سمجھا کوئی شکار ہے۔ اس نے فوراً نشانہ لگایا اور سری کرشن جی مہاراج کو ابدی نیند سلا دیا۔

سری کرشن جی مہاراج اعلیٰ درجے کے مدبر، افضل راہنما، کامل فلسفی، غربا اور مظلوموں کے حامی بنی انسان کے ہمدرد تھے۔ ان کا مطمح نظر بدیوں کو مٹانا اور نیکیوں کو فروغ دینا تھا۔

---

# بھگوت گیتا

## فلسفہ کرشن مہاراج

### کرشن مہاراج کے وقت ہندوؤں کی مذہبی حالت

کرشن مہاراج کی بعثت کے وقت ہندو، خواہ وہ راجا تھا یا رعایا، فسق و فجور میں مبتلا تھے۔ ہر طرف جہالت و گمراہی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ حجر شجر، سورج چاند غرض کہ کائنات کی ہر شے معبود بنی ہوئی تھی۔ ظلم و ستم کا بازار گرم تھا۔ وقت تقاضا کرتا تھا کہ ہندو دھرم کی اصلاح کے لئے کوئی مرد اٹھے۔ اس ظلمت کے وقت کرشن جی مہاراج نے

---

لے راہنمایان ہند (ترجمہ مصنفہ ممتاز ناتھ دت ایم اے، ایم آر اے ایس صد ۴۲۔

ہندوؤں کی اصلاح کا بوجھ اپنے کندھوں پر لیا۔

اخبار تیج کے کرشن نمبر بابت ستمبر ۱۹۴۹ء میں پنڈت گنگا پرشاد اپادھیائے نے اس وقت کے ہندو دھرم کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے۔

"ویدک دھرم مٹ چکا تھا۔ اس کا صرف نام باقی تھا۔ . . . . ایسے وقت میں شری کرشن نے ویدک تہذیب کو نیست و نابود ہونے سے بچانے کے لئے جو جد و جہد کی اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں دوسری نہیں ملتی۔ یہ سچ ہے کہ کرشن جی کو دھرم کے محفوظ رکھنے میں وہ کامیابی نصیب نہیں ہوئی جو ان کی کوششوں سے مطابقت رکھ سکے۔ جو گراوٹ شری کرشن جی کی زندگی سے پہلے شروع ہوئی وہ اب تک جاری ہے۔"

فیضی نے کرشن جی مہاراج کے خیالات کا اظہار اس شعر میں کیا ہے۔

چو بنیاد دین سست گردد بسے
نمائیم خود را بہ شکل کسے

یعنی جب دین کی بنیاد کھوکھلی ہو جاتی ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے آپ کو کسی کی شکل میں نمایاں کرتا ہے اور دین کی عمارت کو از سر نو مستحکم بنیاد پر کھڑا کرتا ہے

کرشن جی مہاراج کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہندو مذہب کی بنیاد کھوکھلی ہو چکی تھی۔ اس وقت اللہ تعالےٰ ان کی شکل میں ظاہر ہوا۔ یعنی کرشن جی مہاراج اپنے تئیں اللہ تعالےٰ کا مظہر قرار دیتے ہیں۔

**تین قسم کے فلسفے** جس دور میں آپ نے پرورش پائی اس وقت تین قسم کے فلسفے رائج تھے۔
۱۔ فلسفہ سانکھیہ ۲۔ فلسفہ جوگ مارگ ۳۔ فلسفہ ویدانت۔

فلسفہ سانکھیہ والے فلسفی کہتے تھے: "مصائب انسانی کی اصلیت دریافت کر کے ان سے نجات پانا علم الیقین کا درجہ ہے۔"

فلسفہ جوگ مارگ کا نظریہ تھا: "ریاضتہائے جوگ سے خدا شناسی کا مرتبہ حاصل کرنا علم الیقین ہے"

اور ویدانتی کہتے تھے۔ اپنی ذات اور خدا کو ایک جاننا یعنی مقام شہود علم الیقین ہے۔"

علم الیقین کے حصول کے لئے وسائل اور ذرائع کی ضرورت تھی۔ ان وسائل اور ذرائع میں اس وقت شدید اختلاف تھا۔ کرشن جی مہاراج نے وہ عمل بتا دیا جس کے ذریعہ انسان سچے علم کو حاصل کر سکتا تھا۔ گیتا میں انہی وسائل اور ذرائع کا علم پایا جاتا ہے۔ اور سنکھیہ، جوگا اور ویدانت کے فلسفوں کی گشدہ کڑیوں کو بیان کیا ہے

**بھگوت گیتا** | بھگوت گیتا کے معنی کلام ربانی ہے یہ کتاب مہابھارت کا ایک حصہ ہے

اس میں ۱۸ ادھیائے ۷۰۰ اشلوک ہیں۔ جو کرشن اور ارجن کے درمیان مکالمہ و مخاطبہ کی صورت میں ہیں۔

مصنفین اور محققین کا اس بارہ میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے کہ بھگوت گیتا کرشن جی مہاراج کی تصنیف ہے یا بعد میں کسی اور شخص نے لکھ کر شری کرشن جی مہاراج کی طرف منسوب کر دی ہے۔

داس گپتا کی تحقیق کے مطابق کوئی تصنیف نہیں بلکہ اس میں بہت کچھ اُپ نشدوں سے ستعار لیا گیا ہے[1]

اسی طرح مصنفین یہ بھی طے نہیں کر سکے کہ یہ کس زمانہ کی تصنیف ہے۔ داس گپتا کا بیان ہے کہ بھگوت گیتا میں برہم سوتر کا حوالہ موجود ہے اور برہم سوتر دوسری صدی قبل مسیح کے بعد کی تصنیف قرار دی جا سکتی ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ بھگوت گیتا دراصل (EKANTI VIAISNARAS) کی تصنیف ہے۔[2]

حقیقت یہ ہے کہ بھگوت گیتا کرشن جی مہاراج کی ہی کتاب ہے لیکن مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ اس میں تحریف و تبدل ہوتا رہا۔ یہ ظلم صرف بھگوت گیتا کے ساتھ ہی نہیں ہوا، بلکہ دنیا کی کثر مذہبی کتب کے ساتھ ہوا ہے۔

جیسا کہ پہلے یہ ذکر ہو چکا ہے، بھگوت گیتا کرشن جی مہاراج اور ارجن کے مابین مکالمہ و خاطبہ ہے جو مہابھارت کے میدان میں واقع ہوا۔ اس لئے جنگِ مہابھارت کے اسباب وقوع علوم کرنے ضروری ہیں۔

ہستناپور کی ریاست میں دو رشتہ دار خاندان کورو اور پانڈو رہتے تھے۔ دونوں خاندانوں ں رقابت چلی آ رہی تھی۔ کوروؤں نے پانڈوؤں کو قتل کرنے کی سازش کی۔ پانڈو جو پانچ بھائی ۔ دھشٹر، بھیم سین۔ ارجن۔ نکل۔ سہدیو) وہ لباس تبدیل کر کے ہستناپور سے فرار ہو گئے۔ دوسرے وں کے بادشاہوں کی مدد حاصل کرنے کے لئے کوشش کر رہے تھے تاکہ ان کی معاونت سے ں غصب شدہ املاک حاصل کریں۔

سفر کرتے کرتے پانچال کی سلطنت میں پہنچے۔ وہاں راجہ اپنی لڑکی کی شادی کرنا چاہتا تھا۔ ط یہ قرار پائی تھی کہ جو کوئی بہادر شہزادہ طلائی مچھلی کی آنکھ میں، جو چرخ قبیل کے قاعدہ سے ایک ستون صب کی گئی تھی، تیر لگائے اس سے شہزادی کی شادی کر دی جائے گی۔ اس سوئمبر میں مختلف ں کے شہزادے آئے ہوئے تھے۔ یہ پانچوں بھائی بھی برہمنوں کے لباس میں وہاں پہنچ گئے۔ ب شہزادے مچھلی کی آنکھ میں نشانہ میں ناکام رہے۔ ارجن نے اٹھ کر ایسا تیر مارا کہ وہ عین نشانہ

[1] داس گپتا جلد دوم صفحہ ۲۷۸ [2] داس گپتا جلد اول صفحہ ۴۲۱، ۴۲۲۔

پر جا لگا اور سوئمبر میں شور و غل مچ گیا اور ناکام شہزادوں نے ارجن پر حملہ کرنا چاہا۔ لیکن سری کرشن مہاراج بھی وہیں تھے، انہوں نے یہ کہہ دیا کہ برہمن نے شہزادی کو واجبی طور پر جیت لیا ہے۔ چنانچہ ارجن کے ساتھ شادی کر دی گئی۔

اس شادی کے بعد سری کرشن جی مہاراج نے پانڈوؤں کے حقوق واپس دلانے کے لیے دھرت راشٹر کے پاس ایک ایلچی بھیجا۔ شاہ کوروؤں نے ان کو اندر پرست میں آباد ہونے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ پانڈوؤں نے نئی سلطنت کی بنیاد ڈالی اور آرام سے زندگی بسر کرنے لگے۔

کوروؤں نے جب اپنے چچیرے بھائیوں کو آرام کی زندگی بسر کرتے ہوئے دیکھا تو ان کے حسد کی آگ جلنے لگی اور ان کو تباہ و برباد کرنے کی سازشیں شروع کر دیں۔ چنانچہ مجلس مشاورت منعقد ہوا جس میں کوروؤں کے چچا سکنی نے یہ مشورہ دیا کہ پانڈوؤں کو جوئے بازی کی دعوت دی جائے۔ اور اس بازی میں ان سے سب کچھ جیت لیا جائے اور پھر ان کو جلاوطنی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا جائے چنانچہ کوروؤں نے پانڈوؤں کو جوئے بازی کی دعوت دی اور وہ کھیلنے پر رضامند ہو گئے۔ یدھشٹر جو پانڈوؤں میں سب سے بڑا بھائی اور شہزادی دروپدی کا سب سے بڑا خاوند، جوا کھیلنے لگا اور سب کچھ ہار گیا۔ یہاں تک کہ شہزادی دروپدی کو بھی ہار گئے۔ آخر کار مہابھارت کی لڑائی کا یہی سبب بنا۔ اک فریق پانڈو تھے اور دوسرا فریق کورو۔ کرشن جی مہاراج پانڈوؤں کی طرف سے شریک ہوئے۔ ارجن لڑائی کے وقت کرشن جی سے کہا کہ فریق مخالف ہمارے رشتہ دار ہیں۔ ان پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے کرشن جی نے بحث کر کے اس کو لڑائی لڑنے پر آمادہ کیا۔ ان دونوں کا مکالمہ و مخاطبہ بھگوت گیتا کہلاتا ہے۔

**فلسفہ بھگوت گیتا**

شری کرشن جی مہاراج کے وقت ہندوؤں کے تمام فلسفے صرف ایک ہی محور کے اردگرد گھومتے تھے کہ مصائب اور تکالیف سے کس طرح نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔ سری کرشن مہاراج نے بھی مصائب سے نجات پانے کا راستہ بتایا۔ سب سے پہلے انہوں نے مصائب اور تکالیف کے سرچشمہ کی نشان دہی کی۔ آپ نے کہا کہ مصائب اور تکالیف مایا یا مغالطہ سے آتی ہے۔

**مغالطہ کیا ہے؟**

مغالطہ یہ ہے کہ انسان عالم مثال کی چھوٹی چیزوں کو حقیقی جانتا ہے اور انہی کی محبت میں حیران سرگرداں پھرتا ہے۔ اس سے تکلیف اور مصیبت کا صدور ہوتا ہے۔ شری کرشن جی مہاراج کے فلسفہ کی رو سے عالم مثال غیر حقیقی ناپائیدار متغیر ہے۔ اس کے مقابل پر ایک اور عالم ہے جس کو وہ عالم برزخ کہتے ہیں۔ وہی عالم حقیقی غیر متغیر اور خوبصورت ہے۔

**مغالطہ کیسے دور کیا جائے؟** فلسفہ بھگوت گیتا کی رو سے مغالطہ کے دور کرنے کے چار طریقے بیان کئے ہیں۔

۱۔ مراقبہ یعنی دھیان۔
۲۔ ریاضتہائے جوگ۔
۳۔ استقلال عشق الٰہی۔
۴۔ ادائے فرائض بلا اغراض و خواہش۔

جب ایک انسان مغالطہ سے باہر نکل آئے گا تو اس کے لئے نجات کا حصول سہل ہو جائے گا۔ نجات کے حصول کے لئے پھر تین طریقے بیان کئے ہیں۔

۱۔ قدرت کاملہ اور قدرتی اشیاء کا عشق۔
۲۔ فرائض جاننے کے لئے تحصیل علم۔
۳۔ افعال یعنی ادائے فرائض بلا خواہشات نفسانی۔

علم یہ بتائے گا کہ کن فرائض کا ادا کرنا ضروری ہے۔ اور عشق الٰہی، خدا کی ذات پر کامل بھروسہ پیدا ہو گا۔ اور یہ اعتقاد ہی انسان کو ادائے فرائض بلا خواہش نفسانی کی ترغیب دیتا ہے۔ جب انسان سے تمام فرائض بلا خواہشات نفسانی صادر ہوں گے تو وہ نجات کے دروازے میں داخل ہو جائے گا۔

بھگوت گیتا میں نروان کے حصول کے لئے ذات پات کی قید سے بالاتر ہونا بھی نہایت ضروری قرار دیا ہے۔

**گیتا میں خدا کا تصور** گیتا خدا کے بارے میں کہتی ہے کہ اس کا نہ کوئی شروع ہے نہ آخر وہ سب میں بسا ہوا ہے اور سب سے الگ ہے اور وہ سب کے دلوں میں ہے۔ پر وہ خیال کی پہنچ سے بھی پرے ہے، نہ آدمی کا دماغ اس کا تصور نہیں کر سکتا اور نہ اس کی زبان اسے بیان کر سکتی ہے۔

**تخلیق کائنات** پیدائش عالم کے بارے میں گیتا نے ایک خاص نظریہ بیان کیا ہے۔ دنیا بار بار پیدا ہوتی ہے اور بار بار مٹتی ہے۔ اس دنیا سے پہلے نہ معلوم کتنی دنیائیں پیدا ہو چکی ہیں اور نہ معلوم کتنی اور پیدا ہونگی۔

اس نظریہ کو یوں بیان کیا ہے۔ "ہر ایک کلپ کے خاتمے پر سب چیزیں میری طرف پلٹتی ہیں اور دوسرے کلپ کے آنے پر میں انہیں پھر نکالتا ہوں۔" (اٹھواں ادھیائے شلوک ۷)

**روح اور مادہ** گیتا روح اور مادے کی ابدیت کو تسلیم کرتی ہے۔ لیکن مادہ آزاد نہیں بلکہ روح کا تابع ہے (۷/۴)

خدا مادے میں تخم رکھتا ہے جس سے تکوین شروع ہوتی ہے اس لئے وہ تمام مخلوقات کا باپ ہے۔ جب کہ مادے کا مقابلہ ماں کے رحم سے کیا جا سکتا ہے (۱۴-۳)

گیتا کی رو سے روح غیر متغیر ہے اور مادہ تغیر پذیر۔

**جبر و اختیار** گیتا کا رجحان جبر کی طرف ہے۔ کرشن جی مہاراج فرماتے ہیں۔ "اے ارجن، مالک سب کے دلوں میں رہتا ہے اور انہیں اپنے مایا کے چکر پر نچاتا ہے (ادھیائے ۱۸ شلوک ۶۱)۔

**وحدانیت** گیتا پُرزور الفاظ میں ایک خدا کی پرستش کی تعلیم دیتی ہے اور ایک خاص طریقہ عمل پیش کرتی ہے یعنی انسان کو نتیجہ سے بے نیاز ہو کر اپنے فرائض سرانجام دینے چاہئیں۔

# فلسفیانہ ہندومت

**مکتی کے تین طریقے** ہندومت کے تمام فرقوں کا مرکزی مسئلہ نجات ہے۔ ہندوؤں کے نزدیک نجات کے حصول کے تین طریقے ہیں۔

۱۔ راہ عمل ( ) (KARAMA MARGA)
۲۔ راہ علم ( ) (JANANA MARGA)
۳۔ راہ ریاضت ( ) (BAAKTI MARGA)

یہ تینوں راستے ایک دوسرے سے الگ نہیں۔ تمام ہندو فرقے ان طریقوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ ابتدا زمانہ میں راہ علم پر بہت زور دیا گیا۔ پھر راہ عمل کی اہمیت بڑھی۔ آخری زمانہ میں راہ ریاضت پر زیادہ زور دیا جانے لگا اور اس کی اہمیت سب راہوں پر غالب آ گئی۔

**راہ عمل** عمل کا راستہ ویدوں نے بتایا۔ برہمن، کلپ سوتر اور میما سا میں اس کی تشریح و تدوین ہوئی۔ دھرم شاستر، مہابھارت اور پرانوں نے اسے عام مقبولیت بخشی۔

**راہ عمل کی فلسفیانہ بنیاد** ویدک تصورات کی بنیاد ایک مدلل فلسفیانہ نظام پر ہے۔ یہ نظام ایک اعلیٰ ترین ہستی پر مبنی ہے جو حقیقت کامل ہے۔ یہ ہستی واحد (ایکم) مشخص (پرس) خالق (وشوکرما) پرجاپتی (تا) ہے وہ اعلیٰ ہستی (برہمن) محیط کل عالم کل۔ قانون اخلاق کو قائم رکھنے والی اور نظام کائنات کی نگران ہے وہ باپ ہے، دنیا کی رکھوالی ہے اور خواہشات کو پورا کرنے والی ہے۔ دنیا میں جو رنگا رنگ متحرک و غیر متحرک چلنے اور اڑنے والی ہستیاں

---

۱ اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر۔ از ڈاکٹر تارا چند مترجمہ ص ۲۴۔

ہیں ان سب کا آقا یہی واحد ہستی ہے۔ [۱]

اس قادر مطلق ہستی نے اس کائنات کو کس طرح پیدا کیا، ویدک لٹریچر میں اس کو کئی طرح سے بیان کیا گیا ہے۔ ایک تصور یہ ہے کہ کائنات کا وجود از خود پیدا ہو گیا [۲] کہیں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ کائنات قربانی کا نتیجہ ہے۔ خود پرس نے قربانی دی اور اس کے مختلف اعضا سے کائنات کے مختلف حصے معرض وجود میں آئے۔ [۳] فلسفیانہ نقطہ نگاہ سے تخلیق کائنات عدم وجود سے وجود کا ارتقائی عمل ہے۔ [۴] ابتدا میں دونوں معدوم تھے ایک تاریک خلا تھا جس میں ذات واحد ساکن اور ساکت تھی پھر اس میں خواہش پیدا ہوئی۔ یہی وجود اور عدم کی علت العلل بن گئی۔ لیکن جس جس نظریہ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے وہ یہ ہے کہ ازلی ہستی نے پہلے پانی پیدا کیا جس پر ایک سنہرا انڈا تیر رہا تھا۔ پھر وہ اس انڈے میں داخل ہوا اور برہما بن کر ظاہر ہوا۔ یہی سب سے پہلی مخلوق ہے۔ پھر برہما نے دیوتا آسمان، زمین، چاند، سورج، دنیا اور انسان پیدا کئے۔ یہ سب نظریات وحدت الوجودی عقیدہ کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اس لئے کہ تخلیق یا تو اس طرح ہوئی کہ علت العلل خود کائنات میں منتقل ہو گیا یا اور ہستی سب پر حاوی ہو گئی۔ یا جو چیز غیر مشہود تھی مشہود ہو گئی۔

طریق عمل کے عقیدہ کے لحاظ سے یہ تصور سب سے اہم اور ضروری ہے کہ اس کائنات میں ہر وجود خواہ وہ ذی حیات ہے یا غیر ذی حیات سب ایک ابدی قانون کی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں۔ بلکہ انسانی قربانی بھی ایک آفاقی اور عالمگیر قانون کے تابع ہے۔

اس آفاقی اور ہمہ گیر نظام کا نشان قربانی ہے۔ اس لئے کہ جب پرجاپتی (مالک کل) کی طاقت عمل تخلیق سے کمزور پڑ جاتی ہے تو دیوتا قربانی سے اس کمزوری کو دور کر دیتے ہیں۔ قربانی ہی وہ ذریعہ ہے جس سے خوش ہو کر دیوتا بارش، طوفان، طلوع آفتاب وغیرہ کی کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں اس طرح قربانی ہی ایک ایسا وسیلہ ہے جس سے خدا کی مرضی پوری ہوتی ہے۔ انسان اللہ تعالےٰ کی مخلوق ہے اور اسی کی خوشنودی اور رضا کا تابع ہے وہ اس رضا کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور طبعی طور پر اپنے اعمال کو دیوتاؤں کے اعمال کے مطابق ڈھالنے میں مصروف رہتا ہے اس طرح قربانی ہی وہ فعل ہے جس سے دنیا اور آخرت کی برکات میسر آتی ہیں۔

پس پر خلوص قربانی کے ذریعہ ہی ابدی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ قربانیاں کئی قسم کی ہیں۔ ایک تو فرض اور مقررہ (نتیہ NITYA) دوسرے فرض اور غیر مقررہ (نئی متیکا (NIAMITTIKA) تیسرے اختیاری (کامیا KAMYA) پھر گھریلو قربانیاں بھی ہیں (گرہیا (GRHYA) جن کا تعلق

---

[۱] رگ وید باب دہم ۱۲۔ [۲] رگ وید باب دہم ۹۔

[۳] رگ وید باب دہم ۱۳۹۔

افراد سے ہے۔ ویدک عہد میں جو قربانیاں دی جاتی تھیں وہ جانوروں، پھلوں، دودھ اور روٹیوں پر مشتمل ہوتی تھیں لیکن جانوروں کی قربانی مذہبی رسوم سے متروک ہوگئی اور سمرتی کے ماننے والے صرف وہی قربانی کرتے تھے جن میں خون بہایا نہیں جاتا تھا۔ عمل کے تعین کے لئے سماج کو چار قسموں (ورن) میں تقسیم کیا گیا۔ پھر ہر قسم (ورن) کے لئے علیٰحدہ علیٰحدہ عمل مقرر کئے گئے۔ برہمن کی مکتی کے لئے اعمال اور ہیں، چھتری کے اور، ویش کے اور، شودر کے اور، عورت کے اور۔ برہمن کی مکتی حصول علم سے ہے، چھتری کی نجات برہمنوں کو خیرات دینے اور جنگ میں بہادری کے جوہر دکھانے سے، ویش کی عبادت زراعت اور مال مویشی پالنے سے اور شودر کی نجات مندرجہ بالا تینوں ورنوں کی صرف خدمت گذاری سے ہوگی۔ چنانچہ وید میں لکھا ہے۔ وید کے لئے برہمن، حکومت کے لئے چھتری، مال مویشی پالنے کو ویش دکھ اٹھانے اور خدمت کرنے کے لئے شودر کو پیدا کیا گیا ہے۔[1]

منو کہتا ہے۔ وید پڑھنے والے برہمنوں کی خدمت ہی شودروں کے لئے نجات دلانے والا عمل ہے۔ شودر کے لئے برہمنوں کی خدمت ہی نیکی کا کام ہے۔ یہ شاستروں کے بنانے والے فاضلوں نے کیا ہے اس کے علاوہ جو کچھ بھی وہ اور کرتا ہے وہ اس کے لئے بے سود ہے۔[2]

گیتا میں جناب کرشن چھتری کا دھرم بتلاتے ہوئے ارجن کو کہتے ہیں کہ اگر اپنے دھرم کے خیال سے دیکھا جاوے تو بھی تجھ کو غم نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ دھرم کی رو سے چھتری کا جنگ سے بڑھ کر اور کوئی دھرم نہیں ہے۔

اور گیتا کے آخری ادھیاء میں فرماتے ہیں کہ اپنا اپنا عمل کرنے والے لوگ عمل کے ذریعہ سے پرمیشور کو پالیتے ہیں جو کہ سب کا مدعا ہے۔ اپنا دھرم کیسا ہی خوبیوں سے خالی ہو نجات کا ذریعہ ہے اور دوسرے کا دھرم خواہ کیسا ہی خوبیوں سے پُر کیوں نہ ہو نجات کا ذریعہ نہیں۔[3]

گیتا عمل کے لئے ایک ضروری شرط یہ عائد کرتی ہے کہ نتائج سے بے پروا ہو کر فرائض ادا کئے جائیں۔

پس راہِ عمل کا عام اور سادہ مفہوم یہ ہے کہ نتائج سے بے پروا ہو کر دیوتاؤں کی قربانیاں دی جائیں اور ہندوؤں کی چاروں ذاتیں اپنے اپنے فرائض سرانجام دیں۔

**راہِ علم (گیان مارگ)**

ویدوں اور براہمنوں نے راہ عمل پر بہت زور دیا ہے۔ جب اواگون اور عمل کے نظریات پیدا ہوئے تو ہندو مفکروں کے ذہن نے یہ محسوس کیا کہ صرف راہِ عمل پر ہی گامزن ہونے سے حقیقی نجات نہیں مل سکتی۔ اس لئے یہ امر ضروری ہے کہ علت و معلول کی سخت زنجیر کو توڑنے اور عمل اول کی لامتناہی حرکت کا سلسلہ

---

[1] یجروید ۳۱/۵ شلوک ۱۱ [2] ادھیاء ۹ شلوک ۳۳۴ - ۳۳۵ اور ادھیاء ۱۰ شلوک ۱۲۲ - ۱۲۳ [3] گیتا ادھیاء ۱۸

ختم کرنے کے لئے کوئی اور ذریعہ تلاش کیا جائے۔ چنانچہ یہ معلوم کرنا ضروری ہو گیا کہ خود عمل اور اس کی ماہیت کیا ہے۔ وہ قانون کیا ہے جس کے مطابق زندگی بسر کرنے سے آدمی عمل اور ردعمل کے چکر سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ شروع میں تارک الدنیا درویشوں نے اس سلسلہ میں بہت غور و فکر کیا۔ ان کے افکار اپنشدوں میں محفوظ ہیں۔ یہ افکار اور نظریات ان علاقوں میں زیادہ مقبول ہوئے جو آریاورت سے باہر تھے۔ نیز کھشتریوں اور دوسرے غیر برہمنوں میں ان نظریات کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ ان نظریات اور افکار کو ان وسطی علاقوں کے جنوب مغرب اور مشرق میں رہنے والی اقوام نے زندہ رکھا۔ جن پر ویدک آریوں، کھشتریوں اور غیر برہمنوں کا غلبہ تھا۔

مبداء کائنات، تقدیر انسانی، حقیقت اولیٰ کی ماہیت اور اس سے انسان کا تعلق، مسئلہ خیر و شر، انسانی اعمال کی نفسیات اور وسائل نجات سے متعلق بحث و مباحث ہوئے اس طرح کئی فلسفیانہ مکتب ہائے فکر کی بنیاد پڑ گئی۔ جیسے سانکھیہ، یوگہ، ویدانت، بدھ، جین، شوی، ویشوی تانترا لوکائیہ وغیرہ۔

ہر نظام نے زندگی کے مختلف مسائل کا الگ الگ حل پیش کیا۔ مگر ان سب میں کچھ مشترک عناصر ہیں۔ پہلا مشترک عنصر یہ ہے کہ یہ تمام نظام ایک ہی مرکز سے وابستہ ہیں یعنی قانون کا ویدک تصور قانون کا یہ تصور کرما کے تصور سے وابستہ ہے۔ عمل نام ہے علت و معلول کے باہمی رشتے اور تعلق کا اور اس سے وہ لامحدود تسلسل وجود میں آتا ہے جس میں کائنات اور انسان جکڑے ہوئے ہیں جب اس تصور عمل سے کائنات کو دیکھا جائے تو آفرینش اور توالد و تناسل کا سلسلہ پیدا ہوتا ہے اگر اسی تصور عمل سے انسان کو دیکھا جائے تو اداگون کا نظریہ سامنے آتا ہے۔

کرما یا عمل کی روح محکومی سے عبارت ہے اور محکومی عبارت ہے ابتلاؤں اور آزمائشوں سے انسانی سعی بلیغ کا یہ مقصد ہے کہ محکومی کی زنجیروں کو توڑا جائے۔ اور زمان و مکان اور علت و معلول کے مفروضات سے باہر نکلا جائے۔

تصورات علیت میں علت مواد اور نتیجے کا باہمی ربط شامل ہے۔ جس کی تعبیر مختلف حالات میں مختلف کی گئی ہے۔ لیکن ان سب کا مفہوم ایک ہی ہے۔ کبھی اس مفہوم وسیلے سے تخلیق کا تعین ہوتا ہے، کبھی محض واقعات کا تسلسل اور کبھی علت و معلول کی یکسانیت کا اظہار علت و معلول کا تصور مختلف افکار میں مختلف ہے۔ اس کا ایک مفہوم خدا اور کائنات کا تعلق ہے۔ علت و معلول کے نظریہ کی چار خاص تعبیریں یہ ہیں۔

۱۔ خدا پرستی کا نظریہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے کائنات کو عدم سے پیدا کیا لیکن کائنات

---

۱؎ گیتا ادھیاء ۱۸ شلوک ۴۷ ۲؎ اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر از ڈاکٹر تاراچند صہ ۳۹

حقیقت ہے۔

۲ حقیقت پرستانہ نقطہ نظر: یعنی یہ کہ فطرت اور خدا دونوں قدیم اور ایک دوسرے سے بے نیاز ہیں، خدا محض خالق عالم ہے۔

۳۔ وحدت وجودی نقطہ نظر: جو کائنات کو مظہر خدا سمجھتا ہے اور خدا اور کائنات کو ایک قرار دیتا ہے۔[1]

مابعد الطبیعاتی مفروضات سے قطع نظر ہندوستان کے مذہبی فلسفیانہ نظاموں کا طریق استدلال ایک ہی ہے۔ پہلا مفروضہ یہ ہے کہ صداقت اور حقیقت محض استدلال یا ایمان کے ذریعہ ہی پہچانی نہیں جاتی بلکہ حقیقی تجربہ کے ذریعہ سے بھی حقیقت تک پہنچا جا سکتا ہے اور یہ کہ ان وجدانی صداقتوں کے بارے میں غور و فکر کرنا چاہئے اور پھر فلسفہ کا کام یہ ہے کہ انہیں دلائل اور براہین سے ثابت کرے۔

فلسفہ کے نظام علم و معرفت میں حقیقتوں کا علم اور پھر ان پر غور و فکر متواتر مراقبہ شامل ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان کا دل صداقت کے نور سے منور ہو جائے۔ فلسفیانہ حقیقت کا اظہار فرد کے تعصبات، مزاج اور ذہانت پر مبنی ہوتا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ مختلف نقطہ ہائے نظر اور افراد کے اپنے طبعی تقاضے غور و فکر کے متقاضی ہوں اور ان کو کسی طرح بھی نظر انداز نہ کیا جائے۔

ان امور کے پیش نظر اگر غور کیا جائے تو ہندو فلسفہ کے چھ مختلف نظام ایک ہی سلسلہ کی مختلف کڑیاں ہیں۔ ڈاکٹر تاراچند نے اس کی وضاحت یوں کی ہے۔

"پورو امیما میں مذہب کے عملی پہلو کا بیان ہے اور ویدک رسوم و فرائض کی تشریح ہے۔ بنائے بیں استدلال کا طریقہ بنایا گیا ہے۔ ویسیسکا میں مابعد الطبیعاتی عقائد کی اولین تشریح ہے اور کائنات کو بنیادی عناصر یا ازخود زندہ رہنے والی ہستیوں کو نو اقسام میں محدود کر دیا گیا ہے۔ سانکیہ میں اس تشریح کو ایک درجہ اور آگے بڑھایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ ساری کائنات صرف دو بنیادی اصول پرس اور پرکرتی یعنی روح اور مادہ سے ماخوذ ہے۔ یوگ میں سانکیہ کی تشریح مان کر ایسا عملی طریقہ دریافت کرنے پر غور کیا گیا جس سے ان عقائد کی صداقت براہ راست تجربہ سے ثابت ہو جائے۔ آخر میں ویدانت، سانکیہ اور یوگ کی دو حقیقتوں کو صرف ایک حقیقت مطلق قرار دیتا ہے جو مختلف شکلوں اور ناموں سے غیر محدود اقسام کے کائناتی مظاہر میں جلوہ گر ہوتی ہیں"۔[2]

**راہ ریاضت (بھگتی مارگ)** مکتی کے حصول کا تیسرا راستہ ریاضت (بھگتی مارگ) ہے بھگتی کی تعریف یہ ہے۔ "محبت کے جذبے کے ساتھ

---

[1] اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر از ڈاکٹر تاراچند بار اول ص ۳۸ [2] اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر از ڈاکٹر تاراچند ص ۳۹

ہے شخصی دیوتا کی پوجا کی جائے یعنی ایک شخص خدا پر ذاتی ایمان اور عقیدہ اور اس سے محبت جیسی سان سے ہوتی ہے ہر چیز کو اس کی خدمت کے لئے وقف کر دینا اور اس ذریعہ سے "موکش" حاصل زنا نہ کہ علم یا قربانی یا اعمال سے[۱]" ایسی محبت جو آقا کی صفات کا علم حاصل کرنے کے بعد اس قابل ستش ہستی پر مرکوز ہو جائے[۲]

بھگتی کا تعلق جذبات سے ہے اور اس کی جڑیں شعور انسانی کے احساساتی پہلو میں موجود ہیں۔ یا کہ علم یا گیان کی جڑیں ذہنی حصہ میں اور عمل یا کرم کی جڑیں قوت ارادی کے حصے میں ہیں ۔ بھگتی کا سرچشمہ دید ہی ہیں۔ شروع میں طریق ریاضت پر زیادہ زور نہیں دیا گیا۔ بعد میں طریق باضت نے دوسرے دو طرق عمل اور علم پر نمایاں غلبہ حاصل کر لیا ۔

**پہلی دستاویز** اس فلسفیانہ فکر کی قدیم ترین دستاویز بھگوت گیتا ہے۔ اس کتاب میں کرشن جی مہاراج فرماتے ہیں کہ ہمہ تن عقیدت ہی سے خدا کو پا سکتے ہیں۔[۳] خدا اتنا کریم ہے کہ جو کچھ بھی عقیدت سے اسے نذر کیا جائے پتا یا پھول یا پھل یا پانی اسے بخوشی بول کرتا ہے۔[۴] عقیدت کا مطلب تمام اعمال کو اسی سے منسوب کرنا ہے۔[۵] اس لئے عقیدت مند خدا ہی کی ہستی میں رہتے اور جیتے ہیں[۶] خدا اپنے عقیدت مندوں پر ناقابل بیان نوازش کرتا ہے اس ئے کہ گناہ گار پجاریوں سے بھی وعدہ ہے کہ اگر انہوں نے یکسوئی قلب سے عبادت کی تو ان کا شمار یکوں میں ہوگا[۷] اور وہ کبھی فنا نہ ہوں گے[۸] خدا کی نظر میں سارے عقیدت مند برابر ہیں خواہ وہ گناہ میں پیدا ہوئے ہیں یا ثواب میں۔ اور چاہے وہ کسی ذات یا فرقے کے ہوں[۹] عقیدت ہی سے دا کو دیکھا اور پہچانا جا سکتا ہے اور اس سے یکجائی ہو سکتی ہے[۱۰] عقیدت ہی عارفانہ رویت اور

---

۱۔ اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر از ڈاکٹر تارا چند صـ۴۸

۲۔ اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر صـ۴۸

۳۔ بھگوت گیتا ہشتم ۲۲ (ترجمہ از بھگوان داس) بحوالہ اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر صـ۴۹

۴۔ بھگوت گیتا نہم ۲۶ (ترجمہ از بھگوان داس) بحوالہ ایضاً صـ۴۹

۵۔ بھگوت گیتا ہشتم ۲۲ (ترجمہ از بھگوان داس) بحوالہ ایضاً صـ۴۹

۶۔ بھگوت گیتا نہم ۲۹ (ترجمہ از بھگوان داس) بحوالہ ایضاً صـ۴۹

۷۔ بھگوت گیتا نہم ۳۰ (ترجمہ از بھگوان داس) بحوالہ ایضاً صـ۴۹

۸۔ بھگوت گیتا نہم ۳۱ (ترجمہ از بھگوان داس) بحوالہ ایضاً صـ۴۹

۹۔ بھگوت گیتا نہم ۳۲ (ترجمہ از بھگوان داس) بحوالہ ایضاً صـ۴۹

۱۰۔ بھگوت گیتا یازدھم ۵۴ بحوالہ ایضاً صـ۴۹-۵۰

حالت وحدت کے حصول کا وسیلہ ہے۔ عقیدت مند خدا کا پیارا ہے۔[۱] حیرت انگیز طور پر پیارا، اس لئے کہ خدا باپ ہے[۲]، شوہر ہے[۳] مال ہے[۴] اور دوست ہے[۵]

فلسفہ راہ ریاضت جن عناصر سے مرکب ہے وہ یہ ہیں۔

۱۔ ایک شخصی خدا۔
۲۔ اکرام الٰہی۔
۳۔ خدا کی رضا کے سامنے آپ کو کلیتہً سپرد کر دینا۔
۴۔ سب انسانوں کی نجات کا وعدہ بلالحاظ ذات فرقہ۔
۵۔ محبت۔
۶۔ اتصال باطنی۔
۷۔ اس میں سوتیا سراتا رامانند نے خدا کی طرح گرو سے عقیدت کا بھی اضافہ کیا ہے[۶]

**دوسری دستاویز** | اس فلسفیانہ فکر کی دوسری دستاویز مہابھارت کے شانتی پرا (SANTI PARRAN) کا حصہ نارائنیا ہے۔ اس میں اکانتین مذہب کی تشریح ہے۔ اور مراقبہ، ذکر خفی، سنجوگ، جلانا، دماغ زمان اور افعال سے عبادت کرنا اس کے مذہبی ارکان ہیں۔ ان پر پابندی سے عمل کرنے کے نتیجہ میں دیدار الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ راہ ریاضت (بھگتی مذہب) راہ علم اور ویدک مذہبی رسوم سے افضل ہے۔ اس میں نرائن یا اس کے کسی مظہر کی پرستش کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔

نرائینا کے تصورات نیچر اتر سمہیتا میں زیادہ تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں جس میں پوجا اور مراقبہ سے حاصل کئے ہوئے علم کے علاوہ بھگتی کو بھی ذریعہ نجات قرار دیا ہے۔ سمہیتا کی رو سے بھگتی کا مطلب یہ ہے کہ دل سے یہ دعا کر کے پناہ مانگی جائے کہ میں سراپا گناہ ہوں۔ ناچیز و بے یار و مددگار، تو ہی مداوا (رہائی) ہن جا۔ پناہ مانگنے سے مراد یہ ہے کہ زہد یا تزا، قربانی، خیرات اور ایثار کیا جائے۔[۱۱]

---

[۱] بھگوت گیتا دوازدھم ۱۴ بحوالہ ایضاً صفحہ ۵
[۲] بھگوت گیتا دوازدھم ۲۰ ترجمہ بھگوان داس بحوالہ اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر صفحہ ۵
[۳] بھگوت گیتا نہم ۱۷ بحوالہ اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر صفحہ ۵
[۴] بھگوت گیتا نہم ۱۸ بحوالہ اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر صفحہ ۵
[۵] بھگوت گیتا نہم ۱۷ بحوالہ اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر صفحہ ۵
[۶] بھگوت گیتا نہم ۱۸ بحوالہ اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر صفحہ ۵
[۷] سونسوتا رامانند ششم ۲۴ (ترجمہ از ہیوم)

سے بہتر اور برتر کوئی اور شے نہیں"۔ [۱]

ہنود کی زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت مقبولیت راہ عمل کو تھی۔ مذہبی غیر مذہبی آثار قدیمہ کے انکشافات، غیر ملکی سیاحوں کے مشاہدات اس امر کی تصدیق کرتے ہیں۔

راہِ علم صرف تعلیم یافتہ طبقہ، فلاسفہ، سیناسیوں اور راہبوں میں محدود رہی اور راہ ریاضت سب سے کم مقبول اور اہمیت کی حامل رہی۔ بھگوت گیتا اور مہابھارت کے نارینا حصے کے علاوہ شمالی ہند کے ہندو مذہبی لٹریچر میں اس کا ذکر بہت کم ملتا ہے۔

# تقلید پسند ہندوؤں کا نظام فلسفیہ

فلسفہ ہر قوم کے ماحول کا نتیجہ ہوتا ہے اور افکار فلسفہ اس قوم کی تہذیب اور دانش مندی کی بنیاد ہیں۔ اس وجہ سے کسی قوم کی دانشمندی اور تہذیب اس قوم کے فلسفیانہ افکار میں تلاش کرنی چاہیئے طبقات کے لحاظ سے فلسفہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ مغربی فلسفہ اور مشرقی فلسفہ

مغربی فلسفہ کی بنیاد حسب ذیل امور پر ہے۔

۱۔ خالق کائنات کی تحقیق۔

۲۔ مادہ جس سے اشیا صورت پذیر ہوئیں۔

۳۔ حقیقت بشر۔

۴۔ مقصود عقل۔

۵۔ کسی چیز کو استدلال، عقل، تجزیے اور تجربے سے سمجھنے کا طریق۔

۶۔ تہذیب الاخلاق۔

۷۔ اجتماعی زندگی اور اس کی بہترین صورت۔

۸۔ فہم و عقل۔

۹۔ حسن شناسی۔

اگرچہ مشرقی فلسفہ کے بھی کم و بیش یہی عنوانات ہیں، لیکن مشرقی فلاسفہ کا سوچنے کا انداز اور ہے وہ آخر کار خود شناسی، پاکیزگی افکار اور تزکیہ نفس اعمال پر ختم کرتا ہے۔ مشرقی فلسفہ اگر مذہب کا جزو نہ بھی بنے لیکن مذہب کے قریب ضرور ہو جاتا ہے۔ مشرقی فلسفہ میں ہندی فلسفہ حسب ذیل چار عنوانات

---

[۱] اسنرپڈر۔ انٹروڈکشن ٹو بھیر مدھینا اینڈ پنچ اتر سہیتا باب ۷، ۳ بحوالہ اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر صفحہ ۵۱۰۔

میں منقسم ہے۔

۱۔ پرودہ کپشا یعنی افکار سلف۔

۲۔ کندانا یعنی افکار سلف پر تنقید۔

۳۔ اترا پکشا یعنی شرح افکار نو۔

۴۔ سدھانتا یعنی نتیجہ افکار نو۔

اس طرح ہندی فلسفہ دو بڑے حصوں میں منقسم ہو جاتا ہے۔

۱۔ استیکا، ویدک فلسفہ جو الہامی خیال کیا جاتا ہے۔

۲۔ نستیکا افکار، مستقل و آزاد۔

علم کی دو اقسام ہیں۔

۱۔ مادیات کا علم یعنی وہ علم جو حواس پنجگانہ اور تجزیہ و تجربہ سے حاصل ہوتا ہے۔

۲۔ مجردات کا علم یعنی وہ علم جو قیاس اور استدلال سے حاصل کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ پہلے یہ ذکر ہو چکا ہے کہ ہر قوم کا فلسفہ اس کے ماحول کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ہر قوم کے فلسفیانہ سوالات بھی الگ الگ ہوں گے۔ ہندی فلسفہ کے سوالات یہ ہیں۔

رنج کس وجہ سے ہے؟ بے چارگی کا باعث کیا ہے؟ جان ہے یا نہیں ہے؟ قیود زندگی کہاں سے اور کیسے فراہم ہوئی ہیں؟ ان سے رہائی کس طرح ممکن ہے؟ کسی چیز کی اصل اور حقیقت کیا ہے۔

ہندو فلسفہ کا سرچشمہ وید ہیں۔ وید کی تفسیر و تاویل میں مفکرین کے دو گروہ پیدا ہوئے۔ ایک صرف عمل کا قائل تھا جس سے مراد عبادت و رسوم ہی دین تھیں۔ دوسرے گروہ نے وید کی عبارتوں سے فلسفیانہ افکار استنباط کرنے شروع کر دیئے جس سے افکار فلسفہ کا آغاز ہوا۔ پھر اس فلسفہ کے مختلف شعبے ظہور میں آئے۔

یہاں اختصار کے ساتھ چند فلسفیانہ افکار کا ذکر کیا جائے گا۔

**فلسفہ نیایہ** اس فلسفہ کا بانی گوتم ہے۔ یہ گوتم بدھ نہیں، یہ ایک اور فلاسفر اور مفکر ہے جس کی تصنیف نیائے سوترا (NYAYA SUTRA) ہے جو پانچ جلدوں میں ہے۔

نیائے منطقی مذہب ہے جس پر مابعد الطبیعیات کا کچھ اثر ہے۔ اسی وجہ سے اس کے پیرو کے واسطے منطق کی تعلیم لازمی ہے۔ یہ طریقہ استدلال سکھاتا ہے تاکہ انسان اپنے اعمال کا انتخاب کر کے بُرے کاموں سے محفوظ ہو کر نجات حاصل کر سکے۔

فلسفہ نیائے کی رو سے فقط تخیل، تصور اور عارفانہ رغبت سے حقیقت تک نہیں پہنچا جا سکتا۔
لئے حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کے لئے حسب ذیل وسائل کی ضرورت ہے۔

۔ احساس محسوسات یا حواس پنجگانہ۔
۱۔ قوت ممیزہ و استدلال۔
۲۔ کلمات یعنی گفتار حکماء۔
۳۔ موازنہ و تطبیق۔

محسوسات دو قسم کی ہیں۔ بعض محسوسات اعضائے ظاہر سے سمجھی جاتی ہیں یعنی آنکھ، کان، ناک
ہ سے۔ بعض محسوسات نفس باطن سے تعلق رکھتی ہیں، ان کو اعضائے باطنی سے سمجھا جاتا ہے۔
نفرت، خوشی، دکھ اور معرفت وغیرہ۔

حکمائے نیائے کے تحقیقی مسائل حسب ذیل ہیں۔

۔ جان۔
۔ نفس۔
۔ اجسام۔
۱۔ حواس پنجگانہ
۔ عقل۔
۔ حرکت۔
۔ نواقص ذہن
۔ تناسخ۔
۔ احساس رنج و مسرت کا نتیجہ۔
۔ مصائب جسمانی و روحانی۔
ہر قسم کے دکھوں سے نجات۔

فلسفہ نیایہ کے مطابق جان ایک جوہر ہے جو نفس اور بدن سے علیحدہ ہے۔ اس کی صفت عقل
ہے، لیکن یہ صفت عارضی و اتفاقی ہے۔ ہر شخص کو مستقل جان حاصل ہے جو ناقابل فنا ہے اور
ن اور مکان کی حدود سے آزاد ہے۔ [1]

نفس ایک جوہر لطیف ہے جو لاتجزی اور ناقابل شکست ہے۔
جس کی ۔۔۔ حسب ذیل ہے۔

[1] فلسفہ ہند و یونان از دین محمد شفیقی عہدی پوری صہ ۴۰ طبع دوم ۱۹۶۲ء

۱ ۔ عناصر چہارگانہ ۔
۲ ۔ آسمان ۔
۳ ۔ زمان ۔
۴ ۔ مکان ۔

اجسام ذرات سے مرکب ہیں بذات خود شعور سے بے بہرہ ہیں ۔
فلسفہ نیایہ میں جان، نفس، حواس اور جسم کا تعلق اس طرح بیان کیا جاتا ہے ۔

۱ جان جوہر ہے جس کی صفت عقل یا علم ہے جب اس کا نفس سے تعلق پیدا ہوتا ہے، تو اس پر علم کی روشنی پڑتی ہے ۔
۲ ۔ نفس علم کی روشنی سے زندہ ہو جاتا ہے اور حواس کو روشن کرتا ہے ۔
۳ ۔ حواس نفس کے نور سے روشن ہوتے ہیں اور اشیاء کو تابانی بخشتے ہیں ۔

فلسفہ نیائے خدا کو علت العلل اور نگہبان سمجھتا ہے اور وہی اشیائے کو نیست و نابود کرنے والا ہے ۔ لیکن فلسفہ نیایہ کا خدا کسی چیز کو عدم سے وجود میں نہیں لاتا، بلکہ موجودات کو صرف ترتیب اور صورت دیتا ہے ۔

## فلسفہ ویشسکا (VAISHESIKA)

دینیات سے زیادہ اس کا موضوع طبیعیات ہے اس میں مادہ اور روح کی تفریق تسلیم کی گئی ہے ۔ مادہ غیر فانی، غیر مرئی اور بے صورت ذرات پر مشتمل ہے انہیں کی ترکیب سے کائنات کی تخلیق ہوتی ہے ۔ برہم دن کے خاتمہ پر وہ ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں اور دنیا تباہ ہو جاتی ہے ۔ یہ فلسفہ جینیوں کے فلسفہ سے مشابہ ہے ۔ بعض لوگوں نے فلسفہ ویشسکا کو نیایہ کا ایک حصہ خیال کیا ہے ۔ دراصل یہ دونوں فلسفے جدا جدا ہیں ۔

اس فلسفہ کی شرح الوکا ملقب بہ کنادا (KANADA) نے ویشسکا سوترا کتاب میں کی ہے ۔ یہ کتاب دس جلدوں میں ہے ۔

فلسفہ نیایہ اور ویشسکا اس امر پر متفق ہیں کہ انسانی مصائب اور تکالیف کا سرچشمہ جہالت ہے اگر انسان جہالت سے نجات پا جائے تو مصائب خود بخود دور ہو جاتے ہیں ۔

ان دونوں فلسفوں میں فرق یہ ہے کہ نیایہ میں عقل کے وسائل چار ہیں اور ویشسکا میں صرف دو یعنی ادراک اور استدلال ۔ پہلا حواس پنجگانہ کے ذریعہ سے اور دوسرا قوت ممیزہ کے واسطہ سے حاصل ہوتا ہے ۔ نیایہ میں ۱۶ عنوانات پر بحث کی جاتی ہے، لیکن ویشسکا میں صرف نو پر بحث کی جاتی ہے جو درج ذیل ہیں ۔

جوہر جو اپنی ذات میں مستقل ہے۔ اس میں عرض اور کرم یعنی فعل مضمر ہوتے ہیں۔ اگر جوہر نہ ہو تو عرض اور فعل بھی نہیں ہوتے۔

جوہر نو قسم کے ہیں، جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ خاک۔
۲۔ آب۔
۳۔ روشنی۔
۴۔ آسمان۔
۵۔ ہوا۔
۶۔ زمان۔
۷۔ مکان۔
۸۔ جان۔
۹۔ نفس۔

**فلسفہ سانکھیہ ( SANKHYA )** یہ فلسفہ سب سے پرانا ہے تقریباً ۱۸۰۰ اور ۵۵۰ ق م کے درمیان وجود میں آیا۔

اس فلسفہ کا بانی کپیلا نامی فلاسفر ہے۔ اس کی تصنیف کا نام تت وسماس TATAIVAS MASE ہے۔ چونکہ یہ کتاب بہت ہی مختصر اور ادق تھی اس لئے کپیلا نے خود اس کی شرح لکھی۔ اس کے بعد اس کے شاگرد آسوری (ASURI) اور آسوری کے شاگرد پنکا سیکھا (PANCA SIKHA) نے اس کی شرح لکھی۔

یہ نظام فلسفہ گوتم بدھ اور مہاویر سے قبل رائج ہوا ہے۔

سانکھی کائنات کو دو مستقل اور متباین اجزا میں تقسیم کرتا ہے۔ روح یا پروشہ (PARUSHA) ۲۔ پراکرتی PRAKIRITI یعنی وہ قوت جو عالم مادیات کی علت العلل ہے۔

سانکھی یہ تعلیم دیتا ہے کہ پروشہ یعنی روح بہت سے ہیں اور یہ ہمیشہ ایک دوسرے سے جدا رہتے ہیں۔ اس لئے اس فلسفہ کو انفرادیت بھی کہا جا سکتا ہے۔

پروشہ یا روح غیر متغیر ہوتا ہے۔ اس لئے یہ پراکرتی کی طرح ظاہری اشکال میں متغیر نہیں ہوتا۔ چونکہ بے حس مادے کی چیزیں بدھی وغیرہ کی طرح اس سے متحد رہتی ہیں اس لئے وہ باحس ہو جاتی ہے۔ اور غیر عامل پروشہ (روح) عامل معلوم ہونے لگتا ہے۔

پراکرتی دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک علت اور ہم جنس ویکساں، دوسرا معلول اور مختلف اور

غیر یکساں۔ آخر الذکر معلول ہے جو محدود متغیر اور مختلف الاشکال ظاہری حالت قابل تقسیم اور تابع ہوتا ہے۔ اول الذکر اس کے برعکس ہوتا ہے۔

سانکھیہ معلول کو علت سے جدا نہیں جانتا۔ اس نے اس پر مفصل بحث کی ہے۔ نتیجہ میں کہتا ہے کہ علت معلول کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ علل و معلول بہت ہیں۔ جہاں یہ سلسلہ منتہی ہوتا ہے وہاں ایک علت العلل صورت اور جسمانیت سے نکل کر محض قوت بن جاتی ہے، جسے پراکرتی کہتے ہیں۔ علل و معلول یا جواہر و اعراض کا سلسلہ پراکرتی اور عالم مادیات سے وابستہ ہے۔ روح نہ علت ہے نہ معلول، محض علم ہے جو پراکرتی کے ساتھ متعلق ہے۔ روح کا یہ ارتباط پراکرتی کی فضائے تاریک و بے شعور کو نور علم سے منور کرتا ہے اور پراکرتی میں حرکت پیدا کرتی ہے۔ اس حرکت کا نتیجہ تولید اشیاء اور ظہور کائنات ہے۔ علت معلول سے زیادہ لطیف اور معلول پر محیط ہے۔[1]

**تین صفات** | پراکرتی میں تین صفات ہیں جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہتی ہے۔

۱۔ ستوہ ( ) (SATTAVA)

۲۔ رجس ( ) (RAJAS)

۳۔ تمس ( ) (TAMAS)

ستوہ جسم کو مسرت اور روشنی دیتی ہے۔ رجس اشیاء کو متحرک کرتی ہے اور تمس نفس پر جمود و خمود طاری کرتی ہے یہ تینوں صفات ہر جسم میں پائی جاتی ہیں۔ جب ستوہ رجس اور تمس پر غالب آجائے تو انسان نیک ہو جاتا ہے۔ اگر رجس غالب آجائے تو شجاعت اور حرکت پیدا ہوتی ہے۔ اور انسان کی فعالیت اسی سے ہے۔ اگر تمس غالب آجائے تو انسان پر جہالت، غفلت جمود و خمود طاری ہو جاتا ہے۔

ان تینوں صفات کی مثال ایسی ہے جیسے تیل، بتی اور روشنی ہے۔ تینوں ایک دوسرے سے جدا ہیں لیکن لازم ملزوم ہیں۔ جب تک تینوں نہ ہوں روشنی نہیں پیدا ہوتی۔ اسی طرح یہ تینوں صفات ہر چیز اور ہر انسان میں پائی جاتی ہیں۔ دریا کی لہروں کی طرح کبھی ایک اوپر ابھر آتی ہے تو دوسری دو نیچے دب جاتی ہیں۔ دنیا کی حرکت، بلندی اور تنزل انہی سے وابستہ ہیں۔

فلسفہ سنکھیہ میں پروشہ اور پراکرتی دو مستقل حقیقتیں ہیں اور دونوں ازلی اور ابدی ہیں۔ اور آپس میں ہم شکل اور ہم جنس ہیں لیکن ایک دوسرے کے قریب رہتی ہیں۔ ان کا آپس میں قرب مادی زندگی ہے اور بعد نجات ہے۔

فلسفہ سنکھیہ میں خدا کا کوئی تصور نہیں۔ متاخرین سانکھیہ میں سے بعض نے یہ کہا ہے۔ اگرچہ خدا خالق نہیں لیکن مخلوقات کا محافظ اور نگہبان ضرور ہے۔ یہ فلسفہ روح کو ہی حقیقی اور ابدی

---

[1] فلسفہ ہند و یونان از وین محمد شفیق عبدی پوری صفحہ ۴۴، ۴۵ طبع دوم اگست ۱۹۶۲ء

ی قرار دیتا ہے اور تمام عیوب سے منزہ تصور کرتا ہے۔

**فلسفہ یوگ** اگرچہ یوگ کی ابتداء وادی سندھ کے زمانہ میں ہو چکی تھی لیکن یہ فلسفہ پتنجلی سے منسوب ہے جس کی تصنیف یوگ سوتر (YOGASUTRA) ، جسے پتنجلی سوتر بھی کہتے ہیں۔ اس فلسفہ سے ہندوستان کے تمام مذاہب متاثر ہوئے۔

فلسفہ سنکھیہ نظری ہے اور فلسفہ یوگ عملی۔ اس فلسفہ میں خدا کا تصور بھی پایا جاتا ہے۔ فلسفہ سنکھیہ اور یوگ دونوں میں پروشہ (روح) حقیقی پاک اور بے نقص ہے۔ جس نے عقل نفس اور اس کے ذریعہ جسم سے تعلق پیدا کیا ہے۔ اس تعلق کی وجہ سے وقتی طور پر اپنی خصوصیات سے دست بردار ہو جاتی ہے۔ عقل پراکرتی کی پہلی معلول ہے جس پر صفت ستوہ محیط ہے۔

اگرچہ جان غیر متحرک ہے لیکن جب اس کا اتصال کسی جسم سے ہوتا ہے تو وہ متحرک نظر آتی ہے ، کی مثال ایسی ہے جیسا کہ چاند بادلوں میں متحرک نظر آتا ہے۔

جو تغیرات ظاہر ہوتے ہیں انہیں احوال ذہن یا ذہنی کیفیات کہا جاتا ہے۔ یہ بے شمار ہیں۔ کو فلسفہ یوگ میں اس طرح تقسیم کیا جاتا ہے۔

۱۔ پرمانہ (PARMAN) اشیاء کی صحیح شناخت۔

۲۔ وپریایہ (VIPARYAYA) اشیاء کی غلط شناخت۔

۳۔ وی کلپہ (VIKALPA) تصور و خیال۔

۴۔ ندرہ (NIDRA) غفلت کی حالت۔

۵۔ سمرتی (SMIRTI) حافظ کا محفوظ۔

حواس پنج گانہ کی وساطت سے شناخت (اس صورت میں کہ سب درست ہوں) عقل ، قیاس تجربہ اور عقلائے سلف کی شہادتیں حاصل ہوں۔

وپریایہ۔ اشتباہات ہیں جو راست نما ہوتے ہیں اور تحقیق و تدقیق کے بعد درست ثابت ہوتے ، خواب میں تمس کا عنصر نفس پر غالب ہوتا ہے اور انسان بہت کچھ دیکھتا ہے۔ سمرتی سے مقصد رفت کا ذخیرہ ہے جو ذہن میں نقش ہو جاتا ہے اور جب توجہ کریں تو دیکھا جا سکتا ہے کہ یہ کیفیات توقف آنکھوں کے سامنے گزرتی رہتی ہیں۔ جان انہیں عقل کی تختی پر دیکھ کر اپنے آپ کو متحرک ال کرتی ہے اور اسے اشتباہ ہوتا ہے کہ آغاز ہوا اور ماں کے پیٹ سے تولد ہوئی اب بچہ ہے ب جوان ہو گئی اور آخر کار مر گئی۔ حالانکہ حقیقت یہ نہیں ہے کیونکہ نہ اس کا آغاز ہے نہ انجام فلسفہ ں بتاتا ہے کہ اس مغالطہ سے کیونکر بچیں؟ اس کی تین اصلیں ضروری مانی گئی ہیں۔

---

ف فلسفہ ہند و یونان از دین محمد شفیقی عبدپوری ص ۵۲۔

**پہلی اصل** جسمانی صحت۔ کیونکہ صحیح روح جسم میں ہوتی ہے، جب تک جسم صحیح نہ ہو اس وقت تک صحیح فکر پیدا نہیں ہوتا۔ جب فکر صحیح نہیں ہوگا تو صحیح حقائق پیدا نہیں ہوں گے۔

جسمانی صحت کے تین اصول ہیں۔

۱ فکر و ذہن کی صحت: بیہودہ افکار ہمیشہ جسمانی صحت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے مفکر کو بیہودہ افکار سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

۲ ورزش۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ۱ عادی ورزش۔ اس سے اعضاء رئیسہ اور اعصاب مضبوط ہوتے ہیں، دورانِ خون درست ہوتا ہے۔

دوسری ورزش معنوی ہے جو فلسفہ یوگ سکھاتا ہے۔ اس ورزش سے انسان فوق العادہ کام کر گزرتا ہے۔ اس ورزش سے انسان کے اندر اچھے اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔

۳۔ صحیح خوراک۔ صحیح خوراک انسان کی صحت پر اچھا اثر ڈالتی ہے۔ اس سے انسان خوش و خرم اور توانا رہتا ہے۔

**دوسری اصل، مراقبہ** یہاں پہنچ کر ہستی باری تعالیٰ کا عقیدہ لازمی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ توجہ کا مرکز ایک ایسی ذات ہونا چاہیئے جو بے عیب اور کامل اور تمام خوبیوں کا جامع ہو۔ مراقبہ میں مستقل مزاجی اور پاک ارادہ ضروری جزو ہیں۔

مراقبہ کے لئے کامل راہنما کی اشد ضرورت ہے۔

**اصل سوم** یہ پہلی دو اصلوں کی تفصیل ہے، اس کی ترتیب حسب ذیل ہے۔

۱۔ یام (YAMA) تحمل اور اس کے متعلقات۔

الف۔ اہمسہ یعنی بے آزاری۔ کسی ذی روح کو نقصان اور تکلیف نہ پہنچانا۔

ب۔ ستیہ (SATYA) یعنی قول اور فعل میں سچائی

ج۔ استیہ (ASTEYA) چوری سے اجتناب ہو۔

د۔ برھما چاریہ (BRAHMACHRAYA) یعنی کسی سے بخشش قبول نہ کی جائے یہ گدائی ہے۔

۲۔ نیام (NYAMA) جسم کی صفائی۔ اس سے مراد جسم اور باطن کی صفائی اور پاکیزگی ہے۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ جسم کی صفائی باطن کی صفائی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اگر جسم کو صاف ستھرا رکھا جائے گا تو اس سے خیالات اور افکار کو صاف رکھنے میں مدد ملے گی۔

جسم کی صفائی نہانے دھونے اور طہارت کے اصولوں کو اپنانے سے حاصل ہوتی ہے اور

باطن کی صفائی دل میں پاکیزہ خیالات کو جگہ دینے سے حاصل ہوتی ہے۔

۳۔ آسن (ASANA) یعنی نشست۔

فلسفہ یوگ میں طریق نشست کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اس کے لئے مخصوص نشست معین ہے۔ "آسن ایسی نشست ہے۔ جس میں دوران خون میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا اور اعضائے رئیسہ کو ایسا سکون میسر آتا ہے کہ وہ صحیح طور پر کام کر سکتے ہیں"[1]

صحیح نشست سے انسان کئی امراض سے بچ جاتا ہے اور نہایت ہی اطمینان سے ذکر و فکر کر سکتا ہے۔

صحیح نشست کے لئے کامل استاد کی ضرورت ہے۔

۴۔ پرانایام (PARNAYAM) یعنی طریقہ دم کشی۔

فلسفہ یوگ میں دم کشی سخت ترین ورزش ہے۔ مختصر طریقہ یہ ہے کہ مقررہ وقت پر پاک اور ہوادار جگہ پر جب کہ معدہ بھرا ہوا نہ ہو ناک کے ایک سوراخ سے لمبی سانس کھینچ کر سینہ میں جمع کرے اور ناک کے دوسرے سوراخ سے آہستہ آہستہ سانس چھوڑے۔"[2] اس کے لئے ایک ماہر اور کامل استاد کی ضرورت ہے۔ بغیر استاد کے اس ورزش کو اپنانے سے نقصان ہوتا ہے۔ بعض اوقات غلط طریقہ اختیار کرنے سے انسان دیوانہ ہو جاتا ہے۔ اس ورزش میں کمال حاصل کر لینے کے بعد مراقبہ شروع کرنا چاہیئے۔"

۵۔ پرتی ہار (PARTYAHARA) یعنی حواس پنجگانہ پر تسلط۔

انسان بہت کمزور ہے۔ وہ حواس پنجگانہ کے تابع ہو جاتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ ہر قسم کے دکھوں اور تکالیف کا شکار ہو جاتا ہے۔ حواس پنجگانہ اس کو گمراہی اور ضلالت کی وادی میں جھونک دیتے ہیں جس میں وہ حیران و سرگرداں پھرتا رہتا ہے۔ اگر انسان حواس پنجگانہ پر تسلط اور فتح حاصل کر لے اور ان حواس کو صحیح راستہ پر چلائے اور ان سے صحیح کام لے تو دل اطمینان اور راحت سے بھر جاتا ہے۔ حواس پر کامل تسلط حاصل کرنے کے لئے استقامت اور عرصہ دراز چاہیئے۔

۶۔ دھارن (DARANA) یعنی مشق ذہن۔

ابتدا میں ایک نقطہ پر اپنی توجہ مرکوز کرنی پڑتی ہے۔ جب طبیعت اس کی عادی ہو جائے تو پھر تصور باطن میں مشغول ہونا چاہیئے۔ حقیقی مطلوب تک رسائی کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان کا ظاہری اور باطنی تصور ایک نقطہ پر جمع ہو جائے۔

۷۔ دھیان (DHIANA) یعنی مراقبہ

---

[1] فلسفہ ہند و یونان از دین محمد شفیقی عہدی پوری صہ ۵۶۔

[2] فلسفہ ہند و یونان از دین محمد شفیقی عہدی پوری صہ ۵۷۔

تنہائی میں بیٹھ کر تمام مادی علائق سے رشتہ توڑ کر یادِ الٰہی میں مصروف ہو جانے کا نام دھیان یا مراقبہ ہے۔ مطلوب حقیقی تک پہنچنے کے لئے مراقبہ بہت ضروری ہے۔

۸ سمادھی (SAMADHI)

یہ رہبان کی اعلیٰ ترین صورت ہے کہ جب انسان اللہ کی محبت اور عشق میں اتنا محو ہو جاتا کہ وہ اپنی ذات سے بھی بے گانہ ہو جاتا ہے۔ یہ وہ اعلیٰ مقام ہے جہاں انسان پہنچ کر مظہر خدا بن جاتا ہے۔ یہ مقام ہر شخص کو حاصل نہیں ہو سکتا۔

**فلسفہ میماسہ (MIMASA)** اس فلسفہ کا بانی جے منی ہے۔ یہ انسان کو راہِ عمل (کرم مارگ) دکھاتا ہے اس فلسفہ کے مصنفوں نے وید کی عظمت اور حقانیت ثابت کرنے کی کوشش ہے اور حد سے زیادہ مبالغے سے کام لیا ہے۔ ان کا یہ نظریہ ہے کہ وید خود بخود مقدس مفکروں کی زبان پر جاری ہو گئے اور ان مصنفین کو الوہیت کا مرتبہ دیا۔ اسی طرح ان کا یہ بھی نظریہ ہے کہ وید مقدس اور ہر نقص سے پاک ہیں۔ اس وجہ سے ان کی تعلیم پر بے چون وچرا عمل کرنا چاہیئے۔ ان کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق ہی مذہبی رسوم ادا کرنی چاہئیں۔ قربانی اور نیاز دینی چاہیئے۔ اور جن باتوں سے وید نے منع کیا ہے ان سے رک جانا چاہیئے۔ اسی میں انسان کی بھلائی اور بہبودی ہے۔ اس سے انسان کو بہشت ملے گا۔ اس فلسفہ کی رو سے وید کا علم روح اور جسم کو متحد رکھتا ہے۔ جب روح جسم سے جدا ہو جائے تو وہ علم کی محتاج نہیں رہتی۔ کیونکہ روح کے معنی حیات کے ہیں۔ اس زندگی کی عقل مندرجہ ذیل وسائل سے وابستہ ہے۔

۱۔ پرت یکشا (PRAT YAKSHA) یعنی دریافت بوسیلۂ محسوسات۔

۲۔ انومانہ (ANUMANA) قیاس واستدلال۔

۳۔ اپامانہ (UPA MANA) تطبیق۔

۴۔ شبدہ (SHBADA) مفکرین سلف کے افکار کی تصدیق۔

۵۔ ارتاپتی (ARTHAPATI) پرستش۔

تطبیق سے مراد صرف یہ ہے کہ ایک چیز کو اس چیز کے ساتھ تطبیق دے دی جائے جو اس نے پہلے دیکھی تھی۔ مثلاً کسی نے کبوتر دیکھا تو اس کے ذہن میں فوراً ایک صورت نظر آجائے گی۔ کہ یہ پرندہ اس نے پہلے دیکھا ہوا ہے تو ذہن فوراً تطبیق اور موازنہ کر کے یہ کہہ دے گا کہ یہ وہی کبوتر ہے۔

پرستش سے مراد یہ ہے کہ ہم ایک شخص کو جانتے ہیں کہ وہ بقید حیات ہے لیکن ہم اس کے گھر پر جاتے ہیں وہ وہاں موجود نہیں ہوتا تو ہم فرض کر لیتے ہیں کہ وہ کہیں باہر گیا ہوا ہے۔

مفکرین سلف کے افکار اور تجربات بالکل صحیح ہیں، اس لئے عقل کے گھوڑے کو انہی کے راستہ پر چلانا چاہیئے۔

اگر انسان کی فطرتی استعدادیں اور حواس صحیح کام کرتے ہوں تو قیاس اور استدلال سے جو بھی نتائج نکالے گا صحیح ہوں گے۔

# میماسہ کے بنیادی عقائد

۱۔ دنیا اور اس کی موجودات حقیقت ہیں۔
۲۔ ارواح بے شمار ازلی اور ابدی ہیں۔
۳۔ اس قانون کو بھی ازلی ابدی مانتے ہیں جو تمام کائنات میں جاری وساری ہے۔
۴۔ جو شخص ویدوں کی تعلیم کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے تو اس کی روح توانا ہو جاتی ہے۔ اس کو ابدی بہشت اور برکت نصیب ہوتی ہے۔
۵۔ ویدوں کی تعلیم پر عمل نفع ونقصان کا خیال کئے بغیر فرض سمجھ کر کرنا چاہیئے۔
۶۔ اس فلسفہ کے پیرو خدا کو نہیں مانتے۔

بعد میں یہ فلسفہ ویدانت میں ضم ہو گیا۔

## فلسفہ کرم

برہما کے عقیدے نے دو فلسفوں کو جنم دیا۔ ایک فلسفہ کرم، دوسرے فلسفہ شمسار۔

کرم کے معنی اعمال ہیں۔ رگ وید کے زمانہ میں یہ لفظ قربانی کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا برہمنا میں یہ لفظ قربانی کے ساتھ اعمال صالحہ کے لئے بھی استعمال ہونے لگا۔

ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ انسان جس قسم کے اعمال اس دنیا میں کرے گا، اسی کے مطابق اگلا جنم لے گا۔ اگر اچھے اعمال بجالائے گا تو جنت میں داخل ہوگا اور اگر برے اعمال کئے ہیں تو کیڑے مکوڑوں اور دوسرے حیوانات کی شکل میں پیدا ہوگا۔ اس فلسفہ کی بنا پر ایک ہندو اپنی بری حالت یا تکالیف کے لئے خدا کو ذمہ دار نہیں ٹھہراتا۔ بلکہ اپنے آپ کو اس کا ذمہ دار گردانتا ہے۔

شمسارہ کے معنی ادھر اُدھر بھاگنے کے ہیں، لیکن ہندو اصطلاح میں اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے اعمال کے نتیجہ میں اس دنیا میں بار بار مختلف شکلوں اور صورتوں میں پیدا ہوتا ہے۔ اس چکر کو ختم کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ برہما کے ساتھ مکمل اتحاد کرنا ہے۔ یہ اتحاد گیان اور معرفت کے ساتھ ہوتا ہے۔ معرفت حقیقی داخلی تجربہ سے حاصل ہوتی ہے معرفت کے ذریعہ انسان برہما کا

ایک جزو بن جاتا ہے۔

## فلسفہ ویدانت یا اتر میمانسا

ویدانت کے معنی ہیں" ویدوں کا آخری حصہ" یا ان کا نچوڑ اس کی بنیاد اپنشدوں کے فلسفہ پر ہے۔

فلسفہ ویدانت سانکھیہ کے نظریہ آفرینش اور یوگ کے ہشت پہلو ضابطے کو بطور مفروضہ تسلیم کرتا ہے۔ یہ فلسفہ اخلاقی اور روحانی امور پر بہت زور دیتا ہے۔ اس وجہ سے اس فلسفہ کو ہندو تصوف کہا جا سکتا ہے۔

اپنشد وید کی تفسیر ہے۔ اور ویدک ادب میں اپنشد کو وہی حیثیت ہے جو اسلام میں وجود تصوف کو۔ فرق صرف یہ ہے کہ اسلام میں توحید کو اس واضح اور غیر مبہم انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ کوئی بھی فلسفہ اس پر غالب نہیں آ سکا۔ لیکن وید میں توحید کی تعلیم واضح طور پر نہیں ہے۔ اس وجہ سے اپنشد کا فلسفہ یا فلسفہ ویدانت اس پر غالب آگیا اور توحید گم ہو گئی۔ اس فلسفہ کو" ادویت واد" بھی کہتے ہیں یعنی روح اور خدا میں کوئی فرق نہیں۔ خدا روح ہے اور روح خدا ہے۔ اس فلسفہ کے ماننے والے یہ نہیں کہتے کہ خدا ہر جگہ موجود ہے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ وہ ہر چیز میں موجود ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے نزدیک عالم کی ہر چیز قابل پرستش ہوئی اور خدا کی احدیت دلوں سے مٹ گئی۔

اس فلسفہ کے ماننے والے یہ کہتے ہیں کہ ہم غیر خدا کی پرستش نہیں کرتے بلکہ خدا کی ہی پوجا کرتے ہیں کیونکہ تمام اجرام، اصنام اور اجسام میں خدا موجود ہے، اس لئے یہ سب خدا ہیں۔ حالانکہ ان کو یہ سمجھ نہیں آتی کہ وہ خود بھی تو خدا ہیں۔ ان میں بھی خدا موجود ہے، پھر وہ دوسرے خدا کے سامنے کیوں سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ گویا ویدانت فلسفہ "کثرت فی التوحید" اور "توحید فی الکثرت" کا قائل ہے۔ یعنی دنیا کی ہر شے خدا میں ہے اور ہر شے میں خدا ہے"۔

## فلسفہ ویدانت کی اہمیت

فلسفہ ویدانت نے ہندوؤں پر سب سے زیادہ اثر ڈالا ہے۔ آج ہندوؤں کے تمام فلسفیانہ نظریات فلسفہ ویدانت کے گرد گھومتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس فلسفہ نے تمام ہندوؤں کو ایک اتحاد کی لڑی میں پرو رکھا ہے۔ اگر یہ فلسفہ ایجاد نہ کیا ہوتا تو ہندو سماج کا شیرازہ منتشر ہو چکا ہوتا

## روح کے متعلق نظریہ

فلسفہ ویشیسکی کا روح سے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ وہ ایک حقیقت ہے جس میں شعور قائم ہے۔ لیکن شعور اس کی لازمی خصوصیت نہیں۔ سانکھیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ روح خود شعور ہے۔ لیکن اس کی تعلیم ہے کہ روحوں کی تعداد لامحدود ہے۔ فلسفہ ویدانت اس نتیجہ پر پہنچا کہ روح نہ صرف بذات خود شعور ہے بلکہ تمام ذی حس موجودات میں بھی ایک ہی ہے۔ روح اور خدا بھی ایک ہی ہیں۔ سوائے اس کے روح

اہل سے معمور ہو کر سنسار میں آتی ہے اور مصائب کا شکار ہوتی ہے۔ مصائب اور آلام سے نجات صرف اسی صورت میں ہے کہ جہالت کو دور کرے اور اصل حقیقت پہچانی جائے۔

**فلسفہ ویدانت کے اثرات** اس فلسفہ نے صرف ہندوؤں کے ذہنوں اور عقلوں کو متاثر نہیں کیا بلکہ یہ فلسفہ مسلمانوں کے صوفی طبقہ پر اثر انداز ہوا ہے۔ وہ طبقہ وجودی صوفیا کہلاتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ابوالحسین حلاج ہندوستان گئے جہاں جوگیوں کی صحبت میں رہے اور اس فلسفہ کے اثرات لے کر یہاں سے گئے۔ اس فلسفے کے علمبردار شیخ محی الدین ابن عربیؒ فصوص الحکم کے کلمہ اسماعیلیہ میں فرماتے ہیں۔

فلا تنظر الی الحق وتعر بہ عن الخلق
ولا تنظر الی الحق وتکسوہ سوی الخلق
ونزھہ وشبھہ وکن فی مقعد الصدق
وکن فی الجمع ان شئت وان شئت خفی الفرق
ولا یلقی علیک الوحی
وفی غیرہ لا تلق

یعنی خدا کو مخلوق سے الگ کر کے مت دیکھو۔ نہ خدا کو لباس غیریت پہنا کر دیکھو۔ اس کی صفات تنزیہی اور تشبیہی پر ایمان رکھو اور مقام صدق پر کھڑے ہو جاؤ۔ اور اگر تم چاہو تو مقام جمع میں ہو جاؤ یا مقام تفرقہ پر۔ اگر تو اس کا غیر ہے تو نہ تجھ پر اس کی وحی آسکتی ہے اور نہ اس سے ملاقات ہو سکتی ہے

ہمارے وجودی صوفیا نے صفات الٰہیہ سمجھنے میں ٹھوکر کھائی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان راہ روحانیت کے کتنے بلند مقام پر پہنچ جائے۔ وہ عبدیت کی آلائش سے پاک نہیں ہو سکتا۔

**تنقید** اس فلسفہ کی رو سے کائنات کی ہر شے اللہ تعالےٰ کی عین ٹھہرتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور اشیاء کائنات مخلوق۔ خالق اور مخلوق عین نہیں ہو سکتے۔ بلکہ خالق اور مخلوق کے رشتے میں ایک واضح خط امتیاز ہے۔ وہ یہ ہے کہ خالق قیوم اور صمد ہے اور مخلوق اللہ کے سہارے قائم ہے اور اسی کی محتاج ہے۔ اشیاء کائنات کو اللہ تعالیٰ کا عین ٹھہرانے سے یہ امتیاز اٹھ جاتا ہے اور توحید کا مصفا پانی شرک سے مکدر ہو جاتا ہے۔

# ہندومت کے مقبولہ و مروجہ عقائد اور اُن کا رد

**مسئلہ نیوگ** دنیا کے ہر مذہب میں مرد و عورت کے باہمی جنسی تعلق کو خاص اہمیت

حاصل ہے کیونکہ معاشرہ کی عمارت اسی تعلق پر استوار ہوتی ہے۔ اس وجہ سے ہر مذہب نے اس تعلق کا بنیادی پتھر پاکیزگی اور طہارت قرار دیا ہے۔ کیونکہ جب تک یہ تعلق پاکیزہ نہ ہو اس وقت تک نہ سوسائٹی پاکیزہ رہ سکتی ہے اور نہ انسانیت کی عمارت قائم رہ سکتی ہے۔ دیانند جی نے مرد و عورت کے باہمی جنسی تعلق کا ایک نیا طریقہ بتلایا ہے وہ نیوگ ہے۔ نیوگ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر مر جائے تو اس بیوہ کو دوسرا نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر وہ چاہے تو کسی غیر مرد سے ہم بستر ہو کر اولاد پیدا کر لے اور اپنی شہوت کو تسکین دیتی رہے۔ اس حکم کو صرف یہیں تک محدود نہیں کیا بلکہ ایک شوہر والی عورت کو بھی اجازت دے دی ہے کہ اگر اس کے شوہر سے اولاد پیدا نہ ہو تو وہ کسی غیر مرد سے ہم بستر ہو کر نطفہ لے اور اولاد حاصل کر لے۔ وہ عورت دس مردوں سے علیحدہ علیحدہ ہم بستر ہو کر نطفہ لے سکتی ہے۔ اس طرح جو اولاد پیدا ہو گی وہ اس خاوند کی ہو گی جس کی ہم بستری سے اولاد پیدا نہیں ہوئی۔

سوامی دیانند جی ستیارتھ پرکاش لکھتے ہیں۔

"جب خاوند اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ ہو، تب اپنی عورت کو اجازت دے کہ اے نیک بخت اولاد کی خواہش کرنے والی تو مجھ سے علاوہ دوسرے خاوند کی خواہش کر کیونکہ اب مجھ سے تو اولاد نہیں ہو سکے گی۔ تب عورت دوسرے کے ساتھ نیوگ کر کے اولاد پیدا کرے، لیکن اس بیاہے عالی جو خاوند کی خدمت میں کمربستہ رہے۔ ویسے ہی عورت بھی جب بیماری وغیرہ میں پھنس کر اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہو، تب اپنے خاوند کو اجازت دے کہ اے مالک آپ اولاد کی امید مجھ سے چھوڑ کر کسی دوسری بیوہ عورت سے اولاد پیدا کر لیجئے، جیسے پانڈو راجہ کی عورت کنتی اور مادری وغیرہ نے کیا اور جیسا ویاس جی نے چترانگد اور وچتر ویرج کے مرجانے پر اپنے بھائیوں کی عورتوں سے نیوگ کر کے امبیکا امبالیکا سے دھرت راشٹر اور امبالیکا سے پانڈو اور داسی سے ودر کو پیدا کیا۔ اس قسم کے تاریخی واقعات بھی اس بارہ میں ثبوت ہیں۔" (ستیارتھ صفحہ ۱۳۷)

سوامی جی کے نزدیک شادی اور نیوگ کے ذریعہ عورت اور مرد کو دس دس اولاد پیدا کرنے کی اجازت ہے مگر کب اور کس طرح؟ سوامی جی لکھتے ہیں۔

اگر شادی شدہ مرد دھرم کی خاطر غیر ملک میں گیا ہو تو بیاہی عورت ۸ برس، اگر علم و نیک نامی کے لئے گیا ہو تو چھ برس اور دولت کمانے کے لئے گیا ہو تو تین برس تک انتظار کر کے نیوگ کے ذریعہ اولاد پیدا کر لے۔ جب شادی شدہ خاوند واپس آوے تب نیوگ شدہ خاوند سے قطع تعلق ہو جائے۔ ویسے ہی مرد کے لئے بھی قاعدہ ہے۔

۲۔ عورت بانجھ ہو۔ تو آٹھویں برس اولاد ہو کر مر جائے تو دسویں برس جب جب اولاد ہو تب

لڑکیاں ہی ہوں لڑکے نہ ہوں تو گیارھویں برس اور جو بدکلام بولنے والی ہو تو جلدی ہی اس عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کرے۔

۳۔ اسی طرح اگر مرد نہایت تکلیف دہندہ ہو تو عورت کو چاہیئے کہ اس کو چھوڑ کر دوسرے مرد سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کر کے اس بیاہے خاوند کی وارث کرے۔

۴۔ اگر خاملہ عورت سے ایک سال کے عرصہ میں مرد سے یا دائم المریض مرد کی عورت سے رہا نہ جائے اور اس کا عالم شباب ہو تو کسی سے نیوگ کر کے اس کے لئے اولاد پیدا کر دے۔ [۱]

مسئلہ نیوگ کے اخلاقی پہلو کو سوامی جی خود ہی سوال و جواب میں اسی طرح بیان کرتے ہیں۔

سوال۔ یہ نیوگ کی بات زناکاری کی مانند معلوم ہوتی ہے؟

جواب۔ جیسا کہ قواعد کے مطابق بیاہ ہونے پر زناکاری نہیں کہلاتی، اسی طرح قاعدہ کے مطابق نیوگ ہونے پر زناکاری نہیں کہی جاوے گی۔

سوال۔ ہے تو ٹھیک لیکن یہ رنڈی بازی کا سا کام نظر آتا ہے۔

جواب۔ رنڈی بازی میں کوئی مقررہ آدمی یا مقررہ قاعدہ نہیں ہوا کرتا مگر نیوگ میں بیاہ کی مانند قواعد ہیں۔

سوال۔ ہم کو نیوگ کی بات میں گناہ معلوم ہوتا ہے۔

جواب۔ گناہ تو نیوگ کے روکنے میں ہے کیونکہ ایشور کے قواعد کے مطابق مرد و عورت کا فطرتی عمل رک ہی نہیں سکتا بجز تارک الدنیا عالم باکمال اور جوگیوں کے۔ [۲]

سوامی جی کے اس بیان سے دو امور مستنبط ہوتے ہیں۔

۱۔ نیوگ کا مسئلہ مرد و عورت کے فطری عمل کو جاری رکھنے کے لئے ہے۔

۲۔ نیوگ نہ کرنا گناہ ہے۔ بالفاظ دیگر نیوگ پر عمل کرنا بڑا ثواب ہے۔

پھر سوامی جی رقمطراز ہیں۔

"ایک نیوگ میں دوسرے لڑکے کے حمل رہنے تک نیوگ کی حد ہے، اس کے پیچھے صحبت نہ کریں۔ حاصل کلام مذکورہ بالا طریقے سے دس اولاد تک ہوتے ہیں پیچھے شہوت پرستی سمجھی جاتی ہے"۔ [۳]

گویا سوامی جی کے نزدیک جب تک ایک عورت غیر مردوں سے یا مرد غیر عورتوں سے دس بچے پیدا نہ کر لیں تب تک وہ برابر نیوگ کر سکتے ہیں۔

اسلام کے نزدیک سوامی جی کا یہ تمام فلسفہ بدکاری میں شامل ہے۔ اسلام نکاح کو حفاظت عصمت کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

---

[۱] ستیارتھ پرکاش صـ ۱۳۸۔ [۲] ستیارتھ پرکاش صـ ۱۳۲، ۱۳۳۔
[۳] ستیارتھ پرکاش صـ ۱۳۷

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (البقرہ ۲: ۱۸۷) عورتیں تمہارے لباس ہیں اور تم عورتوں کے لئے لباس ہو۔

لباس وہ ہے جو انسان کے قبیح امر کو ڈھانپ دے (مفردات امام راغب)

امام راغب فرماتے ہیں کہ میاں کو بیوی کا اور بیوی کو خاوند کا لباس اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی محافظت کرتے اور دوسرے کو امر قبیح کے ارتکاب سے بچاتے ہیں۔

دوسری جگہ قرآن مجید میں آتا ہے۔

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ (النساء ۴: ۲۴)

اور جو اس کے سوا ہیں وہ تمہارے لئے حلال ہیں۔ اس طرح کہ تم اپنے مالوں کے ساتھ ان کو چاہو نکاح میں لاکر نہ شہوت رانی کرتے ہوئے۔

اس آیت کریمہ میں یہ بیان کیا ہے کہ مرد کا جنسی تعلق صرف نکاح کے ذریعہ ہی جائز ہے دوسری کوئی صورت جائز نہیں اور اس کے علاوہ جو بھی کوئی طریقہ اختیار کیا جائے گا وہ شہوت رانی اور بدکاری کا ہوگا۔

وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ (الممتحنہ ۶۰: ۱۲)

یعنی نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ بہتان کی اولاد ساتھ لائیں گی جس کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان (نطفہ شوہر سے جنی ہوئی دعویٰ کے ساتھ) بنا لیں۔

# مادہ و روح کے ازلی و ابدی ہونے کا عقیدہ اور اسکا رد

سوامی دیانند اللہ تعالےٰ کی طرح مادہ اور روح کو ازلی و ابدی مانتے ہیں۔ ستیارتھ پرکاش کے صفحہ ۲۷۴ پر مذکور ہے کہ جب سوامی دیانند سے یہ سوال کیا گیا کہ ازلی کس کو کہتے اور کتنی اشیاء ازلی ہیں؟ تو وہاں جواب دیتے ہیں کہ تین چیزیں ازلی ہیں۔ پرمیشور، جیو اور پرکرتی۔

دوسری جگہ پانچ چیزوں کو ازلی قرار دیا کہ "پیدائش عالم سے پرمیشر پرکرتی کال (زمانہ) اور اکاش نیز جیو جو ازلی ہیں موجود ہوتے ہیں۔ اس سے دنیا کی پیدائش ہوئی"۔ [1]

اسی کی مزید تائید اس عبارت سے ہوتی ہے کہ "درحقیقت آکاش کی پیدائش نہیں ہوتی کیونکہ بغیر آکاش کے پرکرتی اور پرمانو کہاں ٹھہر سکیں۔ [2]

---

[1] ستیارتھ پرکاش صـ ۲۸۳ [2] ستیارتھ پرکاش صـ ۲۹۰

پھر لکھا ہے کہ "آکاش غیر متناہی اور محیط کل ہے"۔ [1]

اسلام کی رُو سے دنیا و مافیہا اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ روح اور مادہ کو ازلی و ابدی ماننے سے اللہ تعالیٰ کی بعض صفات میں نقص لازم آتا ہے اور نقص عیب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہر عیب سے منزہ ہے۔

**پہلا نقص** اگر ہم جیوا اور پرکرتی کو اللہ تعالےٰ کی مخلوق نہ مانیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا علم بھی ناقص ہے کیونکہ اگر خدا تعالےٰ جیوا اور پرکرتی کے متعلق کامل علم رکھتا تو وہ ضرور ان کو بنا بھی سکتا۔ ہم اس بات کا قیاس آسانی سے انسان کی حالت سے کر سکتے ہیں کہ جس چیز کا کامل علم انسان کو ہو جائے اور وہ چیز مفید و ہو تو انسان بنا بھی سکتا ہے جو چیز انسان بنا نہیں سکتا تو ہم کہتے ہیں کہ اس کا علم اس کے متعلق ناقص ہے پس مادہ اور روح کو غیر مخلوق ماننے سے یہ لازم آتا ہے کہ مادہ اور روح کے متعلق اللہ تعالیٰ کا علم ناقص ہے۔

**دُوسرا نقص** اس عقیدہ کی رو سے اللہ تعالیٰ مادہ اور روح کا حقیقی مالک نہیں کہلا سکتا کیونکہ حقیقی ملکیت تو یہی ہے کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کی بنائی ہوئی ہوں۔

**تیسرا نقص** خدا کی ایک صفت صمدیت ہے۔ یعنی وہ کسی کا محتاج نہیں اور سب اسی کے محتاج ہیں۔ لیکن اس عقیدہ کی رو سے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ روح و مادہ کا محتاج ہے۔ اگر مادہ اور روح نہ ہوں تو وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتا۔

**چوتھا نقص** روح اور مادہ کو ازلی ماننے سے اللہ تعالےٰ کی صفت خالقیت کو ایک عرصہ کے لئے بیکار اور معطل ماننا پڑتا ہے کیونکہ جب تک روح اور مادہ اپنی اصلی حالت میں ہیں اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کا قطعاً ظہور نہیں ہو سکتا۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ روح اور مادہ کو ازلی اور ابدی ماننے سے اللہ تعالیٰ کی صفات میں نقص لازم آتا ہے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ عقیدہ باطل ہے۔

**پانچواں نقص** اللہ تعالےٰ سرب شکتیمان ہے یعنی قادر مطلق ہے۔ پس اگر خدا تعالیٰ ارواح اور مادہ کا خالق نہیں ہے تو وہ تو وہ سرب شکتیمان یعنی قادر مطلق بھی نہیں ہے۔

---

[1] ستیارتھ پرکاش صـ ۲۴۹۔

# دلائل تردید از روئے قرآن مجید

**لمی دلیل** قرآن مجید میں آتا ہے قُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَ الْوَاحِدُ (الرعد ۱۳: ۱۶) کہہ دے اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ اکیلا ہے اور سب پر غالب ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ کو ہر چیز کا خالق قرار دیا ہے اور اس دعویٰ کی ایک دلیل یہ دی ہے کہ اللہ واحد ہے یعنی وہ اپنی ذات، صفات اور افعال میں یکتا اور لیس کمثلہٖ ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ وہ القھّار ہے۔ یعنی اللہ سب پر حکمران اور متصرف ہے اور سب اشیاء کو اپنے ماتحت رکھتا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ تمام اشیا کا خالق نہ ہو۔ کچھ چیزیں اس کی خلق سے باہر ہوں اور وہی صفات اور گن رکھتی ہوں جو اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ جیسا کہ آریہ سماج کا عقیدہ ہے۔ تو اللہ تعالےٰ اپنی ذات صفات اور افعال میں یکتا اور لیس کمثلہٖ نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالےٰ کا اپنی ذات صفات اور افعال میں لیس کمثلہٖ نہ ہونا نقص ہے۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کے تصرف سے کچھ چیزیں باہر رہیں تو وہ قہار نہیں کہلا سکتا۔ اس سے بھی اللہ کی صفت مالکیت میں نقص لازم آتا ہے۔

تمام مذاہب کے نزدیک یہ بات مسلمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے جس عقیدہ سے اللہ کی ذات میں نقص لازم آتا ہو وہ باطل اور غلط ہے۔ چونکہ روح اور مادہ کو قدیم اور انادی ماننے سے اللہ تعالیٰ کی صفت احدیت اور قہاریت پر زد پڑتی ہے۔ اس وجہ سے یہ عقیدہ سراسر باطل ہے۔

دوسری دلیل آفاقی ہے مخلوق سے خالق شناسی حاصل کرنا۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

لَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقْدِیْرًا (فرقان ۲۵: ۲)

حکومت میں اس کا کوئی شریک ہے اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کے لئے ایک اندازہ ٹھہرایا۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے یہ بیان کیا ہے کہ ہر ایک مخلوق کی طاقت اور کام کی ایک حد مقرر کر دی ہے۔ کوئی چیز بھی اپنی حد سے باہر نہیں ہو سکتی۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ چاند ایک مہینہ میں اپنا دورہ ختم کر لیتا ہے یعنی ۲۹ یا ۳۰ دن تک، مگر سورج ۳۶۵ دن میں اپنے دورے کو پورا کرتا ہے۔ نہ چاند میں یہ طاقت ہے کہ وہ اپنے دورہ کو اس مدت میں کم یا زیادہ میں مکمل کرے، نہ سورج کو یہ طاقت ہے کہ وہ اپنے مقررہ وقت سے کم یا زیادہ میں دورہ مکمل کرے۔ اگر دنیا کے تمام سائنس دان اس بات پر اتفاق کر لیں کہ ان دونوں چیزوں کے دوروں میں کچھ کمی

بیشی کر دیں تو وہ ہرگز نہیں کر سکیں گے۔ اسی طرح دنیا کی ہر چیز اپنی اپنی حد میں مقید ہے۔ وہ اس قید سے باہر نہیں نکل سکتی۔ یہ حد بندی قانون کا تقاضا کرتی ہے اور قانون مقنن کا تقاضا کرتا ہے اس سے لامحالہ ماننا پڑے گا کہ حد بندی کرنے والا کوئی محدد ہے۔ پھر یہ حد بندی بھی ایک قانون کے تابع ہے۔ اس لئے یہ بھی ماننا پڑے گا کہ کوئی مقنن ہے۔ پس وہ محدد اور مقنن اللہ تعالیٰ کی ذات ہے

جس طرح حد بندی اجسام اور مادہ میں پائی جاتی ہے۔ اسی طرح یہ حد بندی ارواح میں بھی پائی جاتی ہے۔ مثلاً جس قدر انسانی روح اپنے کمالات ظاہر کر سکتی ہے شیر اور ہاتھی کی ارواح وہ کمالات ظاہر نہیں کر سکتیں۔

پس جس طرح اجسام کی حد بندی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان کا کوئی محدد اور خالق ہے اسی طرح ارواح کی حد بندی بھی اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ ان کا کوئی پیدا کرنے والا اور حد باندھنے والا ہے۔

سائنس کے اکتشافات اور تجربات نے اس امر کو واضح کر دیا ہے کہ دنیا کی ہر چیز ایک اٹل قانون کے تحت کام کر رہی ہے۔ چنانچہ جارج ارل ڈیوس ڈی ایچ ڈی ماہر طبیعیات رقمطراز ہے

"ایک عالم طبیعیات کی حیثیت سے مجھے کائنات کے اس ناقابل یقین حد تک پیچیدہ نظام کے مطالعہ کا موقع ملا ہے اور میں نے ایک ذرے سے لے کر بڑے سے بڑے ستارے میں حیرت انگیز ضابطہ بندی اور نظم پایا ہے۔ اس کائنات میں روشنی کی ہر شعاع پر طبیعیاتی اور کیمیائی ردعمل اور ہر ذی حیات شے کی ہر خصوصیت اسی نظم اور اسی ضابطے کے تابع فرمان نظر آتی ہے۔ یہ اس کائنات کی وہ تصویر ہے جو سائنس کے اکتشافات نے ہمارے سامنے پیش کی ہے۔ اور آپ سائنس کا جتنا گہرا مطالعہ کریں اتنا ہی زیادہ کائنات کے اس پُر پیچ اور دلکش نظام سے آپ مسحور ہوتے چلے جائیں گے۔"[1]

## دلیل خلف

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ أَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بَلْ لَا يُوقِنُونَ أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ۔

(طور ۵۲ : ۳۵ - ۳۶) ——— کیا یہ بغیر کسی کے پیدا کرنے کے پیدا ہو گئے ہیں یا یہی پیدا کرنے والے ہیں۔ یا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے بلکہ یقین نہیں کرتے۔ کیا ان کے پاس تیرے رب کے خزانے ہیں یا یہ مسلط ہیں۔

پس نہ تو انسان خود بخود پیدا ہوا ہے نہ اپنے آپ خالق ہے کیونکہ ہمارا تجربہ ہے کہ انسان ایک معمولی سا کیڑا بھی نہیں بنا سکتا۔ نہ انسان زمین اور آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے نہ انسان کے پاس

---

[1] خدا موجود ہے صہ ۱۲۵ طبع اوّل۔

بے انت خزانے ہیں جن سے اس کو علم ہو سکے کہ مادہ اور روح وغیرہ غیر مخلوق ہیں۔ کیونکہ انسانی عقل محدود ہے خدا کی بے انت باتوں کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ نہ انسان آزاد ہے، بلکہ وہ تو قانون کی قید میں مقید ہے پس جب یہ باتیں واضح اور ثابت شدہ ہیں تو خود بخود ایک منطقی نتیجہ نکلے گا کہ سب اشیا کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى (حشر ۵۹: ۲۴)

اللہ تعالیٰ اندازہ کرنے والا وجود بخشنے والا اور رنگ برنگ کی صورتیں عطا کرنے والا ہے۔ تمام صفات کاملہ سے موصوف اور تمام نقائص اور عیوب سے منزّہ ہے۔

جب اللہ تعالیٰ تمام کمالات کا مالک ہے تو وہ نیست سے ہست کیوں نہیں کر سکتا۔ عدم سے وجود میں لانا بھی ایک کمال ہے۔ پس مادہ اور روح کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہی تمام اشیا کو عدم سے وجود میں لاتا ہے۔

# عقیدہ تناسخ اور اس کا رد

انسان کے مرنے کے بعد روح کا کیا حشر ہوگا۔ اس کی تین صورتیں ہیں۔ ۱۔ جسم کے ساتھ روح بھی ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائے ۲۔ اسے اپنے اعمال کے مطابق جزا و سزا دی جائے۔ ۳۔ اسے اپنے اعمال کے مطابق مختلف روپ بدلنا پڑیں۔ پہلا خیال مادیین کا ہے دوسرا یہودیوں عیسائیوں اور مسلمانوں کا ہے۔ تیسرا ہندوؤں اور بعض دیگر اقوام کا ہے۔

تناسخ کو سنسکرت والے اواگون کہتے ہیں۔ تناسخ کے ماننے والے اس کے یہ معنی بتاتے ہیں گناہوں اور نیکیوں کے باعث بار بار جنم لینا اور مرنا۔

آریوں کا عقیدہ ہے کہ روحوں کی تعداد محدود ہے۔ اللہ تعالیٰ نئی روح پیدا نہیں کر سکتا۔ اس وجہ سے ہر روح کو اس کے گناہ کی وجہ سے اواگون کے چکر میں ڈال رکھا ہے اور ہر گناہ کے بدلے میں روح ایک لاکھ چوراسی ہزار مرتبہ مختلف شکلوں میں جنم لیتی ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے اپنے گذشتہ اعمال اور علم کے مطابق بعض حصول جسم کے لئے رحم میں داخل ہوتی ہیں اور بعض مقیم اشیا پودوں وغیرہ میں (اکٹھ اپنشد ۵۔ ۷)

دنیا میں حیوانات، نباتات، جمادات، دنیا میں اختلاف اور انسانوں کا بیماری اور دکھ میں مبتلا ہونا سب پچھلے گناہوں کی وجہ سے ہے۔

بعض اپنشدوں کے مطابق ارواح کو مرنے کے بعد دو راستوں میں سے ایک سے سفر کرنا ہوتا

ہے ایک تو دیوتاؤں کا راستہ (دیوائین) دوسرا ابا رکا راستہ (پتر آئن) ہے۔ اعلیٰ ترین روحیں پہلے راستہ سے سفر کر کے عالم خداوندی (برہم لوک) تک پہنچ جاتی ہیں۔ اور مراقبہ میں محو ہو کر اپنے کو مکمل کرتی ہیں آخر کار اللہ تعالیٰ کی ذات میں جذب ہو جاتی ہیں۔ نیک روحیں دوسرا راستہ اختیار کر کے چاند تک پہنچتی ہیں۔ اور وہاں جا کر اپنے نیک اعمال کی وجہ سے آرام اور سکھ اٹھاتی ہیں۔ اور وقت پورا ہونے پر پھر زمین میں دوبارہ پیدا ہونے کے لئے نزول کرتی ہیں۔ اپنشدوں سے قبل تناسخ کا ذکر نہیں ملتا (منڈک ۱۔۲۔۱۰ چھاندا گیہ ۵۔۳۔۱۰)

**ردا زروئے سائنس** اس عقیدہ کی رو سے حیوانات، نباتات وغیرہ انسان کے پچھلے جنم کے اعمال کی مختلف شکلیں ہیں۔ سائنس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ انسان کی پیدائش سے کروڑوں سال قبل دنیا میں صرف جمادات، نباتات اور حیوانات ہی بستے تھے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ حیوانات اور نباتات وغیرہ انسانی اعمال کے نتائج نہیں۔ کیونکہ یہ ضروری ہے کہ نسل انسانی سے پہلے نباتات اور حیوانات موجود ہوں۔ اگر ان اشیاء کی موجودگی سے قبل انسان پیدا ہوتا تو وہ زندہ نہ رہ سکتا۔

جب نباتات اور حیوانات کی پیدائش سے قبل انسان ہی نہ تھا تو اعمال بھی نہ تھے۔ لہٰذا نباتات اور حیوانات انسانی اعمال کا نتیجہ نہیں ہیں۔

انسان کی عقل بھی یہی فتویٰ دیتی ہے کہ انسان کی پیدائش سے قبل وہ تمام چیزیں موجود ہوں جو اس کی زندگی کے لئے ضروری ہیں۔ نباتات، حیوانات، جمادات وغیرہ انسانی زندگی کے لئے از حد ضروری اور لابدی ہیں۔ انسان ان کے بغیر زندہ رہ ہی نہیں سکتا۔ اس وجہ سے ماننا پڑے گا کہ یہ تمام چیزیں انسانی پیدائش سے قبل تھیں۔

قرآن مجید نے اسی امر کو اللہ تعالےٰ کی صفت رحمانیت کے تحت بیان کیا ہے۔ رحمانیت وہ فیض ربانی ہے جس کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے انسانی ضروریات کے سامان اس کی پیدائش سے قبل ہی دنیا میں پیدا کر دیئے۔ جن سے ہر شخص خواہ وہ موحد ہو یا ملحد یکساں فائدہ اٹھاتا ہے۔ پس یہ صفت ربانی ظاہر کرتی ہے کہ سورج، چاند، ستارے، ہوا، زمین، چرند پرند، حیوانات غرض کہ ہر چیز انسان کی پیدائش سے پہلے پیدا کی گئی تھی۔

**ردا زروئے مسئلہ ارتقاء** عقیدہ تناسخ اصول ارتقاء کے خلاف ہے۔ دنیا میں ہر چیز آگے کی طرف رواں دواں ہے قرآن مجید نے اس مسئلہ کو لفظ رب سے بیان کیا ہے۔ رب کے معنی ہیں ایک چیز کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف نشو و نما دینا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے کمال کو پہنچ جائے (مفردات امام راغب) عقیدہ تناسخ کی رو سے

ایک انسان اپنے گناہ کی پاداش میں کتا، سؤر، مولی، گاجر وغیرہ کی جون اختیار کر لیتا ہے۔ یہ ارتقا نہیں بلکہ تنزل ہے۔ سائنس کہتی ہے زندگی بالترتیب ہوئی ہے۔ اور نیچر میں سب جگہ یا کل انواع مخلوقات میں لا آف کنٹینوئٹی LAW OF CONTINUITY موجود ہے۔ ابتدا مردہ مادہ سے زندہ اور جاندار مادہ LIVING MATTER یا سادہ زندگی پیدا ہوئی۔ ایک طویل عرصہ کے بعد جانداروں میں آہستہ آہستہ تکمیل حواس ہوئی۔ پھر ایسے جاندار پیدا ہوئے جن میں عقل کی تخلیق ہوئی۔

پس مسئلہ ارتقاء کی روشنی میں انسان نے آگے کی طرف ترقی کرنا ہے اور ضروری ہے کہ اس کی اگلی حالت موجودہ حالت سے بہتر ہے۔ اگر اس کی موجودہ زندگی میں اعمال کی وجہ سے کوئی نقص رہ گیا ہے تو اس کا تدارک اگلی زندگی میں ہونا چاہیئے۔ نہ کہ دوبارہ اس دنیا میں کسی دوسری جون میں لوٹا کر اصلاح کی جائے۔

اگر تمام عالموں میں غور کیا جائے تو ان میں ایک لاتبدیل قانون نظر آئے گا۔ وہ یہ کہ اگر کسی ایک عالم میں کوئی نقص رہ گیا ہو تو اس کی اصلاح دوسرے عالم میں ہوتی ہے نہ کہ اس نقص کا علاج کرنے کے لئے دوبارہ پہلے عالم میں لوٹایا جاتا ہے۔ مثلاً جو کچھ ہم کھاتے ہیں ضروری ہے کہ وہ نیچر کے ہاتھوں پختہ ہو چکا ہو۔ اگر وہ پختہ نہیں ہوا تو ہم اس کو اپنے ہاتھوں سے پختہ کرتے ہیں۔ اگر وہ خام حالت میں معدہ میں چلا گیا ہے جس سے معدہ کے نظام میں خرابی پیدا ہو گئی ہے تو اس کی اصلاح اور علاج دوا کے ذریعہ کرتے ہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس خام چیز کو دوبارہ معدہ سے نکال کر پختہ کیا جاتا ہو۔ اسی طرح اگر کوئی بچہ اس دنیا میں رحم سے نقص کی حالت میں پیدا ہوا ہو تو اس کا علاج اور اصلاح اس دنیا میں کرتے ہیں نہ کہ دوبارہ اس کو رحم مادر میں بھیجتے ہیں۔

پس اللہ تعالےٰ نے تمام عالموں میں یہ ایک لاتبدیل قانون بنا دیا ہے کہ اگر ایک عالم میں کوئی نقص رہ گیا ہو تو اس کی اصلاح دوسرے عالم میں کی جاتی ہے۔ اسی طرح جب ایک انسان اس دنیا میں سانس لیتا ہے۔ اگر وہ اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں کی وجہ سے اپنی روح کو پاکیزہ اور صاف نہیں کر سکا۔ تو اس کی روح کی اصلاح دوسرے جہان میں ہو گی نہ کہ دوبارہ کسی دوسری جون میں بدل کر اصلاح کی جائے گی۔ کیونکہ یہ طریقہ خدا تعالیٰ کے ہی لاتبدیل قانون کے خلاف ہے۔ قرآن مجید نے دوسرے عالم کو، جہاں اس گندی روح کی اصلاح اور علاج ہونا ہے، دوزخ یا جہنم کا نام دیا ہے۔ دوزخ اور جہنم قرآنی نظریہ کے لحاظ سے روح کو پاک اور صاف کرنے کے لئے شفاخانہ ہے۔ جس طرح اس دنیا میں جب جسم بیمار ہوتا ہے تو وہ شفاخانہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ جب اس کے جسم کی بیماری دور ہو جاتی ہے واپس گھر لوٹ آتا ہے۔ یہی حالت اس بیمار روح کی ہے۔ جب وہ دوزخ میں رہ کر پاک اور صاف ہو جائے گی، وہ اپنے اصل ٹھکانے یعنی جنت میں داخل ہو جائے گی۔

یہ انسانی روح کے لئے ارتقاء ہوگا۔

**۳۔ رد از روئے آسمانی علم** | یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ تمام کتب سماوی اللہ تعالےٰ کے علم و حکمت کا مظہر ہیں۔ لیکن بعد میں انسانوں نے آسمانی علم کے مصفا پانی کو اپنی آمیزشوں کے ذریعہ گدلا کر دیا۔ لیکن یہ بھی مسلّمہ حقیقت ہے۔ قرآن مجید ہی وہ کتاب ہے جو انسانی دست برد سے محفوظ چلی آ رہی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

اِنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (الانبیاء ۲۱ : ۹۵)۔ یعنی مُردے کبھی بھی اس دنیا میں واپس نہیں آئیں گے۔ پروفیسر میکسمولر نے لکھا ہے کہ "وید میں تناسخ کا کوئی ذکر نہیں"

تمام کتب سماوی نے اعمال کی جزا و سزا کے لئے کوئی دوسرا عالم بتایا ہے اور اس جہان کو دار العمل قرار دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ عقیدہ آسمانی علم پر مبنی نہیں بلکہ انسانی ذہن کی پیداوار ہے۔

**۴ رد از روئے فطرت انسانی** | انسانی فطرت یہ گواہی دیتی ہے کہ وہ اس سے قبل دنیا میں کبھی نہیں آئی، نہ اس نے ہزاروں جسم تبدیل کئے۔ بلکہ اس کے برعکس یہ گواہی دیتی ہے کہ انسان پہلی دفعہ اس دنیا میں آیا اور اس نے دوسروں سے اپنے رشتے ناطے جوڑے۔

**۵ اللہ تعالیٰ کی صفات کے منافی ہے** | تمام مذاہب عالم کا یہ متفقہ اور مسلّمہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالےٰ تمام عیوب سے منزّہ اور پاک ہے۔ تناسخ کا عقیدہ اللہ کی صفات خالقیت اور غفوریت کے خلاف ہے۔ اس عقیدہ کی رُو سے یہ ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کوئی نئی روح پیدا نہیں کر سکتا۔ یہ اللہ تعالےٰ کی ذات میں نقص ہے۔ اسی طرح قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کو مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کہا ہے یعنی جزا کے دن کا مالک۔ قرآن مجید نے مالک کا لفظ بجائے مَلِک کے اس لئے اختیار کیا ہے کہ مَلِک محدود اختیارات کا حاکم ہوتا ہے جو کسی مجرم کو چھوڑ نہیں سکتا۔ مالک کے اختیار وسیع ہوتے ہیں، جسے چاہے معاف کر دے۔ پس اللہ تعالیٰ جس گناہگار کو چاہے معاف کر سکتا ہے۔ قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کو غَافِرِ الذَّنْبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ (المومن ۴۰ : ۳) کہا ہے یعنی اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اگر یہ مانا جائے کہ کسی گناہ گار کے گناہ معاف نہیں ہو سکتے تو یہ خیال اللہ کی صفت مالکیت اور غفوریت کے منافی ہے۔

۶۔ ہماری اس دنیا کی تمام نعمتیں مثلاً گھوڑا، گائے، بیل، گھی، دودھ، مکھن پھل نظریۂ تناسخ کی رو سے پچھلے جنم کی بداعمالیوں کا نتیجہ ہیں۔ یہ ایک مسلّمہ اور ناقابل تردید حقیقت ہے کہ یہ تمام نعمتیں نہ صرف

---

لے یعنی بطورِ قانونِ عام۔ معجزے کی بات دوسری ہے۔

بابرکت ہیں بلکہ انسان کی زندگی کا انہی پر دارومدار ہے۔ جب یہ تمام نعمتیں گناہوں کا بابرکت ثمر ٹھہریں تو لامحالہ گناہ کو ہی زندگی کا دارومدار ٹھہرانا پڑے گا۔ اگر دنیا میں گناہ نہ ہوتے تو یہ چیزیں پیدا نہ ہوتیں۔ لیکن قائلین تناسخ بھی گناہ کو بنظر استحسان نہیں دیکھتے۔ ہمارا یہ تجربہ و مشاہدہ ہے کہ گناہ صرف انسان کی روح کو ہی سیاہ نہیں کرتا، بلکہ معاشرہ میں بگاڑ پیدا کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے تمام مصلحین اور فلاسفہ نے گناہوں کے خلاف جہاد کیا ہے۔ پس اس عقیدہ کی رو سے گناہ نہ صرف عمدہ فعل منصور ہوتا ہے بلکہ انسانی زندگی کا مدار ٹھہرتا ہے۔

۷۔ اس عقیدہ کی رو سے یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ تمام مصلحین اور موجد جن کو لوگوں کے ہاتھوں سے دُکھ اور اذیت دیئے گئے، گھروں سے باہر نکالے گئے، قتل کئے گئے۔ وہ سب اپنے پچھلے جنم میں بدکار اور فاسق تھے۔ کیونکہ وہ اس عقیدہ کی رو سے اپنے پچھلے جنم کی بداعمالیوں کی وجہ سے دُکھ دیئے گئے ہیں۔

۸۔ قائلین تناسخ کہتے ہیں کہ دنیا میں جو اختلاف نظر آتا ہے یہ پچھلے اعمال کے نتیجہ میں ہے قرآن مجید کہتا ہے کہ دنیا کا اختلاف اعمال کا نتیجہ نہیں بلکہ اختلاف کا نتیجہ اعمال ہیں۔ اگر دنیا میں اختلاف نہ ہوتا تو عمل کا وجود ہی نہ ہوتا اور نہ دنیا کا نظام قائم رہ سکتا۔ اگر زمین کے قطعات اور آب و ہوا میں اختلاف نہ ہوتا تو مختلف قسم کی سبزیاں، ترکاریاں، اجناس، پھل وغیرہ پیدا نہ ہوتے۔ اگر سورج چاند کی شعاعوں کی تاثیرات میں اختلاف نہ ہوتا تو دنیا میں زندہ رہنا مشکل ہو جاتا۔ اگر سورج چاند اور زمین کے دائرہ گردش میں اختلاف نہ ہوتا تو وہ آپس میں ٹکرا کر فنا ہو جاتے۔ اگر انسان میں مرد اور عورت میں اختلاف نہ ہوتا تو نہ کوئی بڑھئی ہوتا نہ کوئی لوہار، نہ کوئی درزی، نہ کوئی تاجر نہ کوئی کاشت کار، نہ کوئی حاکم نہ کوئی محکوم۔ غرض کہ تمدن کی عمارت بالکل قائم نہ ہوتی۔ دنیا میں جو تمدنی نظام چل رہا ہے وہ بالکل بند ہو جاتا۔

پس اسی اختلاف کی وجہ سے نظام کائنات چل رہا ہے۔ اسی اختلاف کی وجہ سے ہر قسم کا رزق حاصل ہو رہا ہے۔ اسی اختلاف کی وجہ سے تمدن کی گاڑی چل رہی ہے۔ پس اس دنیا میں جو اختلاف نظر آرہا ہے وہ ایک حکمت بالغہ پر مبنی ہے اور رحمت کا موجب ہے۔ اس اختلاف کو پچھلے جنم کے اعمال کا پاداش قرار دینا محض نادانی اور جہالت ہے۔

۹۔ قائلین تناسخ کا دُکھ درد تکلیف بیماری کو پچھلے جنم کے اعمال کا نتیجہ قرار دینا بھی جہالت اور حماقت ہے۔

یہ کس طرح ثابت ہوا کہ دنیا میں جو بھی دکھ درد اور تکلیف بیماری کسی انسان کو پہنچتی ہے وہ اس کے گذشتہ جنم کے گناہوں کا نتیجہ ہے۔ یہ کس نے ثابت کر دکھایا ہے کہ جو چیز پیدا ہوتی ہے وہ پہلے بھی کسی انسانی پیکر میں دنیا میں آئی تھی۔ پس یہ دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ اس کے حق میں کوئی دلیل اور ثبوت

نہیں ہے۔

دکھ، درد اور بیماری تو اولیاء، مصلحین، انبیاء علیہم السلام کو بھی پہنچتی ہیں، کیا وہ پچھلے جنم میں بدکار رہے ہیں؟ کوئی بھی مذہب اس کے حق میں نہیں۔ ہر دور میں اطباء اس بات پر متفق ہیں کہ ہر بیماری کے کچھ اسباب ہوتے ہیں۔ آج تک کسی طبیب نے یہ نہیں بتایا کہ بیماری بغیر کسی سبب کے پیدا ہو گئی ہو۔ تمام نظام کائنات کا ایک لاتبدیل قانون میں جکڑا ہوا ہے۔ صحت کے لئے بھی اصول ہیں۔ جو آدمی ان اصولوں کو توڑے گا وہ بیمار ہو جائے گا۔

اگر بیماریوں کو پچھلے جنم کے اعمال کا نتیجہ قرار دے لیا جائے تو تمام طب بے فائدہ اور لغو ثابت ہوتی ہے۔ جب ہم نے یہ مان لیا کہ تمام بیماریاں جو انسانوں اور حیوانوں کو لاحق ہوتی ہیں وہ بداعمالی کا نتیجہ ہیں تو کوئی طبیب نیچرل اسباب کو کیوں ڈھونڈے گا۔ اس عقیدہ سے تمام طب نہ صرف باطل ہو جاتی ہے بلکہ مزید تحقیق کے دروازے بھی بند ہو جاتے ہیں۔

باقی رہا دکھ سکھ، اس کی فلاسفی نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ خیال کر لیا گیا ہے کہ دکھ سکھ پچھلے جنم کی بداعمالی کا نتیجہ ہیں۔

قرآن مجید نے دکھ سکھ کا ذمہ دار خود انسان کو ٹھہرایا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

مَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ (الشوریٰ ۴۲: ۳۰)

قرآن مجید اس دکھ سکھ کی یہ فلاسفی بیان کرتا ہے کہ دکھ سکھ سے انسان کی روحانی ترقی وابستہ ہے۔ اگر انسان دکھ میں صبر، شجاعت، استقامت، صدق اور وفا کا نمونہ دکھاتا ہے وہ تو خدا کی رضا، خوشنودگی اور قرب کو حاصل کر لیتا ہے۔ اسی طرح اگر ایک انسان سکھ میں شکر، حلم، بردباری، شفقت علی المخلوق کا نمونہ دکھاتا ہے تو وہ خدا کے مزید انعامات کا مستحق ہو جاتا ہے۔

۱۰۔ اس عقیدہ سے تمام دنیا کا قانونی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص قتل ہو گیا۔ اس عقیدہ کی رو سے یہ اس کے گزشتہ جنم کے عمل کا نتیجہ ہے تو پھر قاتل کو کیوں پھانسی دی جائے؟ اس نے تو خدا کی منشاء کے مطابق کام کیا۔ کیا خدا کی منشاء کے مطابق کام کرنے والے کو پھانسی کی سزا دی جا سکتی ہے؟ اسی طرح ایک غریب، مسکین، بے بس سے ہمدردی کا جذبہ بھی ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ تو اپنے پچھلے جنم کے کسی برے عمل کی سزا بھگت رہا ہے۔ اس کی مدد اور ہمدردی کرنا خدا کی منشاء کے خلاف ہو گا اور ہمدردی کرنے والا جرم کا ارتکاب کرے گا۔

# ہندو مت پر اسلام کا اثر

جب ہندوؤں اور مسلمانوں کی باہمی جنگ و پیکار ختم ہوئی اور ایک دوسرے سے ملنے جلنے لگے۔ تو مسلمانوں نے ہندو عورتوں سے شادیاں کرنی شروع کر دیں۔ ہندو اور مسلمان بچے مکاتب اور مدارس میں اکٹھے تعلیم پانے لگے۔ ہندوؤں نے مسلمان سلاطین کی نوکریاں اختیار کرنا شروع کر دیں۔ یہ اختلاط ہندو مت پر بہت اثر انداز ہوا۔ بے شمار روشن خیال لوگ پیدا ہوئے، جو شدت سے محسوس کرنے لگے کہ ہمارا مذہب بہت کچھ اصلاح کا محتاج ہے اور اسلام کی بہت سی باتیں اپنائی جائیں۔ مثلاً۔ توحید، مساوات وغیرہ۔ انہوں نے اسلامی اصولوں کو سامنے رکھ کر ہندو دھرم میں اصلاحات کرنے کی کوششیں کیں۔

بارتھ اپنی کتاب "ریلیجنز آف انڈیا" میں لکھتا ہے۔ "خلافتِ اسلامیہ کے عرب ان سواحل پر سیاحوں کی حیثیت سے آئے اور اپنے ہم مذہب افغانوں، ترکوں اور منگولوں سے (جو فاتحین کی حیثیت سے آئے) بہت پہلے ان علاقوں سے تجارت اور میل ملاپ کے تعلقات قائم کر چکے تھے اور یہی وہ علاقے ہیں جن میں نویں صدی سے بارھویں صدی تک وہ عظیم مذہبی تحریکیں نمودار ہوئیں جو شنکر آچاریہ، رامانج، اننڈ تیرتھ اور لبا ؤ کے ناموں سے منسوب ہیں۔"

ڈاکٹر تارا چند نے اپنی مشہور کتاب "اسلام کا اثر ہندی ثقافت پر" میں بھی اس امر کا اقرار کیا ہے کہ یہ تحریکات دین اسلام کے اثرات کی پیداوار ہیں۔

## شنکر آچاریہ

آٹھویں صدی کے اواخر میں مالابار کے ساحل پر دریائے الور کے کنارے گاؤں کلڑی میں ایک نمبوری برہمن شوگرو کے ہاں شنکر آچاریہ پیدا ہوئے ان کا والد صغر سنی میں فوت ہو گیا۔ ان کی والدہ نے باوجود غریب ہونے کے بچے کی تعلیم کی طرف خاص توجہ دی کل شاستر پڑھائے۔ بچہ بھی اتنا ذہین و فطین تھا کہ سولہ سال کی عمر میں تمام ہندو فلسفوں اور الہیات پر حاوی ہو گیا اور مالابار میں علم و فضل میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔

جب شنکر آچاریہ نے ہندو دھرم کی ابتر حالت دیکھی تو اس کی اصلاح کا مصمم ارادہ کر لیا اور گھر سے نکل پڑے۔ سولہ برس تک شنکر ہندوستان میں ادھر اُدھر گھومتے رہے۔ تمام مشہور مقامات اور دارالعلوم میں پہنچے، اپنے نظریات پر کتب لکھیں، وہ فتوحات کے نام سے مشہور ہیں۔ مذہبی کتب پر تفاسیر لکھیں۔ ان میں سے تفسیر ویدانت، فلاسفی، اپنشد اور بھگوت گیتا قابل ذکر ہیں۔ بدھ اعظم کی طرح انہوں نے بھی ایک مذہبی جماعت قائم کرنا چاہی۔ ہند کی چار مختلف سمتوں میں چار بڑی بڑی خانقاہوں کی بنیاد ڈالی۔ ان میں سے

سرنگاگری مٹھ کہلاتی ہے۔ دوسری دوارکا میں سرودھا مٹھ کا نام سے مشہور ہے۔ تیسری نے سری کھیتر میں گوبر دھن مٹھ نام پایا اور چوتھی بدرک آسرم میں جوشی مٹھ کہلاتی ہے۔ [۱]

شنکر آچاریہ نے ۳۲ برس کی عمر میں وفات پائی۔ [۲]

**نظریات** شنکر اچاریہ نے تمام ہندوؤں کو ایک ویدک دھرم پر جمع ہونے کی دعوت دی اور کہا، خدا ایک ہے، وہی حقیقت ہے۔ باقی سب دھوکہ ہے۔ دنیا مایا ہے۔ اس کی حقیقت برہما ہے اور افراد سب اسی حقیقت کے اجزاء ہیں۔ [۳] اس دنیا میں ذیل کے طریق سے زندگی بسر کرنی چاہیئے۔

۱۔ بزرگان سلف کے افکار کا مطالعہ کسی استاد کامل سے کریں۔
۲۔ حیوانی خواہشات اور حواس کو نفس رحمانی کے تابع رکھیں۔
۳۔ رہبانیت اختیار کریں۔

**رامانج** شنکر رامانج ۱۰۱۶ء میں مدراس کے پاس ایک گاؤں پرمبر میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد بزرگوار کا نام کیشب اور والدہ کا نام دھرمی دیوی تھا۔ انہوں نے کنچن پور ضلع بجے میں تعلیم پائی۔ پہلے وہ شنکر کے ایک شاگرد یادو پرکاش کا شاگرد رہا۔ لیکن بعض مسائل پر استاد سے اختلاف کی بنا پر سری رنگم کے جمنا منی کا چیلا بن گیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا جانشین مقرر ہوا۔ کئی سال قیام کرکے اپنے نظریات اور فلسفہ پر کتب تصنیف کیں۔

اس کے بعد انہوں نے اپنے نظریات کی تبلیغ کے لئے ملک میں دورے شروع کئے، علماء سے بحثیں کیں اور ان کو ہم خیال بنایا۔ سری رنگم کا بادشاہ ان کی جان کا دشمن بن گیا۔ رامانج نے جان بچا کر نائک کے بادشاہ کی پناہ لی۔ یہاں کا بادشاہ جین تھا۔ رامانج نے کوشش سے اسے وشنو مذہب کا پیرو بنا لیا۔ بادشاہ نے جادب کے مقام پر ایک مندر تعمیر کیا، جس میں رامانج بارہ برس مقیم رہے اور اپنے نظریات کی اشاعت کرتے رہے۔

آخر کار رامانج دشمن بادشاہ کی وفات کے بعد وطن واپس لوٹے۔

**نظریات** رامانج حقیقت میں بھگتی تحریک کا بانی ہے۔ اس نے شنکر اچاریہ کے "مایا" کے نظریئے کی مخالفت کی۔ شنکر خدا کی صفات کا قائل نہ تھا۔ رامانج نے کہا۔ خدا تمام صفات حسنہ سے متصف ہے۔ اس کی ذات میں کوئی شریک نہیں۔ وہ قادر مطلق ہے۔ وہی

---

[۱] رہنمایان ہند مترجم مصنفہ ممتحنہ ناظم دت ایم اے ایم آر اے۔ الیس سنہ اشاعت ۱۹۳۲ء بار چہارم صہ ۱۹۲، ۱۹۳

[۲] رہنمایان ہند صہ ۱۹۳ [۳] ہندوستان میں مسلم ثقافت مصنفہ عبدالمجید سالک طبع دوم صہ ۹۷

روح اور مادہ کو پیدا کرنے والا ہے اور سب اسی کی ہستی کے محتاج ہیں۔ اس نے خدا کے اوتاروں کو تسلیم کیا ہے۔

رامانج ذاتوں کی پرانی تقسیم کے قائل تھے، لیکن شودروں اور چنڈالوں کے حق عبادت کو تسلیم کیا ہے اور ان کی عبادت کے لئے مندر کھول دیئے۔

رامانج نے نجات حاصل کرنے کے لئے یہ پانچ درجے بتائے ہیں۔

۱۔ مندر میں جھاڑو دینا۔
۲۔ پرستش کے واسطے پھول وغیرہ چن کر لانا۔
۳۔ خدا کی پرستش کرنا۔
۴۔ خدا کے ناموں کے گیت گانا اور شاستروں کا مطالعہ کرنا۔
۵۔ مراقبہ زہد و عشق الٰہی کرنا۔ [1]

رامانج کے بعد دوسرے مصلحین نے اپنے اپنے نظریات بیان کئے ہیں لیکن کوئی بھی بھگتی کے دائرہ سے باہر قدم نہ نکال سکا۔ اب بھگتی تحریک کے عقیدے ہو گئے۔

۱۔ شوا (خدا) اور اس کے فضل پر ایمان۔
۲۔ اپنے گرو سے عقیدت۔
۳۔ عبادت اور ریاضت۔
۴۔ یوگ کے اعمال اور سماع و رقص اور وجد۔
۵۔ تمام مذاہب سے رواداری۔
۶۔ بت پرستی کی مخالفت۔
۷۔ مساوات بین الناس۔

ان عقائد سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصلحین ہندو دھرم اسلام کی تعلیم سے ضرور متاثر ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر تاراچند اپنی تصنیف "ہندو ثقافت پر اسلام کا اثر" میں لکھتے ہیں کہ رامانند سوامی نمبارک اور مادھو (رامانج کے شاگرد ان) نے خدا اور انسان کی نوعیت کے متعلق جو مابعد الطبیعی بحثیں کی ہیں ان کو پڑھ کر نظام، اشعری اور غزالی کے مذاکرات و مباحثات یاد آجاتے ہیں۔

**لنگایت** لنگایت اور بعض دوسرے فرقوں میں بھی اسلام کے نقوش اور اثرات واضح آتے ہیں۔ ان کا گرو غالباً "لبساوا" ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ خدا ایک ہے اور وہ تمام صفات عالیہ کا جامع ہے۔ وہی تمام مادے اور تمام ارواح کا خالق و مالک ہے۔ وہ اپنے آپ

[1] راہنمایان ہند ص ۱۰۰

کو معلّم عالم کی شکل میں ظاہر کرتا ہے۔ لنگایتوں میں پیری مریدی اور بیعت کے طریقے مسلمانوں سے ملتے جلتے ہیں اس فرقے میں رسمیں نہیں ہیں، ذات پات کا کوئی امتیاز نہیں۔ ایک چنڈال بھی اس میں شامل ہو جائے تو برہمن کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ بچپن کی شادی ممنوع ہے طلاق کی اجازت ہے۔ بیواؤں کا احترام کیا جاتا ہے اور انہیں نکاح ثانی کا حق حاصل ہے۔ لنگایت اپنے مُردوں کو جلاتے نہیں بلکہ دفن کرتے ہیں۔ سرادھ اور دوسری موت کی رسمیں مفقود ہیں۔ تناسخ کا عقیدہ ان کے نزدیک غلط ہے۔ یہ لوگ پرہیزگار اور مجاہد مزاج ہیں۔ کنڑی اور تلنگی علاقے میں خصوصاً بلگام، بیجاپور اور دھاوار کے اضلاع میں آبادی کا پینتیس فی صد ہیں۔ میسور اور کولھاپور میں آباد ہیں۔ یہ اپنے آپ کو ویرشیوا (یعنی شیوا کے بہادر) کہتے ہیں[1]

بساوٴ کے اقوال میں سے بعض ڈاکٹر تارا چند نے نقل کئے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا ایک ہے۔ وہ ساری کائنات پر حاوی ہے۔ توبہ اور پشیمانی کے سوا اور کوئی نذر نیاز یا قربانی گناہوں کا کفارہ نہیں ہو سکتی۔ گھوڑے وغیرہ کی قربانی کا کچھ فائدہ نہیں۔ ذات پات کے امتیازات بالکل بے معنی ہیں۔ عمل کرو اور جزا کی توقع نہ رکھو۔ سب روحیں خدا کی ذات میں جذب ہونے والی ہیں[2]

**رامانند** یہ مصلح ۱۲۹۹ء میں پریاگ الہ آباد کے ایک برہمن خاندان میں پیدا ہوا اور پریاگ اور بنارس میں ہی تعلیم حاصل کی۔ رامانند رامانج کے مذاہب کا پیرو تھا۔ ان کا فلسفہ سیکھا اور ہندی زبان میں اس کی عام اشاعت کی۔ اس نے اپنے پیروؤں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا یعنی زاہد اور دنیادار۔ زاہدوں کے گروہ کی تربیت رامانج کے طریقہ تربیت پر کی۔ شنکر کی جماعت کے دس مٹھ تھے۔ اس نے اپنے گروہ کے لئے مٹھوں کی تعداد سات رکھی، ہر پیروکار کے لئے کسی نہ کسی مٹھ سے تعلق رکھنا ضروری تھا۔ مٹھوں کے لئے کچھ اراضی وقف ہوتی تھی۔ جس کا انتظام مہنت کرتے۔ رامانند ذات پات کا سخت مخالف تھا۔ اس کے مریدوں میں تمام ذاتوں کے افراد شامل تھے۔

**رامانند کے شاگرد** رامانند کے بارہ شاگرد تھے جو اعلیٰ قوم برہمن سے لے کر ادنیٰ قوم چنڈال میں سے منتخب کئے گئے تھے۔ اپنے مرشد کی وفات کے بعد انہوں نے ان کے نظریات کی اشاعت کی۔

بارہ شاگردوں میں ناواجی، سورداس، تلسی داس، جے دیو اور کبیر مشہور ہیں۔

**ناواجی** نے ایک ادنیٰ خاندان میں جنم لیا۔ ان کی والدہ قحط کے زمانہ میں ان کو ایک جھاڑی میں چھوڑ آئیں اور دو ویشنو زاہدان کو اٹھا کر اپنے مٹھ میں لے آئے۔ جب موصوف

---

[1] ہند و ثقافت پر اسلام کا اثر ڈاکٹر تارا چند صہ ۱۱۹ ماخوذ از ہندوستان میں مسلم ثقافت مصنفہ عبدالمجید سالک طبع دوم صہ ۴۹۹ - [2] ایضاً صہ ۵۰۰

نے ہوش سنبھالا تو وہ رامانند کے مرید ہو گئے۔ مشہور کتاب بھگت مال اپنے مرشد کی فرمائش پر لکھی۔
سورداس کی سوانح حیات سے لوگ بہت کم واقف ہیں۔ وہ اندھے تھے اور اس وقت کے مشہور شاعر تھے۔ ان کا مدفن بنارس کے قریب موضع شب پور میں ہے۔
تلسی داس چترکوٹ کی پہاڑی کے قریب جج پور کے ایک برہمن گھرانے میں پیدا ہوئے۔ پہلے وہ راجہ بنارس کے دیوان رہے مگر بعد میں زاہدانہ زندگی اختیار کر کے نندرابن چلے گئے۔ بے شمار مقامات کی زیارت کر کے بنارس چلے آئے اور یہاں رامائن کی مشہور کتاب لکھی۔
جے دیو مغربی بنگال کے موضع کیندا بل میں پیدا ہوئے۔ اپنے وقت کے مشہور شاعر تھے۔ ان کا کلام وجد و سماع کی مجالس اور معابدوں میں گایا جاتا ہے۔

**کبیر** ڈاکٹر تارا چند کی تحقیق کے مطابق کبیر غالباً ۱۴۲۵ء میں پیدا ہوا۔ مشہور ہے کہ وہ ایک برہمن بیوہ کے بطن سے پیدا ہوا۔ وہ اس بچہ کو کسی جنگل میں ڈال آئی۔ اس وقت نوری جولاہا اور اس کی بیوی کا اس طرف سے گذر ہوا تو میاں بیوی نے اس بچے کو اٹھایا اور اسے متبنیٰ بنا لیا۔ جب ہوش سنبھالا تو اس نے روحانی استفاضہ کے لئے کسی پیر یا گرو کی تلاش شروع کی۔ وہ بہت سے مسلمان مشائخ اور سادھوؤں سے ملا لیکن کسی جگہ اس کی تسلی نہ ہوئی۔ آخر کسی نے اس کو رامانند برہمن کا پتہ دیا جو نہایت روشن دماغ پیر کہن سال تھا۔ چنانچہ کبیر رامانند کا چیلا بن گیا۔ رامانند کی صحبت سے فیض حاصل کرنے کے بعد سیر و سفر میں مصروف ہو گیا اور لوگوں کو گیان کا سبق دیتا تھا۔ وہ ہندو دھرم کے ورن آشرم اور مورتی پوجا (بت پرستی) اور دوسرے مسلمات کا منکر تھا۔ اس کا یہ عقیدہ تھا کہ حقیقی عبادت کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نجات نہیں۔
کبیر کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے، خدا ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ بت پرستی گمراہی اور ضلالت ہے۔ ذات پات انسانیت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔ آپس میں محبت اور بھائی چارہ سے رہنا چاہیئے۔

**چے تنیہ** ۱۴۸۵ء میں بنگال کے مقام "نودیپ" میں پیدا ہوا۔ پچیس (۲۵) سال کی عمر میں سنیاسی بن کر تمام ملک میں دورہ کر کے محبت اور امن کا پرچار کیا۔ اس کی تعلیم یہ تھی۔ کہ خدا ہر آتما میں موجود ہے اس لئے ہر فرد قابلِ تکریم و تحریم ہے۔ ذات پات کی تمیز کا شدید مخالف اور مساوات بین الناس کا حامی تھا۔ غربا، مساکین، مفلوک الحال اور مصیبت زدہ لوگوں سے محبت کرتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ تمام انسان بھائی بھائی ہیں۔ خدا کے نزدیک برہمن اور شودر میں کوئی تمیز نہیں۔ صرف خدا کی عبادت اور محبت ہی حقیقی نجات کا ذریعہ ہے۔

---

لہ دبستانِ مذاہب محسن فانی (ترجمہ) ۱۸۶۔

بنگال میں چے تنیہ کا بے حد احترام ہے اور اس کو سری کرشن کا اوتار مانتے ہیں۔

**سادھو** مہاراشٹر میں ایک مرہٹہ سادھو نام دیو کسی نیچ ذات خاندان میں پیدا ہوا اس نے توحید کا پرچار کیا اور بت پرستی کے خلاف آواز بلند کی اور ذات پات کی شدید مخالفت کی۔

**نانک** لاہور کے پاس تحصیل شرق پور کے ایک گاؤں تلونڈی میں ۱۴۶۹ء میں مہتہ کالو چند کھتری کے گھر نانک پیدا ہوا۔ اس کے والدین نے پہلے ایک پنڈت سے ہندی پڑھوائی۔ پھر ایک معلم ملا قطب الدین سے فارسی پڑھی۔ لیکن نانک نے ابتدائی اسباق کے سوا کچھ زیادہ نہ پڑھا۔ پڑھائی کی طرف بالکل توجہ نہ دی۔ ہر وقت سوچ بچار کے سمندر میں مستغرق رہتا۔ اس کے والدین جس کام میں لگاتے اس کو اچھی طرح سرانجام نہ دے سکتا۔ جب نانک کی بہن نواب دولت خان لودھی کے دیوان جے رام سے بیاہی گئی تو اس نے اپنی ذاتی کوشش سے نانک کو نواب کے خیرات خانے میں ملازم کرا دیا۔ نانک یہاں ۱۴۹۹ء تک رہا۔

جب نانک کی عمر تیس سال ہوئی تو اس نے ملازمت چھوڑ دی اور تلونڈی کے ایک مسلمان مردانہ اور بھائی بالا کو ساتھ لے کر تیرتھوں اور خانقاہوں اور مقدس مقامات کی زیارت کی۔ سادھو سنتوں اور صوفیوں کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ پھر اپنے نظریات اور مسلک کی تبلیغ شروع کر دی۔

پنجاب کے مشہور صوفیائے کرام شیخ اسماعیل بخاری، سید علی ہجویری، بابا فرید، علاء الحق، جلال الدین بخاری، مخدوم جہانیاں اور دوسرے بزرگوں کی صحبت سے اپنی روحانی پیاس بجھائی۔ اس وجہ سے نانک صاحب کے مسلمان ہونے کا عقیدہ آپ کے زمانہ زندگی ہی سے مسلمانوں میں چلا آ رہا ہے۔[۱] نانک درویش کے نام سے مشہور تھا۔[۲] نانک حاجی درویش بن کر مکے میں حج کے لئے گئے[۳]۔

گیانی گیان سنگھ نے لکھا ہے کہ مکہ شریف میں بابا نانک صاحب کا مکان مسجد کی شکل پر بنا ہوا تھا جو ولی ہند کے نام سے مشہور تھا[۴]

بابا صاحب کی وفات پر مسلمانوں نے یہ جھگڑا کیا تھا کہ وہ اس کی لاش کو جلانے نہیں دیں گے۔ اس کی وجہ یہ بتائی کہ آپ مسلمان اور حاجی ہیں[۵] سردار خزان سنگھ نے بھی مسلمانوں کے

---

[۱] جنم ساکھی بالا ص ۱۳۲، جنم ساکھی منی سنگھ صفحہ ۱۱۰، ۱۱۱، تواریخ گورو خالصہ ص ۲۴، ۴۴، مصنفہ پروفیسر سندر سنگھ۔

[۲] جنم ساکھی بالا ص ۱۳۹ و جنم ساکھی سری گورو سنگھ سبھا ص ۲۴۸۔

[۳] جنم ساکھی بھائی بالا ص ۱۳۱ [۴] تواریخ گورو خالصہ ص ۴۲ [۵] تواریخ گورو خالصہ ۶۳ مصنفہ پروفیسر سندر سنگھ

اس اصرار کی وجہ یہی بتائی ہے کہ وہ نانک کو پکا مسلمان سمجھتے تھے[1]

گورداورہ ٹریبونل کے ججوں نے مقدمہ نانک کے فیصلہ میں لکھا ہے۔ "کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ گورو نانک صاحب نے اپنے خاص اصول اسلام سے لئے ہیں۔ یہ بات پکی ہے کہ بابا صاحب نے اپنے آپ کو اسلام کا مخالف ظاہر نہیں کیا اور اس نے ایک مسلمان فقیر کی شکل میں مکے کی یاترا کی ہے"[2]

گیان گیانی سنگھ کا بیان ہے کہ مسٹر کننگم نے اسلامی تاریخوں کے حوالجات سے تحریر کیا ہے کہ نانک صاحب کے ہمسایہ میں سید میر حسن صاحب نے جو اپنے علاقہ میں صلح کل اور بے لاگ پیر مانے ہوئے تھے دینی اور دنیاوی علم بابا نانک صاحب کو پڑھایا اور بڑے بڑے راہ حق کے بھید بتائے[3]

خواجہ عبدالشکور صاحب کے مزار پر چلہ کیا[4]

# تعلیمات بابا نانک

**توحید** | بابا نانک صاحب خالص توحید کے قائل تھے۔ فرماتے ہیں۔ یار بریم پریمیشر دھیایئے۔ گور پورے تے ایہ مت پایئے (گورو گرنتھ صاحب راگ گوڑی محلہ ۵ ص۱۸۴) یعنی خالص توحید کا سبق پورے گورو سے ہی مل سکتا ہے بغیر اس کے نہیں۔

**رسالت کا اقرار** | بابا نانک فرماتے ہیں۔ "م محمد من توں من کتاباں چار۔ من خدائے رسول نوں سچا ای دربار" (جنم ساکھی ولایت والی ص۲۴۷) یعنی ہر ایک انسان کے لئے خدا کی توحید کے رسالت کا ماننا ضروری ہے۔

**ارکان اسلام** | سری گورو گرنتھ صاحب سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بابا صاحب نے اذان دی۔ نماز پڑھی۔ لوگوں کو زکوٰۃ اور روزے رکھنے کی تلقین کی۔ حج کیا۔

**قرآن مجید** | قرآن مجید کے متعلق فرماتے ہیں۔ "کل پرمان کتیب قرآن" یعنی کل یگ میں خدا تعالےٰ نے دنیا کی ہدایت کے لئے قرآن شریف کو منظور فرمایا ہے۔ ایک شخص کے سوال پر بابا صاحب فرماتے ہیں۔ "قرآن کتیب کمایئے" یعنی قرآن شریف پر عمل کرو۔ "کہ جا نن صاحب ایویں ملے"۔ اس سے جو روشنی پیدا ہوگی اس میں خدا ملے گا۔[5]

---

[1] ہسٹری اینڈ فلاسفی آف دی سکھ ریلیجن ص۱۰۶۔

[2] اداس سنگھ ہنس ص۲۲۔ [3] حاشیہ تواریخ گورو خالصہ ص۸۶۔

[4] تواریخ گورو خالصہ ص۲۲۴۔

[5] جنم ساکھی سنگھ سبھا ص۱۶۹، جنم ساکھی بالا ص۴۱۲۔

بابا صاحب قرآن مجید کے متعلق فرماتے ہیں۔

توریت انجیل زبور تریہہ پڑھ سن ڈٹھے وید
رہیا فرقان کتیبڑے کل یگ میں پروان[1]

یعنی میں نے توریت، انجیل، زبور اور وید پڑھ اور سن کر دیکھ لئے ہیں، قرآن کتاب ہی دُنیا کی ہدایت کے لئے خدا تعالیٰ نے منظور فرمائی ہے۔

پنج وقت نماز گزار ہے۔ پڑھے قرآن کتب قرآنا[2] یعنی پانچ وقت نماز میں قرآن شریف کی تلاوت کی جاتی ہے۔

بابا نانک صاحب کا وہ قرآن مجید جس کو آپ سفر میں اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے گو وہ ہرسہائے ضلع فیروزپور کے گوردادوہ میں آج تک موجود اور محفوظ ہے۔

## قیامت کے متعلق عقیدہ

بابا نانک صاحب کا قیامت کے متعلق بھی وہی عقیدہ ہے جو مسلمانوں کا ہے یعنی ایک دن آسمان، زمین، سورج، چاند ستارے سب فنا کے پردہ میں چلے جائیں گے صرف اللہ تعالےٰ کی ذات باقی رہ جائے گی[3]

بابا نانک صاحب بہشت اور دوزخ کے قائل تھے، آپ فرماتے ہیں۔

عملاں والے تت دن ہوسن بے پروا
سٹی چھٹے نانکا حضرت جناں پناہ[4]

یعنی قیامت کے دن وہ لوگ جن کے اعمال اچھے اور نیک ہوں گے بے فکر ہوں گے نانک کہتا ہے وہی لوگ نجات پائیں گے جن کی پشت پناہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔

## بابا صاحب کا چولہ

ڈیرہ بابا نانک میں آپ کی اولاد کے پاس بطور یادگار چولہ چلا آرہا ہے۔ اس چولہ پر قرآن مجید کی آیات لکھی ہوئی ہیں۔

بابا صاحب اوہام پسندی، ضعیف الاعتقادی، رسوم پرستی، ذات پات کی تمیز کے شدید مخالف تھے۔ بابا نانک کے بعد سکھ گروؤں کا سلسلہ چلا، جو بابا نانک کے بتائے اصول اور تعلیم سے ہٹے ہوئے ہیں۔ اگر سکھ قوم بابا نانک کی تعلیم پر گامزن ہوتی تو وہ کبھی بھی مسلمانوں سے الگ نہ ہوتی اور سیاسی زندگی کی باگ دوڑ ہندوؤں کے ہاتھ میں نہ دیتی۔ اگر سکھ قوم غور و تدبر سے کام لے تو ان کو معلوم ہو جائے

---

[1] جنم ساکھی بالا صـ ۱۲۷

[2] گورو گرنتھ صاحب سری راگ محلہ ۱ صـ ۴۱۲

[3] سری راگ محلہ ۱ گرنتھ صاحب و جنم ساکھی بالا صـ ۱۳۹ تا صـ ۲۵۲، صـ ۳۳ و جنم ساکھی سنگھ سبھا صـ ۲۵

[4] جنم ساکھی سنگھ سبھا صـ ۲۵۔

گا کہ بابا نانک اسلام کے کتنے قریب تھے اور ہندو مت سے کتنے دور تھے۔ اور ان کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ان کی سیاسی زندگی مسلمانوں کے ساتھ الحاق کرنے میں ہے۔

# بعد کے ہندو مصلحین

رام نند کے بارہ چیلوں میں سے کبیر کے علاوہ چار نے اپنے کچھ بھجن چھوڑے ہیں۔ یعنی دھنا، پیپا سائیں اور رائے داس۔ پہلے تین چیلوں کے بھجن سکھوں کی آدی گرنتھ میں محفوظ ہیں اور رائے داس کی تعلیمات الگ جمع کی گئی ہے۔

**دھنا** ذات کا جاٹ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ۱۴۱۵ء میں پیدا ہوا۔ راجپوتانہ کا رہنے والا تھا جہاں سے وہ رام نند کا مرید بننے کے لئے بنارس گیا۔ دھنا پہلے بت پرست تھا۔ پھر رام نند کی صحبت سے اس کے اندر انقلاب پیدا ہوا ہے۔ اس لئے وہ کہتا ہے۔

"جب گرو نے علم الٰہی میرے سینے میں داخل کیا تو میں نے خدا کا دھیان کیا اور اپنے دل میں تسلیم کیا کہ وہ ایک ہے۔ میں نے خدا کی محبت اور خدمت قبول کی اور آسائش سے ہوں۔ میں شکم سیر اور مطمئن ہوں۔ اور میں نے نجات حاصل کر لی ہے۔"

خدا کی وہ روشنی جس سے کائنات معمور ہے جس کے دل میں ہے وہ خدا کو پہچانتا ہے اور اسے فریب نہیں دیا جا سکتا۔[1]"

**پیپا** بھگت مالا اور اس کی شرح سے گگراؤں گڑھ کے راجہ پیپا کا مفصل حال لکھا ہے۔ اس کتاب میں اس کی زندگی کے عجیب و غریب واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ میکالیف نے اپنی کتاب "سکھوں کے مذاہب" میں اس کے بھجن کا ترجمہ پیش کیا ہے جو گرنتھ میں ملتا ہے جس سے وہی رجحان مترشح ہوتا ہے جو اس کے دوسرے ہمعصر بزرگوں کا تھا یعنی "یہ کہ خدا بنیادی روح ہے اور گرو خدا تک پہنچنے کا وسیلہ ہے اور یہ کہ پرستش واقعی ہونا چاہیئے۔"[2]

**سائیں** سائیں ذات کا حجام تھا۔ اور باندھوگڑھ کے راجہ کے دربار میں رہتا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ وہ راجہ کا روحانی پیشوا تھا۔ نابھا جی سائیں کے متعلق ایک حکایت بیان کرتا ہے جس سے اس کا خدا پر توکل اور خدا کی مدد کرنے پر آمادگی ظاہر ہوتی ہے۔

---

[1] اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر از ڈاکٹر تارا چند مترجم چودھری رحمت علی الہاشمی صفحہ ۲۱۸ اشاعت بار اول ۱۹۶۶ء۔

[2] اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر صفحہ ۲۱۹

**رائے داس** اس کے باپ کا نام رگھو اور ماں کا چرُ دنیا تھا۔ بنارس میں پیدا ہوا۔ چمڑے کا کام کرتا تھا۔ اسی طرح سماجی حیثیت سے نیچی ذات سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ مذہبی آدمیوں اور درویشوں کا بہت معتقد تھا۔ جو کچھ پیسے باپ سے ملتے وہ ان پر خرچ کر دیتا تھا۔ اس وجہ سے باپ نے ناراض ہو کر گھر سے نکال دیا۔ رائے داس اپنے بال بچوں کو ساتھ لے کر ایک ٹوٹے پھوٹے چھونپڑے میں رہنے لگ پڑا اور جوتے ٹانک کر گزارہ کرتا۔ بزرگوں کی خدمت میں مصروف رہتا۔ لوگ اس کی قانع اور سادہ زندگی دیکھ کر اس کی طرف مائل ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک راجپوت رانی نے اسے اپنا گرو بنا لیا تھا۔ اس کے بھجنوں میں توحید کی تعلیم پائی جاتی ہے، وہ کہتا ہے۔

"گو بند غیر متحرک غیر متشکل غیر پیدا شدہ بے مثل بے خوف خرام والا محدود نظر اور عقل سے دور ناقابل تقسیم غیر مشروط اور انتہائی مسرت۔"[1]

"ہری سب میں ہے اور سب ہری میں ہیں"۔[2]

"اے رام تو ہی اکیلا عاقل ہے۔ تو ابدی طور پر بلا بھیس کے ہے۔ تو بادشاہوں کا بادشاہ (سلطان) ہے، میں تیرا شکستہ بندہ ہوں۔ میں بد تہذیب اور بد قسمت ہوں۔ میں بے عقل، احمق اور بدی میں مبتلا ہوں میں گناہ گار ہوں۔ غریب ہوں، بے پروا، بزدل اور سیاہ قلب، تو قادر ہے اور مجھے سمندر پار لے جانے کی قدرت رکھتا ہے۔ میں حریص اور چالاک ہوں۔ یہ میرا جسم شکستہ اور پارہ پارہ ہے اور میرے دماغ میں بہت سے اندیشے بھرے ہیں"۔[3]

**دادو دیال** دبستان کے بیان کے بموجب دادو مارواڑ کے ایک گاؤں نارائنا میں پیدا ہوا۔ دلسن کے قول کے مطابق وہ احمد آباد میں پیدا ہوا۔ اور اپنی سینتیسویں سال کی عمر میں نارائنا آیا جہاں مرتے دم تک رہا۔

اکبر بادشاہ کے زمانہ میں تھا۔ اس کے پیشے کے بارہ میں اختلاف ہے۔ بعض اس کو نداف (کپاس صاف کرنے والا) لکھتے ہیں، بعض دباغ اور بعض موچی۔ لیکن زیادہ صحیح یہ مانا جاتا ہے کہ وہ سرسوت برہمن تھا۔

اس کا پہلا نام مہابلی تھا۔ اور اپنی پہلی بیوی کے مرنے کے بعد دنیا سے منہ موڑ کر ریاضت کی طرف مائل ہو گیا اور کمال کا چیلا ہو گیا۔

اس کے شاعرانہ مقولے پانچ ہزار اشعار پر مشتمل ہیں جنہیں ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

---

[1] اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر ص ۲۲۰۔

[2] اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر ص ۲۲۱۔ [3] اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر ص ۲۲۱

خدا کے متعلق داد لکھتا ہے۔

"اے اللہ رام میرا فریب نظر جاتا رہا۔ ہندو اور مسلمان میں مطلق کوئی فرق نہیں ہے۔

"تو ایک ہی غیر مرئی الٰہی ہے، تو ہی رام اور رحیم ہے، تو جمیل آقا (مالک) ہے۔ تیرے نام کیشو اور کریم ہیں"۔[1]

کائنات کی تخلیق کے متعلق کہتا ہے۔

"ایک ہی لفظ سے اس نے سب کو پیدا کیا"۔[2]

**ملوک داس** | ملوک داس اکبر کے زمانہ میں ۱۵۷۴ء میں پیدا ہوا۔ ایک سو آٹھ برس کی عمر پائی۔ ۱۶۸۲ء میں فوت ہوئے۔ اس نے ظواہر مذہب کو رد کیا اور باطنی پاکیزگی پر زور دیا۔

اس کی تعلیم یہ ہے۔

"سچا مذہب ایک دلی عقیدہ ہے۔ ہاں انسان کی دشمن ہے اور اس سے حفاظت کا راستہ صرف خدا کا نام ہے۔ یہ کہ دنیا فانی ہے اور دنیاوی رشتے کام کے نہیں ہیں۔ یہ کہ آدمی مٹی سے پیدا ہوا ہے اور مٹی میں مل جائے گا۔ یہ کہ جو لوگ روحانی زندگی سے منسلک نہیں وہ دنیا کے لئے گئے ہیں۔ یہ کہ نجات خود کو جاننے، غرور اور خودی کو مارنے، جذبات پر قابو رکھنے، گرو پر اعتماد کرنے اور خدا سے محبت کرنے حاصل ہوتی ہے۔ یہی اس کے نزدیک سچے درویش کی تعریف ہے"۔[3]

"جو شخص پانچ عنصروں سے الگ رہتا ہے۔ جو پیاسے کو پانی پلاتا ہے اس کی خدمت کو محمد بڑی سمجھتے ہیں۔ جو شخص بھوکے کو کھانا کھلاتا ہے وہ جلد مالک کو پالیتا ہے۔ جو شخص جذبات کو نرک کر دیتا ہے اور زندگی میں مرجاتا ہے اس کے سامنے عزرائیل سر جھکاتا ہے۔ جو شخص دوسروں کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھتا ہے۔ ملوک داس اسے سچا درویش سمجھتا ہے"۔[4]

# بیر بھان اور ست نامی فرقہ

داد کا ایک ہم عصر بیربھان تھا۔ جس نے سادھوؤں یا ست نامیوں کے فرقہ کی بنیاد رکھی۔ بڑا

---

[1] ایضاً صہ ۲۲۶۔
[2] ایضاً صہ ۲۲۷۔
[3] اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر صہ ۲۳۔
[4] اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر صہ ۲۳۔

موحد تھا، خدا کو ست نام (حقیقت) سے پکارتا تھا۔

وہ جنوب مشرقی پنجاب میں نارنول کے پاس موضع بجیر میں ۱۵۴۳ء میں پیدا ہوا۔ ست نامی فرقے کے مراکز دہلی، رہتک، آگرہ، فرخ آباد، مرزا پور (یوپی) اور راجپوتانہ میں جے پور ہیں۔

اس فرقہ کی تعلیمات ہندی بھاشا میں ہیں۔ ان کے مجموعے کا نام پوتھی ہے ان کے بارہ احکام ہیں۔ جو آدمی اُپدیش (پہلے احکام) میں ہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ صرف ایک خدا کو مانو۔ جس نے تمہیں بنایا ہے اور بگاڑ بھی سکتا ہے جس سے بڑا کوئی اور نہیں ہے اور صرف وہی پرستش کا مستحق ہے نہ کہ زمین یا دھات یا پتھر یا لکڑی یا اور کوئی مخلوق۔ مالک صرف ایک ہے اور اس کا ایک کلام ہے جو شخص بھی جھوٹ پر دھیان دیتا ہے، جھوٹ پر عمل کرتا ہے اور گناہ کرتا ہے وہ دوزخ میں گر پڑتا ہے۔

۲۔ حلیم اور منکسر رہو۔ دنیا سے اپنی لَو نہ لگاؤ۔ اپنے عقیدہ پر وفاداری سے قائم رہو۔ ان لوگوں سے میل جول نہ رکھو۔ جو اس عقیدے کے نہ ہوں۔ اجنبی کی روٹی نہ کھاؤ۔

۳۔ کبھی جھوٹ نہ بولو نہ کسی وقت کسی سے کسی چیز کی زمین کی یا پانی یا درختوں یا جانوروں کی برائی کرو زبان کو ہمیشہ خدا کی ثنا و صفت میں مصروف رکھو۔ چوری نہ کرو، نہ روپیہ کی، نہ زمین کی، نہ جانور کی اور نہ چراگاہ کی۔ اپنی ملکیت کو دوسرے کی ملکیت سے الگ رکھو۔ اور جو کچھ تمہارے پاس ہے اس پر قانع رہو، بدی کبھی نہ سوچو۔ کسی غیر مناسب چیز پر نظر نہ ڈالو۔ خواہ مرد یا عورت، ناچ یا تماشا۔

۴۔ بُرائی کی گفتگو کو نہ سنو۔ نہ کوئی اور بات سوائے خالق کی ثنا کے نہ کہانیاں نہ گپ نہ بہتان، نہ موسیقی نہ گانا۔ بجز بھجن کے اور اس میں بھی موسیقی کا ساز دماغ کے اندر ہونا چاہیئے۔

۵۔ کبھی کسی چیز کی حرص نہ کرو، خواہ جسم کی یا دولت کی۔ دوسرے کا مال نہ لو۔ خدا تمام چیزوں کا دینے والا ہے اور جتنا تم اس پر بھروسہ کروں گے اتنا تمہیں ملے گا۔

۶۔ جب تم سے پوچھا جائے کہ تم کون ہو، تو اپنے کو سادھ بتاؤ۔ ذات کا نام نہ لو۔ بحث میں نہ الجھو۔ اپنے عقیدے پر مضبوطی سے قائم رہو اور آدمیوں سے آس نہ لگاؤ۔

۷۔ سفید کپڑے پہنو۔ کوئی رنگ یا منجن یا مہندی استعمال نہ کرو۔ نہ اپنے جسم پر کوئی نشان بناؤ۔ نہ پیشانی پر ذات کا امتیاز لگاؤ۔ نہ مالا یا تسبیح یا جواہرات پہنو۔

۸۔ نشیلی اشیا کبھی نہ کھاؤ پیو۔ نہ پان کھاؤ۔ نہ خوشبو سونگھو، نہ تمباکو پیو، نہ افیون چوسو یا سونگھو۔ مورتیوں یا انسانوں کے لئے آگے نہ اپنا ہاتھ پھیلاؤ نہ سر جھکاؤ۔

۹۔ کسی کی جان نہ لو۔ نہ کسی پر دست درازی کرو۔ نہ ملامت آمیز گواہی دو۔ نہ زبردستی کسی کی چیز لو۔

۱۰ ایک مرد صرف ایک بیوی کرے اور عورت صرف ایک شوہر۔ مرد عورت کے آگے کا بچا نہ کھائے مگر عورت مرد کے آگے کا بچا کھا سکتی ہے جیسا کہ دستور ہو، عورت مرد کی تابع رہے۔

۱۱۔ فقیر کا لباس نہ پہنو، نہ بھیک مانگو۔ نہ تحفہ قبول کرو۔ جادو کا خوف بالکل نہ کرو، نہ خود جادو کرو۔ راز بتانے سے پہلے سمجھ لو۔

سادھوؤں کے جلسے ہی یاترا کے مقامات ہیں۔ لیکن سلام کرنے سے پہلے پہچان لو کہ سادھ کون ہے۔

۱۲۔ سادھ کو دنوں، چاند کی گردشوں یا مہینوں، چڑیوں یا جانوروں کے بولنے یا نظر آنے کے توہمات میں نہ پڑنا چاہیئے۔ اسے صرف مالک کی رضا تلاش کرنا چاہیئے۔ [1]

## لال داس اور بابا لال:

سترھویں صدی عیسوی کے وسط میں لال داس اور بابا لال پیدا ہوئے تھے۔ لال داسی فرقے کا بانی تھا۔ میو قوم سے تعلق رکھتا تھا۔

بابا لال جو کھشتری تھا، جہانگیر کے عہد میں تولد ہوا۔ وہ خود اپنے مذہب کے بارہ لکھتا ہے۔

"عاشق کا عقیدہ دوسرے عقیدوں سے مختلف ہے۔ خدا ان لوگوں کا ایمان اور عقیدہ ہے جو اس کے عاشق ہیں۔ باقی نیک کام کرنا ہر مذہب میں بہتر ہے"۔ [2]

اٹھارویں صدی عیسوی میں جو ہندو مصلحین اور بزرگ ہو گذرے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ جگ جیون، بولا صاحب، کیشو داس، غریب داس، شیو نرائن اور رام چرن

### جگ جیون

یوپی کے ضلع بارہ بنکی میں موضع سرو ہا میں ۱۶۸۷ء میں پیدا ہوا۔ اس کی تعلیمات اس کی تین کتابوں جناں پرکاش، مہاپرے، اور پراتھم گرنتھ میں درج ہیں۔ اس نے توحید کی تعلیم دی۔ وہ خدا کو تمام صفات سے ماورا تصور کرتا تھا۔ اس نے خود سپردگی اور دنیا سے بے رغبتی پر زور دیا۔ اس کا یہ عقیدہ تھا کہ انسان کی سعی بلیغ کا منتہائے مقصد گرو کی معرفت اللہ کی ذات میں جذب ہو جانا ہے۔ سچائی، نرمی، بے ضرری اس کا اخلاقی دستور تھا۔

بولا صاحب کا اصلی نام بلاقی رام تھا۔ ضلع غازی پور (یو۔پی) میں پیدا ہوا۔ وہ ایک متقی اور پرہیزگار شخص تھا۔ اس کی تعلیمات کی ایک مثال یہ ہے۔

"جو شخص محبوب کے پیچھے دیوانہ ہے۔ اور نرگن کے گھر (خانہ) میں جام نوش کرتا ہے۔ نرگن مکان ہے اور تریکوٹی منزل مقصود اور پرستاروں کی جماعت کا ذریعہ۔ انسان کو ہر لمحہ نرگن کے مکان میں جانا چاہیئے اور دن کے آٹھ حصوں میں سرشار رہنا چاہیئے۔

اے بولا! نرگن کی شکل کا لوگوں سے ذکر کر۔ اور تو نے آسمانوں کا راز پالیا"

---

[1] اسلام ہندوستانی تہذیب پر اثر صہ ۲۳۵، ۲۳۶۔ [2] اسلام ہندوستانی تہذیب پر اثر صہ ۲۳۷۔

خدا پر ہمہ وقت سہارے کو وہ اس طرح ظاہر کرتا ہے۔

"اے مالک! میری حاضری لے اور میرا نام دفتر میں درج کر لے۔ میں ایک غریب بے سہارا سپاہی ہوں۔ مجھے روز کچھ نہ کچھ عطا فرما۔"[1]

**کیشو داس** کیشو داس ذات کا بنیا تھا۔ دہلی کے ایک مسلمان بزرگ باری صاحب کے حلقہ عقیدت میں شامل ہو گیا۔ تنبیہات اس طرح ہیں۔

"وہ دولت، فتان، شان و شوکت، خودی اور غرور رکھتا ہے۔ وہ دنیا سے کسی ذی روح پر ترس نہیں کھاتا۔

وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کی تمام شان و شوکت عارضی ہے اور یہ کہ موت اپنا جال لئے پھرتی ہے کہ ایک لمحہ میں فنا کر دے۔

یہ تمام خیمہ گاہ، ہاتھی، گھوڑے اور ساز و سامان فریب نظر ہیں۔ رخصت ہوتے وقت بجز ہری کے نام کے اور کوئی چیز کام نہ آئے گی۔ میں بار بار تمہیں تنبیہ کرتا ہوں کہ دنیا (مایا) کی محبت چھوڑ دو۔

اے کیشو! تو خواہشات کے فریب سے کیوں الجھن میں پڑتا ہے۔"[2]

**چرن داس** چرن داس ۱۷۰۳ء میں میوات (راجپوتانہ) میں پیدا ہوا۔ اس نے ۱۷۳۰ء کے قریب دہلی میں اپنے فرقہ کی بنیاد ڈالی۔ وہ اپنے حلقہ ارادت میں مرد اور عورت دونوں کو شامل کر لیتا تھا۔

چرن داس بت پرستی کی مذمت کرتے ہوئے کہتا ہے۔

"شوہر پر اپنی نظر رکھو۔ کسی اور سے تمہیں کیا مطلب؟

تمام دیوتاؤں کو ترک کر دو اور صرف ہری کا نام جپو۔"[3]

**غریب داس** غریب داس ضلع رہتک میں پنجاب کے موضع چھوڑانی میں ۱۷۱۷ء سے ۱۷۷۸ء تک رہا۔ وہ ذات کا جاٹ تھا اور زندگی میں گرہست تھا۔ اس کے اشعار فارسی الفاظ اور صوفی تلمیحات سے بھرے ہوئے ہیں۔ وہ کہتا ہے۔

اے صاحب میری دعا کی صدا اپنے عرش پر سن لے۔

تو میرا پدر اور میری مادر ہے اور تو کریم ہے۔ باپ کو اپنے لڑکے کی عزت کرنا واجب ہے۔

اے خالق! میں ہاتھ جوڑ کر تجھ سے التجا کرتا ہوں۔

---

[1] اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر ص ۲۴۴۔

[2] ایضاً ۲۴۵۔

[3] ایضاً ص ۲۴۵۔

میرا جسم اور دماغ اور دولت تیری نذر ہیں مجھے اپنا دیدار نصیب کر۔ [1]

**شیونرائن** | شیونارائنی فرقہ اٹھارھویں صدی ۱۷۳۴ء میں ظاہر ہوا۔ اس کا بانی سوامی نارائ تھا۔ اس فرقہ کے لوگ ہستی مطلق کی عبادت کرتے اور اپنی گرنتھ کا احترام کر اس فرقہ میں بلا امتیاز تمام لوگ شامل ہو سکتے ہیں۔ جب اس فرقے کا کوئی آدمی مرتا تو اس کی وصیت کے بانو اسے دفن کر دیا جاتا یا اس کی لاش دریا میں بہا دی جاتی۔

**رام چرن** | رام سنیہی فرقہ کا بانی رام چرن ۱۷۱۸ء میں موضع سوسینا ضلع جے پور میں پیدا ہوا بت پرست تھا، بعد میں بت پرستی کا شدید مخالف ہو گیا۔ اس وجہ سے برہم کے مظالم کا نشانہ بنا رہا تھا۔ اور انہوں نے اس کو بہت تنگ کیا۔ اور اس فرقہ کا مقام شاہپورہ میں اس فرقہ میں صرف سادھو ہی شامل ہو سکتے ہیں۔ یہ بتوں کی پرستش نہیں کرتے۔ ان کی مذہبی عبادتیں مسلمانوں سے مشابہ ہیں۔ ان کے مندروں میں ہر روز پانچ عبادتیں ہوتی ہیں۔ اس فرقہ میں ہر ذات کا شامل ہو سکتا ہے۔

اٹھارویں صدی عیسوی کے آخر اور انیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں حسب ذیل مصلح اور بزرگ ہو گزرے ہیں جن پر اسلامی توحید کا اثر تھا۔

سہجانند۔ دولن داس۔ گلال۔ بھیکا اور پلٹو داس۔

**سہجانند** | سوامی نارائنی فرقہ کا بانی اجودھیا کے قریب ۱۷۸۰ء میں پیدا ہوا۔ اس نے توحید کی۔ اس نے جان مارنے یا جانور کا گوشت کھانے، مسکرات کا استعمال کر ممانعت کی، چوری، ڈکیتی، بہتان باندھنے اور تمام اخلاقی برائیوں سے منع کیا۔ اس نے ذات پات کی تمیز کا جہاد کیا۔ محدود جنسی تعلقات پر زور دیا۔

**دولن داس** | جگ جیون داس کا چیلا تھا۔ اس نے ست نامی فرقے کو دوبارہ منظم کیا۔ ضلع بریلی کا رہنے والا تھا۔ وہ اپنی منظومات میں منصور، شمس تبریز، نظام الدین حافظ کا ذکر کرتا ہے۔

ایک نظم اس طرح کی ہے۔

"اب دل کی اداسی جاتی رہی اور معشوق کا جلوہ نظر آیا۔
بزرگوں کی صحبت میں رہ کر میں نے اپنا سر سچے ہادی کے سامنے جھکا دیا۔
ہر وقت اس کی صورت میرے تصور میں ہے اور اس کی شکل میرے دل میں چمکتی ہے

---

[1] اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر صـ ۲۴۷۔

اور فرید، تبریز سب نے اسی عقیدہ کا گن گایا۔

خلوص اور تحمل کے ساتھ اس نے مجھے اللہ کو دکھایا، جو لامکان اور حد و نظر سے دور ہے۔

اے لوگو! دیکھو دولن نے جس کا گہرا جگ جیون ہے معشوق اپنے دل کے اندر جگہ دی۔ اور بے نظیر شوہر اور غیبی حضور میرے دل کے اندر آگیا۔" [1]

**گلال** ضلع غازی پور کے موضع بشاری کا تھا۔ ذات کا چھتری تھا۔ بولا صاحب کا مرید تھا اور ایک خدا کا پجاری تھا۔

**پلٹو داس** ضلع فیض آباد کے موضع ناگپور جلال پور کا باشندہ تھا۔ وجودی نظریہ رکھتا تھا۔ اس نے ذاتوں کے امتیاز کے خلاف آواز اٹھائی اور بھگتی کی نیا ڈالی۔

پلٹو کہتا ہے۔

"میں نے ناسوت، ملکوت اور جبروت کو جان لیا۔

اور میں نے لاہوت کی لذت چکھ لی۔

کیا پرستار وہ ہے جس کا دل روشن ہو۔

اور جو اپنا مکان لامکان بنائے۔

آسمان کا راز کھل گیا۔

اور روح دل کے اندر سے پکارتی ہے حق حق۔

پلٹو کہتا ہے کہ وہ ہر لحظہ اور ہر سمت کو دیکھتا ہے۔" [2]

ہندوؤں اور مسلمانوں کے متعلق کہتا ہے۔

"وہ کہتے ہیں کہ رام مشرق میں ہے اور خدا مغرب میں۔

تو پھر جنوب اور شمال میں کون رہتا ہے۔

مالک کہاں ہے اور کہاں نہیں ہے۔

ہندو اور مسلمان کیوں طوفان اٹھاتے ہیں۔

ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے دست و گریباں ہیں۔

اور دونوں مذہب ایک دوسرے کے خلاف محاذ بناتے ہیں۔

پلٹو بندہ کہتا ہے کہ مالک سب میں ہے۔

وہ ہرگز بٹا ہوا نہیں ہے یہ حقیقت ہے۔" [3]

---

[1] اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر صـ ۲۴۹

[2] ایضاً صـ ۲۵۲ ۔ [3] ایضاً صـ ۲۵۲

**مہاتما گاندھی** مسٹر موہن داس کرم چند گاندھی ۱۸۶۹ء میں پیدا ہوئے۔ وہ تشدد کے مخالف تھے۔ ہندوستان کو آزادی دلانا ان کی زندگی کا اہم مقصد تھا۔ آخر میں وہ اپنے مقدس مقصد کے حصول میں کامیاب ہوئے۔ وہ ہندو مسلم اتحاد پر بہت زور دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک دور میں مسلمان اور ہندو سامراجیت کو شکست دینے کے لئے ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے نظر آتے ہیں۔

**ذات پات کے متعلق نظریہ** مہاتما جی بھی اپنے مذہبی عقائد میں اسلام سے متاثر نظر آتے ہیں۔ انہوں نے اپنے آشرم واقعہ احمد آباد میں اچھوتوں کو داخلے کی عام اجازت دے رکھی تھی۔ ذات پات کی تمیز کے شدید مخالف تھے۔ نواکھالی میں گاندھی جی نے کہا۔ "اگر ہندو دھرم نے زندہ رہنا تھا تو وہ ذات پات کے بغیر ہوتا"

چرکر شنا پور میں کہا۔ ہندو دھرم فنا ہو جائے گا اگر چھوا چھوت فنا نہ ہوئی، جیسے کہ انگریز قوم اپنا نام مٹا دے گی اگر برطانیہ کی حکومت فنا نہ ہوئی حالانکہ وہ ان کی آنکھوں کے سامنے فنا ہو رہی ہے (گاندھی ۲۴ فروری ۱۹۴۷ء)

**توحید کے متعلق نظریہ** ایک مرتبہ "ینگ انڈیا" میں لکھا کہ "خدا کا کوئی شریک نہیں اور اس کے سوا کچھ موجود نہیں اور یہی حقیقت تم اسلام کے کلمہ میں دیکھتے ہو جس پر زور دیا گیا ہے"

# جدید ہندو مت اور اس کی مذہبی تحریکیں

ہندو مت کی جامع اور مانع تعریف کرنا محال ہے۔ اس کے عقیدے اور اصول مبہم اور غیر واضح ہیں۔ یہ ان گنت فرقوں میں بٹا ہوا ہے جن میں کسی قدر مشترک کی تلاش امر محال ہے۔ اس مذہب کے ماننے والوں میں وہ حضرات بھی ہیں جو روح اور مادے کی تفریق کے منکر ہیں۔ خدا کی وحدت کا اقرار بھی اسی جوش و خروش سے کرتے ہیں جس خلوص سے اصنام پرستی کرتے ہیں۔ وحدت الوجودی بھی ہیں اور دہریے بھی، وشنو کے پجاری بھی ہیں اور سیوا جی کے پجاری بھی۔

القصہ ہندو ان دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں، دانشور اور خواص جو اپنشدوں اور بھگوت گیتا ہی کو سرچشمۂ الہام مانتے ہیں اور دوسرے صحیفوں کو قابل اعتنا نہیں سمجھتے، یہ توحید کے علمبردار ہیں۔ ۲۔ عوام جو اصنام پرستی اور رسوم کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ دانشور اور خواص بھی توحید پرستی کے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود عوام کے ساتھ ان گنت دیویوں اور دیوتاؤں کی پرستش کرتے ہیں اور انہیں اسی ذات واحد کے مختلف مظاہر شمار کرتے ہیں۔ عوام اور خاص دونوں تناسخ اور نفرت انگیز

ذات پات پر یکساں اعتقاد رکھتے ہیں اور ان کے بغیر اپنے مذہب کو نامکمل سمجھتے ہیں۔

# برہمو سماج

اس فرقہ کا بانی رام موہن رائے ۱۷۷۴ء میں بمقام بردوان ایک معزز برہمن گھرانے میں پیدا ہوئے۔ چھوٹی عمر میں عربی اور فارسی پڑھ لی۔ سنسکرت بنارس میں پڑھی۔ پندرہ برس کی عمر میں انہوں نے بت پرستی کے خلاف بنگالی زبان میں پمفلٹ شائع کرنے شروع کر دیئے۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ بت پرستی کی تصدیق ویدوں میں نہیں ہوتی۔ توحید کے پرچار کی وجہ سے رام موہن رائے کو اپنے والد اور گھر سے الگ ہونا پڑا۔ اس کے بعد انہوں نے انگریزی، فرانسیسی، لاطینی، یونانی، عبرانی زبانیں پڑھیں۔ تمام مذاہب کی مقدس کتب کا خود مطالعہ کیا۔ ان کا ذریعہ معاش سرکاری ملازمت تھی۔ ۲۹ سال کی عمر میں اس ملازمت سے سبکدوش ہو گئے اور کلکتہ میں سکونت اختیار کر لی۔ اور اپنے مذہبی خیالات کی اشاعت شروع کر دی۔ انہوں نے مذہبی کتب کا سنسکرت سے انگریزی اور بنگالی میں ترجمہ کیا

۱۸۳۱ء میں دہلی کے مغل شہنشاہ نے اپنے مالی حقوق کی وکالت کے لئے انگلستان بھیجا۔ ۱۸۳۳ء تک وہیں مقیم رہے۔ ۱۸۳۳ء میں وہ برسٹل چلے گئے اور اسی سال وہاں ماہ ستمبر میں بخار کے مرض میں انتقال کر گئے۔ ان کی قبر آرنوز ویل قبرستان میں موجود ہے [1]

پہلی بار فارسی میں ایک کتاب توحید پر لکھی اور اس کا دیباچہ عربی زبان میں لکھا۔

۱۸۲۰ء میں انہوں نے اپنی کتاب "یسوع کے احکام" بنگالی زبان میں شائع کی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کا انکار کیا تو سیرامپور کے مشنریوں نے تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے اور بحث و مباحث کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ ۱۸۲۸ء میں انہوں نے برہمو سماج کی بنیاد ڈالی۔ [2]

**نظریات** ان کے خیالات ۱۸۳۰ء کے امانت نامے میں مندرجہ ذیل الفاظ میں قلمبند ہیں۔ "پرستش اسی ذات کی ہونی چاہیئے جو غیر فانی ہے، جس کا پتا تلاش سے نہیں ملتا، جو تغیر سے محفوظ ہے اور جو تمام کائنات کو پیدا کرتی اور قائم رکھتی ہے۔" [3]

رام موہن رائے ذات پات کی تمیز کے سخت مخالف تھے۔ ستی کی رسم کا خاتمہ انہی کی کوشش کا

---

[1] انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ مصنفہ علامہ عبداللہ یوسف علی ص ۱۹۲۔
[2] انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ مصنفہ علامہ عبداللہ یوسف علی ص ۱۹۴۔
[3] انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ ص ۱۹۴۔

نتیجہ ہے۔ کثرت ازدواج اور بچوں کی شادی کی مخالفت کی۔

## مہارشی دیوندر ناتھ ٹیگور

بارہ سال تک یہ جماعت کسمپرسی کی حالت میں رہی۔ رام موہن رائے نے جو روح پیدا کی تھی وہ مرتی جا رہی تھی۔ حتیٰ کہ ۱۸۴۲ء میں مہارشی دیوندر ناتھ ٹیگور (رابندر ناتھ ٹیگور کے والد) نے اس جماعت کی قیادت اپنے ہاتھ میں لی۔ امانت نامے کی رو سے مادی معاملات با اثر اور معاملہ فہم اہلیوں کے سپرد کر دیئے گئے اور روحانی معاملات خادم دین کے سپرد تھے۔ جن کے متعلق امانت نامے میں یہ درج تھا کہ "وہ نیک نام ہو، اور اس کی علمیت پاکیزگی اور اخلاق حمیدہ مسلّمہ ہوں"۔[1]

دیوندر ناتھ کی پرورش اور تربیت کسی فرقہ وارانہ ماحول میں نہیں ہوئی تھی، اس وجہ سے ان میں تنگ نظری نہیں تھی۔ ۱۸۳۹ء میں تتوا بودھنی سبھا (انجمن تبلیغ حق) کے نام سے ایک انجمن قائم کی تھی۔ اس کی دوسری سالگرہ کے موقع پر دیوندر ناتھ نے کہا: "انگریزی تعلیم کی اشاعت کے باعث اب ہم جاہلوں کے مانند لکڑی اور پتھر کو خدا سمجھ کر ان کی پرستش نہیں کر سکتے"۔[2]

۱۸۴۲ء میں برہمو سماج میں شامل ہو کر ہندوازم کی تجدید کرنے لگے۔ انہوں نے اس تحریک کی خدمت کے لئے ایک مطبع اور رسالہ جاری کر دیا۔

## عقائد

دیوندر ناتھ ٹیگور ویدوں کو ہر قسم کی غلطیوں سے پاک نہیں سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے طریقہ کے متعلق فرماتے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ تمام انسان جن میں ادنیٰ طبقے کے لوگ بھی شامل ہیں برہم کی پرستش کریں۔ اس لئے میں نے فیصلہ کیا کہ جو لوگ گایتری کی مدد سے پرستش کر سکتے ہیں وہ اسی طرح کرتے رہیں۔ لیکن جو یہ نہیں کر سکتے ان کو اس امر کی آزادی ہو کہ وہ کوئی آسان طریقہ اختیار کر لیں جس کے مطابق وہ "خدا کے دھیان میں مگن ہو سکیں"۔[3]

## کیشب چندر سین (۱۸۳۸-۱۸۸۴ء)

کیشب چندر سین ۱۸۵۷ء میں سماج میں شامل ہوئے۔ دیوندر ناتھ نے کیشب کو کلکتہ سماج کا "خادم دین" مقرر کیا۔ دونوں نوجوان برہمو سماج کی ترقی اور نوجوانوں کی تربیت میں کوشاں رہے۔

## نظریات

۱۔ ذات پات کی کوئی تمیز نہیں۔
۲۔ بچپن کی شادی کے دستور کا شدید مخالف تھا۔

---

[1] انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ صـ ۱۹۴۔
[2] ایضاً۔ صـ ۱۹۵
[3] ایضاً۔ صـ ۱۹۵

بیواؤں کی دوبارہ شادی کو رواج دینا چاہتا تھا۔
مختلف فرقوں میں باہمی شادیاں کرنے کا زبردست حامی تھا۔ ۱۸۶۳ء میں کیشب نے ایک موقع
فرقوں کے درمیان ایک شادی کی رسم ادا کی۔
خدا کی وحدانیت کا قائل تھا۔

## برہمو سماج میں اختلاف

کیشب اور دیوندر ناتھ دونوں ہی برہمو سماج کی تقویت کا باعث تھے، لیکن دونوں کے مزاج میں اختلاف
آخر یہ اختلاف برہمو سماج میں تفرقہ کا باعث بنا۔ فروری ۱۸۶۵ء میں کیشب نے دیوندر ناتھ
ظام سے علیحدگی اختیار کرلی۔ اور اپنے نظریات کی اشاعت میں شب و روز کام کرنے لگا

## کیشب کے اصول

۱۸۶۴ء کے ایک جلسہ میں سماج کے جلسے میں
کیشب نے حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا۔ "ہماری مقدس
م دنیا ہے۔ ہماری مذہبی کتاب صحیفہ فطرت کی دانش و حکمت ہے۔ ہماری نجات کا ذریعہ عبادت
ہمارا حصول مدعا دلوں کی پاکیزگی ہے۔ ہمارا استاد اور رہنما ہر نیک آدمی ہے۔"[1]
یہ بہت ہی وسیع خیالات ہیں اور برہمو سماج کے اس مقولے میں صدائے بازگشت پیدا کرتے
۔" یہ وسیع عالم الیشور کا پوتر مندر ہے۔ صاف اور پاکیزہ دل مقدس ترین عبادت گاہ ہے۔ سچائی
رہنے والا مذہبی صحیفہ ہے۔ ایمان کل مذہب کی جڑ ہے۔ محبت سچا روحانی تمدن ہے۔ نفس کشی
ی زہد و تقویٰ ہے۔"[2]

## کیشب کی تبلیغی سرگرمیاں

کیشب نے برہمو سماج سے علیحدگی کے بعد ایک نئی جماعت
قائم کی۔ اندرونِ ہند اور بیرونی علاقوں میں مبلغ بھیجے۔
پ چندر موزمدار (۱۸۴۰ء تا ۱۹۰۵ء) بہت مشہور اور ممتاز مشنری ہوگزرے ہیں۔ ۱۸۷۰ء میں تمام
دورہ کیا۔ اس کے بعد دو مرتبہ انگلستان اور امریکہ گئے ۱۸۹۳ء میں شکاگو میں مذہب کی پارلیمنٹ
لاس منعقد ہوا اس میں شرکت کی۔ ۱۸۷۰ء میں کیشب نے خود بھی انگلستان کا دورہ کیا۔ انگلستان سے
آکر ایک انجمن قائم کی جس کے کام کے پانچ حصے تھے۔ یعنی "طبقہ نسواں کی فلاح و بہبود، ارزاں قیمت
کتابوں کی اشاعت، نشے کی چیزوں کو بند کرنے کی کوشش اور خیرات کی تنظیم"[3] ۱۸۷۲ء میں
نے سول میرج ایکٹ پاس کرایا جس کی رو سے مذہبی رسوم کے بغیر عیسائی اور برہمو سماج کی شادی

---

[1] انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ مصنفہ علامہ عبداللہ یوسف علی ص ۲۶۴۔
[2] ایضاً ص ۲۶۴۔
[3] انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ ص ۲۶۴۔

عمل میں لائی جاسکتی ہے۔[1]

کیشب کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ ان کو وحی آتی ہے اور وہ اپنے مذہب کے نبی ہیں۔[2]

## بنگال کے باہر برہمو اصول کی تحریک

بمبئی کی پرارتھنا سماج (قائم شدہ ۱۸۶۸ء) کے مشہور لیڈروں میں مسٹر آر۔ جی رانا ڈے (۱۸۴۲ء تا ۱۹۰۱ء) اور مسٹر ان۔ جی چندا ورکر کی (۱۸۵۵ء تا ۱۹۲۳ء) تھے۔ یہ دونوں اصلاح معاشرت کی تحریک کے حامی تھے۔

مسٹر ان۔ جی چندا ورکر کی دو تحریکیں قابل ذکر ہیں۔ ایک اچھوت ذاتوں کی امداد (۱۹۰۶ء) اور دوسری معاشرتی خدمت کرنے والی انجمن۔

## برہمو سماج کے بنیادی عقائد

۱۔ اصل اور ابدی ایک خدائے برتر ہے اس کی شان میں جو کچھ کہئے تھوڑا ہے وہ ازبسکہ نیک اور رحیم ہے۔

۲۔ وہ مبارک خدا سراسر روح ہے اس معقول باعث سے اس کی کوئی شکل اور شبیہ نہیں۔

۳۔ صرف اس کی پرستش اور اطاعت سے اس دنیا اور آنے والے جہان کی خوش وقتی حاصل ہوتی ہے

۴۔ بندگی اور ستائش اس کی پرستش ہے اور نیکی اور بھلائی کرنا اس کی عبادت اور اطاعت ہے۔

۵۔ انسان کی روح جب تک گناہوں سے پاک نہ ہو۔ اور عنایات ایزدی شامل نہ ہوں قالب بہ قالب پھرتی رہتی یعنی اوتاروں کیا کرتی ہے۔

۶۔ اصل مذہب معرفت ہے جو لوگ کہ زیرک اور عقل مند اور تجربہ کار ہیں اس وسیلے سے نجات پاتے ہیں۔[3]

برہمو سماج کے بعض خیالات اور معتقدات مسلمانوں کے جدید فرقہ نیچریہ سے کچھ ملتے جلتے ہیں برہمو سماج اللہ تعالےٰ کی وحدانیت کے ضرور قائل ہیں لیکن الہام، قبولیت دعا اور خوارق کے منکر ہیں اس طرح یہ لوگ سلسلہ رسالت کو بھی نہیں مانتے اس تحریک کی بنیاد محض عقلی دلائل پر ہے۔

جہاں تک اخلاقی اصولوں اور طریقہ عبادت کا تعلق ہے راجہ رام موہن رائے نے عیسائی مذہب کے اصولوں کو اختیار کیا تھا۔ اسی لئے برہمو سماج کو "مذہب عیسائی بے عیسیٰ" کہتے ہیں۔

## بھگتی اور گیتا کی تحریکیں

عقلی دلائل سے روحانی پیاس بجھائی نہیں جاسکتی تھی۔ اس وجہ سے اس کے خلاف ردعمل ہونا ضروری تھا، سو وہ بنگال میں کئی

---

[1] ایضاً صہ ۲۶۴۔

[2] ایضاً صہ ۲۶۵۔

[3] منقول از رسالہ "برہم مذہب" (مطبوعہ تیجھوڈسٹ پبلشنگ ہاؤس لکھنؤ ۱۸۹۸ء)

صورتوں میں ظاہر ہوا۔ پنڈت یگوجے کرشنا گوسوامی نے بھگتی فلسفے کا خوب پرچار کیا اور بھگتی یوگ ان کی زندگی کا طریقہ تھا۔ اس کے علاوہ ایشور چندر ودیا ساگر، اشوینی کمار دت اور رمانور سنگھ گوسائیں کرتا بھی بھگتی اصولوں کے پُرجوش مبلغ تھے۔ یہ لوگ گیتا کو ہی چشمۂ ہدایت سمجھتے تھے۔ ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور بھی انہی خیالات کے موید تھے۔

**آریہ سماج** اس تحریک کا بانی سوامی دیانند سرسوتی (۱۸۲۴ء تا ۱۸۸۳ء) ریاست کچ روی کے ایک برہمن خاندان میں پیدا ہوئے۔ یہ ریاست مغربی ہند میں جزیرہ ناکاٹھیا واڑ میں واقع ہے

ان کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے ایک دفعہ شیوراتری کو وہ اپنے والد اور دوسرے لوگوں کے ساتھ شیوجی کی پرستش کر رہے تھے۔ سویرے پہر سب لوگ سو گئے۔ لیکن وہ جاگ رہے تھے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک چوہا شیو مورتی کے سر پر بیٹھا ہوا چاول کھا رہا ہے۔ سوچا کہ اگر یہ مورتی اس چوہے کو بھی بھگانے کی طاقت نہیں رکھتی تو اس کی پوجا سے کیا حاصل۔ اس نظارہ کو دیکھ کر انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ آئندہ مورتی کی پوجا نہیں کیا کریں گے۔ اس کے بعد انہوں نے مذاہب کی کتب کا مطالعہ شروع کر دیا۔ ان کے والدین نے بہت بھجایا بجھایا۔ لیکن دیانند جی والدین کے راستہ پر نہ آئے۔ آخر کار اس غرض سے ان کی شادی بھی طے کر دی۔ اور جب شادی کی تیاریاں مکمل ہو گئیں تو سوامی جی گھر سے غائب ہو کر بنارس چلے گئے اور پندرہ سال تک (۱۸۴۵ء سے ۱۸۶۰ء) وہاں مطالعہ اور یوگ میں مصروف رہے اس کے بعد تمام ہندوستان میں اصلاحی اور تبلیغی دورے کئے

۱۸۷۵ء میں بمبئی میں جب وہ ۵۱ سال کے تھے آریہ سماج کی بنیاد رکھی اسکا مقصد بت پرستی اور شرک کو دور کر کے ویدک مذہب کو زندہ کرنا تھا۔

دو سال کے بعد لاہور میں اس کی ایک شاخ کا افتتاح کیا اپنی بقیہ زندگی اپنے نظریات کی تعلیم دینے کتابیں لکھنے اور سماج کی نئی شاخوں کی نگہداشت میں صرف کی۔

**کتب** ہر مذہب کے عالموں سے مناظرے کئے اور ۹ کتابیں لکھیں۔[1] جن میں رگ وید آدی بھاشیہ بھومکا اور ستیارتھ پرکاش بہت مشہور ہیں۔ ان میں سے پہلی کتاب چار ویدوں کی تفسیر کا دیباچہ ہے۔ ستیارتھ پرکاش کے چودھویں باب میں اسلام پر نہایت ہی نارواحملے کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں سکھوں، جینیوں اور عیسائیوں کے واجب الاحترام ہستیوں کا تمسخر اڑایا گیا ہے یہ کتاب انگریزی میں شائع ہو چکی ہے۔

**سوامی دیانند کی تعلیم** سوامی جی نے ہندوؤں کے کل شاستروں کو سوائے چار وید کے مسترد کر دیا اور ویدوں کی مروجہ شرحوں پر شدید نکتہ چینی

---

[1] ملاحظہ ہو "دیانند سدھانت بھاسکر" مولفہ کشن چندر اوپلنڈی ۱۹۴۰ء۔

کی۔ اور ان کے بے شمار مطالب کے ماننے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے برہمنوں کے اس خیال کی دھجیاں اڑا دیں کہ وید صرف برہمن پڑھ سن سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا ویدوں کے علم کا دروازہ ہر آدمی کے لئے کھلا ہے اور ذات پات کی تمیز پر خاص ضرب لگائی۔ انہوں نے بت پرستی اور متعدد دیوتاؤں کی پوجا، ویدانت کے مسئلہ وحدت وجود اور اوتار کے مسائل کو ناقابل قبول قرار دیا[1] اور اگنی، وایو، جل، سورج، چاند وغیرہ کی طرح طرح سے تاویلیں کیں۔ اگرچہ آریہ سماج ایک خدا کے پرستار ہونے کے مدعی ہیں لیکن دراصل ان کی توحید ناقص ہے کیونکہ آریہ سماجی روح اور مادہ کو قدیم مانتے ہیں جیسا کہ ستیارتھ پرکاش اور رگوید آدکا بھاشیہ بھومکا میں لکھا ہے۔ "پرمیشور (خدا) جیو (روح) اور پراکرتی (مادہ) انادی (قدیم) ہیں پرمیشور نے اپنے گیان سے جیو اور پراکرتی پر قابو پاکر دنیا قائم کی۔

## سماج میں داخل ہونے کی شرائط

سماج کا ممبر بننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہر ممبر سماج کو اپنی آمدنی کا ایک فیصد دے اور دس اصولوں کو قبول کرے۔ پہلے تین اصول تو خدا اور ویدوں کی صفات کے متعلق ہیں۔ چھ اصولوں کا تعلق اخلاقی چال چلن سے ہے۔ اور دسواں اصول گو ذاتی معاملات میں آزادی دیتا ہے لیکن کسی ممبر کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ سماج کے مفاد میں حارج ہو۔

## آریہ سماج کے تین غلط نظریات اور ان کا رد

آریہ سماج کے تین معرکۃ الآرا نظریات ہیں، جن کے رد میں مسلمان علماء نے بہت کچھ لکھا ہے، پہلا نظریہ ہے کہ مادہ اور روح اللہ کی طرح ازلی ابدی ہیں اور غیر مخلوق ہیں۔ دوسرا نظریہ تناسخ ہے۔ تیسرا نظریہ نیوگ کا ہے۔ ان تینوں نظریات اور عقائد کے رد میں بحث گزر چکی ہے

---

[1] انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ ص ۲۶۷۔

# ہندو مت اور اسلام کا موازنہ

قرآن مجید نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہر قوم کی طرف نبی آئے اور ان پر ان کی زبان میں اس قوم کی ہدایت لئے وحی کی۔ ارشاد الٰہی ہے۔ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۲۵/۲۴

یعنی ہر امت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈرانے والے مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ دوسری جگہ آتا ہے۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ (۱۰/۴۷) یعنی ہر اُمت کی طرف رسول آتے رہے ہیں۔

آریا صرف آریا قوم میں الہام وحی اور ہدایت الٰہی کے قائل ہیں۔

اسلام نے تمام انسانوں اور قوموں کو مساوات کا درجہ دیا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ

(النساء آیت ۱) اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا۔

دوسری جگہ آتا ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات آیت ۱۱)

وہ لوگ جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں وہ بھائی بھائی ہیں۔

وید نے برہمن، چھتری، ویش، شودر، راکشس، ملیچھ، دسیلو، اسُر کی تقسیم کر کے تفریق بین الناس کی بنیاد بھی ہے جو معاشرتی زندگی کا نہایت ہی بھیانک پہلو ہے۔

اسلام نے کسی قوم سے بحیثیت قوم نفرت نہیں سکھائی۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ (لقمان آیت ۱۸)

تو لوگوں سے نفرت کر کے اپنا رُخ مت پھیر۔ دوسری جگہ آتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ

(الحجرات آیت ۱۱)

اے ایمان والو! ایک قوم دوسری قوم کو حقیر جان کر ہدف تضحیک نہ بنائے، کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہو۔

حدیث شریف میں آتا ہے

الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ

(بیہقی کتاب الایمان) ساری مخلوق اللہ کی عیال ہے اور اللہ سب سے زیادہ محبت اس سے کرتا ہے جو اللہ کی مخلوق کو سب سے زیادہ چاہتا ہے۔

وید نے دسیلوں کو ڈاکو کا خطاب دے کر ان سے نفرت کا اظہار کیا ہے۔ اسلام نے کسی زبان سے نفرت نہیں سکھائی جیسا کہ وید نے "آریہ واچ اور ملیچھ واچ" کہہ کر غیر آریوں کی زبان سے نفرت سکھائی ہے۔

اسلام خدائے واحد، خالق کون و مکان، پروردگار عالم پر ایمان رکھتا ہے۔ ہندومت ان گنت دیوتاؤں اور دیویوں پر ایمان کو لازمی قرار دیتا ہے۔

اسلام تاویدی خدا کی پرستش اور عبادت بغیر دیدنی وسائل کے سکھاتا ہے تاکہ انسان کردار کی اعلیٰ منازل تک پہنچے اور خدا پرستی کی زندگی اختیار کرکے رشید و ہدایت حاصل کرے۔ ہندومت واضح طور پر بت پرستی کی تعلیم دیتا ہے۔

اسلام ایک اخلاقی، اقتصادی، معاشرتی اور روحانی ضابطہ پیش کرتا ہے۔ ہندومت رسوم پرستی کے علاوہ کسی اور منزل کی نشان دہی نہیں کرتا۔

اسلام ایک آفاقی اور عالمگیر مذہب ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (یوسف ۱۲: ۱۰۴)

یہ کتاب تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سبا ۳۴: ۲۸)

اے رسولؐ ہم نے تجھے تمام لوگوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

ہندومت ہندوستانی قوم کی حد تک محدود ہے اور دوسری قوموں کو اپنے حلقہ ارادت میں شمولیت کا حق نہیں دیتا۔

اسلام کا ہندومت سے ایک شدید اختلاف ایک اخلاقی مسئلہ نیوگ میں بھی ہے۔ مسئلہ نیوگ پر مفصل بحث گزر چکی ہے۔

## تصویر کا دوسرا رُخ

آریہ جب ہندوستان میں وارد ہوئے تو وہ اس وقت بے مثال خدا کی عبادت کرتے تھے۔ پنڈت سندر لال الاآبادی نے "گیتا اور قرآن" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس میں انہوں نے ویدوں کے خدا کو وحدہ لاشریک قرار دیا ہے۔ وہ گیتا کا ایک شلوک نقل کرتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے۔

"دیوتاؤں کے اپاسک دیوتاؤں کو پہنچتے ہیں اور ایشور کے اپاسک ایشور کو۔" (۹/۲۵)

اور اس کے بعد لکھتے ہیں کہ۔

"اس لئے گیتا کی بار بار اور صاف شبدوں میں تعلیم یہ ہے کہ اور سب دیوتاؤں کو چھوڑ کر صرف ایک ہی ایشور کی پوجا کرنی چاہیئے (۹/۲۷، ۳۸)

اس طرح بھگوت گیتا کی اخلاقی تعلیم بھی قرآن کریم کی اخلاقی تعلیم سے کسی حد تک ملتی جلتی ہے۔

جب آریا قوم ہندوستان میں داخل ہوئی تو یہاں اس کو دراوڑ قوم سے واسطہ پڑا۔ یہ قوم بت پرست تھی۔ ۱۹۲۱ء اور ۱۹۳۴ء کے درمیان موہنجوڈارو اور ہڑپا کی کھدائی سے جو چیزیں دستیاب ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ دراوڑی قوم نادیدہ خدا اور غیر مرئی وجود کی پرستش نہیں کرتے۔ وہ درختوں اور جانوروں وغیرہ کی پوجا کرتے تھے۔

اسی طرح کہا جاتا ہے کہ ہندوؤں میں "تریمورتی" کا تصور ہے یعنی برہما، شِوا اور وشنو ان میں سے شِوا اور وشنو ڈراویڈین دیوتا تھے اور ان کے مجسموں کی پوجا کرتے ہیں۔

دراوڑ قوم کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے آریوں نے بھی آہستہ آہستہ شِوا اور وشنو کے مجسموں کی پوجا شروع کر دی۔ آج تمام ہندوستان میں ان دونوں دیوتاؤں کی پرستش زوروں پر ہے۔

برہما جو آریوں کا دیوتا تھا جس کو وہ خالق اور معبود کے معنوں میں بولا کرتے تھے ابھی تک شِوا اور وشنو کی طرح اس کی پوجا نہیں ہوتی۔ شاید پورے ہندوستان میں برہما کا ایک ہی مندر ہے۔ یہ بھی اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ آریوں کے ہاں دیوتاؤں کا تصور ضرور تھا مگر ان کے مجسموں کی پوجا نہیں کرتے تھے۔ جب آریا قوم کا اختلاط اور ملاپ دراوڑ قوم کے ساتھ ہوا تو ان میں اجسام پرستی آگئی۔

# جین مت

جینیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کا مذہب بہت پرانا ہے۔ اس میں جو بیس تھرتھنکر یعنی راہنما ہوگ
ہیں جو سب چھتری گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان مصلحین نے مختلف اوقات میں دین حق کی تبلیغ کی تاریخ میں ان راہنماؤں کی کوئی شہا
نہیں ملتی۔ جین روایات کے مطابق ان کی عمریں ناقابل یقین حد تک طویل تھیں اور وہ انتہائی درا
تھے۔ ان میں سے اول ترین مصلح آدی ناتھ کی عمر کئی کروڑ سال تھی اور قد دو میل اونچا۔ سے
سے آخری مصلح کا نام پرسوناتھ تھا۔ مہاویر کی پیدائش پرسوناتھ سے اڑھائی سو سال بعد ہوئی۔

پرسوناتھ کا زمانہ ۸ ویں صدی ق م ہے۔ پرسوناتھ کے باپ کو بنارس کا راجہ بتایا جاتا
ایک عرصہ تک عیش و تنعم اور خوشحالی کی زندگی بسر کی۔ اس کے بعد راہبانہ زندگی اختیار کی چو
دن کے مراقبہ کے بعد مکمل علم حاصل کر لیا۔ حصول علم کے بعد ستر سال زندگی کو مکمل ترین بنا
اور طہارت، پاکیزگی اور تقدس حاصل کرنے میں لگے۔ ان منازل سے گزرنے کے بعد سمیٹیا
پرادر پیرووں کے درمیان نروان حاصل ہوا۔ اس نے اپنے ماننے والوں کو عدم تشدد، صداقت
چوری سے اجتناب اور رہبانیت کی تعلیم دی۔

جین روایت کے مطابق مہاویر چوبیسویں تھرتھنکر ہیں۔ ان کا اصلی نام وردھمان

**مہاویر** وہ پٹنہ سے ۲۷ میل شمال سے دیسائی سے ایک چھتری گھرانے میں ۵۴۰ ق م کو پ
ہوئے۔ ان کے والد کا نام "سدھارتھ" تھا۔ جو "کنڈلپور اور ویسالہ" کے "لیچھوی" جناتیرکا" کے سردار
ان کی والدہ ایک کھشتری خاتون تھیں جو دیسامی اور مگدھ کے حکمران خاندان سے تعلق رکھتی
سفید پوش جینیوں کی روایات کے مطابق اس نے ایک شہزادی "ایشودا" سے شادی کی
تھی۔ کچھ عرصہ متاہلانہ زندگی بسر کی۔ جب تیس سال کی عمر میں قدم رکھا تو دنیا ترک کر د
اور پرسوناتھ کا مسلک اختیار کیا۔ بارہ سال مکمل برہنگی کی حالت میں راہبانہ زندگی بسر کی۔

تقریباً چھ سال تک وہ ایک بھگشو "گوسالہ" کی معیت میں رہا۔ لیکن گوسالہ نے اسے چھ
دیا اور خود "اجویکا" ایک نئے عقیدے کی داغ بیل ڈالی اور اس کی اشاعت شروع کر دی۔
کے تیرھویں سال مہاویر نے ایک غیر معروف بستی "جوبھاگرام" میں دریائے اجوپالکا کے کنار
آباد تھی ڈیرہ لگایا اور بیالیس سال کی عمر میں اس کو وہ حقیقی معرفت اور گیان حاصل ہوا۔ جس کو
جنانا" کہا جاتا تھا۔ اب مہاویر ایک نئے مذہب "نرگرنتھیں" کا رہنما بن گیا۔ اس مذہب کو بعد

جین مت سے تعبیر کیا گیا۔ اور اس کے پیروکاروں کو جینی یعنی جینا رفاتح، کہا گیا۔ جین کے لفظی معنی فاتح کے ہیں، یعنی اپنی سفلی خواہشات پر قابو اور فتح پانے والا۔

تیس سال تک اپنے عقیدے کا پرچار کیا۔ اس سلسلہ میں انگا ویہا اور مگدھ کا سفر اختیار کیا۔ مگدھ کے مشہور حکمران بمبیسارا اور اس کے لڑکے اجاتا استرو سے کئی بار ملاقات کی۔ جین اور بدھ روایات ان دونوں حکمرانوں کو اپنے پیروؤں میں شامل کرتی ہیں۔

مہاویر نے ۷۲ سال کی عمر میں جنوبی بہار کے ایک مقام "پاوا" ۴۸۶ ق م میں وفات پائی۔

**تعلیمات** جس دور میں مہاویر پیدا ہوئے اس وقت سب سے اہم مسئلہ نروان کا حاصل کرنا تھا۔ مہاویر نے نروان کے حصول کے لئے دو طریقے سلبی اور ایجابی بیان کئے ہیں۔

نروان کے حاصل کرنے کا سلبی طریقہ تو یہ ہے کہ انسان اپنے دل سے ہر قسم کی خواہشات اور آرزوئیں نکال دے۔ کیونکہ خواہشات اور تمنائیں ہی مصائب اور رنج کا باعث ہوتی ہیں۔ جب انسان کی خواہش پوری نہیں ہوتی تو وہ غم سے دوچار ہوتا ہے۔ جب خواہش ہی نہ ہوگی تو روح مسرت اور خوشی سے ہمکنار ہوگی اور یہ قلبی مسرت اور راحت ہی نروان ہے۔

مہاویر کے نزدیک نروان کے حصول کا ایجابی طریقہ یہ ہے کہ انسان کے عقائد علم اور عمل صحیح اور درست ہوں۔ انہیں تین رتن کہا جاتا ہے۔

اعمال کی درستگی کی بنیاد پانچ باتوں پر رکھی۔

۱۔ اہمسہ (AHIMSA) یا آزادی۔ یعنی کسی ذی روح کو تکلیف نہ دی جائے جس طرح انسان کا اپنا وجود محترم اور عزیز ہوتا ہے اسی طرح دوسروں کو بھی سمجھنا چاہیئے۔

۲۔ ستیام (SATYAM) یا راستی۔ ہمیشہ راستی کو اپنا شعار بنایا جائے اور دوسروں کے اموال کو ناجائز طریقہ سے حاصل کرنے سے پرہیز کیا جائے۔

۳۔ استیام (ASTEYAM) یا چوری سے اجتناب۔ حلال روزی کمائی جائے اور دوسروں کے اموال کو ناجائز طریقہ سے حاصل کرنے سے پرہیز کیا جائے۔

۴۔ برہمچاریام (BRAHMA CHARYAM) یعنی عفت۔ پاکدامنی کی زندگی بسر کی جائے۔

۵۔ اپری گرہ (APARI GRAHA) یعنی لذات مادی، حواس خمسہ یعنی سننے دیکھنے، سونگھنے اور چکھنے پر مکمل طور پر غلبہ اور فتح ہونی چاہیئے کیونکہ یہی حواس انسان کو مادی لذات کی وادی میں گمراہی کا باعث بنتے ہیں۔

جینی عدم تشدد کی حد درجہ وسیع ہیں۔ اس کی رو سے صرف ذی روح کو ہی ایذا دینا منع نہیں کیا گیا، بلکہ غیر ذی روح کو بھی نقصان پہنچانے سے روکا گیا ہے۔

جین مت کسی مافوق الفطرت تخلیقی قوت کے قائل نہیں۔ ان کے نزدیک خدا انسان کی روح میں مضمر استعدادوں اور صلاحیتوں کی جلا، تکمیل اور اظہار کا دوسرا نام ہے۔ مہاویر دید کے نظریہ روح کے بھی مخالف ہے۔

## جین مت کی کتب

چوتھی صدی قبل مسیح کے آخر میں جنوبی بہار کے علاقوں میں قحط پڑ گیا جس وجہ سے بھوابا ہو قیادت میں جینیوں کی ایک بہت بڑی جماعت میسور اور اس کے قرب وجوار میں جا آباد ہوئی۔ جو لوگ پاٹلی پتر میں مقیم رہ گئے انہوں نے ایک کونسل قائم کی تاکہ مقدس کتب کو از سر نو مرتب کیا جا اس کونسل نے "بارہ انگس" کتابیں مرتب کیں۔ پانچویں یا چھٹی صدی میں "ولبھائی" ضلع گجرات میں دوسری کونسل قائم کی گئی جس نے جین مت کے تمام اصولوں کو اکٹھا کیا اور ان کو کتابوں کی شکل میں مرتب کیا۔ ان میں "انگس" ایک مکمل صحیفہ ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کتب مدون کی گئیں۔ مثلاً اپانگہ، میولہ، ستورا وغیرہ

**فرقے** چندر گپت موریا کے عہد میں جین مت دو فرقوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک فرقے کا نام "سوتیامبر" تھا جو سفید کپڑے پہنتا تھا۔ دوسرے فرقے کا نام "دگمبر" (لفظی معنی آسمان میں جلوس) تھا جو بالکل برہنہ رہتے تھے۔ لیکن اسلامی حکومت کے زمانہ میں انہیں ستر پوشی پر مجبور کیا گیا۔

**مہاویر کے بعد جین مت** مہاویر کا تمام فلسفہ تہذیب نفس، ترک خواہشات اور رہبانیت پر مبنی ہے۔ ان چیزوں کے لئے کسی معبد کی ضرورت نہیں۔ اسی وجہ سے شروع میں جین مت میں عبادت کے لئے مندروں وغیرہ کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ بعد عبادت خانے تعمیر ہوئے۔ ان میں تیرتھنکروں کی مورتیاں رکھی گئی۔ تیرتھنکروں کی مورتیاں بہت لمبی بنائی جاتی تھیں۔ عموماً ان کو برہنہ بناتے تھے بعض مورتیاں بیٹھی ہوتی ہیں اور بعض کھڑی۔ شروع میں ان کی پرستش کی جاتی تھی اور نہ ان کو مقدس سمجھا جاتا۔ مرور زمانہ کے ساتھ ان کی پرستش شروع ہو گئی۔ شوتامبروں میں ایک فرقہ "ڈھونڈھیا" ہے جو بت پرستی نہیں کرتا۔

جین مذہب ہمیشہ ہندوستان تک محدود رہا۔ اس مذہب کا مگدھ میں بڑا زور تھا۔ لیکن جب موریہ خاندان کے عہد میں اس کو وہاں زوال ہوا تو جین اور متھرا میں اس نے عروج پکڑا۔ دکن

شنکراچاریہ کے زمانہ میں اس کا تنزل ہوا اب گجرات جینیوں کا مرکز سمجھا جاتا ہے اس صوبہ میں کوہ ابو پر اس کے عالیشان مندر ہیں جن کا شمار ہفت عجائبات ہند میں ہوتا ہے۔

اس مذہب کے ماننے والوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو سراوک یا گرہستھ جو اہلی زندگی بسر کرتے ہوئے جین مذہب کی تعلیم پر عمل کرتے ہیں اور دوسرے شرامن یا سادھو جو راہبانہ زندگی گزارتے ہیں اور جماعت (سنگھ) بنا کر جین مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں۔

**فلسفہ** جین لوگ ہندوؤں کی طرح اوگون اور مکتی میں اعتقاد رکھتے ہیں۔ لیکن مکتی کے بارے میں ان کا عقیدہ ہندوؤں سے مختلف ہے۔ ان کے نظریہ کی رو سے جب کوئی روح گناہ کرتی ہے تو وہ بوجھل ہو کر نیچے کی طرف ڈوبنے لگتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ اس قدر بوجھل ہو جاتی ہے کہ ساتویں دوزخ میں جا گرتی ہے۔ جو روح مطہر ہو جاتی ہے وہ ہلکی پھلکی ہو کر اوپر کو صعود کرتی ہے اور چھبیس بہشتوں میں سے کسی ایک میں قرار کرتی ہے۔ جب وہ بہت ہی لطیف اور تمام آلائشوں سے منزہ ہو جاتی ہے۔ تو چھبیسویں بہشت میں پہنچ جاتی ہے۔ تب اسے نروان حاصل ہو جاتا ہے جینی مادہ روح (جیو) کو ابدی مانتے ہیں۔ جو روح مکتی پا جاتی ہے وہ پیدائش اور موت کے چکر میں نہیں آتی۔ کرموں سے نجات پا جانے کا نام ہی مکتی ہے جو مکتی حاصل کر لیتا ہے وہ پرمیشور (خدا) ہو جاتا ہے۔ چوبیس تیرتھنکروں نے مکتی حاصل کر لی اس لئے وہ پرمیشور ہیں اس دنیا میں ایک پرمیشور نہیں۔ جتنے لوگ مکتی حاصل کر لیتے ہیں وہ پرمیشور ہیں۔ اس کائنات کا کوئی خالق نہیں وہ ایسے پرمیشوؤں کے وجود کے قائل نہیں جسے قدیم اور خالق کہا جا سکے وہ اپنے اعتراض کی بنیاد اس مفروضہ پر رکھتے ہیں۔ اگر خدا (ایشور) کو کائنات کا بنانے والا اور ارواح کے کرموں (اعمال) کا نتیجہ دینے والا مانو گے تو ایسا خدا (ایشور) دنیا کا پابند ہو جائے گا۔ حالانکہ وہ آزاد ہے۔ ایشور کی خواہش سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ جو کچھ ہوتا ہے وہ کرم سے ہوتا ہے۔ ارواح اعمال کے نتائج کو اسی طرح بھگتتی ہیں جس طرح وہ نشہ اور چیز پینے سے نشے میں آجاتی ہے اس میں ایشور کا کوئی دخل نہیں جینی اپنے تیرتھنکروں کی ان الفاظ میں پوجا کرتے ہیں۔ "آقا جلیدر کے سامنے اپنا سر عاجزی سے جھکاتا ہوں، جو ساری دنیا کا معبود اور امن و راحت کا بخشنے والا ہے دنیا کی تمام مخلوقات کو وہ ابدی سکون عطا کرتا ہے کاش کہ میں اس کی مہربانی سے نروان کا اعلیٰ ترین تحفہ حاصل کر سکوں۔ شری شانتی!"

# بدھ مت

## بدھ مت سے پہلے ہندوؤں کی مذہبی، اخلاقی، معاشرتی، سیاسی زندگی

**مذہبی حالت**

ہر الہامی مذہب کی اساس وحدانیت پر ہے اسلام کے نظریہ کے مطابق ہر قوم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہادی اور نذیر آتے رہے ہیں جو ان کے خدا سے الہام پاکر راہ راست پر چلنے کی تلقین کرتے رہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد ۱۳: ۷) یعنی ہر قوم میں اللہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہادی آتے رہے ہیں۔ دوسری جگہ آتا ہے۔ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر ۳۵: ۲۴) یعنی ہر امت میں اللہ کی طرف سے نذیر ہو گزرے ہیں۔ اس نظریے کے مطابق ہم یہ ماننے پر مجبور ہیں کہ ہندو مذہب بھی الہامی مذہب ہے لیکن مرور زمانہ سے اس کی الہامی اور سچی تعلیم اس کے ماننے والوں کے غلط اور باطل نظریات کے نیچے اکر دب گئی۔

اگر تعصب کی پٹی اتار کر رگ وید کا مطالعہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس وید میں خدائے واحد کی تعلیم موجود ہے جیسا کہ رگ وید دسویں منڈل ۸۲ ویں سوکت کی تیسری رچا میں لکھا ہے۔

"وہ باپ جس نے ہمیں بنایا ہے وہ خالق کی حیثیت سے کل اقوام اور کائنات کو جانتا ہے وہی ایک خدا ہے، دوسرے دیوتاؤں کو نام دینے والا۔ سب اسی سے دریافت کرتے آئے ہیں۔"

آخر وید کی وحدانیت آہستہ آہستہ کثیر التعداد دیوتاؤں کے نیچے ایسی دبی تو یہ معلوم کرنا مشکل ہو گیا کہ آیا ویدوں میں وحدانیت کی تعلیم بھی ہے یا کہ نہیں۔

اس وقت جو وید ہمارے پاس موجود ہیں وہ توحید کامل سے بالکل معرا ہیں۔ ان میں مختلف لوگوں نے اتنے اضافے ہوئے ہیں کہ ان کے متعلق اب یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ یہ کتابیں انسانوں کے ذہن کی اختراع ہیں اور انسانی سوچ بچار کا نتیجہ ہیں۔ ان پر خاص الہامی ہونے کی مہر نہیں لگائی جا سکتی۔ جیسا کہ ویدوں کے باب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ وہ تحریف و تبدل سے مبرا نہیں۔ ان کی تعلیم ایسی نہیں۔ جس کے متعلق یہ کہا جا سکے کہ وہ خدا کی جانب سے ہے۔

**مظاہر پرستی**

رگ وید ان بھجنوں اور گیتوں کا مجموعہ ہے جو آریائی حملے سے پہلے اور ان کے ہندوستان میں آباد ہونے کی ابتدائی صدیوں میں گائے جاتے تھے۔ ان میں مذکور سینکڑوں دیوتاؤں میں سب سے اہم اگنی اندر اور سوریہ بالترتیب آگ، بارش، سورج دیوتا ہیں یہ دیوتا کائنات میں اپنا اپنا حلقہ اختیار رکھتے ہیں اور ان کا تعلق ان تین لازمی عناصر سے ہے جن

یاتِ انسانی کی بقاء و بہبود کا انحصار ہے۔ آریاؤں کا مذہب ان دیوتاؤں کی خوشنودی اور رضا حصول کی خاطر قربانیاں دینے کی رسوم پر مشتمل تھا۔ جب یہ قوم ہندوستان میں داخل ہوئی تو ہندوستان جغرافیائی ساخت اور قدیمی اقوام اور مذہبی اعتقادات آریاؤں کے مذہبی اعتقادات پر اثر انداز ہوئے دیوتاؤں کے علاوہ ندیوں، پہاڑوں، جانوروں اور درختوں کی پرستش شروع کر دی۔

جب اپنشدوں اور منوسمرتی کا رواج ہوا تو ہندو دھرم میں سات عقیدے رائج ہوئے۔

اوّل ویدوں کا الہامی ہونا، دوم ویدک دیوتاؤں اندرا، درونا اور بعد ویدپیدا ہونے والے د اور شو کی پرستش، سوم ویدک دیوتاؤں کے حضور میں قربانی، چہارم چار درنوں کا قیام، برہمن تری، دیش اور شودر، پنجم چار اشرم یعنی انسانی زندگی کے حصے، برہمچریہ آشرم، گرہست آشرم پرست آشرم اور سنیاس آشرم۔ نجات کلی صرف سنیاس آشرم پر موقوف ہے۔ برہمن یہ کہتے کہ آخری دو آشرم صرف برہمنوں کے لئے مخصوص ہیں۔ ششم آتما (روح) اور پرماتما روح اعلیٰ) لریہ ہفتم کرم کا عقیدہ اور روح کے اداگون کا نظریہ (تناسخ)

جب ہندو مذہب ہر قسم کی مذہبی خرابیوں کا مرقع بن گیا تو ان حالات کے تقاضے کے بق مہاویر اور گوتم بدھ پیدا ہوئے۔ انہوں نے قربانیوں کی غلط رسم کو موقوف کیا۔ ذات پات یز کا قلع قمع کیا۔ اعمال کو ذریعہ نجات ٹھہرایا۔ بدھ مت اور جین مت کا زور ہرش کے زمانہ ، رہا۔ ہرش کے مرنے کے بعد ایک ایسا انقلاب آیا کہ بدھ مت اور جین مت کا زور ں ختم ہوگیا، ہندو مت از سر نو پھیلنے لگا۔ بت پرستی اور اوہام پسندی عود کر آئی۔ جتنے بت ان سے زیادہ فرقے بن گئے۔

ادریسی نے بارہویں صدی عیسوی میں اپنی کتاب نزہتہ المشتاق میں ہندوستان کے مذاہب زت کا یہ جاں لکھا تھا کہ

"ہندوستان کی بڑی بڑی قوموں میں ۴ فرقے ہیں۔ بعض ایک خالق کائنات کے وجود کو مانتے لیکن پیغمبروں کے منکر ہیں بعض دونوں ہی سے انکار کرتے ہیں۔ بعض فرقے پتھر کے بتوں کی شفاعت قائل ہیں اور بعض ایسے پتھروں کو پوجتے ہیں جو مکھن اور تیل سے چپڑے جاتے ہیں۔ بعض آگ کے جی ہیں اور اپنے آپ کو آگ میں ڈال دینے سے بھی باز نہیں رہتے۔ بعض آفتاب کی عبادت نے ہیں اور اس کو کائنات کا خالق و ہادی تصور کرتے ہیں۔ بعض درختوں کے آگے جھکتے ہیں۔ سانپوں کی پوجا کرتے ہیں اور ان کو اپنے گھروں میں رکھ کر کھلانا پلانا موجب ثواب نتے ہیں ان کے علاوہ ایسے بھی ہیں جو ہر عقیدے کے منکر ہیں اور کسی ہستی کی عبادت

---

• ہندی دیدیا کی تاریخ حصہ ۲ صفحہ ۴، ۴، ۵، ۴

نہیں کرتے[1]"

**اخلاقی زندگی** بت پرستی ایک ایسا روگ ہے جس سے ہر قسم کے اخلاقی امراض پیدا ہوتے ہیں جو قوم بت پرست ہوگی ان کی اخلاقی حالت درست ہوگی نہ ان کی معاشرتی حالت صحیح ہوگی، نہ ان کا قانون مبنی بر انصاف ہوگا، غرض کہ زندگی کے ہر شعبہ میں بگاڑ اور فساد ہوگا ہندوؤں کا بھی یہی معاملہ تھا، ان میں بت پرستی کی وجہ سے زندگی کا ہر شعبہ بگڑا ہوا تھا۔

سوامی دیانند سرسوتی مصنف کتاب ستیارتھ پرکاش کے قول کے مطابق ہندوؤں کے اخلاق کی خرابی کے آثار مہابھارت کی جنگ سے ایک ہزار سال پیشتر رونما ہو چکے تھے لیکن جنگ مہابھارت کے بعد ہندوؤں میں اور بھی زیادہ بداخلاقی اور عیاشی کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ اس کی وجہ مصنف ستیارتھ پرکاش یہ بتاتا ہے کہ اس جنگ میں بڑے بڑے عالم، رشی، مہارشی وغیرہ مارے گئے ویدوں اور دھرم کی اشاعت رک گئی گو اس میں کوئی شک نہیں کہ علماء اور مصلحین کے وجود کے اٹھ جانے سے کسی قوم کی اخلاقی حالت خراب ہو جاتی ہے لیکن ہندوؤں کی اخلاقی خرابی کی وجہ صرف یہ شرک تھی۔

**جنسی آزادی** زناکاری کی نہ صرف اجازت دے گئی تھی بلکہ ایک خاص موقع "بھروین چکر" پر شراب خوری اور زناکاری مذہباً فرض قرار دی گئی۔ اس موقع پر مرد اور عورت ایک جگہ پر جمع ہوتے، مرد ایک ایک عورت کو مادر زاد برہنہ کر کے پوجا کرتے اور عورتیں کسی مرد کو ننگا کر کے پوجتیں۔ اس موقع پر شراب پی جاتی اور بدمست ہو کر کوئی کسی کی عورت کو، کوئی اپنی یا کسی لڑکی کو، کوئی کسی اور کی یا اپنی ماں بہن بہو وغیرہ کو جو وہاں موجود ہوتی پکڑ لیتا اور جبر کے ساتھ جو چاہتا بدفعلی کر سکتا تھا۔ اس مذہبی تقریب کے علاوہ عام طور پر زناکاری کے لئے ایک خاص فقرہ مقرر کیا گیا تھا جس کو پڑھ کر ہر مرد عورت "سماگم" رسم بستری کر سکتے تھے اور ایسی بدکاری میں کسی رشتے کے لحاظ کی ضرورت باقی نہ رہتی تھی۔ شراب خوری تو جائز تھی ہی، ایک خاص تیوہار روز اتنی شراب پینا کہ آدمی بے ہوش ہو کر گر جائے، نجات کا باعث سمجھا جاتا تھا[2]۔

مندروں میں ننگ اور یونی کی پوجا ہوتی تھی۔ ہندو دان کی پرستش کرتے وقت نہایت شرمناک حرکات کرتے۔

ہندو فاحشہ عورتوں کے پیشے کو جائز سمجھتے، مسٹر ویدیا لکھتے ہیں۔ اس میں شک نہیں تمام مند

---

[1] سی وی ویدیا کی تاریخ جلد دوم صفحہ ۱۹۶۔

[2] ہندوستان میں مسلم ثقافت مصنفہ عبدالمجید سالک طبع دوم ص۱۴۔ سالک صاحب نے یہ تمام تفصیل ستیارتھ پرکاش مصنفہ سوامی دیانند کے گیارہویں سمولاس سے اخذ کی ہیں۔

ں پیشہ ور عورتیں ناچنے کے لئے اپنی زندگی کو وقف کئے ہوئے تھیں، خاص کر شوجی کے مندروں
ں یہ رسم عام تھی۔ اور راجاان مندروں سے خاصی آمدنی حاصل کرتے تھے۔

مصنف ستیارتھ پرکاش نے بھی زنا کا نام نیوگ رکھ کر ہر ضرورت مند عورت کے لئے گیارہ مرد
مباشرت کرنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ اسی طرح بدمعاش خاوند کی بیوی کو بدمعاشی
اجازت دے رکھی ہے۔

ہندوؤں میں قمار بازی اور سود خوری بھی جائز ہے۔ قمار بازی کا ذکر مہابھارت میں ہے اور
د خوری کے احکام منوسمرتی میں درج ہیں۔

## معاشرتی زندگی

**ت پات کی تقسیم** تمام معاشرہ کو چار ذاتوں میں تقسیم کیا اور پھر ہر ذات کا دائرہ عمل اور اوصاف مقرر کر دیئے۔ ہندوؤں کی کتب میں لکھا ہے کہ برہمن برہما
سر سے پیدا ہوئے، چونکہ سر جسم حیوانی میں بلند ترین حصہ ہے اس وجہ سے برہمن کو ہندوؤں
سب سے بلند ترین ذات سمجھا جاتا ہے۔ اس کے بعد کھشتریوں کا مقام ہے جو ہندوؤں کے
یک برہما کے کندھوں اور ہاتھوں سے پیدا ہوئے۔ تیسرا درجہ ویشوں کا ہے جو برہما کی رانوں
ے پیدا ہوئے تھے۔ چوتھے درجہ پر شودر تھے جو برہما کے پاؤں سے پیدا ہوئے۔

**اتوں کا دائرہ عمل اور اوصاف** برہمنوں کا یہ کام تھا کہ وہ مذہبی تعلیم کی اشاعت کریں عبادت گزار ہوں، عقل و خرد اور سکون قلب کی دولت
مالا مال ہوں۔

کھشتریوں کا کام ملک کا دفاع تھا۔ اس وجہ سے ان کو بہادر اور عالی حوصلہ
چاہیئے۔

ویشوں کا کام یہ تھا کہ وہ زراعت میں مصروف رہیں مویشی پالیں، تجارت کریں، ملک کا
ں نظام ان کے ہاتھ میں تھا۔

شودروں کا یہ فرض تھا کہ وہ باقی ذاتوں کی خدمت بجا لائیں۔

آٹھویں صدی عیسوی تک ان چار ذاتوں کی تقسیم نہیں ہوئی تھی لیکن دسویں صدی عیسوی تک
ذاتیں آگے بے شمار ذیلی ذاتوں میں تقسیم ہو گئیں۔

**ہمی شادیاں** مختلف ذاتوں کے مابین بعض شرائط کے ساتھ شادیاں ہوتی تھیں۔ برہمن کھشتری کی بیٹی کے ساتھ شادی کر لیتا تھا لیکن اپنی بیٹی کھشتری کے نکاح میں

نہیں دیتا تھا۔ اسی طرح کھشتری ویش کی لڑکی لے لیتا تھا لیکن دیتا نہیں تھا۔ لیکن بعد میں مخلوط
کی وجہ سے بعض الجھنیں پیدا ہو گئیں اس وجہ سے یہ رسم بھی ختم ہو گئی۔

**اولاد کا تعین** جو بچہ کسی شخص کی جائز بیوی سے پیدا ہوتا تو وہ اپنے باپ کا بیٹا سمجھا جاتا
اگر شادی کے وقت عورت یہ شرط منوا لیتی کہ اس کی اولاد اس کے باپ
اولاد سمجھی جائے گی۔ شوہر سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا تو وہ بچہ نانا کا تصور کیا جاتا۔ اسی طرح
کوئی غیر مرد کسی عورت سے اس کے شوہر کی رضامندی سے مباشرت کر لیتا اور عورت حاملہ
تو بچہ شوہر ہی کا تصور کیا جاتا۔ کیونکہ عورت زمین ہے۔ اس زمین کا مالک شوہر ہے۔ زمین میں کوئی
ڈال دے پیداوار مالک کی ہوگی۔[1]

**خودکشی کی اجازت** ہندوؤں کے ہاں بعض حالات میں خودکشی کی اجازت تھی۔ بیوہ
شوہر کی وفات پر آگ میں جل مرتی تھی۔ جو لوگ غربت، بیمار
بڑھاپے یا کسی نقص اعضاء کی وجہ سے تنگ آ جائیں تو ان کو بھی آگ میں جل کر مر جانے کی
اجازت تھی۔

اونچی ذات کے لوگ آگ سے خودکشی نہیں کرتے تھے۔ صرف ویش اور شودر آگ سے مر
تھے۔ لیکن اگر برہمن اور کھشتری خودکشی کرنا چاہیں تو انہیں یہ حکم تھا کہ کسوف یا خسوف کے وقت
طریقہ سے خودکشی کر لیں یا کسی شخص سے کہہ کر اپنے آپ کو گنگا میں غرق کرا لیں۔ گنگا اور جمنا کے
پر بڑ کا ایک درخت ہے جس کو پریاگ کہتے ہیں۔ برہمن اور کھشتری عام طور اس درخت پر چڑھ
اور وہاں سے گنگا میں کود کر خودکشی کر لیتے تھے۔[2]

**معاشرتی ناانصافیاں** ہندو معاشرہ میں عورت کو کوئی مقام حاصل نہیں تھا۔ وہ ناقابل
عقل کی کوری، دھوکے کی ٹٹی اور مال و دولت سے محروم سمجھی
جاتی تھی، جائیداد کی طرح جوئے میں ہار دی جاتی تھی۔ نکاح ثانی اور خلع کی ممانعت تھی

ہندو معاشرہ میں سب سے زیادہ قابل رحم ذات شودر تھی جن کی پیدائش کی غرض
غایت ہی خدمت قرار دی گئی تھی۔ ہندوؤں کا قانون ان کو درجہ انسانیت دینے
تیار نہیں

---

[1] البیرونی سخاؤ جلد اول صفحہ ۱۰۷۔
[2] البیرونی سخاؤ جلد دوم صفحہ ۱۷۰۔

**تفریحات** آریوں کی پسندیدہ اور مقبول تفریح رتھوں کی دوڑ تھی۔ جوا کھیلنا اور شراب پینا بھی عام تھا۔ اپنی تمام جائیداد جوا اور شراب کی نذر کر دیتے تھے۔ اس وجہ سے وہ اکثر قرضدار رہتے تھے۔ رقص اور موسیقی کے بھی دلدادہ تھے۔

## سیاسی زندگی

**بادشاہت** برہمنی زمانہ میں ہندوؤں کی سیاسی زندگی کا انحصار خود مختاری بادشاہت پر تھا۔ بادشاہ کو خدا کا نائب تصور کیا جاتا اور اس کی اطاعت خدا کی طرح ہی کی جاتی تھی۔ منو لکھتا ہے۔

" بادشاہ اگر طفل نابالغ بھی ہو تو اسے یہ خیال کر کے کہ یہ بھی ایک انسان ہے۔ حقارت سے نہیں دیکھنا چاہیئے۔ بادشاہ فی الواقع خدا ہے۔ انسان کی شکل میں"۔ (باب ہفتم ۸)

بادشاہ کے مشیر برہمن ہوتے تھے۔ بادشاہ کے لئے یہ لازم تھا کہ وہ ان سے مشورہ لے اور انہیں دان دے۔

بادشاہ گو خود مختار تھا لیکن اس کو وہ فرائض ادا کرنے ضروری ہوتے تھے جو منو شاستر نے مقرر کئے تھے۔ اس وجہ سے وہ اپنے اختیار کو بے جا عمل میں نہیں لا سکتا تھا۔

بادشاہ زیادہ عرصہ اپنے محل میں رہتا۔ اس کے محل میں کسی کو باہر سے جانے کی اجازت نہ تھی۔ بعض اوقات بادشاہ بڑی دھوم دھام کے ساتھ سخت پہرہ کے درمیان محل سے باہر شکار کے لئے بھی جاتا تھا۔

عوام بادشاہ کو اس وقت دیکھتے جب وہ چڑھاوا دینے آتا یا مقدمات کی سماعت کے لئے عدالت میں آتا یا لڑائی میں فوج کی قیادت کرتا۔

**عدالتی انتظام** مقدمات کی سماعت بادشاہ کرتا چونکہ تمام مقدمات بادشاہ خود نہیں سن سکتا تھا اس وجہ سے برہمنوں کو اپنا نائب مقرر کر دیتا تھا۔ منو لکھتا ہے۔

جب بادشاہ مقدمات سننا چاہے تو اسے چاہیئے کہ عدالت میں تمکنت کے ساتھ داخل ہو اور اس کے ساتھ برہمن اور تجربہ کار مشیر ہوں"۔ (منو باب ہشتم)

اگر بادشاہ خود فصل مقدمات نہ کر سکے تو اسے چاہیئے کہ کسی عالم برہمن کو اس کام کے لئے مقرر کرے (منو باب ہشتم ۴۱)

فیصلے معاشرہ کے رسم و رواج کے مطابق ہوتے تھے۔ منو لکھتا ہے۔

جو بادشاہ شاستر سے واقف ہے اسے چاہیئے کہ مختلف جاتیوں اور صوبوں اور فرقوں اور خاندانوں کے رسوم ورواج کی تحقیقات کرے اور ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ تجویز کرے "منوجلد ہشتم ۴۱"

جب ہندوؤں کے ہر شعبہ زندگی میں فساد اور خرابی آگئی تو ان خرابیوں کو دور کرنے کے لئے گوتم بدھ نے میدان عمل میں قدم رکھا۔

## گوتم بدھ کے حالاتِ زندگی

گوتم بدھ ۵۶۸ ق م میں شمالی ہند کے علاقہ نیپال میں ساکیہ قبائل کی راجدھانی کپل وستو میں پیدا ہوئے۔ یہ شہر دریائے روہنی کے کنارے بنارس سے سو میل کے فاصلہ پر گوشہ شمال مشرق میں واقع ہے۔ ان کے والد کا نام شدھودھن تھا۔ ان کی والدہ کا نام مایا تھا۔ شدھودھن کے دو حرم تھے۔ لیکن پینتالیس سال تک کسی بیوی کے ہاں اولاد نہ ہوئی۔ جب بڑی ملکہ مایا حاملہ ہوئیں تو تمام راجدھانی میں خوشیاں منائی گئیں۔ ملکہ کو ملک کے رسم ورواج کے مطابق وضع حمل کے لئے ان کے والدین کے گھر بھیجا گیا۔ مگر راستہ ہی میں چند بلند درختوں کے نیچے بچہ پیدا ہو گیا اور ملکہ کو بچہ سمیت کپل وستو آنا پڑا۔ ایک ہفتہ میں ہی بچہ ماں کی شفقت سے محروم ہو گیا اور سوتیلی ماں نے بچہ کی خبر گیری کی۔

بچے کا نام سدھارتھ رکھا گیا۔ ان کا خاندانی نام گوتم تھا۔ بعد میں جب گیان حاصل کر لیا تو بدھ[1] کے نام سے مشہور ہوا۔ ایسا ہی ایک نام ساکیہ منی یا ساکیہ سنگھ بھی ہے۔

ساکیہ منی گوتم کی تربیت و پرورش شاہی طریقہ پر ہوئی۔ گوتم کی ابتدائی عمری کے حالات پردہ کتمان میں ہیں۔ جب ساکیہ منی گوتم انتیس برس کا ہوا تو اپنے ایک خادم چین کو ساتھ لے کر باہر نکلا۔

---

[1] بدھ سنسکرت کا لفظ ہے جس کے معنی بیدار، ہوشیار، دانا، روشن اور نور وغیرہ ہیں۔ بدھوں کی اصطلاح میں یہ لفظ اس شخص پر بولا جاتا ہے، جس نے معرفت الٰہی حاصل کر لی ہو اور دنیا کی تاریکیوں سے باہر نکل آیا ہو اور دوسروں کو گمراہیوں کی ظلمت سے نکال کر روشنی کی طرف بلا رہا ہو۔ بدھ مذہب کی کتاب مجھیم نکایا تا صد ۶۱۳ میں بدھ کا ایک قول ہے۔

"میں نے دکھ پر روشنی ڈالی ہے اور اس سے باہر آنے پر روشنی ڈالی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ راستہ جو دکھ سے نجات دیتا ہے اس پر روشنی ڈالی ہے، کیونکہ یہ انسان کے لئے سود مند ہے۔ یہ مذہب کی اساس اور اصل ہے۔"

راستہ میں ایک مفلوک الحال، فرسودہ دل، مضمحل اعضا والا بڈھا دیکھا جس پر چلنا دوبھر اور گراں تھا اس کے بعد ایک کمزور اور ضعیف البنیان بیمار پر نظر پڑی جو ضعف اور بیماری کی وجہ سے بمشکل ایک قدم چلتا تھا اور ٹھہر جاتا تھا، قدموں میں لڑکھڑاہٹ تھی اور ٹانگیں جسم کا بوجھ اٹھانے سے قاصر تھیں۔ آگے چل کر دیکھا کہ لوگ ایک جنازہ کو کندھا دیئے ہوئے قبرستان کی طرف لے جا رہے ہیں۔ اس کے بعد ایک فقیر درویش صاف باطن کو دیکھا جس کا چہرہ نور کی شعاعوں سے روشن تھا۔ قناعت کی دولت سے مالا مال تھا۔

گوتم انسانی زندگی کے تین حسرت ناک پہلوؤں بڑھاپا، بیماری اور موت سے بہت متاثر ہوا اور دل سے دنیا کی محبت کی آگ سرد ہو گئی۔ آن واحد میں دل میں یہ خیال گزرا کہ ایک دن وہ بھی پیرانہ سالی، بیماری اور موت کے پنجہ میں اسیر ہوگا، جن سے نہ فرار ہے نہ گریز۔ اس کے ساتھ ہی اس فقیر باصفا اور روشن دل کا خیال آیا کہ وہ کس طرح اطمینان قلب کی دولت سے مالا مال ہے اور تمام دنیاوی بکھیڑوں اور علائق کی زنجیروں کو توڑ کر یاد الٰہی میں زندگی بسر کر رہا ہے۔ دل میں یہ گزرا کہ وہ بھی کیوں نہ اس فقیر باصفا کی طرح دنیا کے تمام عیشوں اور آراموں سے منہ موڑ کر یاد الٰہی میں مشغول ہو جائے تاکہ وہ بھی حقیقی مسرت اور اطمینان کی دولت پا سکے انہی خیالات میں غلطاں و پیچاں گوتم گھر کی طرف لوٹا۔

گوتم کی شادی سولہ سال کی عمر میں جسودھرا نام کی عورت سے ہوئی تھی اور اس کے بطن سے ایک خوبصورت بچہ بھی پیدا ہو چکا تھا جس کا نام راہل تھا۔

جب رات کی تاریکی نے پردے پھیلانے شروع کئے تو گوتم نے اپنے نوکر چھین سے گھوڑا مانگا ذاتی خادم تعمیل حکم میں گھوڑا لینے کے لئے گیا، خود گوتم اس کمرہ کی طرف گیا جس میں آپ کی بیوی اور بچہ سو رہے تھے۔ دہلیز پر کھڑے ہو کر دیکھا کہ ماں اپنے لاڈلے اور حسین بچہ کیساتھ سوئی ہوئی ہے دل میں خیال گزرا کہ بچے کو گود میں لے کر آخری الوداع کہے لیکن پھر خیال آیا کہ شاید بچے اور بیوی کی محبت عیش و تنعم اور گھر بار ترک کرنے میں روک پیدا کر دے۔ آپ نے دہلیز سے اپنی بیوی اور بچے پر الوداعی نظر ڈالی اور گھر سے نکل پڑے۔ اس وقت ان کی عمر ۲۹ سال تھی۔

دریائے ایرا وتی پر پہنچ کر زیور اور جواہرات چھین کو دیئے اور کہا کہ ان کو لے کر کپل وستو کو لوٹ جائے۔ باوفا خادم نے اصرار کیا کہ وہ بھی اپنے آقا کے ساتھ زاہدانہ زندگی بسر کرے گا۔ لیکن گوتم نے کہا کہ نہیں تم واپس کپل وستو جاؤ اور ان کے والد سے تمام حال بیان کر دو چنانچہ خادم اپنے دل پر سل رکھ کر واپس لوٹا۔ گوتم نے اتر کر بھدرا کرایا اور ایک غریب آدمی سے لباس بدل کر زاہدانہ زندگی اختیار کر کے راج گرہی کی طرف چل دیئے۔

راج گڑھی مگدھ کی سلطنت کا دارالخلافہ تھا اور خوبصورت اور دلکش وادی میں پانچ پہاڑوں کے درمیان واقع تھا۔ ان پہاڑوں کی غاروں میں چند مشہور درویش رہتے تھے۔ گوتم ان کے پاس گیا۔ ایک الترنامی فقیر کے مرید ہوگئے۔ جب اس فقیر کی صحبت سے تسکین قلب کی دولت میسر نہ آئی تو ایک عابد وزاہد فقیر اورک نامی کی طرف گیا۔ ان دونوں درویشوں نے ہندو مذہب کا فلسفہ سکھایا۔ اس کے بعد گوتم نے نفس کشی کے لئے جنگلوں اور ریاضتوں کا قصد کیا۔ ازویل کے جنگل میں چھ سال تک سخت ریاضتیں اٹھائیں۔ جسم کانٹے کی طرح خشک ہوگیا لیکن نور قلب میسر نہ آیا۔ ان ریاضتوں اور مشقتوں کے اٹھانے کی وجہ سے گوتم کی شہرت قرب وجوار میں پھیل چکی تھی۔ آپ کے چند مرید بھی بن گئے۔ ایک دن ضعف کی وجہ سے زمین پر گر پڑے۔ مریدوں نے خیال کیا کہ آپ نے دم توڑ دیا ہے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد بے ہوشی اور سکر و دور ہوا۔ آپ نے دیکھا کہ ان جسمانی ریاضتوں اور مشقتوں کی وجہ سے نور قلب میسر نہیں آرہا۔ آپ نے نفس کشی ترک کر دی اور کھانا پینا شروع کر دیا۔

اس وجہ سے مرید آپ سے الگ ہوگئے اور گوتم کو چھوڑ کر بنارس چلے گئے۔ گوتم گوہر مقصود کی تلاش میں سرگرداں پھرنے لگے۔ ہندو درویشوں کی صحبت نے بھی اطمینان قلب نہ بخشا۔ ریاضتوں اور مشقتوں سے بھی دلی راحت میسر نہ آئی۔ اس بے اطمینانی کی حالت میں نہ فیصلہ کر پائے کہ واپس کپل وستو چلا جائے اور وہی عیش و مسرت والی زندگی اختیار کر لی جائے اور نہ یہ فیصلہ کر پائے کہ وہ اسی درویشانہ اور فقیرانہ زندگی میں ہی حیران و سرگرداں پھرتا رہے۔

اسی حالت میں تھے کہ ایک روز ایک ناکت خدا دوشیزہ لڑکی کی نظر گوتم پر پڑی۔ گوتم کو شکستہ حال دیکھ کر پوچھا: اے فقیر! کیا آپ بھوکے ہیں اور کیا آپ میرے ہاتھ سے کھانا تناول کریں گے؟ گوتم نے سر اٹھا کر دیکھا اور پوچھا: اے بہن! تمہارا نام کیا ہے؟ لڑکی نے جواب دیا: مہاراج! میرا نام سوجات ہے۔ گوتم نے کہا: ہاں میں بھوکا ہوں، لیکن یہ تو بتاؤ کیا تمہاری غذا میری بھوک کو تسلی دے سکے گی۔ لڑکی یہ نہ سمجھ سکی کہ اس درویش کی بھوک سے کیا مراد ہے اور کس قسم کی تسلی چاہتا ہے۔ لڑکی نے نہایت محبت اور شفقت سے کھانا لائی۔ گوتم نے ایک بڑ کے درخت کے نیچے بیٹھ کر تناول کیا۔ سوجات چلی گئی۔ گوتم دن بھر اسی درخت کے نیچے یاد الٰہی میں مصروف رہے۔ اسی مراقبہ اور زہد و جہد کی حالت میں گوتم مختلف اقسام کے امتحانات اور آزمائشوں میں ڈالے گئے۔ اس قسم کی آزمائشوں اور ابتلاؤں میں گوہر مقصود کو حاصل کرنے سے پہلے رشیوں اور پیغمبروں کو ڈالا جاتا رہا ہے۔ ان امتحانات کی تفصیل کتب دستر میں بیان کی گئی ہے۔

**پہلی آزمائش** شیاطین نے مختلف وسوسوں سے گوتم کو ان کے مقصد حیات اور مطمح نظر سے الگ کرنے کی کوشش کی، لیکن گوتم شیاطین کے وسوسوں پر غالب آگئے۔

**دوسری آزمائش** گوتم کو حوروں کے جم غفیر نے اپنے گھیرے میں لے لیا، اور گوتم کو محبت آمیز سرگوشیوں اور وصل کے وعدوں سے یاد الٰہی سے غافل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، وہ گوتم کو کہتی ہیں۔

"ادھر آؤ۔ ذرا تو انہیں دیکھ لے۔ تیرا مکھڑا تو پورا چاند ہے۔ لیکن یہ بھی نئی کنول کے پھول سے کم نہیں۔ ان کی آوازوں کو سن۔ کیسی پیاری اور نرم دل سے نکلتی ہیں۔ ان کے دانت ایسے سفید ہیں جیسے برف یا چاندی۔ ان کی مثل جنت میں بھی ملنا مشکل ہے، اس دنیا میں بھلا تجھے یہ کہاں ملیں گی یہ تو ایسی حسین ہیں کہ بڑے بڑے دیوتا ان کی تمنا میں مرتے ہیں" (ملت دستر اکیسواں باب ۲۲ دیں گاتھا)

گوتم نے ان بدروحوں کو یہ جواب دیا۔

"یہ جو شکلیں میرے سامنے کھڑی ہیں نہایت ہی کریہہ منظر اور بے جوڑ ہیں۔ ان کے اندر کیڑے بھرے ہوئے ہیں۔ یہ تو بالکل جلنے والی ہیں اور دکھ درد سے بھری ہوئی ہیں۔ میں وہ چیز حاصل کروں گا جو جاودانی ہے جسے عقل مند مانتے ہیں اور جس سے تمام آسودگی ہاتھ لگتی ہے۔"

ان روحوں نے پھر کہا کہ تو کیوں اتنی نفرت کرتا ہے؟ گوتم نے جواب دیا: "ہر ایک مخلوق میں گناہ ہے، جس کسی نے اپنے کو ہوا و ہوس سے پاک کیا وہ اس بات کو جانتا ہے۔ انسان کی شہوات نفسانی کی مثال تلوار یا تیر یا نیزے یا استرہ کی ہے۔ جس پر شہد لگا ہوا ہے۔ ان کی مثال سانپ کے سر پر دمکتی ہوئی آگ کی ہے اور میں اس کو خوب جانتا ہوں۔"

کتاب کہتی ہے۔

"وہ اس مخلوق کو نہ محبت کی نگاہ سے دیکھتا تھا نہ غضب کی نگاہ سے۔ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ سمندر خشک ہو جائیں گے۔ آفتاب اور ماہتاب زمین پر گر پڑیں گے۔ لیکن وہ گوتم جو تینوں عالم کے گناہوں کو دیکھ رہا تھا، ہرگز عورتوں کے قبضہ میں نہیں آئے گا۔" (ملت دستر اکیسواں باب ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۳۱ گاتھائیں)

**تیسری آزمائش** اس کے بعد ملک الشیاطین آیا اور اس نے گوتم کو تمام جہانوں کی حکومت دینے کا وعدہ کیا، بشرطیکہ وہ علم و معرفت کے حصول کو خیرباد کہہ دے۔

ملک الشیاطین بولا۔

میں تمام دنیا میں شہوات نفسانی کا بادشاہ ہوں۔ تمام دیوتا اور تمام انسان اور حیوانات میرے تابع ہیں اور میرے حکم پہ چلتے ہیں۔ اٹھ تو بھی میری اقلیم میں ہے۔ اپنی آواز مجھے سنا۔"

شاکیا منی (گوتم) نے جواب دیا: اگر تو شہوات نفسانی کا بادشاہ ہے تو ہوا کرے۔ دنیا پہ تو تیری حکومت نہیں ہے۔ مجھے غور سے دیکھ، میں ہوں بادشاہ قانون کا۔ اگر تو شہوات کا بادشاہ ہے

تو بری راہ نہ چل ۔ تو کچھ ہی کر میں تو ضرور آنکھوں کے سامنے عرفان حاصل کروں گا ۔ (للت وستر اکیسواں باب ۱۶۶، ۱۶۷ گا تھائیں)

جب گوتم ان تینوں آزمائشوں میں پورا اترا تو غیب سے یہ دلنواز آواز آئی: "دیوتا اسے موتیوں کا ہار اور نشان اور پرچم دے رہے ہیں اور اس پر پھولوں اور صندل کے چورے نچھاور کر رہے ہیں ۔ وہ شادیانے بجا رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں: اے جواں مرد! دشمن کی فوج نے تیرے درخت کا محاصرہ کرنے کے بعد بالآخر شکست پائی ۔ اسی مقام پر اس بہترین کرسی پر آج تجھے عرفان شہوات نفسانی سے خالی حاصل ہوگا اور تجھے بدھ کی ساری حکومت ملے گی ۔ کیونکہ تو نے اپنی شیریں کلامی سے شیطان کی فوج پر فتح پائی ۔ (للت وستر اکیسواں باب ۲۰۲، ۲۰۳ گا تھائیں)

اب گوتم کو اپنے نفس امارہ پر مکمل فتح حاصل ہوگئی ۔ وہ راستہ مل گیا جس کی تلاش میں تھا ۔ وہ شربت کافور مل گیا جس کے لئے کام و دہن پیاسے تھے ۔ وہ شربت زنجبیل مل گیا ۔ جس کے پینے سے روحانی منزلیں جلد طے ہونے لگیں ۔ دیدار الٰہی نصیب ہوگیا ۔ جس کے لئے روحانی آنکھیں ترس رہی تھیں ۔ محبوب کا شیریں کلام سننے لگا جس کے سننے کے لئے کان برسوں سے بے تاب تھے ۔ گویا زندگانی کا عقدہ کھل گیا اور جوہر مقصود مل گیا ۔

عرفان اور روشنی حاصل کرنے کے بعد گوتم بدھ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا:

اے دین دارو! میں نے اس طرح رنج و غم کی حقیقت کو اور اس کے غیر متناہی ہونے کو اور اس کے دور کرنے کے طریقے کو سیکھا ہے ۔ میں نے معلوم کیا ہے کہ خواہش نفسانی کی کیا مصیبت ہے ۔ دنیوی زندگی اور اجل کی کیا مصیبت ہے اور ان کل مصیبتوں سے انسان کیونکر بچ سکتا ہے ۔ یہ مصیبتیں کس طرح بالکل غائب ہو سکتی ہیں ۔ بلا اس کے کہ ان کا کوئی نشان باقی رہ جائے مجھے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مایا کیا چیز ہے ۔ مایا کی مصیبت کیا ہے اس سے انسان کیوں کر سبکدوش ہو سکتا ہے اور یہ کیونکر اس طرح غائب ہو سکتی ہے کہ اس کا پتہ بھی نہ رہے ۔" (للت وستر بائیسواں باب)

دراصل گوتم کا یہ معراج تھا ۔ جو تمام خدا کے پیاروں کو ہوا کرتا ہے ۔ جس طرح خدا کے محبوبین کے مراتب ہوتے ہیں اسی طرح ان کے معراج کے مراتب ہیں ۔ جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے تمام محبوبین کے سرتاج ہیں اسی طرح آپ کو معراج ہوا تھا ۔ وہ سب سے اعلیٰ تھا ۔ جس کی نظیر روحانی دنیا میں نہ ملتی ہے اور نہ ملے گی ۔ قرآن مجید میں آتا ہے

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى

(النجم ۵۳: ۱۳ تا ۱۸) _____ اور یقیناً اس نے (محمد) اپنے آپ

کو ایک اور مرتبہ پر دیکھا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اس کے قریب مقام جنت ہے جب سدرہ پر پرچھائیں چھا رہی تھیں اس مقام پر بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کج نہ ہوئی اور نہ حد سے بڑھی۔ یقیناً اس نے وہاں اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں کو دیکھا۔

ان آیات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کا ذکر ہے۔ جب آپؐ کی روح نوری جسم کے ساتھ تمام روحانی بلندیوں کو طے کرتے ہوئے دیدار الٰہی سے شرف یاب ہوئی۔

بڑ کا درخت بدھوؤں کے نزدیک ایک مقدس درخت ہے۔ اب تک اس بڑ کے نیچے جلسے اور اجتماع ہوتے تھے۔ بعض صوفی والوں نے بھی اسی طریقہ کو اپنا لیا ہے۔ ہندوؤں میں بھی پیپل اور بڑ کے درخت مقدس خیال کئے جاتے ہیں جن کے نیچے ریوتا استراحت کرتے ہیں (اتھر وید کانڈ ۵ سوکت منتر اور رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۱۳۵ منتر امنڈل ۴ ۱۶ سوکت ۲۰-۲۲)

یونانی کتب الہیہ اور مصری کتاب الموتی میں یہ بیری کا درخت (سدرۃ) حیرت عقل اور حکومت برکائنات کا انتہائی مقام کہلاتا ہے۔ ہومر کہتا ہے: جو اس درخت کا پھل کھا لیتا ہے پھر واپس نہیں لوٹتا۔ وہ آرام وسکون روح کا مقام ہے (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا)

**مبشرانہ زندگی کا آغاز** گوتم مسرت کے عالم میں اس درخت کے نیچے سے اٹھے اور طمانیت قلب کا الٰہی نسخہ ساتھ لے کر راج گڑھی کی طرف چل دیئے تاکہ ان لوگوں کو بھی اس نسخہ سے اطمینان قلب کی دولت سے مالا مال کر سکیں۔ سب سے پہلے اپنے دونوں استادوں کی طرف روانہ ہوئے تو معلوم ہوا کہ وہ اس فانی دنیا سے کوچ کر چکے ہیں۔ وہاں سے بنارس کی طرف چلے۔ راستہ میں ایک پرانے دوست سے ملاقات پر یوں گفتگو ہوئی۔

اپک (گوتم سے) دوست! خاصے مطمئن اور ہشاش بشاش نظر آتے ہیں اور تمہارے چہرہ پر نور کے آثار ہویدا ہیں۔ یہ کس طریقت کا نتیجہ ہیں؟

گوتم (اپک سے): میں دنیا کی تمام اخلاقی اور روحانی طاقتوں پر قادر ہو گیا ہوں اور نفس امارہ کی سرکش اونٹنی کو ذبح کر دیا ہے جس کے نتیجہ میں مجھے دائمی راحت حاصل ہو گئی ہے۔

اپک (گوتم سے): اب کس طرف جا رہے ہو۔

گوتم (اپک سے): بنارس

اپک (گوتم سے) کس غرض سے؟

گوتم (اپک سے) لوگوں کو وہ طریقہ بتانے کے لئے جس پر چل کر وہ ابدی اور حقیقی راحت حاصل کر سکتے ہیں۔

لیکن ایک نے سنی ان سنی کر کے دوسرا راستہ اختیار کر لیا اور گوتم بنارس کی طرف چل دیئے۔

چند روز بعد گوتم ہرن بن میں جا پہنچے۔ یہ بن بنارس سے شمالی جانب واقع ہے۔ وہاں گوتم کے پانچ بڑے مرید رہتے تھے۔ جب گوتم نے نفس کشی ترک کر دی تھی تو یہ پانچوں مرید حلقہ عقیدت سے الگ ہو گئے تھے۔ پانچوں نے گوتم کی طرف ذرا بھی توجہ نہ دی، ظاہری رواداری کے طور پر ایک پرانا بوریا بچھا دیا۔ گوتم اس پر بیٹھ گئے۔ گوتم کی قلبی نورپاشی نے ان کی مخالفت کو دھواں کر دیا۔ بدھ نے اپنا مشہور وعظ "راست کاری کے پہیے محرک کرنے" "SETTING IN MOTION THE WHEEL OF RIGHTEOUSNESS" کا دیا۔ جس سے دائمی مسرت حاصل کی جا سکتی ہے۔ کافی دیر تک مریدوں سے گفتگو ہوتی رہی۔ آخر کار حق کے قبول کرنے کے لئے ان کا سینہ کھل گیا۔ سب سے پہلے مسن "کنڈنیا" حلقہ ارادت میں شامل ہوا۔ بعد ازاں دوسرے بھی حلقہ عقیدت میں شامل ہو گئے۔ کچھ عرصہ گوتم ہرن بن میں مقیم رہے اور لوگوں کو ابدی اور حقیقی نجات کا پیغام پہنچاتے رہے۔ اس پیغام کے پہنچانے میں مرد عورت، امیر غریب، عالم جاہل کسی کی تفریق نہ تھی۔ امراء میں سب سے پہلے "یاس" نامی ایک امیر کبیر نوجوان نے پیغام کو قبول کیا۔ اس کے ساتھ اس کے ہمراہیوں کی ایک خاصی جماعت شامل ہو گئی۔ یاس کے ماں باپ اور اس کی بیوی سب بدھ مت میں شامل ہو گئے۔

ہرن بن پہنچنے کے تین ماہ بعد گوتم نے اپنے تمام مریدوں کو جمع کیا، جن کی تعداد ساٹھ کے قریب تھی۔ ان سب کو مختلف اطراف میں نجات ابدی کی خوشخبری کا پیغام پہنچانے کے لئے بھیجا۔ فقط یاس اپنے والدین کے پاس بنارس میں مقیم رہا۔ گوتم خود تبلیغی دورہ کے نتائج دیکھنے کے لئے وہیں مقیم رہے۔

ازویل کے جنگل میں تین بھائی فقیرانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان کی عام شہرت تھی، انبوہ در انبوہ شاگرد ان کے پاس جا کر رہتے تھے۔ بادشاہ اور عامۃ الناس ان تینوں بھائیوں کی بہت توقیر کرتے تھے۔ گوتم ان کے پاس گئے اور دوسرا وعظ "آگ" "THE FIRE SERMON" دیا۔ گوتم نے انسانی احساسات کو ہوس، غضب، فریب اور نفرت کی دہکتی ہوئی آگ کا آلاؤ قرار دیا۔ اور یہ بتایا کہ ایک دانش مند آدمی ہوس کی آگ بجھا کر دکھ اور کرب کی جڑیں دل سے باہر نکال کر پھینک سکتا ہے۔ ایک بھائی حلقہ ارادت میں شامل ہو گیا۔ بعد ازاں اس فقیر کے تمام شاگرد اور پیروکار گوتم کی غلامی میں آ گئے۔ اس طرح گوتم کی شہرت عام ہو گئی۔ دور و نزدیک سے لوگ گوتم کو دیکھنے کے لئے آنا شروع ہو گئے۔ گوتم اپنا پیغام ان تک پہنچاتے رہے اور دن بدن گوتم کے پیروؤں کی تعداد بڑھنا شروع ہو گئے۔

گوتم اپنے مریدوں کو لے کر اروِیل سے چلے اور مگدھ کے دارالخلافہ راج گڑھی میں آئے۔ شاہ
بمبا سر نے ان کا استقبال کیا۔ یہاں "بہشت" پر ایک وعظ کیا، اور بتایا کہ جنت کا دروازہ طہارت ہے
ر منزل مقصود عشق۔ شاہ بمبا سر نے گوتم اور ان کے مریدوں کی بہت توقیر کی اور گوتم کے فلسفہ پر ایمان
آئے۔ بادشاہ کے فلسفہ قبول کرنے کے ساتھ ہی بے شمار آدمی گوتم پر ایمان لے آئے۔ قصبہ کے قریب
یلوبن" کی جھاڑی ان کے رہنے کے واسطے تجویز کی۔ یہ مقام اس وجہ سے مشہور ہے کہ گوتم یہاں کئی
سات کے موسموں میں مقیم رہے۔ کئی وعظ اور مباحثے کئے۔

اس عرصہ میں گوتم کے والد نے پیغام بھیجا کہ کپل وستو آؤ اور ایک دفعہ اپنا دیدار کرا جاؤ۔ یہ پیغام
عمل کرنے کے بعد گوتم اپنے مریدوں کے ساتھ کپل وستو روانہ ہوئے۔ کپل وستو پہنچ کر شہر کے باہر ایک
اڑی میں ڈیرہ ڈال دیا۔ ان کے والد اپنے اعزہ واقارب کو ساتھ لے کر ملنے آئے۔ لیکن ان کی زاہدانہ
ر درویشانہ زندگی کو دیکھ کر خوش نہ ہوئے۔ گوتم اور ان کے مریدوں کے کھانے کا بندوبست بھی نہ کیا
لے دن گوتم نے شہر کے گھر گھر سے بھیک مانگنی شروع کی۔ جب بادشاہ کو اس بات کا علم ہوا تو ان کو
ہت ملال ہوا اور گوتم کے پاس گیا کہ وہ اس حرکت سے رک جائے۔ گوتم نے اپنے والد کو اپنے فلسفہ
تبلیغ کی مگر اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ باپ نے گوتم کے ہاتھ سے کاسہ فقیری لے لیا اور اپنے قصر شاہی
لے آیا اور اس کی بہت تکریم کی۔ گوتم کی بیوی ان کے پاس نہ آئی اور کہا کہ اگر ان کے دل میں
ری کچھ بھی عزت و توقیر ہے تو گوتم کی خود میرے پاس آئے گا۔ اس دن اس نے اپنے خاوند کو مردہ
جھ کر تمام عیش و آرام ترک کر دیا۔ دن میں صرف ایک دفعہ کھانا کھاتی اور چٹائی پر لیٹی رہتی۔ گوتم کو
ہر میں داخل ہوتے ہی اس بات کا علم ہو چکا تھا۔ گو بدھ مذہب کا کوئی پیرو عورت کا چھونا اور
باجسم عورت کو چھونے دینا روا نہ رکھتا تھا تاہم گوتم دو مریدوں کو ساتھ لے کر اپنی بیوی کے پاس
ر بیوی نے اپنے خاوند کو زاہدانہ لباس میں دیکھ کر ان کے قدموں کو آلیا۔ گوتم نے فرقہ اناث کے
ے ایک حلقہ اپنے مذہب میں قائم کیا۔ ان کی بیوی جسودھارا بدھ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر
ی گوشہ نشین بیراگن ہوئی۔

پندرہ روز تک گوتم شہر کے باہر جھاڑی میں مقیم رہا۔ اعزہ واقارب اور دوستوں کی دعوتوں میں
یک ہوتا رہا اور اپنا وعظ لوگوں تک پہنچاتا رہا۔ ایک دن گوتم کی بیوی نے اپنے بچے راہل کو
ہ کپڑے پہنائے۔ جب گوتم محل کے پاس سے گزرا تو ماں نے بیٹے کو کہا: دیکھو تمہارا باپ جا رہا
۔ اس کے پاس جاؤ اور اپنا ورثہ طلب کرو۔ بیٹا گوتم کے پاس گیا اور ورثہ طلب کرنے لگا۔
تم نے اس وقت تو کوئی جواب نہ دیا اور جب دعوت سے فارغ ہو کر واپس اپنے ٹھکانہ کی
ف جانے لگا تو بیٹا بھی پیچھے ہو لیا اور اپنا ورثہ طلب کرتا رہا۔ جب گوتم اپنی جائے رہائش پر

پہنچ گیا تو اپنے ایک مرید سے کہا کہ بھائی میں اس لڑکے کو وہ نعمت غیر مترقبہ دیتا ہوں، جو مجھے بڑے درخت کے نیچے ملی تھی، تم اس کو اس دولت کا والی اور وارث بناؤ۔ گوتم کے اس اشارہ سے رھل کو حلقہ مریدی میں شامل کر لیا گیا۔ جب دادا کو اس بات کا علم ہوا تو وہ بہت مغموم ہوا۔

گوتم نے راج گڑھی کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ اس تبلیغی دورہ میں بہت سے رشتہ دار اور اہل وطن آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے۔ ان میں سے چار شخصوں کا ذکر ضروری ہے۔ انند، دیوت ان کے رشتہ کے بھائی تھے۔ اپالی قوم کا نائی اور انرودہ ان کا ہم وطن تھا۔ انند تمام عمر ان کے ساتھ رہا۔ دیوت ان کا مدمقابل ہو گیا۔ اپالی حجام ان کے گروہ کا بڑا نامور پیشوا بنا۔ انرودہ بودھ مذہب کی حکمت نظری کا عالم ہوا۔

موسم برسات کے اختتام پر گوتم بدھ راج گڑھی سے چل کر سلطنت کوسل کے پایہ سلطنت سراوستی کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں ایک متمول سوداگر رہتا تھا، جس نے گوتم بدھ اور ان کے مریدوں کے لئے ایک وسیع خنگل نامزد کر دیا۔ یہاں بڑے بڑے وعظ اور مناظرے ہوئے۔

یہاں آپ کی تبلیغی مساعی کا تیسرا سال ختم ہوتا ہے۔ چوتھے سال سے چالیسویں سال تک گوتم کی تبلیغی مساعی بہت کم ملتی ہیں۔ لہٰذا جو بھی مساعی پراگندہ طور پر کتب میں موجود ہیں ان کو لکھ دیا جاتا ہے۔

چوتھے برس گوتم مہابن میں مقیم رہے۔ ایک نٹ کو اپنے حلقہ مریدی میں شامل کیا۔

پانچویں سال وہ اپنے باپ سے ملاقات کرنے کے لئے دوبارہ کپل وستو گئے۔ پہنچنے پر ان کا والد فوت ہو گیا۔ ان کی نعش کو جلا کر واپس آ گئے۔ ان کی بیوی اور سوتیلی ماں ساتھ آئیں۔ ان کے ساتھ چند اور بھی عورتیں تھیں، ان کو بھی گروہ میں داخل کر لیا گیا۔

چھٹے برس گوتم راج گڑھی میں واپس آئے اور بمبا سر کی رانی چھما کو اپنے حلقہ میں شامل کیا۔ ایک اور مرید نے کرامت دکھائی۔ لیکن آپ نے کرامات دکھانے سے منع کر دیا اور کہا کہ کرامات اور معجزات کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔

ساتویں برس ایک دشمن نے ایک عورت چنچا نامی کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ گوتم پر زنا کاری کا الزام لگائے مگر اس کی فریب کاری کا پردہ جلد چاک ہو گیا۔

آٹھویں برس گوتم کپل وستو کے قریب ایک پہاڑ پر سے گزرے۔ وہاں چند نئے آدمیوں کو اپنے حلقہ میں داخل کر کے کسمبی کو چلے گئے۔

نویں برس بدھ مذہب کی جماعتوں میں اختلاف اور انتشار رونما ہو گیا گوتم بدھ نے اس انتشار اور اختلاف کو دور کرنے کی سعی کی، مگر آپ کی کوشش بار آور ثابت نہ ہوئی۔ اس وجہ سے تمام

مریدوں کو چھوڑ کر "پارلیاک" کے جنگل میں چلے گئے۔

دسویں برس قرب وجوار کے کسانوں کے لئے ایک جھونپڑا تیار کیا جس میں گوتم نے برسات کاٹی، ذکر الٰہی میں مشغول رہے۔ اختلاف کرنے والوں نے آپ کو ڈھونڈ لیا۔ آپ سے معافی طلب کی، توبہ کی۔ آپ نے ان کے قصور کو معاف کر دیا۔ اپنے نائب مریدوں کو ساتھ لے کر سراوستی ہوتے ہوئے راج گڑھی پہنچے۔

گیارہویں برس گوتم بدھ نے چند مشہور آدمی اپنے حلقہ ارادت میں شامل کئے اور مگدھ اور کوسل کے ملکوں میں تبلیغی فریضہ سرانجام دیا۔

بارہویں برس ایک لمبا تبلیغی سفر اختیار کیا اور جس مقام پر سے گزرتے وہاں وعظ کرتے۔

تیرھویں برس مقام چلیا اور سراوستی میں اپنے فلسفہ کا پرچار کیا۔

چودھویں برس گوتم سراوستی میں رہے اور اپنے بیٹے رھل کو مبلغ بنا کر کپل وستو کی جانب روانہ کیا۔

پندرھویں برس کپل وستو کے باہر ایک جنگل میں ڈیرہ لگایا۔ اپنے چچازاد بھائی موہانم جو ان کے باپ کی جگہ تخت نشین ہوا تھا، وعظ کیا۔ اس کے علاوہ اور بھی وعظ کئے جن میں یہ بتایا کہ راست بازی کو صدقات اور خیرات پر فضیلت حاصل ہے۔

سولھواں برس مقام الاوی میں بسر کیا اور اپنے پیغام حق کو لوگوں تک پہنچایا۔

سترھویں برس راج گڑھی کی طرف گئے اور وہیں موسم برسات گزارا۔ ایک کسبی سریتی کی میت پر وعظ کیا۔ اب گوتم بدھ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جب تک کسی بھوکے آدمی کو کھانا نہ کھلا لیتے اسے وعظ نہ سناتے۔

اٹھارہویں برس چلیا میں جا کر ایک جولاہے کو جس کی لڑکی مر گئی تھی وعظ سنایا اور برسات کا موسم گزار کر راج گڑھی واپس آ گئے۔

انیسویں برس گوتم بدھ نے مگدھ کے راستہ سے سفر اختیار کیا۔ جس گاؤں سے گزرتے وہاں وعظ سناتے۔ ایک مرتبہ ایک ہرن کو پھندے میں پھنسا ہوا دیکھ کر اس کے پاس گئے۔ اس کے آگے گھاس چرنے کو ڈالی۔ شکاری بہت ناراض ہوا اور ان کو مارنے کے درپے ہوا۔ مگر گوتم نے اپنا وعظ سنایا تو وہ مع اپنے خاندان کے ان کا مرید بن گیا۔

بیسویں برس دیہات اور قصبات میں وعظ سناتے، چلیا کے جنگل میں ایک مشہور ڈاکو "انگولی مل" کو اپنے لطف وعنایت کے برتاؤ سے جادہ حق کی طرف لائے اور حلقہ ارادت میں

شامل ہونے کی رغبت دلائی۔

اکیسویں برس سے پینتالیسویں برس تک گوتم بدھ کے حالات بالکل پردہ گمنان میں ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ایک سال کے حالات دوسرے سال کے حالات سے ملتے جلتے ہیں۔ تذکرہ نویس نے ان مشابہ حالات کو احاطہ تحریر میں لانا پسند نہ کیا۔

گوتم بدھ عورتوں کی بہت تکریم کرتے تھے۔ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مستورات نے اس مذہب کے لئے اپنی جان و مال کو وقف کر دیا۔ فرقہ اناث میں سراوستی کی رہنے والی ایک عورت بشاکہ نے بہت شہرت حاصل کی۔ اس نے ایک سایہ دار کنج زاہدوں کو دیا۔ ان کی رہائش کے لئے قصبہ سراوستی کے مشرقی جانب ایک خانقاہ تعمیر کرائی۔

گوتم عام بازاری اور خانگی کسبیوں کی دعوتیں بھی قبول کر لیتے تھے۔

امبا پالی، کپل وستوا اور چند اور مقامات پر گوتم بدھ کسبیوں کے ہاں مدعو ہوئے۔ اس بات کا عوام میں بہت چرچا ہوا اور انہوں نے اس امر کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔ راج گرھی میں ایک خانگی کسبی شریمتی کی میت پر جا کر وعظ کیا اور تمام مجمع میں حیرانی کی لہر دوڑ گئی۔

## گوتم بدھ کا وعظ کرنے کا طریقہ:۔

گوتم بدھ کے وعظ کرنے کا طریقہ نرالا تھا۔ ذیل میں دو روائتیں درج کی جاتی ہیں

روایت ہے کہ ایک جوان لڑکی کا نام گوتمی تھا۔ اس کی شادی ایک امیر آدمی کے اکلوتے بیٹے سے ہوئی اس کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ بچہ ہی تھا کہ موت نے اسے اپنے آہنی پنجوں میں لے لیا۔ وہ جوان عورت بچہ کو سینے لگائے ہوئے ہر فقیر و درویش کے گھر گئی۔ ان سے دوا مانگتی جس سے اس کا بچہ زندہ ہو جائے۔ ایک درویش نے کہا میرے پاس دوائی تو نہیں ہے۔ ہاں میں تمہیں ایک درویش کا نام بتا سکتا ہوں جس کے پاس اس کا علاج ہے۔ اس عورت نے اس کا نام پوچھا تو درویش نے کہا: گوتم بدھ۔ وہ عورت گوتم بدھ کے پاس گئی تو بدھ نے کہا: ہاں میرے پاس اس کا علاج ہے۔ اس زمانہ میں یہ طریقہ تھا کہ جو مریض ہوتا تھا وہی طبیب کی مطلوبہ چیز بوٹی لاتا تھا۔ گوتم نے کہا کہ سرسوں کے دانے ایسے گھر سے لاؤ جس کا کوئی آدمی نہ مرا ہو۔ عورت گھر گھر جاتی۔ سرسوں کے دانے مانگتی اور پوچھتی: کیا ان کا کوئی آدمی مرا تو نہیں؟ ہر گھر سرسوں کے دانے دینے کو تو تیار ہو جاتا لیکن یہ بھی کہتا کہ اس کے گھرانے کے اتنے آدمی لقمہ اجل ہو چکے ہیں۔ جب اس عورت نے دیکھا کہ ہر انسان کی زندگی موت کے پنجہ میں اسیر ہے تب اس کے دل سے ظلمت کا پردہ چاک ہوا۔ اس نے اپنے بچہ کو جنگل دفن کیا اور گوتم بدھ کی خدمت میں حاضر ہو گئی۔ گوتم نے پوچھا کہ سرسوں کے دانے لائی ہو۔ عورت نے کہا سوامی جی سرسوں کے دانے تو ملتے ہیں لیکن کوئی گھر موت سے خالی نہیں۔ تب گوتم نے اپنے د

آغاز کیا اور کہا کہ ہر چیز فانی ہے۔ اس عورت کے دل پر گوتم بدھ کے خیالات ایسے مرتسم ہوئے کہ وہ
ہ فوراً حلقہ عقیدت میں شامل ہو گئی۔

دوسری روایت ہے کہ ایک مرتبہ کوئی متمول برہمن اپنے کھیت سے فصل کاٹ کر گھر آ رہا تھا
تم بدھ اپنی جھولی لے کر اس کے پاس جا کھڑا ہوا۔ برہمن جھنجلا کر بولا: میں قلبہ رانی کر کے تخم ریزی کرتا
ں اور بڑی محنت اور مشقت سے روزی کماتا ہوں تو بھی اسی طرح اپنی روزی کما۔ گوتم نے جواب
یا میں بھی قلبہ رانی اور تخم ریزی کرتا ہوں اور تیری طرح محنت کرتا ہوں اور اپنا رزق حاصل کرتا ہوں
ہمن۔ تو کہتا ہے کہ تم اپنے آپ کو کاشت کار کہتے ہو لیکن تمہارے پاس کاشت کاری کے آلات و سامان
ہیں ہے۔ بدھ نے جواب دیا: سنو! ایمان میرا تخم ہے جسے میں بوتا ہوں اور نیک کاموں کی بارش سرسبز
رشاداب کرتی ہے، عقل و حیا میرے ہل کے پرزے ہیں اور میرا دل اسے چلاتا ہے، مذہبی قانون میرے
کا دستہ ہے، شوق اور تجدد گی میرا پیغا ہے۔ محنت اور سعی میرے بیل ہیں اس قلبہ رانی سے مغالطے کے بیکار اور
در و پودے اکھاڑ پھینکتا ہوں اور جو فصل پیدا ہوتی ہے وہ نروان کے امرت پھل ہیں جن کے کھانے سے
م تکالیف اور مصائب دور ہوتے ہیں۔

**دیودت کی دشمنی** جیسا کہ میں پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ دیودت گوتم بدھ کا چچا زاد بھائی تھا۔ اس
کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ بودھ سے بھی بڑھ سکتا ہے اور برتر درجہ پا سکتا
، اس لئے اس نے گوتم بدھ سے اپنی یہ ہدایت ایک گروہ تشکیل کرنے کی اجازت چاہی اور یہ بھی
یز کی کہ اس گروہ میں داخل ہونے والوں پر ایسی قیود عائد کی جائیں جو گوتم بدھ کے اختیار کردہ قواعد سے
جہا سخت ہوں۔ راج گرہی کا بادشاہ اجات ستترو اس کا معاون تھا۔ بہت سے درویش اس کے پیروکار
ے۔ گوتم بدھ نے اس تجویز کو منظور نہ کیا، اور یہ بھی کہا۔ جو شرعی قیود کا جوا اپنی گردن میں رکھنا پسند کرے
کو اختیار ہے وہ آپ کے گروہ میں شامل ہو جائے۔ میرا کام تو صرف لوگوں کو راہ نجات دکھانا ہے۔
ب کے لئے ایک ہی آئین بنا دینا طالبات نجات کے لئے دشوار ہے، کیونکہ معاشرہ میں ہر قسم کے لوگ ہیں،
م کی قیود اور پابندی کا بوجھ اٹھا نہیں سکتے۔

دیودت نے گوتم سے علیحدگی اختیار کر کے ایک نیا گروہ بنا لیا اور لوگوں میں ٹھان لی کہ وہ گوتم اور
ں کے گروہ کو برباد کر دے گا۔ اس نے خود بادشاہ اجات ستترو کے ذریعہ چند آدمی متعین کر کے
تم بدھ کو مارنے کے لئے تین دفعہ کوشش کی، لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔
دیودت تو جلدی مر گیا لیکن شاہ اجات ستترو گوتم کا جانی دشمن بن گیا۔ اس نے سراوستی پر جو بدھ
ب کا صدر مقام تھا حملہ کر کے تباہی ڈالی اور کپل وستو کو بھی برباد کیا۔

گوتم بدھ چوالیسویں سال کا موسم برسات سراوستی گزار کر کدسکھر (قلعہ کرگس) کی طرف واپس

آئے۔ وہاں سے امباپلی کی طرف چلے۔ امباپلی سے گوتم بدھ نے بیلوگھنک پہنچ کر پینتالیسویں سال کی برسات گزاری۔ مگر اس سال سخت بیمار ہوگئے اور موت کے آثار نظر آنے لگے، درویشوں کو بلایا اور کہا: اے درویشو! آج سے تین ماہ بعد ہم اس فانی دنیا سے کوچ کر جائیں گے۔ میری یہی نصیحت ہے کہ تم ثابت قدم رہنا اور اپنی خواہشات نفسانی پر ضبط رکھنا، جو شخص اس قانون اور تربیت کی پوری پابندی کرے گا وہ فلاح اور طمانیت قلب کو پائے گا۔

بیماری سے ذرا افاقہ ہوا تو کشی نگر کی طرف روانہ ہوئے۔ پاوی پہنچ کر چندا زرگر نے دعوت کی گوتم کھانا کھانے سے فارغ ہو کر وہاں سے چل دیئے۔ دریائے گلگشت کے کنارے پہنچ کر انہیں قے اور پیاس محسوس ہوئی، اپنے مرید انند سے پانی منگوا کر پیاس بجھائی، ندی میں غسل کیا اور وہاں سے کشی نگر چل دیئے۔ وہاں پہنچ کر موت کے آثار نظر آنے لگے۔

مریدوں کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے کہ جب سے گوتم نے سنار چندا سے کھانا کھایا ہے اسی وقت سے بیمار ہوگئے ہیں، جب یہ الفاظ گوتم بدھ نے سنے تو اپنے پیارے مرید انند کو بلا کر کہا کہ میری موت کے بعد چندا سنار کے پاس جانا اور کہنا کہ گوتم کہتا تھا کہ اس کو کھانا کھلانے کا بدلہ اگلے جہان میں ملے گا اور کہنا کہ جن جن لوگوں نے کھانا کھلایا ہے ان میں سے دو شخصوں پر اس کی رحمت زیادہ ہوگی۔ ایک سوجات جس نے معرفت حقیقی حاصل ہونے سے قبل درخت دانش کے نیچے کھانا کھلایا تھا۔ اور دوسرا چندا جس نے موت سے پہلے کھانا کھلایا۔

گوتم درختوں کے جھنڈ کے نیچے بیٹھ گئے اور اپنی تجہیز و تکفین اور ان قواعد سے متعلق باتیں کر دیں جن پر ان کے مریدوں کا چلنا ضروری تھا۔ جب انند نے دیکھا کہ ان کا معلم ہمیشہ کے لئے ان سے جدا ہو رہا ہے تو وہ مارے غم کے بیہوش ہوا جاتا تھا اور رو رو کر اپنی آتش غم کو بجھانے کی کوشش کرنے لگا۔ جب گوتم بدھ نے انند کی اضطرابی کیفیت دیکھی تو بلا کر کہا: اے باصفا مرید! تم پر مجھ سے بہت قربت حاصل رہی ہے۔ اور تم ہمیشہ میرے فلسفہ پر ثابت قدم رہے ہو۔ اب بھی اسی فلسفہ کی پیروی کرنا تم دنیوی خواہشات اور قید جہالت سے رہائی حاصل کر لو گے۔

گوتم پھر دوسرے مریدوں کی طرف متوجہ ہوا اور ان کے سامنے اللہ کی صفات گنائیں۔

اب گوتم کی حالت خراب ہونے لگی۔ مریدوں نے تیمارداری میں اپنی محبت اور خلوص پیمانے انڈیل دیئے۔ تمام رات تیمارداری میں گزاری۔ نصف شب کے قریب ایک برہمن آنند نے استاد کی حالت خراب دیکھ کر ملاقات کی اجازت نہ دی۔ جب گوتم بدھ کو علم ہوا تو برہمن فلاں بلایا اور اس کے تمام سوالات سنے۔ گوتم نے کہا: اب مباحثہ کا وقت نہیں ہے، میں اپنا فلسفہ بیان ہوں اس کو غور سے سنیں، وہ آپ کی ہدایت کا موجب ہوگا۔ گوتم نے کہا: دیکھو برہمن! حقیقی

طہارت اور تقویٰ کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

برہمن کے چلے جانے کے بعد گوتم نے انند کو بلایا اور کہا: میرے بعد میرے مشن اور تعلیم کو لوگوں تک پہنچانا، اور اسی تعلیم کو اپنا مرشد اور معلم سمجھنا۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص چان نامی کے لئے سزا تجویز کی، جس نے کسی معاملہ میں بے جا کلمات اپنی زبان سے نکالے تھے۔ یہ گوتم کا آخری کام تھا۔

اس کے بعد گوتم بدھ ایک یا دو گھنٹے خاموش رہے۔ پھر مریدوں کو پاس بلایا اور کہا کہ اگر کسی کو میں شک و شبہ ہو تو دریافت کرلیں۔ لیکن سب کی زبانیں مارے غم کے گنگ تھیں اور آنسوؤں کے دریا بہہ رہے تھے۔

پھر تھوڑی سی دیر کے بعد کہا: اے درویشو! یاد رکھو دنیا کی کل اشیاء پر فنا آنے والی ہے اس لئے تمہیں چاہیئے کہ اپنے جذبات پر فتح پاکر حقیقی نجات حاصل کرو۔

یہ گوتم بدھ کے آخری الفاظ تھے۔ وہ اسی سال کی عمر ۴۸۰ ق م میں کسی نارا نامی مقام پر رگورکھپور کے علاقے میں اپنی سال گرہ کے دن انتقال کر گئے۔

## مریدوں میں گروہ بندی

گوتم بدھ نے مریدوں کو دو گروہ میں تقسیم کیا۔ پہلا گروہ درویشوں کا تھا اور دوسرا گروہ دنیا داروں کا، دونوں کو عمل کی تعلیم دی۔

درویشوں کے گروہ میں شامل ہونے کے لئے حسب ذیل شرائط تھیں۔

۱۔ وہ کسی متعدی مرض اور عوارض ذی نوائب میں مبتلا نہ ہو۔

۲۔ کسی کا غلام اور مقروض نہ ہو۔

۳۔ داخلہ سے قبل والدین کی رضامندی حاصل کرلی ہو۔

۴۔ داخلہ سے قبل سائل کو سر منڈوانا پڑتا تھا اور نارنجی رنگ کے کپڑے پہن کر گوشہ نشینی اختیار کرنا ہوتی تھی۔

۵۔ شراب نوشی کی قطعاً ممانعت تھی۔

۶۔ حصول رزق کے لئے در در پھرنا پڑتا۔ بھیک مانگنے کا طریقہ تھا کہ سائل دروازہ پر جاکر کھڑا ہوتا، گھر والے جھولی میں ڈال دیتے تو لے لیتا ورنہ آگے چلا جاتا۔ جب کھانے کے لئے کافی ہو جاتا تو قیام گاہ کو چلا جاتا۔

۷۔ صبح صادق سے قبل اٹھ کر خانقاہ میں جھاڑو دینا ہوتا تھا۔ پھر گوشہ میں جاکر قلب کی طہارت

کے لئے ذکرالٰہی میں مصروف ہونا ہوتا تھا۔

۸۔ خانقاہوں میں رہنا اور سادہ زندگی بسر کرنا ہوتی تھی۔

## درویشوں کے کام

درویشوں کے تین کام تھے۔

۱۔ علم حاصل کرنا۔

۲۔ دنیا داروں کو تعلیم دینا۔

۳۔ نجات کے حصول کے لئے محنت کرنا۔

## درویشوں کے مشاغل

درویش صبح صادق سے قبل اٹھتے، خانقاہ کو صاف کرتے اور پھر ذکرالٰہی سے قلب طہارت کرتے، تھوڑی دیر کے بعد جھولی اٹھا کر اپنے سرکردہ کے ہمراہ بھیک مانگنے کے لئے چلے جاتے۔ واپس آکر اس کے سامنے جھولی رکھ دیتے، پھر لکھنا پڑھنا شروع کر دیتے۔ اپنے استاد سے معرفت اور گیان کی باتیں دریافت کرتے، غروب آفتاب سے قبل دوبارہ خانقاہ کی صفائی کرتے اور چراغ روشن کرتے، بعد ازاں اپنے سرکردہ کی تعلیمات کی طرف رجوع کرتے۔ حلقہ گوتم پر غور و فکر کرتے، گھر گھر علم پھیلاتے اور انسانوں کو قلبی طہارت کی تلقین کرتے۔

## دنیا داروں کے کام

دنیا داروں کے تین کام تھے۔

۱۔ درویشوں سے علم سیکھنا

۲۔ فرائض خانہ داری کا ادا کرنا۔

۳۔ زاہدوں کی خورونوش کا بندوبست کرنا۔

## تعلیمات بدھ

گوتم بدھ نے دونوں گروہوں کے لئے علیحدہ علیحدہ تعلیم دی ہے، درویشوں کے گروہ کے لئے جو قانون منضبط کیا تھا وہ چھ حصوں میں منقسم ہے۔

۱۔ چار سرگرم مراقبے ۲۔ چار بلیغ کوششیں ۳۔ چار دینداری کے راستے ۴۔ پانچ اخلاقی طاقتیں ۵۔ سات دانشیں ۶۔ آٹھ اعلیٰ طریقے (بودھ ستس ۶۱-۶۳)

اب ان اصولوں کی تشریح کرتے ہیں۔

### ۱۔ چار سرگرم مراقبے

ا۔ پہلا مراقبہ جسمانی کثافت پر۔

ب۔ دوسرا مراقبہ پرجوش حس کی پیدا کی ہوئی برائیوں پر۔

ج۔ تیسرا مراقبہ خیالات کے عدم استقلال پر۔

(د) چوتھا مراقبہ ہستی کی حالتوں پر۔

۲۔ چار بلیغ کوششیں:

(ا) پہلی کوشش برائیوں کی پیدائش کو روکنے کے لئے۔

(ب) دوسری کوشش موجودہ برائیوں کو دور کرنے کے لئے۔

(ج) تیسری کوشش غیر موجود نیکی پیدا کرنے کے لئے۔

(د) چوتھی کوشش پیدا کی ہوئی نیکی کو ترقی دینے کے لئے۔

۳۔ چار دینداری کے راستے۔

(ا) دیندار بننے کی خواہش

(ب) دیندار بننے کے لئے ضروری جدوجہد۔

(ج) دیندار بننے کے لئے دل کی ضروری تیاری۔

(د) دیندار بننے کے لئے تحقیقات۔

۴۔ پانچ اخلاقی طاقتیں:

(ا) ایمان

(ب) ہمت

(ج) حافظہ

(د) تصور

(ہ) الہام (باطنی دانش)

۵۔ سات دانشیں:

(ا) ہمت

(ب) حافظہ

(ج) تصور

(د) تحقیقات کتب مقدس۔

(ہ) نشاط

(و) استراحت

(ز) سلیم الطبعی

۶۔ آٹھ اعلیٰ طریقے:

(ا) صدق و عقیدت

ب :۔ صدق ارادت
ج ۔ راست گوئی
د ۔ راست بازی
ہ ۔ حلال روزی
و ۔ عزم صمیم
ز ۔ سچی توجہ
ح ۔ صادق تصور

گوتم بدھ نے اس اعلیٰ اور ارفع ہشت پہلو راستہ کو دو انتہاؤں تن پروری اور تعذیب نفس کی درمیانی راہ قرار دیا ہے۔ ان دو حدوں سے الگ رہ کر انسان درمیانی راہ پر چل کر نوراز تک رسائی کر سکتا ہے۔ اسی کے فیض سے بصیرت، علم اور روشنی یعنی نروان پا سکتا ہے۔

یہ درمیانی راستہ چار خاص اصولوں سے نکالا گیا ہے، یعنی ۱۔ تکلیف ۲۔ اسباب تکلیف ۳۔ انسداد تکلیف ۴۔ طریقہ انسداد تکلیف۔

۱۔ انسانی زندگی دکھوں اور مصائب سے مملو ہے۔
۲۔ ان دکھوں کا سبب خواہشات ہیں۔
۳۔ خواہشات سے اپنے آپ کو بچایا جا سکتا ہے۔
۴۔ اس کے لئے نہ تو سخت ریاضت کی ضرورت اور نہ ہی عیش پرستی کی۔ بلکہ درمیانی راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔

بدھ فرماتے ہیں: اس طریق میں قدم رکھنے سے جملہ تکالیف کا خاتمہ ہوتا ہے۔ میں نے یہ طریقہ اس بات کو دریافت کر کے تلقین کیا ہے کہ پیکان غم کی کھٹک دل سے کیوں کر ہٹ سکتی ہے۔ تم کو خود اس معاملہ میں کوشش کرنی چاہیئے۔ بدھ صرف تعلیم و تلقین کرتے ہیں جو ہوش مند اس طریق میں قدم رکھتے ہیں وہ فریب دینے والوں کے دام تزویر سے آزاد ہو جاتے ہیں[1]

طریق مذکور میں چار مرحلے آتے ہیں۔

**پہلا مرحلہ:** جب چار ارفع اور اعلیٰ اصول تکلیف، اسباب تکلیف۔ انسداد تکلیف اور طریقہ انسداد تکلیف معلوم ہو جاتے ہیں تو وہ فلسفہ بدھ کا پیروکار ہو جاتا ہے۔

ان اصولوں کا علم حسب ذیل ذرائع سے ہوتا ہے۔

۱۔ نیکوں کی صحبت۔ ۲۔ قانون مذہبی کا سننا۔ ۳۔ محققانہ غور و خوض۔ ۴۔ نیکی کی مشق کرنا۔

---

[1] رہنمایان ہند مترجم بابو نوائن پرشاد ورما ص ۱۶۹ سنہ طباعت ۱۹۳۳ بار چہارم

**دوسرا مرحلہ:** جب انسان نفس امارہ اور غلط قسم کی دینی رسوم سے نجات حاصل کر لیتا ہے اس مرحلہ میں شہوانی جذبات اور مغالطہ کافی حد تک دور ہو جاتے ہیں۔

**تیسرا مرحلہ:** اس مرحلہ میں دل سے دنیاوی خواہشات کی میل اور نفس پرستی، حسد، بغض کافی حد تک دور ہو جاتا ہے اور شیطان کے پنجہ سے نجات حاصل کر چکتا ہے۔

**چوتھا مرحلہ:** یہ وہ مرحلہ ہے جب انسان کو مکمل طور پر گیان اور معرفت حاصل ہو جاتا ہے طمانیت قلب کی دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے اور دنیا کی تمام اشیاء سے مستغنی ہو جاتا ہے۔

## دنیا داروں کے واسطے دلپذیر اخلاقی نصائح

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ گوتم بدھ نے اپنے پیروکاروں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا۔ ایک دنیداروں کا گروہ تھا، دوسرا گروہ دنیاداروں کا گروہ۔ پہلے گروہ کے لئے جفاکشی اور ریاضت کے قواعد وضع کئے اور دوسرے گروہ کو اخلاقی نصائح دیئے۔

۱ کسی جانور کو قتل نہ کریں۔
۲ نہ خود چوری کریں اور نہ کسی کو چرانے دیں۔
۳۔ زناکاری نہ کریں۔
۴۔ ہر قسم کی دروغ گوئی سے اجتناب کریں۔
۵۔ مسکرات اور منشی اشیاء کے استعمال سے خود بھی پرہیز کریں اور دوسروں کو بھی شرابیں نہ پلائیں۔

دنیا داروں کے لئے حسب ذیل فرائض بیان فرمائے۔

### ۱۔ والدین اور اولاد کے فرائض

والدین کو چاہیئے کہ وہ اپنی اولاد کو

۱۔ برے کاموں سے بچائیں
۲۔ نیکی کرنا سکھائیں
۳۔ علوم و فنون کی تعلیم دلائیں
۴۔ لڑکوں کے لئے شریف بیویاں اور لڑکیوں کے لئے شریف شوہر تلاش کریں۔
۵۔ ورثہ اور ترکہ دیں۔

اولاد کے فرائض۔

۱۔ والدین کی مدد کریں۔

۲۔ ان کے لازمی فرائض خانہ داری ادا کریں۔
۳۔ ان کے مال واسباب کی حفاظت کریں۔
۴۔ ان کے نیک اعمال کی پیروی کریں تاکہ وہ والدین کے حقیقی جانشین ثابت ہوں۔
۵۔ ان کی وفات کے بعد بھی ان کی یاد تعظیم وتکریم سے کریں۔

## ۲۔ شاگرد اور استاد کے فرائض

شاگرد کے فرائض:

۱۔ شاگرد اپنے استادوں کی تعظیم وتوقیر کریں۔
۲۔ ان کے روبرو مودبانہ کھڑے ہوں۔
۳۔ ان کے نائب کی طرح کام کریں۔
۴۔ اس کے حکم کو مانیں۔
۵۔ ان کی حاجات کو رفع کریں۔
۶۔ ان کے پند ونصائح اور تعلیم پر پوری توجہ کریں۔

استاد کے فرائض

۱۔ شاگردوں کو ایسی تعلیم دیں جس سے ان کا علم دیرپا ہو۔
۲۔ اچھی باتیں سکھائیں۔
۳۔ انہیں عقل وشعور کی تعلیم دیں۔
۴۔ ان کے اور ان کے احباب اور اعزہ واقارب کے ساتھ شفقت سے پیش آئیں۔
۵۔ انہیں خطرہ سے محفوظ رکھیں۔

## ۳۔ شوہر اور زن کے فرائض

شوہر کے فرائض

۱۔ بیوی سے عزت کے ساتھ پیش آئے۔
۲۔ اس کے ساتھ ثابت قدم رہے۔
۳۔ اس پر مہربانی رکھے۔
۴۔ دوسروں سے عزت کرائے۔
۵۔ مناسب کپڑے اور زیورات دے۔

بیوی کے فرائض

۱۔ امور خانہ داری کو بہتر طور پر سرانجام دے۔

۲۔ خاوند کے رشتہ داروں کی عزت اور مہمان داری کرے۔
۳۔ خاوند کی عدم موجودگی میں اپنی عصمت کی حفاظت کرے۔
۴۔ کفایت شعاری سے کام لے۔
۵۔ تمام کام عقل اور ہوشیاری سے سرانجام دے۔

## ۴۔ دوستوں کے فرائض

۱۔ ان کو تحائف اور ہدیہ دے۔
۲۔ شائستگی کے ساتھ بات چیت کرے۔
۳۔ ان کی اغراض اور دلچسپی کو بڑھاتا رہے۔
۴۔ برابری کا سلوک کرے۔
۵۔ اپنی خوشی میں ان کو شریک کرے۔
۶۔ دوست کی عدم موجودگی میں اس کے مال واسباب اور گھر بار کی نگرانی کرے۔
۷۔ خطرہ کی حالت میں اس کو پناہ دے۔
۸۔ عزت اور برے دنوں میں اس کا ساتھ دے۔
۹۔ اس کے اہل وعیال کے ساتھ مہربانی کے ساتھ پیش آئے۔
۱۰۔ تنہائی میں اسکی حفاظت کرے۔

## ۵۔ آقا اور ملازمین کے فرائض

### آقا کے فرائض

۱۔ ملازمین کی طاقت کے مطابق ان سے کام کروائے۔
۲۔ ان کو مناسب کھانا اور مزدوری دے۔
۳۔ لطف وکرم کے ساتھ پیش آئے۔
۴۔ کاموں میں ان کا ہاتھ بٹائے۔
۵۔ کبھی کبھی انہیں تعطیل دے دیا کرے۔

### ملازمین کے فرائض

۱۔ آقا کی دل وجان سے تعظیم کریں، جب آقا آئے تو کھڑے ہو جائیں۔
۲۔ اس کے استراحت فرمانے کے بعد سونے کو جائیں۔
۳۔ آقا جو کچھ دے اسی پر قناعت کرلیں۔
۴۔ خندہ پیشانی سے ٹھیک ٹھیک کام کریں۔

۵۔ آقا کو اچھے کلمات سے یاد کریں۔

## ۶۔ دنیاداروں اور دینداروں کے فرائض

۱۔ دنیادار دینداروں کی محبت کے ساتھ اطاعت وعزت کریں۔

۲۔ ان کی ضرورتوں کو رفع کریں۔

دینداروں کے فرائض

۱۔ نیک کاموں کی ہدایت کریں۔

۲۔ برے کاموں سے روکیں۔

۳۔ انہیں مذہب کی تعلیم دیں۔

۴۔ ان کے شکوک رفع کریں۔

۵۔ انہیں حقیقی نجات کا راستہ دکھائیں۔

۶۔ ان پر مہربانی کی نظر رکھیں۔

## بدھ مت کی تعلیم کا مرکزی نقطہ

بدھ کی تعلیم کا مرکزی نقطہ نروان کا حصول ہے گوتم بدھ کے نزدیک ہر برائی کی جڑ خواہش نفسانی ہے۔ جب انسان خواہشات نفسانی کی سرکش اونٹنی کو طاعت الٰہی کی چھری سے ذبح کر دیتا ہے اور اپنے آپ کو اللہ کی صفات میں رنگین کر لیتا ہے۔ تو اس وقت اس کی روح اللہ کی روح سے اتصال کر جاتی ہے گوتم بدھ اس حالت کا نام نروان رکھتا ہے۔

# گوتم بدھ کا خدا، روح، فرشتے، قیامت اور حیات بعد الموت کے متعلق عقیدہ

گوتم بدھ کے متعلق عام طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ وہ خدا، روح، فرشتوں قیامت اور حیات بعد الموت کے عقیدہ کے منکر ہیں۔ یہ خیال حقائق کی روشنی میں بالکل بے بنیاد اور غلط ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ گوتم بدھ نے ویدک دھرم کے تصور خدا اور

روح کا انکار کیا ہے۔ ویدک دھرم میں روح کو ازلی، ابدی اور غیر متغیر مانا جاتا ہے اور خدا کو ہمہ اوست تصور کیا جاتا ہے۔ بدھ ان نظریات کا مخالف تھا۔

اس خیال کی تردید بدھ مت کی کتب اور اشوک کے کتبات کی روشنی میں کی جائے گی۔ اشوک کے کتبات گوتم بدھ کی اصلی تعلیم کو معلوم کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔

## خدا کے متعلق گوتم بدھ کا عقیدہ

جب گوتم بدھ کو درخت دانش کے نیچے بدھ کا رتبہ ملا، تو وہ پکار اُٹھے :۔

"اے کالبد خاکی کے بنانے والے! جب تک میں نے تجھے نہیں پایا تھا، مجھے بہت سی حیات و ممات میں گزرنا پڑتا تھا اور وہ سب درد انگیز حالتیں تھیں۔ مگر اب میں نے تجھے دیکھ لیا ہے، مجھے امید ہے تو اس کالبد خاکی کو پھر نہ بنائے گا۔ دل نے دولت نروان حاصل کی۔ تمام خواہشیں فنا ہوگئیں۔" (دھرم پد ۵-۱۵۳)

پرنسپ جو کہ اشوک کے کتبوں کا پہلا پڑھنے والا محقق ہے۔ جب ستونی کتبہ ہفتم اور دھولی کتبہ دستیاب ہوئے تو ان کتبوں میں تین جگہ ایسانا (ISANA) کا ذکر آتا ہے، جس کے معنی ایشور کے ہیں۔ پرنسپ نے واضح طور پر ایسانا پڑھ کر اس کے معنی خدا کے لئے ہیں۔ اس نے کتبہ دھولی کو یوں پڑھا:۔

"خدا (ایسانا) پر ایمان لاؤ اور اس کی ہستی کا اقرار کرو۔ کیونکہ وہی اس بات کا سزاوار ہے کہ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جائے" (دھولی کا پہلا کتبہ)

آرتھر لی اپنی کتاب "BUDDISM IN CHRISTENDOM" میں یہ اقتباس دینے کے بعد لکھتا ہے کہ اشوک کے وقت کے برہمن خدا تعالیٰ کو ایسانا کہتے تھے (صفحہ ۲۱۹)

ایک دفعہ گوتم بدھ نے فرمایا: "جب کوئی حق کو قبول کرے۔ پاک صاف زندگی گزارے بے حد محبت بھرا دل رکھتا ہو، جو سب تک بلا تفریق پہنچے۔ وہی برہما کے وصال کو حاصل کرنے کے قریب ہے۔ وہ موت کے بعد جب جسم فنا ہو جائے گا برہما سے جا ملے گا، جو ہمیشہ یکساں ہے" (تیوی جا ستا TEVI JJA SUTTA)

ایک اور حوالہ ہے۔ کسی نے بدھ سے پوچھا: کیا آپ برہما کے دیش کو جانتے ہیں؟ جواب دیا: "ہاں برہما کو میں جانتا ہوں۔ دیسیٹھا (VASETTHA) یعنی برہما کے دیش اور اس تک پہنچنے کی راہ مجھے معلوم ہے، بالکل ایسے جس طرح کوئی خود اس میں داخل ہو چکا ہو اور اس کو لے کر پیدا ہوا۔

برہما اپنشدوں میں خدائے واحد و برحق کا نام ہے۔

## رُوح کے متعلق عقیدہ

گوتم بدھ روح کے تغیر پذیر اور بقا کا عقیدہ رکھتے تھے۔ شردھے پرکاش دیوجی لکھتے ہیں: "جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے جسم کی مثال جو کہ عناصر ہیں خلط ملط ہو جاتا ہے، اس مہمان کی سی ہے۔ جو میزبان سے رخصت ہوتے وقت اس کے گھر کے تعلقات کو زمانہ گزشتہ کی بات سمجھ کر وہیں چھوڑ جاتا ہے۔ لیکن اس کا آتمار (روح) نہیں مرتا، بلکہ ایک اعلیٰ زندگی پاتا ہے جس میں تمام رشتوں کی اصطلاحیں ختم ہو جاتی ہیں۔" (بدھ دیوجی کی سوانح عمری حصہ سوئم)

پوٹھا پاد اسے مکالمہ میں گوتم نے فرمایا: "روح اور انسانی ضمیر بالکل الگ الگ ہیں۔" (مکالمات بدھ صـ۲۵۳)

تے دگا سُتا میں لکھا ہے:۔

"میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ یہ لوگ ویدوں کو خواہ کتنا ہی پڑھیں لیکن وہ تمام خوبیاں اور کام جن کے باعث کوئی شخص حقیقی برہمن کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔ ان میں نہیں پائے جاتے۔ . . . . . یہ کب ممکن ہے کہ ان کا آتما (روح) جو موہ کے جال میں پھنسا ہوا ہے۔ اس جسم کو چھوڑ دینے کے بعد برہمہ کے ساتھ مل جائے گا۔" آگے فرمایا: "میں چونکہ برہمہ کو جانتا ہوں اور اس کی بادشاہت میں بسا ہوا ہوں۔ اس لئے اس کے وصال کا راستہ میرے سوا کوئی نہیں بتا سکتا۔" (مکالمات بدھ از رائس ڈیوڈس)

گوتم بدھ اپنے ایک شاگرد کے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:۔

"ہاں حقیقت میں ایک ایسا آنند دھام اور سورگ موجود ہے۔ مگر وہ ملک روحانی ہے اور ان کو ہی نصیب ہوتا ہے جو لوگ روحانی ہیں۔ تمہارا بیان تو بہت اچھا ہے۔ لیکن آنند دھام کے جلال کو پورے طور سے ظاہر کرنے کے لئے کافی نہیں۔ دنیا کے لوگ اس کا دنیاوی طور پر ذکر کرتے اور دنیوی استعارے اور الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ لیکن وہ پوتر مجومی جس میں پوتر آتما (مقدس روح) رہتے ہیں۔ اس قدر اعلیٰ اور خوبصورت ہے کہ جس کو تم اپنے گیان میں بھی نہیں لا سکتے اور نہ اس کو بیان کر سکتے ہو۔ اس پوتر بھومی میں وہی پہنچ سکتا ہے جس کا آتما راستی کی لامحدود جوت سے پُر ہو گیا ہے۔" (بدھ دیوجی کی سوانح عمری حصہ دوم صـ۱۶۲-۱۶۴)

## فرشتوں کے متعلق عقیدہ

اشوک دیوتاؤں یعنی فرشتوں کا قائل تھا۔ بدھ لٹریچر میں دیوتاؤں کا ذکر اکثر

آتا ہے۔" کی وِدھاُستا" میں ہے کہ سمُوت اعلیٰ علیین تک دیوتاؤں سے معمور ہیں سب سے اُوپر برہما کا عرش اور اس کے دیوتا ہیں۔" (مکالمات بدھ صفحہ ۲۰۱-۲۰۲)

بدھ صحیفہ میں لکھا ہے کہ ایک سورگی دیوتا جس کا چہرہ روشن اور لباس برف کی مانند سفید تھا۔ ایک برہمن کی شکل میں گوتم کے پاس آیا اور اخلاقیات کے متعلق چند سوال کئے۔ جواب شافی پاکر سلام کیا اور غائب ہوگیا۔ (بدھ دیو جی کی سوانح عمری حصہ سوم صفحہ ۴۷ از شرت چندر پرکاش دیو جی)

ایڈورڈ کونز جو کہ بدھ لٹریچر کا مسلمہ عالم ہے وہ کہتا ہے کہ بدھ لٹریچر میں دیوتاؤں کو ہندو میتھالوجی کے مطابق نہیں مانا گیا بلکہ فرشتوں کا درجہ دیا گیا ہے۔ گوتم بدھ یہ بھی مانتے ہیں کہ سادھو پُرش یعنی مقدس لوگ ترقی کرکے دیوتا بن جاتے ہیں۔

اشوک اپنے چھوٹے سنگی کتبہ میں کہتا ہے :-

"میرے مذہب میں پورے جوش و خروش سے کام کرنے کی وجہ سے میری مملکت کے طول و عرض میں وہ لوگ جو دیوتاؤں سے اپنا تعلق توڑ چکے تھے دوبارہ انہوں نے دیوتاؤں سے اپنا تعلق جوڑ لیا۔ یہ سعی و کاوش اور جد و جہد کا ثمرہ ہے۔"

## قیامت کے متعلق عقیدہ

اشوک قیامت کا قائل تھا۔ سنگی کتبہ چہارم میں لکھا ہے :-

"بادشاہ کے بیٹے، پوتے اور پروتے بھی دھرم کی پابندی کو تا قیامت ترقی دیتے رہیں گے"

"میری اولاد اور جانشین اگر تا قیامت میرا اتباع کریں تو وہ قابل ستائش کام کریں گے۔ لیکن جو اس فرض کا ایک جزو بھی ترک کر دے گا، وہ فعل قبیح کا مرتکب ہوگا۔" سنگی کتبہ پنجم

## حیات بعد الموت

اشوک کے دریافت یافتہ کتبوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اشوک حیات بعد الموت کا قائل تھا۔ سنگی کتبہ میں اشوک کہتا ہے :-

"میں اپنی مساعی سے اور اپنے کام کی رفتار سے کبھی مطمئن نہیں رہتا، کیونکہ میں ساری دنیا کی خبر گیری (بھلائی) اپنے لئے مقدس فرض سمجھتا ہوں تاکہ میں کچھ لوگوں کے لئے اس دنیا میں خوشی کا باعث بن سکوں اور تاکہ لوگ دوسری دنیا میں بہشت حاصل کر سکیں۔"

سنگی کتبہ دہم میں لکھا ہے :-

"میری جتنی مساعی ہیں وہ عقبیٰ کیلئے وقف ہیں تاکہ لوگ قید گناہ سے آزاد ہو جائیں"۔

تیرھویں چٹانی کتبہ میں لکھا ہے :-

"یہ فتح جو حاصل ہوئی ہے۔ ہر جگہ محبت کی فتح کہلائے گی اور یہ محبت دھرم کی فتح کے ذریعے سے حاصل ہوئی ہے۔ بادشاہ کی رائے میں وہ محبت بہت اہم ہے جو آخرت میں کام آئے۔ اس فتح کو سچی فتح سمجھنا چاہیئے جو دھرم کے ذریعے حاصل ہو۔ ایسی فتح سے دنیا اور عاقبت دونوں سدھر جاتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ لوگ ریاضت سے محبت کریں کیونکہ اس سے دنیا و عقبیٰ دونوں میں فائدہ ہے"۔

کتبہ نہم (کانسی) میں لکھا ہے۔

"عام رسومات اور تقریبات اسی دنیا میں ختم ہو جاتی ہیں۔ لیکن دھرما کے طور و طریق وقت کی قید سے آزاد ہیں۔ اگر کوئی شخص اس دنیا میں دھرما کی غایت کو حاصل نہ کر سکے تو کوئی بات نہیں، آنے والی دنیا اسے غیر منقطع انعام سے نوازے گی۔ لیکن اگر کوئی اس غرض و غایت کو اس دنیا میں بھی پایا جاتا ہے تو ہم خرما و ہم ثواب وہ اس دنیا میں ہی کعبہ مقصود تک پہنچ گیا اور دھرما کے آئین کی وجہ سے آخرت میں بھی وہ بے پایاں انعام کا پانے والا ہوگا"۔

ڈاکٹر رادھا کمود مکرجی ایم اے اپنی کتاب "اشوکا" میں لکھتے ہیں:

"اشوک کے مذہب میں سے ایک عقیدہ آخرت (پرلوک) کے بارے میں تھا۔ جس کا بار بار اس کے کتبوں میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا اس بات پر بھی اعتقاد تھا کہ آئندہ جہان میں "سورگ" یا خوشی و طمانیت اس دنیا میں "دھرما" پر عمل کرنے کے باعث ہی مل سکتی ہے۔ وہ بہشت کو ابدی خیال کرتا تھا۔ اور نتیجۃً روح کو غیر فانی (چنانچہ وہ گیارہویں چٹانی فرمان میں اس امر کو "ایتم تم پوتم پرا سادتی، یعنی غیر منقطع روحانی انعام" کے الفاظ میں بیان کرتا ہے) بیان کردہ قدروں کے مطابق اشوک آئندہ جہان کو انتہائی نقطۂ عروج اور زندگی کا مقصد سمجھتا تھا"۔

پھر لکھتے ہیں :-

"اشوک چونکہ سورگ پر اعتقاد رکھتا تھا، اس لئے وہ چٹانی کتبہ چہارم میں موت کے بعد ملنے والی روحانی نعمار کا نقشہ کھینچتا ہے اور یوں وہ لوگوں کو نیکی کی ترغیب دیتا ہے" (صہ ۵)

ڈاکٹر مکرجی نے گوتم بدھ کا بھی ایک حوالہ دیا ہے۔ یہ بتانے کے لئے کہ اس بارہ میں اشوک کا وہی عقیدہ تھا جو گوتم بدھ کا تھا۔ گوتم بدھ کہتے ہیں:

"ایک نیکوکار ہستی آئندہ جہان میں ایک دیوتا کی شکل میں جنم لے گا۔" (مجھم نکائے)
رائس ڈیوڈس مکالمات بدھ میں لکھتا ہے:۔
"کوتاونتا ستا میں لکھا ہے کہ حقیقی قربانی کرنے والا شخص جسم کے چھوڑنے کے بعد فردوس بریں میں بحالت مسرت دوبارہ جنم لے گا۔" (مکالمات بدھ از رائس ڈیوڈس صفحہ ۱۸۱)

## تناسخ یا کرم کے متعلق عقیدہ

موجودہ بدھ مت کا ہندوازم سے متاثر ہو کر یہ عقیدہ ہے کہ ہر روح کو نروان حاصل کرنے کیلئے تناسخ کے چکر میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اشوک اس عقیدہ کا قائل نہیں تھا۔ وہ نروان حاصل کرنے کیلئے عبادت، روزہ، خیرات اور اعمال صالحہ کو ضروری خیال کرتا تھا۔
ڈاکٹر رادھا کمود مکرجی لکھتے ہیں:۔
"اشوک اپنے ستونی فرمان چہارم میں گناہوں کی بخشش کے متعلق اپنے عقیدہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ ایسے مجرم جن کو موت کی سزا دی جا چکی ہو وہ روزہ رکھ کر اگلی دنیا میں خوشی و مسرت حاصل کر سکتے ہیں۔" (اشوکا صفحہ ۷۵)
چنانچہ اشوک ستونی کتبہ چہارم میں کہتا ہے:۔
"میں نے یہ بھی حکم دے دیا ہے کہ ایسے مجرموں کو جنہیں سزائے موت دی گئی ہے۔ تین دن کی مہلت دی جائے۔ اس مدت میں یا تو ان کے اعزہ راج یوگوں سے رحم کی درخواست کر کے ان کی سزا معاف کرا لیں یا وہ روحانی موت سے بچنے کے لئے خیرات کریں گے اور روزے رکھ رکھ کر عقبیٰ کے لئے تیار ہوں گے۔ میری خواہش ہے کہ قید کی حالت میں بھی وہ آخرت سدھارنے کی کوشش کریں اور میری تمنا ہے کہ میری رعایا مذہبی امور کی پابندی ضبط نفس اور سخاوت ترقی کرے۔"
سنگی کتبہ دہم میں بادشاہ کہتا ہے:۔
"دیوتاؤں کے محبوب بادشاہ کی جتنی مساعی ہیں وہ آخرت کے لئے ہیں تاکہ بہت سے لوگ اس قید سے آزاد ہو جائیں جسے گناہ کہتے ہیں۔ مگر یہ امر امراء و غرباء دونوں کیلئے مشکل ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ سخت ریاضت کریں۔"
اسی کتبہ میں لکھا ہے:۔
"دھرم کی نعمت لاثانی ہے۔ یعنی دھرم پہچاننا ..... دھرم میں حصہ لینا اور دھرم کو اپنانا اس سے بڑھ کر کوئی قابل قدر چیز نہیں۔ جو شخص ان تمام امور کو بجا لاتا ہے وہ

اس دنیا میں آسودہ رہتا ہے اور آخرت میں بے پایاں روحانی مدارج دھرم کی نعمت کی بدولت حاصل کرتا ہے۔"

ستونی کتبہ اوّل میں لکھا ہے:۔

دھرم کی شدید محبت بے انتہا معرفت نفس عظیم اطاعت شدید تقویٰ اور بے پایاں قوت عمل کے بغیر دنیا اور عقبیٰ کا حاصل کرنا سخت مشکل ہے۔"

کتبات کی ان عبارتوں کی روشنی میں موجودہ بدھ مت کا عقیدہ تناسخ باطل ہو جاتا ہے۔ اشوک کے نزدیک نروان کے حاصل کرنے کا ذریعہ عبادت، اعمال صالحہ، روزہ اور خیرات ہیں۔ یہی وہ تعلیم ہے جو گوتم بدھ کی تھی۔

## بُدھ مت کی مقبولیت کا راز

۱۔ بدھ ایک شاہی خاندان کا فرد تھا۔ معاشرہ کو صحیح خطوط پر چلانے کے لئے وہ خود میدان عمل میں آیا۔ گدائی اختیار کی۔ لوگوں کے دکھوں میں شریک ہُوا۔ ان کی ذہنی پستیوں کو دور کرنے کیلئے ہمت بندھائی۔ شاہی خاندان کا فرد ہونا، پھر خود عالم باعمل ہو کر لوگوں کو صراطِ مستقیم کی طرف بلانا عوام میں مقبولیت کا ایک بڑا سبب ہے۔

۲۔ بدھ نے جس وقت اصلاح کا بیڑا اٹھایا تھا، اس وقت تمام ہندوستانی معاشرہ ذات پات کی لعنت کے نیچے دبا ہُوا تھا۔ برہمن باوجود بداعمالیوں کے ایک مقدس وجود تصور کیا جاتا تھا۔ شودر باوجود نیک ہونے کے معاشرہ میں دھتکارا ہُوا خیال کیا جاتا تھا۔ وہ ہر قسم کے ظلم و ستم کا نشانہ بنا ہُوا تھا۔ قانون میں اس کی کوئی دادرسی نہ تھی۔

عورت کی بھی کوئی قدر و منزلت نہ تھی۔ لڑکی کی پیدائش بدشگون خیال کی جاتی تھی اور لڑکے کو آسمانی نور سمجھا جاتا تھا۔

گوتم ہندوستان کے پہلے مذہبی راہنما ہیں۔ جس نے ذات پات کی تقسیم کے خلاف اور عورت کی عزت کو برقرار کرنے کے لئے آواز اٹھائی اور ایسے مذہب کی بنیاد ڈالی جس میں ہر ذات کا آدمی اور عورتیں شامل ہو سکتی ہیں اور ان کے برابر حقوق تھے اور یہ اعلان کیا کہ "آدمی اپنے اعمال سے برہمن ہوتا ہے، پیدائش نہیں۔ حسب نسب، پیدائش اور رسّیں رکھنے سے کوئی برہمن نہیں ہوتا بلکہ برہمن وہ ہے جو راست کار ہو۔ وہی مبارک اور سعادت مند ہے۔" (دھم پد)

۳۔ ہندوستان میں مکتی حاصل کرنے کے لئے بے معنی تپسیاؤں اور سخت قسم کی ریاضتوں کا

رواج تھا۔ ہندوستان کے جنگل بے شمار سادھوؤں سے اٹے پڑے تھے، جو نروان حاصل کرنے کے لئے اپنے جسموں کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے تھے۔ پہلے گوتم نے خود بھی ان ریاضتوں پر عمل کیا، لیکن حقیقی نروان حاصل نہ کرسکا۔ آخرکار نورِ قلب حاصل کرنے کے لئے ان بے معنی ریاضتوں کو ترک کیا اور ایسا راستہ اختیار کیا۔ جس سے نفسانی خواہشات جو دکھوں اور مصیبتوں کا ذریعہ ہیں مٹ سکیں۔ جس راستہ پر گوتم خود چلے اور دوسروں کو چلنے کی تلقین کی، اس پر پہلے بحث ہوچکی ہے، یہ درمیانی راستہ تھا۔ اس راستہ پر چلنے سے نہ تو اس وقت کی مروجہ ریاضتوں میں گزرنا پڑتا تھا اور نہ اتنی سہولت اور تن آسانی تھی کہ آدمی کو اپنی خواہشات ختم کرنے کے لئے کسی قسم کی قربانی نہ کرنی پڑے۔

۴۔ گوتم بدھ کی بعثت سے قبل تمام ہندوستان ظاہری رسومات اور مابعد الطبیعاتی نظریات کی موشگافیوں میں الجھا ہوا تھا۔ مقدس گنگا میں ایک اشنان تمام گناہوں کے دھونے کے لئے کافی خیال کیا جاتا تھا۔ سینکڑوں مقدس مقامات کی زیارت کیلئے ہر قدم بھگوان اور مکتی کو قریب لانے کا ذریعہ خیال کیا جاتا تھا۔

گوتم بدھ نے ان ظاہری رسوم اور مابعد الطبیعاتی نظریات کی الجھنوں سے نکال کر ایک ایسی سیدھی سادی اخلاقی تعلیم پیش کی، جس کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا آسان تھا۔

۵۔ بدھ مذہب کی کامیابی کا ایک بڑا سبب اس وقت کے امراء اور راجوں کا اس مذہب کو قبول کرلینا ہے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ مذہب کی اشاعت اور ترویج میں سیاسی طاقت کو بھی کافی دخل ہے۔ حکومت رومی میں جس وقت قسطنطین نے عیسائی مذہب قبول کیا۔ اس وقت عیسائیت تمام ملک میں پھیل گئی۔

## بدھ مذہب کی تعلیمات کی تدوین

بدھ مذہب کی موجودہ تعلیمات چھٹی قبل مسیح سے دوسری صدی عیسوی تک مرتب ہوتی رہیں۔ اس دوران میں چار مجالس منعقد ہوئیں۔ جن میں باہمی غور و خوض اور نظر و فکر کے بعد تعلیمات کو مرتب کیا گیا۔

**پہلی مجلس** گوتم بدھ کی وفات کے فوراً بعد راج گڑھ کے مقام پر پانچ سو راہنماؤں کی ایک مجلس منعقد ہوئی تاوہ گوتم بدھ کی تعلیمات اور عقائد کو مرتب کیا جائے اس میں سے تین شاگرد منتخب کئے گئے تاکہ وہ گوتم بدھ کی تعلیمات ضبطِ تحریر میں لائیں۔ اپامی نے

رسوم و اخلاق سے متعلق حصہ کو منضبط کیا۔ انند نے معتقدات کے متعلق گوتم کے ارشادات کو پیش کیا۔ تیسرے نے ضابطہ زندگی سے متعلق تعلیم کو بیان کیا۔

اکثر جدید محققین اس مجلس کے انعقاد کو مشکوک گردانتے ہیں۔ اختلاف کے بارہ میں اگسٹ کارل ریشاور (AUGUST KARL REISHAWAR) کہتا ہے:-

"یہ بات تعجب خیز نہیں کہ گوتم بدھ کی وفات کے بعد اس کے پیرو باہم اپنے ہادی کی تعلیمات کے بارے میں مختلف الخیال ہو گئے روایات کے مطابق ان امور کو طے کرنے کے لئے بڑی کونسلیں منعقد ہوئیں"[1]

**دوسری مجلس** گوتم بدھ کی وفات سے ایک سو سال بعد ڈیسائی کے مقام پر منعقد ہوئی تاکہ بدھوں کے مختلف فرقوں کے متضاد رسوم اور عبادات کو دور کیا جائے۔ چنانچہ دس نکات طے کئے گئے لیکن مقدس پاشا نے ان کو ناجائز قرار دیا، جس پر اس کو برادری سے خارج کر دیا گیا۔ لیکن اس نے بعض بڑے راہبوں کے اتفاق رائے سے ان دس اصولوں کو غلط قرار دیا۔

**تیسری مجلس** تیسری مجلس ۲۴۲ ق م میں اشوک نے اپنے جلوس سے انیس سال بعد پاٹلی پتر میں طلب کی، تاکہ فرقہ وارانہ اختلاف کو دور کیا جا سکے۔ اس کی صدارت مگالی پتہ تسّا نے کی، جس کو شمالی تصانیف میں اُپاگپت کہا گیا ہے۔ کونسل کے اجلاس کے بعد بدھ مذہب کی اشاعت کے لئے تبلیغی کوششیں تیز تر ہو گئیں۔ ہند کے مختلف حصوں اور ہمسایہ ریاستوں میں مبلغ بھیجے گئے۔

اس مجلس نے ساٹھ ہزار بھکشوؤں کو الحاد کے الزام میں مت سے خارج کر دیا[2]

**چوتھی مجلس** راجہ کنشک کے عہد میں اس کی زیر سرپرستی ایک مجلس منعقد ہوئی۔ راجہ کنشک سن عیسوی کی پہلی صدی کے اختتام پر سندھ، کابل، کشمیر قندھار وغیرہ کا حکمران بنایا جاتا ہے۔ اس مجلس کے انعقاد کا مقصد یہ تھا کہ بدھ مذہب کے اصولوں کے صحیح مطالب بیان کئے جائیں۔

---

۱۔ THE GREAT RELIGIONS OF THE MODERN WORLD P. 106

۲۔ THE GREAT RELIGIONS OF THE MODERN WORLD By REV. J. FREEMAN

کونسل کے مقام کے متعلق دو مختلف روایات ہیں۔ ایک روایت کے مطابق فیروزپور میں اور دوسری کے مطابق کشمیر میں منعقد ہوئی۔ یہ مجلس واسومترا کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ اس نے متنازعہ فیہ مسائل پر قابل وثوق فیصلے دیئے۔ اس میں تقریباً پانچ سو علمانے حصہ لیا۔ اس مباحث کے نتائج کو تانبے کے ٹکڑوں پر کندہ کرا کر ایک اسٹوپہ میں دفن کر دیا گیا، جو اسی غرض کے لئے تعمیر کیا گیا تھا۔

## بدھ مذہب کی کتب

یہ ایک مسلّمہ حقیقت کہ بدھ نے اپنے پیچھے کوئی لکھی ہوئی کتابیں نہیں چھوڑیں۔ مسٹر وارڈ لکھتا ہے۔ "THE BUDHA (LIKE JESUS) LEFT BEHIND HIM NO WRITTEN WORKS"

یعنی بدھ نے حضرت یسوع کی طرح اپنے پیچھے کوئی تحریری ضابطہ نہیں چھوڑا۔

باوجود اس تاکید کے جو بدھ نے اپنے شاگردوں کو کی تھی: "سیکھو جو کہا گیا ہے، اسے مضبوط پکڑلو، دل میں اس کو بٹھالو۔" (مجھمہ ۲: ۱۹۹)

بدھوں کا یہ عقیدہ ہے کہ بدھ کے شاگردوں نے اپنے استاد کے ملفوظات اور تقاریر کو ازبر یاد کر لیا اور پھر مندرجہ بالا حکم کی بنا پر نہایت دیانت داری سے دوسروں کو پہنچا دیا۔ اگر الفاظ یاد نہیں رہے تو مفہوم ان کے حافظوں میں ضرور محفوظ رہا ہے۔

مختلف اوقات میں جو مجلسیں منعقد ہوئیں اور بدھ مت کے فرقوں کے اصولی اختلافات اس امر پر بین ثبوت ہیں کہ زبانی روایات میں تحریف و تبدل ضرور ہوا ہے۔

بدھ مذہب کے صحیفے اس کی وفات کے صدیوں بعد مرتب ہوئے۔ اس کی وجہ سے یہ کہنا مشکل ہے کہ جو باتیں ان صحائف میں درج ہیں وہ گوتم بدھ کی کہی ہوئی ہیں یا نہیں۔ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ دونوں فرقے جن کی کتب گوتم کی طرف منسوب کی جاتی ہیں، سراسر مختلف ہیں۔

**ہنائنا (HYNAYANA) فرقہ کی کتب** ہنائنا فرقہ کے تمام بنیادی اصول اور عقیدے شاید تیسری کونسل میں طے ہو گئے تھے لیکن یہ بھی دو صدی بعد تک لکھے نہ گئے تھے۔ یعنی بدھ کی وفات کے تقریباً چار سو پچاس سال سے زیادہ عرصہ بعد یہ پالی زبان میں لکھے گئے تھے۔ یہ تی پتاکا (PITAKA) یا تر پتاکا (تین ٹوکرے) پر مشتمل ہیں۔ ان کے الگ الگ نام ہیں:۔

۱۔ ونیہ پتاکا (VINAYA PITAKA) جس میں وہ ضوابط درج ہیں۔ جو پروہتوں

کے لئے بدھ نے مقرر کئے تھے۔

دوسرا، ستا پتا کا (SUTTA PITAKA) جو بدھ کے ملفوظات اور وعظوں پر مشتمل ہے، اس کی پانچ فصلیں ہیں: ا۔ فنائے عظیم کا ستا (THE SUTTA OF THE GREAT DECCASE) ب۔ مجھم نکایا (MAJJHIMA NIKAYA) ج۔ سم یوتا نکایا (SAMYUTTA NIKAYA) یہ راست کاری کے پہیے کو محرک کرنے کے وعظ پر مشتمل ہے د۔ انگوترا نکایا (ANGUTTARA NIKAYA) ذ۔ کھدکا نکایا (KHUDDAKA NIKAYA) ۔ اس میں اور باتوں کے علاوہ جٹکا (JATAKAS) یعنی (THE BIRTH STORIES) پیدائش کا حال۔ تویجا ستا (TEVIJJA SUTTA) اور دھمہ پدا (DHAMMA PADA) اور ستا نپتا (SUTTA NIPUTA) شامل ہیں۔

تیسرا، ابھی دھما پتا کا (ABHI DHAMMA PITAKA) جس میں بدھ مت کا دینی فلسفہ اور نفسیات ہے۔

ان تینوں کتب کی بنیاد ان روایات پر رکھی گئی تھی جو راج گڑھ کے مقام پر منعقدہ مجلس میں بیان ہوئی تھیں۔ ایک شاگرد کسیا پا (KASYAPA) نے گوتم کے فلسفیانہ اقوال لوگوں کے سامنے پیش کئے جو بعد میں "ابھی دھمہ" (ABHIDHAMMA) کے نام سے مشہور ہوئے۔ دوسرے شاگرد اوپالی (UPALI) نے ضبط و نظم کے اصول حاضرین کے سامنے پیش کئے جو بعد میں ونایا پتکا (VINAYA PUTAKA) کے نام سے موسوم ہوئے اور انند نے گوتم بدھ کی ان تقاریر اور مواعظ کو لوگوں کے سامنے پیش کیا جو گوتم نے وقتاً فوقتاً کی تھیں، جو بعد میں ستا کہلائیں۔

تری پتکا کے تین حصوں میں ستا پتکا (SUTTA PUTKA) کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے، کیونکہ اس حصے میں گوتم کے اقوال جمع کئے گئے ہیں۔ اس مذہب کے پیروکار اس حصے کو خاص طور پر یاد کرتے ہیں۔ جو افراد اس کو یاد نہیں کر سکتے ان کے لئے اس کا ایک خلاصہ تیار کیا گیا ہے جو دھمہ پد (DHAMMA PADAS) کے نام سے مشہور ہے، جس کے معنی نیکی کی راہ کے ہیں۔

یہ کتاب بدھ مت کی تعلیمات کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔ دھمہ پد کی تدوین کی تاریخ متعین کرنا بہت مشکل امر ہے۔ لیکن یہ امر یقینی ہے کہ یہ کتاب اشوک کے زمانے میں موجود تھی۔ دھمہ پد میں راج گاہ اور ویسالی (VESALI) میں منعقدہ کونسل ۳۷۷ ق م کا ذکر پایا جاتا ہے۔ لیکن اشوک کے عہد کی منعقدہ مجلس کا کوئی ذکر نہیں۔ اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا

ہے کہ یہ کتاب پہلی دو کونسلوں کے بعد اور اشوک کے عہد سے پہلے کے درمیانی وقفہ میں لکھی گئی۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ جیمس گرے نے کیا ہے۔

ان کتب کی زبان پالی ہے جو بعد میں وجود پذیر ہوئی۔ گوتم بدھ اس زبان میں کلام نہیں کرتا تھا۔ بدھی کہتے ہیں کہ گوتم کے اقوال علماء کی بھرپور مساعی سے ترجمہ ہو کر ہم تک پہنچے ہیں مگر مسز رائس ڈیوڈ کہتی ہے: "بدھ پتا کا میں کہیں ایسے راویوں اور حفاظ کا ذکر نہیں۔" (ساکیہ مصنفہ مسز رائس ڈیوڈ صفحات ۳۶۰، ۳۸۴، ۳۸۹)

اس کتاب کو قرون اولیٰ میں کبھی مستند تسلیم نہیں کیا گیا۔ راج گاہ کی کونسل کی روئیداد میں پورن راہب کا اس نسخہ کو مستند قبول کرنے سے انکار موجود ہے۔ مجلس کے ممبران نے مستند قرار دیا ہے۔ مگر اس نے اپنے نسخہ کو اس پر ترجیح دی۔ (GEDEN'S STUDIES گیڈن سٹڈیز حاشیہ صفحہ ۳۲۲ ہسٹری آف پالی لٹریچر مصنفہ بی سی لا پی ایچ ڈی ایم اے بی ایل کی تمہید اور باب اوّل)

**مہایان (MAHAYANA) فرقہ کی کتاب** مہایان فرقہ کی مذہبی کتب ہنایان کی پالی کتابوں کے بخلاف ترتیب سے عاری ہیں۔ وہ چار زبانوں سنسکرت، چینی، تبتی اور جاپانی میں ہیں۔ ان میں سے اکثر کا متن سنسکرت میں ہے۔ مہایان بدھ مت کی کتب کا بیشتر حصہ بہت بعد کی پیداوار ہے۔ کچھ حصے بہت پرانے ہیں تاہم فرقہ ہنایان کی کتب سے زیادہ پرانے نہیں۔ ان میں سے مشہور دی مند سترا (DIMOND SUTRA)۔ ۲۔ لنکاوترا سترا (LANKA VATARA SUTRA) ۔ ۳۔ قانون کا بل کا پدم (THE LOTUS OF THE PERFECT LAW) ۔ ۴۔ سورنگما سترا (SURANGAMA SUTRA) ۔ ۵۔ سکھاوتی یوہا سترا (SUKHAVATI UYUHA SUTRA) ۔ ۶۔ بیداری ایمان — (THE AWAKENING OF THE FAITH) — ہیں۔

## بدھ مت کے فرقے

گوتم بدھ کی وفات کے معاً بعد جو مجلس منعقد ہوئی تھی۔ اس کے نتیجہ میں بدھ مت دو فرقوں میں منقسم ہو گیا: ایک کا نام مہاسنگی کاس اور دوسرے کا نام ستھاورداونس تھا

آخرالذکر فرقے کے بطن سے ایک اور فرقہ سروا استھیوادنس پیدا ہوا۔ تیسری مجلس یعنی اشوک کے عہد تک بدھ مذہب اٹھارہ فرقوں میں تقسیم ہوگیا۔

## بدھ مذہب کی اقسام

عام طور پر بدھ مذہب کے دو بڑے فرقے بیان کئے جاتے ہیں۔ یہاں ان کے متعلق بحث کی جائے گی۔

## مہایانی بدھ مت

کنشک نے اپنے عہد میں ایک مجلس بلائی اور ایک نئے فرقے کی بنیاد رکھی، جس کا نام مہایان یعنی "بڑی گاڑی" رکھا۔ جس سے مراد یہ تھی کہ اس "بڑی گاڑی" میں سوار ہو کر بہت سے افراد نروان تک سفر کر سکتے ہیں۔

مہایانی فرقہ کے نزدیک بدھ کا جسم نہ تھا، بلکہ وہ بالاتر از انسان تھا۔ ساکیہ منی کبھی دنیا میں مجسم نہیں ہوا، بلکہ اس نے اپنا اوتار اور ظل دنیا میں ڈالا۔ بدھ خود ہی خدا ہے، بلکہ دائمی اور ازلی خدا ہے[1] یہ اوتار بدھی اور علم کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے اور بدھی بھی خود تین صورتوں میں ظاہر ہوئی، وہ صورتیں یہ ہیں:-

۱- بدھی کے ظہور کی پہلی صورت دھرم کایا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی عارضی نمو کے پیچھے ایک دائمی اور غیر فانی شے موجود ہے۔ لیکن دھرم کایا جب خود کو ظاہر کرنا چاہتا ہے تو کوئی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

۲- بدھی کے ظہور کی دوسری صورت دانے نرمان کایا ہے۔

۳- بدھی کے ظہور کی تیسری صورت سمبھوگ کایا ہے، جس کے لفظی معنی "جسم رحمت" کے ہیں۔ وہ رحمت کی قوت ہے جو بدھی میں جاگزین ہے اور گوتم کی معرفت اس کے مقتدیوں میں کام کرتی رہتی ہے۔ یہ قوت بدھ دھرم کی محافظ قوت کی حیثیت رکھتی ہے[2]۔

یہ فرقہ بدھی ستیوا (BODHISATTVE) کو ہی زندگی کا بلند ترین نصب العین

---

[1] لٹریری ہسٹری آف سنسکرت بدھ ازم مصنفہ جی کے نریمان ص۵

[2] کارل کلیمن "مذاہب عالم" ص۳۱۳

قرار دیتا ہے۔ یعنی ایک شخص نجات کے لئے پختہ ہونے کے باوجود اسے قبول کرنے سے انکار کر دے تاکہ دوسروں کو نجات حاصل کرنے میں ضروری مدد بہم پہنچا سکے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے نیک اعمال کو دوسروں کے نام منتقل کرنے کی عظیم قربانی دینے تک تیار رہے۔ لہٰذا اس فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ بدھی ستیوا کے اختیار میں ہے کہ دوسروں کو آل گناہ سے بچانے کے لئے وہ نیابت کا کام بھی کر سکتا ہے۔ یہ فرقہ نجات بالایمان پر عقیدہ رکھتا ہے۔

اس فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ بدھی ستیوا آسمان سے مفلوک الحال، مصیبت زدہ لوگوں کی طرف نظر رکھتے ہیں اور ان کو ہر قسم کی مصیبت اور غم سے نجات دلاتے ہیں۔ ان کی اس کریمانہ عادت کو مہا کرونا (MAHA KARUNA) کہا جاتا ہے۔ وہ لوگوں کو حصول نجات کے طریقوں سے بھی آگاہ کرتے ہیں۔ جن پر چل کر وہ نروان حاصل کر سکیں۔

اس فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ گوتم ہی بدھی ستیوا نہ تھے بلکہ آپ سے پہلے بھی بے شمار بدھ ہوتے ہیں اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ گوتم بدھ نے بھی یہی تعلیم دی ہے۔ چنانچہ دکاستا میں بدھ کا فرمان ان الفاظ میں درج ہے:۔

"تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اس دنیا میں ہر زمانہ میں ایک تتھاگت (ریفارمر) پیدا ہوتا ہے، جو کہ عالم کل، مکمل طور پر بیدار، نیکی اور حکمت پر حاوی، عالمین کی حکمتوں سے مسرور، دیوتاؤں اور انسانوں کا استاد، بابرکت وجود اور ایک بدھ کے مقام پر فائز۔ وہ اس کائنات کے اسرار کو مکمل طور پر سمجھنے اور اسے روبرو دیکھنے والا ہوتا ہے۔ اس جہان کے اوپر جو عالمین ہیں یعنی ملائک، شیاطین اور برہما کی اقالیم وہ ان سب کو جانتا ہے اور نیچے کی دنیاؤں کو جن میں برہمن، نیک لوگ، شہزادے اور عوام بستے ہیں۔ ان سے بھی وہ واقف ہے۔ تب وہ اس علم سے دوسروں کو بھی مستفیض کرتا ہے۔" (رتے دکاستا صفحہ ۳۱۶ بحوالہ بدھ کتب مقدسہ صفحہ ۳۱۶)

ایک شخص نے بدھ سے کہا: "اے آقا! آپ جیسا عارف دنیا میں کوئی نہیں ہے، نہ پہلے کبھی ہوا اور نہ آئندہ کبھی ہوگا۔"

یہ سن کر بدھ نے جواب دیا: "اے ساری پتر! تم مبالغہ کرتے ہو۔ تم ان تمام بادیوں کے بارے میں کہ جو پہلے ہو چکے ہیں یا جو آئندہ پیدا ہوں گے یا جو اب موجود ہیں کیا جانتے ہو؟ صرف لاعلمی کی وجہ سے تم میری اس قدر تعریف کرتے ہو۔" (رہا پری زبان سوتر کا صفحہ ۱۳ بحوالہ بدھ ویوچی کی سوانح عمری حصہ دوم صفحہ ۱۲۵)

پھر فرمایا: میں ہی ایک بدھ نہیں ہوں جو زمین پر مبعوث ہوا ہوں، اور نہ

میں آخری بدھ ہوں۔ وقت مقررہ پر ایک دوسرا بدھ دنیا میں مبعوث ہوگا۔ (کاسپا آف بدھ از کارڈس ص۲۱)

بدھ مت والوں نے تین بدھستواؤں کو تسلیم کیا اور ان کی پرستش کی جاتی ہے

۱۔ میٹریا (MAITREYA) جس کے معنی رحم کے ہیں۔ مہایان کے عقیدے کے مطابق گوتم پانچ ارب ستر سٹھ کروڑ سال کے بعد اس دنیا میں پھر آئیں گے اور اپنے عقائد اور تعلیمات کی اشاعت کریں گے۔ میٹریا کے بہت سے پتھر کے بُت بنائے جانے لگے۔ اس کی مورتی اس طرح بنائی جاتی کہ ایک موٹا تازہ آدمی ہے جو ہنس رہا ہے۔ تمام آنے والوں کو خوش آمدید کہہ رہا ہے۔ اس کے ہاتھوں میں گل دستہ ہے جس کا ہر پھول ایک ہزار سال کو ظاہر کرتا ہے، جو گوتم نے جود و کرم اور رحم دلی کے کاموں میں گزارے ہیں۔ دوسرے ہاتھ میں ایک تھیلا ہے۔ جس میں بہت سی عمدہ چیزیں ہوتی ہیں، جو دنیا میں آنے کے بعد لوگوں میں تقسیم کی جائیں گی۔[1]

۲۔ منجوسری (MANJUSRI) اس کے لفظی معنی حیرت انگیز اور مبارک کے ہیں۔ یہ عقل کا مجسمہ ہے۔ اس کی بھی مورتی تیار کی جانے لگی۔ اس کی پیشانی پر پانچ بل دکھائے جاتے ہیں، جن سے گوتم کی عقول خمسہ کا اظہار مطلوب ہوتا ہے۔ اس کے ایک ہاتھ میں تلوار ہوتی ہے۔ کبھی گوتم بدھ کا نوان پیشرو کہا جاتا ہے اور کبھی ان کا لاڈلا اور محبوب شاگرد اور پیارا بیٹا بتایا جاتا ہے۔ اس کو بدھی ستیواؤں میں ہمیشہ تفوق حاصل رہا ہے۔

۳۔ اولوکیستسوارا (AVALOKITA) اولوکیٹا (AVALOKISTESVARA)

یہ سب سے زیادہ مکرم و محترم بدھستوا ہے، جس کی عبادت دور دراز علاقوں میں کی جاتی ہے۔ اولوکیستسوارا رحم اور مہربانی کا مجسمہ ہے۔ انسانیت کو مصائب کے چنگل سے نجات دلانے کے لئے ہر وقت سرگرم عمل ہے۔ جو شخص اس پر کامل بھروسہ اور اعتماد جما لیتا ہے۔ وہ اس کی دستگیری اور مدد کرنے میں بڑی سے بڑی مصیبت سے دوچار ہونے کے لئے تیار رہتا ہے۔

اولوکیستسوارا کی پوجا برصغیر ہند و پاک میں تیسری سے بارھویں صدی تک عام تھی۔ تبت میں اسے دلائی لامہ کا نام دے دیا گیا، جس کا ذکر آگے آئے گا۔ چین کے لوگ اس سے بہت بعد میں روشناس ہوئے ہیں۔ آٹھویں صدی عیسوی سے قبل چین میں اس کی

---

[1] انسائیکلوپیڈیا مذہب ص۲۴۱

منش کے آثار نہیں ملتے۔ یہاں اس کو نسوانی شکل دی گئی اور کوان نون (KWAN NOON) کہتے ہیں[1]

## بدھی ستیوا کے عقیدہ کے نتائج اور اثرات

۱۔ اس عقیدہ نے بدھ مذہب میں شرک کو جنم دیا۔ گوتم بدھ کو ازلی اور دائمی خدا بنا دیا اور اس کے ساتھ اور بھی بے شمار اوتار ہیں جو انسانوں کو مصیبت کے چنگل سے نجات دلاتے ہیں اور راہ مستقیم کی ہدایت دیتے ہیں۔

۲۔ نروان کو حاصل کرنے کے لئے نیک اعمال کے بجائے بدھی ستیواؤں پر عقیدہ ہی کو کافی سمجھا جانے لگا۔ اس طرح عمل کی جگہ بے عملی نے لے لی۔

۳۔ بدھ مت میں عبادت کا کوئی ظاہری طریقہ رائج نہیں تھا، اس عقیدہ نے عبادات کے ظاہری طریقے مقرر کر دیئے۔ بدھی ستیوا معبود بن گئے۔ خانقاہیں مندر بن گئیں۔ راہب پروہتوں کے عہدے پر فائز ہو گئے۔ عبادت کی رسومات میں پیچیدگیاں اور سختیاں پیدا ہونے لگیں۔ بدھی ستیوا کی ولادت اور وفات کے دن شان و شوکت سے منانے جانے لگے۔ اس دن عبادت اور مقررہ رسوم ادا کی جاتیں۔

۴۔ بدھی ستیوا کو بدھ کا مظہر قرار دیا اور بدھ کو اعلیٰ حقیقی شے قرار دیا جو دوسری دنیا سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ دھیانی بدھ (DHYANI BUDDHA) ہے، جس سے پانچ دھیانی بدھی ستیوا پیدا ہوئے۔ ہر دھیانی بدھ اور بدھی ستیوا کے مقابلہ میں ایک نسوانی ہستی کے عقیدہ نے بھی جنم لے لیا اور یہ دعویٰ کیا گیا کہ ہر بدھی ستیوا کے لئے اس دنیا میں ایک انسانی بدھ موجود ہے۔

۵۔ اخلاقی اور عملی تعلیم کی جگہ دقیق اور بعید الفہم فلسفہ نے لے لی۔ گوتم کے خیالات کی تشریحات و توضیحات کی جانے لگیں۔ مثلاً گوتم بدھ کے نزدیک انسانی وجود مصائب و آلام سے گھرا ہوا ہے اور اس میں تین چیزیں شامل ہیں:۔

۱۔ رنج و الم (۲) عارضی ہونا یا انیکا (ANNICA) یعنی دنیا فانی ہے اور کسی چیز

کو قرار نہیں (۳) غیر حقیقی ہونا یا انا تھا (ANA THA) یعنی تمام چیزیں غیر حقیقی ہیں اگر حقیقی ہوتیں تو پردہ فنا میں نہ جاتیں۔ ان صفات کی تشریح میں وہ کچھ کہا گیا ہے گیا ہے جو احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ سب سے زیادہ بحث تیسری صفت "اناتھ غیر حقیقی ہونے پر کی گئی۔ اناتھا کا مفہوم سنیاتا (SUYATA) بیان کیا گیا۔ جس معنی ہیں "خالی ہونے" کے۔ یعنی دنیا کی تمام چیزیں صفات سے خالی ہیں، اور دُنیا ویسی ہم دیکھتے ہیں۔ ایک طبقہ کا عقیدہ یہ ہو گیا کہ دنیا کا وجود صرف ہمارے ذہن میں ہے، خارج کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اب گوتم کی تبلائی ہوئی صفات کی جگہ تین اور صفتوں نے لے لی وہ یہ ہیں:۔ (۱) خالی ہونا، سنایا (SUNYA) (۲) بے صفت ہونا، اینی متھا (ANIMITHA) (۳) بغیر خواہش کے ہونا، اپرانہیلا (APRANIHILA)

## ہنائنا (HYNA YANA) فرقے کے عقائد

ہنائنا یا جنوبی فرقہ کی تعلیمات کا خلاصہ ہے، نہ آتما ہے نہ پرماتما ہے، یعنی ہے نہ روح۔ بھکو نارد اپنی تصنیف بدھ ازم میں لکھتا ہے: "اس کے (ہنائنا) خا ہنانا کا فرقہ خدا اور الہام دونوں کا منکر ہے"۔ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ بدھ انسان انسان کی طرح پیدا ہوا تھا۔ انسان کی طرح زندہ رہا اور مرا۔ گو وہ انسان تھا، پر ایک غیر معمولی صفات کا حامل تھا۔ جو بدھوں کی اصطلاح میں اچاریہ منش کہلاتا ہے۔

اس فرقے کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ مستقل ہستی کا نظریہ ایک فریب محض ہے، ہستی اور عارضی عناصر سے وجود میں آئی اور خواہش سے ہی قائم ہے۔ ان کے عقیدے کی رُو نروان کا مطلب ان عارضی عناصر کو مٹانا اور خود کو مکمل طور پر فنا کرنا ہے، یعنی مطلق نیست

یہ فرقہ نجات کے لئے عمل اور خود اعتمادی پر بہت زور دیتا ہے۔ پُری سُتا میں بدھ کا قول ہے:۔ "تم خود اپنے جزیرے بنو اور خود اپنے لئے پنا دوسروں میں پناہ تلاش نہ کرو"۔

## بُدھ فرقوں میں فساد اور اختلاف، کی وجوہات

۱۔ بدھ فرقوں میں اختلاف اور فساد کی وجہ پالی زبان ہے، جس میں یہ ..

اس زبان کی قواعد اس قدر مہمل ہے کہ ہر ایک عالم اپنے خیال کے مطابق تشریح و توضیح کر سکتا ہے

بدھ تعلیمات کی تصحیح اور حفاظت کے لئے سو سو سال کے وقفہ کے بعد تین مجلسیں منعقد ہوئیں۔ پہلی تین مجالس کے وقت اگرچہ رسم الخط موجود تھا، لیکن بدھ کی تعلیم کو احاطہ تحریر میں بہت ہی کم لایا گیا۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ بدھ کی تعلیمات کو کتابی صورت میں لانے کا کام بدھ کے ایک طویل عرصے کے بعد کیا گیا۔ پتا کا راجہ اشوک کے زمانے میں بھی لکھی ہوئی موجود نہ تھی۔ کیسنتھ کہتا ہے کہ اشوک کے دو سو سال بعد سُتا پتا کا احاطہ تحریر میں آئی بلکہ اس کا ایک حصّہ دوسری صدی مسیحی میں مکمل ہوا۔

تاریخی طور پر بھی یہ بات ثابت ہے کہ ہندوستان میں ایک ہزار سال کا پرانا نسخہ کوئی موجود نہیں۔ مسٹر اے برنل (A. BURNEL) جس نے سب سے پہلے بدھ مت کے قدیم نسخوں کو جمع کرنے کی کوشش کی۔ اس کا یہ فیصلہ ہے کہ ہندوستان میں آج کل ایک ہزار سال کا پرانا نسخہ کوئی نہیں ہے بلکہ ۵۰۰ سال کا بھی پرانا کوئی نسخہ نہیں ہے۔

کہتے ہیں کہ گوتم بدھ نے خود فرمایا تھا کہ میرے بعد یکے بعد دیگرے پانچ چیزیں گم ہوں گی۔ ان میں سے ایک اس کی تعلیم کا گم ہونا ہے۔ چنانچہ بدھ کہتے ہیں کہ ایک وقت بدھ راجہ اعلان کرے گا جسے بدھ کی چار سطریں یاد ہوں وہ ہاتھی پر لدے ہوئے سونے کے ڈبے میں بند ۱۰۰۰ روپیہ حاصل کرے۔ مگر شہر میں تین چار مرتبہ منادی کے بعد بھی کوئی بدھ نہ لے سکے گا۔

## ہنائنا اور جہائنا فرقوں کے عقائد پر تنقید

اسلامی نقطہ نگاہ سے مروجہ بدھ مت میں بے شمار قابل اعتراض باتیں شامل ہو ہیں۔ ہنائنا یعنی جنوبی بدھ مت ہستی باری تعالیٰ، وجود روح اور روحی الہام کا منکر۔ جہائنا فرقہ نے بدھ کو ہی خدا قرار دے دیا ہے اور اس کے ساتھ دوسرے بہت دیوتاؤں کی پرستش لازمی قرار دے دی ہے۔ ہر جگہ بدھ مت نے مقامی توہم پرستی سوم کو بھی اپنے اندر جذب کر لیا ہے اس طرح مروجہ بدھ مت رسوم، بت پرستی اور ں کے تبرکات کی پرستش اور رہبانیت کا مجموعہ بن کر رہ گیا ہے جو سراسر منفیانہ

طرز عمل ہے۔ خدا، روح، حیات بعد الموت سے انکار، فنائے مطلق کو نروان دینا اور رہبانیت یہ زندگی سے فرار ہے۔ اس عمل سے نہ تو انفرادی اصلاح ہو ہے اور نہ سماجی اصلاح اور فلاح۔

اسلام نہ صرف ان غلط عقائد کی اصلاح کرتا ہے۔ بلکہ کامل نظریہ حیات پیش کر جو انفرادی اور معاشرتی زندگی کی اصلاح اور فلاح کا ضامن ہے۔

اسلام کے نظریات پر بحث "اسلام" کے عنوان کے ضمن میں آئے گی۔

**بدھ پرستی:۔** گوتم بدھ کے انتقال کے بعد جب رسوم میت ادا کی جا چکیں ان کے جسم کی راکھ، ہڈیاں، دانت اور بال وغیرہ محفوظ کر کئے گئے۔ انہیں گنبد کی عمارتوں میں رکھا گیا۔ جنہیں "استوپ" کہتے ہیں۔ سیلون کے "استوپ" داگو برما وغیرہ کے پیگوڈ کہے جاتے ہیں۔ ایشیا میں لاکھوں "استوپ" ہیں چونکہ گوتم بدھ اتنے بال اور ہڈیاں نہیں ہیں اس لئے ان میں سے بہتوں میں بت، مقدس تحریریں یا رکھی گئی ہیں۔ استوپوں کا طواف کیا جاتا ہے۔ ان پر پھول چڑھائے جاتے ہیں۔ یہ گ بدھ کے آثار جسم کی پوجا ہے۔ اس طرح کی پوجا نیز استوپوں کا تعمیر کرانا، حفاظت کر بدھ کا دھیان کرنا۔ بھکشوؤں کو کھلانا یہ سب باتیں موجب ثواب ہیں اور نروان حصول میں مدد ملتی ہے۔

## بدھ مت کی اشاعت اور ماحول کے مطابق تبدیلیاں

ہر ملک میں جہاں جہاں بدھ مت پھیلا ہے وہاں کے عقائد اور روایات مت کا جزو بنتے چلے گئے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ "اپنی توسیع کے دوران وہ (بدھ م بڑے تغیرات سے گزرا اور بعض اوقات تو اس میں بنیادی تبدیلیاں واقع ہوئیں اس طرح بحیثیت مجموعی بدھ مت دراصل ایک مذہب کے بجائے مذاہب کا خا ہے۔ عملاً اس نے مقامی مذاہب و عقائد کے ساتھ مصالحت کے ذریعہ اپنا پیدا کیا۔ اکثر اوقات اس طرح مختلف عقائد میں امتزاج کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس میں بد کے خصوصی و امتیازی عنصر کا پتہ چلانا مشکل ہے۔ مزید برآں چین اور جاپان جیسے ممالک بدھ مت کے بیشتر پیرو ساتھ ساتھ اپنے اصل قومی مذاہب کے بھی وفادار تھے۔ جس باعث یہ معلوم کرنا دشوار ہوتا تھا کہ بدھ مذہب کے معنی کیا ہیں"[1]

[1] THE GREAT RELIGIONS OF THE MODERN WORLD P.9

چین کی قوم پرست حکومت کی وزارت اطلاعات کی رائے یہ ہے :-

"چین کا بدھ مذہب جو ہندوستان سے پہلی صدی کے بعد داخل ہوا تھا اصل بدھ مذہب بہت کم مشابہت رکھتا ہے۔ متعدد مفاحی قصص، روایات، رسوم اور فرائض کا بدھ ہب اضافہ کر دیا گیا ہے تاکہ اس کو گہرا چینی رنگ دیا جا سکے" [1]

جزیرہ نمائے ملایا میں بدھ مت کا حال سنئے :-

"بدھ مذہب جزیرہ نمائے ملایا خصوصاً جزیرہ جاوا میں بھی شائع ہو گیا، جہاں بدھ ہب کی ایک عظیم ترین یادگار بارابودور (BARBODOER) پائی جاتی ہے۔ اس عظیم الشان رت کے آثار دراصل پتھروں پر سوال وجواب کے ذریعے مذہبی تلقین کا ایک نادر نمونہ ہے، جس کی ہر جماعت میں بھگتوں کو ایک نئی چیز کی تعلیم ملتی تھی۔ ان جزائر میں بدھ مذہب ہندو لوآباد کاروں کے ذریعے پہنچا، جن کی بڑی تعداد ظاہر ہے کہ ان علاقوں سے آئی تھی ہاں بدھ مذہب مہایانا بدھ مت اور ہندو مذہب کا مخلوط مجموعہ تھا۔ گو ہیانا بدھ مت خصوصیات بھی بالکل معدوم نہیں ہیں۔ اسلام کی آمد اور اشاعت نے بدھ مت کو ریجاً یہاں سے محو کر دیا" [2]

ہندوستان میں اس کی داستان یہ ہے :-

"واقعہ تو یہ ہے کہ ہندوستان میں ناگر جونا اور اسنگا کے زمانہ سے بدھ مت عقیدہ میں زبردست احیاء ہوا تھا۔ اس کے بعد ہندو اور بدھ فلسفہ میں جو فرق ا وہ بتدریج دھندلا ہو گیا" [3]

ایک اور مصنف لکھتا ہے :

"بدھ مذہب نے بہرحال ایک آزاد مذہب کی حیثیت سے اپنے لئے مقام پیدا لیا اور کئی صدیوں تک ہندوستان کے بڑے حصہ کا غالب مذہب رہا لیکن وہ ی بالآخر ہندو مذہب سے گھل مل گیا" [4]

ہندوستان کی تاریخ میں ایک زمانہ ایسا تھا کہ برہمنی اور بدھ دیوتاؤں میں اس

---

[1] THE CHINA HAND BOOK P. 29

[2] THE GREAT RELIGIONS OF THE MODERN WORLD P.7

[3] INDIA AND CHINA By PAIN KAR P. 46

[4] THE GREAT RELIGIONS OF THE MODERN WORLD P.91

درجہ میل ہو گیا کہ خود محققین بھی اس زمانے کے مندروں کی بمشکل تفریق کر سکتے ہیں اور ا
مندر کو کبھی بدھسٹ کہتے ہیں اور کبھی برہمنی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں ایک ہی زمانہ کی عمارتو
میں بدھ اور برہمنی مندر ایک دوسرے کے پہلو میں نظر آتے ہیں۔ اگر ہم اپنے متخیلہ کو ا
قدیم زمانے تک پہنچائیں جب کہ برہمنی اور بدھ مذہب آپس میں شیر و شکر ہو رہے تھے ا
ان میں التباس پیدا ہوتا تھا۔ تو ہماری سمجھ میں بخوبی آسکتا ہے کہ اس زمانہ کے بادشاہ اپ
روپیہ کو ان دونوں مذاہب کی یادگاروں میں ایسی فیاضی سے صرف کرتے تھے جیسے یو
کے ازمنہ متوسط میں کوئی بادشاہ مختلف عیسائی فرقوں کے گرجوں کی تعمیر کراتا تھا۔"[1]

نیپال میں اس کی داستان سنیئے :

"پس نیپال کا ملک بدھ مذہب کے قدیم گہواروں میں ہے اور یہ مذہب یہا
دو ہزار سال سے رائج ہے۔ اگرچہ اس ملک کے ہندوستان سے علیحدہ ہونے کے سبب
یہاں بدھ مذہب قائم رہ گیا ہے۔ لیکن یہ علیحدگی مذہب کو ان تغیرات سے نہ بچا سکی
اس میں برہمنی مذہب کی ہمسائیگی کی وجہ سے وقوع میں آئیں اور جنہوں نے بالآخر اسے بر
مذہب میں ضم کر دیا۔ . . . . . نیپال میں جو حالت بدھ مذہب اور برہمنی مذہب کی سا تو
صدی میں تھی وہ اس وقت بھی موجود ہے۔ یعنی یہ علیحدہ تو ہیں لیکن ان دونوں میں وہ اتح
اور ایک دوسرے کی رواداری پائی جاتی ہے جو اس وقت تمام ہندوستان میں تھی او
بدھ مذہب کے ختم ہو جانے کے ماقبل کی حالت تھی۔ ان دونوں مذاہب کا اتحاد اس
پر ہے کہ اس وقت نیپال میں مندر، دیوتا اور مذہبی مراسم ایسی موجود ہیں جو دونوں فرقوں میں مشترک ہ

## مختلف ممالک میں بدھ مذہب کی اشاعت کی تاریخ

**ہندوستان میں اشاعت** بدھ مذہب اپنی سادہ اور اخلاقی تعلیم کی وجہ سے
ہندوستان میں تیزی سے پھیلنا شروع ہو گیا۔ ا
مت کو قبول کرنے کے لئے ہر کس و ناکس کے لئے دروازہ کھلا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا
تین سو قبل مسیح یہ مذہب پورے شمالی ہند پر غالب آگیا۔ پھر اس کے بعد دوبدھی بادش
اشوک (۲۷۳ ق م تا ۲۳۲ ق م) اور کنشک کی سرپرستی حاصل ہو گئی۔ اشوک

---

[1] تمدن ہند اردو ترجمہ مصنفہ ڈاکٹر گستاؤلی بان ص ۲۷۷، ۲۷۸
[2] تمدن ہند اردو ترجمہ ص ۲۷۸، ۲۸۹

اس کو سرکاری مذہب قرار دیا۔ اس کی اشاعت کے لئے باہر مبلغ بھیجے۔ ستونوں اور کتبوں پر تعلیم کی اشاعت کی۔ بے شمار برہمن اور راہب اس مذہب میں داخل ہو گئے ان کو اس مذہب سے پوری واقفیت حاصل نہ تھی، اس وجہ سے بدھ مت میں بداعتقادیاں پھیلنا شروع ہو گئیں۔ اشوک نے ان بداعتقادیوں کو دور کرنے اور تعلیم کی تصحیح کے لئے تیسری کونسل طلب کی۔

اشوک کے بعد کنشک نے اس مذہب کو اور بھی ترقی دی۔ اس نے بودھوں کی چوتھی کونسل منعقد کرائی۔ جس میں مذہبی کتب لکھی گئیں۔

آٹھویں صدی عیسوی تک ہندوستان کے کونے کونے میں یہ مذہب پھیل گیا۔ اس کے بعد تنزل اور ادبار کا شکار ہوا۔ جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔

**تبت** تبت میں بدھ مت ساتویں صدی عیسوی میں پہنچا۔ سرانگ سان گمپو (SRONG TSAN GAMPO) نامی راجا کی ذاتی مساعی سے یہ مذہب تبت میں پھیلا اس نے ایک وفد ہندوستان میں بھیجا۔ مہایانی نظریات تبت میں مقامی رنگ کے ساتھ قبول کر لئے گئے۔ ابتدائی سو سال میں تبت کے باشندے اس مذہب کی طرف راغب نہ ہوئے اس کی ایک وجہ تو انہیں اپنے قدیم مذہب بونپا (BONPA) سے بڑی عقیدت تھی۔ دوم، ان کو مہایانی عقائد کا سمجھنا مشکل تھا۔ البتہ آٹھویں صدی عیسوی میں ہندی مبلغین کی ایک جماعت تبت میں گئی۔ اس نے اس مذہب کی خوب اشاعت کی یہ ہی وجہ ہے کہ تبتی بدھ مت میں ہندی بدھ مت کے زیادہ اثرات ہیں۔

تبتی مہایان زندہ بودھوں پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ وہ سب سے بڑے پروہت کو لاما یعنی معلم اعلیٰ کے نام سے پکارتے ہیں۔ اس کے متعلق ان کا یہ عقیدہ ہے کہ گوتم کی روح ان لاماؤں میں حلول کر گئی ہے اور گوتم بدھ ان لاماؤں کے بھیس میں بار بار جنم لیتے ہیں اسی وجہ سے لاماؤں کی پوجا کی جاتی ہے۔ ان کو ارواح خبیثہ کے دور کرنے پر قادر تصور کیا جاتا ہے۔ لوگ ان کو اپنے گھروں میں دعوت دیتے ہیں اور وہ اپنے جادو منتر سے ان بدارواح کو گھروں سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لاما کے عہدہ تک پہنچنے کے لئے کئی عہدوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ پہلا عہدہ امیدواروں کا ہوتا ہے۔ دوسرا عہدہ نوآموز راہب (GETSUL) کا ہوتا ہے۔ تیسرا عہدہ مکمل راہب (GELONG) کا ہوتا ہے۔ چوتھا عہدہ سند یافتہ راہب (GESHE) کا عہدہ ہوتا ہے۔ پانچواں عہدہ صدر راہب (KHANDO) کا ہوتا ہے، یہی لاما کہلاتا ہے۔ تبت میں لاماؤں کا اثر اور اقتدار زبردست

ہے۔ ان کی خواہشات ہی قانون کا درجہ رکھتی ہیں[1]

دوزخ کا خوف، ارواح خبیثہ کا ڈر، جنت کی خواہش، تناسخ پر ایمان، جادو ٹونے ٹوٹکے اور تعویذوں پر اعتقاد یہ تبتی بودھ عوام کے عقائد کا مجموعہ ہے۔ ہر قسم کی تکلیف اور مصیبت سے نجات لاماؤں سے وابستہ کرتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کی گردنوں پر لاماؤں کی عقیدت اور غلامی کا جوا پڑا ہوا ہے۔

**چین** ہن خاندان کے بادشاہ ووٹی (WUTI) نے ۱۲۳ ق م میں ہوکو پنگ (HOKUPING) کی زیر کمان ایک فوج تاتاری حملہ آوروں کو پسپا کرنے کے لئے ترکستان کے سرحدی علاقوں میں بھیجی۔ یہ فوج ترکستان کے علاقہ میں گھس گئی اور واپسی پر گوتم کا سونے کا مجسمہ ساتھ لے گئی۔ اس طرح چین کے لوگ دوسری صدی قبل مسیح کے اواخر میں بدھ مذہب سے روشناس ہوئے۔

بادشاہ منگ ٹی (MING-TI) بھی اس مذہب کی اشاعت کا سبب بنا۔ اس نے بدھ مت کی معلومات حاصل کرنے کے لئے ایک وفد مغرب بعید بھیجا۔ یہ وفد اپنے ہمراہ دو راہب اور بہت سے بدھی تبرکات لایا۔

چین میں بدھ مت بہت سست رفتاری سے پھیلا اس کی وجوہ حسب ذیل ہیں:۔

ا۔ اہل چین خود ایک اعلیٰ تہذیب اور ثقافت کے مالک تھے۔ وہ باہر کی کسی تہذیب اور مذہب کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔

ب۔ اہل چین کے مذہب کے عناصر آبا پرستی تھے۔ وہ ایک ایسے مذہب کو کیسے قبول کر سکتے تھے جو راہبانہ زندگی بسر کرنے کی تعلیم دیتا ہو۔

ج۔ بدھ مت کی مقدس کتب کا ترجمہ چینی زبان میں ہوا تھا، اس وجہ سے لوگوں کی رسائی تعلیم تک نہیں ہوتی تھی۔ پانچویں صدی عیسوی میں جا کر مقدس کتب کا ترجمہ چینی زبان میں ہوا۔ اس ترجمہ کا اہتمام کمارا جیو (KUMARAJIVA) ایک ہندوستانی بدھ نے کیا آٹھ سو بھکشوؤں نے اس کام میں اس کی مدد کی، اور اس کی تین سو جلدیں تیار ہوئیں۔

د۔ جادو اور علم النجوم میں مہارت رکھنے والے تعلیم یافتہ طبقہ نے اس مذہب کی شدید مخالفت کی کیونکہ بدھ مذہب کو اس قسم کی باتوں سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ وہ اس نئے مذہب کی کامیابی کو اپنی عزت اور وقعت کیلئے خطرے کا باعث تصور کرتے تھے۔

---

[1] کارل کلیمن مذاہب عالم ص ۳۳۲

## بُدھ مت کی چین میں کیوں کر اشاعت ہوئی ؟

چین میں بدھ مت کی قبولیت کے تین اسباب ہیں : پہلا سبب، عقیدہ نروان۔ دوسرا سبب، بادشاہوں کا اس مذہب کو قبول کر لینا۔ تیسرا سبب، بدھ کی لچک کہ وہ مقامی مذاہب کے ساتھ مفاہمت پیدا کر لیتا ہے۔

**پہلا سبب** اہل چین کا یہ عقیدہ تھا کہ مُردے اس فانی دنیا سے انتقال کر جانے کے بعد بھی اپنے غم زدہ پسماندگان سے تعلق قائم رکھتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ اس بات کے بہت خواہاں ہوتے تھے کہ وہ یہ جانیں کہ مرنے کے بعد ان کے آباء و اجداد پر کیا کیا گزری ہے۔ تاؤازم اور کنفوشزم موت کے بعد زندگی کے متعلق بالکل خاموش تھے۔ جب اہل چین کو یہ علم ہُوا کہ بدھ مت موت کے بعد کی زندگی کے حالات پر روشنی ڈالتا ہے اور نروان کے حصول کی بھی تعلیم دیتا ہے۔ تو یہ باتیں اس مذہب کی اشاعت کا سبب بنیں۔ اہل چین نے تاؤازم اور کنفوشزم کو مانتے ہوئے بھی اس مذہب کو قبول کر لیا۔

**دوسرا سبب** چین میں بدھ مت کی اشاعت کا سہرا بادشاہ ووٹی (WU-TI) کے سر پر ہے، جس نے اس مذہب کو قبول کیا بھی اور راہبانہ زندگی اختیار کر کے اس مت کی تعلیم کا عملی ثبوت دیا۔ اس نے ہر قسم کی ذی روح چیز کے قتل کا ارتکاب قانوناً ممنوع قرار دے دیا۔ حتیٰ کہ جسمانی سزا کو بھی موقوف کر دیا۔

منگول بادشاہ کیلاخان نے بھی اس مت کو قبول کر لیا اور اس کی اشاعت میں مدد ہُوا۔

**تیسرا سبب** جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ بدھ مت جہاں بھی گیا وہاں کے مقامی مذاہب کے ساتھ مفاہمت کر لی۔ چین میں بھی مقامی مذاہب تاؤازم اور کنفوشزم کے بعض اثرات قبول کر لئے اور لوگوں نے تاؤازم اور کنفوشزم کو مانتے ہوئے بھی اس مت کو قبول کر لیا۔ کارل کلیمن لکھتا ہے کہ چینی بدھ مت نے تاؤؤں کے اثرات قبول کر لئے اور خود تاؤمت بودھ مت سے اس قدر متاثر ہُوا کہ اس کی صورت بدل کر رہ گئی۔ چین میں بدھ مت کی خانقاہوں کے ساتھ تاؤمت کی بھی خانقاہیں ہوتیں ہے

چین میں بدھ مت شرک سے محفوظ نہ رہ سکا۔ گوتم جسے سکیا مونی کے نام سے یاد کرتے ہیں، کی مورتی بنائی گئی۔ اس کی پرستش شروع ہو گئی۔ اس کے علاوہ اور بھی

---

ے کارل کلیمن مذاہب عالم ص ۳۳۴

بے شمار دیویوں کی پرستش کی جانے لگی۔ سب سے مشہور دیوی کا نام الوالوکیستوارا ہے، جو رحم کی دیوی کہلاتی ہے۔

**چینی مذاہب** چینی بدھ مت کے راہب عموماً ادنیٰ طبقے سے ہوتے تھے۔ بچپن میں ہی ان کو خانقاہوں میں داخل کر دیا جاتا۔ وہاں ان کو بدھ مت کی تعلیم دی جاتی۔ یہ لوگ جلوس کی شکل میں بھیک مانگنے کے لئے باہر نکلتے۔ ان کا لباس پیلے رنگ کا ہوتا۔ سر استروں سے منڈے ہوئے ہوتے۔ ان کی کھوپریوں کو داغا جاتا۔

## چین میں تجدید بدھ مت کی تحریک

چین میں بدھ مت کی تجدید کی تحریک شروع ہوئی۔ اس کا بانی لوہوی ننگ (HWEI - NENG) تھا۔ اس نے دوڈی کیان (WU - WEI - KIAN) فرقے کی بنیاد رکھی۔ یہ فرقہ سولہویں صدی میں بہت طاقتور بن گیا۔ اس فرقہ میں شامل ہونے والے عموماً ادنیٰ طبقہ کے لوگ تھے۔

یہ فرقہ گوتم کی مورتی کی پرستش کا شدید مخالف تھا۔ دل کی طہارت حاصل کرنے کے لئے مراقبہ پر ایمان رکھتے تھے۔

ان میں دیوی کن مو (KIN - MU) کا عقیدہ پایا جاتا ہے۔ اس کے متعلق ان کا یہ خیال ہے کہ وہ روحوں کی ماں ہے اور وفات کے بعد جنت کی وارث بنائے گی اور اس دنیا میں اس پر ایمان رکھنے والوں کو مصائب و آلام سے نجات دلاتی ہے۔ یہ تحریک تجدید بھی تاؤ مت کے اثرات سے محفوظ نہ رہ سکی اور شرک کی دلدل میں پھنس کر رہ گئی

**جاپان** بدھ مت چین سے کوریا پہنچا۔ ڈیڑھ سو سال کے اندر اندر یہ مذہب خوب پھیل گیا۔ کوریا سے مبلغ جاپان آئے۔ انہوں نے شاہ جاپان کو بدھ مت کی تبلیغ کی اور اس کو تحفہ کے طور پر متبرک چیزیں بھی دیں۔ جاپان میں ابتداء میں شنٹو مذہب نے بدھ مت کی بہت مخالفت کی۔ آخر ایک شہزادہ شوٹوکوڈیشو (SHOTU KU DAISHU) (متوفی ۶۲۱ء) نے اس نووارد مذہب کو قبول کر لیا۔ اس سے اس مذہب کی اشاعت کو تقویت پہنچی۔ شنٹو مذہب سے مفاہمت کرنے کے لئے اس مذہب کے خاص خاص دیوتاؤں کو بدھی ستیوا کا مرتبہ دے دیا گیا۔

بدھ مت جاپان میں ۱۸۶۸ء تک سرکاری مذہب رہا۔ اس کے بعد یہ حیثیت شنٹو مذہب کو حاصل ہو گئی۔

جاپان میں بدھی خانقاہیں اور معابد نہایت ہی خوبصورت بنائے گئے ہیں۔ جن میں بے شمار مورتیاں پڑی ہوئی ہیں۔ ان کی پوجا کی جاتی ہے۔

## زین بدھ مت (ZEN BUDDHISTS)

جاپان میں زین (ZEN) بدھ مت رائج ہے۔ اس فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ مذہبی کتب کے ذریعے حق و صداقت تک رسائی نہیں ہو سکتی، بلکہ انسان کے اندر ہی ایک ایسی استعداد مضمر ہے جو حق اور صداقت کی طرف لے جاتی ہے۔ اس استعداد کو ابھارنے اور عمل میں لانے کے لئے لوگ اور سادہ زندگی ضروری ہے۔ یہ لوگ وجدان کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

اس فرقہ کی یہ تعلیم ہے کہ کامیابی کی صورت میں نہ تو اتنا خوش ہونا چاہیئے اور نہ ناکامی کی صورت میں زیادہ مایوس ہونا چاہیئے۔ زیادہ خوشی اور زیادہ مایوسی دونوں حالتیں انسان کو راہ مستقیم سے ہٹا دیتی ہیں اور حق کے حاصل کرنے میں مانع ہیں۔ ان دونوں حالتوں میں پُر وقار رہنا چاہیئے۔ اس فرقہ کے عقائد اور اعمال میں بہت ہم آہنگی ہے۔ اس وجہ سے لوگ اس فرقہ کو اچھی طرح سے دیکھتے ہیں۔

**نیپال** بدھ مت نیپال میں دو ہزار سال سے رائج ہے۔ بعض روایات میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ خود شاکیا منی وہاں گئے۔ نیپال بدھ مت کا قدیم گہوارہ ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ نیپال کی قدیم خانقاہوں میں اس مذہب کی سب سے پرانی کتب دستیاب ہوئی ہیں۔

## نیپال کے بدھ مت میں شرک کی آمیزش

نیپال کے بدھ مت میں تین دیوتاؤں کی پرستش سکھائی گئی ہے۔ اوّل آدھی بدھ: یہ سب سے بڑا خدا ہے۔ اس سے مراد روح ہے۔ دوم، دھرم: جس سے مراد مادہ ہے۔ تیسرا، سنگھ: جس سے مراد خارجی دنیا ہے جو روح اور مادہ کے ملاپ سے پیدا ہوئی ہے۔

ان دیوتاؤں کے علاوہ اور بھی برہمنی مذہب کے بہت سے دیوتا ہیں۔ جن کی پرستش کی جاتی ہے۔ مثلاً وشنو، شیو، گنیش، لکشمی وغیرہ۔

نیپال کے بدھ مت میں روح کے متعلق وہی عقیدہ ہے جو برہمنی مذہب کا ہے۔ یعنی ارواح آدی بدھ سے پیدا ہوتی ہیں اور لاتعداد مدارج تناسخ طے کرنے کے بعد پھر اسی آدی بدھ میں شامل ہو جاتی ہیں۔ ان تناسخوں کی تعداد اور ان کی نوعیت کا دارومدار انسان کے افعال پر ہے۔

نیپال میں برہمنی مذہب کا بدھ مت پر اتنا اثر ہوا ہے کہ دونوں عبادت گاہوں میں دونوں فرقوں کے دیوتا ملے جلے ہیں۔ مذہبی حکایات، روایات اور رسوم ایک جیسی ہیں۔ یہ فرق کرنا مشکل ہے کہ ان میں بدھ مت کی کونسی ہیں اور برہمنی مذہب کی کون سی۔

**برما** برما میں بدھ مذہب برہمنی دیوتا کے ساتھ گیا۔ مسٹر ولیر جو کہ برما میں ایک برٹش عہدہ دار تھے لکھتے ہیں کہ "برما کے بدھسٹ ویدی دیوتاؤں میں علی الخصوص اندرا اور برہما کی بھی پرستش کرتے تھے اور برہما کا بادشاہ اپنے دربار میں ہمیشہ برہمنوں کو رکھتا ہے"۔ اور وہی صاحب لکھتے ہیں کہ کوہ التای کے موالی مغل خوانین ویدی دیوتاؤں کو پوجتے ہیں"۔[1]

**لنکا** لنکا کے باشندے ہنایان فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ گوتم بدھ کے تبرکات کے ساتھ ساتھ وہاں بے شمار مورتیوں کی پوجا کا رواج ہے۔ یہ مورتیاں لنکا میں پلمے[2] کہلاتی ہیں ان مورتیوں کے رکھنے کے لئے خوبصورت عمارتیں بنائی گئی ہیں، جن کو ویرے[3] (VIHARA) کہا جاتا ہے۔ زائرین وہاں جاتے ہیں اور مورتیوں کی پرستش کرتے ہیں۔

ویرا کے علاوہ لنکا میں ڈاگوبا یا ڈاگوب (DAGOBA) خاص اہمیت کا حامل ہے۔ ڈاگوبا کے معنی ہیں: ایسا روضہ جہاں استخوانی یادگار محفوظ رکھی جاتی ہے۔ ڈاگوبا میں ایک پتھر کا ڈبہ ہوتا ہے۔ جس میں ہڈی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ سونے کے پترے، چند انگوٹھیاں، مورتیاں، تسبیح کے دانے اور ناگار سانپ کے دیوتا، چند مٹی کی بنی ہوئی مورتیاں اور دو چراغ ہوتے ہیں۔ یہ چیزیں گوتم ہی سے منسوب کی جاتی ہیں۔ ان متبرک یادگاروں میں سب سے زیادہ اہم وہ دانت ہے جو گوتم کا تبلایا جاتا ہے[4]

لنکا میں پرانے دیوتاؤں کی پوجا بدھ کے تبرکات کے ساتھ ساتھ رائج ہے۔

## بدھ مت کے زوال کے اسباب

دنیا میں کوئی مذہب یا تحریک اس وقت زندہ نہیں رہتی جب وہ اپنے بنیادی اصولوں کو برقرار نہیں رکھتی۔ بدھ مت کے زوال کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ وہ جس

---

[1] تمدن ہند ص ۲۷۵

[2] تاریخ مذاہب مصنفہ پروفیسر رشید احمد ایم اے ص ۳۶۲ سال اشاعت ۱۹۶۸ء دوسرا ایڈیشن

[3] تاریخ مذاہب مصنفہ پروفیسر رشید احمد ایم اے ص ۳۶۳ سال اشاعت ۱۹۶۱ء دوسرا ایڈیشن

[4] تاریخ مذاہب مصنفہ پروفیسر رشید احمد ایم اے ص ۳۶۳ سال اشاعت ۱۹۶۸ء دوسرا ایڈیشن

ملک میں بھی گیا۔ وہاں کے عقائد اور روایات اس کا جزو لاینفک بنتے چلے گئے۔ ہندوستان میں برہمنی عقائد سے مفاہمت کی، پھر آہستہ آہستہ برہمنی عقائد بدھی عقائد پر غالب آگئے اور بدھی فلسفہ بتدریج دھندلا ہونے لگا۔ اسی طرح تبت، چین، جاپان، نیپال، لنکا، برما اور دیگر ممالک میں بدھ مت مقامی مذاہب کے عقائد سے مصالحت کے ساتھ پھیلا۔ آخرکار بدھ مت میں مقامی مذاہب میں ہی ضم ہوگیا۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ "اس مذہب میں کثرت سے فرقے پیدا ہوگئے۔ ہیوین تسانگ اپنے وقت میں اٹھارہ مختلف فرقوں کا ذکر کرتا ہے، جن میں اس گرما گرمی سے مباحثہ ہوا کرتا تھا کہ اس کی آواز سمندر کی موجوں کی طرح دور سے آتی تھی۔ اس وقت انیسویں صدی میں بھی بدھ مذہب میں نہ اعتقادات کے لحاظ سے اتحاد پیدا ہوا اور نہ اعمال کے لحاظ سے۔ دو بڑے فرقے موجود ہیں: ایک جنوبی اور دوسرا شمالی۔ جن میں سے ہر ایک اپنے کو حق پر بتاتا ہے اور شاکیامنی کی اصلی تعلیم کے مورث ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔"[1]

تیسرا سبب۔ برہمنی مذہب نے کسی حد تک ان باتوں کو چھوڑ دیا، جن کی وجہ سے لوگ اس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اسی طرح بدھ مت کی ان باتوں کو اپنا لیا جن کی وجہ سے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ سری نواس جاری اور راماسوامی آئینگر "ہسٹری آف انڈیا" میں لکھتے ہیں:۔

"عوام میں مقبولیت حاصل کرنے کی اس دوڑ میں برہمن مذہب کو کامیابی حاصل ہوئی اس نے خاموشی اور آہستگی کے ساتھ بدھ مذہب کی بہت سی باتیں لے لی تھیں یہاں تک کہ عوام کے سامنے اس کی تبلیغ کے طریقوں کو بھی اختیار کر لیا تھا۔ پرانوں کے دیوتاؤں کی پوجا کے لئے بہت سے نئے مندر بنائے گئے اور نہایت شاندار جلوس اور رعب ڈالنے والے تہواروں کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ ذات کی سختیاں ڈھیلی کر دی گئیں۔ بغیر ذات والے باہر سے آنے والے لوگ جنہوں نے یہاں حکومت کی بنیادیں ڈالی تھیں اور غیر کھتری حکمران جیسے کہ گپت راجہ تھے ان کو کھتری فرقہ میں شامل کر لیا گیا۔ برہمن پروہت بھی اس میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش میں تھے کہ حکمرانوں کو گوتر اعطا کریں۔ اس طرح کی خوشامد اور چاپلوسی

---

[1] تمدن ہند ص ۲۸۹، ۲۹۰

کے بعد اس میں کسی کو تعجب نہ ہونا چاہیئے کہ حکمران ہند و مذہب کی ترقی کے لئے پوری کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ وشنو، شیوا، چندی اور سوریہ وغیرہ کے ادیان بہت پھیل گئے اور عام ہو گئے۔[1]

## بدھ مت کی تعداد

بدھ مت کی تعداد احمد عبداللہ المسدوسی کی تحقیق کے مطابق پندرہ کروڑ اکتالیس لاکھ ستاون ہزار ایک سو چھہتر (۱۵۴۱۵۷۱۷۶) ہے۔[2]

## اسلام اور بدھ مت

### مہاتما بدھ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح حیات میں مماثلت

پہلی مماثلت:۔ مہاتما بدھ نے جب اپنے ماحول میں دکھوں اور گناہوں کا طوفان بلاخیز موجیں مارتا ہوا دیکھا تو ان کے شفیق دل میں عوام کی اصلاح کا جذبہ موجزن ہوا۔ اپنے تمام آرام اور آسائش کو خیرباد کہہ کر دکھوں اور گناہوں کا حقیقی علاج معلوم کرنے کے لئے گھر سے نکل پڑے۔ آخر کار ایک بڑ کے درخت کے نیچے گیان اور روشنی نصیب ہو گئی اور لوگوں کی اصلاح کے لئے میدان میں نکل پڑے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ نے عرب کی فضا میں فسق و فجور، بدکاری اور اخلاقی ضعف کے بادل منڈلاتے دیکھے تو آپؐ بستر راحت سے اٹھ کر غار حرا میں چلے گئے۔ مخلوق خدا کی ہدایت کے لئے رو رو کر دعائیں مانگیں۔ بالآخر وہ دن آگیا جب اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کی اصلاح کا بوجھ آنحضرتؐ کے کندھوں پر ڈال کر میدان عمل میں اترنے کا حکم دیا۔ اس حکم خداوندی کے تحت دن رات ایک کر کے لوگوں کو فسق و فجور اور گناہوں کی دلدل سے نکالنے کی سعی بلیغ کی۔ اس کوشش تمام کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان الفاظ میں کیا ہے:۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ (الشعراء ۲۶: ۳)

---

[1] ہسٹری آف انڈیا حصہ اول (ہندو انڈیا) صفحہ ۱۷۴، ۱۷۵

[2] مذاہب عالم مصنفہ احمد عبداللہ المسدوسی بی اے ایل ایل بی۔ بار دوم اپریل ۱۹۶۴ء صفحہ ۲۲۷

اے محمدؐ! شاید تو اپنے آپ کو ہلاک کر دے گا کہ لوگ ایمان نہیں لاتے

دوسری مماثلت :۔ مہاتما بدھ راجہ کے بیٹے تھے۔ مخلوق خدا کی ہدایت کی خاطر تاج شاہی چھوڑا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ ابتداءً بادشاہ نہ تھے، لیکن جب آپؐ نے شرک اور گناہوں کے خلاف آواز بلند کی تو اہل مکہ نے مل کر آپؐ کے سامنے بادشاہت پیش کی کہ ان کے بتوں کے خلاف آواز بلند نہ کریں۔ لیکن آپؐ نے بادشاہت کو ٹھکرا دیا اور تبلیغ حق کی خاطر ہر قسم کے مصائب اور تکالیف جھیلیں۔

جب حق غالب آگیا اور باطل پاش پاش ہو گیا اور آپؐ اسلامی ریاست کے مقتدر اعلیٰ بن گئے تو اس اقتدار کے وقت بھی نہ شاہی تاج پہنا، نہ محل بنوایا اور نہ سونا چاندی گھر میں جمع کیا۔ بلکہ اس کے برعکس الفقر فخری کہہ کر تمام بادشاہی آداب کو خاک میں ملا دیا

تیسری مماثلت :۔ گوتم بدھ کو بڑ کے درخت کے نیچے روحانی معراج نصیب ہوئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس سے کہیں بڑھ کر معراج نصیب ہوا۔ آپؐ تمام بلندیوں کو تیزی سے طے کرتے ہوئے ایسے مقام ارفع تک پہنچ گئے۔ جہاں نہ کوئی اس مقام پر پہلے پہنچا اور نہ اب کوئی پہنچ سکے گا۔ قرآن مجید نے اس مقام محمود کا کئی مقامات پر ذکر کیا ہے، ارشاد الٰہی ہے: ثُمَّ دَنَىٰ فَتَدَلَّىٰ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ (النجم ۵۳: ۸: ۹) پھر نزدیک ہوا یعنی اللہ تعالیٰ سے پھر نیچے کی طرف اترا یعنی مخلوق کی طرف تبلیغ احکام کے لئے نزول کیا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوپر کی طرف صعود کیا تو انتہائی درجہ قرب تام کو پہنچ گئے کہ آپؐ میں اور خدا میں کوئی پردہ نہ رہا۔ پھر نیچے کی طرف نزول کیا۔ آپؐ میں اور مخلوق میں کوئی حجاب نہ رہا۔ چونکہ آپ اپنے صعود اور نزول میں اتم و اکمل ہیں اور کمالات انتہائیہ تک پہنچ گئے ہیں۔ دو قوسوں کے درمیان میں یعنی وتر کی جگہ آپؐ کا اتم اور اکمل طور پر مقام ہے۔ بلکہ اس وتر کی حد سے بھی آگے بڑھے اور نور الوہیت کے ناپیدا کنار سمندر میں اپنے آپ کو ڈال کر صعود کی انتہاؤں تک پہنچ گئے یہ وہ قرب کا انتہائی مقام ہے جہاں تمام صفات الٰہیہ صاحب قرب کے وجود میں بتمامہ صفائی منعکس ہو جاتی ہیں۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسا کہ کوئی شخص ایک مصفا اور وسیع شیشہ میں اپنا منہ دیکھ کر اس شکل کو اپنی شکل کے مطابق دیکھتا ہے۔

اس ارفع مقام کے ساتھ آپؐ کے علم کے کمال کا بھی ذکر کیا ہے کہ آپؐ علم کے اس انتہائی مقام پر پہنچ گئے جہاں اولین اور آخرین کا علم منتہی ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَىٰ (سورۃ النجم ۵۳: ۱۳، ۱۴) اور اس نے اسے ایک اور نزول کے وقت بھی دیکھا سدرۃ المنتہیٰ

کے پاس۔ سدرہ سے مراد وہ مقام ہے جس سے آگے کسی مخلوق کا قدم نہیں جا سکتا۔ یونانی کتب الٰہیہ اور مصری کتاب الموتی میں بیری کا درخت (سدرۃ) حیرت عقل اور حکومت برکائنات کا انتہائی مقام کہلاتا ہے۔

چوتھی مماثلت:۔ گوتم بدھ نے برہمنوں اور برہمن کتب کے غلط عقائد اور رسوم کی تردید کی اور لوگوں کو مذہبی اجارہ داروں کی غلامی سے نجات دلائی اور ان کو یہ تعلیم دی کہ انہیں خود ہی ریاضت کرنی چاہیئے اور خود ہی علم سیکھنا چاہیئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان تمام بدعات اور غلط عقائد کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جو مذاہب عالم کے اندر داخل ہو چکے تھے۔ اسی طرح کاہنوں، راہبوں اور برہمنوں کی اجارہ داری کا خاتمہ کیا اور ہر آدمی پر مذہبی علوم سیکھنا فرض قرار دیا ہے۔ آپؐ کی مشہور حدیث ہے: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ یعنی علم کا حاصل کرنا ہر مسلم مرد اور مسلمان عورت پر فرض ہے۔

## اسلام اور بدھ مت کی تعلیم میں مماثلت

پہلی مماثلت:۔ گوتم بدھ نے رسوم مذہبی اور عبادات کو بغیر اصلاح نفس کے عبث اور بے سود ٹھہرایا ہے۔ ان کے پیغام کا نقطہ مرکزی ہی اصلاح نفس ہے۔ قرآن مجید نے بھی اسلامی عبادات کی غرض و غایت تقویٰ اور اصلاح نفس کو قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (العنکبوت ۲۹: ۴۵) یعنی نماز بے حیائیوں سے روکتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ صحابہ کرامؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: بتاؤ تو سہی اگر کسی کے دروازے کے سامنے سے ایک نہر بہتی ہو اور اس میں وہ دن رات میں پانچ دفعہ غسل کرے، کیا اس کے جسم پر میل رہ جائے گی؟ صحابہؓ نے جواب دیا: یا رسول اللہ! نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس شخص کا بھی یہی حال ہے جو دن رات میں پانچ دفعہ نماز پڑھتا ہے۔ اس کے دل پر گناہوں کی میل نہیں رہ سکتی۔

روزہ کا حکم دیا تو فرمایا: لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تاکہ تم متقی بنو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو روزہ رکھے تو تیرے کان بُری باتوں کے سننے سے اجتناب کریں، تیری نظر ایسی چیزوں پر نہ پڑے جو برائی کا محرک ہوتی ہیں، تیری زبان اکل حرام سے بچے، تیرے ہاتھ ظلم و تعدی کرنے سے گریز کریں۔ غرض کہ ہر ایک

عضو اللہ کے احکام کے تابع عمل کرے اور منع کردہ امور سے اجتناب کرے۔
آنحضرتؐ کے مقدس الفاظ یہ ہیں:
وَإِذَا صُمْتَ فَلْيَصُمْ سَمْعُكَ وَبَصَرُكَ وَلِسَانُكَ وَيَدُكَ وَعُضْوُ مِنْكَ۔
جو شخص ہوا و ہوس کے خیال سے عبادت بجالاتا ہے تو اس کے متعلق قرآن مجید میں آتا ہے: أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ (الفرقان ۲۵: ۴۳)
کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی ہوس کو اپنا خدا بنا لیا۔
دسری مماثلت:۔ گوتم بدھ نے حرص و ہوا کو تمام تکالیف اور مصائب کا منبع قرار دیا ہے، اس وجہ سے آپ نے اپنے متبعین کو حرص و ہوا کی سرکش اونٹنی کو ذبح کرنے کی تعلیم دی۔ قرآن مجید نے بھی اس تعلیم کو نہایت ہی عمدہ رنگ میں بیان فرمایا ہے، ارشاد الٰہی ہے:
فَأَمَّا مَنْ طَغَىٰ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ۔
(النزعٰت ۷۹: ۳۷-۴۱)
سو جس نے سرکشی کی ہو اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی ہو، پس اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور جو کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس کو سفلی خواہشات سے روکا اس کا ٹھکانہ جنّت ہے۔
دوسری جگہ آتا ہے۔
الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا (الکہف ۱۸: ۴۶)
یقیناً مال اور اولاد دنیا کی زندگی کی زینت ہے تیرے رب کے پاس تو باقی رہنے والے نیک اعمال ہی بہترین ثواب کی چیز ہیں اور انہی کی آرزو بہتر ہے۔
ایک اور مقام پر اموال اور اولاد کو فتنہ قرار دیا ہے۔
تیسری مماثلت:۔ گوتم بدھ نے ہشت پہلو راہ کی تعلیم دی ہے۔ یعنی صدق عقیدت، صدق ارادت، راست گوئی، راست بازی، اکل حلال، عزم صمیم، سچی توجہ، صادق تصور۔ یہ تعلیم معناً اسلام کی روح سے متفق ہے۔
اسی طرح گوتم بدھ نے سرقہ، زنا، نشہ آور چیزوں، رقص و سرود کی محفلوں اور جانداروں کو اذیت دینے سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ یہ امور سچی راحت کے حصول میں حارج ہیں۔ اسلام نے بھی ان امور سے سختی سے منع کیا ہے۔

بدھ مت کی معاشرتی تعلیم یعنی والدین اور اولاد کے حقوق و فرائض، شاگرد اور استاد کے حقوق و فرائض، شوہر اور بیوی کے حقوق و فرائض، دوستوں کے فرائض آقا اور ملازمین کے حقوق و فرائض، دین داروں اور دنیا داروں کے حقوق و فرائض پر پہلے بحث ہو چکی ہے۔ یہ حقوق و فرائض اسلام میں بھی نہایت وضاحت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔

چوتھی مماثلت :۔ گوتم بدھ کی تعلیم اور بعثت کی غرض حصول نروان ہے اور نروان اس حالت کا نام ہے جسے اطمینان قلب کہا جاتا ہے۔ یہ حالت ارضی خواہشات کو ختم کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

اسلام بھی اطمینانِ قلب اور حقیقی معرفت کے حصول کی راہیں بتاتا ہے اطمینانِ قلب کے حصول کی راہوں کو متعین کرنے میں دونوں مذاہب میں اختلاف ہے۔ جس کا ذکر آگے آئے گا۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي (الفجر ۸۹: ۲۷، ۲۸، ۲۹)

اے نفس اطمینان یافتہ اپنے رب کی طرف لوٹ آ، اللہ تجھ سے راضی ہوا، سو تو میرے بندوں میں داخل ہو اور جنت میں داخل ہو جا۔

یہ وہ مرتبہ ہے جب انسان تمام ارضی خواہشات اور سفلی جذبات سے نجات پا جاتا ہے۔ اس کے دل میں ہر قسم کی برائیوں سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے، ہر نیک عمل کی طرف اس کا قدم تیزی سے اٹھتا ہے۔ اس کی روح آستانہ الوہیت پر ایسے گرتی ہے جیسا کہ اوپر سے پانی گرتا ہے، اور بندہ اللہ تعالیٰ سے ایسا اتصال پیدا کر لیتا ہے کہ اس کے بغیر زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ اس مرتبہ پر پہنچے ہوئے انسان کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ (المجادلہ ۵۸: ۲۲)

انہی کے دلوں کے اندر (اللہ نے) ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی روح سے ان کی تائید کی ہے۔

وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (الحجرات ۴۹: ۷، ۸)

اور ایسے تمہارے دلوں میں زینت دی ہے۔ کفر اور فسق اور نافرمانی کو تمہارے نزدیک مکروہ کر دیا ہے یہی بھلائی کی راہ پر چلنے والے ہیں۔ اللہ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا (سورہ بنی اسرائیل ۱۷، ۸۱)

حق آیا اور باطل بھاگ۔ یقیناً باطل بھاگا ہی کرتا ہے۔

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ جب حقیقی گیان اور معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو انسان ہر قسم کی برائی اور بے حیائیوں سے نفرت اور ہر قسم کی نیکی سے محبت کرتا ہے۔

اس مضمون کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں بھی بیان کیا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (الشمس ۹۱: ۹، ۱۰)

جس نے ارضی جذبات سے اپنے نفس کو پاک کیا وہ کامیاب ہو گیا اور ہلاکت سے بچ گیا اور جس نے گناہوں کی آلودگیوں سے اپنے نفس کو ملوث کیا وہ ناکام و نامراد ہو گیا اور تباہی کے گڑھے میں جا گرا۔

پانچویں مماثلت:۔ گوتم بدھ نے ہندو مذہب کی سوختنی قربانیوں کا بھی انکار کیا اور کہا کہ کوئی انسان محض دیوتاؤں کے حضور قربانی گزارنے سے نہ نیک بن سکتا ہے اور نہ خدا کو راضی کر سکتا ہے۔ یہ رسم وحشیانہ ہے۔ خدا کو راضی کرنے کے لئے نیک اعمال بجالانے چاہئیں

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان تمام وحشیانہ رسوم اور قربانیوں کو ختم کر دیا۔ جو بتوں کے نام پر کی جاتی تھیں۔ آپؐ نے بھی اعمال صالحہ پر زور دیا اور کہا کہ حقیقی نجات اعمال صالحہ میں ہے اور اللہ تعالیٰ نفس کی سرکش اونٹنی کو ذبح کرنے سے خوش ہوتا ہے۔

چھٹی مماثلت:۔ گوتم بدھ نے ویدوں کی غیر معقول تعلیم کے الہامی ہونے سے انکار کیا چنانچہ ان کے اپنے الفاظ ویدوں کے متعلق یہ ہیں:۔

"چونکہ وید زمانہ کے لحاظ سے غلط ہے، خدا کے نشانات سے خالی اور خلاف عقل ہے اس لئے وہ خدا کا کلام نہیں"۔ (بدھ شاستر ادھیائے ۲ سوترا)

"یہ وید صداقت سے خالی اور مشکوک ہیں۔ بھوس کی مانند ہیں۔ نہ ان میں کوئی اصلیت ہے اور نہ ان کی کوئی صداقت"۔ (سیکرڈ بکس آف دی ایسٹ جلد ۲۵ صفحہ ۱۸)

"بدھ نے ویدک قربانیوں کو رد کیا اور نہایت مضبوطی سے اعلان کیا کہ ویدوں کی تعلیم حماقت محض ہے"۔ (بدھ مصنفہ اولڈن برگ صفحہ ۱۷۲)

"ویدوں کا پڑھنا، پروہتوں کو نذر دینا، دیوتاؤں کو قربانیاں چڑھانا، گرم اور سرد تپ اور ازیں قبیل ریاضتیں درازی عمر کے لئے کرنا۔ یہ انسان کو پاک نہیں کرتیں اور نہ توہمات سے باہر نکالتی ہیں"۔ (اگمندھا سُتا بدھ ازم مصنفہ رائس ڈیوڈز صفحہ ۱۳۱)

"جب ان پوپوں (ہندو پنڈتوں) کی ایسی بدفعلیاں دیکھیں ..... تو ایک سخت غضب ناک وید وغیرہ شاستروں کی مذمت کرنے والا بدھ یا جین مت رائج ہوا"۔ (ستیارتھ پرکاش مصنفہ سوامی دیانند صلاس ۱۱، ۱۲)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تمام کتب سماوی کی غیر معقول تعلیم اور ان کے من و عن الہامی ہونے کا انکار کیا۔ قرآن مجید میں آتا ہے: یَکْتُبُوْنَ الْکِتٰبَ بِاَیْدِیْھِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ ھٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ یعنی اہل کتاب اپنی کتاب کو اپنے ہاتھوں سے لکھ کر یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ اسلام بھی تمام اہل کتاب کی کتب کو من و عن الہامی نہیں مانتا۔ آج محققین نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان میں سے کسی مذہب کی کتاب بھی تحریف و تبدّل سے مبرّا نہیں ہے۔

## گوتم بدھ کے طرزِ عمل اور اسلام میں اختلاف

۱۔ گوتم بدھ کی تعلیم کا مرکزی نقطہ حصولِ نروان ہے۔ اسلام بھی نروان کے حصول کی تعلیم دیتا ہے۔ لیکن دونوں مذاہب میں طریقہ حصول میں اختلاف ہے۔ بدھ مت کا طریقہ غیر فطری ہے اور اسلام کا طریقہ عین فطرت کے مطابق ہے۔

بدھ مت کہتا ہے کہ نروان اپنے جذبات کو مٹا دینے اور اپنی خواہشات اور تمام دنیاوی تعلقات کو ترک کر دینے سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ رہبانیت کی تعلیم ہے اسلام رہبانیت کا شدید مخالف ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لَا رَھْبَانِیَّۃَ فِی الْاِسْلَامِ۔ یعنی اسلام میں ترک دنیا جائز نہیں۔ اسلام کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو انسان کو جذبات، قویٰ اور استعدادیں عطا کی ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق استعمال کرے۔ بیوی اور بچوں کے حقوق ادا کرے، انسانی معاشرت اور تمدن کے تمام حقوق پورا کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو جذبات اور قویٰ انسان کے اندر ودیعت کئے ہیں۔ ان کو فنا کرنا خدا کی منشاء کے خلاف ہے، بلکہ ان کا پیدا کرنا عبث اور نقصان دہ ٹھہرتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی صفت قدوسیت کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان جذبات اور استعدادوں کو اس وجہ سے انسان کے اندر ودیعت کیا ہے کہ ان کو احکام خداوندی کے ماتحت استعمال کر کے روحانی اور تمدنی ترقی کی جائے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے انسان کو قوائے شہوانی عطا فرمائے ہیں، تو اس کا یہ منشا نہیں کہ ان قویٰ کو فنا کر دیا جائے۔ ان کو فنا کرنا فطرت کے خلاف علمِ بغاوت اٹھانا ہے اور نسل انسانی کی بقاء کے خلاف جنگ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قوائے شہوانی کے پیدا کرنے سے مطلب یہ ہے کہ ان کو صحیح رنگ میں استعمال کر کے نسل انسانی کی بقاء اور افزائش کی جائے۔ اسی طرح دوسرے جذبات اور قویٰ کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ نے حکمتیں رکھی ہیں۔

پس جو مذہب ان جذبات اور قویٰ کو فنا کرنے کی تعلیم دیتا ہے وہ فطری مذہب نہیں ہو سکتا۔ فطری مذہب وہی ہو سکتا ہے جو تمام انسانی جذبات اور قویٰ کو صحیح طور پر استعمال کرنے کی تعلیم دے۔ تمام مذاہب عالم میں صرف اسلام میں ایک ایسا مذہب ہے جو جذبات انسانی کو قدر و منزلت سے دیکھتا ہے اور ان کی صحیح رنگ میں آبیاری کی تعلیم دیتا ہے

اب میں ان ذرائع کو بیان کرتا ہوں جو اسلام نے نجات حاصل کرنے کیلئے بتائے ہیں:۔

پہلا ذریعہ، اللہ تعالیٰ پر ایمان :۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا یہ مطلب ہے کہ ہر قسم کے شرک سے اجتناب کیا جائے اور ہر کام میں اسی کو مقدم سمجھا جائے اور اسی کی رضا مقصود ہو۔ اللہ تعالیٰ کی صفات حسنہ میں اپنے آپ کو رنگ لیا جائے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ جو انسان غیر اللہ کا سہارا ڈھونڈتا ہے وہ کبھی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو تمثیل کے رنگ میں قرآن مجید میں فرماتا ہے

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ وَمَا دُعَاءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ (الرعد ۱۳ : ۱۵)

یعنی دعا کرنے کے لائق صرف خدا ہی ہے۔ جو لوگ اس کے غیروں کو پکارتے ہیں وہ ان کو کچھ جواب نہیں دے سکتے۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی پانی کی طرف اپنا ہاتھ پھیلائے تاکہ پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے لیکن پانی اس کے منہ تک نہیں سکے گا۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے جو خدا کے سوا غیر کو پکارتے ہیں وہ ان کو کسی قسم کا نفع نہیں پہنچا سکتے۔

دوسرا ذریعہ، اللہ تعالیٰ کے حسن و جمال اور احسان پر اطلاع :۔ انسان بالطبع حسین چیز کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے۔ اس کے مشاہدہ سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ اس طبعی جذبہ کے تحت یہ ضروری ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی صفات حسنہ پر اطلاع حاصل کرے اللہ تعالیٰ کی محبت تمام غیر اللہ کے بندھنوں اور زنجیروں کو کاٹ کر اس سے کامل اتصال پیدا کر دیتی ہے انسان کو فوز و ان اللہ تعالیٰ سے کامل اتصال سے حاصل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سی اپنی صفات حسنہ بیان کی ہیں تاکہ اس کا حسن انسان کے دل کو اس کی طرف مائل کر دے۔

اللہ تعالیٰ کے احسان پر اطلاع پانے سے بھی انسان منزل حقیقی تک پہنچ سکتا ہے۔ کیونکہ محبت کی محرک دو چیزیں ہیں، حسن اور احسان۔ اللہ تعالیٰ نے احسانی صفات

قرآن مجید میں بیان فرمائی ہیں جن کا خلاصہ سورہ فاتحہ میں ہے۔ سورہ فاتحہ کے آغاز چار احسانی صفات بیان کی ہیں: ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت اور مالکیت۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے احسانات بار بار جتائے ہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (النحل ۱۶: ۱۸) یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو تم ہرگز شمار نہیں کر سکو گے۔

تیسرا ذریعہ۔ دعا:۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن ۴۰: ۶۰) تم دعا کرو میں قبول کروں گا۔ روحانی انعامات حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ دعا ہے اور دعا اس وقت کارگر ثابت ہوتی ہے۔ جب انسان اپنی زندگی اور اپنی تمام قوتوں کو اللہ کے راستے میں وقف کر دیتا ہے اور قرآن مجید کی اس آیت کا مصداق ہو جاتا ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الانعام ۶: ۱۶۲)

کہہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لیے ہے جو جہانوں کا رب ہے

اسلامی نقطہ نگاہ سے دعا کرنا اپنے اوپر ایک موت وارد کرنا ہوتا ہے۔ جب انسان کی ارضی خواہشات اللہ کی محبت کی آگ سے بھسم ہو جاتی ہیں اور انسان کی روح آستانۂ الوہیت پر پانی کی طرح بہہ نکلتی ہے۔ جب انسان پر یہ حالت وارد ہو جاتی ہے تو وہ اس وقت نردان اور نجات کی مستحکم چٹان پر کھڑا ہوتا ہے۔ شیطان اس آدمی کو گناہوں کے راستہ پر چلانے سے بالکل مایوس ہو جاتا ہے۔

چوتھا ذریعہ، توبہ استغفار:۔ توبہ لغت عرب میں رجوع کرنے کو کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے قرآن مجید میں خدا کا نام توّاب ہے۔ یعنی بہت رجوع کرنے والا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب انسان اپنے کردہ گناہوں سے دست بردار ہو کر کامل صدق و وفا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کے دست استعانت کو پکڑ کر اپنے فضل و کرم کی چادر میں لپیٹ لیتا ہے۔

توبہ کے لئے تین شرائط ہیں:۔

۱۔ اقلاع۔ یعنی توبہ کرنے والا اپنے دل سے خیالات فاسدہ کو دور کر دے، کیونکہ خیالات فاسدہ ہی افعال بد کا محرک ہوتے ہیں۔ عمل سے پہلے تصوّر جنم لیتا ہے، وہ تصور عمل کے لئے راستہ ہموار کرتا ہے۔ جب ایک انسان اپنے دل کو

خیالاتِ فاسدہ سے پاک کرے گا تو اس سے افعال رویہ سرزد نہیں ہوں گے۔

۲۔ ندم۔ یعنی اپنے کئے پر حقیقی پشیمانی اور ندامت اختیار کرنا جب انسان اپنے کئے پر حقیقی پشیمانی اور ندامت اختیار کرتا ہے تو پھر اس سے مزید خصائل رویہ سرزد نہیں ہوتے۔ کیونکہ ندامت روح کے لئے ایک ایسی ضرب ہے جو ہمیشہ انسان کو افعال فاسدہ سے آگاہ رکھتی ہے اور لغزشوں سے بچاتی ہے۔

۳۔ عزم۔ یعنی آئندہ کے لئے مصمم ارادہ کرلینا کہ پھر ان افعال رویہ اور خصائل فاسدہ کی طرف رجوع نہیں کرے گا۔ جو اس سے پہلے سرزد ہو چکے ہیں جب بندہ اس عزم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف قدم بڑھائے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اسے سچی توبہ کی توفیق عطا کردے گا۔

استغفار۔ غفر سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کرنا کہ بشریت کی کمزوری ظاہر نہ ہو۔ دوسرے الفاظ میں استغفار کے معنی استمداد اور استعانت کے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں استغفار اور توبہ کرنے کے متعلق بہت تاکید کی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (محمد ۴۷: ۱۹)

یعنی خدا سے درخواست کر کہ وہ تجھے بشریت کی کمزوری سے محفوظ رکھے۔ اسی طرح مومن مرد اور مومن عورتوں کو بھی محفوظ رکھے۔

دوسری جگہ آتا ہے: وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ (ہود ۱۱: ۳)

یعنی تم اپنے رب سے استغفار کرو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔

استغفار اور توبہ دو ایسی شمعیں ہیں جن کی روشنی سے انسان اللہ تعالیٰ کے قرب کی راہوں پر آسانی سے چل سکتا ہے۔

پانچواں ذریعہ۔ مجاہدہ:۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت ۲۹: ۶۹)

وہ لوگ جو نروان اور نجات حاصل کرنے کے لئے پورا پورا کوشش کرتے ہیں۔ ہم ان کو جادۂ صواب پر چلا کر نروان اور نجات کے وارث کر دیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ سعی بلیغ کے بغیر کوئی چیز بھی حاصل نہیں ہوسکتی پس جانکاہ نروان اور نجات حاصل ہو جائے، یہ قانون قدرت کے بھی خلاف ہے۔

چھٹا ذریعہ۔ استقامت: استقامت یہ ہے کہ اگر انسان ہر قسم کے مصائب اور تکالیف میں گھر جائے، کوئی بھی مونس و معاون نہ ہو۔ اس حالت میں بھی اگر

زبان اور اس کے جوارح سے کسی قسم کی بے چینی و اضطراب ظاہر نہ ہو، بلکہ مصائب کے کڑوے گھونٹ آب شیریں سمجھ کر پی جائے۔ اس کے چہرے پر انبساط اور بشاشت کی ہی لہریں دوڑیں۔ اس کا قدم اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لئے اور بھی تیزی سے اٹھے۔

قرآن مجید میں آتا ہے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ (حٰمٓ السجدہ ۴۱: ۳۰) یعنی وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر استقامت اختیار کی یعنی ہر قسم کی تکلیف اور آزمائش کے وقت ثابت قدم رہے۔ ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم مت ڈرو اور مت غمگین ہو۔ جنت اور دائمی خوشی کی بشارت پاؤ جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے۔ ہم دنیا اور آخرت کی زندگی میں تمہارے دوست ہیں۔

پس نجات حاصل کرنے کے لئے استقامت نہایت ضروری امر ہے۔

ساتواں ذریعہ۔ راست بازوں کی صحبت:۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبۃ ۹: ۱۱۹) یعنی ان لوگوں کی صحبت اور معیت اختیار کرو جو اپنے قول اور فعل میں صادق ہیں۔ انسان بالطبع نمونہ کا محتاج ہے۔ جب انسان نیک اور راست بازوں کی صحبت اختیار کرے گا تو لازماً اپنی زندگی صادقین کی زندگی میں ڈھالے گا

آٹھواں ذریعہ۔ اکل حلال و طیب:۔ خوراک کا انسان کے اخلاق پر نہایت ہی گہرا اثر پڑتا ہے۔ اس کی وجہ سے قرآن مجید نے حلال، طیب، مکروہ اور حرام کے متعلق احکام بیان کر دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کے کھانے سے منع فرمایا جو انسان کی روحانی زندگی کے لئے پیغام موت ہیں۔ مثلاً اسلام نے سؤر کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ یہ جانور نجاست خور اور حد درجہ کا دیوث اور بے غیرت ہے۔ تمام یونانی طبیبوں نے یہ رائے ظاہر کی ہے۔ اس جانور کا گوشت حیاء کو کم کرتا ہے۔ دیوثی کو بڑھاتا ہے۔ اس رائے کی صداقت کا مشاہدہ اور تجربہ کرنا ہو تو یورپ کی اقوام کو دیکھ لو کہ کس طرح ان میں حیاء کی کمی اور دیوثی پائی جاتی ہے۔

اسی طرح اسلام نے مردار کھانے سے منع فرمایا ہے۔ مردار کا کھانا صرف طبی نقطۂ نگاہ سے مضر نہیں بلکہ روحانی اور اخلاقی لحاظ سے بھی بہت مضر ہے۔ اگر اس کی صداقت دیکھنی ہو تو اپنے ملک کے ان لوگوں کو دیکھئے جو مردار خوار ہیں وہ اخلاق

لحاظ سے کتنے گرے ہوئے ہیں۔

قرآن مجید میں حلال اور طیب کھانے کے متعلق ارشاد الٰہی ہے:

ھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (مومنون ۲۳: ۵۱) اے رسولو! اشیاء کھاؤ اور نیک اعمال بجالاؤ۔ قرآن مجید کا طرز استدلال یہ ہے کہ نبیوں کو مخاطب جاتا ہے اور مراد سب متبع ہوتے ہیں۔ اس آیت میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ حلال اور ب اشیاء کھاؤ۔ اس کے بعد نیک اعمال کے بجالانے کا حکم ہے۔ طیب کھانے اور ک اعمال کو اکٹھا بیان کرکے یہ اشارہ کیا ہے کہ طیب کھانے کے نتیجے میں نیک اور اچھے ل بجالانے کی توفیق ملتی ہے۔

۲۔ گوتم بدھ نے دیندار گروہ کے لئے یہ ضروری ٹھہرایا کہ وہ خانقاہوں میں زندگی ریں اور اپنی شکم پری کے لئے شہر میں جاکر در بدر پھر کر بھیک مانگتے پھریں۔ اسلام اس م کا شدید مخالف ہے اور ہر شخص کے لئے کام کرنا ضروری قرار دیتا ہے۔ اور بھیک نے کو بنظر استحقا دیکھتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

اِنَّ ھٰذَا کَانَ لَکُمْ جَزَآءً وَّکَانَ سَعْیُکُمْ مَّشْکُوْرًا (۷۶: ۲۲)

یہ تمہارا بدلہ ہے اور تمہاری کوشش کی قدر کی جائے گی۔

قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ (۶: ۱۳۵) اے میری م تم اپنی طاقت کے مطابق عمل کرتے جاؤ میں بھی عمل کرنے والا ہوں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی محنت کرنے کی ترغیب دی ہے اور بھیک نے کی مذمت کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"کوئی شخص اس سے بہتر روٹی نہیں کھاتا جو وہ اپنے ہاتھ سے کام کرکے کھاتا ہے" (بخاری ۳۴: ۱۵)

"اگر تم میں سے ایک شخص ایک رسہ لے اور ایندھن کا ایک گٹھا اپنی پیٹھ پر اٹھا لے آئے اور پھر اسے فروخت کردے جس سے اللہ اس کی عزت بچائے یہ اس کے لئے بہتر ہے بہ نسبت، اس کے کہ لوگوں سے سوال کرتا پھرے، پھر وہ ں کو دیں یا نہ دیں" (بخاری ۲۴: ۵۰)

۳۔ گوتم بدھ کا دل جب دنیا کے آلام و تکالیف کو دیکھ کر اچاٹ ہوا تو وہ پنے بیوی اور بچوں کو چھوڑ کر رات کی تاریکی میں جنگلوں کی طرف چلے گئے اور ریاضتوں ں لگ گئے۔ اس معاشرتی بندھن کو ایک آن میں توڑ دیا جو خاوند اور بیوی کو ایک

مقدس رشتے میں منسلک کرتا ہے۔ اسلام اس عمل کی ہرگز تعلیم نہیں دیتا بلکہ اسلام ا
مرد پر بحیثیت خاوند اور بحیثیت باپ ہونے کے ذمہ داریاں عائد کرتا ہے۔
کا پورا کرنا آئینی طور پر ضروری ہے۔ اسلام نے مردوں کو عورتوں کا نگران اعلیٰ قرار د
اس وجہ سے عورت کے نفقہ کی ذمہ داری مرد پر عائد ہو جاتی ہے۔ ارشاد الٰہی
اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ (النساء ۴:۳۴) —— یعنی مرد عورتوں
سرپرست ہیں۔ پھر عورت کے نفقہ کے لئے آئینی طور پر مرد کو پابند ٹھہرایا۔ قرآن مج
آتا ہے: لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ
آتَاهُ اللّٰهُ (الطلاق ۶۵:۷) چاہیئے کہ وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ
اور جس پر اس کی روزی تنگ ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ اس سے خرچ کرے جو ا
نے اسے دی۔

جب ایک مرد کسی عورت سے نکاح کر لیتا ہے تو وہ آئینی طور پر عورت کے نا
کا پابند ہو جاتا ہے۔ اگر مرد اس بارہ میں کوتاہی کرے تو عورت اس مرد سے عدالت
معرفت بھی خرچہ لے سکتی ہے۔

عورتوں سے حسنِ سلوک کے متعلق قرآن مجید میں آتا ہے: وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَ
(پ ۴/۱۹) اور عورتوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ" (ترمذی)

تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے اہل کے حق میں بہتر ہے، میں اپنے اہل
حق میں تم سے بہتر ہوں۔ اولاد کے بارہ میں قرآن مجید میں آتا ہے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ ا
افْتِرَاءً عَلَى اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ (الانعام ۶:۱۴۰)

بے شک وہ گھاٹے میں ہیں۔ جنہوں نے اپنی اولاد کو بے وقوفی سے لاعلمی میں
اور جو اللہ نے ان کو رزق دیا تھا۔ اس کو اللہ پر افترا کر کے حرام کر دیا۔
وہ گمراہ ہیں اور وہ کبھی ہدایت نہ پا سکیں گے۔

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ اولاد کی اچھی تربیت نہ کرنا ان کا قتل ہے۔

کتب احادیث میں اس قسم کی بے شمار روایات پائی جاتی ہیں کہ رسول کریم صلی
علیہ وسلم نے بعض صحابہؓ کے اس عمل کو ناپسندیدگی سے دیکھا جو دنیا کے تمام کام کا

ٹر عبادت میں مصروف ہوگئے تھے۔ آپؐ کا ارشاد ہے: لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي
سلام (نیل الاوطار جلد ۶ کتاب النکاح) یعنی اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں۔
حضرت عثمان بن مظعون کو مخاطب کر کے فرمایا:
اللہ ابدلنا بالرهبانية الحنيفية السمحة (طبرانی۔ حوالہ نیل الاوطار)
میں اللہ تعالیٰ نے رہبانیت کے بجائے آسان اور خالص ابراہیمی دین عطا فرمایا ہے
آن مجید میں آتا ہے: وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ (الحدید ۵۷: ۲۷)
انہوں نے رہبانیت کو از خود اختیار کر لیا ہے، ہم نے انہیں اس کا حکم
دیا تھا۔

اگر اسلام اور بدھ مت کا معاشرتی زندگی کا نظام دنیا کے سامنے پیش کیا
ائے تو کوئی بھی بدھ مت کی تعلیم کو پسندیدہ نگاہ سے نہ دیکھے اور نہ کوئی گوتم
دھ کے نقش قدم پر چل سکے گا۔ اب تو بدھ کے اس اصول کے خلاف بدھوں کو
بھی شادی کرنا پڑتی ہے

# ایرانی مذاہب

زرتشت مذہب
مانوی مذہب

# زرتشت مذہب

## زرتشت سے قبل ایران کی مذہبی حالت

مظاہر پرستی :- زرتشت کی بعثت سے قبل ایران میں مظاہر پرستی اور اصنام پرستی زوروں پر تھی۔ ایران کا ذریعہ معاش زراعت تھا۔ اس وجہ سے ایرانیوں نے ہر اس مظاہر قدرت کی پوجا کی جو ان کی زراعت کے لئے مفید تھے۔ سورج کی اس وجہ سے پرستش کی کیونکہ سورج کی گرمی کھیتوں کے پکنے اور نشو و نما کے لئے ضروری ہے۔ زمین کو اس لئے سجدہ کیا کہ اس میں فصلیں اگائی جاتی ہیں اور ان کے بڑھنے کا سبب بنتی ہے۔ اسی طرح چاند، پانی، ہوا اور آگ کی عبادت کی جاتی تھی۔

شجر پرستی :- ایران میں درختوں کی پوجا کی جاتی تھی۔

آبا پرستی :- ایران میں خاندانوں اور قبائل کے بزرگوں کی پرستش کا رواج تھا۔ ان کی مورتیاں تیار کی جاتی تھیں۔ پھر ان کے سامنے بھجن گائے جاتے تھے۔ اسی آبا پرستی کے نتیجہ میں پروہتی نظام شروع ہوا۔ پروہتوں کو مغ کہا جاتا تھا۔ انہوں نے رسوم، قربانیوں اور سحر و فسوں کو رواج دیا۔ اس طبقہ کا اثر عوام پر بہت زیادہ تھا۔ عوام میں ان کے متعلق یہ خیال پایا جاتا تھا کہ وہ دیوتاؤں کے مقرب ہوتے ہیں، اپنے منتروں کے ذریعہ حسب خواہش کام نکال سکتے ہیں اور زمین کی پیداوار اور جانوروں کا دودھ بڑھانے کی قدرت رکھتے ہیں۔

دیوتا۔ قبائلی اور خاندانی دیوتاؤں کے علاوہ اور بھی بے شمار دیوتا تھے جن کی پرستش کی جاتی تھی۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور "متھرا" نامی دیوتا تھا۔ یہ دیوتا ہندوستان میں "مترا" کے نام سے پوجا جاتا تھا۔ ابتدا میں سورج دیوتا تھا۔ خاص معبود یہ تھے۔ سپہر (آسمان) خورشید (سورج) ماہ (چاند) ارمائتی (زمین) آتش (آگ) آب (پانی) باد (ہوا) ہیرو ڈوٹس کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۵ ویں صدی ق۔م۔ کے وسط میں ایرانی ان معبودوں کی پوجا کرتے تھے۔ اسٹریبو نے بھی ایرانیوں کے آگ اور پانی پوجنے کا ذکر کیا ہے۔

بعض ماہرین کا یہ خیال ہے کہ متھرا کے معنی عہد نامہ کے ہیں۔ چونکہ یہ سب سے بڑا وفاداری کا دیوتا تھا، اس لئے اس کا یہ نام رکھا گیا۔ جنگ کے موقع پر اس دیوتا کی خاص طور پر پرستش کی جاتی تھی۔ جنگی مہم پر جانے سے پہلے اس دیوتا کے سامنے فتح و نصرت، کامیابی و کامرانی کی دعائیں مانگی جاتی تھیں۔ ایرانیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ اگر اس دیوتا کی چشم عنایت کسی پر پڑ جائے

جائے تو دشمن اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ متھرا کے علاوہ ایک اور دیوتا انٹریا اندر تھا۔

ایک انگریز مورخ زرتشت سے قبل ایران کی مذہبی حالت کا نقشہ یوں کھینچتا ہے :

"جب وہ (زرتشت) ظاہر ہوئے۔ میڈ اور ایرانیوں کے آباء و اجداد میں، تو انہوں نے اپنی قوم کو جانوروں، متوفی آباء و اجداد، زمین اور سورج کی پرستش کرتے ہوئے پایا اور دیکھا کہ ان لوگوں کے مذہب میں وہ عناصر اور وہی خدا تھے جو وید کے زمانے کے ہندوؤں میں پائے جاتے تھے۔

زرتشت سے پہلے کے اس مذہب کے خدا یہ تھے: متھرا، آفتاب کا خدا۔ عنیا پیدائش اور انزائش کی خدائنی، زمین، ہوا، سانڈ کے نمونہ کا خدا جو مر گیا اور پھر زندہ ہوا۔ اور جس نوع انسان کو زندگی دوام عطا کرنے کی غرض سے اپنا خون پینے کو دیتا تھا۔ زمانہ قدیم کے ایرانی اس کی پرستش اصطرح سے کرتے تھے کہ ہوما گھاس کا نشہ آور عرق پیتے تھے۔ ان خداؤں کی پرستش اور کافرانہ رسوم کو دیکھ کر زرتشت کو بہت غم اور تعجب ہوا۔ اس نے ان نجومی پجاریوں کے خلاف بغاوت کی جو ان خداؤں کی پرستش کرتے تھے اور ان پر قربانیاں چڑھاتے تھے۔ اور اپنے ہمعصر انبیاء عامونی اور یسعیاہ کی سی جرأت لے ساتھ دنیا میں خدائے واحد کا اعلان کیا۔ یہاں اس خدائے واحد کا نام اہورا مزدا تھا جو نور و سموات کا خدا تھا اور باقی مفروضہ خدا کچھ نہیں تھے، صرف اس کی صفات کا دوسرا نام تھے"[1]

## زرتشت کے حالاتِ زندگی

زرتشت کے زمانہ کے بارہ میں محققین کا شدید اختلاف ہے۔ زمانہ حال کے محققین کی رائے کے مطابق وہ ۶۶۰ ق م میں پیدا ہوئے اور ۵۸۳ ق م میں انتقال کیا[2] مغربی ایران کے رہنے والے تھے۔ ان کا جائے پیدائش شہر رے ہے۔ ان کے والد کا نام پورا شاسپ تھا اور خاندان سپتما میں سے تھے۔ قوم کے مجوسی تھے۔ فارسی میں اس کو مغ کہتے ہیں اور انگریزی میں MAGUS کہا جاتا ہے۔ اس کو (MAGIAN) کہتے ہیں، جس کے معنی جادوگر کے ہیں۔

قدیم ایران میں ان پروہتوں اور پجاریوں کی ایک جماعت تھی جن کا تسلط عوام پر تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ زرتشت کا خاندانی تعلق جادوگروں اور پروہتوں کی جماعت کے ساتھ تھا۔

تعلیم: زرتشت نے اپنے زمانہ کے مشہور استاد حکیم برزاکرزا سے تعلیم حاصل کی۔ دس سال کے قلیل عرصہ میں متعدد علوم مذہب، زراعت، گلہ بانی اور جراحی کے ماہر ہو گئے۔

زرتشت کی جوانی کے حالات: زرتشت نے جوانی کی عمر میں قدم رکھتے ہی اپنے آپ کو

---

[1] : OUR ORIENTAL HERITAGE CHAP XIII P 365

بحوالہ فلسفہ سلام مصنفہ آغا محمد سلطان شیخ صفحہ ۳۵

[2] بعض علماء زرتشت کا زمانہ ۱۰۰۰ ق م ظاہر کرتے ہیں ڈاکٹر محمد معین پروفیسر طہران یونیورسٹی نے ۱۰۰۰ ایمان کیا۔

خدمت خلق کے لئے وقف کر دیا۔ مصیبت زدہ اور مفلوک الحال لوگوں کی خدمت ان کا محبو
مشغلہ تھا۔ ان کے والدین کی یہ خواہش تھی کہ ان کا لڑکا آبائی پیشہ اختیار کرے، لیکن زر
کا دل اس طرف مائل ہی نہیں ہوتا تھا۔ ان کے سامنے ایک بلند نصب العین تھا۔ اس جوانی کے
میں ہی اپنے مذہب سے غیر مطمئن تھا۔ وہ جان و دل سے حقیقت کی طرف راغب ہوا۔ بیس سال
عمر میں گھر بار کو خیر باد کہہ کر سیالان پہاڑ میں گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ انہی افسانوں کے مطابق اسے
سال کی عمر میں معراج آسمانی نصیب ہوا۔ اور اس نے براہ راست اہورمزدہ سے وہ الفاظ حاصل
اس کی تعلیمات اوستا کی بنیاد ہیں۔ گاتھا وہ مقدس منظومات ہیں جو زرتشت نے لکھی تھی۔
تبلیغ:۔ زرتشت نے توحید کی اشاعت اور شرک کی مخالفت میں انتھک کوشش کی۔ دس سال
لگاتار کوشش کرنے کے بعد صرف اس کا چچیرا بھائی اس کا ہم خیال بن سکا۔ وجہ یہ تھی کہ ان کی تعلیم
کا تعلق غیر مرئی قوت سے تھا۔ لوگ ایسے معبود پسند کرتے تھے۔ جنہیں وہ آنکھوں سے دیکھ سکیں
ہاتھوں سے چھو سکیں۔

جب عوام نے زرتشت کی آواز پر کان نہ دھرے اور سرد مہری کا ثبوت دیا تو وہ توحید کا پیغا
لے کر بلخ کے بادشاہ گشتاسپ سے ملنے گئے۔ بادشاہ کے درباری علماء سے مناظرہ کیا، جو
دن اور تین رات جاری رہا۔ جس میں زرتشت نے اپنی تعلیمات کو دلائل کے ساتھ بیان کیا
اس وقت کے مروجہ عقائد کا بطلان ثابت کیا۔ بادشاہ نے زرتشت کی تعلیم کو قبول کر لیا۔ اس
یہ مذہب تیزی سے ترقی کرنے لگا۔ اشاعت کے لئے دور دراز ممالک میں مبلغ بھیجے۔ زرتشت
شاہ ایران کی مدد سے اپنے مذہب کو توران میں پھیلانا چاہا۔ جس کے نتیجہ میں دونوں ملکوں کے
خراب ہو گئے اور دونوں ملکوں میں جنگ چھڑ گئی۔ زرتشت کو ایک تورانی سپاہی نے پیٹھ
خنجر مار کر شہید کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کے متعلق عقیدہ:۔ زرتشت کا مذہب توحید تھا۔ ان کے خدا کا نام اہورمزدہ تھا۔ اہور کے معنی
اور مزدہ کے معنی دانا کے ہیں، یعنی دانا مالک۔

زرتشت اللہ تعالیٰ کے متعلق فرماتے ہیں: "تو ہی خدا ہے۔ یہ میں جانتا ہوں۔ اے قاد
تو ہی اوّل تھا، جب زندگی نے جنم لیا۔ انسان کے ہر خیال، قول اور فعل کا پھل ہے۔ جبر
تیرے ابدی قانون میں مرقوم ہے کہ برائی کا انجام بُرا ہے اور اچھائی کا انجام اچھا ہے تیا
تیری مصلحت کے تحت یہ بات مقرر ہو چکی ہے۔"

صفات الٰہیہ:۔ (۱) زرتشت فرماتے ہیں: سمبرام اسپ ہا سمبرام ہروا ر ایکیت نہ یک درشم
خدا ایک ہے۔ مگر اس کی توحید عددی نہیں بلکہ احدیت ذاتی ہے۔

(نامہ شت و خشور زرتشت و سایتر مطبوعہ سایتر مطبوعہ بمبئی ۶۹)

۲۔ ہمتا ندارد۔ یعنی اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ (وسایتر مطبوعہ بمبئی صفحہ ۶۹)

۳۔ ہیچ چیز با و نماند۔ یعنی اس کی کوئی مثل نہیں (وسایتر مطبوعہ بمبئی صفحہ ۶۹)

۴۔ جز آغاز و انجام انباز و دشمن و مانند و یار و پدر و مادر و زن و فرزند و جای سوی و تن و تن آسا و شانی و رنگ و بو است۔ (ترجمہ) وہ آغاز، انجام / شریک، دشمن، مانند، دوست، ماں بیوی، اولاد، جگہ، جسم، راحت، جسمانیت اور رنگ و بو کے بغیر ہے۔ (وسایتر صفحہ ۲)

۵۔ ہستی وہ ہمہ۔ یعنی ہر چیز کو ہست کرنے والا ہے۔ (وسایتر صفحہ ۳)

۶۔ نہ یابند او را چشمہا و نہ آسایند او را اندیشہا۔ یعنی نہ اسے آنکھیں پا سکتی ہیں اور نہ خیال میں گرفت میں لایا جا سکتا ہے۔ (وسایتر صفحہ ۶۸)

دوسری جگہ ہے: "با مردم گویید بچشم ہر آئینہ باش را نہ بینید چشم دیگر خواہید"۔ (وسایتر صفحہ ۱۰) لوگوں سے کہو تم ان آنکھوں سے خدا کو نہیں دیکھ سکتے۔ اس کی دید کے لئے دوسری آنکھیں چاہئیں۔

ایک اور جگہ فرمایا: "پوشیدہ و نہاں گردیدہ از سخت آشکاری"۔ (وسایتر صفحہ ۶۰)

ظاہر و آشکار ہونے کی وجہ سے پوشیدہ و نہاں ہے۔

۷۔ تو ئی نخستی کہ نیست نخست ترے پیشتر از تو، تو ئی باز پس ترے کہ نیست باز پس تر از پست۔ (وسایتر صفحہ ۶۶) یعنی تو ہی پہلی وہ ہستی ہے جس سے پیشتر کوئی ہستی نہیں ہو سکتی۔

۸۔ ہر چہ پیندار ی ازاں برتر است۔ (وسایتر صفحہ ۶۹) اس کی ہر صفت برتر ہے۔

۹۔ تا امید از مہربانی و بخشندگی او مشوید۔ (وسایتر صفحہ ۳۲) اس کی مہربانی اور بخشش سے نا امید نہ ہو۔

۱۰۔ و من نزدیک تر ز ازدم توام۔ (وسایتر صفحہ ۱۲۲) میں تمہاری ذات سے بھی تم سے زیادہ قریب ہو۔

۱۱۔ امیر شاد یعنی غیر فانی ہے۔

۱۲۔ وہو منو عقل کل ہے۔

۱۳۔ خشادیر یا تمام ارضی نعمتوں کا مالک ہے۔

۱۴۔ اشاوہست۔ یعنی وہ حقیقت اعلیٰ ہے۔

۱۵۔ ارمائتی دیندار اور متقی ہے۔

۱۶۔ ہورو تاد یعنی وہ قوی ہے۔

۱۷۔ چوک پاک۔

۱۸- ہرمزد روح اعلیٰ۔
۱۹- دادامنصف۔
۲۰- پروردتار محافظ۔
۲۱- نیزان سب سے قوی۔

ملائکہ کے متعلق عقیدہ :- ملائکہ وہ خارجی ہستیاں ہیں جو ہماری روحانی اور جسمانی ربوبیت کیلئے پیدا کی گئی ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان وسائط ہیں۔ زرتشت ملائکہ کے وجود کے قائل ہیں، وہ فرماتے ہیں: "سروشان بے شمار اند" یعنی ملائکہ بے شمار ہیں۔ (وسایتر صفحہ ۹)

حضرت آدمؑ سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اے آباد گفت دگفتار یزداں آنست کہ فرشتہ بر دل تو آرد" (وسایتر صفحہ ۳۷) یعنی فرشتے کلام الٰہی پیغمبر کے دل پر نازل کرتے ہیں۔

جنت و دوزخ کے متعلق عقیدہ :- زرتشت بعث بعد الموت اور جنت و دوزخ کے قائل تھے، فرماتے ہیں: "چوں فرودین تن گذارد در سروشتانش رسانم۔ (وسایتر صفحہ ۱۲) جب نیک آدمی جسم کو چھوڑتا ہے میں اسے بہشت میں پہنچا دیتا ہوں۔

بہشتیاں را تنے از بخشش یزداں برتر باشد کہ زریزد و کہنہ شود، و نہ در گیرند آلائش در و فراز آید۔ (صفحہ ۹) اللہ تعالیٰ بہشتیوں کو جو جسم عطا کرتا ہے وہ نہ تو ریزہ ریزہ ہوگا اور نہ پرانا، نہ تھکے گا، نہ اس میں کوئی گند پیدا ہوگا۔

پھر فرمایا: در آں خورم آباد جاوید پایند۔ (وسایتر صفحہ ۱۲)

دوزخ کے متعلق فرمایا: "زشتکاران در بہشت جاوید باشند و گنہکاران را در دوزخ سخت بدخو نہائے او در پیکر آتش سوزند و برف فشردہ و سرد کنندہ مار کژدم و جز آں از آزندگان در بخ آوران شدہ آرائش دہند"۔ (وسایتر صفحہ ۲۸) یعنی نجات پانے والے جنت میں ہمیشہ رہیں گے اور دوزخ میں گنہگاروں کو ان کی برائیاں آگ کی صورت میں جلائیں گی۔ ٹھٹھرنے والی اور ٹھنڈا کرنے والی برف، سانپ، بچھو اور دوسرے موذی زہریلے جانور عذاب دیں گے۔

رسولوں کے متعلق عقیدہ :- پیغمبروں کی ضرورت بعثت کے متعلق زرتشت فرماتے ہیں (ترجمہ) پیغمبر اس لئے چاہیئے کہ لوگ کاروبار زندگی میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ ان کے لئے ایسے مرتبانِ شرائع کی ضرورت ہے جنہیں سب لوگ مان لیں، تاکہ باہمی داد و ستد میں ظلم و ستم نہ ہو، کوئی دھوکہ اور فریب نہ ہو اور نظام عالم درست رہے۔ اور یہ موسسین قانون خدا کی طرف سے ہونے چاہئیں تاکہ عام لوگ ان کو یکساں قبول کریں۔ اسی بنا پر پیغمبر مبعوث کیا جاتا ہے "از امہ شت وخشور آیات ۴۵ تا ۴۹) (وسایتر مطبوعہ بمبئی)۔

شناخت پیغمبر کے متعلق فرمایا (ترجمہ) "مجھ سے پوچھنا ہے کہ ہم پیغمبر کو کیسے اس کے قول اور فعل میں صادق سمجھیں۔ (جواب) اس سے کہ جو کچھ وہ جانتا ہے دوسرے نہیں جانتے اور وہ تمہاری فطرت سے اطلاع دے۔ اور جو کچھ اس سے پوچھا جائے اس کے جواب میں عاجز نہ ہو۔ جو وہ کرے دوسرے نہ کر سکیں"۔ (نامہ شت وخشور زرتشت آیات ۵۰ - ۵۴)

تخلیق کائنات کے متعلق عقیدہ: زرتشت فرماتے ہیں: تخلیق کائنات چھ ادوار میں ہوئی اور اہورمزد نے ترتیب وار آسمان، پانی، زمین، نباتات، حیوانات اور آخر میں انسان کو پیدا کیا:

"تمام نسل انسانی کو ایک ہی جوڑے سے پیدا کیا گیا، جن کا نام مشیہ اور مشیانا (نر اور مادی مشیہ کے معنی مرد کے ہیں۔

## اخلاقیات

افکار کی پاکیزگی: زرتشت نے افکار اور خیالات کی پاکیزگی پر بہت زور دیا ہے، کیونکہ انسانی اعمال افکار کے ہی تابع ہوتے ہیں۔ اگر انسان کے افکار میں پاکیزگی اور صفائی آجائے تو اعمال میں درستی خود بخود آجاتی ہے۔

راستی: زرتشت کی اخلاقی تعلیم میں راستی کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ ہیروڈوٹس کا بیان ہے کہ بچوں کو نہایت کم سنی میں دو چیزیں سکھلائی جاتی تھیں: اول سچ بولنا، دوم تیر اندازی۔ جھوٹ بولنا بدترین گناہ تھا جو مقروض ہونے سے بھی زیادہ برا سمجھا جاتا تھا[1]

صفائی: زرتشت نے صفائی اور پاکیزگی کو بہت اہمیت دی ہے۔ اوستا میں صفائی وسیع معنوں میں مستعمل ہے، جو جسمانی صفائی کے علاوہ اقوال اور اعمال کی پاکیزگی کو لازمی قرار دیتی ہے۔

امداد: زرتشت نے مالی امداد پر بہت زور دیا ہے۔ ان کا قول ہے: "جو شخص مالدار ہو، اس کو چاہیئے کہ وہ اپنے فاضل مال کے ذریعے دوسروں کی مدد کرے اور اعلیٰ تعلقات کے قیام کے لئے عمدہ کام انجام دے"[2]

لیکن وہ اس امداد میں خندہ پیشانی کو ضروری تبلاتے۔ اہورا نے زرتشت سے کہا: "اے زرتشت ایسے شخص پر حیف ہے جو شخص خیرات دے لیکن خیرات دیتے وقت اس کا دل خوش نہ ہو"[3]

---

[1] بحوالہ تاریخ مذاہب مصنفہ رشید احمد صفحہ ۱۸۹

[2] ایضاً صفحہ ۱۹۰

[3] ایضاً صفحہ ۱۹۰

ان کا کہنا ہے کہ مالی امداد صرف مستحقین کو دینی چاہیئے۔ "جو رقم غیر مستحقین کو دی جاتی ہے وہ رائیگاں جاتی ہے"۔ [۱]

غیر مذاہب کے مستحق اور نادار افراد کو خیرات دینا ضروری بتلایا گیا ہے۔

رہبانیت :۔ زرتشت رہبانیت کا شدید مخالف ہے اور شادی کو ضروری قرار دیتا ہے۔ یشت میں ہے : اے اسپٹیمان زرتشت وہ شخص جس کی بیوی ہو اس شخص سے بدرجہا بہتر ہے جس کی بیوی نہ ہو، اور ایسا شخص جو خاندان رکھتا ہو اس سے بہتر ہے جس کا کوئی خاندان نہ ہو۔ [۲]

محنت :۔ زرتشت محنت اور کوشش کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وہ خود آخری عمر تک زراعت کے کاموں میں دلچسپی لیتا رہا۔

پروفیسر گرنڈی لکھتے ہیں "اس کا مذہب حقیقت اور عمل کا مذہب تھا۔ یونانی مذہب کی طرح رسموں اور ریتوں کا مذہب نہ تھا اس نے مذہب کو ایرانیوں کی روزانہ زندگی کی ایک حقیقت بنا دیا اور اخلاق اس مذہب کا مرکزی عنصر تھا"۔ [۳]

زردشت کی تعلیمات کو دو تاریخ ساز بادشاہوں نے قبول کیا۔ ایک سائرس تھا جو پارس کے "ایکے مینز" خاندان کا ایک نوجوان گورنر تھا۔ عبرانیوں نے اسے خواش، یونانیوں نے سائرس، اور عربوں نے اسے کے خسرو کے نام سے پکارا ہے وہ شخصیت ہے جسے قرآن میں ذوالقرنین کہا گیا ہے اللہ اور آخرت پر ذوالقرنین کے ایمان کی شہادت دی ہے بلکہ قرآن ذوالقرنین کو مبعوث من اللہ قرار دیتا ہے اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے۔ زردشت کی تعلیم توحید تھی۔

دوسرا بادشاہ دارا ابن گشتاسپ تھا۔ جو سائرس کا چچا زاد بھائی تھا۔ اس کے عقائد اور افکار کتبات سے ظاہر ہوتے ہیں۔ استخر کا کتبہ دارا کے ایمان اور عقائد کی شہادت دے رہا ہے۔ یہ شہادت کیا ہے ؟ یہ ہے کہ "خدا برتر ہوا مورد ہے اسی نے زمین پیدا کی۔ اسی نے آسمان بنایا، اسی نے سعادت بنائی۔ وہی ہے جس نے دارا کو بہتوں کا تنہا حکمران اور آئین ساز بنایا"۔

## زرتشت کے بعد

زرتشتی مذہب شاہان خورس اور دارا کے عہد (چھٹی اور پانچویں صدی ق م) میں اپنے

---

[۱] ایضاً صفحہ ۱۹۰۔

[۲] ایضاً صفحہ ۱۸۸۔

[۳] یونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ جلد ۲ صفحہ ۱۱۲ بحوالہ ترجمان القرآن جلد دوم صفحہ ۴۱۷

نقطۂ عروج پر تھا زردشت کے مرنے کے ڈھائی سو سال بعد ۳۳۱ ق م میں سکندر اعظم نے ایران پر حملہ کیا۔ شراب کے نشہ میں مست ہو کر مقدونی فاتح نے پرسپولس PERSEPOLICE کے عظیم کتب خانہ کو، جہاں زرتشی مذہب کی کتب مقدسہ تھیں، نذر آتش کر دیا۔ ایرانی دینی کے مذہب پر یہ کاری ضرب تھی۔ زرتشی عالم اور پروہت اپنی جانیں بچانے کے لئے پہاڑوں کی غاروں میں جا چھپے آخر کار جب زرتشی مذہب کا احیاء ہوا تو پروہتوں کے حافظوں کی مدد سے کتب مدوّن کی گئیں۔ لازمی طور پر ان مدوّنہ کتب میں تحریف ضرور ہوئی ہوگی۔

زرتشی مذہب کا دوسرا سنہری دور تیسری صدی عیسوی میں ساسانی خاندان کے عروج کے ساتھ شروع ہوا۔ شاہ ارتبانس ARTABNUS اسی خاندان کا بانی مبانی تھا۔ زرتشی کتب تالیف کروائی گئیں۔ پہلوی زبان میں تراجم ہوئے۔ یہی مذہب ایران کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا۔ اسلام تک ایران میں یہی مذہب رائج رہا۔

آج ایران میں صرف ۱۰۰۰۰ زرتشتی آباد ہیں۔ ہندوستان میں ان کی تعداد ۱۰۰۰۰ ہے۔ یہ پیروان زردشت پارسی کہلاتے ہیں۔

مذہبی کتب:۔ قدیم ایرانیوں کی مذہبی کتب میں دو دفتر اہم ہیں: ایک دساتیر اور دوسرے ژند و ستا۔ ان کتب کے دو حصے ہیں: خوردہ دساتیر اور کلاں دساتیر۔ ۲۔ خوردہ اوستا اور کلاں اوستا۔ اوستا کے پانچ حصے ہیں ۱۔ یاسنا ۲۔ گاتھا ۳۔ وسپرد ۴۔ وینیدیداد ۵۔ یاشت ان میں سے خاص طور پر اہم ہیں۔ پہلا عبادت اور قربانی سے متعلق ہے۔ دوسرا حمد و مناجات سے۔ انہی دو کو ژند اور مہاژند بھی کہتے ہیں۔

یہ کتب ژندی اور پہلوی دو زبانوں میں پائی جاتی ہیں۔ ان دونوں قسم کے رسم الخط کے علاوہ کچھ لٹریچر خط میخی میں بھی موجود ہے۔ پہلوی رسم الخط موجودہ فارسی خط سے ملتا جلتا ہے، لیکن ژندی اور میخی دونوں خط اس سے مختلف ہیں۔

ان کتابوں کی تعداد، زبان اور زمانہ تدوین کے متعلق اس قدر شدید اختلافات ہیں کہ کوئی محقق بھی قطعی طور پر یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ جو کتب زرتشت کی طرف منسوب ہیں وہ واقعی بغیر کسی تحریف کے ان کی ہی ہیں۔

توحید کا زوال: جہاں زرتشت کی کتاب میں لفظی تحریف کی گئی وہاں معنوی تحریف لازمی تھی۔ توحید کی جگہ مظاہر پرستی نے لے لی۔ گھر گھر میں دیوتاؤں کی پوجا شروع ہو گئی۔ ایک انگریز مورخ مذہب میں فساد کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتا ہے:

"زرتشت کے بعد جب یہ مذہب انبیاء کے دائرہ سے نکل کر ملکی سیاست والوں کے

قبضہ میں آیا تو پھر خدائے واحد اہورا مزدا کا تخیل ایک شاہنشاہ کا سا ہو گیا۔ لوگوں نے اعتقاد قائم کر لیا کہ وہ دنیا کا خالق اور مدبر ہونے میں بہت سے خداؤں کی مدد کا محتاج ہے اور ان کو چھوٹے چھوٹے خدا تصور کر لیا گیا۔[1]

اویستا کا جو حصہ زردشت کے بعد تصنیف ہوا۔ اس میں خدا کا تصور زوال پذیر ہے۔ ۱۔ خدا کی صفات کو مشخص کر کے "سات غیر فانی ہستیاں"، "امیشا اسپنتا" قرار دی گئیں۔ یہ سات روحیں جن میں سرفہرست خود اہورا مازدا کا نام ہے یہ ہیں:۔ وہو منو (بہمن) عقل اول اشا وہشت (اردی بہشت) راستی، شہترا ویریہ (شہر یور) ارضی نعمتیں، اسپنتا ارمائتی (اسفندارمذ) دینداری اہورا واتاد (خرداد) صحت، امرتاد (مرداد) حیات جاوداں۔ انہیں ہفت ملائکہ سے یہودیوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ خداوند کے تخت کے سامنے سات روحیں ہیں۔ ۲۔ آگ کو اہورا مازدا کا بیٹا مان کر پوجنے لگے۔ ۳۔ ماہ و مہر کی بھی پرستش ہونے لگی۔ سورج کو اہورا مازدا کی آنکھ مانا گیا۔ ۴۔ متھرا کے نام کو آہورا مازدا کے نام سے ملا دیا گیا۔ ۵۔ ایک دیوی کی بھی پوجا ہونے لگی جس کا پورا نام اردوی سورا اناہتا۔ جس کے معنی ہیں "بلند طاقت ور اور پاک باز ہستی"، غالباً یہ پانی کی دیوی تھی۔ مختصراً اسے اناہتا کہتے تھے۔ اور غالباً یہی لفظ موجودہ فارسی کا ناہید بن گیا۔ جس کے معنی زہرہ ستارے کے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی دیوی تھی جسے شمالی سامی اقوام ایشتر یا استارتہ کہتی تھیں۔ ان کے علاوہ فرشتوں اور محافظ ارواح کا عقیدہ تھا۔ لیکن ان سب کا درجہ شمول متھرا اور اناہتا) آہورا مازدا کی تخلیق مانا جاتا تھا۔

بنجا منشی دور میں معبود کے تخیل میں مزید زوال ہوا اور نادیدہ خدا کی تصویریں بھی بنائی جانے لگیں آہورا مازدا کی یہ تصاویر مشعل اللہ کے بنائی جاتی تھیں۔[2]

## اسلام اور زرتشتی مذہب

قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے دنیا کی تمام قوموں کی طرف نبی بھیجے ہیں۔ ارشاد ہے: وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ (۱۰/۴۷) یعنی ہر امت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول آتے رہے ہیں دوسری جگہ آتا ہے: إِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (۳۵/۲۴) یعنی ہر امت میں اللہ کی طرف سے ڈرانے والا آیا ہے۔

[1] OUR ORIENTAL HERITAGE CHAP XIII 366

[2] خدا نگار نمبر صفحہ ۸۶

ان آیات کی روشنی میں ایک مسلمان کو یہ ماننا پڑے گا کہ زرتشت اللہ کی طرف سے اپنی قوم کے لئے مصلح تھے۔ زرتشی مذہب کے بنیادی عقائد اور اسلام میں کافی حد تک یکسانیت اور موافقت ہے۔ ہر دو خدا کی وحدانیت اور رحمت پر ایمان لاتے ہیں۔ ہر دو انسانی زندگی کو ایک اخلاقی جنگ قرار دیتے ہیں۔ اس جنگ میں انسان اچھائی کے انتخاب میں صاحب اختیار ہے، جس کے ذریعہ وہ اپنی تکمیل کے مراحل طے کر سکتا ہے، یا برائی اختیار کر کے خدا اور اپنے مقصد حیات سے دُور رہنے پر قادر ہے۔

ہر دو کا حیات بعد الموت پر اعتقاد ہے۔ جب انسان کے اعمال کی اچھائی اور برائی نکھر کر سامنے آئے گی اور وہ اس کا بدلہ پاکر جنت میں لامحدود روحانی ارتقاء کی زندگی میں داخل ہوگا یا گناہ کے باعث ایک ایسے مقام پر وارد ہوگا جہاں اس کی روح سے گناہ کے داغ جلائے جائیں گے تاکہ وہ ابدی زندگی کا اہل ہو جائے۔ ہر دو کی اخلاقی تعلیم تقریباً یکساں ہے۔

اس کے برعکس جب ہم آج کل کے زرتشی مذہب کا جائزہ لیتے ہیں تو حسب ذیل اختلافات پاتے ہیں:

| اسلام | مجوسیت |
|---|---|
| ۱۔ اسلام ایک تاریخی مذہب ہے اور اسکے بانی کی زندگی اور تعلیمات کی تمام تفاصیل اور احادیث کی ایسی کتب میں محفوظ ہیں جو تنقید کے ہر معیار پر پوری اترتی ہیں۔ | ۱۔ مجوسیت قصے اور کہانیوں کا مرقع ہے۔ زرتشت کی زندگی افسانوی عنصر میں اس قدر پوشیدہ ہے کہ اس کے بارہ میں کوئی بات بلا تردید کہنا محال ہے، حتیٰ کہ زرتشت کے نام کے صحیح تلفظ کے متعلق گیارہ مختلف رائیں ہیں۔ اس نام کے معنوں میں بیسیوں شباہت ہیں۔ اسی طرح انکی جائے پیدائش اور وطن کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ انہی اختلافات کی وجہ سے بعض محققین نے زرتشت کا وجود ہی وہمی قرار دیا ہے۔ |
| ۲۔ اسلام کا الہامی صحیفہ یعنی قرآن مجید بغیر کسی تحریف کے اسی شکل میں موجود ہے جس شکل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ تمام مستشرقین کا اس بارہ میں اتفاق ہے۔ | ۲۔ مجوسیت کے صحائف تباہی کا شکار ہونے کے صدیوں بعد پروہتوں کی یادداشت کی بنا پر تالیف ہوئے۔ پھر پروہتوں کی نوشتہ تفسیریں متن کے ساتھ اسطرح خلط ملط ہوئیں کہ ہر ایک کی الگ حیثیت مقرر کرنا محال ہے۔ |

ژنداوستا کا بہت ہی قلیل حصہ زرتشت کی اپنی تعلیمات کا آئینہ دار قرار دیا جاسکتا ہے۔

| | |
|---|---|
| ۳۔ اسلام صرف ایک اور ایک ہی خدا پر جو حقائق اور رب العالمین ہے ایمان لانے کی تلقین کرتا ہے۔ | ۳۔ مجوسیت، دو خداؤں یعنی اہورمزدا اور اہرمن کا تصور پیش کرتی ہے اور اہورمزدا کے ساتھ امیشا سپینتا کو لازم قرار دیتی ہے۔ علاوہ ازیں اس نے ان قدیم دیوتاؤں کا، جن پر زرتشت سے پہلے اعتقاد رکھا جاتا تھا، احیاء کیا ہے۔ |
| ۴۔ اسلام سادہ اور عقل کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے۔ اپنے متقدوں کی اخلاقی تنظیم کے لئے اس کی رسمیں بہت کم ہیں۔ بلند اخلاق اور خدمت خلق پر زور دیتا ہے۔ | ۴۔ مجوسیت کے گرد دیومالا اور عجیب، فوق الفطرت عناصر کا ایک طومار ہے اور پارسیوں کے ہاتھوں سراسر رسومات کا پلندہ بن گئی ہے، جس کا ایک ترین جزو آتش پرستی ہے۔ |
| ۵۔ اسلام عالمگیر اور آفاقی مذہب ہے۔ انسانی اخوت اور مساوات کا علم بردار ہے۔ اس میں نسل آدم کے ہر فرد کے لئے جگہ اور مقام ہے۔ | ۵۔ مجوسیت ایک قومی مذہب ہے۔ |

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زرتشت کے صحیح مذہب کی تجدید کی۔ اور آپؐ کے ہاتھوں تمام بنی نوع انسان کی راہنمائی کے لئے اس کی تکمیل ہوئی۔ اسی تکمیل شدہ مذہب کا نام آپؐ نے وحی الٰہی سے اسلام رکھا۔

# مانوی مذہب

مانی طیسفون کے شہر ۲۱۵ء میں پیدا ہوا۔ طیسفون عراق میں دجلہ کے مشرقی کنارے پر موجودہ بغداد سے بیس میل جنوب میں واقع تھا۔ اشکانی خاندان کے آخری بادشاہوں کا پایۂ حکومت تھا۔ اس کے والد کا نام فتق تھا۔ جو یہودی فرقہ مغتسلہ کا پیروکار تھا۔ ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ ان کے نزدیک دریا میں مسلسل غسل کرنا بدن اور روح دونوں کی پاکیزگی کے لئے ضروری ہے۔ اس فرقے کے اکثر عقائد غنا سطی یا عرفانی اصولوں سے متاثر تھے۔ عرفانی تحریک کے تین بنیادی اصول تھے۔ اور مادی دنیا فطرتاً مذمتی کی حامل ہے اور اس مادی دنیا کے مقابل ایک اعلیٰ دنیا ہے جس کی طرف روح انسانی نے جانا ہے۔

۲۔ روح کا اصلی وطن وہی اعلیٰ دنیا ہے۔ جہاں سے کسی اتفاقی حادثے کے باعث شعوری زندگی سے پہلے ہی وہ نچلی دنیا میں پھینک دی گئی۔

۳۔ روح کی آزادی صرف خدائی کوشش سے ممکن ہے، کیونکہ مادہ میں قید ہو جانے کی وجہ سے اس کی فطری قوت بے کار ہو چکی ہے۔

زردشتی مذہب اپنی حقیقت اور اصلیت کھو بیٹھا تھا۔ اسی طرح دوسرے توحیدی مذہب کی تعلیم میں شرک اور بت پرستی نے جگہ لے لی تھی۔ ان مشرکانہ فضا اور ماحول میں پرورش پائی۔ ابن ندیم کی روایت کے مطابق ۱۲ سال کی عمر میں (۹/۲۲۸ عیسوی) پہلی وحی ہوئی۔ بقول مانی یہ وحی ملک التوام یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی۔ وحی لانے والے فرشتے کا نام "التوم" تھا۔ جس کے لفظی معنی "قرین" ہیں۔ پہلی وحی کے ذریعہ مندرجہ ذیل مقالات دیے گئے۔ اور آج سے تم اپنی قوم سے علیحدہ سمجھو۔ (۲) ان سے ایک طرف ہو جاؤ۔

۳۔ پاکیزہ روی اختیار کرو۔ (۴) شہوات ترک کر دو۔

۵۔ جب تک تم کم سن ہو، اس وقت تک نہ اپنے مذہب کا اظہار کرو اور نہ تبلیغ۔

پہلی وحی کے آنے کے ۱۲ سال بعد یعنی ۲۴۰/۸۵۴ء میں جب اس کی عمر ۲۴ سال تھی مانی کو دوسری وحی ہوئی۔ اس دفعہ یہ حکم ہوا "دیکھو! وقت آگیا ہے کہ اپنے مذہب کا اظہار کرتے ہوئے تبلیغ شروع کر دی جائے"۔ فرشتے نے مانی سے یہ بھی کہا "اے مانی میں اپنی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو سلام کہتا ہوں آپ کو اس راہ میں بے حد مشقت برداشت کرنا پڑے گی۔

آثار الباقیہ میں بیرونی نے مانی کی کتاب شاہ پورگاں سے مندرجہ ذیل عبارت نقل کی ہے۔

مختلف زمانوں میں خدا کے نبی انسانوں کو حکمت اور نیک اعمال کی تلقین کرتے آئے ہیں۔ ایک زمانے میں بدھ نے ہندوستان میں یہ پیغام دیا۔ دوسرے زمانے میں زرتشت نے ایران میں اور عیسیٰ نے مغربی علاقے میں۔ اس آخری زمانے میں وحی اور خدمت میرے (یعنی مانی کے) ذریعے بابل شہر میں نازل ہوئی۔[1]

مانی نے ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی۔ جس کی تبلیغ اس نے شاپور اول کے عہد سے ۲۴۲ء میں شروع کی۔ کہا نہیں جا سکتا کہ شاپور مانی کے مذہب کو تسلیم کیا تھا یا کہ نہیں لیکن یہ بات ثابت ہے کہ شاپور سے مانی کے تعلقات اچھے تھے اور اس نے مانی اور اسکے متبعین کو کبھی تنگ نہیں کیا۔ ابن ندیم کی روایت ہے کہ مانی نے بادشاہ سے دو معاملات کی درخواست کی۔ امانی کے داعیوں کی ان کے وطن کے ہر شہر اور قریہ میں تعظیم کی جائے (۲) ان کی تبلیغ میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ کی جائے۔

تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ شاپور کا بھائی پرویز مانی کا سرپرست تھا لیکن ایرانی کاہنوں اور زردشتی مذہب کے پروکاروں نے اس کی شدید مخالفت کی۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ مانی کو ملک چھوڑنا پڑا۔ اس نے وسط ایشیا، چین اور ہندوستان کا سفر اختیار کیا۔ پھر وہ ترکستان آیا۔ یہاں اس نے ایک سنسان وادی میں خلوت اختیار کرلی۔ اور ایک کتاب "ارژنگ یا ارتنگ" تیار کرلی۔ اس کتاب کو لے کر واپس ایران آیا۔ اب اسے نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ شاپور کی وفات کے بعد (۲۷۲ء) اس کا لڑکا ہرمز اول تخت پر بیٹھا۔ اس نے مانی کے متعلق اپنے باپ کی پالیسی کو برقرار رکھا۔ وہ ۲۷۳ء میں فوت ہوگیا۔ ہرمز کی وفات کے بعد بہرام اول تخت نشین ہوا۔ بہرام نے مانی اور اس کے متبعین پر سختیاں کرنا شروع کردیں۔ مانی نے وطن سے بھاگ جانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا۔

۲۷۷ء میں مانی کو گرفتار کر کے بہرام کے سامنے پیش کیا گیا۔ جس نے اس کی کھال کھنچوا کر بھس بھروا دیا۔ مانی کی کھال کا پتلا ایک عرصہ تک شہر شاپور کے پھاٹک پر عبرت کے لئے رکھا اس ظلم کو دیکھ کر مانی کے پروکار بلاد مشرق کی طرف بھاگ گئے۔ وسط ایشیا اور چین میں مانوی مذہب خوب پھیلا تیسری اور چوتھی صدی عیسوی میں مانی مذہب مغربی ایشیا، شمالی افریقہ، جنوبی یورپ، گال (فرانس) اور اسپین میں پھیل گیا۔ لیکن ساتویں صدی میں اس کا اثر زائل ہونے لگا اور تیرھویں صدی میں بالکل مٹ گیا۔

مانی کی سات تصنیفات میں چھ سریانی زبان میں اور ایک پہلوی میں آخری کا نام شاپور

---

[1] بحوالہ رسالت ثقافت مئی ۱۹۷۵ء شمارہ ۵

گان ہے جو شاپور کے نام معنون ہے۔ یہ کتاب بادشاہ شاپور کے لئے تصنیف کی گئی تھی۔
۱۹۰۴ء میں فان می کاق نامی محقق نے طرفان (وسط ایشیا) سے بعض مانوی صحایف برآمد کئے۔
تعلیمات: مانی ثنویت کا علمبردار تھا۔ اس کا خیال تھا کہ خالق دو ہیں: خالق خیر، خالق شر، اور
اس کے نزدیک دو ازلی اور ابدی عناصر ہیں یعنی نور اور ظلمت کی آمیزش سے یہ دنیا وجود
میں آئی۔ ہر چیز میں نور ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ظلمت کے عناصر بھی ہیں اور ہر جملہ آور ہیں اور
دونوں دست و گریباں ہیں انسان کا یہ فرض ہے کہ نور کے عناصر کو ظلمت کے عناصر کی قید و بند
سے آزاد کرائے۔ اس کے لئے مجاہدہ، عبادت، ریاضت بہت ضروری ہے۔
ابن ندیم نے مانویوں کی نماز کے چند الفاظ نقل کئے ہیں جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔
۱۔ ہمارا ہادی نور کا سفیر مبارک ہے اس کے محافظ فرشتے مبارک ہیں اس کے منور ملائکہ
کی مدح ہو۔
۱۔ مانی، اے منور ہستی تو قابل ستائش ہے۔ ہمارے ہادی، نور کے سرچشمے، حیات کی
شاخ، اے شجر عظیم جو کہ سراپا شفا ہے۔
۱۔ میں سربسجود ہوتا ہوں اور حمد کرتا ہوں کل دیوتاؤں کی۔ نورانی فرشتوں کی۔ کل تجلیات
کی سب ملائکہ کی جن کا منبع خداوند تعالیٰ ہے۔
۱۔ میں سر جھکاتا ہوں اور مدح کرتا ہوں گروہ ملائکہ کی اور منور دیوتاؤں کی جنہوں نے
اپنی دانش سے تاریکی میں نفوذ کر کے اسے زیر کیا اور دفع کیا۔
۱۔ میں سجدہ کرتا ہوں اور تمجید کرتا ہوں رب ذوالجلال کی۔ ہستی عظیم اور سراپا نور کی [1]
س احکام:۔ مانی کے دس احکام ہیں:
مندرجہ ذیل برائیوں سے بچو:۔ ۱۔ بت پرستی۔ ۲۔ جھوٹ، ۳۔ لالچ۔ ۴۔ قتل و خون
۔ زنا۔ ۶۔ چوری۔ ۷۔ جادو یا اس طرح کے منتر جنتر۔ ۸۔ مذہب کے متعلق شکوک و
ہات کا شکار ہونا۔ ۹۔ کاروبار میں سستی اور بے پروائی۔ ۱۰۔ دن میں چار (یا سات)
عہ نماز ادا کی جائے [2]

۔ بحوالہ نگار خدا نمبر ص۸
۔ یہ فہرست ابن ندیم سے لی گئی ہے

# چینی مذاہب

تاؤ ازم
کنفیوشس ازم

## تاؤازم (TAOISM)

چین کی تاریخ تقریباً ۲۰۰۰ قبل مسیح سے شروع ہوتی ہے۔ قدیم گیتوں کی جو نامکمل کتابیں دستیاب ہوئی ہیں اور شیہ چنگ (SHIHCHING) کہلاتی ہیں اور ایرانی تاریخی اسناد جو شوچنگ (SHU — CHING) کے نام سے موسوم ہیں، ان کے بارے میں یہ عمومی اعتقاد ہے کہ کنفیوشس (CONFUCIOUS) کی زیرادارت مدون ہوئیں۔ اور دوسری روایات بھی اس امر کی شاہد ہیں کہ قدیم چین میں توحید پرستی کا دور دورہ تھا اور وہ خدائے واحد، سعادتِ مطلق یا حاکم مطلق کے نام سے باری تعالیٰ کو یاد کرتے تھے۔ اسی ذات نے کائنات پیدا کی ہے۔ اور وہ جزاء و سزا کے قائل تھے۔

کچھ عرصہ کے بعد مذہب اپنی خوبیاں کھو بیٹھا۔ توحید کی جگہ شرک نے لے لی اور عقل کی جگہ توہمات اور رسومات نے۔ ذات مطلق کے حضور قربانی خصوصاً بیلوں کی قربانی کے رواج کا آغاز ہوا۔ واقعات اور حادثات کی خبر پہاڑوں پر آگ جلاکر بھیجی جاتی تھی۔ اور یہ بات ایمان میں شامل ہوگئی کہ اس آگ کا دھواں زمین کے باسیوں کی مصیبتوں اور مسرتوں کی روئیداد ذات باری تعالیٰ سے بیان کرے گا طبعی طاقتیں آندھی، رعد، دریا اور زمین بھی لائق پرستش قرار دے دی گئیں بلکہ یہی چینی مذہب کی ایک نمایاں خصوصیت ہوگئی۔

چھٹی صدی ق م تک چین مذہبی اور سماجی اعتبار سے دیوالیہ ہو چکا تھا۔ اس ظلمت اور گمراہی کے دور میں تین عظیم مذہبی رہنما لاؤزے (LAO — TZE) اور کنگ فوتزو (KUNG FUIZU) کنفیوشس (CONFUCIOUS) پیدا ہوئے۔ ان کے مذہبی نظریات ایک دوسرے کی تردید نہیں بلکہ تکمیل تھے۔ پہلے تاؤازم کا ذکر کیا جاتا ہے۔

لاؤزے بحیثیت مصلح:۔ بعض محققین نے یہ ماننے سے انکار کر دیا ہے کہ اس نام کی کوئی ہستی پیدا ہوئی تھی۔ جس طرح کرشن جی مہاراج کا وجود خیالی قرار دے دیا ہے، اسی طرح دنیا کی بعض اور مشہور ہستیوں کے وجود سے بھی انکار کیا جا چکا ہے۔ لیکن یہ انتہا پسندانہ نظریہ ان بندگانِ خدا کے وجود کی تاریخی شہادتوں کے سامنے قائم نہیں رہ سکتا۔ بات صرف یہ ہے کہ افسانوی عنصر تاریخی واقعات پر اس قدر غالب ہے کہ ان کی اصلی شخصیت نگاہوں سے اوجھل ہوگئی ہے۔

لاؤزے ۶۰۴ قبل مسیح میں لٹن CHU کے صوبہ میں پیدا ہوا۔ لاؤزے کے لفظی معنی ہیں "بوڑھا فلسفی یا بوڑھا لڑکا"۔ (کہتے ہیں وہ پیدا ہوا تو اسکے بال سفید تھے)۔

اس کا اصلی نام لی پہ یانگ تھا، جس کے معنی بیر کے ہیں۔ کنفوشس کا ہمعصر تھا۔ اس نے بڑی طویل عمر پائی اور اگلی صدی کے اختتام تک زندہ رہا۔ اس کی پیدائش کے متعلق عجیب و غریب افسانے بنے ہوئے ہیں کہ وہ اکیاسی سال تک ماں کے پیٹ میں رہا، اور جب وہ پیدا ہوا تو اس کا سر سفید اور عقل پختہ تھی۔ یہ بھی دعویٰ ہے کہ اسے ایک کنواری نے جنم دیا۔ اس کے بارہ میں جو قلیل معلومات موجود ہیں ان کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ افلاس اور غربت کی وجہ سے چو (CHOU) خاندان کی تاریخی دستاویزات کے محافظ کی حیثیت سے ملازمت اختیار کر لی، جہاں اسے کتب کا مطالعہ کرنے کا خوب موقع مل گیا۔ جب اپنی تعلیمات کی اشاعت شروع کی تو لوگوں نے اسے لاؤزے یعنی بوڑھے فلسفی کا لقب دیا اور اسی لقب سے مشہور ہوا۔

ملازمت سے استعفا:۔ حاکمانِ ملک کی دغابازیوں اور ظلم و ستم سے نالاں ہو کر ملازمت سے استعفا دے دیا اور لنگ پو (LINGPO) کی پہاڑیوں پر سکونت اختیار کر کے گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے لگا۔ درّے کے ایک محافظ نے لاؤزے سے درخواست کی کہ وہ اپنی تعلیمات کے بنیادی اصول اسے لکھوا دے۔ اس طرح لاؤزے نے اپنے فلسفیانہ خیالات لکھوا دیئے، جس کا نام تاؤ تی چنگ (TAO—TE—CHING) ہے۔ یعنی کتاب صراطِ مستقیم ٹی TE کے معنی راستہ کے ہیں اور راستہ خیر کا قرار دیا گیا ہے اور تاؤ TAO چین کے فلسفہ کا نام ہے۔ اب یہ کتاب ۵۰۰۰ لفظوں پر مشتمل ہے اور اس کے ۸۱ باب ہیں۔ اکثر محققین کی یہ رائے ہے کہ یہ لاؤزے کی اصل کتاب کا محرف اور مسخ شدہ نسخہ ہے۔ کچھ اسے سراسر غیر مستند اور ناقابلِ اعتماد قرار دیتے ہیں۔ اس امر کی صراحت کی کوئی ضرورت نہیں کہ یہ نظریہ انتہا پسندانہ ہے۔ گزشتہ صدیوں کی فروگزاشتوں اور اضافے کی گنجائش قبول کرتے ہوئے یہ ماننا پڑے گا کہ اس کتاب کا بہت سا حصہ لاؤزے کے اپنے اقوال پر مبنی ہے۔

تاؤازم کی تعلیمات:۔ تاؤ تی چنگ (TAO—TE—CHING) میں اہم ترین لفظ تاؤ ہے۔ اس کے متعدد معانی بیان ہوئے ہیں۔ مثلاً خدا، آفاقی عقلِ کل، بے علت وجود یا علت العلل، امن کا راستہ، بولنا اور گفتگو کرنا، اصول و قانون۔

تاؤ کی صفات:۔ ۱۔ اس کا وجود ہمیشہ سے ہے۔

۲۔ تاؤ ہر جگہ موجود ہے۔

۳۔ تاؤ ہی کی ذات سے تمام کائنات کی عظمت اور شان و شوکت قائم ہے۔

۴۔ چاند اور سورج اپنے مدار پر اسی کی وجہ سے گھومتے ہیں۔ ننھے ننھے کیڑوں کو زندگی

بخشنے والا ہے۔

۵۔ تاؤ کا جسم نہیں، وہ ایک لطیف چیز ہے۔ تمام اجسام اسی کے پیدا کردہ ہیں۔ اس کی اپنی کوئی آواز نہیں۔ تمام آوازیں اس کی بنائی ہوئی ہیں۔

۶۔ تاؤ غیر متحرک ہے، بایں ہمہ تمام کا خالق اور رازق ہے۔

۷۔ وہ ناقابل تقسیم ہے۔

تاؤ فلسفہ کے ماہر ہوائی مان زو (HUAI—MAN—ZU) نے ان صفات کو نہایت عمدگی سے بیان کیا ہے، وہ لکھتا ہے:

"تاؤ ہی آسمان کا سہارا دینے والا اور زمین کا بچھانے والا ہے۔ جس کی نہ کوئی حد ہے اور نہ انتہا۔ جس کی بلندی ناپی نہیں جا سکتی اور نہ ہی اس کی گہرائی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ تمام کائنات اس کے قبضہ قدرت میں ہے ..... وہ بے حد لطیف اور باریک ہے۔ ہر شے میں اس طرح موجود ہے جس طرح کہ پانی دلدل میں ہوتا ہے۔ پہاڑوں کی بلندی اور غاروں کی پستی تاؤ ہی کے دم سے قائم ہے۔ جانوروں کا چلنا، پرندوں کا اڑنا، چاند اور سورج کی روشنی کی گردش سب اسی کے فیض کے کرشمے ہیں۔ بہار کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں وہی چلاتا ہے اور برسات کی سہانی بارش وہی برساتا ہے۔ پرندوں کے انڈے وہی ولاتا ہے، ان انڈوں سے بچے وہی نکالتا ہے۔ جب درختوں سے پتیاں نکلتی ہیں، انڈوں سے بچے اور رحم سے اولاد پیدا ہوتی ہے تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب کے سب کام خود ہو رہے ہیں۔ کیونکہ کرنے والے کا ہاتھ ہم کو نظر نہیں آتا۔ تاؤ دھندلے سے سائے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا جسم نہیں۔ اس کے ذرائع غیر محدود اور پوشیدہ ہیں۔ لیکن تمام چیزوں کو عدم سے وجود میں لانے والا وہی ہے۔ اس سے کبھی کوئی بے کار اور غیر مفید کام نہیں ہوا۔"[1]

تاؤ کی معرفت: لاؤزے کا تاؤ بہت مبہم ہے اور وہ فہم سے بالاتر ہے۔ اس کے متعلق وہ خود کہتا ہے کہ تاؤ کے متعلق معلومات حاصل کرنا یا اس کی معرفت تک پہنچنا مشکل کام ہے۔ کیونکہ اس کا حصول قوت بازو پر منحصر ہے نہیں اور نہ ہی دوسروں کی مدد اس سلسلہ میں کارآمد ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ جو تاؤ کے متعلق تبلاتے ہیں وہ اس کی بابت کچھ نہیں جانتے اور جو جانتے ہیں وہ اس کے متعلق گفتگو نہیں کرتے۔ تاؤ کے متعلق ہم سب یہ جانتے ہیں کہ وہ ہے اور اس کے بارے میں ہم کچھ نہیں جان سکتے تاوقتیکہ اس کے جاننے سے پہلے ہم سب کچھ نہ جان لیں۔[2]

---

[1] بحوالہ تاریخ مذاہب مصنفہ رشید احمد ص ۱۲۶ دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۸ء

[2] گیربڑے مذاہب کا آغاز کیونکر ہوا؟ بحوالہ تاریخ مذاہب مصنفہ رشید احمد ص ۱۲۶۔۱۲۷۔ دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۸ء

اخلاق :۔ لاؤزے کی اخلاقی تعلیمات کا اہم پہلو عدم مداخلت ہے۔ اس کا قول ہے کہ اگر بنی آدم اس اصول کو اپنا لیں تو جنگ و جدل، حرص و ہوس اپنی موت آپ مر جائیں گے۔ اس نے انکساری اور محبت کا سبق دیا اور خود ادعائی، غرور اور بالادستی کو ممنوع قرار دیا۔ وہ کہتا ہے ۔ "اگر تم کسی سے جھگڑا نہ کرو گے تو کوئی تم سے جھگڑا نہ کرے گا۔ اگر کوئی تکلیف بھی پہنچائے تو تم اس سے نیکی کرو۔ جو اچھے ہیں ان سے اچھا ہوں، جو برے ہیں میں ان سے بھی اچھا ہوں۔ لہٰذا سب کو اچھا ہو جانا چاہیئے۔ جو مخلص اور راست باز ہیں میں ان سے مخلص اور راست باز ہوں اور جو مجھ سے مخلص اور راست باز نہیں ہیں میں ان سے بھی مخلص اور راست باز ہوں۔ نرم اور نازک ترین شے دنیا میں سخت ترین شے کو توڑ ڈالتی ہے۔ دنیا میں پانی سے زیادہ کوئی نرم شے نہیں۔ لیکن سخت ترین چٹانوں کو پانی کاٹ ڈالتا ہے" [1]

اس کا خیال ہے کہ اصلاح سزا اور تعذیب سے نہیں ہو سکتی۔ اس کا یہ دعویٰ ہے کہ محبت اور نرمی سے بڑے بڑے گناہ گاروں اور سرکش انسانوں کو راہ راست پر لایا جا سکتا ہے۔

لاؤزے نیکوکار کو پانی سے تشبیہ دیتا ہے کہ بنی آدم میں سب سے اچھا پانی کی مانند ہے۔ پانی ہر شے کو فائدہ دیتا ہے اور کسی سے مقابلہ نہیں کرتا۔ وہ ہمیشہ ایسی پست جگہوں میں جمع ہوتا ہے جو حقیر سمجھی جاتی ہیں۔

لاؤزے کے نزدیک سب سے بہترین وہ شخص ہے جو بنی آدم سے محبت کرے اور کسی سے نفرت نہ کرے۔

جذبات پر قابو پانا :۔ لاؤزے نفسی خواہشات اور جذبات پر قابو پانے پر بہت زور دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جو دوسرے پر غالب آجاتا ہے وہ قوی ہے اور جو خود غالب آجاتا ہے وہ قوی تر ہے [2] اور دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں کہ انسان اپنی خواہشات کا غلام بن کر رہ جائے لالچ سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں اور حرص سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں۔ اس سے بڑھ کر کوئی وبال نہیں [3]

حیات بعد الممات :۔ لاؤزے حیات بعد الممات کا قائل ہے۔ وہ اس کو خوش گوار تبدیلی قرار دیتا ہے۔ لیہ زو کا کہنا ہے کہ موت ہر ذی حیات پر لازمی آئے گی، اس وجہ سے اس سے ڈرنا نہیں چاہیئے [4]

---

[1] فلسفۂ اسلام حصہ اول مصنفہ آغا محمد سلطان مرزا ایم اے ایل ایل بی صفحہ ۱۰۱

[2] بحوالہ دنیا کا مذہبی نظام صفحہ ۸۰ ۔

[3] بحوالہ دنیا کا مذہبی نظام صفحہ ۸۰ ۔

[4] بحوالہ دنیا کا مذہبی نظام صفحہ ۸۱ ۔

ایک اور موقع پر کہتا ہے :

"موت اور زندگی میں وہی تعلق ہے جو جانے اور آنے میں ہے۔ ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اس دنیا سے کوچ کرنے کے معنی دوسری دنیا میں پیدا ہونے کے نہیں ہیں۔ اور کیا انسان زندگی سے محبت کر کے بہت فریب میں مبتلا نہیں ہے۔ میں کیسے کہہ سکتا ہوں کہ اگر میں مرجاؤں تو میری زندگی اس زندگی سے زیادہ خوشگوار ہوگی جو پیدا ہونے سے پہلے تھی۔ افسوس کہ انسان موت کی ہولناکیوں سے تو واقف ہے لیکن اس کی راحتوں کو نہیں جانتا۔ انسانی زندگی کا تابناک پہلو یہی ہے کہ ازل ہی سے موت تمام انسانوں کا نوشتہ تقدیر بنی ہوئی ہے۔ موت نیکوں کے لئے سکون اور بدوں کے لئے پردہ ہے۔ موت گھر کی طرف واپسی کے مترادف ہے۔ مُردے وہ ہیں جو اپنے گھروں کو جا پہنچے اور زندہ ابھی تک بھٹکتے پھر رہے ہیں"۔[1]

حکومت کے متعلق تعلیم :۔ لاؤزے کے نزدیک بدترین حکومت وہ ہے جس میں فلاسفر حکمران ہوں۔ کیونکہ علماء اور فلاسفر اپنے علم کو بدی کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

لاؤزے نے یہ نظریہ اور خیال اپنے دور کے بوڑھے علماء اور فلاسفروں کو دیکھ کر پیش کیا تھا۔ کیونکہ وہ اپنے علم کو لوگوں کی ہدایت کی بجائے بدی اور برائی کے لئے استعمال کرتے تھے۔ ان کو دیکھ کر یہ نظریہ پیش کیا کہ حکمران سیدھا سادہ اچھا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ رعایا کو اپنا طرز عمل خود مرتب کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیتا ہے۔ جس سے لوگوں کی مخفی استعدادیں اور اخلاقی قوتیں اپنا عمل کرنا شروع کر دیتی ہیں۔

نیچر سے لگاؤ :۔ لاؤزے نے نیچر پر بڑا زور دیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جس طرح نیچر میں تمام چیزیں خاموشی سے اپنا کام سرانجام دے رہی ہیں، اسی طرح انسان کو بھی بغیر کسی حرص اور شہرت کا خیال کئے کام میں مشغول رہنا چاہیئے۔ اس سے سکون اور راحت نصیب ہوتی ہے۔

مابعد تاؤازم :۔ تقریباً ہر مذہب میں مرور زمانہ کے ساتھ خارجی عناصر شامل ہوتے رہتے ہیں۔ یہی ستم تاؤازم کے ساتھ ہوا۔ اس مذہب کے بگڑنے کی دو وجوہ ہیں :

ایک وجہ یہ ہے کہ اس کے کچھ صحائف تلف ہو گئے اور کچھ محرف۔ جو کچھ بچا وہ مفسرین کی تاویلوں کی تاریکی کے پیچھے آکر اپنی روشنی کھو بیٹھا۔ عوام اپنے آقا کے اقوال کی معنویت تک پہنچنے کی صلاحیت سے عاری ہو گئے۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ اس مذہب کے نظریات فلسفیانہ تھے جن کو عوام آسانی سے سمجھ نہیں

---

[1] تاؤازم کا مذہبی نظام صفحہ ۔

نہیں سکتے تھے۔ ان فلسفیانہ نظریات کی عجیب و غریب تشریح کی جانے لگی۔ لاؤزے نے کہا کہ انسان فطرت کے ساتھ منفعلانہ اتحاد کے ذریعہ غیر فانی بن سکتا ہے۔ لاؤزے کے بعد اس نظریہ کی روشنی میں یہ کوشش کی جانے لگی کہ حیات جاودانی کا کوئی نسخہ مل جائے۔ چنانچہ لاؤزے کے پانچ سو سال کے بعد ایک شخص چنگ تاؤ لنگ نے یہ اعلان کیا کہ اس نے ایک ایسا شربت تیار کیا ہے کہ جو شخص اسکو پی لے گا وہ حیات جاودانی سے ہمکنار ہو جائے گا۔ یہ شخص تاؤدں کا معبود بن گیا۔ اس طرح اس "مت" میں شرک، سحر و فسوں اور توہم پرستی نے جگہ حاصل کر لی۔

## اسلام اور تاؤازم

تاؤتی چنگ کے موجودہ نسخہ میں صرف ایک لفظ تاؤ ہی ہے جس کے کئی ایک معنی ہیں، جو تصور ذات کی عکاسی کرتا ہے۔ فی زمانہ تاؤازم کے پیروکئی دیوتاؤں اور ارواح کو مانتے ہیں۔ یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ لاؤزے ایک ازلی اور ابدی روحانی کا قائل تھا۔

"بدل وجان ایک ہی سے لپٹے رہو تو تاؤ تمہاری یاد سے محو نہیں ہوگا۔ اپنی تمام تر قوت کو توجہ حصول شرافت پر مرکوز رکھو تو ہی تم نوزائیدہ بچے کی طرح ہو سکو گے۔ اپنی بصیرت، وجدان اور ضمیر کو پاک و صاف رکھ کر ہی تم کمال حاصل کر سکتے ہو۔ رعایا پر شفقت اور نظام امور سے حکومت کے قیام و دوام کی مشکلات پر غلبہ حاصل کر سکو گے۔"

تاؤتی چنگ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لاؤزے ایک سچے خدا پر ایمان رکھتا تھا اور خود کو اس کی رضا کے تابع کرنے میں ہی عظیم تر نیکی قرار دیتا ہے۔ وہ لوگوں کو خدا کی محبت اور عشق میں قائم رہنے کی تلقین کرتا تھا۔ تاؤازم کی اخلاقی تعلیم اخلاق کے ان ہمہ گیر اصولوں پر حاوی ہے جو تمام الہامی مذاہب کی روح ہیں۔ امرا کے ظلم و تشدد کے دور میں اس نے نیکی، سکون، عدم مداخلت اور صلح پر زور دیا۔ ایک ایسے سماج میں جہاں خود غرضی، لوٹ کھسوٹ اور نفسا نفسی کا دور دورہ تھا۔ اس نے بدی کا بدلہ نیکی سے چکانے کو فرض قرار دیا۔ تاہم تاؤازم ایک مکمل دین نہیں ہے اور زندگی کے ہر شعبہ میں انسان کی راہنمائی نہیں کرتا۔ جس صورت میں یہ آج کل رائج ہے اسے کفر، الحاد اور توہم پرستی سے ممیز کرنا ناممکن ہے۔

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں انسان کی راہنمائی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہر شرک سے پاک ٹھہراتا ہے۔ نیکی اور بدی کے مسئلہ کو واضح طور پر بیان کرتا ہے۔ حشر و نشر کی تعلیمات کے ہر گوشہ پر روشنی ڈالتا ہے۔ اسلامی تعلیم تمام اقوام

اور زمانوں کے لئے ہے اور ہر دور کی ضرورت کو کما حقہٗ پورا کرتی ہے۔ یہ امر مسلم ہے کہ خدا نے ہر قوم میں مختلف زمانوں میں نبی بھیجے اور ہر ایک کے پاس اس قوم کی ضرورت کے مطابق خدا کا پیغام تھا۔ اسلام کا پیغام سب دنیا کے لئے ہے اور دُنیا کے سب لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے آیا ہے۔

# کنفیوشس مذہب

چین کے دو مذہب تاؤازم اور کنفیوشس ازم مشہور ہیں لیکن کنفیوشس کے مذہب نے چین پر دیرپا اثرات چھوڑے ہیں۔ ایسے انقلابی دور میں زندگی بسر کرتے ہوتے جب کہ امراء کی باہمی لڑائیاں زوروں پر تھیں کنفیوشس (CONFUCIOUS) نے سماجی ترتیب جہتی اور توازن پر زور دیا۔ سماجی ہم آہنگی کی اہمیت کی نشاندہی کی۔ وہ اپنے ہم وطنوں کی نظر میں رہبر اعظم یا حکیم الحکماء کا درجہ رکھتا ہے۔

کنفیوشس بحیثیت مصلح:۔ یہ فلاسفر موضع کوفو CHUFU میں جو سلطنت لیو LU موجودہ صوبہ شانٹنگ (SHANTUNG) میں ہے ۵۵۰ ق م یا ۵۵۱ ق م میں پیدا ہوا۔ بچہ کی پیدائش کے وقت والدین اپنی عمر کی ستر دیں بہار دیکھ چکے تھے۔ جب کنفیوشس تین سال کا ہوا تو باپ کا سایہ اٹھ گیا۔ اس عہد کے سربرآوردہ قبیلے کی (KI) نے اس کی پرورش کی۔ جب انیس سال کا ہوا تو اس نے شادی کر لی۔ چار سال کے بعد اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور اس کے بعد کوئی شادی نہیں کی۔ سب سے پہلے حکومت کے مال خانہ میں ملازمت کی۔ ایک سال کے اندر ہی اپنی ذمہ کارکردگی کی بنا پر زراعت اور جانوروں کے چرواہوں کا نگران مقرر کر دیا گیا۔ ملازمت کے دوران تاریخ، ادب، شاعری اور سیاسیات کے متعلق خوب مطالعہ کیا۔ جب ستائیس سال کا ہوا تو اس کی والدہ کا انتقال ہو گیا اور ملازمت سے استعفاء دے کر تعلیم و تدریس کا پیشہ اختیار کر لیا۔ وہ جلد ہی اپنی زاد بوم لو (LU) میں ہزاروں شاگردوں کا ہادی بن گیا۔ اس کی تعلیم سقراط کی طرح زبانی ہوا کرتی تھی۔ اس کی تعلیم اور رشد و ہدایت کا اتنا چرچا ہو گیا کہ صوبہ "لو" کے وزیر اعظم نے بستر مرگ پر اپنے بیٹے کو وصیت کی تھی کہ وہ کنفیوشس سے تعلیم حاصل کرے۔

اس زمانے میں ریاست کے تین مقتدر خاندانوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ انجام کار وہ امیر جس کی ملازمت میں کنفیوشس تھا شہر بدر کر دیا گیا۔ کنفیوشس اس کے ساتھ قریبی صوبے سی TSI میں چلا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ واپس لو (LU) میں آ گیا۔ لیکن اسے مناسب ملازمت حاصل کرنے میں پندرہ سال لگے۔ ۵۱ سال کی عمر میں شہر چنگ ٹو (CHUNG—) کا قاضی بنا دیا گیا۔ نہایت ہی ایمانداری اور دیانت داری سے اپنے فرائض

سرانجام دیئے۔ ایک مثالی نظامیہ اور عدلیہ قائم کرنے میں کامیابی اس کا حصہ تھی۔ ملک میں امن و امان کا پرچم لہرانے لگا۔ اُمرا کی بالادستی اور رشوت خوری کا بازار ماند پڑ گیا۔ جرائم اور بداخلاقی ناپید ہو گئی۔ وہ اپنی اس ملازمت کے دوران انہی اصولوں کا پابند تھا جن کی تعلیم دیتا تھا۔ عدل و انصاف پر مبنی طرزِ عمل سے اس کے بدخواہ پیدا ہو گئے جو بڑی عیاری اور چالاکی سے اسے شکست دینے کی کوشش میں تھے۔

• افسانہ طرازوں نے یوں بیان کیا ہے کہ حاسدوں نے جواں سال امیر ریاست کے دربار میں چند حسین رقاصائیں پیش کیں۔ امیر ان کا والہ و شیدا ہو کر امورِ سلطنت سے غافل ہو گیا اور اس نے عیاشی اور بے راہ روی کو اپنا محبوب مشغلہ بنا لیا۔ ان حالات میں کنفیوشس کا اسے سمجھانا اور تنبیہ کرنا ناگزیر امر تھا۔ امیر اور اس کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد اختلافات اس قدر بڑھ گئے کہ اسے تمام اختیارات سے محروم کر کے ملک بدر کر دیا گیا۔

۴۹۷ ق م سے اس کی سرگردانی کا دور شروع ہوا۔ چند شاگردوں کے ساتھ اس نے جگہ جگہ غریب الوطنی میں زندگی بسر کی۔ اکثر اسے اپنی جان کا خطرہ درپیش رہا۔ کس مپرسی اور مفلسی کے دن ختم ہونے میں نہ آتے تھے۔ جب ڈیوک گائی (GAE) تو حکومت پر قابض ہوا تو اس نے ۴۸۳ ق م میں کنفیوشس کو اپنے شہر میں واپس بلایا اور ایک اصلاح اور تعلیم کا سلسلہ از سرِ نو شروع کر دیا۔ ۴۷۹ ق م میں کنفیوشس نے وفات پائی۔

## تعلیمات

اللہ تعالیٰ کے متعلق نظریہ:۔ کنفیوشس کا قول ہے: "پندرہ سال کی عمر میں مجھے مطالعہ کا شوق ہوا۔ تیس سال کی عمر میں مجھے کردار کی پختگی حاصل ہو گئی۔ چالیس سال کی عمر تک سب ذہنی الجھنوں پر غلبہ پا لیا اور پچاس سال کی عمر میں خدا کا عرفان حاصل کر لیا۔ (ANALECTS) خدا نے مجھے ون وانگ (WENN WANG) کی قدیم دانائی بخشی، لہٰذا اب مجھے کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا (ANALECTS) نور و ہدایت ہمیں خدا کی طرف سے حاصل ہوئے ہیں جن کے ذریعے ہم اپنا اور نسلِ آدم کا احیا کر کے انسانی کمال تک پہنچ جاتے ہیں"۔

اس معتقد اور عظیم فلاسفر کے یہ تین قول ہی مغربی محققین کی تمام آراء کا ازالہ کرنے کے لئے کافی ہیں۔ کیونکہ ان کا یہ خیال ہے کہ کنفیوشس خدا کی ہستی کا معتقد تھا، بلکہ صرف ایک لامذہب استاد تھا۔

چینی زبان کے دو الفاظ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ہستی کے تصور کو ظاہر کرتے ہیں:
شنگٹی (SHANGTI) بمعنی حاکم مطلق اور ٹی ین (T. IEN) یعنی آسمان۔

کنفیوشس نے اپنی تقریروں میں ٹی ین کے لفظ کو استعمال کیا ہے۔ ٹی ین (T. IEN) خدا کی پروردگاری اور لامحدودیت پر دلالت کرتا ہے۔ کنفیوشس کی تعلیم کے مطابق خدا ایسے قانون وضع اور نافذ کرتا ہے جس کے ذریعہ کائنات وجود میں آئی ہے اور اپنے مقررہ وقت تک قائم رہے گی۔ وہ اپنی شریعت انسان پر عیاں کرتا ہے جس پر عمل کر کے انسان مقصد حیات اور سعادت ابدی حاصل کر سکتے ہیں۔ اینلیکٹس (ANALECTS) سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ کنفیوشس نے ایسے زمانے میں خدائے واحد کا نام سربلند کیا جب کہ چین میں فطرتی مظاہر، ارواح خبیثہ اور باپ دادا کی روحوں کی پرستش کا رواج تھا۔ اس زمانہ میں کنفیوشس نے کہا: خدا ہی حقیقی پناہ گاہ ہے جس کی تلاش ہمیشہ سے جاری ہے۔ جو خدا کو ناراض کرتا ہے اسکی نجات مشکل ہے۔ کنفیوشس خدا پر واضح ایمان اور توکل رکھتا تھا، وہ کہتا ہے کہ اگر خدا چاہتا کہ یہ عمدہ تمدن مٹ جائے تو وہ ایک ذی نفس بھی اس روئے زمین پر نہ چھوڑتا جو اس تمدن کو قائم رکھ سکتے، اور نہ کسی کو اس کی جانب توجہ کرنے کی توفیق دیتا۔ چونکہ خدا نے اسے مٹنے نہیں دیا، لہذا کوانگ (K'UANG) کے باشندے میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ کنفیوشس کے نزدیک تقویٰ اور راضی برضاء الٰہی ہونا ہی صراط مستقیم ہے۔

حیات بعد الممات :۔ حیات بعد الممات اور جزاء و سزا کا تصور کنفیوشس کی تعلیم میں واضح نہیں ملتا۔ لیکن بعض ایسے اشارات ضرور ملتے ہیں جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ حیات بعد الممات اور جزاء و سزا کا معتقد تھا۔ یہ بات مسلم ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو ایک مانتا ہو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو وہ لازمی طور پر حیات بعد الممات اور جزاء و سزا کا معتقد ہوگا۔

ایک موقع پر اس نے کہا کہ اچھے بادشاہ اور نیکوکار عہدہ دار جنہوں نے اپنی زندگی میں نمایاں کام کئے ہوں گے مرنے کے بعد ان کو آسمان پر خدا کی قربت نصیب ہوگی اور ان کو اختیار ہوگا کہ جب چاہیں وہ زمین پر آئیں جائیں اور اپنے عزیزوں کی مدد کریں جو ان کو نذر و نیاز پیش کرتے ہیں۔ لیکن ظالم بادشاہ اور بدکار عمال حکومت کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟ اس کے متعلق کنفیوشس بالکل مہر بہ لب ہے۔

کنفیوشس ادبیات میں جہنم کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ البتہ کہیں کہیں ایسے اشارات ملتے ہیں جن سے کوئی یقینی نتیجہ اخذ کرنا ممکن نہیں۔ مثلاً ی کنگ (YEKING) نامی کتاب جو کنفیوشس کی خود اپنی تصنیف کہی جاتی ہے، میں ہے: جو خاندان نیکی کرتا ہے وہ یقیناً بے انتہا خوشیاں جمع کرے گا اور جو گھرانا برائیوں کے درپے ہوتا ہے اسے غیر محدود غم و افسوس سے سابقہ پڑے گا۔[1]

---

[1] مذہبی نظام ص ۴۷ بحوالہ تاریخ مذاہب مصنفہ شیخ احمد دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۸ء ص ۱۱۵۔

لیکن خوشی سے کیا مراد ہے اور غم کا کیا تصور ہے؟ اس کی تشریح کہیں نہیں ملتی۔ ایک اور موقع پر لکھتا ہے: "والدین کی نیکیاں اور برائیاں بچوں پر اثر انداز ہوتی ہیں"۔[1]

انسان دوستی اور اعلیٰ انسانیت: ۔کنفیوشس انسان کو ہی ہر چیز کا معیار ٹھہراتا ہے۔ اس کا قول ہے: "سچائی کی عظمت انسان سے ہے نہ کہ انسان کی عظمت سچائی سے"۔ وہ ایمان رکھتا ہے کہ انسان طبعاً نیک ہے اور وہ نیکی کی طرف رغبت کرے گا، اگر اعلیٰ اور حکمران طبقہ اس کے سامنے اچھی مثال قائم کریں۔ پیدائشی اور موروثی گناہ کے مابعد الطبیعیاتی الزام سے اس کا کوئی سروکار نہیں رہے گا۔ وہ زندگی اور انسان کا دوست ہے۔ کنفیوشس خوب جانتا ہے کہ انسان بغیر کسی الزام کے بوجھ کے کافی دکھی ہے اور ہمیشہ دو خطرات "تباہ کن عناصر اور بدکردار فرمانرواؤں" سے دوچار رہا ہے۔ وہ ہمیشہ انسانوں کا معاون رہا ہے اور ان کی تکمیل پذیر یا نہ صلاحیتوں پر اعتماد رکھتا ہے۔ اسکی ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ انسان تباہ نہ ہوں۔

کنفیوشس کے مقولے: ۔انسان اعلیٰ سمجھتا ہے کہ حق کیا ہے۔ پست آدمی بھی سمجھتا ہے کہ حق کیا ہے لیکن وہ مصلحت اندیش ہوتا ہے۔

"انسان اعلیٰ اپنی روح کو عزیز رکھتا ہے اور پست آدمی اپنی دولت اور جائیداد کو۔ انسان اعلیٰ کو یاد رہتا ہے کہ اسے کس طرح اور کب کوتاہیوں کی سزا ملی، لیکن پست آدمی حرف یہ یاد رکھتا ہے کہ اسے کیا کیا انعامات اور بدلے ملے۔ انسان اعلیٰ کوتاہی کا الزام اپنے ذمہ لیتا ہے اور کمتر آدمی دوسروں کے سر تھوپتا ہے۔ انسان اعلیٰ باعظمت، باوقار اور مطمئن ہے اور مغرور نہیں ہوتا، پست آدمی مغرور ہوتا ہے اور ہر عظمت اور وقار سے خالی۔ انسان اعلیٰ دوسروں کی رائے کے بارے میں فراخ دلی سے کام لیتا ہے لیکن مکمل طور پر ان سے متفق نہیں ہوتا۔ پست آدمی دوسروں سے متفق ہوتا ہے لیکن ان سے کشادہ دلی میں بخل سے کام لیتا ہے۔ انسان اعلیٰ مزاج کا پختہ ہوتا ہے لیکن جھگڑالو نہیں، وہ دوسروں کے ساتھ آزادانہ میل جول رکھتا ہے مگر دھڑے بندیوں سے الگ رہتا ہے"۔

انسان اعلیٰ کے کردار کی علامت بنی نوع انسان سے ہمدردی اور شفقت ہے۔ دوسروں کی نیکیوں اور قابلیتوں سے اس کو غصہ نہیں آتا بلکہ خود ان سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب وہ اپنے سے کمتر انسان کو دیکھتا ہے تو وہ اپنے اوپر نظر ڈالتا ہے اور دیکھتا ہے کہ جو برائیاں دوسروں میں نظر آتی ہیں مجھ میں تو نہیں۔ کیونکہ بہت سے ایسے نقائص ہیں جو دوسروں میں ہیں اور ہم میں بھی ہیں۔

---

[1] ایضاً صفحہ ۷۴ بحوالہ تاریخ مذاہب صفحہ ۱۱۶۔

انسان اعلیٰ حسب ذیل باتوں کا خیال رکھتا ہے :

۱۔ اس کی آنکھیں صفائی سے دیکھیں۔
۲۔ اس کے چہرے سے نشان مہر و الفت نمایاں ہو۔
۳۔ اس کا رویہ باعزت ہو۔
۴۔ گفتگو میں خلوص ہو۔
۵۔ معاملات میں ہوشیاری ہو۔
۶۔ جن امور میں شک ہو وہ دوسروں سے سوال کرے۔
۷۔ جب اس کو غصہ آئے تو وہ خیال کرے کہ اس غصہ کا نتیجہ کیا ہوگا اور اس کے لئے کیا مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔
۸۔ جب وہ نفع حاصل کرنے کا خیال کرے تو سب سے پہلے حق و نیکی کا خیال کرے یعنی نفع اسطرح حاصل کیا جائے کہ حق و نیکی کا پہلو قائم رہے۔

اخلاقیات :۔ کنفیوشس نے اخلاقیات پر بہت زور دیا ہے، وہ کہتا ہے کہ سارے اعمال کا مدار خلوص نیت پر ہے۔ اور بلند کردار آدمی کی یہ نشانی ہے کہ اس کے قول اور عمل میں مطابقت ہوتی ہے۔

اصلاح اخلاق کے لئے علم و تربیت کو ضروری قرار دیتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی دولت علم ہے، اور علم کے لئے غور و خوض لازمی ہے۔ بغیر غور و خوض کے علم لاحاصل ہے۔

کنفیوشس نے باہمی مراعات اور ہمدردی پر بہت زور دیا ہے، وہ کہتا ہے :
کا آغاز سب سے پہلے اپنے خاندان سے ہو، پھر اس کی حدیں پھیلتے پھیلتے تمام معاشرہ اپنے اندر لے لیں۔ اس نے انسان کے پانچ اہم بنیادی تعلقات پر بہت زور دیا ہے جو طور پر پہلے سے ہی چین میں موجود تھے۔

بادشاہ اور رعایا۔ ۲۔ باپ اور بیٹا۔ ۳۔ بڑا اور چھوٹا بھائی۔ ۴۔ میاں بیوی۔ ۵۔ دوست دوست۔

کنفیوشس اس بات کو جان چکا تھا کہ بدنظمی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب حاکم اپنے کے تقاضے بھلانے میں قاصر ہو، اور رعایا بھی اپنے مقام سے دور ہو چکی ہو۔ باپ اپنے اور مرتبہ سے غافل ہو اور بیٹا اپنے فرائض سے منہ موڑ چکا ہو۔ علیٰ ہذا القیاس۔ وہ

---

فلسفہ اسلام حصہ اول مصنفہ آغا محمد سلطان مرزا دہلوی ایم اے ایل ایل بی صفحہ ۱۔

اس بات کو بخوبی جان گیا تھا کہ بنیادی انقلاب اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک کہ ہر ایک اپنے اپنے مرتبہ اور مقام کا خیال نہ رکھے۔ کسی نے ایک بار اس سے پوچھا: کیا کوئی ایک لفظ ایسا ہے جو زندگی کے لئے بنیادی اصول کا کام دے سکے؟ اس نے جواب دیا: "ہاں" باہمی مراد یعنی دوسروں کے ساتھ وہ سلوک نہ کرو جو تم دوسروں سے اپنے لئے پسند نہیں کرتے"۔

کنفیوشس کے فلسفہ اخلاق کی خصوصیت: کنفیوشس کے فلسفے کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ قانون عمل اور فطرت کے مطابق ہے۔ اس نے اپنے ہم عصر فلاسفر لاؤزے کی طرح یہ نہیں کہا کہ بدی بدلائی سے دو، بلکہ اس نے قصاص اور باہمی انتقام کے واضح اصول پیش کئے۔

## سیاسیات کے متعلق تعلیم

کنفیوشس نے نظام سلطنت کے متعلق حسب ذیل اصول بناتے ہیں:

پہلا اصول یہ ہے کہ بادشاہ خود اپنے عمل سے رعایا کے لئے اچھی مثالیں قائم کرے۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ حکومت بغیر عوام الناس کی حمایت کے قائم نہیں رہ سکتی، اس وجہ سے حکمرانوں کو چاہیئے کہ وہ عوام الناس کا اعتماد حاصل کریں۔ اعتماد محبت کے ذریعہ ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ اور محبت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب حکمران طبقہ عوام الناس کی بھلائی اور بہبودی کے کام کریں۔

تیسرا اصول یہ مقرر کیا ہے کہ حکمران طبقہ اور رعایا اپنے اپنے فرائض خلوص سے سرانجام دیں۔

چوتھا اصول یہ ہے کہ حکمران علم و عقل کو اپنا مشیر بنائیں۔

پانچواں اصول یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیئے جسے وہ خود اپنے لئے پسند نہ کریں۔

چھٹا اصول یہ ہے کہ عہدوں پر ایماندار اور دیانت دار آدمیوں کو مقرر کیا جائے۔

سلطنت کو درست کرنے کا طریقہ:۔ "قدماء جب چاہتے تھے کہ ساری سلطنت میں نیکی پھیل جائے تو سب سے پہلے اپنی ریاست کو درست کرتے تھے۔ ریاست کو درست کرنے سے پہلے اپنے خاندانوں کو درست کرتے تھے۔ خاندانوں کو درست کرنے سے پہلے وہ خود اپنے تئیں درست کرتے تھے۔ اپنے تئیں درست کرنے سے پہلے وہ اپنے دلوں کو درست کرتے تھے اپنے دلوں کو درست کرنے کے لئے وہ اپنے خیالات میں خلوص پیدا کرتے تھے۔ اپنے خیالات میں خلوص پیدا کرنے سے پہلے وہ اپنا علم بڑھاتے تھے اور اشیاء کے علم بڑھانے کے لئے اشیاء کی ماہیت کی تحقیقات میں مصروف ہو جاتے تھے۔

جب اشیاء کی ماہیت معلوم ہوگئی تو پھر علم مکمل ہوجاتا ہے۔ جب علم مکمل ہوجاتا ہے تو ان کے بالات میں بھی خلوص پیدا ہوجاتا ہے۔ خیالات کے بعد دل میں بھی خلوص آجاتا ہے۔ اور جب ل درست ہوجاتا ہے تو خود وہ درست ہوجاتے ہیں۔ جب وہ درست ہوجاتے ہیں تو ان کا انذان درست ہوجاتا ہے۔ جب ان کے خاندان درست ہوجاتے ہیں تو ان کی ریاست درست ہوجاتی ہے۔ اور جب ریاستیں درست ہوتیں تو ساری سلطنت درست ہوجاتی ہے۔[1] ان دو پیراگراف میں کنفیوشس کے تمام فلسفے کا نچوڑ آجاتا ہے۔

## مابعد کا کنفیوشس ازم

کنفیوشس کو یہ احساس تھا کہ وہ اپنے مقصد میں ناکام رہا ہے۔ کیونکہ اسے مناسب حاکم نہیں ملا د استقامت کے ساتھ اس کے اصولوں پر کاربند ہوسکتا۔ لیکن اس کی وفات کے بعد فوراً اس کے ظریات لوگوں کے دلوں میں گھر کرنا شروع ہوگئے اور آہستہ آہستہ اس کی ہر دلعزیزی اور اثر میں اضافہ وتا چلا گیا، حتیٰ کہ اس کا نام چینی ثقافت کا ہم معنی ہوگیا۔ اس کی شخصیت اور تعلیم کی مہر چینی زندگی کے ہر پہلو پر نمایاں نظر آنے لگی۔ پہلی عیسوی میں کنفیوشس کو ڈیوک فی (IN) یعنی کامل اور اعظم کا خطاب دیا گیا۔ ۵۷ء عیسوی میں اس کے لئے قربانی چڑھانے کا حکم ہوا۔ ۶۰۹ء میں ہر ول میں اس کے نام سے ایک مندر تعمیر کیا گیا۔ ۶۵۷ء میں اسے کونگ (K'UNG) یعنی ریم استاد یا دانائے کامل کے خطاب سے سرفراز کیا گیا، یہ لقب آج تک اس کے نام کا حصہ ہے۔

مرور زمانہ کے ساتھ یہ مذہب بے لچک اور فاسد ہوگیا۔ کنفیوشس کا گزشتہ تقدس اور احترام نئے ظریات کی ترویج اور اشاعت میں رکاوٹ بن گیا۔ بلکہ بزرگوں اور فطری ارواح کی پرستش پھر سے زہب کا جزو لاینفک بن گئی۔ رفتہ رفتہ لوگ اس بات پر ایمان لے آئے کہ کنفیوشس کوئی نیا مذہب لے کر نہیں آیا تھا، بلکہ وہ قدیم اعتقادات اور رسوم کے دوام اور احیاء کے لئے سینہ سپر ہوا تھا۔ اس کی وحید پرستی میں ارواح فطرت شیاطین پرستی کے پرانے عقیدے شامل کر لئے گئے۔

کنفیوشس نے اپنے معتقدوں پر ذاتی اور اجتماعی نظم وضبط کے لئے چند رسوم کی ادائیگی لازمی ٹھہرائی تھی۔ لیکن اس کے بعد یہ مذہب کئی ایک بے معنی رسموں اور قربانیوں کا طومار بن گیا۔ اس کے علاوہ کنفیوشس ازم میں توہم پرستی نے ایک اہم مقام حاصل کر لیا۔ فال گیری اور دوسرے کئی وہمی طریقے حادثات اور ارواح خبیثہ سے بچنے کے لئے مذہب کا لازمی جزو قرار دے دیئے گئے۔

---

[1] فلسفہ اسلام مصنفہ آغا محمد سلطان مرزا دہلوی ص ۱۵۳۔

کنفیوشس کی وفات کے سو سال کے کچھ عرصہ بعد اس مذہب میں ایک عظیم مصلح پیدا ہوا، جس کا نام مین شیس (MECIOUS) (۳۷۲ - ۲۸۹ ق م) تھا۔ اس نے اپنی تعلیمات میں توحید، انسان کی طبعی نیکی اور کنفیوشس کے اعلیٰ اصولوں پر زور دیا۔ انسانی ہمدردی کو برقرار رکھنے کے ساتھ اس نے راست کاری کو لازمی قرار دیا۔ لیکن ظلم و ستم اور فساد اس قدر زوروں پر تھا کہ مین شیس اور کنفیوشس کے دوسرے سچے عقیدت مندوں کے لئے یہ بات بہت مشکل تھی کہ وہ برائیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔

کنفیوشس ازم پر تباہی:۔ کنفیوشس کے تقریباً اڑھائی سو سال کے بعد سین شیہہ ہوانگ ٹی نام کے بادشاہ نے چین پر قبضہ کرنے کے منصوبے باندھے اور بہت سی ریاستوں پر تسلط جما لیا۔ اور شہنشاہ کا لقب اختیار کیا۔ اس نے اہل چین کے دلوں سے ان کے بادشاہوں اور قابل احترام ہستیوں کی یاد کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کی، لیکن وہ ناکام رہا۔ آخر کار اس نے اپنے وزیروں سے مشورہ کرنے کے بعد کنفیوشس ازم کی تمام کتب کو جلا دینے کا حکم دیا۔ اس وقت تک ان کتب کی تعداد اس قدر زیادہ ہو چکی تھی کہ یہ تین ماہ تک جلتی رہیں۔ کچھ آدمی چند کتب کو محفوظ کر لینے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے ان کتب کو دیواروں میں چن دیا۔ جب سین بادشاہ کا انتقال ہوا تو لوگوں نے بہت خوشی منائی اور کتب کو نکال کر از سر نو اشاعت کی۔ اور کنفیوشس اہل چین کا محبوب بن گیا۔

کنفیوشس ازم کی مقبولیت کے اسباب:۔

۱۔ کنفیوشس نے پرانی اور قدیم روایات کے خلاف کوئی بات نہیں کہی، بلکہ اپنے پیشروؤں کے اقوال اور نظریات کو زندہ کیا اور ان کی طرف لوگوں کو دعوت دی۔

۲۔ کنفیوشس نے زیادہ تر معاشرتی امور کی اصلاح کی طرف توجہ کی۔ اس نے معاشرہ کو پانچ طبقات میں تقسیم کیا: ۱۔ بادشاہ اور رعایا، ۲۔ باپ بیٹا۔ ۳۔ بڑا بھائی اور چھوٹا بھائی ۴۔ میاں بیوی۔ ۵۔ دوست دوست۔

کنفیوشس کی ژرف بین نگاہ نے دیکھ لیا تھا کہ ہر طبقہ اپنے اپنے حقوق اور فرائض خلوص سے سرانجام نہیں دیتا، اس وجہ سے معاشرہ میں بگاڑ اور فساد ہے۔ اور پھر ہر طبقہ کو اپنے اپنے حقوق اور فرائض خلوص کے ساتھ سرانجام دینے کی دعوت دی۔

۳۔ کنفیوشس نے مابعد الطبیعاتی مسائل پر بہت کم گفتگو کی، اگر کی ہے تو اس رنگ میں جو عوام آسانی سے سمجھ سکیں۔

۴۔ کنفیوشس نے اپنی تعلیم کو نہایت سادہ اور عام فہم زبان میں پیش کیا۔

۵- کنفیوشس نے اخلاقی تعلیم پر بہت زور دیا ہے، خاص طور پر ان امور کے متعلق جن کا تعلق روز مرّہ زندگی سے تھا۔ مثلاً لوگوں میں باہمی تعاون، ہمدردی، محبت وغیرہ۔ اس تعلیم کا اثر صرف انفرادی زندگی پر ہی نہیں پڑا تھا بلکہ اجتماعی زندگی پر بھی پڑا۔ ملک کی اقتصادی، سیاسی اور معاشرتی زندگی میں ایک انقلاب پیدا ہو گیا۔

۶- کنفیوشس کا ذاتی کردار بہت بلند تھا۔ جو وہ کہتا تھا، خود اس کا عملی نمونہ ہوتا تھا۔ مختلف عہدوں پر فائز رہا اور لوگوں کی خدمت کی، جس وجہ سے اس کو خاصی شہرت نصیب ہو گئی۔

کنفیوشس کے صحائف :۔ اس مذہب کو اکثر مذہب کتب کہا گیا ہے۔ اس کی متعدد کتب میں سے لن یو LUN—YU یعنی انیکٹس ANALECTS اہم ترین ہے۔ کیونکہ اس کے مطالعہ سے اس تعلیمات کا سمجھنا آسان ہے۔ یہ کنفیوشس کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو اس کے چند شاگردوں نے اس کی وفات کے بعد تالیف کیا۔ اس میں زندگی کے ہر پہلو کے حقائق کو عام فہم کہانیوں اور دہ تمثیلوں میں بیان کیا ہے۔ ایک اور کتاب کنفیوشس کی طرف منسوب ہوتی ہے اور یہ انتساب بل نظر معلوم ہے۔ اس کا نام "علم عظیم" ( GREAT LEARNING) ہے۔ یک اور کتاب بنام تعلیم آدمی ( DOCTRINE OF THE MEN) کنفیوشس کے پوتے ٹسز (TSESZE) کے نام سے منسوب ہے، لیکن حقیقتاً وہ لی چی (LI — CHI) دہ مین شس (MENCIOUS) کی کتابوں کا اکتیسواں باب ہے۔ ان کے علاوہ پانچ اور یم کتابیں ہیں جو قدیم روایات کے مطابق کنفیوشس کی ادارت میں لکھی گئیں، وہ یہ ہیں :

۱- شو چنگ SHU — CHING کتاب التواریخ، جو تاریخی دستاویزوں پر مشتمل ہے۔ پہلے سو تھیں لیکن اب صرف اٹھاون رہ گئی ہیں، جو ۲۴۰۰ ق م سے ۸۰۰ قبل ق م تک کے زمانہ پر مشتمل ہے۔

۲- شی چنگ (SHIH — CHING) گیتوں کی کتاب، اس میں تین سو پانچ نظمیں ہیں یہ ۱۲۰۰ ق م سے ۶۰۰ ق م کے عرصہ میں لکھی گئیں۔

۳- لی چی (LI — CHI) رسموں کی کتاب، جس میں ان سب رسوم کا ذکر ہے جو مذہبی اور غیر مذہبی تہواروں پر ضروری ہیں۔

۴- یی چنگ (YI CHING) انقلابات کی کتاب۔

۵- چون چن (CH'UN — CHIN) خزاں اور بہار کی تاریخ، صوبہ لو (LU) کے ۷۲۲ سے ۴۸۱ ق م تک کے واقعات، حادثات اور حالات کی تاریخ۔ کنفیوشس کا

سب سے پہلا سوانح نگار زی ماچی (ZE — MA — CHIEN) یوں رقم طراز ہے:
"کنفیوشس نے تاریخ کی کتاب پر مقدمہ لکھا، جس میں اس نے ان رسومات اور تقریبات کا بھی جائزہ لیا جس کو قدیم عقلاء اور سلاطین نے نافذ کیا تھا۔ اس نے قدیم نظموں کی تدوین کی اور ان کو مرتب کیا۔ موسیقی میں اس نے اصلاحات کیں۔" (دنیا کا مذہبی نظام ص۲۳)

## کنفیوشس ازم اور اسلام

تاؤازم اور اسلام میں کسی مشابہت کے بارے میں شک کی گنجائش ہے، لیکن کنفیوشس ازم کے متعلق شکوک و شبہات کی کوئی گنجائش نہیں۔ کنفیوشس ازم ۶۰۰ ق م کی سماجی اور قومی زندگی کے سانچے میں ڈھلا ہوا اسلام ہی ہے۔ بنیادی اصول تقریباً ملتے جلتے ہیں، ان کی ظاہری شکل اور رسمیں مختلف ہیں۔ اسلام کنفیوشس ازم کی تعلیمات انسان دوستی، انسانی فطرت کا گناہ سے مبرا ہونا، اور تمام انسان، انسانی ہمدردی اور اخوت، اور افراط و تفریط سے اجتناب کرنے کی تصدیق کرتا ہے بلکہ اسلام وہ مکمل دین ہے جس میں یہ تعلیم اعلیٰ رنگ میں پائی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں اسلام کنفیوشس ازم کے بعد کے فساد اور بگاڑ مثلاً مظاہر پرستی، بزرگ پرستی، قرمانبیار علم غیب حاصل کرنے کے طریقوں کی تردید کرتا ہے۔

اسلام کنفیوشس ازم سے زیادہ واضح اور اعلیٰ رنگ میں اللہ تعالیٰ کی ہستی اور آخرت کے تصور کو پیش کرتا ہے۔

کنفیوشس ازم نے مابعد الطبیعاتی مسائل پر روشنی ڈالی ہی نہیں۔ اسلام نے ان مسائل کو اس رنگ میں بیان کیا ہے۔ ان کا سمجھنا آسان ہو گیا ہے۔

# جاپانی مذہب

## شنٹوازم (SHINTOISM)

شنٹو کے معنی: لفظ شنٹو چینی زبان کے دو لفظوں شن اور ٹو سے مرکب ہے جن کا مطلب ہے: دیوتاؤں کے ڈھنگ یا طور و اطوار۔

شنٹو مذہب کی تاریخ: ۔ شنٹوازم جاپان کا قومی مذہب ہے اور اسی قوم اور ملک تک محدود ہے۔ ہندو مت کی طرح اس کا کوئی ایک بانی نہیں اس کا آغاز زمانہ قبل از تاریخ ہوا ہے۔ یہ دونوں مذہب خاص قوموں کی فطرت کی عکاسی کرتے ہیں اور سماج اور ثقافت کا ہی ایک حصہ ہے۔ انکے دروازے دوسروں پر بند ہیں۔

زمانہ قبل از تاریخ میں جاپان پر جو قبیلہ حکمران تھا وہ سورج کی دیوی کی پرستش کرتا تھا، جس کے گرد ہزارہا دیوی دیوتا اور بھی تھے۔ ان کے علاوہ اسلاف کی بھی پرستش کی جاتی تھی۔ اسی مظاہر اور اسلاف پرستی نے آگے چل کر اس مذہب کی شکل اختیار کر لی۔ اب جاپان میں یہ مذہب قومی تمدن کی حیثیت بھی اختیار کر گیا ہے۔

### شنٹوازم کی خصوصیات

۱۔ کثرت پرستی کا مذہب: ۔ شنٹوازم کثرت پرستی کا مذہب ہے۔ اس کثرت پرستی کا خاصہ اس کے دیوتاؤں کی تعداد سے ہو سکتا ہے۔ کبھی یہ دعویٰ ہے کہ اسی کروڑ ہیں، کبھی ان کی تعداد آٹھ سو کروڑ تک جا پہنچتی ہے۔

۲۔ مظاہر پرستی: ۔ اہل جاپان مظاہر پرستی پر بہت زور دیتے ہیں۔ ان کا سب سے بڑا معبود سورج ہے۔ ان کے خیال میں سورج ایک دیوی ہے۔ جس کا نام اماٹراسو (AMATERASU) رکھا تھا۔ اماٹراسو کو وہ کائناتی قوت کا درجہ نہیں دیتے، بلکہ اس کی حیثیت محض ایک دیوی کی ہے۔

اہل جاپان سمندر، پہاڑ، کھیتوں، درختوں، دریا، حیوانات، پرندوں اور پودوں وغیرہ کی عبادت کرتے تھے۔

۳۔ آبا پرستی: ۔ جاپانی مذہب میں اسلاف پرستی کا عنصر بھی پایا جاتا ہے۔ اسلاف پرستی کا آغاز مُردوں کے خوف و ہراس سے ہوا۔ وہ مُردوں سے محبت کی وجہ سے پرستش نہیں کرتے تھے، نہ ہی ان کے دل میں اس بات کا احترام ہوتا تھا کہ یہ ان کے

خاندان کے افراد ہوا کرتے تھے بلکہ ان کی پرستش محض ان کے شر سے بچنے کے لئے ہوتی تھی۔
وہ نعشوں کو ناپاک سمجھتے تھے، اس وجہ سے جب کوئی آدمی مرجاتا تھا تو اس کی لاش سے جلد از جلد چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ جس مکان میں کسی کی وفات ہوتی تو اس کے عزیز و اقارب اس مکان کو چھوڑ کر کسی دوسرے مکان میں چلے جاتے۔

۴۔ شاہ پرستی :۔ جاپان میں بادشاہوں نے سورج دیوی کی اولاد ہونے کا دعویٰ کیا۔ یہ دعویٰ سب سے پہلے جیمو ٹینو (JIMMOTENNO) نے کیا۔ اہل جاپان کے نزدیک جس طرح یہ سورج دیوی تمام معبودوں کی آقا ہے، اسی طرح بادشاہ بھی تمام جاپانیوں کا مخدوم اور سردار ہے اس طرح شاہی محل مذہب کا مرکز بن گیا اور جاپان میں مذہب اور سیاست لازم و ملزوم ہو گئے۔ بادشاہ کی ذات مذہب اور سیاست کا مرکز بن گئی۔ سورج کی دیوی کی اولاد ہونے کی حیثیت سے بادشاہ آہستہ آہستہ خدائی درجہ پر فائز ہو گیا۔ اس عقیدہ نے جاپانی سیاست کو استحکام بخشا۔ ایک خاندان اڑھائی ہزار سال سے کچھ زیادہ عرصہ تک برسر اقتدار رہا۔ جاپانی بادشاہت کا بانی جم مو تھا، جس کی حکومت کا آغاز ۶۶۰ ق م میں ہوا۔ جنگ دوم کے زمانہ میں بادشاہ ہیرو ہیٹو ایک سو چوبیسواں بادشاہ تھا۔

پروفیسر چیمبرلین لکھتا ہے :

"آج تک شنٹو مذہب کے پیرو صرف اپنے شہنشاہ کی خیر و سلامتی کے لئے دعا مانگتے ہیں، اپنے لئے دعا نہیں مانگتے۔ اور شہنشاہ روزانہ اپنی رعایا کی خیر و سلامتی کے لئے دعا کرتا ہے۔ شہنشاہ کو ایک زندہ کامی سمجھا جاتا ہے، جس کی عظمت اور محبت قوم کے دل میں سب سے بڑھ کر ہے۔ شہنشاہ خود اس قوم سے جس کی خبر گیری اس کے سپرد ہے محبت رکھتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے۔ شہنشاہ اور قوم کا یہ تعلق ایسا ہے جس کو جاپان کا ہر متنفس بخوبی سمجھے ہوتے ہے۔ بادشاہ ہماری ضروریات پر توجہ کرتا ہے اور ہماری تکلیفوں کو محسوس کرتا ہے۔ پس اس کے بعد کیا چیز باقی رہ جاتی ہے جس کو ہم بلا واسطہ کامی سے مانگیں۔ شنٹو مذہب شہنشاہ پرست ہے۔ کامی کی رضا شہنشاہ کی رضا ہے۔ یہی وہ احساس ہے جو ہر ایک جاپانی کی لوح دل پر نقش ہے۔"[1]

۵۔ ہیرو پرستی : جاپانی صرف بادشاہ کی پرستش نہ کرتے تھے، بلکہ ہر اس آدمی کو قابل پرستش قرار دیتے تھے جو قوم اور سلطنت کے لئے کوئی نمایاں کارنامہ انجام دیتا۔

شنٹو ازم میں کامی کا مفہوم :۔ کامی KAMI جاپانی زبان میں دیوتا کو کہتے ہیں۔ اس کا

---

[1] ENCYCLOPADIA OF RELIGION AND ETHICS
VOL II P 462

مطلب بلند اور اعلیٰ ہے۔ چنانچہ مودودی جو شنٹو مذہب کا عالم ہے، لکھتا ہے :

"لفظ "کامی" اوّلاً زمین اور آسمان کے متعدد دیوتاؤں کے لئے استعمال ہوا، جن کا قدیم تذکروں میں ذکر آتا ہے۔ اسی طرح ان کی ارواح (می تاما) کے لئے استعمال ہوتا ہے جو ان معبدوں میں رہتے ہیں جہاں انکی پوجا ہوتی ہے۔ یہ لفظ نہ صرف انسان بلکہ چرند، پرند، نباتات، دریا، پہاڑ اور ہر قسم کی دوسری اشیاء جس سے خوف کرنا اور ان کی عزت کرنا اس لئے لازمی ہے کہ ان کو غیر معمولی اور اہم اختیارات حاصل ہیں۔ جن کا حرف نیکی اچھائی یا فائدہ رسانی میں اعلیٰ ہونا ضروری نہیں، ان سب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ بڑی اور ناپسندیدہ اشیاء بھی کامی کہلاتی ہیں بشرطیکہ ان کا خوف عام ہو۔ کامی کی قسم میں جو انسان داخل ہیں ان میں میکاڈو (شہنشاہ جاپان) کا تذکرہ غیر ضروری ہے۔ دوسروی اشیاء کے منجملہ اعداد (جن کو جاپانی میں ناروکامی یا صوتی خدا کہتے ہیں) اژدہا گونچ (جس کو جاپانی لوڈاما یا روح شجر کہتے ہیں) اور لومڑی شامل ہیں، جو اپنی عیارانہ اور وحشی فطرت کے لحاظ سے کامی ہے۔" [1]

ایک اور مصنف لکھتا ہے :

"مجموعی حیثیت سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ "کامی" اوّلاً، زمین اور آسمان کے دیوتاؤں کا مظہر ہے جو پرانی کتابوں میں ملتے ہیں اور وہ جن کی معابد اور مندروں میں پوجا ہوتی ہے۔" [2]

**شنٹو مذہب میں طریقہ عبادت :-** "شنٹو عبادت میں آدمی دو مرتبہ پہلے اور بعد میں جھک جاتا ہے۔ گھٹنوں کے بل بیٹھ جانا اور بعض اوقات تالیاں بجانا بھی عبادت میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ دیوتاؤں پر پرشاد کا طریقہ بھی رائج ہے۔ مندروں میں ناچ کا طریقہ بھی ہے، یہاں تک کہ بعض اہم معابد میں اسٹیج اور ناچنے والیاں مہیا ہیں۔" [3]

کروڑوں دیوتاؤں کے باوصف اس مذہب کی عبادات بہت سادہ ہیں۔ مقدس مقامات بھی سادہ ہیں۔ ان میں پرستش مقرر ہیں اور وہاں دعائیں کی جاتی ہیں۔ ان میں بت نہیں ہوتے۔ اور رسمیں بھی نہ ہونے کے برابر ہیں، سوائے سرکاری تقریبوں کے۔

**شنٹو مذہب کی دعائیں :-** "احترام سے میں آئس ISE کے دو مقاموں کے عظیم خدا کی پرستش کرتا ہوں۔ جن میں پہلے مقام آٹھ سو کروڑ آسمانی دیوتا اور دوسرے مقام پر آٹھ سو کروڑ آبائی دیوتا ہیں۔ کل سولہ سو کروڑ دیوتا ہوئے، جن کے نام تمام صوبوں جزیروں اور آٹھ جزیروں کی عظیم سرزمین

---

[1] بحوالہ مذاہب عالم مصنفہ احمد عبداللہ المسدوسی ص ۲۶۲، ۲۶۳۔

[2] THE GREAT RELIGIONS OF MODERN WORLD P. 49

[3] مذاہب عالم احمد عبداللہ المسدوسی ص ۲۵۹، ۲۶۰۔

کے تمام مندر مخصوص ہیں اور وہ سولہ سو کروڑ دیوتاؤں سے عبادت کراتے ہیں۔ میں کانپتا ہوا دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے رحم و کرم سے میری کوتاہیوں کا جو انہوں نے دیکھی یا سنی ہوں یا جن کا میں مرتکب ہوا ہوں چارہ کریں۔ اور مجھے اپنے اختیارات کے مطابق جو انہیں الگ الگ حاصل ہیں اپنے فضل و کرم سے نوازیں اور مجھے نیکی کی توفیق دیں۔"

"پاک ہو جیو آسمان، پاک ہو جیو زمین، پاک ہو جیو باطن اور ظاہر اور چھ جڑیں" چھ جڑوں سے مراد حواس خمسہ اور ایک دل ہے۔

جاپانیوں کے اس بھجن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ظاہری اور باطنی پاکیزگی کے کتنے قائل ہیں۔

**تخلیق کائنات کے متعلق نظریہ:** ۔ تخلیق کائنات کے متعلق ان کا یہ نظریہ ہے کہ آسمان کے تیرتے ہوئے پل پر ایک جوڑا رہا کرتا تھا۔ نر کا نام ازونگی IZONGI اور مادہ کا نام ازونمی IZONAMI تھا۔ وہ جوڑا زمین کے ایک جزیرے پر اترا اور وہاں انہوں نے ایک مکان بنایا، جس میں ایک بڑا ستون تھا۔ وہ دونوں اس ستون کے گرد گھومتے۔ اور جب ایک دوسرے سے آمنا سامنا ہوا تو پہلے مادہ بولی اس سے نر کو غصہ آگیا۔ اور اس نے دوبارہ گھومنے کے لئے کہا۔ جب پھر وہ ایک دوسرے کے سامنے ہوئے تو پہلے نر بولا اور اس نے مادہ کی خوبصورتی کا اظہار کیا۔ اس سے دونوں میں میاں بیوی کے تعلقات پیدا ہو گئے۔ اس تعلق کے نتیجہ سے جاپان کے مختلف جزیرے اور بہت سے دیوی دیوتا پیدا ہوئے۔ اس جوڑے سے آگ کی دیوی کی پیدائش کے وقت ازونمی IZONAMI کا انتقال ہو گیا۔ اس پر نر کو غصہ آیا اور اس نے اس نومولود (آگ کی دیوی) کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جس سے اور بہت سے دیوی دیوتا نمودار ہو گئے۔ اب یہ نر اپنی بیوی کے پیچھے "مردوں کی سرزمین یومی YOMI میں گیا۔ وہاں سے واپسی پر ایک سمندر میں غوطہ لگایا تو اس کی پلکوں سے پانی کے جو قطرے ٹپکے اس سے سورج پیدا ہوا اور ناک کے قطروں سے چاند وغیرہ۔

**کتابیں:** ۔ دیوتاؤں کی وہ کہانیاں جو جاپان میں سینہ بسینہ چلی آرہی تھیں، آٹھویں صدی عیسوی کے آغاز میں ایک مقدس مولف یاسومارو YASUMARO کے ہاتھوں دو ضخیم جلدوں میں تالیف ہوئیں۔ ایک کتاب کا نام "کوجی کی" (KOJIKI) یعنی قدیم حالات کی کہانی۔ اور دوسری کا نام "نی ہونگی" (NIHONGI) یعنی تاریخ جاپان ہے۔ ان میں قدیم دیوتاؤں کے محیر العقول کارنامے اور ان کی تعداد اولاد کے جو خود بھی دیوتا، جزیرے، درخت، پہاڑ، دریا، پھول، چٹانیں اور قومی ہیرو ہیں قصے مذکور ہیں۔

**شنٹو ازم کا عظیم تر پہلو:** ۔ یہ سادہ اور تصنع سے عاری کثرت پرستی بہت دیر تک انسانوں کے روحانی اور ذہنی تقاضوں کو پورا نہ کر سکی۔ لہٰذا جاپان میں بھی ہندوستان کی طرح مذہبی مفکر پیدا

ہوئے جو اس کثرت کے پس پشت ایک قوت واحدہ کے وجود پر زور دیتے تھے۔ مشہور شنٹو مصنف ازاوا ناگاہڈے (IZAWA—NAAGHEDE) کہتا ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ ایک وقت آٹھ سو کروڑ دیوتا ہونے کے باوجود ایک ہی ہے، یہی زمین و آسمان کا عظیم ترین اصل ہے اور کائنات کی تمام اشیاء اسی ایک ذات میں موجود ہیں شرائی سادن SHIRAI SOIN مقطراز ہے: "باری تعالیٰ ہی قادر مطلق ہے۔ یہ انسانی الفاظ سے ماورا ہے یہ فہم سے بالاتر ہونے کے باوجود ہر شے میں جاری و ساری ہے۔ جہاں تک شنٹو اخلاقیات کا تعلق ہے یہ خلوص، خود اثباری، روح و بدن کی پاکیزگی اور صفائی پر زور دیتا ہے۔ یہ پاکیزگی جسمانی طہارت کے علاوہ خود تمام اچھائی کی علامت ہے۔ نیکی پاکیزگی ہے اور بدی ناپاکی ہے۔ دیوتا بداعمالی سے اس کی ناپاکی کے باعث متنفر ہیں"۔

شنٹو ازم کی دوسری خوبی خلوص نیت ہے، ان کا یہ نظریہ ہے:

اگر انسان کی جد و جہد مخلصانہ ہے تو یقیناً وہ دیوتاؤں سے ملاپ حاصل کر لے گا۔ باطنی پاکیزگی اور خلوص نیت ہی دل کی پاکیزگی کا دوسرا نام ہے۔

شنٹو ازم کی کتابوں اور تعلیمات میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ مقدس مقامات کی پرستش خصوصاً پاک ترین مقام یعنی آبائی سورج دیوی کی پرستش اسی وقت سہل ہوتی ہے جب یہ خلوص نیت اور پاک دلی سے کی جائے۔

تاہم ہندومت کی طرح شنٹو ازم اس بلند فکری، عمل صالح اور پاک باطنی کے ساتھ بے انتہا توہم پرستی کو، جو کسی صورت مظاہر پرستی سے الگ نہیں، یکجا کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی شیاطین اور ارواح بد کے اثرات سے بچنے کے لئے جادو ٹونے پر بھی بضد ہے۔ شنٹو ازم کا مرکزی نقطہ کثرت پرستی ہے اور یہ اسکی جدید ترین صورتوں پر بھی حاوی ہے۔

## اسلام اور شنٹو ازم:

شنٹو ازم ایک ایسا مذہب ہے جس کے ساتھ اسلام کی کوئی مماثلت نہیں اور نہ ان میں کوئی قدر مشترک ملتی ہے۔ یہ ایک قوم کا روایتی اور موروثی مذہب ہے جب کہ اسلام الہامی دین ہے۔ اخلاقیات میں دونوں کی تعلیمات میں کچھ تھوڑی سی مشابہت کے آثار نظر آتے ہیں۔ موجودہ معلومات کے پیش نظر یہ کہنا بالکل ناممکن ہے کہ آیا شنٹو ازم کے وہ بلند تر پہلو جن میں وحدت ذات اور اعلیٰ اخلاقی تعلیم کے آثار ملتے ہیں کسی ایسے کامل استاد کی ذہنی کاوش کا نتیجہ ہیں جیسے زرتشت، موسیٰ، یسوع مسیح، حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ملہم کہا جا سکے۔ جس شکل

میں شنٹوازم کے معتقد اس پر کاربند ہیں، اس میں مذہبوں کے تقابل مطالعہ کے شائقین کو اسلام اور اس میں کسی مماثلت کی بجائے واضح طور پر اختلافات نظر آئیں گے:

| شنٹوازم | اسلام |
|---|---|
| ۱- شنٹوازم ایک قوم کا مذہب ہے۔ | ۱- اسلام آفاقی اور عالمگیر مذہب ہے۔ |
| ۲- شنٹوازم مظاہر پرستی کا قائل ہے اور آج بھی یہ مظاہر پرستی رائج اور مسلّم ہے۔ | ۲- اسلام خالص توحید کی تعلیم دیتا ہے اور ہر قسم کے شرک کو گناہ قرار دیتا ہے۔ |
| ۳- یہ ان گنت دیوتاؤں کا قائل ہے جس میں مظاہرِ فطرت، بادشاہ، قومی بہادر اور آباؤ اجداد شامل ہیں جنہیں دیوتا کا مرتبہ دیا جاتا ہے۔ | ۳- اسلام خدا پرستی کی تعلیم دیتا ہے۔ |

ذات باری تعالیٰ کی ماہیت کے بارے میں ہر دو کے تصورات بالکل مختلف ہیں۔ شنٹوازم جاپانیوں کو ایک برگزیدہ قوم قرار دیتا ہے۔ اسلام عالمگیر انسانی اخوت اور مساوات کا علمبردار ہے اور تقویٰ کو وجہ تکریم قرار دیتا ہے۔

# یہودیت

**یہود کی وجہ تسمیہ** عہد نامہ عتیق کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے۔ اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام، اسحاق کے دو بیٹے تھے، جن میں سے بڑے کا نام عیسو تھا جو اسماعیل کا داماد تھا۔ اور چھوٹے کا نام یعقوب تھا۔ انہی کا دوسرا نام اسرائیل تھا۔ یہ لفظ عبرانی ہے۔ اس کے معنی عبد اور ایل اللہ کا نام ہے۔ پس اسرائیل کے لفظی معنی عبداللہ یا اللہ کا بندہ ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل اسرائیل کے نام پر بنی اسرائیل کہلائی۔ اسرائیل کے بارہ بیٹے تھے جن میں سب سے بڑے کا نام یہودا اور سب سے چھوٹے کا بن یامین تھا۔ ملک فلسطین کے ایک حصہ کا نام یہودیہ تھا۔ جہاں یہودا اور بن یامین کی نسل آباد ہوئی اس لئے اس علاقہ کے رہنے والے یہود کہلائے۔ تمام یہود نسلی لحاظ سے بنی اسرائیل ہیں؛ لیکن تمام بنی اسرائیل یہود نہیں۔ گو بعد کے زمانہ میں یہود اور بنی اسرائیل ہم معنی الفاظ استعمال ہونے لگے۔ عرف عام میں بنی اسرائیل کو یہود سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔

**مختصر تاریخ** یہودی عبرانی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے اصلی وطن کے بارے میں محققین کا شدید اختلاف ہے۔ اکثریت کا یہ خیال ہے کہ عراق ہی اُن کا قدیم وطن ہوگا۔ اسرائیلیوں کے جدامجد بابل کے ایک شہر اُر کے رہنے والے تھے۔ مشہور مؤرخ کیلٹ کہتا ہے کہ اسرائیلیوں کے مصری آثار سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ جاتی ہے کہ یہودی فلسطین میں یوشع کی فتح سے پہلے بھی آباد تھے جس سے نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ یہودی دریائے فرات کے ساحلی علاقے کے رہنے والے تھے ان کے آبا و اجداد قدیم زمانے سے فرات کے اس پار رہتے تھے۔ [1]

دوسری ہزار دیں قبل مسیح میں یہودی، عراق سے شام اور فلسطین کے علاقوں میں پھیل گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے۔ ایک حضرت اسماعیل علیہ السلام اور دوسرے حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ جن کی اولاد عرب میں پھیلی، دوسرے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کی شادی اپنی چچازاد بہن بی بی ربیکہ بنت ناہور سے ہوئی، جن کے دو بیٹے عیص اور حضرت یعقوب پیدا ہوئے۔ حضرت یعقوب کا لقب اسرائیل (بندہ خدا) تھا۔ اسی نسبت سے تمام عبرانی جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ بنی اسرائیل کہلائے یہ نسل فلسطین میں پھیلی، حضرت یعقوب کی چار بیویاں تھیں۔ جن سے بارہ بیٹے پیدا ہوئے۔ حضرت یوسف اور بن یامین ایک بیوی راخیل

---

[1] کیلٹ، مذاہب کی مختصر تاریخ صفحہ ۳۲

سے پیدا ہوئے۔

حضرت یوسف کے علاوہ حضرت یعقوب کے دو اور بیٹوں کو بنی اسرائیل کی تاریخ میں خاص اہمیت حاصل ہوئی۔ ان میں ایک لوی یا لاوی ہے۔ جس کی نسل سے یہودیت کے اندر ایک خاص مذہبی طبقہ وجود میں آیا جس نے پجاریوں کی جگہ لی۔ دوسرا یہودا ہے۔ جس کی طرف منسوب ہو کر بنی اسرائیل یہود کے نام سے مشہور ہوئے بعد میں یہ لفظ مذہبی اصطلاح بن گیا۔ اور اس سے مراد تمام لوگ لئے جانے لگے جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء علیہم السلام (سوائے حضرت عیسیٰ کے) کی پیروی کا دعویٰ کیا۔

حضرت یوسف کے عزیز مصر ہو جانے کے چند سال بعد آپ کا خاندان مصر میں منتقل ہو گیا۔ اور اس مقام پر آباد ہوا۔ جسے جشن یا گوشن (GOSHEN) کہتے ہیں۔ آپ نے تقریباً اسی سال مصر پر حکومت کی۔ بائبل کی روایت کے مطابق ایک سو دس سال کی عمر میں وفات پائی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی وجہ سے بنی اسرائیل کو مصر میں بہت عروج حاصل ہوا۔ اس زمانہ مصر میں سامیوں کے خاندان ہائیکسوس کی حکومت تھی۔ جب ان کی حکومت ختم ہوئی۔ تو ایک سخت متعصب قبطی النسل خاندان برسر اقتدار آگیا۔ تو فرعون وقت نے اسرائیل پر بڑے مظالم ڈھائے۔ تب اللہ تعالےٰ نے ان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا، جو چھ لاکھ بنی اسرائیل کو فرعون (رعمیسیس ثانی) کی غلامی سے ۱۳۹۱ ق م میں نکال لائے۔ اور چالیس سال تک بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے دشت فاران میں سرگرداں پھرتے رہے۔

بنی اسرائیل کی حکومت: چالیس سال بعد نئی نسل یوشع کی قیادت میں فلسطین کے علاقے میں داخل ہوئی۔ پہلے اس نے یریحو کو زیر کیا۔ اس کے بعد (خروج سے تقریباً پچاس سال بعد) فلسطینیوں کو شکست دے کر فلسطین پر قبضہ کیا۔ یہاں سے ان کی سیاسی زندگی کا آغاز ہوا۔ مگر اوائل میں ان کی حکومت بہت ہی مختصر علاقے کے اندر محدود تھی۔ اس کا سربراہ قاضی کہلاتا تھا۔ اور لوگوں کے مقدمات کے فیصلے کرتا تھا۔ اس طرح قبائلی یا عدالتی نظام تقریباً تین سو سال تک چلتا رہا۔ اس کے بعد بنی اسرائیل کی ایک سلطنت وجود میں آئی۔ جب حضرت سموئیل نے ساؤل (طالوت) کو ۱۰۵۰ ق م میں بادشاہ مقرر کیا۔ تو بنی اسرائیل نے ان کی زیر قیادت فلسطین کے اردگرد کے علاقے زیر کرنے کے بعد زباہ کی ریاست پر حملہ کیا۔ اس وقت وہاں کا حکمران جالوت تھا۔ طالوت اور جالوت کے لشکروں میں لڑائی ہوئی۔ تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کا مقابلہ کیا۔ اور اسے قتل کر کے زباہ کی ریاست پر قبضہ کیا۔ طالوت نے اپنی بیٹی حضرت داؤد کو بیاہ دی۔ اس تعلق سے حضرت داؤد، طالوت کے بعد بادشاہ ہوئے۔ آپ نے اردگرد کے بہت سے علاقے کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ ساٹھ سال کی عمر میں تقریباً ۹۷۴ ق م میں وفات پائی آپ نے یروشلم کو فتح کر کے وہاں بیت المقدس کی تعمیر کی بنیاد رکھی۔ مگر اس کی تکمیل آپ کے بیٹے او

جانشین حضرت سلیمان کے عہد میں ہوئی۔ آپ کے عہد میں اسرائیلی حکومت نے بہت ترقی کی۔ آپ کا عہد حکومت ۹۷۳ء ق۔م تا ۹۳۷ء ق۔م بیان کیا جاتا ہے۔

حکومت کا زوال:۔ حضرت سلیمان کی وفات کے بعد آپ کا بیٹا رحبعام تخت نشین ہوا مگر بنی اسرائیل کے دس قبائل نے اس کی اطاعت قبول نہ کی ۹۳۱ء ق۔م میں بنی اسرائیل کی حکومت دو حصوں میں بٹ گئی شمال کی بنی اسرائیل حکومت جس کا صدر مقام سامریہ مقرر ہوا۔ اور جنوب کی یہوداہ حکومت یا یہودیہ جس کا پایۂ تخت یروشلم رہا۔ ان دونوں حکومتوں کے مابین ہمیشہ جنگ وجدل کا سلسلہ جاری رہا، اس کا نتیجہ یہ ہوا جب ۹۳۰ء ق۔م میں فرعون مصر شیشنک نے یروشلم پر حملہ کیا۔ تو وہ اپنے مقام کی بھی حفاظت نہ کر سکے۔ اس نے حضرت سلیمان کی تعمیر کردہ مسجد کو تباہ کر دیا۔ اس واقعہ کے دو سو سال بعد اشوری بادشاہ تغلط بلاسرم سوم نے شام پر حملہ کیا۔ اور سامریہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اس کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے شلمانصر پنجم نے پھر اس کا محاصرہ کیا۔ وہ محاصرہ کے دوران ہی فوت ہو گیا۔ مگر اس کے جانشین سرغون دوم نے ۷۲۱ء ق۔م میں سامریہ کو تباہ و برباد کر دیا۔ اور تقریباً ستائیس ہزار بنی اسرائیل کو (دس قبیلے) شام سے جلا وطن کر دیا۔ اور اشور اور میڈیا کے درمیان انہیں آباد کیا۔ یہ گم شدہ فرقے کہلائے۔ سامریہ کو زیر کرنے کے بعد سرغون نے فلسطین پر چڑھائی کی۔ اور حکومت یہودیہ کو ملیع کیا۔ سرغون کے بعد سناخریب کے عہد حکومت میں یہودیوں نے کلدانیوں سے ساز باز کر کے آشوری حکومت سے آزادی حاصل کرنا چاہی۔ مگر کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ سناخریب نے سامریہ اور یروشلم کو تباہ و برباد کر کے دو لاکھ یہودیوں کو جلا وطن کر دیا۔ گو وہ یروشلم پر قبضہ نہ کر سکا۔ مگر سامریہ کی ریاست ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔

آشوریوں کے کمزور ہو جانے کے بعد مصریوں نے حملے شروع کر دیئے ۶۰۵ء ق۔م میں بابل کے بادشاہ بخت نصر نے یروشلم پر چڑھائی کی۔ یہودیوں کے تین سرداروں پر مقدمہ قائم کر کے دس ہزار یہودیوں کیساتھ بابل بھیج دیا۔ مسجد بیت المقدس کو پیوند خاک کر دیا۔ یہ لوگ وہاں پچاس سال رہے ۵۳۶ء ق۔م میں ایران کے بادشاہ خورس دوم نے اہل بابل کو شکست دے کر ان یہودی اسیروں کو رہا کیا۔ اور یہ لوگ اپنے وطن واپس آئے۔ حضرت دانیال کے بر باد شدہ بیت المقدس کو از سر نو تعمیر شروع کیا ۴۴۴ء ق۔م کے قریب یہودی پیشواؤں کو صحائف آسمانی جمع کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اس بارے میں حضرت عذرا اور عزرقبل کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جنہوں نے کاہنوں اور لاویوں کی مدد سے "کتب خمسہ" کو جن میں تورات بھی شامل ہے۔ دوبارہ جمع کیا۔ ایرانیوں کی حکومت کے بعد فلسطین پر سکندر اعظم نے حملہ کیا۔ اور بنی اسرائیل یونانیوں کی غلامی میں زندگی بسر کرنے لگے۔

یونانیوں کے کمزور ہو جانے بعد مصریوں نے حملے کرنے شروع کر دیئے۔ جن کے بادشاہ ٹالمی نے خاص سبت کے دن یروشلم پر حملہ کیا۔ مصری ایک لاکھ یہودی گرفتار کر کے لے گئے۔ اور اسکندریہ اور سائرین

میں انہیں آباد کیا۔ کچھ عرصہ بعد فلسطین پر شامیوں کا قبضہ ہوا۔ ان کے خلاف یروشلم کے لوگوں نے علم بغاوت بلند کیا۔ اس پر شاہ انطیوکس نے ۱۶۸ء ق۔ م میں چالیس ہزار اہل شہر کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بہت سوں کو اسیر بنالیا۔ بیت المقدس کی قربان گاہ پر سور قتل کرکے اُسے ناپاک کیا۔ ۱۶۷ء ق۔ م میں ایک حکم جاری کیا، جس کا منشاء یہ تھا۔ کہ یہودی قوم کو کلیتہً نیست و نابود کردیا جائے۔ اس حکم کی تعمیل میں اپولینس نے سبت کے دن مردوں کا قتل عام کیا۔ پھر شہر کو لوٹ کر نذر آتش کر دیا۔ اس بربادی کے بعد شاہ مذکور نے وہاں اپنا حلقہ تعمیر کیا۔ اور بیت المقدس کو اپنے دیوتا کا مندر بنادیا۔ ختنہ کی رسم کی ممانعت کردی۔ دو عورتوں نے اپنے بچوں کی ختنہ کرائی تھی۔ انہیں قتل کرکے شارع عام پر لٹکا دیا۔ ان تمام سختیوں کے باوجود یہودی مذہب کو ختم نہ کرسکا۔ ان مظالم کے ردِ عمل میں ایک تحریک اٹھی جو مکابی (MACCABEAN) تحریک کہلاتی ہے۔ اس تحریک نے بڑی کشت وخون کے بعد ۱۴۱ء ق۔ م میں یونانیوں کو نکال باہر کیا۔ اور اپنی ایک آزاد ریاست قائم کرلی۔ اس آزادی کی تصدیق رومی حکومت نے کردی۔ حکومت فلسطین کا آخری حکمران ہیرا ڈ تھا۔ جو ۴ء ق۔ م میں فوت ہوا۔ ۷ء میں یہ صوبہ رومی حکومت کے تحت آگیا۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہودیوں کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے۔ یہودیوں نے ان پر مقدمہ چلایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس دنیا سے چلے جانے کے تقریباً تین سو سال بعد روم کے بادشاہ قسطنطین نے عیسائیت کو قبول کرلیا۔ جس سے مذہب عیسوی کو اس قدر عروج حاصل ہوا۔ کہ دنیا کی اکثر حکومتوں کا مذہب بن گیا۔

بت پرستی:۔ یہود نے بھی دوسری اقوام کے نقش قدم پر چل کر بت پرستی میں مبتلا ہوگئے۔ اسرائیل سلطنت کے سوائے ایک بادشاہ جہو (JEHU) کے سب مشرک تھے۔ ان کا سب سے مشہور بادشاہ عمری تھا۔ جس نے ۸۸۵ء ق م سے ۸۷۴ء ق۔ م تک حکومت کی۔ اس نے سامریہ (SAMARIA) کو آباد کیا۔ جس کا موجودہ نام سبا سلیہ ہے۔ عمری کا بیٹا احب (AHAB) ۸۷۴ / ۸۵۲ ق م) بادشاہ ہوا۔ اس نے بت پرستی میں بہت مبالغہ کیا۔

سلطنت جو ڈیا کے بھی انیس بادشاہ ہوئے ان میں سے صرف چھ بادشاہ موحد تھے۔ باقی سب بت پرست تھے۔ یہودیہ کی ریاست میں علانیہ بت پرستی بدکاری ہونے لگی۔ تو زکریا نبی نے اس کے خلاف آواز بلند کی تو شاہ یہودا لیوآس کے حکم سے انہیں ہیکل سلیمانی کے سامنے مقدس اور قربان گاہ کے درمیان سنگسار کردیا گیا۔

## انبیاء علیہم کی توہین

قرآن مجید نے بنی اسرائیل کے ایک سنگین جرم یعنی قتل اور ارادہ قتل علیہم السلام کا بار بار ذکر کیا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے یَقْتُلُوْنَ

---

لہ تواریخ ۲۴: ۲۱

النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ (بقرہ ۲:۶۱) یعنی وہ پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے تھے۔
مثال کے طور پر بائبل سے چند واقعات یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

۱- حضرت سلیمان کے بعد جب بنی اسرائیل کی سلطنت تقسیم ہو کر دو ریاستوں (یروشلم کی دولت یہودیہ اور دولت اسرائیل) میں بٹ گئی۔ تو ان میں باہم لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور نوبت یہاں تک آئی کہ یہودیہ کی ریاست نے اپنے ہی بھائیوں کے خلاف دمشق کی آرامی سلطنت سے مدد مانگی۔ اس پر خدا کے حکم سے حنانی نبی نے یہودیہ فرمانروا آسا کو سخت تنبیہ کی۔ مگر آسا نے اس تنبیہ کو قبول کرنے کے بجائے خدا کے پیغمبر کو جیل میں بھیج دیا۔ (۲- تواریخ باب ۱۶- آیت ۷-۱۰)

۲- حضرت الیاس (ایلیاہ ELIJAH) علیہ السلام نے جب بعل کی پرستش پر یہودیوں کو ملامت کی اور از سر نو توحید کی دعوت کا صور پھونکنا شروع کیا، تو سامریہ کا اسرائیلی بادشاہ اخی اب اپنی مشرک بیوی کی خاطر ہاتھ دھو کر ان کی جان کے پیچھے پڑ گیا۔ حتیٰ کہ انہیں جزیرہ نمائے سینا کے پہاڑوں پر پناہ لینی پڑی۔ اس موقع پر جو دعا حضرت الیاس نے مانگی اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"بنی اسرائیل نے تیرے عہد کو ترک کیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تیرے نبیوں کو تلوار سے قتل کیا۔ اور ایک میں ہی اکیلا بچا ہوں۔ سو وہ میری جان لینے کے درپے ہیں۔" (۱- سلاطین باب ۱۹ آیت ۲۶-۲۷)

۳- ایک اور نبی حضرت میکایاہ کو اسی اخی اب نے حق گوئی کے جرم میں جیل بھیجا۔ اور حکم دیا کہ اس شخص کو مصیبت کی روٹی کھلانا اور مصیبت کا پانی پلانا ——— (۱- سلاطین باب ۲۲ آیت ۲۶ - ۲۷)

۴- پھر جب یہودیہ کی ریاست میں علانیہ بت پرستی اور بدکاری ہونے لگی۔ اور زکریا نبی نے اس کے خلاف آواز بلند کی۔ تو شاہ یہوداہ یوآس کے حکم سے انہیں عین ہیکل سلیمانی میں مقدس اور قربان گاہ کے درمیان سنگسار کر دیا گیا۔ (۲ تواریخ باب ۲۴ آیت ۱۲)

۵- اس کے بعد جب سامریہ کی اسرائیلی ریاست آشوریوں کے ہاتھوں ختم ہو چکی اور یروشلم کی یہودی سلطنت کے سر پر تباہی کا طوفان تلا کھڑا تھا۔ تو یرمیاہ نبی اپنی قوم کے زوال پر ماتم کرنے اٹھے، اور کوچے کوچے میں انہوں نے پکارنا شروع کر دیا۔ کہ سنبھل جاؤ، ورنہ تمہارا انجام سامریہ سے بھی بدتر ہوگا۔ مگر قوم کی طرف سے جو جواب ملا۔ وہ یہ تھا کہ ہر طرف سے ان پر لعنت اور پھٹکار کی بارش ہوئی۔ پیٹے گئے قید کئے گئے۔ رسی سے باندھ کر کیچڑ بھرے حوض میں لٹکا دیئے گئے۔ تاکہ بھوک اور پیاس سے وہیں سوکھ سوکھ کر مر جائیں۔ اور ان پر الزام لگایا گیا۔ کہ وہ قوم کے غدار ہیں، بیرونی دشمنوں سے ملے ہوئے ہیں۔ (یرمیاہ باب ۱۵ آیت ۱۰ باب ۱۸ آیت ۲۰-۲۳ باب ۲۰ آیت ۱-۱۸ باب ۳۶ تا ۴۰)

۶- ایک اور نبی حضرت عاموس کے متعلق لکھا ہے۔ کہ جب انہوں نے سامریہ کی اسرائیلی ریاست کو اس کی

گمراہیوں اور بدکاریوں پر ٹوکا اور ان حرکات کے بُرے انجام سے خبردار کیا تو انہیں نوٹس دیا گیا کہ ملک سے نکل جاؤ۔ اور باہر جا کر نبوت کرو۔ (عاموس باب ۷ آیت ۱۰-۱۳)

۷۔ حضرت یحییٰ (یوحنا) علیہ السلام نے جب ان بداخلاقیوں کے خلاف آواز اٹھائی جو یہودیہ کے فرمانروا ہیرودیس کے دربار میں کھلم کھلا ہو رہی تھیں، تو پہلے وہ قید کئے گئے۔ پھر بادشاہ نے اپنی معشوقہ کی فرمائش پر قوم کے اس صالح ترین آدمی کا سر قلم کر کے ایک تھال میں رکھ کر اس کی نذر کر دیا۔ (مرقس اباب ۶ آیت ۱۷-۲۹)

۸۔ آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بنی اسرائیل کے علماء اور سرداران قوم کا غصہ بھڑکا۔ کیونکہ وہ انہیں اُن کے گناہوں اور ان کی ریاکاریوں پر ٹوکتے تھے۔ اور ایمان اور راستی کی تلقین کرتے تھے اس قصور پر اُن کے خلاف جھوٹا مقدمہ تیار کیا گیا۔ اور رومی عدالت سے ان کے قتل کا فیصلہ حاصل کیا گیا۔ اور جب رومی حاکم پیلاطس نے یہود سے کہا کہ آج عید کے روز میں تمہاری یسوع اور برآبا ڈاکو دونوں میں سے کس کو رہا کروں۔ تو ان کے پورے مجمع نے بالاتفاق پکار کر کہا کہ برآبا کو چھوڑ دے۔ اور یسوع کو پھانسی پر لٹکا۔ (متی باب ۲۷ آیت ۲ تا ۲۶)[1]

## حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل عبرانی نسل کا مذہب

یہودی عبرانی نسل سے تعلق رکھتے تھے، اس لئے یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ یہودیوں کے مذہبی عقائد اکثر و بیشتر عبرانی ہی تھے۔ سامی النسل ہونے کی وجہ سے ان کا مذاہب نہایت سادہ تھا اور عربوں کے مذہب کے ساتھ کچھ ملتا جلتا تھا۔ البتہ مصر میں ایک لمبا عرصہ مقیم رہنے کی وجہ سے انہوں نے بعض مصری عقائد اپنا لیے۔

**کثرت پرستی:** حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے قبل بنی اسرائیل لاتعداد معبودوں کی پرستش کرتے تھے جن کو الن گرنٹ (ALLEN GRANT) نے تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ خاندانی دیوتا۔

۲۔ حجر پرستی۔

۳۔ قومی دیوتا۔

---

[1] مجالہ تفہیم القرآن مصنفہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صفحہ ۸۱، ۸۲

**خاندانی دیوتا** ہر خاندان کا الگ الگ دیوتا ہوتا تھا۔ یہ دیوتا مورتیوں کی شکل میں ہوتے تھے۔ عموماً ان مورتیوں کی جسامت اتنی ہوتی تھی کہ نقل مکانی کی صورت میں آسانی سے ایک جگہ لے جایا جاسکے۔ یہ مورتیاں متوفی آباء و اجداد کی نمائندگی کرتی تھیں۔ یہودی قبر پرستی کے مرض میں بھی مبتلا تھے۔ جب انہیں اس سلسلہ میں مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ تو انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کی قبروں کو مورتیوں میں بدل لیا۔ اس طرح ہر خاندان کے الگ الگ دیوتا ہوگئے۔

خاندان کے افراد کی خوشحالی اور مسرت کا دار و مدار دیوتاؤں کی خوشنودی پر ہوتا تھا۔ لیکن قومی زندگی اور خوشحالی میں ان کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ خاندان کے سردار اُن بتوں کے پروہت ہوتے تھے۔ ان بتوں کے لئے قربانی بھی دی جاتی تھی۔ ان بتوں کو "تراخیم" کا نام دیا جاتا تھا۔

**حجر پرستی** سامی اقوام میں حجر پرستی شروع سے جاری تھی۔ وہ پتھروں کو نہایت ہی مقدس اور واجب التعظیم تصور کرتے تھے۔ کیونکہ ان پتھروں سے ان کے معبود تراشے جاتے تھے۔ بتوں کے لئے قربانیاں دی جاتی تھیں۔ ان میں بھی ان پتھروں کو خاص اہمیت دی جاتی تھی۔ قربان گاہ کے لئے یہ پتھر علامت کا کام دیتے۔ قربانی سے پہلے ایک پتھر کھڑا کیا جاتا، یہ پتھر جس جگہ پر رکھا جاتا اسے بیت ایل کہا جاتا۔ بیت ایل وہ عبادت گاہ ہوتی تھی۔ جہاں اس قسم کی مذہبی رسوم ادا کی جاتی تھیں۔ ان پتھروں پر تیل وغیرہ ملا جاتا تھا۔ ان سے منتیں مانگی جاتی تھیں یہ پتھر لمبے ہوتے تھے۔ بانجھ عورتیں ان سے اولاد طلب کرتی تھیں۔

**درخت پرستی** ان مقدس پتھروں کا تعلق درختوں سے ہوتا تھا۔ عبرانی ادب میں جہاں کہیں کسی مقدس درخت کا ذکر آیا ہے۔ وہاں مقدس پتھر کا بھی ضرور ذکر آیا ہے۔

**حیوان پرستی** مصریوں کی حیوان پرستی کے زیر اثر یہودیوں میں بھی بیل گائے وغیرہ کی پوجا کی جانے لگی۔ بیت ایل اور دان (DAN) کے معبدوں میں بچھڑے کی پرستش مصریوں کے طریقہ پر کی جاتی تھی۔ جانوروں میں سانپ کی بھی پرستش کی جاتی تھی۔ مصریوں کے نزدیک سانپ ایک مقدس چیز تھی۔ حیوان پرستی ان کی گھٹی میں اتنی رچی ہوئی تھی کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل کو فرعون کی غلامی کے چنگل سے نجات دلا کر صحرائے سینا میں لے آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو وہیں چھوڑ کر چالیس دن رات کے لئے کوہ طور پر چلے گئے۔ بعد میں ان کی قوم بچھڑے کی پرستش میں لگ گئی۔

**قومی دیوتا** قدیم یہودیوں کے خاندانی اور مقدس پتھروں، درختوں اور جانوروں کے علاوہ کچھ قومی دیوتا بھی تھے۔ ان کی تفصیل کے بارے میں تاریخ بالکل خاموش ہے۔

کیونکہ جب قوم یہود توحید کی طرف مائل ہوئی تو تمام دیوتاؤں کا نام ونشان مٹا دیا گیا تھا۔ البتہ دو معبودوں کے نام تاریخ میں ملتے ہیں۔ جن کو یہودیوں نے کنعان پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے اپنایا۔ یہ دو معبود بعل اور مولک (MOLECH) ہیں۔ یہ دونوں مقامی بادشاہوں کی روحیں تھیں۔ اس وجہ سے یہود بادشاہ کی پرستش کرتے تھے۔ بعل کے لفظی معنی آقا یا مالک کے ہیں۔ یہ دیوتا کنعانیوں کا اپنا نہ تھا۔ بلکہ انہوں نے فینیقیوں سے لیا تھا۔ یہود کے نزدیک بعل زرخیزی کا دیوتا تھا۔ ہر شہر کا الگ بعل ہوتا تھا۔ بعل کے علاوہ کچھ اور بھی دیویاں تھیں۔

بعل کے علاوہ دوسرا دیوتا مولک ہے، جس کے لفظی معنی "بادشاہ" یا "فرمانروا" کے ہیں۔ یہود نے اسے اکادیوں سے لیا۔ اکادیوں کے نزدیک یہ آگ کا دیوتا تھا۔ یہ نام بھی بعل کی طرح کئی معبودوں کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ اس طرح مولک کی پرستش دنیا کی بہت سی قومیں کرنے لگیں۔ اسرائیل قوم نے بھی اس کو اپنا معبود اپنا لیا۔ یہود اس پر اپنے بچوں کی قربانی دیتے تھے۔ مقدس کتابوں میں بنی اسرائیل کو اس قربانی سے منع کیا گیا۔ بعد میں یہ دیوتا یہوواہ کے نام سے موسوم ہوا۔

حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کے زمانے میں "الشدائی" خدائے واحد کے مفہوم میں استعمال ہوتا تھا۔ جس کے معنی ہیں خدائے قوی، بعد میں یہی نام یہوواہ کے نام سے پکارا جانے لگا۔ کتاب الخروج میں ہے:

"خدا نے موسیٰ سے کہا: یہوواہ اور میں ابراہیمؑ اسحاقؑ اور یعقوبؑ کے سامنے الشدائی (EL SHADAI) کی حیثیت سے نمودار ہوا۔ لیکن یہوواہ کے نام سے وہ مجھے نہیں جانتے تھے۔"

**یہوواہ** یہوواہ کے تلفظ کے بارے میں اختلاف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہود کو خدا کا خاص نام لینے کی اجازت نہ تھی۔ کیونکہ وہ اس میں خدا کی ہتک اور بے ادبی سمجھتے تھے جو شخص اس کا نام لیتا تھا۔ اس کو سنگسار کر دیا جاتا تھا۔ سال میں ایک مقدس دن میں سب سے مقدس انسان سب سے پاک جگہ کے اندر ایک دفعہ اس کا نام لیتا تھا، دوسرے سب لوگ خاموشی سے سنتے تھے۔

یہود عدم تلاوت کی وجہ سے اس کا تلفظ بھول گئے۔ اب اس تلفظ کے بارے میں شدید اختلاف ہے۔ یہوواہ - یَہوَہ - یَہوِہ - یَہوَہ - یَہوَہ۔ انسائیکلوپیڈیا ببلیکا میں اس کا صحیح تلفظ یَہوِہ بتایا ہے۔

**مفہوم** لفظ یَہوَہ ایوالڈ (EWALD) کے خیال میں یَاہُو کی مختصر شکل ہے۔ اے وہ جو ہے۔ اور خروج ۳:۱۴ میں یہی موسیٰؑ کو بتایا گیا تھا۔ یہ لفظ ساری بائبل میں ۶۸۲۳ دفعہ آتا ہے۔

یہوواہ عبرانیوں کا قومی دیوتا تھا۔ لیکن عبرانیوں نے اپنے قومی دیوتا کے لئے یہ لفظ کب استعمال کیا؟ اس کے متعلق محققین کا اختلاف ہے۔ کیٹ کہتا ہے اس سلسلہ میں دو قول ہیں[1] کہ حضرت ابراہیمؑ پہلے شخص ہیں۔ جنہوں نے یہوواہ کی پرستش کے لئے ایک عبادت خانہ بنوایا اور مصر میں یہوواہ سے ملاقات بھی کی۔ حضرت اسحاق کے متعلق بھی آتا ہے۔ کہ ان کے لئے یہوواہ نے رہوبوتھ (ROHOBOTH) میں جگہ بنوائی۔ قدیم روایات میں یہاں تک دعویٰ کیا گیا ہے کہ انسان قدیم زمانے سے یہوواہ سے متعارف ہے، حتیٰ کہ انسان کی تیسری نسل نے ہی اپنے معبود کو اس نام سے پکارنا شروع کر دیا۔

اس کے برعکس دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ یہوواہ کے نام سے ناآشنا تھے۔ اور وہ اپنے معبود کو الشدائی کے نام سے پکارتے تھے۔ خروج ۶: ۳ میں لکھا ہے "پھر خدا نے موسیٰؑ کو فرمایا اور کہا: میں خداوند ہوں اور میں نے ابراہیمؑ، اسحاقؑ اور یعقوبؑ پر خدائے قادر مطلق کے نام سے اپنے آپ کو ظاہر کیا۔ اور یہوواہ کے نام سے اُن پر ظاہر نہ ہوا۔"

یہ قول پیدائش ۲۲: ۱۴ سے ہی غلط معلوم ہوتا ہے۔ لکھا ہے: اور ابراہیم نے اس مقام کا نام یہوواہ یری رکھا۔ چنانچہ آج تک کہا جاتا ہے۔ کہ خداوند کے پہاڑ پر دیکھا جائے گا۔"

محققین کے ایک طبقہ کا یہ خیال ہے کہ یہوواہ مدائن کے اس قبیلے کا دیوتا تھا جس کے سردار حضرت شعیبؑ تھے۔ جن کی بیٹی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نکاح میں آئی تھی۔ ممکن ہے یہود نے اس دیوتا کو اپنا لیا ہو یا پھر اپنے قومی دیوتا کا نام بدل کر یہوواہ رکھ لیا ہو۔

## یہوواہ کی صفات میں تدریجاً اضافہ

یہود یہوواہ کی پوجا قومی دیوتا کی حیثیت سے کرنے لگے۔ اس کے علاوہ وہ دیگر اقوام کے دیوتاؤں کی بھی پرستش کرتے تھے۔ ان کا دیوتا باقی اقوام کا دیوتا نہیں تھا۔ یہوواہ کے بارے میں یہود کا یہ عقیدہ ہو گیا۔ کہ وہی دشمنوں پر فتح عطا کرتا ہے۔ اور دشمنوں کے حملوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

یہود جب دوسرے ممالک میں جاتے یا کسی دوسری قوم کے غلام بن جاتے تو اُن کو فاتح قوم کے معبودوں کی پوجا کرنی پڑتی۔ لیکن وہ اپنے معبود یہوواہ کو دوسرے معبودوں کے مقابلہ وہ طاقتور خیال کرتے تھے۔

مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ یہوواہ کی صفات میں مزید اضافہ ہوتا چلا گیا۔ آغاز میں یہ دیوتا محض زمینوں کی زرخیزی اور فصل کی افزائش کا دیوتا خیال کیا جاتا تھا۔ جب بنی اسرائیل مصر اور شام کے ساتھ برسرپیکار تھے۔ اور وہ افزائش نسل کے بہت محتاج تھے۔ تاکہ اولاد کی زیادتی اُن کی

---

[1] کیٹ تاریخ مذاہب ۴۲ - ۴۳۔

عددی قوت میں اضافے کا موجب بنے۔ اس لڑائی کے زمانہ میں اولاد کے لئے بھی اس دیوتا سے دعا اور مدد مانگی جاتی تھی۔ والدین اور اس کے لئے اپنے مولود اوّل کی قربانی کی منت مانتے اور یا پھر اپنے بچوں کو اس کے نام سے منسوب کر دیتے تھے۔

دشمنوں سے مسلسل برسرِ پیکار رہنے کی وجہ سے یہوواہ دیوتا میں مزید صفات کا اضافہ ہو گیا۔ یہود فتح و نصرت کے لئے اس سے دعائیں مانگتے، مرادیں پوری ہو جانے کی صورت میں قربانی اور نذر و نیاز کا وعدہ کرتے۔ کے نام پر بڑے بڑے معبد بنائے جانے لگے۔ حتیٰ کہ ہیکل سلیمانی کے بارے میں بھی یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اسی دیوتا کی عبادت کے لئے تعمیر ہوا تھا۔

جب یہوواہ کی قدر و منزلت یہود میں بہت زیادہ ہو گئی اور اس کی پرستش کرنے والوں کی تعداد میں خاصا اضافہ ہو گیا۔ تو اب اس کے پجاری اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کے لئے اس کے سامنے دست سوال دراز کرتے تھے۔ اس کے باوجود یہود کے نزدیک کوئی قادرِ مطلق دیوتا نہ تھا۔ اور نہ ہی وہ ہر جگہ موجود سمجھا جاتا تھا۔ یہودیوں کا اُس کے متعلق صرف یہ عقیدہ تھا۔ کہ اس کی قوت اور علم عام انسانوں سے زیادہ ہے۔ وہ ان کی دعاؤں کو سُنتا ہے۔ اور ان کی مدد کرتا ہے۔ ہر غیر معمولی اور خلاف توقع امر میں یہوواہ کی موجودگی کا احساس کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص غیر معمولی کام انجام دیتا۔ یا کوئی ایسی خلاف عقل بات کہہ دیتا جو بعد میں پوری ہو جاتی۔ تو لوگ اس کے متعلق یہ یقین کر لیتے کہ اس میں یہوواہ کی روح جاگزین ہو گئی ہے۔ جنون اور پاگل پن کو بھی اسی کا اثر خیال کیا جاتا تھا۔ بعد میں ان ارواح کی تجسیم عمل میں آئی۔ تو کچھ فرشتے قرار پائے اور کچھ شیطان۔

یہوواہ کے بارے میں ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ وہ صرف آبادیوں میں رہتا ہے۔ جنگل اور ویرانے اس کے وجود سے خالی ہیں۔ کیونکہ وہ خود زندہ ہے اور زندوں میں رہنا پسند کرتا ہے۔

زمانے کے گذرنے کے ساتھ یہوواہ کی صفات میں ایک اضافہ یہ ہوا۔ کہ اسے طوفان اور بادلوں کا دیوتا بھی سمجھا جانے لگا۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ یہوواہ کا مسکن بادل کی گرج اور کڑک میں خیال کیا جانے لگا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات کے ایک صدی بعد اس کی صفات میں مزید اضافہ ہوا۔ اب اُسے آدم کا خالق قرار دے دیا گیا۔ اب اس کے بارہ میں یہ نظریہ ہو گیا۔ کہ وہ برہنہ آنکھ سے دیکھا نہیں جا سکتا۔ اگر کوئی اسے دیکھنے کی سعی کرے گا۔ تو وہ فوراً مر جائے گا۔

یہودیوں کی نقل مکانی کی وجہ سے یہوواہ کے ٹھکانے بھی بدلتے رہے۔ اوّل اوّل اس کا مسکن پہاڑ تھے۔ پھر بادلوں میں منتقل ہوا۔ جب بنی اسرائیل مصر سے نکل کر صحرائے سینا میں وارد ہوئے تو یہوواہ بھی وہیں سکونت پذیر ہو گیا۔ جب بنی اسرائیل نے کنعان فتح کیا تو یہوواہ بھی کنعان پہنچ گیا اور کنعانیوں کے عبادت خانے، جو یہودیوں کی تحویل میں تھے، اس کا مسکن قرار پائے۔ یروشلم میں

ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے بعد یہوداہ وہاں منتقل ہوگیا۔ اور یہی اس کی مستقل قرارگاہ ٹھہری۔

## ابراہیم علیہ السلام

ابراہیم علیہ السلام وہ عظیم نبی ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں تقریباً ستر مرتبہ آیا ہے۔ ان کو اس لحاظ سے بھی ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ کہ دنیا کے تین بڑے مذاہب کے پیروکار مسلمان، یہودی اور عیسائی انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نسب نامہ تورات میں اس طرح مذکور ہے۔

ابراہیم بن تارح بن ناموربن سروج بن رعوبن فالح بن عابر بن شالح بن ارفکشاد بن سام بن نوح علیہ السلام۔

قرآن مجید نے ان کے والد کا نام آزر بیان کیا ہے۔ اور تورات کا بیان کردہ نسب نامہ تارح بتاتا ہے (اسی طرح عرب کے نسّاب بھی اس بات پر متفق ہیں۔ اور زرقانی نے بھی تارخ لکھا ہے) ان دونوں ناموں کے متعلق علماء کے مختلف نظریات اور رائیں ہیں؛

**پہلا نظریہ** یہ دونوں نام ایک شخصیت کے ہیں۔ تارخ علم اسمی ہے اور آزر علم وصفی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا وصفی نام زیادہ مشہور تھا۔ اس وجہ سے قرآن مجید نے مشہور وصفی نام کو بیان کیا ہے۔ سہیلی نے روض الانف میں اسی کو اختیار کیا ہے۔[1]

**دوسرا نظریہ** مجاہد نے آزر اس بت کا نام قرار دیا ہے۔ جس کی تارح پوجا کرتا تھا۔ صغانی نے بھی یہی رائے اختیار کی ہے۔ دونوں کے نزدیک آزر "ابیہ" کا بدل نہیں۔ بلکہ بت کا نام ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام مذکور نہیں۔

**تیسرا نظریہ** حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام تارح تھا۔ اور چچا کا آزر چونکہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے چچا کے پاس ہی پرورش پائی۔ اس وجہ سے قرآن مجید نے آزر کو باپ کہہ کر پکارا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے؛ العم صنو ابیہ یعنی چچا باپ ہی کی طرح ہے۔ عربی زبان میں "اب" کا لفظ باپ کے علاوہ چچا، دادا وغیرہ کے لئے بولا جاتا ہے۔ اسی طرح معلم پر بھی۔ "وجدنا آبائنا علی امۃ" میں آباء سے مراد علماء لئے گئے ہیں؛

**چوتھا نظریہ** بعض اوقات کسی نام کی صورت دوسری زبان میں بدل جاتی ہے۔ تارح عربی زبان میں آزر بن گیا ہے۔ یوسیس ایک یہودی مورخ نے تارح کو آتھر لکھا ہے

---

[1] جلد ۱۔

جو آزر سے ملتا جلتا ہے۔

## پانچواں نظریہ

"اذار" کالدی زبان میں بڑے پجاری کو کہا جاتا ہے۔ عربی میں یہ لفظ آزر کہلایا۔ تارح چونکہ بُت تراش اور سب سے بڑا پجاری تھا۔ اس وجہ سے وہ آزر کے نام سے مشہور ہو گیا۔ قرآن مجید نے وہی لفظ اختیار کیا ہے۔

میرے نزدیک تیسرا نظریہ صحیح ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کسی بزرگ کا نام ہے۔ اس بزرگ کو "اب" کے نام سے پکارا ہے۔ چچا یا کسی بزرگ کو "اب" کے ساتھ پکارنا عربی زبان کے خلاف نہیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کے قصبہ غور اس کے باشندے اور اہل فدان میں سے تھے۔ اس وقت تمام عراق میں بت پرستی، چاند پرستی، سورج پرستی اور ستارہ پرستی رائج تھی۔ انہوں نے اس مشرکانہ ماحول میں آنکھ کھولی اور معجزانہ رنگ میں تمام مشرکانہ عبادات سے بچ رہے۔

## بعثت

جب آپ سن رُشد کو پہنچے تو شرک کے خلاف آواز بلند کی۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ (الانبیاء ۲۱: ۵۱-۵۶) اور بلاشبہ ہم نے ابراہیمؑ کو پہلے سے ہی رشد و ہدایت دی تھی۔ اور ہم اس کو خوب جانتے تھے جب اس نے اپنے بزرگ اور اپنی قوم سے کہا: یہ مجسمے کیا ہیں۔ جن کی تعظیم میں تم لگے ہوئے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم نے اپنے بڑوں کو ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا۔ ابراہیمؑ نے کہا: تم اور تمہارے بڑے کھلی گمراہی میں تھے۔ انہوں نے کہا: کیا تو ہمارے پاس حق لایا ہے۔ یا تو مذاق کرنے والوں میں سے ہے۔ ابراہیمؑ نے کہا: بلکہ تمہارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ جس نے انہیں پیدا کیا اور میں اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں۔

بتوں کی پرستش نہ کرنے کی یہ دلیل دی کہ یہ بت نہ سُنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں۔ اور نہ کسی کی حاجت روائی کر سکتے ہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا۔ (مریم ۱۹: ۴۲-۴۳) جب اس نے اپنے بزرگ سے کہا: اے میرے بزرگ! تو کیوں اس کی عبادت کرتا ہے جو نہ سُنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے۔ اور نہ کچھ تیرے کام آسکتا۔ اے میرے بزرگ! مجھے وہ علم ملا ہے جو تجھے نہیں ملا۔ سو تو میری پیروی کر میں تجھے سیدھا راستہ دکھاؤں۔

جب ابراہیم علیہ السلام کے بزرگ نے توحید کا پیغام سُنا، اس نے تہدیدانہ رنگ میں کہا۔ قَالَ أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا (مریم ۱۹، ۴۶) اس نے کہا، اے ابراہیم! تو میرے معبودوں سے بے رُخی کرتا ہے۔ اگر تو باز نہ آیا تو مَیں تجھے سنگسار کروں گا۔ تو ایک مُدت مجھ سے الگ ہو جا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بت پرستی کے ساتھ کواکب پرستی بھی کرتی تھی۔ ان کا یہ عقیدہ تھا۔ کہ اجرام فلکی ہی رزق، نفع، ضرر، قحط سالی، بارش وغیرہ کا باعث ہیں۔ اس وجہ سے ان کی خوشنودی ضروری ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کواکب پرستی کو بھی دلائل اور براہین سے رَد کیا۔ کواکب پرستی کے رَد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دلائل سورہ انعام میں درج ہیں۔

"اور اسی طرح ہم ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہت کے جلوے دکھاتے رہے اور تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو۔ سو جب رات چھا گئی اس نے ستارہ دیکھا کہا، کیا یہ میرا رب ہے؟ سو جب وہ ڈوب گیا تو حضرت ابراہیمؑ نے کہا، مَیں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر جب چاند چمکتا ہوا دیکھا کہا! کیا یہ میرا رب ہے؟ سو جب وہ ڈوب گیا، کہا اگر میرے رب نے مجھے راہ نہ دکھائی ہوتی تو میں ضرور گمراہ لوگوں میں سے ہو جاتا۔ پھر جب سورج کو چمکتا ہُوا دیکھا کہا یہ میرا رب ہے۔ یہ سب سے بڑا ہے۔ پھر جب وہ ڈوب گیا کہا! اے میری قوم! مَیں اس سے بیزار ہوں جو تم شریک بناتے ہو۔ مَیں نے یک سُو ہو کر اپنا مُنہ اس کی طرف کیا ہے۔ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اور مَیں مُشرکوں میں سے نہیں (الانعام ۶، ۷۵ - ۷۹)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس مناظرہ میں کواکب پرستی کے رَد میں یہ دلیل دی ہے۔ سورج، چاند ستارے کبھی طلوع ہوتے ہیں اور کبھی غروب ہوتے ہیں۔ یہ بات ظاہر کرتی ہے۔ کہ یہ کسی قانون میں جکڑے ہوئے ہیں۔ قانون میں جکڑی چیز معبود نہیں ہو سکتی۔ کسی چیز کا قانون میں جکڑا ہونا اس امر پر شاہد ہے کہ وہ مجبور ہے، اپنے دائرہ میں مختار نہیں۔ یہ نقص ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ہر نقص سے منزّہ ہے اس وجہ سے کواکب معبود نہیں بن سکتے۔

جب قوم ابراہیم علیہ السلام کے دلائل قاطع سن کر بھی شرک سے باز نہ آئی۔ تو انہوں نے بُتوں کی بے بسی اور بے چارگی کو ظاہر کرنے کے لئے ایک اور طریقہ اختیار کیا۔ وہ یہ تھا، ایک دفعہ لوگوں سے آنکھ بچا کر مندر میں چلے گئے۔ اور مندر کے بڑے بتوں کے سوا تمام بتوں کو توڑ دیا۔ جب پجاری پوجا کے لئے مندر میں گئے تو بتوں کو شکستہ حالت میں پایا اور ان کے غضب کی آگ بھڑک اُٹھی۔ یہ خبر تمام شہر میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ تمام مُشرک کہہ اُٹھے کہ یہ کام ابراہیمؑ ہی کا ہے۔ وہی ہمارے دیوتاؤں کا بڑا دشمن ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ. قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗ اِبْرٰهِيْمُ. قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ. قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ. فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ. ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ. قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ. (الانبیاء ۲۱: ۵۹-۶۷) انہوں نے کہا ہمارے معبودوں کا یہ حال کس نے کیا؟ وہ تو کوئی بڑا ہی ظالم ہے لوگوں نے کہا ہم نے ایک نوجوان کو ان کا ذکر کرتے ہوئے سُنا تھا جسے ابراہیمؑ کہا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا اُسے لوگوں کے سامنے لاؤ۔ تاکہ وہ گواہی دیں۔ لوگوں نے کہا اے ابراہیمؑ! کیا تو نے ہمارے معبودوں سے یہ حرکت کی ہے۔؟ اس نے کہا بلکہ یہ کیا جس نے بھی کیا ان کا یہ بڑا بُت۔ سو اُن سے پوچھو اگر وہ بولتے ہیں۔ سو وہ اپنے دلوں میں سوچنے لگے اور کہنے لگے تم خود ہی ظالم ہو۔ اس کے بعد اپنے سروں کو نیچا جھکا کر کہنے لگے۔ اے ابراہیمؑ! تو جانتا ہے کہ یہ بات نہیں کرتے۔ کہا تو کیا اللہ کو چھوڑ کر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔ جو تمہیں کچھ نفع نہیں دیتا اور نہ تمہیں نقصان پہنچا سکتا ہے؟ تم پر افسوس ہے اور تمہارے معبودانِ باطلہ پر بھی جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟

**بادشاہ سے مناظرہ** اس زمانہ میں عراق کے بادشاہ کا نام نمرود تھا۔ تمام رعایا اس کو معبود مانتی تھی۔ جب بادشاہ کو حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی پیغمبرانہ دعوت و تبلیغ کا علم ہوا تو اس کو یہ خیال آیا اگر اس شخص کی یہ سرگرمیاں جاری رہیں تو رعایا اس کی ربوبیت اور ملوکیت سے برگشتہ ہو جائے گی۔ بادشاہ نے فوراً حضرت ابراہیم کو دربار میں بلایا اور ہستی باری تعالیٰ کے متعلق مناظرہ کیا۔ قرآن مجید نے اس مناظرہ کو اس رنگ میں بیان کیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (بقرہ ۲: ۲۵۸)

"کیا تو نے نہیں دیکھا اس شخص کا واقعہ جس نے ابراہیمؑ سے اس کے رب کے بارے میں مناظرہ کیا

کیونکہ اس کو اللہ نے بادشاہت دی ہوئی تھی۔ جب ابراہیمؑ نے کہا میرا رب وہ ہے جو زندگی بخشتا ہے اور مارتا ہے۔ اس نے کہا میں بھی زندگی دیتا ہوں اور مارتا ہوں۔ ابراہیمؑ نے کہا کہ اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو مغرب سے نکال، پھر وہ کافر حیران رہ گیا۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو راہ ہدایت نہیں دکھاتا۔

ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بادشاہ کے سامنے ہستی باری تعالیٰ کی دو دلیلیں دی ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ اللہ ہی قوموں کو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ بادشاہ نے اس کا یوں رد کیا کہ میں بھی یہ قدرت رکھتا ہوں کہ جس کو چاہوں زندہ رکھوں اور جس کو چاہوں مار دوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ بادشاہ زندگی اور موت کے فلسفہ کو نہیں سمجھا، فوراً نظام کائنات کی دلیل پیش کر دی۔ اور کہا میرا رب تو اپنے قانون کے مطابق مشرق سے سورج نکالتا ہے۔ تم اس قانون کو بدل کر اگر تم خدا کی خدائی میں شریک ہو تو مغرب سے سورج کو طلوع کر دو۔ یہ دلیل سن کر بادشاہ مبہوت رہ گیا۔

**آگ کا سرد ہونا** جب قوم اور بادشاہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دلائل قاطعہ و ساطعہ کا جواب نہ دے سکی تو انہوں نے برافروختہ ہو کر آگ کے الاؤ میں ڈال دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے انہیں صحیح و سلامت بچا لیا۔

**ہجرت** حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلاف دشمنی کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے تحت حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی سارہ کو ساتھ لے کر فرات کے غربی کنارہ کے قریب ایک بستی میں چلے گئے۔ جو کلدانیین کے نام سے مشہور ہے حضرت لوط علیہ السلام بھی ساتھ تھے کچھ عرصہ یہاں قیام کرنے کے بعد حرّان کی جانب چلے گئے اور وہاں توحید کا پیغام پھیلاتے رہے۔ اس طرح تبلیغ کرتے کرتے فلسطین پہنچ گئے۔ آپ نے فلسطین کے غربی اطراف میں سکونت اختیار کی۔ اس زمانہ میں یہ علاقہ کنعانیوں کے ماتحت تھا۔ پھر قریب ہی شکیم (نابلس) میں چلے گئے۔ وہاں کچھ عرصہ قیام کیا۔ اس کے بعد مصر پہنچ گئے۔ اس وقت مصر میں عمالقہ کی حکومت تھی اور بادشاہ کا نام رقیون تھا۔ شاہان عمالقہ عیاش اور بدکار تھے یہاں تک آگے گذر چکے تھے کہ رعایا کی شوہر دار حسین بیوی کو اُن کے خاوندوں سے چھین کر اپنے حرم میں داخل کر لیتے تھے۔ بی بی سارہ کو بھی بادشاہ نے اپنے لئے پسند کر لیا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے رات کو رویا میں بتا دیا کہ وہ برگزیدہ نبی کی بیوی ہے۔ چنانچہ وہ اپنے ناپاک ارادہ سے باز رہا۔ حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کی بہت قدر و منزلت کی اور رضاجوئی کے لئے ایک صاحبزادی ہاجرہ کو بھی ساتھ کر دیا۔ حضرت سارہ نے اولاد سے محروم ہونے کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ وہ حضرت ہاجرہ سے شادی کر لیں۔ حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اور اس کے بعد حضرت سارہ کے بطن سے بھی حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے۔

---

لہ خطبات احمدیہ ص ۱۰۔

# حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات زندگی

## بنی اسرائیل کی مذہبی اور سیاسی زندگی کا جائزہ

بعض مفسر لفظ موسیٰ کو موبمعنی پانی) شی بمعنی شجر سے مرکب بتاتے ہیں۔ بعض اس کو ماس یمیس سے فُعلیٰ کا وزن بتاتے ہیں۔ مفسرین بائبل اس کو ماشہ (نکالنا) سے مشتق بتاتے ہیں، نئی تحقیق کی رُو سے یہ مصری لفظ ہے جس کے معنی بچہ یا بیٹا ہے۔

**نسب وولادت** حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نسب چند واسطوں سے حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ ان کے والد کا نام عمران اور والدہ کا نام یوکابد تھا۔

موسیٰ علیہ السلام کی ولادت عمران کے گھر ایسے وقت میں ہوئی جب رعمسیس ثانی فرعون مصر بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کر دیتا تھا۔ بنی اسرائیل پر یہ مصیبت نازل کرنے کی وجہ یہ تھی کہ تاریخ آثریات سے پتہ چلتا ہے کہ "اسیدیہ" قبائل جو مصر کے قریب تھے۔ ان کے اور فراعنہ کے اس خاندان کے درمیان پیہم نو سال تک جنگ جاری رہی۔ بدیں وجہ یہ قرین قیاس ہے۔ کہ رعمسیس دوم نے اس خوف سے کہ کہیں بنی اسرائیل کا یہ عظیم الشان قبیلہ جو لاکھوں نفوس پر مشتمل تھا۔ اندرونی بغاوت پر آمادہ نہ ہو جائے بنی اسرائیل کو ان مصائب میں مبتلا کرنا ضروری سمجھا جن کا ذکر تورات اور قرآن حکیم میں ہے[1]

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو اُن کے والدین سخت پریشان ہوئے اس پریشانی کے وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے دل میں القاء کیا کہ ایک تابوت بنا کر اس بچہ کو اس میں رکھ کر دریا میں ڈال دے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ اِذْ اَوْحَیْنَا اِلٰی اُمِّکَ مَا یُوْحٰٓی اَنِ اقْذِفِیْهِ فِی التَّابُوْتِ فَاقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِّ (طٰہٰ ۲۰: ۳۸-۳۹) جب ہم نے تیری ماں کی طرف وحی کی جو اب وحی کی جاتی ہے کہ اُسے صندوق میں ڈال دے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ہدایت خداوندی کے تحت ویسا ہی کیا۔ صندوق تیرتا ہوا شاہی محل کے کنارے آ لگا تو فرعون کے گھرانے کے آدمیوں نے اس صندوق کو کنارہ سے اُٹھا لیا۔ اور بچہ کو محل میں لے گئے۔ فرعون نے بچہ کو قتل کرنا چاہا۔ لیکن فرعون کی بیوی آسیہ نے کہا کہ بچے کو قتل نہ کرو یہ بچہ میرے اور تیرے لئے آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِیَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕیْنَ۔ وَقَالَتِ امْرَاَتُ

---

[1] قصص القرآن مصنفہ مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی ص۲۶۲

فِرْعَوْنَ قُرَّةُ عَيْنٍ لِّي وَلَكَ لَا تَقْتُلُوهُ عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ (القصص ۸ تا ۹) پس فرعون کے گھرانے کے لوگوں نے اس کو اُٹھا لیا تاکہ وہ ان کے لئے دشمن اور غم کا موجب ہو۔ فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر بلاشبہ خطا کار تھے اور فرعون کی عورت نے کہا: میرے لئے اور تیرے لئے آنکھ کی ٹھنڈک ہے؛ اسے قتل نہ کرو شاید وہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔ اور وہ نہیں جانتے تھے۔

بچہ کسی عورت کا دودھ نہیں پیتا تھا۔ چنانچہ موسیٰ کی ہمشیرہ جو صندوق کے پیچھے پیچھے گئی تھی اس نے آل فرعون کو یہ کہا کہ میں تمہیں ایک ایسی دایہ کا پتہ بتاتی ہوں۔ جو اس بچہ کی خدمت کے لئے نہایت ہی موزوں ہے چنانچہ اس نے اپنی والدہ کی نشان دہی کی اور اجازت چاہی کہ وہ اس کو لے آئے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ گھر آئیں۔ اور والدہ کو لے گئیں۔ بچہ اپنی والدہ کی آغوش تربیت میں آگیا اور خدا کا وعدہ پورا ہو گیا۔ کہ بچے کو تیری طرف لوٹا دیا جائے گا۔ قرآن مجید میں آتا ہے: إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ، یعنی ہم اس کو تیری طرف لوٹا دیں گے۔ اور اس کو رسولوں میں سے بنانے والے ہیں۔

## جوانی اور قبطی کا قتل

حضرت موسیٰؑ نے گو شاہی محل میں پرورش پائی، لیکن ان کی بیدار آنکھیں بنی اسرائیل کے ظلم و ستم کو دیکھ رہی تھیں۔ بنی اسرائیل اس زمانہ میں نہایت ہی ذلت اور مسکنت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خون بنی اسرائیل کی ذلت اور غلامی کے بندھنوں کو دیکھ کر کھولتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی راستے پر جا رہے تھے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک مصری ایک اسرائیل کو زدوکوب کر رہا ہے۔ اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مدد کے لئے بلایا۔ اس کی مظلومیت کو دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام فوراً آگے بڑھے اور مصری کے مُنہ پر طمانچہ دے مارا۔ مصری اس ضرب سے جان بحق ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دیکھا تو بہت افسوس کیا۔ کیونکہ ان کا ارادہ قتل کرنے کا نہ تھا۔ خدا کے آستانہ پر گر گئے اور ندامت اور توبہ و استغفار کے پانی سے اپنی غلطی کے دھبہ کو دھو ڈالا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی توبہ قبول فرما کر اپنی رواء مغفرت میں لے لیا۔

حسن اتفاق سے اگلے دن اسی راستہ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام جا رہے تھے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہی اسرائیلی کسی قبطی سے جھگڑ رہا ہے۔ اور قبطی غالب ہے۔ اسرائیلی نے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر مدد کے لئے بلایا۔ موسیٰ آگے بڑھے اور مصری کو اس کے ظلم سے باز رہنے کو کہا اور دوسری طرف اسرائیلی کو بھی جھڑکا اور فرمایا: إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِينٌ تو یقیناً کھلا کھلا گمراہ ہے۔ یعنی خواہ مخواہ لوگوں سے جھگڑتا رہتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اسرائیل کو اس مصری کے پنجۂ استبداد سے چھڑانے کے لئے آگے بڑھے تو اس نے شور مچانا شروع کر دیا۔ کل تم نے ایک شخص کو قتل کیا تھا۔ آج مجھے قتل کرنا چاہتے ہو۔ اس سے حکام کو خبر ہوگئی۔ اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کا فیصلہ کیا۔ کسی آدمی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکام کے فیصلہ کی خبر دے دی۔ اور آپ وہاں سے بھاگ نکلے۔

ارشاد الٰہی ہے: فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ (القصص ۲۸: ۲۱) سو ڈرتا ہوا مُڑ مُڑ کر دیکھتا ہوا وہاں سے نکل پڑا۔ کہا میرے رب! مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے۔

## مَدْیَن کی طرف سفر

حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے بھاگ کر مَدْیَن کی طرف چلے گئے قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ (القصص ۲۸: ۲۲) اور جب موسیٰؑ نے مَدْیَن کی طرف رخ کیا کہا! اُمید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھے راستے پر چلائے گا۔

مَدْیَن طولاً خلیج عقبہ (عیلانہ) کے سواحل پر دہانہ خلیج سے ساحل بحر احمر وارض ثمود و حجاز تک جہاں ثمود و جرہم و عرب اسماعیل آباد تھے، واقع تھا۔[۲]

جب موسیٰ علیہ السلام مَدْیَن پہنچے تو وہاں لوگوں کو ایک کنوئیں پر مویشیوں کو پانی پلاتے ہوئے دیکھا اور ان کے علاوہ وہاں دو عورتیں بھی تھیں جو اپنی بھیڑ بکریوں کو روک رہی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا: تمہارا کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہم اس وقت تک پانی نہیں پلا سکتیں جب تک چرواہے اپنے جانوروں کو پانی نہ پلا لیں۔ ہمارا باپ بہت بوڑھا ہے۔ سو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن کے جانوروں کو پانی پلا دیا۔ پھر درخت کے سایہ کی طرف چلے گئے۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی اے میرے پروردگار! مجھ پر رحم فرما اور اپنی عنایت سے میری پریشانی کو دُور فرما۔

کچھ عرصہ کے بعد ایک لڑکی شرم سے مُنہ نیچے کئے ہوئے آئی اور کہنے لگی۔ میرا باپ تجھے پانی پلانے کی مزدوری کے لئے بلا رہا ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام شیخ کبیر کے پاس پہنچے تو اپنی تمام سرگزشت سنائی۔ انہوں نے آپ کو تسلی دی اور کہا اب آپ گھبراہٹ اور خوف کو اپنے دل سے نکال دیں۔ کیونکہ ان ظالموں کے پنجۂ استبداد سے نجات پا چکے ہیں۔

## شادی

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور شیخ کبیر کے متعلق باتیں ہو رہی تھیں کہ لڑکی نے کہا اے باپ! اس مہمان کو اپنے جانوروں کے چرانے اور پانی پلانے کے لئے نوکر رکھ

---

[۱] سورۃ القصص ۲۸: ۱۹۔

[۲] ارض القرآن حصہ دوم مصنفہ مولانا سید سلیمان ندوی صـ۳۔

لیجئے۔ کیونکہ یہ قوی اور امانت دار ہیں۔

باپ کو لڑکی کی بات بہت پسند آئی۔ تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔ اگر تم آٹھ سال تک میرے پاس رہو۔ اور میری بکریاں چراتے رہو تو میں اپنی ایک لڑکی کی شادی تم سے کروں گا، اور اگر تم دو سال مزید میری خدمت میں گذار دو تو یہ اور بہتر ہو گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے وطن سے دُور تھے۔ وہاں نہ کوئی مدد گار تھا۔ اور نہ کوئی رشتہ دار اس لئے ایک ہمدم کی شدید ضرورت تھی۔ اس شیخ کبیر کی درخواست کو فوراً قبول کر لیا۔ اس کے بعد اس شیخ کبیر نے اپنی لڑکی کی شادی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کر دی۔

اس واقعہ کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ۔ قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ (قصص ۲۸، ۲۶-۲۸)

دونوں لڑکیوں میں سے ایک نے کہا، اے میرے باپ! اسے نوکر رکھ لیجئے۔ البتہ بہترین نوکر جس کو تو رکھنا چاہے وہ ہے جو مضبوط اور امانت دار ہو۔ اس نے کہا۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تجھ سے کر دوں۔ اس شرط پر کہ تو آٹھ سال میری نوکری کرے۔ پھر اگر تو دس سال پورے کرے تو یہ تیری طرف سے ہے۔ اور میں نہیں چاہتا کہ تجھ پر تکلیف ڈالوں اگر اللہ چاہے تو تو مجھے نیک لوگوں میں سے پائے گا۔ موسیٰؑ نے کہا، یہ میرے اور تیرے درمیان وعدہ ہوا۔ جون سی مدت میں پوری کر دوں۔ مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو گی۔ اور اللہ اس پر جو ہم کہتے ہیں کارساز ہے۔

**شیخ کبیر کون تھا؟** حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر کے بارے میں مفسرین اور اصحاب سیر کا اختلاف ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک حضرت شعیبؑ کے بھتیجے یثرون تھے۔ بعض نے اس شیخ کبیر کا نام یثری لکھا ہے، مگر یثری والی روایت میں یہ نہیں کہا گیا کہ وہ حضرت شعیبؑ کا بھتیجا تھا۔ بائبل میں اس شخص کو مدین کا کاہن رعوائل نام قرار دیا ہے۔ بائبل میں حضرت شعیبؑ کا نام یثرو ہے۔

بعض مفسرین نے یہ لکھا کہ نام کے بارے میں کوئی روایت صحت کو نہیں پہنچتی، اس لئے جس طرح قرآن مجید نے نام کی تصریح نہیں کی، ہم بھی نام کے پیچھے نہ پڑیں۔

**مصر کی طرف روانگی** جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مقررہ مدت ختم کر چکے تو فوراً بعد ہی روانہ ہو گئے۔ قرآن مجید میں آتا ہے فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ (قصص ۲۸ : ۲۹) سو جب موسیٰ علیہ السلام نے مدت پوری کر لی اور اور اپنے گھر کو ساتھ لے کر چل پڑے۔

**نبوت** جب واپس مصر جا رہے تھے تو وادی مقدس میں طور کی جانب میں آگ کی دیکھی تو اپنے گھر والوں سے کہا: ٹھہر جاؤ میں نے آگ دیکھی ہے، شاید میں تمہارے اس میں سے شعلہ لے آؤں یا اسی آگ پر رستہ پاؤں۔ جب اس آگ کی طرف آئے تو وادی کے جانب سے آواز آئی يَا مُوسَىٰ إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ (۲۸ : ۳۰) اے موسیٰ میں اللہ جہانوں پروردگار ہوں۔

یہاں ہی اللہ نے عصا اور ید بیضا کا معجزہ دیا، جس کی تشریح بعد میں آئے گی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ یہ حکم دیا کہ وہ ان نشانوں کے ساتھ کے پاس جائے اور اس کو راہ ہدایت کی طرف بلائے اور بنی اسرائیل کو آزاد کرنے کا مطالبہ کرے بنی اسرائیل عرصہ دراز سے فرعون اور اس کی قوم کے پنجۂ استبداد میں جکڑے چلے آ رہے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میرے بھائی ہارون کو بھی میرا مددگار بنا تاکہ دونوں بنی اسرائیل کو پنجۂ ظلم سے نجات دلا سکیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي هَارُونَ أَخِي اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي (طٰہٰ ۲۰ : ۲۹ - ۳۲) اور میرے ساتھ میں سے ہارون میرے بھائی کو میرا بوجھ بٹانے والا بنا دے، میری قوت کو اس کے ساتھ مضبوط کر میرے کام میں اُسے شریک کر۔

حکم خداوندی کے تحت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس گئے، توحید کا پیغام پہنچایا۔ شرک گناہوں سے باز رہنے کی تعلیم دی۔ بنی اسرائیل کو اپنے پنجۂ ظلم سے نجات دینے کا مطالبہ کیا۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَقَالَ مُوسَىٰ يَا فِرْعَوْنُ إِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ حَقِيقٌ عَلَىٰ أَن لَّا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ قَدْ جِئْتُكُم بِبَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِي إِسْرَائِيلَ (۷ : ۱۰۳ - ۱۰۵) اور موسیٰ نے کہا: اے فرعون میں جہانوں کے رب کی طرف سے رسول ہوں۔ اس پر قائم کہ اللہ پر سوائے کے کچھ نہ کہوں۔ میں تمہارے پاس رب سے کھلی دلیل لایا ہوں، سو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔

دوسری جگہ آتا ہے۔ کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون دونوں فرعون کے پاس اور اس سے بنی اسرائیل کو پنجۂ غلامی سے نجات دینے کو کہا: ارشاد الٰہی ہے: فَأْتِيَاهُ فَقُولَا إِنَّا

رَسُولَا رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكَ وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ (۲۰ : ۴۷) سو اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم تیرے رب کے دو رسول ہیں۔ سو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے اور انہیں دکھ نہ دے، ہم تیرے رب کی طرف سے تیرے پاس ایک نشان لائے ہیں۔ اور اس پر سلامتی ہے۔ جو ہدایت کی پیروی کرتا ہے۔

جب موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ہم تیرے رب کی طرف سے پیغمبر ہو کر آئے ہیں تو فرعون نے متکبرانہ لہجہ میں کہا: اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟ موسیٰؑ نے جواب دیا: ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے، پھر اُن کی جسمانی اور روحانی پرورش کے لئے ہر قسم کے سامان مہیا کئے، انسانوں کو ان کے کمال تک پہنچانے کے لئے رسول بھیجے۔ وحی نازل کی۔ فرعون نے کہا: پہلی قومیں جنہیں ہدایت نہیں ملی ان کا کیا حال ہے؟ اس کا جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیا کہ وہ میرا کام نہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے مناسب حال جو سامان چاہا کر دیا۔ سب علم اللہ کے پاس ہی ہے وہ نہ کسی کے متعلق غلطی کرتا ہے اور نہ کسی کو بھولتا ہے۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے انعامات بیان کرتے ہوئے فرمایا: "اللہ کی وہ ذات ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا اور تمہارے لئے اس میں راستے چلائے اور بادل سے پانی اُتارا اور پھر ہم اس کے ساتھ مختلف سبزیوں کے جوڑے پیدا کرتے ہیں۔" [1]

## نشان کا مطالبہ

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اگر تو سچا ہے تو کوئی نشان دکھا۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا ڈالا تو وہ ناگہاں صریح اژدہا تھا۔ اور اپنا ہاتھ باہر نکالا تو ناگہاں وہ دیکھنے والوں کے سفید تھا۔ [2]

جب فرعون کی قوم کے سرداروں نے نشان دیکھے تو انہوں نے کہا کہ یہ کوئی دانا جادوگر ہے اور چاہتا ہے کہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال دے۔ سو تم اس بارے میں کیا مشورہ دیتے ہو؟ انہوں نے کہا اسے اور اس کے بھائی کو کچھ عرصہ مہلت دیجئے اور شہروں میں نقیب بھیج دیجئے وہ ملک کے تمام جادوگر تیرے پاس لے آئیں گے۔ فرعون نے نقیب تمام شہروں میں پھیلا دیئے۔ اور وہ سب بڑے بڑے جادوگروں کو فرعون کے پاس لے آئے۔ جادوگروں نے فرعون سے کہا: اگر ہم غالب رہے تو ہمیں ضرور اجر ملے گا۔ فرعون نے کہا: تم یقیناً میرے مقربوں میں سے ہو گے۔

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو بھی دربار میں بلایا۔ اور جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تم پہلے جادو دکھاؤ گے یا ہم دکھائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ

---

[1] طٰہٰ ۲۰ : ۵۴ تا ۵۳ [2] الاعراف ۷ : ۱۰۷ — ۱۰۸

دکھادو۔ جادوگروں نے اپنی رسّیاں اور سونٹیاں ڈالیں۔ اور لوگوں کی آنکھوں کو دھوکا دیا۔ اور ڈ
وہ رسیاں اور سونٹیاں سانپ معلوم ہونے لگیں۔

تب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی کی اور کہا کہ تم اپنا سونٹا پھینکو۔ ارشاد خداوندی
تحت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سونٹا پھینکا۔ تو وہ اژدہا بن گیا۔ اور جادوگروں کے سانپوں کو نگل گیا۔

جب جادوگروں کا جادو باطل ہو گیا۔ اور وہ ہار گئے تو وہ فوراً حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت
ہارون علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔

فرعون نے کہا کیا تم نے ایمان لانے سے پہلے مجھ سے اجازت لی تھی؟ یہ تم نے ایک سازش کے
تحت کام کیا ہے۔ تاکہ تم اس شہر کے رہنے والوں کو اس سے نکال دو۔ تم کو اس سازش کا نتیجہ چکھاؤں گا
میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف طرف سے کاٹ دوں گا۔ پھر تم کو صلیب دوں گا۔ تاکہ لوگوں کے لئے
کا نشان بنو۔

ایمان لانے والے جادوگروں نے کہا۔ ہم کو ایک دن مرنا ہے اور اللہ کے سامنے حاضر ہو
اس وجہ سے ہم ایمان کی دولت کو اپنے دلوں سے نکال نہیں سکتے۔ تو ہمیں صرف اس وجہ سے عذا
دھمکی دے رہا ہے کہ ہم اپنے رب کی باتوں پر ایمان لے آئے۔

**مومنین کی دُعا** انسانی فطرت ہے کہ جب انسان دشمن کے نرغے سے گھر جاتا ہے۔ اور ا
نجات حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہو۔ تب انسان اللہ تعالیٰ کے آستا
ہے۔ اس کی روح پانی کی طرح گداز ہو کر بہہ نکلتی ہے اور خدا سے نجات کا ملتجی ہوتا ہے۔ اس وقت اللہ
اپنے بندہ کی نیت سے دوڑا آتا ہے۔ اور اس کو صبر و استقلال کی دولت سے نوازتا ہے۔ جب
لانے والے جادوگروں نے دیکھا کہ وہ فرعون کے پنجۂ ظلم سے نجات نہیں پا سکتے تب ان کی روح آ
الوہیت پر گری اور دعا کی، اے اللہ ہم کو اس آزمائش میں کامیاب کرنا اور ہمیں ایمان کی حالت میں

**دوسرے نشان** بائبل میں ذیل کی نشانیوں کا ذکر ہے، دریا کا لہو بن جانا، مینڈکوں کی
جوئیں، مچھر، مویشی پر مری، پھوڑوں کی آفت، ٹڈی، تاریکی،

قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ (بنی اسرائیل ۱۰۱) اور
موسیٰؑ کو نو کھلے نشان دیئے۔

وہ نو نشان مختلف آیات میں یہ ہیں: قحط۔ پھلوں کی کمی۔ طوفان۔ ٹڈیاں۔ جوئیں، مینڈک
سفید اور ید بیضا۔

---

لہ الاعراف ۱۳۱ لہ الاعراف ۱۳۲

## مصریوں پر عذاب الٰہی

فرعون اور اس کی قوم پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیغام رشد و ہدایت کا کوئی اثر نہ ہوا۔ معدودے چند کے سوا مصریوں میں کوئی بھی ایمان نہ لایا بلکہ فرعون کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی زیادہ توہین اور تذلیل ہونے لگی۔ جب مصریوں کا ظلم اپنی انتہا کو پہنچ گیا، تب اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت کے مطابق یکے بعد دیگرے عذاب بھیجے جب کبھی عذاب نازل ہوتا تو فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کرتا کہ وہ عذاب کے ہٹ جانے کی دعا کرے۔ اور وعدہ کرتا کہ عذاب کے ہٹ جانے پر وہ ضرور ایمان لے آئے گا۔ لیکن جب عذاب ہٹ جاتا تو وہ پھر اپنی پرانی روش پر چل پڑتا۔

قرآن مجید میں آتا ہے: وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يٰمُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِي إِسْرَائِيلَ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُمْ بَالِغُوهُ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ۔ (الاعراف ۷: ۱۳۴-۱۳۵) اور جب ان پر عذاب پڑتا تو کہتے! اے موسیٰ! ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کر جیسا کہ اس نے تجھ سے عہد کیا ہے اگر تو ہم سے عذاب دُور کر دے ہم ضرور تجھ پر ایمان لے آئیں گے اور ضرور تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے۔ پس جب ہم ان سے ایک وقت کے لئے جس کو وہ پہنچنے والے تھے۔ عذاب اٹھا دیتے تو فوراً عہد شکنی کرتے۔

## بنی اسرائیل کا مصر سے خروج

جب مصریوں کا ظلم و تشدد اپنی عروج کو پہنچ گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر فلسطین کی طرف لے جائے تب وہ رات کی تاریکی میں بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر منزل مطلوب کی طرف چل دیئے۔

مصر سے فلسطین جانے کے دو راستے ہیں۔ ایک خشکی اور وہ قریب کا ہے۔ دوسرا بحرہ احمر (قلزم) کا راستہ یعنی اس کو عبور کر کے بیابان سور اور سینا (تیہ) کی راہ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحرہ احمر کا راستہ اختیار کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر حضرت موسیٰ خشکی کا راستہ اختیار کرتے تو لازمی طور پر بنی اسرائیل کو مصریوں کے ساتھ جنگ لڑنی پڑتی تھی، چونکہ بنی اسرائیل مدتوں تک مصریوں کی غلامی میں رہ چکے تھے۔ اس وجہ سے وہ مصریوں کا دلیری کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ تورات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

"جب فرعون نے ان لوگوں کو جانے کی اجازت دے دی تو خدا ان کو فلستیوں کے ملک کے راستہ سے نہیں لے گیا۔ اگرچہ ادھر سے نزدیک پڑتا، کیونکہ خدا نے کہا کہ ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ لڑائی بھڑائی دیکھ کر پچھتانے لگیں، اور مصر کو لوٹ جائیں۔ بلکہ خدا وند ان کو چکر

کھلا کر بحیرۂ قلزم کے بیابان کے راستے لے گیا۔"[1]

دوسری وجہ یہ تھی کہ اللہ کے علم میں فرعون اور اس کے لشکر کو تباہ کرنا بھی تھا، تاکہ وہ اپنے ظلم و تکبر کی سزا پائیں۔

جب صبح ہوئی تو فرعون کو علم ہوا کہ موسیٰؑ تو بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر لے گیا ہے۔ فوراً ایک لشکر جرار جمع کیا اور ان کے تعاقب میں چل دیئے۔ جب بنی اسرائیل نے لشکر کو دیکھا تو گھبرا کر کہنے لگے کیا مصر میں قبریں نہ تھیں جو تو ہم کو مرنے کے لئے بیابان میں لے آیا۔ تو نے ہم سے یہ کیا کیا کہ ہم کو مصر سے نکال لایا؟ کیا ہم تجھ سے مصر میں یہ بات نہ کہتے تھے۔ کہ ہم کو رہنے دے کہ ہم مصریوں کی خدمت کریں؟ کیونکہ ہمارے لئے مصریوں کی خدمت کرنا بیابان میں مرنے سے بہتر ہوتا۔"[2]

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو تسلی دی کہ فرعون ان کو پکڑ نہیں سکے گا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم بنی اسرائیل کو لے کر بحرہ قلزم کے کنارے پہنچے تو کنارہ سے پانی ہٹا ہوا تھا۔ وہ خشک راستہ پر چل دیئے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا (طٰہٰ ۲۰: ۷۷) یعنی دریا میں ان کو خشک راستہ پر لے جاؤ۔ دوسری جگہ آتا ہے: جَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ (الاعراف ۷: ۱۳۸) یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو دریا پار کرا دیا ـــــ ایک جگہ اور آتا ہے فَانْفَلَقَ (الشعرا ۲۶: ۶۳) یعنی دریا پھٹ گیا۔

بائبل میں صرف یہ آتا ہے۔ "خداوند نے یہ سبب پوربی آندھی کے تمام رات میں دریا کو چلا دیا۔ اور دریا کو سکھا دیا۔" (خروج ۱۴: ۲۱)

اب کس طرح دریا پھٹا؟ آندھی سے یا جوار بھاٹا سے یا خدا کی کسی اور قدرت سے؟ بہرحال یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک معجزہ ہے کہ وہ دشمن سے بچ کر نکل گئے۔

فرعون نے بھی اپنے لشکر کو اسی راستہ میں بنی اسرائیل کے پیچھے ڈال دیا۔ جب بنی اسرائیل کا ہر فرد دوسرے کنارے پر پہنچ گیا تو پانی پھر اپنی اصلی حالت پر آگیا۔ اور فرعون اور اس کا تمام لشکر پانی میں غرق ہو گیا۔

جب فرعون غرق ہونے لگا تو فوراً پکار اٹھا "میں وحدہٗ لاشریک ہستی پر ایمان لاتا ہوں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے۔ اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔"

اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔

آلْآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۔ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً" (یونس ۱۰: ۹۱ ـــ ۹۲)

---

[1] خروج باب ۱۳ آیات ۱۸ تا ۲۰ ۔ [2] خروج باب ۱۴ آیات ۱۱ ـ ۱۲ ۔

یا اب تو ایمان لاتا ہے۔ اور پہلے تو نے نافرمانی کی۔ اور تو فساد کرنے والوں میں سے تھا۔ و آج ہم تیرے بدن کو بچاویں گے۔ تاکہ تو ان کے لئے جو تیرے پیچھے ہیں۔ نشان ہو۔

قرآن مجید اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر یہ ایک واضح دلیل ہے۔ اس بات کا پتہ دیا جس کا علم اس زمانہ میں کسی کو نہ تھا۔ بائبل میں نہ اور کسی کتاب میں فرعون کی لاش کو دریا سے باہر پھینکنے کا ذکر ہے۔ رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے وحی پاکر یہ اطلاع دی کہ فرعون کی لاش محفوظ ہے۔ چنانچہ انسائیکلو پیڈیا بری ٹینیکا میں مضمون ممی کے نیچے لکھا ہے۔ کہ رعمسیس ثانی کی لاش آج تک ان لاشوں میں محفوظ ہے۔ جو مصالحے وغیرہ کے ذریعے رکھی جاتی ہیں۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر سینا کی راہ لی۔ تو راستہ میں لوگوں کو بتوں کی پوجا کرتے ہوئے پایا۔ بنی اسرائیل نے یہ پوجا پاٹ دیکھ کر کہا! اے موسیٰؑ! ہم کو بھی ایسے معبود بنا دے، تاکہ ہم بھی اسی طرح ان کی پرستش کریں، حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ سُن کر بہت غصے میں آئے اور کہنے لگے کہ خدائے واحد کی ہی عبادت کرو، بتوں کی پرستش کی طرف مت جھکو۔ اور ان نعمتوں کو مت بھولو جن کا تمام مشاہدہ کر چکے ہو۔

# دیگر مطالبات اور نشانات کا ظہور

## چشموں کا جاری ہونا

جب بنی اسرائیل بحیرہ قلزم کو عبور کر کے وادیٔ سینا میں پہنچے، وہ بے آب گیاہ میدان تھا۔ یہاں شدید گرمی پڑتی تھی۔ دُور دُور تک پانی اور سبزہ کا نام و نشان نہ تھا۔ بنی اسرائیل اس حالت کو دیکھ کر گھبرا گئے کہ پانی کے بغیر کیسے زندہ رہ سکیں گے۔ اس وقت بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پانی طلب کیا۔ تو عصا موسیٰؑ کی ایک ٹھوکر سے چشمے جاری ہو گئے قرآن مجید میں آتا ہے، اِذِ اسْتَسْقٰی مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا (البقرہ ۲ : ۶۰) اور جب موسیٰؑ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے کہا، اپنا عصا چٹان پر مار پس اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔

ایلم ایک مقام ہے جہاں بارہ چشمے تھے (نمبرز ۱۵ : ۲۵، ۲۷) اور آج تک عیون موسیٰ کے نام سے مشہور ہیں۔

جب بنی اسرائیل کو پانی مل گیا تو بھوک لگی اور کھانے کی چیزیں طلب کیں۔ اس

**۔ من وسلویٰ کا انتظام** بے آب وگیاہ وادی میں کھانے کے لئے کوئی چیز نہیں تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اے اللہ کھانے کی اشیاء مہیا کر۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی دعا سنی تو من اور سلویٰ نازل کیا۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۔ (البقرہ ۲: ۵۷) اور ہم نے تم پر من اور سلویٰ نازل کیا، ان طیب چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دیں۔

چٹیل بیابان ہو، گرمی کا موسم ہو، سورج نصف النہار پر ہو، مکانوں اور خیموں کا کوئی بندوبست

**بادلوں کا سایہ** نہ ہو، ایسے وقت میں بادل نعمت غیر مترقبہ ہوتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو اس تکلیف کی حالت میں دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو آسمان پر بادلوں کے پرے کے پرے آگئے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ (۲: ۵۷) اور ہم نے پر بادلوں کا سایہ کیا۔

**طور پر اعتکاف اور نزول شریعت** اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر آدمیوں کو ساتھ لے کر کوہ طور پر چالیس راتوں کے لئے گئے۔ بائبل میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چالیس دن پہاڑ پر پڑا رہنا مذکور ہے: "اور موسیٰ بدلی کے درمیان چلا گیا اور پہاڑ پر چڑھ گیا اور موسیٰ پہاڑ پر چڑھ گیا۔" (خروج ۲۴: ۱۸) یہ وہ زمانہ ہے جب حضرت موسیٰ پر توریت کے احکام نازل ہوئے۔ یہ واقعہ مصر سے آنے کے بعد کا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے ان ستر آدمیوں سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے ہم کلام ہو کر یہ احکام دیئے ہیں۔ تب انہوں نے کہا: ہم یہ نہ مانیں گے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے کلام کرتا ہے جب تک کہ خود بھی خدا کو نہ دیکھ لیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلی دکھائی، جس سے پہاڑ میں زلزلہ آگیا اور آدمیوں پر غشی کی موت طاری ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو یوں سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ کو ان آنکھوں سے نہیں دیکھا جاتا، بلکہ وہ اپنی قدرتوں اور کاموں سے پہچانا جاتا ہے۔

**بچھڑے کی پرستش** حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں، سامری کی ہدایت کے مطابق بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ حضرت ہارون نے ان کو بہت سمجھایا کہ وہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں لیکن انہوں نے سنی ان سنی کر دی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آئے تو حضرت ہارون علیہ السلام سے بہت خفا ہوئے۔ حضرت ہارون نے کہا کہ میں نے ان کو شرک سے بہت روکا تھا، لیکن وہ رکے نہیں۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بچھڑے کے بت کو جلا کر اس کی راکھ سمندر میں بکھیر دی۔

قرآن مجید میں آتا ہے:

اے سامری! تو اپنے معبود کی طرف دیکھ جس کی عبادت میں تو لگا ہوا تھا۔ ہم اسے جلا دیں گے پھر اسے دریا میں اچھی طرح بکھیر دیں گے۔

مصر میں جہاں بنی اسرائیل چار سو سال سے رہتے تھے گائے کی پرستش ہوتی تھی۔ اسی کے زیر اثر بنی اسرائیل نے ایک گائے کی پوجا شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس خاص گائے کی پوجا کے متعلق اطلاع دے دی۔ حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ اطلاع دی ہے کہ تم گائے کی پوجا کرتے ہو۔ تب انہوں نے جتنے حیلوں اور بہانوں کے بعد گائے کو جا کر ذبح کیا۔[1]

**فلسطین کی طرف جانے کا حکم** حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو ارض مقدس میں بحیثیت فاتح داخل ہونے کو کہا۔ اور کہا کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ ارض مقدس تمہیں ضرور ملے گا۔ لیکن اس کے لئے جد و جہد ضروری ہے۔

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم کی نافرمانی کر دی۔ اور کہا کہ اس علاقہ میں ایک زبردست قوم رہتی ہے۔ جب تک وہ قوم اس علاقہ میں ہے ہم ہرگز نہیں جائیں گے۔ گنتی ۱۲، ۱۳ میں ہے: "ہمیں زور نہیں کہ ان لوگوں پر چڑھیں کیونکہ وہ ہم سے زیادہ زور آور ہیں"۔

قرآن مجید میں آتا ہے: قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا أَبَدًا مَّا دَامُوا فِيهَا فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ (۵: ۲۴)

انہوں نے کہا اے موسیٰ اس میں تو بڑی ہیکل لوگ رہتے ہیں اور ہرگز اس میں داخل نہ ہوں گے جب تک وہ اس میں سے نکل نہ جائیں، ہاں اگر وہ اس میں سے نکل جائیں تو ہم ضرور داخل ہوں گے۔

پھر فرمایا: قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ ... فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ (۵: ۲۶)

انہوں نے کہا اے موسیٰ! ہم اس بستی میں کبھی داخل نہیں ہوں گے۔ جب تک وہ اس میں رہتے ہیں۔ پس تو اور تیرا رب جاؤ اور جنگ کرو۔ ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔

پس قوم بنی اسرائیل اپنی بزدلی اور نافرمانی کی سزا میں چالیس سال بیابانوں میں پھرتی رہی۔ ارشاد الٰہی ہے: "اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اب وہ زمین ان پر چالیس سال کے لئے حرام کر دی گئی ہے، سو زمین پر سرگرداں پھرتے رہیں۔ سو تو ان نافرمان لوگوں پر افسوس نہ کر۔" (۵: ۲۶)

چالیس سال بیابان میں سرگرداں پھرنے کے بعد آخر کار ۱۲۵۰ ق م میں وہ کنعان پہنچے۔ حضرت ہارون فوت ہو چکے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم سے ان کے جنرل یوشع نے حملہ کیا۔ پہلا حملہ جیریکو JERICHO پر ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی انتقال ہو گیا۔ حضرت یوشع شہر میں داخل ہوئے۔ سات سال کے عرصہ میں پورا کنعان فتح کر لیا۔ حضرت یوشع نے قانون موسوی نافذ کیا۔ اس قانون کے مطابق ججوں کی حکومت شروع ہوئی، جس کا ذکر بائبل میں آتا ہے۔

**معجزات حضرت موسیٰ علیہ السلام** عصا: قرآن میں آتا ہے: فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ (الاعراف ۷: ۱۰۸) پس اس نے

---

[1] البقرہ ۲: ۶۷ — ۷۱

اپنا عصا ڈالا تو واضح طور پر اژدہا تھا۔ عصا کے عام معنی آلہ کے ہیں۔ لغت میں عصا کے اصل معنی اجتماع اور تالیف لکھے ہیں یعنی اکٹھا ہونا۔ اصمعی کہتا ہے عصا کے معنی سونٹا اس لئے ہے کہ اس پر انگلیوں کا اجتماع ہوتا ہے۔ عصوت کے معنی ہیں میں نے جمع کیا۔ خوارج کے متعلق آتا ہے شَقُّوْا عَصَا الْمُسْلِمِیْن یعنی انہوں نے مسلمانوں کی جماعت میں اختلاف اور انتشار پیدا کر دیا۔ ایسا ہی ایاک وتقبیل العصا کے معنی ہیں جماعتِ اسلام میں تفرقہ ڈالنے سے بچو۔ پس عصا کے معنی سونٹا اور جماعت دونوں ہیں۔

معجزہ عصا کا ایک مفہوم یہ ہے جو قرآنی الفاظ کے زیادہ قریب ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنے سونٹے کو پھینکتے تھے تو وہ اژدھا بن جاتا تھا، جیسا کہ آیت سے ظاہر ہے۔ بعض متجددین نے ایک مفہوم یہ لیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کی جماعت اپنے مخالفین پر غالب آجائے گی۔

بعض نے عصا کے معنی لسان یعنی زبان بھی لئے ہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے وہ القی عصاہ کی تشریح یہ کرتے ہیں کہ جادوگروں نے باطل کی حمایت میں جو تقریریں کی تھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو اپنے زورِ بیان سے باطل کر دیا۔

**یدِ بیضا** قرآن مجید میں آتا ہے: نَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ (الاعراف ۷: ۱۰۸) اس نے اپنا ہاتھ باہر نکالا تو ناگہاں وہ دیکھنے والوں کے لئے سفید تھا۔

یدِ بیضا کا ایک مفہوم جو زیادہ واضح اور مقبول عام ہے، یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی رسالت منوانے کے لئے مخالفین کو یہ معجزہ دکھایا کہ جب وہ اپنا ہاتھ باہر نکالتے تو نور کی شعاعوں سے چمکنا شروع ہو جاتا تھا۔ جس کو ناظرین اپنی برہنہ آنکھ سے دیکھ سکتے تھے۔

عقلیت پسند مفسرین نے یدِ بیضا سے مراد دلائل اور براہین بھی لئے ہیں۔

**بارہ چشموں کا معجزہ** وَاِذِ اسْتَسْقٰی مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا۔

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے کہا کہ اپنا عصا چٹان پر مارو، اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔

جب بنی اسرائیل فرعون سے بھاگ کر ویرانوں میں گھوم رہی تھی، تو ان کو پینے کے لئے پانی کی ضرورت پڑی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے دعا مانگی تو اللہ نے کسی خاص پہاڑ پر جانے کی ہدایت کی اور پتھر کو سونٹا مارنے کا حکم دیا، جہاں سے چشمے پھوٹ پڑے۔

ایلیم ایک مقام ہے جہاں بارہ چشمے تھے۔ (خروج ۱۵: ۲۵-۲۷)

آج تک یہ چشمے موسیٰ علیہ السلام کے نام سے مشہور ہیں۔ (بائبل ڈکشنری مطبوعہ آکسفورڈ پریس)

**باقی کے نشان** فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ (الاعراف ۷: ۱۳۳)

پس ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈکیں اور خون کھلی ہوئی نشانیاں کھیجیں۔

بائبل میں ذیل کی نشانیوں کا ذکر ہے۔

۱۔ دریا کا لہو بن جانا۔ مینڈکوں کی آفت۔ ۳۔ جوئیں ۴۔ مچھر۔ ۵۔ مویشیوں پر سری۔ ۶۔ پھوڑوں کی آفت۔ ۷۔ اولے۔ ۸۔ ٹڈی۔ ۹۔ تاریکی۔

قرآن مجید نے جو آفات بیان کی ہیں وہ سات ہیں، پانچ اس آیت کریمہ میں اور دو سورۃ الاعراف آیت ۱۳۰ میں سورۃ اعراف کی ۱۳۳ میں اور دو آیت ۱۳۰ میں

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ۔ ۱۳۰ البتہ ہم نے فرعون کے لوگوں کو قحط اور پھلوں کی کمی میں پکڑا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

# یونانی اقتدار کا اثر یہودیوں پر

جب سکندر نے دارا کو شکست دی تو یہودی یونانیوں کے زیر اثر آگئے۔ غلبہ کے ابتدا میں یہودیوں پر کوئی خاص اثر دکھائی نہیں دیتا۔ سکندر کی وفات کے بعد تقریباً ایک صدی تک یہودی مصر کے بطلیموس خاندان کے ماتحت رہے لیکن یہود نے حکمران طبقہ کا اثر قبول نہ کیا۔ لیکن اس کے برعکس یہودیوں میں قومیت کا احساس شدت سے ابھرنا شروع ہوا۔ جب فلسطین یونانی بادشاہ سیکولس کے زیر نگین آیا تو یونانی حکمرانوں نے یونانی تہذیب اور یونانی مذہبی رسوم غیر پر ٹھونسنا چاہا اور انطاکیہ کے یونانی حکمرانوں نے اپنی تہذیب اور مذہبی رسوم کا پرچار شروع کر دیا۔

انطالیس چہارم نے یہودی مذہب مٹانے اور یونانی دیوتا زیس (ZEUS) کی پرستش کو عام رواج دینے کی کوشش کی، تو اس کے نتیجہ میں یہودیوں میں قومی احساس پیدا ہوا۔ ایک کامیاب بغاوت کی اور فلسطین میں ایک یہودی ہاسمونین خاندان کی حکومت قائم کر دی۔ چونکہ حکمران خاندان کو مذہب سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ یہودیوں نے اس خاندان کی حکومت اس وجہ سے قائم کی۔ وہ یونانی اثرات سے محفوظ رہیں گے۔ اس سے ان کا مقصد پورا نہ ہوا۔ اور یہودیوں کی مذہبی طبقات نے اس خاندان سے تعلقات منقطع کر لئے۔ یہ مذہبی طبقات "حسیدیم" (HASIDAEANS) کہلاتے جس کے معنی "متقی اور پارسا" لوگ ہیں۔ ان کے بعد فریسیوں کا گروہ پیدا ہوا۔ یہ لوگ یونانی تصورات اور رسم سے سخت متنفر تھے۔ ان کا ایک الگ گروہ تھا۔ یہ لوگ عزرا اور نحمیاہ نبی کے پیرو تھے۔ جنہوں نے یہودیوں کو غیر یہودیوں سے شادی کرنے سے منع کر کے یہودیوں کو مذہب پرستی سے محفوظ رکھنا چاہا تھا۔ مذہبی طبقہ اور حکمران طبقہ کے درمیان نفاق پیدا ہو گیا۔ آخر کار مذہبی طبقہ کی قیادت و سیادت تسلیم کر لی گئی۔ اب یہودیوں کے مذہبی طبقہ کے ہاتھ میں مذہبی و دنیاوی قیادت کی باگ ڈور آگئی سلطنت روم تک اس طبقہ کو یہودیوں پر کامل اختیارات حاصل تھے۔ حتیٰ کہ ایک رومی حکمران کو بھی اس کے سامنے حاضر ہونا پڑا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں یہودیوں کے مذہبی طبقہ کا کتنا زور تھا۔ اور معاشرہ میں ان کو کتنا بلند مقام حاصل تھا۔ انہیں عشر کی آمدنی کے علاوہ ہر فصل میں پھلوں

کی پہلی کھیپ دی جاتی تھی اور عوام ان کی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

## مذہبی قوانین کے مطالعہ کا شوق

یونانی تہذیب کی مخالفت کا ایک ردعمل یہ ہوا کہ یہودیوں میں مذہبی قوانین کے مطالعہ کا شوق پیدا ہو گیا۔ ۴۴۴ ق م میں عزرا اور نحمیاہ نبی نے حضرت موسیٰ کے قوانین کو مدون کیا۔ اور کاہنوں، پجاریوں اور کاتبوں نے ان قوانین کا مطالعہ شروع کر دیا۔ ۲۶۰ ق م میں عہد نامہ قدیم کا یونانی ترجمہ ہوا اور غیر اسرائیلی یہودیوں کو خود ان کی اپنی مادری زبان میں کتب مقدسہ کے مطالعہ کا موقعہ ملا۔ فقہ کی تدوین اور اشاعت کی وجہ سے یہودیوں میں سے کئی ایک فرقے پیدا ہو گئے۔ جیسے جیسے یہودیوں کو یونانی تہذیب سے واسطہ پڑا، وہ یونانی رسوم اور افکار کو بنظر استحسان دیکھنے لگے۔ ابتدا میں وہ یونانیوں کی تہذیب و تمدن اور رسوم سے عمدہ عناصر جذب کرنا چاہتے تھے۔ لیکن بعد میں وہ اپنی مذہبی رسوم اور تہذیب سے بالکل الگ ہو گئے اور یونانی تہذیب کے رنگ میں رنگین ہو گئے۔

### حسیدین (HASDAEANS)

یونانی اثر کو روکنے کے لئے حسیدین نے بہت کام کیا اس جماعت کا بڑا نامور جوڈا اس تھا جس کی زیر قیادت اس جماعت نے شاندار ایثار اور قربانی کا مظاہرہ کیا۔ یہ لوگ اپنے اعتقادات اور مذہبی قوانین پر سختی سے پابند تھا۔ مثلاً سبت کے دن اگر کوئی ان پر حملہ کر دیتا تو وہ بجائے مدافعت کے اپنی جانیں قربان کر دیتے تھے۔ لیکن بعد میں یہ جماعت اندرونی اور انتشار کا شکار ہو گئی۔

## یہودیت کا مذہبی ادب

بائبل یونانی لفظ بیبلاس سے ماخوذ ہے جو اس چرمی وصلی کا نام ہے جو لکھنے کے لئے مصر میں استعمال ہوتی تھی جب یہ صحیفے شروع میں لکھے گئے تو ان کا نام اس چرمی وصلی کے نام پر مشہور ہو گیا۔ بائبل دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک حصے کا نام عہد نامہ عتیق ہے اور دوسرے کا نام عہد نامہ جدید۔ یہودی لوگ عہد نامہ عتیق کو مانتے ہیں مگر عیسائی عہد نامہ جدید کو مانتے ہیں اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ عہد نامہ جدید عہد نامہ عتیق کا ناسخ اور ناقد ہے۔

عہد نامہ عتیق کے دو نسخے ہیں:۔ ایک عبرانی زبان میں مسورہ (یعنی روایتی نسخہ) کہلاتا ہے، دوسرا یونانی نسخہ جسے نسخہ سبعینیہ (سیپٹواجنٹ) کہتے ہیں۔

یہودی لوگ عبرانی نسخہ مسورہ کو مستند تسلیم کرتے ہیں اور عیسائی یونانی نسخہ کو مانتے ہیں۔

اصل یونانی نسخہ میں ۱۹ کتابیں مسوطہ سے زائد ہیں جو رومی اور یونانی کلیسا میں پڑھی جاتی ہیں، مگر پروٹسٹنٹ نے انہیں بائبل سے خارج کر دیا ہے (ہسٹری آف دی انگلش بائبل صـ۱۳)

عبرانی نسخہ (مسورہ) تین حصوں پر مشتمل ہے۔ ۱۔ تورات۔ ۲۔ نبیم۔ ۳۔ کتبیم

نبیم اور کتبیم کی کتابوں کی ترتیب یونانی اور مسورہ میں مختلف ہے۔

## عہد نامہ عتیق

عہد نامہ عتیق میں ۳۹ کتب ہیں۔

۱:۔ توریت میں پانچ کتابیں ہیں۔ یعنی ۱۔ پیدائش ۔۲۔ خروج ۔۳۔ احبار ۔۴۔ گنتی ۵۔ استثناء (بعض کے نزدیک چھٹی کتاب یعنی یشوع بھی توراۃ میں شامل ہے)

۲:۔ پرانے انبیاء کی کتب۔ اس حصے میں چھ کتب شامل ہیں یعنی یشوع، قاضیوں، ایک سموئیل دو سموایل، ایک سلاطین اور دو سلاطین۔

۳:۔ متبرک تحریرات۔ اس میں تیرہ کتب ہیں۔ روتھ۔ ایک تواریخ۔ دو تواریخ۔ عزرا۔ نحمیاہ۔ استر۔ ایوب۔ زبور۔ امثال سلیمان کی کتاب غزلیات سلیمان۔ نوحہ یرمیاہ اور دانیال۔

۴:۔ بعد کے انبیا کی کتب۔ یہ تین ہیں۔ یعنی یسعیاہ، یرمیاہ اور حزقیل کی کتب۔

۵:۔ چھوٹے انبیا کی کتب۔ اس فہرست میں بارہ کتب ہیں۔ ہوسیا۔ جوئل۔ آموس۔ عوبدیا۔ یونس۔ میکاہ۔ نحوم۔ حبقوق۔ صفنیہ۔ ہگائی۔ زکریا اور ملاکی کی کتاب،

پس عہد نامہ عتیق کی مسلمہ کتب ۳۹ ہیں۔ ان سے علاوہ چودہ کتب اور ہیں جو صرف یونانی عہد نامہ میں شامل ہیں جن کو خفیہ تحریرات کہتے ہیں۔

پہلی یا تیسری اور اس سے دوسری یا چوتھی اور اس طوبت۔ جوڈتھ۔ آستھر کا وہ حصہ جو آستھر کی کتاب میں شامل نہیں۔ سلیمان کی عقل کی باتیں۔ یسوع بن سیراخ کی عقل کی باتیں۔ باروخ۔ تین پاک بچوں کا گیت۔ تاریخ سوسانا بیل اور اژدھا۔ یہود کے بادشاہ مناسیس کی دعا۔ پہلی میکابیس اور دوسری میکابیس۔

## اندرونی شہادت کہ بائبل تحریف و تبدل سے مبرا نہیں۔

سب سے پہلے بائبل کی اندرونی شہادتیں درج کی جاتی ہیں جن سے یہ واضح ہو جائے گا کہ بائبل اصلی حالت میں محفوظ نہیں۔

### ۱۔ بعض گمشدہ کتب بائبل جن سے واقعات نقل کئے گئے ہیں

ستر کتب ایسی ہیں جو کسی زمانہ میں موجود تھیں لیکن اب ناپید ہیں، مگر ان کے حوالہ جات عہد نامہ عتیق میں موجود ہیں۔ چنانچہ ان کتابوں سے [illegible] کے نام کا ذکر آتا ہے [illegible] میں دیئے جاتے ہیں۔

| نمبر شمار | نام کتب گم شدہ | حوالہ جات عہد عتیق موجودہ |
|---|---|---|
| ۱ | کتاب عہد نامہ موسیٰ | خروج باب ۲۴ آیت ۷ |
| ۲ | جنگ نامہ خداوند | گنتی باب ۲۱ آیت ۱۴ |
| ۳ | کتاب یشیر | یشوع باب ۱۰ آیت ۱۳، سموئیل دوم باب ۱ آیت ۱۸ |
| ۴ | کتاب یاہو بن حنانی | تواریخ دوم باب ۲۰ آیت ۳۴ |
| ۵ | کتاب سمعیاہ نبی | تواریخ دوم باب ۱۲ آیت ۱۵ |
| ۶ | کتاب اخیاہ نبی | تواریخ دوم باب ۹ آیت ۲۹ |
| ۷ | کتاب ناتن نبی | تواریخ دوم باب ۹ آیت ۲۹ |
| ۸ | کتاب مشاہدات عیدو غائب بیں | تواریخ دوم باب ۹ آیت ۲۹ |
| ۹ | کتاب اعمال سلیمان | سلاطین اول باب ۱۱ آیت ۴۱ |
| ۱۰ | کتاب مشاہدات یسعیاہ بن اموس | تواریخ دوم باب ۲۶ آیت ۲۲ |
| ۱۱ | کتاب مشاہدات یسعیاہ بن اموس | تواریخ دوم باب ۳۲ آیت ۳۲ |
| ۱۲ | سموایل غیب بین کی تواریخ | تواریخ اول باب ۲۹ آیت ۲۹، ۳۰ |
| ۱۳ | نغمات سلیمان ایک ہزار پانچ | سلاطین اول باب ۴ آیت ۳۲، ۳۳ |
| ۱۴ | سلیمان کی کتاب خواص نباتات وحیوانات | سلاطین اول باب ۴ آیت ۳۲، ۳۳ |
| ۱۵ | کتاب امثال سلیمان (یہ تین ہزار امثال اس سے مختلف ہیں جو موجودہ عہد عتیق میں درج ہیں) | سلاطین اول باب ۴ آیت ۳۲ |
| ۱۶ | جاد غیب بین کی تواریخ | تواریخ اول باب ۲۹ آیت ۲۹ |
| ۱۷ | مرثیہ یرمیاہ (یہ مرثیہ اس نوحہ یرمیاہ سے مختلف ہے جو بائبل میں درج ہے بقول بشپ پیرک یہ مرثیہ اب گم ہے) | تواریخ دوم باب ۳۵ آیت ۲۵ |

۲۔ ان کتب کے علاوہ اور بھی چند ایک کتب معدوم ہو چکی ہیں جن کا اعتراف مسیحی علماء کو ہے۔ چنانچہ ہنفرڈ صاحب اپنی کتاب "سوالات" مطبوعہ لندن ۱۸۴۳ء میں سوال دوم کے ذیل میں رقمطراز ہیں: "یہ کتابیں جن میں حضرت مسیح علیہ السلام کو ناصری کہا گیا ہے۔ (اور جس کا ذکر مقدس متی نے باب ۲ آیت ۲۳ میں کیا ہے) نیست و نابود ہو گئی ہیں۔ اس لئے کہ جو کتابیں نبیوں کی اب موجود ہیں ان میں کسی میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ناصری نہیں لکھا گیا۔"

گریزاسٹم صاحب اپنی ہولی بائبل کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "پیغمبروں کی بہت سی کتابیں ناپید ہو گئیں۔ اس لئے کہ یہودیوں نے غفلت سے بلکہ بے دینی سے بعض کتابوں کو کھو دیا اور بعض کو پھاڑ ڈالا اور بعض کو جلا دیا۔"

یہوداہ کے خط (عہد جدید) آیت ۹ میں لکھا ہے کہ جب میکائیل نے شیطان سے تکرار کر کے موسیٰ کی لاش کی بابت بحث کی۔" ظاہر ہے کہ یہوداہ نے یہ واقعہ توریت سے ہی اخذ کیا ہوگا۔ لیکن موجودہ توریت میں یہ واقعہ نہیں ملتا۔

تمطاوس دوم باب ۳ آیت ۸ میں لکھا ہے کہ "یاناس اور یمبراس نے موسیٰ کا سامنا کیا۔" یہ دونوں نام موجودہ عہد عتیق میں نہیں پائے جاتے۔

یہوداہ نے اپنے خط کی آیت ۱۴، ۱۵ میں خنوک کی پیش گوئی کا جو ذکر کیا ہے وہ موجودہ توریت میں کہیں درج نہیں۔

زبور ۱۰۵ آیت ۱۸ میں یوسف علیہ السلام کی بیڑیوں اور بیڑیوں کا جو حال درج ہے، اس کا ذکر توریت میں کہیں نہیں ملتا۔

تفسیر ڈاڈیلی مطبوعہ ۱۸۵۶ء جلد ۱ صفحہ ۱۲۹ پر لکھا ہوا ہے۔

"اس بادشاہ روشن ضمیر یعنی سلیمان نے اس دانائی کو جو اس نے پائی انسانوں کے فائدے کے لئے استعمال میں لانا چاہا، اور بہت سی کتابیں ان کی تعلیم کے لئے لکھیں۔ مگر حضرت عزرا نے ان میں سے صرف تین کو مقدس کتابوں میں داخل کیا اور بقیہ کتابیں (جو کتب مقدسہ میں داخل نہیں کی گئیں) یا تو مذہبی تربیت کے لئے نہیں لکھی گئی تھیں یا ایک زمانہ کے گزر جانے کے باعث خراب اور ناقص ہو گئی تھیں۔"

## ۳۔ وہ کتب جو عہد عتیق میں داخل تھیں لیکن ان کو جعلی قرار دیا گیا ہے۔

بعض ایسی کتب ہیں جو عہد عتیق میں داخل تھیں لیکن اب ان کو جعلی قرار دیا گیا ہے اور بائبل سے خارج کر دی گئی ہیں۔ یہ سب کتب عہد عتیق کے یونانی ترجمہ سیپٹواجنٹ یعنی سبعینیہ میں جو ۲۸۴ برس قبل مسیح تیار ہوا تھا، موجود ہیں۔ اور یونانی اور رومی کلیسا کے نزدیک مقدس ہیں اور بعض کی اب تک تلاوت کی جاتی ہے لیکن پراٹسٹنٹ کلیسا نے ان کو عہد عتیق سے خارج کر دیا ہے۔ علماء یورپ اب ان کی تاریخی اہمیت تسلیم کرتے ہیں کیونکہ ان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تین سو برس قبل کی تاریخ و حالات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

بعض واقعات تو ایسے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے بزرگ آزر سے مناظرہ جو سورۃ انعام میں مذکور ہے، توریت کی کتاب پیدائش میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔ لیکن یہ مناظرہ کتاب جوبلی کی آیت ۱۲ میں درج ہے جو جعلی قرار دے کر عہد نامہ عتیق سے خارج کر دی گئی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان میں بعض کتب حقیقتاً جعلی ہیں۔ جب یہود کے فرقوں میں باہمی مناظروں اور مباحثوں کا بازار گرم ہوا تو مناظرین نے اپنے مدعا کے مطابق کتب تصنیف کر کے ان کو انبیاء علیہم السلام کی طرف منسوب کر دیا۔

متروکہ کتب کے نام حسب ذیل ہیں۔

| نمبر | کتب متروکہ | نمبر | کتب متروکہ |
|---|---|---|---|
| ۱ | کتب سبعہ شیث ۳ | ۸ | کتاب خنوک |

| نمبر | کتب متروکہ | نمبر | کتب متروکہ |
|---|---|---|---|
| ۹ | کتاب مشاہدات ابراہیم | ۲۵ | تین معصوم بچوں کا نغمہ |
| ۱۰ | کتاب مشاہدات موسیٰ | ۲۶ | تاریخ برباد ی بل اور ڈرگن |
| ۱۱ | کتاب پیدائش صغیر | ۲۷ | دعائے منیس شاہ یہودیہ |
| ۱۲ | کتاب قیاس موسیٰ | ۲۸ | کتاب مقابیس اول |
| ۱۳ | کتاب الوصیت موسیٰ | ۲۹ | کتاب مقابیس دوم |
| ۱۴ | کتاب اسرار موسیٰ | ۳۰ | کتاب معراج اشعیاء |
| ۱۵ | کتاب معراج موسیٰ | ۳۱ | ملفوظات حبقوق |
| ۱۶ | کتاب عزرا نمبر ۱ | ۳۲ | کتاب لوئیل |
| ۱۷ | کتاب عزرا نمبر ۲ | ۳۳ | کتاب جوبلی |
| ۱۸ | کتاب توبٹ | ۳۴ | کتاب حزقیل بابت یروشلم |
| ۱۹ | کتاب جودتھ | ۳۵ | کتاب حزقیل بابت صدقیاہ اور بابل بعض خلیسائی علماء نے تین مزید کتب کا اضافہ کیا ہے۔ |
| ۲۰ | بقیہ ابواب استر | ۳۶ | سموائیل کی وہ کتاب جس کا ذکر سموائیل اول باب ۱۰ آیت ۲۵ میں آیا ہے۔ |
| ۲۱ | کتاب سلیمان کی دانائی | ۳۷ | ہوسیاہ جس کا ذکر تواریخ دوم باب ۳۲ آیت ۹ میں آیا ہے |
| ۲۲ | کتاب الواعظ | ۳۸ | عیدو نبی کی تفسیر جس کا ذکر تواریخ دوم باب ۱۳ آیت ۲۲ میں آیا ہے |
| ۲۳ | کتاب باروق | | |
| ۲۴ | کتاب تاریخ سینا | | |

## ۴۔ توریت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہیں لکھی۔

توریت کا نسخہ مسورہ عبرانی زبان میں ہے۔ مسورہ کے معنی روایتی نسخہ ہیں۔ یہ ہیکل میں روایتی طور پر تلاوت کیا جاتا تھا، لیکن اس نسخہ کی اصل کے متعلق کچھ علم نہیں کہ وہ کہاں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہاڑ پر بیٹھ کر صرف دو الواح (احکام عشرہ) کندہ کرائی تھیں[1] ان کے علاوہ کوئی اور کتاب نہیں لکھی گئی۔ یہی الواح خداوند کے صندوق میں محفوظ تھیں۔ مگر یہ صندوق فلسطینی لوگ بنی اسرائیل سے چھین کر لے گئے اور بادشاہ سائل (طالوت) دشمنوں سے چھین کر واپس لایا۔ اور حضرت سلیمان کے عہد مبارک میں وہ صندوق کھولا گیا تو اس میں سے صرف دو الواح نکلی[2]

---

[1] استثناء ۴: ۱۳، ۵: ۲۲، ۱۰: ۴، ۵، ۹، ۱۰، ۱۱

[2] سفر تثنیہ اول ۱۰: ۵ تواریخ دوم ۵: ۱۰ عبرانیوں کا خط ۹: ۴

تھیں۔ اس کے بعد ان دو الواح کے متعلق بھی کسی کو علم نہیں ہے کہ وہ کہاں گئیں۔ کیونکہ یہودی قوم پر دشمنوں نے کئی حملے کئے۔ ان کے ہیکل کو جلا دیا۔ یہود کو اسیر بنا کر جلاوطن کر دیا گیا۔

ان حوالہ جات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہ تو خود توریت لکھی اور نہ لکھوائی۔ اس لئے اس کتاب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر غائب کے صیغہ میں آتا ہے۔ مثلاً گنتی باب ۱۲: ۱ تا ۵ میں درج ہے۔

"مریم اور ہارون نے موسیٰ کا شکوہ اس کوشی عورت کی بابت کہ اس نے لی تھی کیا۔ کیونکہ اس نے کوشی عورت لی تھی۔ اور بولے کیا خداوند نے صرف موسیٰ ہی سے باتیں کی ہیں کیا اس نے ہم سے بھی باتیں نہیں کی ہیں۔ چنانچہ خداوند نے یہ سنا پر وہ مرد موسیٰ سارے لوگوں سے جو روئے زمین پر تھے زیادہ حلیم تھا۔ سو خداوند نے ناگہاں موسیٰ کو اور ہارون کو اور مریم کو فرمایا کہ تم تینوں جماعت کے خیمہ کے پاس آؤ۔ سو وے تینوں آئے۔ تب خداوند بدلی کے ستون میں ہو کر اترا۔"

## حضرت موسیٰ کی کتاب میں بعد کے واقعات

موجودہ توریت میں ایسے مقامات اور واقعات کا ذکر ہے۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صدیا برس بعد رونما ہوئے۔ مثلاً پیدائش ۳۵: ۲۱ میں درج ہے:

"پھر اسرائیل نے کوچ کیا اور اپنا خیمہ مجدل عدر کے اس پار کھڑا کیا۔"

میکہ نبی کی کتاب ۴: ۸ کی بنا پر بیت المقدس کے ایک مینار کا نام مجدل عدر ہے جو حضرت موسیٰ سے ۷۰۰ سال بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کیا۔

کتاب پیدائش ۳۶: ۳۱ میں درج ہے:

"اور بادشاہ جو ملک ادوم پر مسلط ہوئے پیشتر اس سے کہ اسرائیل کا کوئی بادشاہ ہو یہی ہیں۔"

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کتاب پیدائش چند بادشاہ ہو چکنے کے بعد لکھی گئی۔

اسرائیل کا پہلا بادشاہ ساؤل حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا ہے۔ (سموئیل اول باب ۸) گویا یہ عبارت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کم از کم چھ سو برس بعد کی ہے۔

خروج ۱۶: ۳۵، ۳۶ میں لکھا ہے کہ "بنی اسرائیل ۴۰ برس تک کہ وہ بستی میں آئے من کھاتے رہے جب تک کہ وے زمین کنعان کی نواحی میں آئے من کھاتے رہے۔"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب خروج اس وقت لکھی گئی جب کہ بنی اسرائیل کنعان میں پہنچ چکے تھے اور من کا کھانا موقوف ہو چکا تھا۔ اور الیفہ کا دستور رائج ہو چکا تھا۔ کتاب یشوع باب ۵ آیت ۱۱، ۱۲ کے مطابق یہ باتیں موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں نہیں ہوئیں۔

دان نام کا شہر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد قاضیوں کے زمانہ میں بسایا گیا (قاضیوں ۱۸: ۲۹) موسیٰ علیہ السلام کی کتاب پیدائش ۱۴: ۱۴ اور استثناء ۳۴: ۱ میں دان نام کے شہر کا ذکر موجود ہے۔

نبی اسرائیل کی ابتدائی تاریخ میں دو بغاوتوں کا ذکر آتا ہے۔ ایک بغاوت کا سرغنہ قارون تھا۔ اور دوسری کا داتن اور ابرام۔ ان دونوں کو تاریخ نویسوں نے باہم خلط ملط کر دیا ہے۔ حالانکہ دونوں واقعات الگ الگ زمانہ کے ہیں چنانچہ سائیکلو پیڈیا بیبلیکا میں لکھا ہے۔

IN NUMBR 15.17 THE REVOLT OF DATHON AND ABIRAM IS MINGLED AND CONFUSED WITH AN OTHER REVOLT THAT OF KORAH CONSIQUENTLY IT IS DIFFICULT INDEED IMPOSSIBLE TO INTERPRET THE NARRATIVE AS IT STANDS.

نمبر ۱۵، ۱۷ میں داتن اور ابرام کی بغاوت کو قارون کی بغاوت سے خلط ملط کر دیا گیا ہے اور بیانیہ جیسا کہ موجود ہے کی تشریح مشکل بلکہ ناممکن ہو جاتی ہے۔

کتاب استثنا رباب ۳۴ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ذکر ہے۔ مفسرین بائبل کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ کسی اور نبی نے لکھ کر موسیٰ کی کتاب میں شامل کر دیا ہے۔ اس میں لکھا ہے!

۵۔ سو خداوند کا بندہ موسیٰ خداوند کے حکم کے مطابق موآب کی سرزمین میں مر گیا۔ ۶۔ اور اس نے اسے موآب کی ایک وادی میں بیت فغور کے بالمقابل گاڑا، پر آج کے دن تک کوئی اس کی قبر کو نہیں جانتا۔ ۷۔ اور موسیٰ اپنے مرنے کے وقت ۱۲۰ برس کا تھا کہ نہ اس کی آنکھیں دھندلائیں اور نہ اس کی تازگی جاتی رہی۔ ۸۔ سو بنی اسرائیل موسیٰ کے لئے موآب کے میدانوں میں تیس دن تک روئے کئے اور ان کے رونے پیٹنے کے دن موسیٰ کے لئے آخر ہوئے۔"

آیت نمبر ۵ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ذکر ہے آیت نمبر ۶ میں ان کی تدفین اور قبر کا ذکر کیا ہے اس کے بعد یہ بھی بتا دیا کہ آج تک اس کی قبر کے متعلق کوئی نہیں جانتا۔ آیت ۷، ۸ میں وفات کے بعد کے حالات مذکور ہیں۔

گنتی باب ۲۱ آیت ۲ میں ہے کہ" خداوند نے اسرائیل کی آواز سنی اور کنعانیوں کو گرفتار کر دیا اور انہوں نے انہیں اور ان کی بستیوں کو حرم کر دیا اور اس نے اس مقام کا نام حرمہ رکھا۔" اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کتاب اس وقت لکھی گئی جب کنعانی قتل ہو چکے تھے۔ اور ان بستیوں کا نام حرمہ ہو چکا تھا۔ اور قاضیوں کے باب اول آیت ۱۷ کی رو سے یہ واقعات موسیٰ علیہ السلام سے بہت بعد کے ہیں۔

گنتی باب ۲۱ آیت ۱۴ میں لکھا ہے کہ" اس سبب خداوند کے جنگ نامہ میں لکھا ہے کہ خداوند آندھی میں وہیب پر قابض ہوا اور ارنون کی نہروں پر"۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کتاب کا مصنف حضرت موسیٰ علیہ السلام نہیں بلکہ اس کا لکھنے والا کوئی اور شخص ہے جس نے بعض حالات کو" جنگ نامہ خداوند" سے نقل کیا۔ یہ کتاب بقول طامس اسکاٹ مفسر کے کسی اسرائیلی یا بت پرست نے خداوند کے نام سے تصنیف کی اور فتح صیحون کے حالات کو اس میں درج کر دیا۔ ان فتوحات کا وقوع موسیٰ علیہ السلام سے بعد ہوا۔ یہ جنگ نامہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کی تصنیف ہے۔

## ۵۔ تصحیحات احبار

علماء یہود نے جان بوجھ کر بائبل میں تحریف کی۔ یہ تحریفات "تصحیحات احبار" کے نام سے مشہور ہیں۔
(ہسٹری آف دی انگلش بائبل مصنفہ ریورنڈ طامس صد ۱۴)

اس کی چند ایک مثالیں درج ہیں۔

پیدائش ۱۸: ۲۲ میں تھا: "یہوہ ابراہیم کے سامنے کھڑا ہوا" مگر اس میں خداوند یہوہ کی ہتک سمجھ کر اسے یوں بدلا گیا: "ابراہیم یہوہ (خدا) کے سامنے کھڑا رہا۔"

قاضیوں کی کتاب ۱۸: ۳۰ میں یہونتن مرتد کو منسہ کا پوتا لکھ دیا۔ حالانکہ وہ موسیٰ کا پوتا تھا۔

اس مضمون پر بحث کرتے ہوئے سائیکلوپیڈیا ببلیکا صد ۵۰۲۸ پر لکھا ہے۔

شقوص شمیہ۔ IT IS IN DANIEL 12 : 11 THAT WE FIND UNTENTIONAL PERVESION OF بعل شمائم

کہ دانیال نبی کی کتاب ۱۲: ۱۱ میں احبار نے "بعل شمائم" کی جگہ شقوص شمیم بنا کر دیدہ دانستہ تحریف کر دی ہے۔

# بائبل کی متضاد باتیں

بائبل میں بے شمار متضاد باتیں پائی جاتی ہیں۔ جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بائبل اپنی اصلی حالت میں محفوظ نہیں۔ یہاں اختلافات بائبل کا نقشہ درج کیا جاتا ہے۔

| | |
|---|---|
| ۱ آدم کو کہا گیا کہ جس دن تو نیک و بد کے درخت سے پھل کھائے گا تو ضرور مرے گا۔ (پیدائش ۲: ۱۷) | ۱۔ اگر آدم پھل کھانے کے بعد ۹۳۰ برس جیتا رہا۔ (پیدائش ۵: ۵) |
| ۲ انسان کو خدا نے حیوانات پیدا کرنے کے بعد بنایا۔ (پیدائش ۲۵: ۲۷) | ۲ خدا نے آدم کے پاس جانور بنا کر بھیجے۔ گویا آدم پہلے جانور بعد (پیدائش ۲: ۱۸ تا ۲۰) |
| ۳ سلح ارفکسد کا بیٹا تھا۔ (پیدائش ۱۱: ۱۲) | ۳ سلح ارفکسد کا پوتا تھا۔ (لوقا ۳: ۳۶) |
| ۴ کشتی نوح میں سات سات نر و مادہ (پیدائش ۷: ۲) | ۴ سب جانوروں کے جوڑے جوڑے۔ (پیدائش ۶: ۱۰، ۷: ۸-۹، ۱۴-۱۵) |

۵ خدا کا پچھتانا ۔
پیدائش ۶:۶ خروج ۳۲: ۱۴)

۶ یعقوب کو یکمشت کھیت میں گاڑا ۔
(پیدائش ۵۰: ۱۳)

۷ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ۔
(پیدائش ۱: ۲۷)

۸ فرشتہ وغیرہ کی تصویر نہ بنائیو ۔
(خروج ۲۰: ۴)

۹ اسرائیل کے بزرگوں نے خدا کو دیکھا
(خروج ۲۴: ۹، ۱۰-۱۱)

۱۰ ساتویں دن خدا نے آرام کیا اور تازہ دم ہوا
(خروج ۳۱: ۱۷)

۱۱ موسیٰ روئے زمین کے سب مردوں سے حلیم تھا
(گنتی ۱۲: ۳)

۱۲ ہارون کوہ حور پر مرا اور گاڑا گیا ۔
(گنتی ۲۰: ۲۸، ۳۳: ۳۷، ۳۸)

۱۳ جاتی جولیت کو داؤد نے مارا ۔
(سموئیل اول ۱۷: ۴، ۵۰)

۱۴ ساؤل خود گر کر مر گیا ۔
(سموئیل اول ۳۱: ۶-۴)

۱۵ داؤد کو خدا نے کہا کہ اسرائیل کو گن ۔
سموئیل دوم ۲۴: ۱)

۱۶ میکل مرتے دم تک بے اولاد رہی ۔
(سموئیل دوم ۶: ۲۳)

۱۷ اخزیا ۲۲ برس کا تھا جب بادشاہ ہوا ۔
(سلاطین دوم ۸: ۲۶)

۱۸ یہویکین اٹھارہ برس کا تخت پر بیٹھا
(سلاطین دوم ۲۴: ۸)

۵ خدا کا پچھتانا نہیں
(گنتی ۲۳: ۹)

۶ سکم میں گاڑا ۔
(اعمال ۷: ۱۶)

۷ خدا انسان کے پیدا کرنے سے پچھتایا ۔
(پیدائش ۶: ۶، ۸: ۲۱)

۸ اور تو سونے کے دو کروبی (فرشتے) بنائیو ۔
(خروج ۲۵: ۱۸)

۹ کوئی انسان نہیں کہ مجھے دیکھے اور جیتا رہے ۔
(خروج ۳۳: ۲۰)

۱۰ خدا تھکتا نہیں جاتا اور ماندہ نہیں ہوتا ۔
(یسعیاہ ۴۰: ۲۸)

۱۱ موسیٰ غصہ ہوا تمام بچوں اور عورتوں میں سے مردوں کے قتل کا حکم دیا ۔ (گنتی ۳۱: ۱۴، ۱۷)

۱۲ ہارون سو سیرہ میں فوت ہوا ۔
(استثنا ۱۰: ۶)

۱۳ جاتی جولیت کو الحنان بن یاعیر نے مارا ۔
(سموئیل دوم ۲۱: ۱۹)

۱۴ ساؤل کو عمالیقی نے قتل کیا ۔
(سموئیل دوم ۱: ۱۰)

۱۵ شیطان نے کہا کہ اسرائیل کو گن ۔
(تواریخ اول ۲۱: ۱)

۱۶ میکل کے پانچ بیٹے تھے ۔
(سموئیل دوم ۲۱: ۸)

۱۷ اخزیا ۴۲ برس کا تھا جب بادشاہ ہوا ۔
(تواریخ دوم ۲۲: ۲)

۱۸ یہویکین آٹھ برس کا بادشاہ ہوا ۔
(تواریخ دوم ۳۶: ۹)

۱۹ خدا اندھیرے میں رہتا ہے۔
(خروج ۱۹: ۹، ۱۶-۲۰: ۲۱)

۲۰ عیسو نے ایلون حتی کی بیٹی بسامت سے بیاہ کیا۔
(پیدائش ۲۶/۳۴)

۲۱ عماسہ اترا کا بیٹا تھا جو اسرائیلی تھا۔
(سموئیل ۱۷/۲۵)

۲۲ زروبابل کے ساتھ قبیلہ بنی ارخ کے ۷۵، افراد یروشلم میں آئے۔ (عزرا ۵/۲)

۲۳ بنی پخت موآب بنی یشوع اور یوآب کی اولاد سے ۲۸۱۲ افراد تھے۔ (عزرا ۶/۲)

۲۴ جو گھر سلیمان بادشاہ نے خداوند کے لئے بنایا اس کی لمبائی ۶۰ ہاتھ چوڑائی ۲۰ ہاتھ اور اونچائی تیس تھی
(سلاطین ۲/۶)

۱۹ خداوند میں رہتا ہے۔ جس تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ (تمطاؤس اول ۱۶: ۱۶)

۲۰ عیسو نے اسماعیل کی بیٹی بسامت سے بیاہ کیا۔
(پیدائش ۲۶/۳)

۲۱ عماسہ کا باپ تیرا اسماعیلی تھا۔
(تواریخ ۲/۱۷)

۲۲ زروبابل کے ساتھ اس سفر میں بنی ارخ کے ۶۵۲ افراد تھے۔ (نحمیاہ ۷/۷)

۲۳ بنی پخت موآب بنو یشوع اور یوآب کی نسل میں سے ۲۸۱۸ افراد تھے۔ (نحمیاہ ۷/۱۱)

۲۴ تواریخ میں ہے کہ اس کی اونچائی ۲۰ ہاتھ تھی۔

# توریت کی تدوین اور اس پر آسمانی بلائیں

تاہم مسیحی علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ توریت پندرہ سو برس قبل مسیح لکھی گئی۔ پہلے وہ ایک جلد میں مدون ہوئی۔ لیکن مسیحی علماء کے نزدیک جب بہتر علماء نے ۲۸۰ قبل مسیح میں توریت کو عبرانی زبان سے یونانی زبان میں منتقل کیا تو اس ایک کتاب کو پانچ مختلف کتابوں میں تقسیم کر دیا۔ ۱۔ پیدائش۔ ۲۔ خروج۔ ۳۔ احبار۔ ۴۔ گنتی۔ ۵۔ استثناء۔ باب اور آیات کی تفصیل ۱۲۴۰ء میں کارڈنل ہوگو نے کی۔ یہ تقسیم ناقص ہے کیونکہ کہیں کہیں معانی کے لحاظ سے اس تفصیل میں باہمی ربط کا فقدان نظر آتا ہے۔

توریت پر متعدد بار آسمانی آفتیں نازل ہوئیں، جس وجہ سے کئی بار یہ کتاب گم ہوئی اور کئی بار لکھی گئی۔

**توریت کی پہلی بربادی** مسیحی علماء کے نزدیک توریت کی پہلی گمشدگی ۹۸۶ء قبل مسیح بادشاہ یہودیہ کے عہد میں ہوئی۔ تقریباً ۵۰ برس کی گمشدگی کے بعد ۶۲۴ء قبل مسیح بادشاہ یوسیاہ کے عہد میں کاہنوں کے سردار خلقیاہ نے اعلان کیا کہ اس نے ہیکل یروشلم میں توریت پائی ہے۔ جس پر وقت کے بادشاہ نے اس کتاب کو پڑھوایا تو گھبرا کر اپنے کپڑے پھاڑ دیئے۔[۲]

---

[۱] احوال کتاب مقدس حصہ اول باب ۸، ۴ صفحہ ۱۱ مطبوعہ لندن ۱۸۶۰ء

[۲] دوم سلاطین باب ۲۲ آیات ۸ تا ۱۱

ایک تحقیق یہ ہے کہ ۹۷۱ء ق م رحبعام شاہ یہود کی سلطنت کے پانچویں سال سیق شاہ مصر نے جب یروشلم پر حملہ کیا اور ہیکل اور یہودی بادشاہ کے گھر کو لوٹا، اس وقت توریت ضائع ہوئی، اس حساب سے توریت تین سو برس تک لوگوں کی نظر سے اوجھل رہی [1]

بہر حال توریت ایک لمبے عرصہ تک گم رہی۔ اور جب سردار خلقیاہ نے اس کے دوبارہ مل جانے کا اعلان کیا، اس وقت یہود میں سے کوئی بھی ایسا انسان موجود نہیں تھا جو قطعی طور پر اس امر کی تصدیق کرتا کہ حاصل شدہ کتاب توریت ہی ہے۔

اس دور میں نہ تو لکھنے کا عام رواج تھا، جس وجہ سے یہ خیال کر لیا جائے کہ توریت کے کئی نسخے اور اقلیدی تحریر میں آ گئے ہوں گے اور سردار خلقیاہ کو کوئی ایک نسخہ مل گیا ہوگا۔ بائبل خود اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس زمانہ میں توریت کے تحریری نسخے بہت ہی قلیل تھے۔ صرف ایک بات یقینی ہے، وہ یہ کہ صرف ہیکل میں ایک نسخہ توریت کا رہتا تھا تمام بنی اسرائیل وہاں اگر کبھی سن لیا کرتے تھے تو وہ بھی ہر سال نہیں بلکہ سات سال کے بعد توریت سب کو سنائی جاتی تھی [2]

پس اس سے معلوم ہوا کہ نہ تو توریت کی عام اشاعت تھی اور اس کی سمت سے تلاوت ہوتی تھی جو نسخہ ہیکل میں موجود تھا وہ اس کی تباہی کی دہ سے ضائع ہو گیا۔

توریت کے نقلوں کی قلت کا اعتراف خود عیسائی علما کو بھی ہے چنانچہ تعلیم الایمان میں لکھا ہے:

"منسی اور امون بت پرست بادشاہوں کے عہد میں بائبل کی نقلوں کی اس قدر قلت ہو گئی کہ یوسیاہ بادشاہ نے اپنے سن جلوس کے اٹھارہویں برس تک اس کی ایک جلد بھی نہ دیکھی" [3]

ان حالات اور واقعات میں یہ امر اطمینان بخش نہیں ہے کہ سردار خلقیاہ نے جو کتاب پیش کی تھی وہ حقیقتاً توریت ہی تھی۔ عیسائی علما اس امر کا جواب دینے سے خاموش ہیں کہ ۵۰ برس یا ۱۰۰ برس کے بعد خلقیاہ کو توریت ہیکل سے کیسے مل گئی۔

## توریت کی دوسری بربادی

تقریباً چھ سو برس قبل مسیح بخت نصر بابل کے بادشاہ نے سلطنت یہود پر حملہ کیا اور بے رحمی سے یہودیوں کو قتل کیا جو قتل سے بچ گئے ان کو قید ہی بنا کر بابل میں لے گیا۔ یہ لوگ بابل میں ستر برس اسیر رہے۔ جب وہاں سے آزاد ہوئے تو وہ اپنی زبان بھول چکے تھے۔

اس تباہی کا واقعہ دوم تواریخ باب ۳۶ میں ان الفاظ میں درج ہے:

"لیکن انہوں نے خدا کے پیغمبروں کو ٹھٹھوں میں اڑایا۔ اور اس کی باتوں کو ناچیز جانا اور اس کے نبیوں سے بدسلوکی کی یہاں کہ خداوند کا غضب اپنے لوگوں پر ایسا بھڑکا کہ کوئی چارہ نہ رہا۔ تب وہ کسدیوں کے بادشاہ کو ان پر چڑھا لایا۔ اس نے ان کے مقدس گھر میں ان کے جوانوں کو تلوار سے مار ڈالا اور اس نے نہ کنوارے پر نہ کنواری پر اور نہ بوڑھوں پر بلکہ اس پر بھی جو بہت بوڑھا تھا رحم نہ کیا۔ خدا نے سب اس کے قابو میں کر دیا اور وہ خدا کے گھر کے سارے چھوٹے بڑے باسنوں کو اور خدا کے گھر کے خزانے کو اور بادشاہ کے اور اس کے امیروں کے خزانے کو سب کے سب بابل میں لے گیا۔ اور انہوں نے خدا کے گھر کو جلا دیا اور یروشلم کی دیوار

---

[1] ارل سلاطین باب ۱۴۔ آیات ۲۵، ۲۶ [2] استثنا باب ۳۱ آیات ۹ تا ۱۲، ۲۶ نحمیاہ باب ۸

[3] تعلیم الایمان (اردو ترجمہ) مصنفہ پادری روڈلف صاحب صفحہ ۱۱۹، ۱۲۰

کر ڈالا دیا۔ اور اس کے سارے محلوں کو آگ سے جلا دیا۔ اور اس کی ساری قیمتی چیزوں کو برباد کیا، اور وہ انہیں جو تلوار سے بچے بابل کو اسیر کر کے لے گئے اور وہ اور اس کے بیٹوں کے غلام رہے جب تک کہ فارس کی سلطنت شروع نہ ہوئی۔"

سرداران لقیاہ کی پیش کردہ توریت کا نسخہ ہیکل میں رکھا رہتا تھا۔ بخت نصر نے ہیکل کو جلا کر بیوند خاک کر دیا۔ اور توریت کا نسخہ جل گیا۔

## توراۃ کی از سر نو ترتیب

جب بنی اسرائیل اسیری سے نجات پا کر واپس ہوئے اور کچھ کہاں نصیب ہوا۔ تو انہوں نے توریت کو از سر نو ترتیب دینے کی طرف توجہ دی۔ چنانچہ عزرا نبی نے اس کام کو سرانجام دیا۔ چنانچہ عزرا کی نسبت یہودی کتب میں لکھا ہے "شریعت جلا دی گئی تھی مگر عزرا نے پھر اسے دوبارہ قائم کیا۔"[1]

پھر لکھا ہے "عزرا نے توریت کو دوبارہ زندہ کیا اور اس میں اشوریں حروف داخل کئے۔"[2]

"دیکھو میں خداوند کا فرمایا ہوا کروں گا جیسا کہ تو نے مجھ حکم دیا تھا اور جو لوگ موجود ہیں میں ان کو فہمائش کروں گا لیکن جو لوگ اس میں رہتے ہیں بغیر روشنی کے ہیں کیونکہ تیرا قانون جل گیا پس کوئی نہیں جانتا۔ ان چیزوں کو جو تو کرتا ہے اور ان کاموں کو جو شروع ہونے والے ہیں۔ لیکن اگر مجھ پر تیری مہربانی ہے تو روح القدس کو مجھ میں بھیج اور میں لکھوں جو کچھ کہ دنیا میں ابتدا سے ہوا ہے اور جو کچھ تیرے قانون میں لکھا ہے تاکہ تیری راہ کو پاویں اور وہ لوگ جو اخیر زمانہ میں ہوں گے زندہ رہیں۔ اس نے مجھ کو یہ جواب دیا کہ جا اپنے راستہ سے لوگوں کو اکٹھا کر اور ان سے کہہ کہ وہ چالیس دن تک تجھ کو نہ ڈھونڈیں لیکن دیکھ تو بہت سے مندوقہ کے تختے تیار کر اور اریا، ڈبریا، سلیمیا، ایکانس اور خانیا، پانچوں کو جو بہت تیزی سے لکھنے والے ہیں اپنے ساتھ لے اور یہاں آ۔ اور میں تیرے دل میں سمجھ کی شمع روشن کروں گا۔ جو نہ بجھے گی تاوقتیکہ وہ چیزیں پوری نہ ہوں جو تو لکھنی شروع کرے گا۔"[3]

پھر آگے لکھا ہے:

"انہوں نے چالیس دن میں دو سو چار کتابیں لکھیں۔"[4]

اس حوالہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے:

۱ عزرا نبی کے وقت تورات اور دیگر انبیا علیہم السلام کی کتب جل چکی تھیں۔

۲ عزرا نے دوبارہ ان کتب کو لکھا۔

۳ وہ کتب تعداد میں دو سو چار تھیں۔

## توریت کیسے مرتب ہوئی

یہ امر متحقق ہے کہ اسفار موسیٰ کی تدوین ۱۴۴۴-۱۵۰۵ ق م میں کی گئی تھی۔[5]

---

[1] SANK 21 [2] SANK 20 [3] عزرا کتاب دوم باب ۱۴ آیت ۲۰-۲۵ [4] عزرا کتاب دوم باب ۱۴ آیت ۴۴

[5] CHRONOLOGICAL INDEX TO THE BIBLE

عزرا نبی نے توریت کیسے مرتب کی اس بارہ میں مسیحی علماء کا اختلاف ہے۔ ایک بیان یہ ہے:

معلوم ہوتا ہے کہ عزرا نے زمانہ اسیری میں صحف مقدسہ کا خصوصیت سے مطالعہ کیا اور سمعیاہ نبی اور کینسہ عظمیٰ کے دیگر اراکین کی مدد سے ان غلطیوں کو درست کیا جو کاتبوں کے سہو یا تغافل سے ان مقدس نوشتوں میں داخل ہو چکی تھیں۔ اس نے ان تمام کتابوں کو اکٹھا کیا جو اس زمانہ میں مقدس مانی جاتی تھیں۔ انہیں ترتیب دیا اور اپنے عہد کے لئے بائبل کا قانون مدون کیا۔ اس نے مقدس روح کی مدد سے ان میں ان چیزوں کا اضافہ کیا جو توضیح مطالب یا ترتیب و تکملہ کے لئے ضروری سمجھی گئیں۔ اگرچہ وہ خود نبی نہ تھا۔ لیکن اس نے یہ سب کچھ روح القدوس کے ماتحت لکھا اور اس کی کتاب کی شرعی حیثیت کبھی محل نظر نہیں ٹھہری[1]

لیکن کیٹو (KITTO) اپنے انسائیکلوپیڈیا آف بیبلیکل لٹریچر میں لکھتا ہے:

یہاں تک کہا جاتا ہے کہ عزرا نے تمام عہد عتیق کو محض حافظہ کی مدد سے از سر نو تحریر کیا، کیونکہ ان کتابوں کے تمام نسخے تغافل شعاری کی وجہ سے معدوم ہو چکے تھے۔"

دونوں تاریخی بیانات میں کتنا فرق ہے پہلے بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عزرا نے منتشر اور پراگندہ نوشتوں کو اکٹھا کر کے از سر نو مرتب کیا، اگرچہ اپنی طرف سے کچھ اضافے بھی کئے۔ دوسرے حوالہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عزرا فقیہہ نے اپنے حافظہ کی مدد سے توریت کو لکھا، کیونکہ ان کے زمانہ میں تمام نسخے تلف ہو چکے تھے۔

عزرا کے حافظہ کے متعلق ریورنڈ آدم کلارک مفسر بائبل اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۳۱ء کے صفحہ ۱۸۱ پر تواریخ باب ۲ آیت ۱ کے تحت لکھتے ہیں:

"اس جگہ غلطی سے عزرا نے بیٹے کی جگہ پوتا لکھ دیا ہے۔ ایسے اختلافات میں تطبیق بے فائدہ ہے۔"

## توریت کی تیسری بربادی

۱۷۰ ق م میں انطاکیہ کے یونانی بادشاہ انٹیوکس نے یہودیوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے یروشلم پر بار بار حملے کئے۔ ہیکل کو بے حرمت کیا۔ مقدس صحیفوں کو جلایا اور یہود کو تہ تیغ کیا۔ مفتاح الکتاب مطبوعہ مرزا پور صفحہ ۱۳۴، ۵

متعدد عیسائی علماء نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ انٹیوکس نے یروشلم کو فتح کر کے بائبل کے جس قدر نسخے مل سکے انہیں جلا دیا اور اعلان کیا کہ جس شخص کے پاس اس کتاب کا کوئی نسخہ نکلے یا جو شخص رسم شریعت ادا کرے اس کو تہ تیغ کر دیا جائے چنانچہ اسی حکم کی رو سے یہودیوں کے گھروں کی تفتیش ہوتی رہی جس کے گھر میں کوئی کتاب نکلتی اس کو قتل کر دیا جاتا۔ اور کتاب کو پھاڑ کر جلا دیا جاتا۔

اس تباہی کے بعد جب یہوداہ مقابیس نے ۱۶۵ قبل مسیح میں ہیکل کی مرمت شروع کی، اس وقت اس نے توریت کی نقل کہیں سے مہیا کر کے ہیکل میں رکھی۔

## توریت کی چوتھی بربادی

سنہ ۷۰ء میں ٹیٹس (ٹائیٹس) شہزادہ روم نے یروشلم پر حملہ کر کے اسے پیوند خاک کر دیا۔ ہیکل کو مسمار کر دیا۔ گیارہ لاکھ یہودیوں کو تہ تیغ کیا۔ ہزاروں کو قیدی بنا کر فروخت کیا پادری اسکاٹ اپنی رومن تفسیر کے صفحہ ۱۸۵ پر رقم طراز ہیں۔

---

[1] INTRODUCTION TO POLYGLOT BIBLE

"لڑائی سے پیشتر ٹیطس نے چاہا کہ اس کو (یعنی شہر کو) اور خاص کر ہیکل کو بچائے اور اس لئے یوسف مورخ بار یہودیوں کے پاس بھیجا کہ اپنی بغاوت کو چھوڑ دو اور شہر میرے قبضہ میں کر دو۔ میں تم کو معاف کر دوں گا اور شہر غارت نہ ہوگا۔ مگر یہودیوں نے اس گھمنڈ پر بھروسہ کر کے کہ خدا ہماری طرف ہے اور ہماری شہر پناہ بھی مضبوط ہے۔ اس کی نہ سنی، اور یہاں تک بڑی جانفشانی اور ہمت سے اس کا مقابلہ کیا کہ جب شہر اس کے قبضہ میں آیا تب رومی سپاہ بہت غصہ ہو کر رک نہ سکی اور شہر میں پھیل کر مرد و عورت سبھوں کو مار ڈالا اور گھروں میں آگ لگا دی۔ پھر یہودی لوگ جو پناہ کے لئے ہیکل میں بھاگ گئے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ کچھ نہ بچے گا تب کئی برآمدوں میں آگ لگا دی۔ اس وقت رومی فوج حملہ کر کے ہیکل میں گھس پڑی، اور ایک سپاہی نے بغیر حکم کے ایک مشعل خاص کے اندر پھینکی، تب جلد اس میں آگ لگ اٹھی۔ ٹیطس نے اس کے بجھانے کا حکم دیا۔ لیکن اس زور شور کی ہلچل میں اس کی سنتا تھا۔ سپاہیوں نے ہیکل پر دھاوا کر دیا اور کسی طرح نہ رک سکے۔"

شہر اور ہیکل کی اس قیامت خیز تباہی میں توریت آگ کی نذر ہو گئی۔

**توریت کی پانچویں بربادی**

ٹیطس کے حملے تقریباً ۶۵ سال بعد قیصر ہڈرین کے عہد میں یہودیوں نے اپنی طاقت جمع کر کے رومیوں کے ساتھ پھر ایک مقابلہ کیا، مگر شکست کھائی۔ لاکھ کے قریب آدمی قتل ہوئے۔ بقیہ لوگ شہر سے نکال دیئے گئے اور یروشلم کے کھنڈرات میں بھی ان کو آنے کی اجازت نہ تھی۔ بیت المقدس کو بیونا خاک کر دیا۔ پھر اس کی جگہ جیوپیٹر ویلوتا کا ایک مینار بنا دیا اور کوہ کلوری پر وینس دیوی کی مورتی رکھ دی اور شہر کا نام بدل کر ایلیا رکھ دیا۔

**توریت کی چھٹی بربادی**

ستائیس کے قریب جب کہ رومیوں پر شمال کی طرف سے حملہ آور وحشی قوموں نے غلبہ حاصل کر لیا تو موسویت اور مسیحیت کو تباہ و برباد کر دیا۔ چونکہ یہ اقوام پرست تھیں، اس وجہ سے جہاں جہاں ان کا غلبہ ہوتا گیا وہاں مکتوبات، صحیفے، مدرسے اور کتب خانے نذر آتش کئے گئے۔ اور تمام پرانے مذاہب کی بیخ کنی ہو گئی۔

وحشی اقوام کی طرف سے توریت پر یہ چھٹی تباہی نازل ہوئی۔

**توریت کی ساتویں بربادی**

۶۱۴ء میں شاہ ایران خسرو پرویز نے یروشلم پر چڑھائی کر کے نوے ہزار آدمی قتل کئے اور تمام گرجوں اور متبرک مکانوں کو پیوند خاک کر دیا۔[1]

**توریف اور بگاڑ کے وجوہات**

۱۔ یہ کسی کو معلوم نہیں کہ سب سے پہلے کس نے مرتب کیا۔

۲۔ یہ بھی کسی کو معلوم نہیں کہ مرتب کرنے والے کے پاس صحت رکھا ہے۔

۳۔ توریت پر کئی بار تباہی نازل ہوئی، اس وجہ سے توریت کے نسخوں کا تواتر ختم ہو گیا۔

---

[1] دیکھو تفصیل عیسائی تعلیمات الکتاب کے مقامات المعروف مطبوعہ مرزا پور ۱۸۶۶ء صفحہ ۲۰۱۱۶

۴ - ہر ایک فرقہ نے اپنے اپنے مفاد اور نظریات کے مطابق توریت میں کمی بیشی کی۔

۵ - توریت کی اصل زبان عبرانی تھی۔ ایک عرصہ کے بعد یہود کی زبان آرامی ہو گئی۔ اس تبدیلی زبان میں تحریف لازمی تھی۔

۶ - موجودہ عبرانی رسم الخط سے پہلے عبرانی حروف ہیکا رسم الخط اور تھا۔ اس میں حروف کے رسم الخط تشابہ زیادہ تھا۔ مثلاً ط اور ع قریباً ایک ہی طرح لکھے جاتے تھے۔ اس وجہ سے ضروری توریت میں اختلاف رونما ہوتا۔

۷ - عیسائی علماء کا یہ خیال ہے کہ بائبل کے مصنفین کے دو گروہ تھے۔ ایک کا نام جہوسٹک اور دوسرے ایلوہسٹک تھا۔ یعنی ایک خدا کا نام یہوہ افضل ماننے والے اور دوسرے خدا کا نام ایلوہ مقدس والے، دونوں کی الگ الگ تصنیفات کو چھٹی صدی عیسوی میں اکٹھا کر دیا گیا۔

۸ - حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد سے بنی اسرائیل کو نفرت، دشمنی اور رقابت تھی۔ اس حضرت اسماعیل اور ان کی اولاد کے بارہ میں حقارت آمیز جملے توریت میں ایزاد کر دیئے گئے۔

# تحریف بائبل کے متعلق مسیحی علماء محققین کے بیانات

بیرونی و اندرونی شہادت سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے۔ کہ بائبل تحریف و تبدل سے پاک مسیحی محققین کو یہ بات مسلم ہے کہ بائبل کے نسخوں میں تحریف ہوتی رہی ہے چند مسیحی علماء کی آراء درج کی جا انسائیکلو پیڈیا برٹینکا جلد ۴ صفحہ ۴۹۶ میں لکھا ہے:-

"جو بات یقینی ہے وہ یہ ہے کہ چوتھی صدی کے درمیان میں بائبل کا لاطینی نسخہ نہایت ہی پراگندہ تھا۔ اور یہ مفید کی پراگندگی یونانی نسخہ سے مقابلہ کی وجہ سے اور لاطینی اصطلاحوں کی تبدیلی کی وجہ سے پیدا ہو اور یہ اختلافات قائم رہے یہاں تک کہ پرانے لاطینی نسخہ کی جگہ جیروم کا اصلاح شدہ نسخہ جو ۳۸۳ء سے ۴۰۵ء کے درمیان زمانہ کے پوپ ڈیمیس کے حکم سے تیار کیا گیا تھا، عیسائیوں میں رائج کیا گیا۔"

"عہد نامہ قدیم عیسائیوں نے عیسائیوں کی خاطر لکھا تھا۔ علاوہ ازیں یہ یونانی میں یونانی بولنے والو لئے لکھا گیا تھا۔ اور طرز تحریر اس وقت کے رائج طرز تحریر کے مطابق تھا۔ یونانی بولنے والے گرجا کے تاریخی تسلسل کوئی حقیقی فرق نہ پڑا۔ اس لئے ہمیں تحریر کی کوئی حقیقی غلطی موجودہ نسخوں میں نہیں ملتی۔ گو ہم یہ نہیں کہ اختلافات پائے نہیں جاتے۔ لیکن وہ اختلافات اتفاقی نہیں بلکہ دیدہ دانستہ پیدا کئے۔ حقیقت یہ عہد نامہ قدیم اپنے ابتدائی زمانہ میں کوئی مذہبی تقدس نہیں رکھتا تھا (یعنی اسے خدائی کتاب نہیں تھا) اس لئے جہاں کہیں تبدیلیوں اور زیادتیوں سے مضمون میں اصلاح کی امید کی جاتی تھی۔

تبدیلیاں اور زیادتیاں دیر ہی سے کردی جاتی تھیں۔[1]

یہودی روایات اگرچہ اس امر پر زور دیتی ہیں کہ عہدنامہ عتیق کی بعض کتابیں ان ہی کی لکھی ہوئی ہیں۔ جن کے حالات پردہ مشتمل ہیں (اور اس کا باور کرنا کچھ غیر معقول نہیں) لیکن انہیں اس حقیقت کے اعتراف میں بھی تامل نہیں کہ بعض کتابوں میں بعد میں ردوبدل اور حک و اضافہ بھی ہوا ہے۔[2]

آگے چل کر لکھا ہے:۔

"تاریخ اور وقائع کے مستند ماخذ کی حیثیت سے بائبل کی حالت عام طور پر مایوس کن ہے۔ اس کے بیانات در معلومات یا تو مبہم اور متضاد ہیں اور یا اس زمانہ کی تاریخ سے بالکل مطابقت نہیں رکھتے۔" (صفحہ ۹۵)

جیوئش انسائیکلوپیڈیا میں ہے:

اگرچہ اسفار موسیٰ خود حضرت موسیٰ کی تصنیف بتائی جاتی ہیں لیکن تحقیق جدید کی رو سے ان کے قریب اٹھائیس ماخذ تسلیم کئے گئے ہیں۔" (جلد ۹)

پادری ڈیلو کتاب گنتی کی تفسیر میں لکھتا ہے:

"پانچ کتابیں جو اسفار خمسہ موسیٰ سے منسوب ہیں کسی اور شخص نے لکھ کر موسیٰ سے منسوب کیں۔"

سفر ایوب کے متعلق ترسینگر لکھتا ہے کہ اس کا انداز قطعاً یہودی بلکہ اسلامی ہے۔[3] پال (LESLTEPAUL) لکھتا ہے:

"عہدنامہ عتیق یا جدید سائنٹفک اصلاح میں خدا کے الفاظ نہیں ہیں۔ یہ تو صرف اس انسانی کوشش کا ریکارڈ ہیں جو خدا تک پہنچنے کے لئے کی گئی۔ اس لئے یہ خدا کے متعلق انکشافات ہیں، خدا کی وحی نہیں ہیں۔"[4]

چرچ مشن پاکستان کی شائع کردہ مشہور کتاب "روحوں کو آزماؤ" کے صفحہ ۱۹، ۲۰ پر لکھا ہے۔

"درحقیقت تاریخوں کی صحت تاریخی تفصیلات اور سائنس کے اصول و نظریات سے بائبل مقدس میں غلطیاں، متضاد بیانات اور نامکمل علم پایا جاتا ہے۔ یہ غلطیاں زیادہ اہم مسائل جیسے خدا کا ذہن اور خدا کی مرضی وغیرہ میں بھی نظر آتی ہیں۔"[5]

پادری ڈاکٹر جے پیرسن سمائتھ صاحب ڈی ڈی اپنی کتاب "بائبل کا الہام" مطبوعہ ریلیجس بک سوسائٹی صفحہ ۶، پر "بائبل کا عالم" کے عنوان کے تحت لکھتا ہے۔

---

[1] انسائیکلوپیڈیا ببلیکا صفحہ ۴۹۸ جلد ۴

[2] VALLETINE'S JEWISH ENSYCLOPEDIA P 93

[3] زوال مغرب جلد دوم صفحہ ۲۰۸

[4] THE ANNIHILATION OF MAN

[5] مسیحی رسالہ المائدہ لاہور ۲۱ دسمبر ۱۹۵۹ء

"ایک دوسرے پہلو سے بھی ایک اور اثر میرے اعتقادی امور پر پڑ رہا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ بہت سی باتیں جو بائبل کے متعلق میرے کئی ایک خیالات کے الٹا دینے والی ہیں ایسے اشخاص کی طرف پیش جاتی ہیں جو نہ تو بے اعتقاد ہیں، نہ مذہب کے دشمن ہیں نہ اس کی توہین روا رکھنے والے ہیں۔ بلکہ وہ بڑے ادب اور لحاظ سے سالہا سال تک اس کے متعلق امور کی تحقیقات میں مشغول رہے ہیں۔ ان میں یونیورسٹیوں کے پروفیسر اکلیسیا کے بشپ اور اعلیٰ عہدیدار اور ایسے اصحاب شامل ہیں جن کی اعلیٰ علمیت اور دینداری اور خدا پرستی میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہو سکتا اور نہ یہ صرف ایک جماعت سے بلکہ مختلف کلیساؤں سے تعلق رکھنے والے اور مختلف سلسلہ خیالات کے پابند ہیں۔ ان کی باتوں سے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اب بائبل کی نسبت وہی خیالات نہیں رکھتے جیسے کہ انہیں بچپن میں تعلیم دی گئی تھی یا جیسا کہ عوام الناس میں سے ہنا دینداروں مرد و عورت آج کل بھی مانتے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ اس میں بہت کچھ انسانی عنصر پایا جاتا ہے اگرچہ باقاعدہ غور سے الٰہی عنصر کچھ کم نظر نہیں آتا۔ ان کا خیال ہے کہ بائبل بہت سی باتوں میں دیگر کتب کی مانند ہے، خاص کر عہد عتیق کے نوشتوں کے لحاظ سے اور وہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ یہ ممکن ہے کہ قدیم مصنفوں نے بعض علمی اور تواریخی باتوں کی نسبت بیانات کر دیئے ہوں جو غیر صحیح اور بے ڈھنگے ہوں۔ وہ یہ بھی دکھلاتے ہیں کہ عہد عتیق میں اخلاقی تعلیم بمقابلہ عہد جدید کے بہت ہی گری ہوئی ہے۔ اور وہ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ان کتابوں کی تالیف اور ترتیب میں بہت کچھ آزادی برتی گئی ہے۔ یہ باتیں میرے مسلمہ تصورات کو جو بائبل کی نسبت رکھتا ہوں بالکل تباہ کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔"

"ان سب امور کی موجودگی میں میرے لئے ان خیالات کا پابند رہنا جو بچپن میں مجھے سکھائے گئے تھے، بالکل ناممکن ہے۔ مگر ساتھ ہی ایسا معلوم ہوتا ہے۔ گویا ان خیالات کو ترک کرنا پاک نوشتوں کے الہٰی اقتدار و سند کو ترک کرنے کے برابر ہے۔"

پھر پادری صاحب اسی کتاب کے صفحہ ۱۴۶، ۱۴۷ پر "بائبل کے سہو و خطا سے پاک ہونے کے متعلق عام تصورات کی حالت" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

"اب ایک قدم آگے بڑھو۔ پاک نوشتوں کے ہر ایک طرح کے تفصیلی امور میں کامل طور پر بے خطا ہونے پر اصرار کرنا فقط ایک غیر ضروری اور بے سند بات ہی نہیں ہے بلکہ اس کا ماننا الہام کے عقیدہ کو سخت معرض خطرہ میں ڈالتا ہے۔ بھلا بتاؤ تو فرانس کے مشہور مصنف اور فصیح البیان ویناں کو کس چیز نے ملحد بنا دیا ہے؟ یہی حال کہ الہام کا عقیدہ سہو و خطا سے بریت کے عقیدہ کے ساتھ جکڑا ہوا ہے۔ چارلس بریڈلا کو کس چیز نے بائبل کا دشمن بنا دیا؟ یہ کہ پادری جس نے اسے مستقیم ہونے کے لئے تیار کیا۔ اس ذی فہم لڑکے کے سوالات کو جو وہ الہام کے مسئلہ پر کرتا تھا اپنی تنگ خیالی کی وجہ سے زجر و توبیخ کے ساتھ رد کر دیا اور اس کا کچھ تسلی بخش جواب نہ دیا۔ ناظرین آپ بھی کئی لوگوں سے واقف ہوں گے جن کا ایمان اس قسم کی تعلیمات کے سبب

ے زائل ہو گیا ہے۔ چند ماہ ہوئے خود میرے ذاتی تجربہ میں بھی یہ امر آیا اور میں نے دیکھا کہ میرے ایک بڑے
ڑھے دوست کے ایمان پر اسی قسم کی غلط تعلیم نے پانی پھیر دیا .....

"جب مذہبی معلموں کی جماعت میں ایسے اشخاص موجود ہوں جو یہ کہیں کہ ایک ذرا سی غلطی ثابت ہونے
ے بائبل کا الہامی ہونا مردود ٹھہرے گا جبکہ لفظوں کے صاف صاف معنوں کو کھینچ تان کر ذرا ذرا سے اختلافات کو تطبیق
ی کی کوشش کی جاتی ہے یا اس کے علمی امور کی متعلقہ باتوں کو زمانہ حال کی تحقیقاتوں اور دریافتوں سے ملایا جاتا
۔ تو اس سے بائبل کو کچھ نفع حاصل نہیں ہوتا، بلکہ الٹا اس کی جان عذاب میں پھنستی ہے۔ ایسی کتابوں کو پڑھ کے
اہ مخواہ یہ خیال پیدا ہوگا کہ گویا ہماری نجات کا مدار اسرائیلیوں کی ادنیٰ علمی واقفیت کی صحت پر موقوف ہے یا یہ کہ
ا مذہب معرض خطر میں ہے۔

پھر ص۴۸ پر پادری صاحب لکھتے ہیں:

"ہم کو ہمیشہ اس امر کے ماننے کے لئے رضامند اور تیار رہنا چاہیئے کہ اور لوگ بھی دیندار اور راستی پسند ہیں
ے دل میں بھی خدا اور بائبل کی نسبت ایسی ہی عزت و لحاظ جاگزین ہے۔ ہمیں ہرگز لوگوں کی دینداری اور
نداری کے متعلق بے جا شبہات کو جگہ نہیں دینی چاہیئے اور نہ ان کی نسبت طرح طرح کی بدظنیاں پیدا کرنی
یں۔ صرف اس وجہ سے کہ وہ اس قسم کے مسائل کی تاکید کرتے ہیں کہ موسیٰ نے توریت کی پانچوں کتابیں تمام و کمال
یف نہیں کیں۔ اور پاک نوشتوں میں ہمارے خیال کی نسبت (یعنی لفظی الہام ماننے کی نسبت) زیادہ تر
نی عنصر کو دخل ہے۔

پھر ص۴۸، ۴۹ پر لکھتے ہیں۔

"بائبل آسمان پر سے بنی بنائی نیچے نہیں گری اور وہ جیسا کہ پرانے مطلاً نسخوں میں تصویریں کھینچی ہوئی
ں ہیں۔ طلائی نسخوں سے جنہوں کو فرشتے لئے بیٹھے ہیں نقل کی گئی ہے۔ اسے آدمیوں نے نقل لکھا۔ البتہ یہ
ہے کہ وہ آدمی خدا کی طرف سے ملہم ہوتے تھے۔ مگر تو بھی وہ انسانی دل اور انسانی کمزوریاں اور انسانی
رکھنے والے آدمی تھے۔ اور یہ بالکل طبعی طور پر لکھی گئی۔ اور جس طرح ہم لکھتے وقت اپنے ہاتھ اور دل و
کو استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح لکھنے والوں نے کیا۔"

## بائبل میں انسانی زبان کا عنصر ماننا ضروری ہے

پھر پادری صاحب اپنی کتاب کے ص۹۸ پر لکھتے ہیں۔

یقیناً سارا بائبل الہامی مکاشفہ نہیں ہے۔ بہت سی باتیں جو محض انسانی قوا کے ذریعہ معلوم نہ ہوئیں
نے معجزانہ طور پر بذریعہ مکاشفہ ظاہر کر دیں۔"

پھر صفحہ ۱۲۵ پر لکھتے ہیں:

"ہمیں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بائبل میں انسانی عنصر کی موجودگی پر خاص طور پر زور دیا جائے۔ یہ پہلو

اس وقت تک اکثر مذہبی لوگ فراموش کرتے رہے ہیں۔ اور یہی غفلت ایک بڑی حد تک موجودہ بے چینی کے لئے جواب دہ ہے۔"

پھر صہ ۱۶۲ پر لکھتے ہیں۔

"ہم الٰہی اور انسانی عنصر کے درمیان ایک خط فاصل نہیں کھینچ سکتے۔ ہم اس کے کسی حصہ کی نسبت نہیں کہہ سکتے کہ وہ الٰہی ہے۔"

## بائبل غلطی سے مبرا ہونے کی مدعی نہیں

پھر صہ ۱۲۶ پر لکھتے ہیں۔

"اس قسم کا دعویٰ کتاب مقدس میں کہیں نہیں پایا جاتا۔ لکھنے والے کبھی اس بات کے دعوے دار نہیں ہوئے کہ ان کی کتابیں غلطی سے مبرا ہے..... سلاطین اور تواریخ کی کتابوں کے مصنف ایک ہی واقعہ کی متوازی تاریخیں لکھتے ہیں جو تفصیلی امور میں ایک دوسرے سے ہرگز متفق نہیں کرتیں۔ اور بعض اوقات ایسے اختلافات بھی پائے جاتے ہیں جنہیں باہم تطبیق دینا امکان سے باہر ہے۔"

پھر صہ ۱۶۷ پر لکھتے ہیں۔

"ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بائبل میں انسانی عنصر موجود ہے۔ اور کبھی دھات اگرچہ سونے سے معمور ہے تو بھی وہ بالکل خالص سونا نہیں۔"

## توریت کا مصنف نامعلوم

پھر پادری صاحب صہ ۱۸۸، ۱۸۹ پر لکھتے ہیں۔

"توریت یعنی موسیٰ کی پانچ کتابوں کی نسبت یہودی ہمیشہ سے اعتقاد رکھتے چلے آئے ہیں کہ وہ عہد عتیق کے جملہ صحیفوں سے زیادہ مقدس اور قابل تعظیم ہے۔ اور وہ کبھی جرأت نہیں کرتے تھے کہ اس کی نسبت کسی قسم کی نکتہ چینی کو دخل دیں۔ کبھی کسی شخص کے دل میں یہ خیال نہ آ ہوگا کہ ان کی نسبت اس قسم کا سوال اٹھائے کہ اس کا مصنف کون ہے، اور وہ کب اور کس طرح سے تالیف ہوئی؟ عموماً یہ اعتقاد تھا کہ حضرت موسیٰ نے اس کو اس صورت میں جس میں وہ اب موجود ہے لکھا تھا۔ اگرچہ بعض اشخاص کو یہ عجیب معلوم ہوا کرتا تھا کہ ایسی کتاب میں موسیٰ کی وفات کا حال بھی درج ہے اور اس کے حق میں اس قسم کے کلمات لکھے ہیں کہ اسے یعنی موسیٰ کو سارے لوگوں سے جو روئے زمین پر تھے زیادہ حلم تھا اور اب تک بنی اسرائیل میں موسیٰ کی مانند کوئی نبی نہیں اٹھا، اور آج کے دن تک کوئی اس کی قبر کو نہیں نیز یہ کہ اثنائے تحریر میں لکھنے والا ہمیشہ اس گزشتہ زمانہ کی طرف اشارہ کرتا رہتا ہے۔ جب کہ بنی اسرائیل بیابان میں تھے اور کنعانی ملک میں تھے۔ اور مشرقی ممالک کا ذکر کرتے ہوئے انہیں ہمیشہ یردن کے اس پار بتاتا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ مصنف فلسطین کے ملک میں یردن کے مغربی علاقہ میں رہتا تھا۔ اور جغرافیہ متعلق کسی سوال کو حل کرتے ہوئے وہ گویا بطور سند کے ایک قدیمی کتاب یعنی یہوداہ کے جنگ نامہ سے کرتا ہے جو کسی موسیٰ کے زمانہ سے پہلے نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ تنقید کے ابتدائی زمانہ میں یہ سوال کیا گیا تھا۔

اعتقاد کے لئے کیا سند ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو ان کتابوں کی موجودہ صورت میں ان کا مصنف مانا ہے؟ اور یہ معلوم ہوا کہ اس کے جواب میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہودی کلیسا سے مانتی چلی آئی ہے۔ اس وجہ سے نکتہ چینیوں نے اپنے کو موسیٰؑ کی تورات کا مصنف ہونے پر اض کرنے لئے آزاد سمجھا، یا کم سے کم یہ مانا کہ موسیٰؑ کی تحریریں فقط بطور مصالح کے ایک حصہ تھیں ی مدد سے ان کے اصل مصنف یا ایڈیٹر نے موجودہ پانچ صحیفے جو حضرت موسیٰؑ کے نام سے مشہور نیار کر لئے۔"

کتاب "تحقیق بائبل" جو پروفیسر داوز ڈی ڈی کے لیکچروں سے مرتب ہوئی، جسے ریلیجس بک سوسائٹی نے ۱۹۱۱ء میں شائع کیا اس میں لکھا ہے:

"ہاں بائبل میں ایسی کتابیں ہیں جن کی نسبت نہیں کہہ سکتے کہ وہ کسی نبی یا رسول یا مقرر کئے ہوئے نے لکھی ہوئی تھیں۔ مثلاً پہلی اور دوسری تواریخ، عزرا، یعقوب، واعظ کوئی نہیں جانتا کہ ان کتابوں نے لکھا۔" صفحہ ۳۸)

## عہد عتیق کے مختلف قدیم نسخے

اس وقت دنیا میں عہد عتیق کے چھ قدیم نسخے ہیں۔ ۱۔ سماریہ کا نسخہ ۲۔ قدیم یونانی یا بعینیہ ۳۔ ارامی ترگم۔ ۴۔ اقولا۔ ۵۔ سیریا کا نسخہ پشتہ۔ ۶۔ لاطینی کا نسخہ جدید یہ (VULGATE

سماریہ کا نسخہ جو تورات کی صرف پہلی پانچ کتابوں پر مشتمل ہے۔ ۴۰۰ قبل مسیح کا تصور کیا جاتا ظاہر ہے کہ یہ نسخہ کامل بائبل کا نہیں ہے یہ فرقہ سامری کے پاس ہے۔ سامریوں نے بنی اسرائیل سے ں اختیار کر کے یروشلم کی بجائے اپنا مرکز کوہ جزریم بنا لیا تھا۔ وہاں ان کو اپنا الگ معبد بھی تعمیر کرنے لئے اس نسخہ میں اضافہ کرنا پڑا۔ اور کوہ جزریم پر عبادت خانہ بنانے کا حکم خروج ۲۰: ۱۷ میں داخل گیا ہے۔ یہ حکم کسی دوسرے بائبل کے نسخے میں موجود نہیں ہے۔

سماریہ کا نسخہ ۱۶۱۶ء میں پیرس کے اندر پہلے پہل طبع ہوا۔ ۱۷۹۰ء میں اس کا عبری لگ شائع ہوا۔

دوسرا نسخہ قدیم یونانی یا سبعینیہ ہے۔ اس نسخہ کو ستر علماء نے مرتب کیا۔ اس کا ایک حصہ ں صدی قبل مسیح کا ہے۔ یہ یونانی کلیسا کا مستند نسخہ ہے۔ اسکندریہ کے یہود کی روایت ہے کہ وہاں رلائبریری کے لئے بادشاہ کے حکم سے ستر علماء یہود نے جو ہر فرقہ یہود سے چھ چھ علماء منتخب کئے لگ الگ ترجمہ کر دیا۔ مقابلہ کرنے پر سب کا ترجمہ ایک جیسا نکلا۔ یہ صرف اسفار خمسہ کا ترجمہ ہے،

اس کے بعد اس کے ساتھ مزید کتب کا ترجمہ بھی شامل کر دیا گیا یہ کام حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد جاری رہا۔

یہودی عالم فائیلو کے وقت (۳۰ تا ۵۰ قبل مسیح) کتاب آستر، تاریخ، غزل الغزلات ا دانیال نبی کی کتاب اس میں شامل نہ تھی۔

۳۔ بائیبل کا تیسرا نسخہ ترگم ارامی زبان میں ترجمہ ہے، جو صومعہ میں پڑھا یا جاتا ہے۔ یہ نسخہ پرانا نہیں ہے۔

۴۔ چوتھا نسخہ اقولا (AQVILA) عبرانی سے یونانی میں دوسری صدی مسیح کا شدہ ہے۔

۵۔ پانچواں سیریا کا نسخہ پشتہ عبری کا ترجمہ ہے جو چوتھی صدی مسیحی کا ہے۔

۶۔ چھٹا نسخہ لاطینی زبان میں ترجمہ جیروم کا پانچویں صدی مسیحی کا ہے جس کو ولیگیٹ (VULGATE) کہا جاتا ہے۔

# تعلیمات عہد عتیق

## اعتقادات

### عہد عتیق میں خدا کا تصور اور غیر اللہ کی پرستش سے ممانعت

ہر نبی توحید کا پیغام لے کر آتا ہے۔ اور دین کی اساس ہی توحید ہے۔ مرور زمانہ سے ہر قوم کے آب مصفا کو شرک کی ملونی سے مکدر کر دیا۔

عہد عتیق میں اللہ تعالیٰ کے بیسوں اسماء صفات کا ذکر آتا ہے۔ اور ان میں سب سے زیا یہوہ نام کو عظمت اور فضیلت دی گئی ہے۔ یہ بائبل میں ۶۸۲۳ مرتبہ آیا ہے۔ بائبل نے غیر اللہ پرستش کو سختی سے منع کیا ہے چنانچہ بائبل میں آتا ہے۔

"میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہووے"۔ (خروج ۲۰: ۳ - استثناء ۵: ۷

### خدا کی صفات

۱۔ خداوند تعالیٰ مہذب ہے وہ تمام زمین کے اوپر بادشاہ عظیم (زبور ۴۷ آیت ۱۔

۲۔ میں نے خداوند کو اس کی کرسی پر بیٹھے دیکھا۔ اور سارا آسمانی لشکر اس کے پاس اس کے ہاتھ اور اس کے بائیں ہاتھ کھڑا تھا۔ (سلاطین باب ۲۲ آیت ۱۹)

۳۔ خداوند آسمان پر سے دیکھتا ہے۔ وہ سارے بنی آدم پر نگاہ کرتا ہے۔ وہ اپنی سکونت کے مقام سے زمین کے سب باشندوں کو تاکتا ہے (زبور ۳۳ آیات ۱۳ — ۱۴)

۴۔ خداوند کا تخت آسمان پر ہے اس کی آنکھیں دیکھتی ہیں۔ اس کی پلکیں بنی آدم کو آزماتی ہیں۔ (زبور ۱۱ آیت ۴)

یہود کو خدا کا نام لینے کی اجازت نہیں۔ چنانچہ لکھا ہے:

"تو خداوند اپنے خدا کا نام بے فائدہ مت لے۔ کیونکہ جو اس کا نام بے فائدہ لیتا ہے خداوند اسے بے گناہ نہ ٹھہرائے گا۔" (خروج ۲۰۔ استثنا ۵: ۱۶)

اس حکم کے تحت سال میں ایک مقدس انسان بیت المقدس کے اندر ایک دفعہ اللہ کا نام لیتا ہے۔ اور سب لوگ خاموشی سے سنتے ہیں۔

بائبل میں جہاں جہاں یہوہ کا نام آتا وہاں اس سے پہلے لفظ ادونئی آتا تھا۔ تلاوت کرنے والا رک جاتا۔ کیونکہ ادونئی کے بعد جو نام ہے۔ وہ اس نے نہیں پڑھنا۔ قاری بغیر نام پڑھے آگے گذر جاتا تھا۔

علمار یہود ہر وقت خدا کا نام لینے میں اس کی ہتک اور بے ادبی تصور کرتے تھے۔ اس وجہ سے انہوں نے یہ سزا مقرر کی کہ جو شخص اس کا نام لے گا وہ سنگ سار کیا جائے گا۔ شارحین بائبل نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ غیر یہودی کی سزا بھی قتل ہے۔

بابل طالمود (یوم B ۳۹) کی رو سے اس کی تلاوت ممنوع ہے۔ یہاں تک کہ کاہن برکت دیتے وقت بھی خدا کا یہ نام نہیں لے سکتا۔ شمعون کے وقت یعنی ۲۷۰ قبل مسیح سے اس حکم پر سختی سے عمل کیا گیا۔ (طالمود یورشلم یوم ۳: ۷)

یہود کو اس نام کے نہ پڑھنے پر سختی سے اصرار ہے۔ اس کی بجائے یا تو ادونئی پڑھا جاتا ہے یا ایلوہیم۔

یہود خدا کا نام عدم تلاوت کی وجہ سے بھول گئے۔ اب ان کو خداوند کے نام کا صحیح تلفظ یاد نہیں رہا۔ اس میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہوہ۔ یہوہ۔ یہوہ۔ یہوہ۔ یہوہ۔ حالانکہ یہوہ کا نام بائبل میں ۶۸۲۳ مرتبہ آیا ہے۔ اب تمام علمار کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ تلفظ غلط ہے۔ سائیکلو پیڈیا ببلیکا میں اس کا صحیح تلفظ یہوہ بنایا ہے۔ لفظ یہوہ ایوالڈ EUOLD کے خیال میں یاہو کی مختصر شکل ہے اے وہ (جو ہے)۔ اور خروج ۳: ۱۴ میں یہی موسیٰ کو بتایا گیا تھا۔

اس بحث سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ بائبل میں خدا کا صحیح نام معلوم نہیں۔ اس سے بائبل کی

اصلیت معلوم ہو جاتی ہے۔

## بائیبل کا خُدا قومی خدا ہے

بائبل میں یہود کا خدا قومی خدا ہے۔ ہر جگہ اللہ تعالیٰ کو خدا اسرائیل کے نام سے پکارا ہے۔ ان الفاظ سے خدا تعالیٰ کی ذات کا مفہوم محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ بائبل میں لکھا ہے:

"اے خداوند اسرائیل کے خدا تجھ سا کوئی خدا نہ اوپر آسمان میں ہے، نہ نیچے زمین میں جو کہ اپنے بندوں کے لئے جو تیرے آگے اپنے سارے دلوں سے چلتے پھرتے ہیں اپنے عہد کو اور اپنی رحمت کو نگاہ رکھتا ہے۔" (سلاطین اوّل ۸: ۲۳)

"تیرے سوا جہاں تک کہ ہم نے اپنے کانوں سے سُنا کوئی خدا نہیں اور دنیا میں تیری قوم اسرائیل کی مانند ایک قوم کون ہے۔ کہ جس کے بچانے کو خدا آپ گیا، تاکہ اسے اپنی قوم آپ بنائے۔" (سموئیل دوم ۷: ۲۲، ۲۳)

## غضب ناک خدا کا تصوّر

عہد عتیق میں غضب ناک خُدا کا تصوّر ہے وہ ایک ایسی ہستی ہے جو انسان کی سرکشی اور بغاوت کی وجہ سے آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ پھر غصّہ میں آکر ایک قوم بلکہ اس کے ساتھ چرند پرند اور حیوانات کو بھی ہلاکت کی بھٹی میں جھونک دیتا ہے۔ یہ فعل گذرنے کے بعد وہ دل گیر ہوتا اور پچھتاتا بھی ہے۔ جیسا ایک انسان جلد بازی سے کوئی فعل کرنے کے بعد پچھتاتا ہے چنانچہ پیدائش ۶: ۷، ۸ کی بناء پر انسان کی بدی کو دیکھ کر اس کے پیدا کرنے پر پچھتاتا ہے۔ اور دل گیر ہوتا ہے۔ حالانکہ پیدائش ۱: ۲۶، ۲۷، ۵: ۹: ۶ - زبور ۱۰۰: ۳ - واعظ ۷: ۲۹ - اعمال ۱۷: ۲۶، ۲۸، ۲۹ - قرنتیوں اوّل ۱۱: ۷ - افسیوں ۴: ۲۴ - کلیسیوں ۳: ۱۰ - نامہ یعقوب ۳: ۹ کی بناء پر خدا نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا۔ تاہم غصّہ میں آکر تمام انسانوں کو مع چرند پرند کیڑوں مکوڑوں کے ہلاک کر دیا۔ پیدائش ۷: ۲۱، ۲۳ مگر اس کے بعد ۸: ۲۱، ۹: ۱۱ میں خداوند اپنے فعل پر پچھتایا، توبہ کی اور آسمان پر قوس قزح کی کمان رکھ کر انسان سے عہد باندھا کہ پھر ایسا نہ کروں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں فرعون کے پلوٹھے سے لے کر جانوروں تک کے پلوٹھے مار ڈالے۔ (خروج ۱۲: ۲۹)

ذیل کے حوالہ جات میں خداوند کا غصّہ بھڑکنے، قوموں کو نیست و نابود کرنے اور بعد میں افسوس کرنے کا ذکر ہے۔

خروج ۳۲: ۱۰، ۱۱، ۱۲۔

گنتی ۱۱: ۱، ۳۳ - ۲۱: ۶ - ۲۵: ۶، ۸، ۱۱ - ۱۲: ۹، ۱۰ - ۱۶: ۳۱، ۳۵۔

سموئیل اوّل ۶: ۱۹ - سموئیل دوم ۶: ۷ - ۲۴: ۱، ۱۶ -
احبار ۱۰: ۲ - تواریخ اوّل ۲۱: ۱۵ - یرمیاہ ۲۶: ۳ -
حزقیل باب ۲۰: ۲۱ -

**ملائکہ کے متعلق نظریہ** بائیبل میں ملائکہ کا ذکر دو طرح سے کیا ہے، ایک تو فرشتوں کو انسان سے افضل قرار دیا ہے۔

بنی ایلوہیمؑ - بنی ایلیم - بنی اللہ یعنی فوق البشر ہستیاں -
ایلوہیمؑ قدوسیؑ گویا فرشتوں کو خداوند خدا کے بیٹے قدوسی اور پاک نام دیا گیا ہے۔
لشکر خداوندی (زبور ۱۰۳: ۲۱، ۱۴۸: ۲)
خدا کے مشاور تی - (پیدائش ۳: ۲۲ اور ۱۱: ۷)
خدا کی مرضی انسان پر ظاہر کرتے ہیں - (دانیال ۸: ۱۶، ۱۷ — ۹: ۲۱، ۲۳ - ۱۰: ۱۱ - ۱۲: ۶، ۷)
خدا کی مرضی پر چلتے ہیں - (زبور ۱۰۳: ۲۰)
خدا کے حکم کا نفاذ کرتے ہیں (گنتی ۲۲: ۲۲ - زبور ۱۰۳: ۲۱)
خدا کے انصاف کو نافذ کرتے ہیں، (سموئیل دوم ۲۴: ۱۶ - سلاطین دوم ۱۹: ۳۵ - زبور ۳۵: ۵، ۶)

دوسرے، فرشتوں کو نہایت ہی بُرے رنگ میں بیان کیا ہے۔ جیسا کہ ایوب ۴: ۱۸، ۱۵: ۱۵ فرشتوں خطِ اوّل ۶: ۳ میں لکھا ہے "مگر فرشتوں کی ایک جماعت گنہ گار ہو گئی۔ اور انسان سے ادنیٰ ہو گئے۔ ان کا انصاف انسان کریں گے۔" (فرشتگان بد کا ذکر - پیدائش ۶: ۲ - ۴)

**تخلیق عالم** پیدائش عالم کے متعلق یہودیوں کا اعتقاد تھا کہ دنیا خدا کے حکم سے وجود میں آئی۔ یہ وہی نظریہ ہے جو قرآن مجید میں بیان ہوا ہے "کُن فَیَکُوْن" بائیبل میں آتا ہے، اور خدا نے کہا کہ اجالا ہو گیا ..... اور خدا نے کہا کہ پانیوں کے بیچ فضا ہو۔ اور پانیوں سے جدا کرے ..... اور خدا نے کہا کہ آسمان کے نیچے کے پانی ایک جگہ جمع ہوں کہ خشکی نظر آئے۔ اور ایسا ہی ہو گیا۔ (پیدائش باب ۱)

---

لہ پیدائش ۶: ۲، ۴، ایوب ۳۸: ۷ -
کہ زبور ۲۹: ۱، ۸۹: ۵، ۹۷: ۷، ۱۳۸: ۱، ۸۲: ۶ -
کہ ایوب ۱۵: ۱ زبور ۸۹: ۵ زکریا ۱۴: ۵، دانیال ۴: ۱۳ - ۸: ۱۵ -

"خداوند کے کلام سے آسمان بنے اور ان کے سارے لشکر اس کے مُنہ کے دم سے.....
اس نے کہا کہ وہ ہوگیا۔ اس نے فرمایا۔ اور وہ برپا ہُوا۔ (زبور ۳۳ آیات ۶-۹)

"ابتدا میں خدا نے آسمان کو اور زمین کو پیدا کیا۔ اور زمین ویران اور سنسان تھی اور گہراؤ کے اوپر اندھیرا تھا۔ اور خدا کی روح پانیوں پر جنبش کرتی تھی۔ (پیدائش باب ۱ آیات ۲۶)

سو آسمان و زمین اور ان کی ساری آبادی تیار ہوئی۔ اور خدا نے ساتویں دن اپنے کام کو جو کرتا تھا پورا کیا۔ اور ساتویں دن اپنے سارے کام سے جو کام کرتا تھا فراغت پائی۔ اور خدا نے ساتویں دن کو مبارک کیا۔ اور اسے مقدس ٹھہرایا۔ اس لئے کہ اس نے اپنے سب کام سے جو خدا نے کیا اور بنایا تھا۔ اسی دن فراغت پائی۔" (پیدائش ۲: ۱، ۳)

پھر لکھا ہے:

"خداوند نے چھ دن میں آسمان و زمین اور دریا اور سب کچھ جو اُن میں ہے بنایا۔ اور ساتویں دن آرام کیا..... چھ دن کام کرنا لیکن ساتواں دن آرام کے لئے سبت ہے..... اس لئے کہ چھ دن میں خداوند نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کیا اور تازہ دم ہُوا۔" (خروج ۲۰: ۱۱-۳۱: ۱۵ تا ۱۷، عبرانیوں ۴: ۴)

# عصمتِ انبیاء

عہد نامہ عتیق میں انبیاء علیہم السلام کو معصوم مانا گیا ہے، اس کے متعلق چند حوالے درج کئے جاتے ہیں:

**آدم علیہ السلام** حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالےٰ نے فرمایا: تب خدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت اور اپنی مانند بنادیں۔ اور خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ (پیدائش ۱: ۲۶، ۲۷)

جس دن خدا نے آدم کو پیدا کیا۔ خدا کی صورت پر اسے بنایا۔" (پیدائش ۵: ۱)

**حضرت ادریسؑ یا حنوک کی عصمت** "حنوک ۳۰۰ برس تک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا۔ اور حنوک کی ساری عمر ۳۶۵ برس کی ہوئی۔ اور حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا اور غائب ہوگیا، اس لئے کہ خدا نے اسے لے لیا۔" (پیدائش ۵: ۲۲-۲۴)

**حضرت نوح علیہ السلام کی عصمت** نوح اپنے قرنوں میں صادق اور کامل تھا۔ اور نوح خدا کے ساتھ

چلتا تھا" (پیدائش ۶/۹) خدا نے اسے خطاب کر کے فرمایا،
میں نے تجھی کو اپنے حضور میں اس زمانہ کے اندر صادق دیکھا" (پیدائش ۶/۷)
"نوحؑ اس راست بازی کا جو ایمان سے ملتی ہے وارث ہوا" (عبرانیوں ۱۱: ۷)

## حضرت ابراہیمؑ کی عصمت

"میں خدائے قادر ہوں۔ تو میرے حضور میں چل اور کامل ہو" (پیدائش ۱۷: ۱)
خداوند فرماتا ہے: "اس لئے کہ تو نے ایسا کام کیا اور اپنا بیٹا ہاں اپنا اکلوتا ہی بیٹا دریغ نہ رکھا میں نے اپنی قسم کھائی کہ میں برکت دیتے ہی تجھے برکت دوں گا۔۔۔۔ تیری نسل سے زمین کی ساری قومیں برکت پائیں گی" (پیدائش ۲۲: ۱۶-۱۸)
خداوند نے سب باتوں میں ابراہیمؑ کو برکت بخشی تھی" (پیدائش ۲۴: ۱)
ابراہیم نے میری آواز کو سنا اور میری تاکید کو، میرے حکموں اور میرے قانونوں اور میرے شرعوں کو حفظ کیا" (پیدائش ۲۶: ۵)

## حضرت موسیٰؑ کی عصمت

عہد نامہ عتیق میں حضرت موسیٰؑ کی بزرگی اور عصمت کا ذکر کئی جگہ آیا ہے:
"میں خداوند تمہارا خدا ہوں۔ سو تم میرے قانونوں اور حکموں پر عمل کرو" (احبار ۱۸: ۲۱، ۴، ۲۵)
"خداوند نے موسیٰؑ سے کہا، اس لئے کہ تو میری نظر میں مقبول ہے اور میں تجھ کو بنام پہچانتا ہوں" (خروج ۳۳/۱۷)

## حضرت ایوبؑ کے بارے میں

دوعوض کی سرزمین میں ایوب نامی ایک شخص تھا، اور وہ شخص کامل اور صادق تھا۔ اور خدا سے ڈرتا اور بدی سے دور رہتا تھا" (ایوب ۱: ۱، ۸ اور ۲: ۳)

## مرد کامل کالب کے متعلق فرمایا

لیکن میرا بندہ کالب چونکہ اور ہی روح اس کے ساتھ تھی۔ اور اس نے میری پوری پیروی کی" (۱۴: ۲۴ اور ۳۲: ۱۲)

## یوسیاہ کے متعلق

اس نے وے کام کئے جو خداوند کی نظر میں بھلے تھے۔ اور اپنے باپ داؤد کی ساری راہوں پر چلا اور داہنے یا بائیں مطلق نہ مڑا" (سلاطین دوم ۲۲: ۲)

**آسا کی بے گناہی** باوجود اس کے آسا کا سارا دل جب تک وہ جیتا رہا خداوند ہی سے لگا تھا۔" (تواریخ دوم ۱۵: ۱۷)

عہدنامہ عتیق کے انبیاء علیہم السلام کے متعلق گندے قصے بھی منسوب ہیں۔ ان حوالہ جات کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ بعد کی ملاوٹ ہیں۔ ان قصوں کا ذکر بعد میں آئے گا۔ تاکہ ایک قاری پہ یہ بات عیاں ہو جائے کہ توریت تحریف و تبدل سے پاک نہیں ہے۔

**یوم آخرت کے متعلق عقیدہ** یہودی قیامت اور جزا و سزا کے قائل تھے۔ ایوب ۱۹: ۲۵، ۲۶ میں لکھا ہے۔

کیوں کہ مجھے یقین ہے کہ میرا بدلہ دینے والا زندہ ہے۔ اور وہ روز آخر زمین پہ دائم و قائم ہو گا۔ اور ہر چند میرے پوست کے بعد میرا جسم کرم خوردہ ہو جائے گا۔ لیکن میں اپنے گوشت میں سے خدا کو دیکھوں گا۔"

زبور ۹: ۷ میں ہے:

خداوند ابد تک تخت نشین ہے، اس نے عدالت کے لئے اپنی مسند تیار کی ہے اور وہ صداقت سے جہان کا انصاف کرے گا۔ اور اسی سے قوموں کی عدالت کرے گا۔"

واعظ کی کتاب ۱۱: ۹ میں لکھا ہے۔

اے جوان تو اپنی جوانی میں خوش ہو، اور اپنی بلوغت کے دنوں میں اپنا جی بہلا۔ پر جان رکھ کہ ان ساری باتوں کے لئے خدا تجھ کو عدالت میں لاوے گا۔"

# حقوق العباد

## موسوی احکام عشرہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احکام عشرہ میں حقوق العباد کے متعلق نہایت ہی عمدہ تعلیم دی گئی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:"

تو اپنے ماں باپ کو عزت دے، تاکہ تیری عمر اس زمین پہ جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے، دراز ہووے۔ تو خون مت کر۔ تو زنا مت کر۔ تو چوری مت کر۔ تو اپنے پڑوسی پہ جھوٹی گواہی نہ دے۔ تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ مت کر۔ تو اپنے پڑوسی کی جورو، اس کے غلام، اس کی لونڈی اس کے بیل، اس کے گدھے اور اس کی کسی چیز کا جو تیرے پڑوسی کی ہے لالچ مت کر۔" (استثنا ۵: ۲۲۔ خروج ۲۰: ۱۲ تا ۱۷)

**بائبل اور عورت**

بائبل کی عبرانی زبان میں بیوی کو بعولہ (جائیداد منقولہ) کہا گیا ہے۔ اور خاوند کو بعل یعنی مالک۔ سائیکلو پیڈیا بلیکا میں ان دونوں لفظوں کو لکھا ہے۔

The man is the owner, the woman the chattle.

موسوی شریعت نے عورتوں کو مردوں کا ہمیشہ محکوم اور اور غلام بنایا ہے، چنانچہ لکھا ہے۔

"اور خدا نے کہا میں تیرے درد حمل کو بڑھاؤں گا، تو درد کے ساتھ بچہ جنے گی۔ اور تیری رغبت اپنے شوہر کی طرف ہوگی۔ اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا" (پیدائش باب ۳)

شادی سے پہلے عورت اپنے باپ یا ولی کی ملکیت ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے لڑکی کو اغوا کرنے والا قانوناً لڑکی کے والد کو جرمانہ ادا کرتا تھا۔ چنانچہ خروج ۲۲: ۱۶ میں لکھا ہے۔

"اگر کوئی ایک چھوکری کو جو اس کی منگیتر نہیں، فریب دے کر اس سے مباشرت کرے وہ البتہ اس کی قیمت دے کر اس سے نکاح کرے۔ اگر اس کا باپ ہرگز راضی نہ ہو کہ اسے اس کو دے تو وہ کنواریوں کے اجر کے موافق اسے نقدی دے۔"

اس کی وضاحت کتاب استثنا ۲۲: ۲۸، ۲۹ میں کی گئی ہے۔

اگر کوئی آدمی کنواری لڑکی کو پاوے جو کسی کی منگیتر نہ ہو، اور اُسے پکڑ کے اس سے ہم بستر ہو۔ اور وے پکڑے جاویں تو وہ مرد جو اس کے ساتھ ہم بستر ہوا لڑکی کے باپ کو پچاس مثقال چاندی دے۔ اور وہ اس کی جورو ہو کیونکہ اس نے اسے رسوا کیا۔ اور اپنی زندگی بھر اسے طلاق نہ دے۔

**مہر**

نکاح میں عورتوں کو حق مہر دینا موسوی شریعت میں داخل ہے، ملاحظہ ہو پیدائش باب ۳۴: ۱۲۔ خروج باب ۲۲ آیت ۱۶۔ استثنا۔ باب ۲۲ آیت ۲۹۔ سموئیل اوّل ۱۸/۲۵۔

**تعدد ازدواج**

عہد نامہ عتیق کی رُو سے ایک سے زائد بیویاں کرنا جائز ہے اور کئی اسرائیلی انبیاء علیہم السلام نے ایک سے زائد شادیاں کیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین نکاح کئے۔ بی بی سارہ، بی بی ہاجرہ اور بی بی قطورہ۔ اگر بی بی قطورہ سے شادی حضرت سارہ کی وفات کے بعد بھی تسلیم کی جائے تب بھی دو بیویوں کا ہونا تاریخی طور پر

ثابت ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی چار بیویاں تھیں۔ حضرت سموئیل نبی کے والد کی دو بیویاں تھیں موسیٰ علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں۔ داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سات سو بیویاں تھیں۔

توریت کے حسب ذیل حوالہ جات سے تعدد ازدواج ثابت ہے۔

پیدائش باب ۱۶ آیت ۳، ۴ باب ۲۵ آیت ۱ باب ۳۵ آیت ۲۲ تا ۲۶۔ اخبار باب ۱۸ آیت ۱۸۔ استثناء باب ۲۱ آیت ۱۵۔ قاضیوں باب ۸ آیت ۳۰۔ اوّل سموئیل باب ۱ آیت ۱، ۲، ۳ باب ۲۵ آیت ۴۲، ۴۳۔ دوم سموائیل باب ۳ باب ۵ آیت ۱۳، باب ۱۱ آیت ۲۷۔ باب ۱۲ آیت ۸۔ اول سلاطین باب ۱ آیت ۱ تا ۴۔ باب ۱۱ آیت ۱ تا ۳۔ اول تواریخ باب ۳ آیت ۱ تا ۹ باب ۱۴ آیت ۳۔ دوم تواریخ۔ باب ۱۱ آیت ۲۱، باب ۱۳ آیت ۲۱، باب ۲۴ آیت ۲۔ ۳۔

پادری فاکس اپنی کتاب "غلطیوں کی اصلاح" مطبوعہ امریکن مشن پریس لکھنؤ ۱۸۷۱ء کے صفحہ ۲۰۶، ۲۰۷ پر رقمطراز ہیں۔

"تعدد ازدواج کے مقدمہ میں ہم بے تردد تسلیم کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں بھی اس دستور نے رواج پایا تھا۔ اور خداوند نے بھی اس کو منع نہیں کیا۔ بلکہ اس رسم پر چلنے والوں کو برکت وعدہ فرمایا ہے۔"

## طلاق

جب بائبل کی رُو سے عورت خاوند کی مملوکہ ہے تو شریعت کے تمام احکام اسی محور کے گرد گردش کریں گے۔ چنانچہ کتاب استثناء ۲۴: ۱ میں لکھا ہے۔

"اگر کوئی مرد کوئی عورت لے لے، اس سے شادی کرے۔ اور بعد میں اس کے ایسا ہو کہ وہ اس کی نگاہ میں عزیز نہ ہو، اس سبب سے کہ اس نے اس میں کچھ پلید بات پائی ہو تو وہ اس کا طلاق نامہ لکھ کے اس کے ہاتھ دے۔ اور اسے اپنے گھر سے باہر کر دے۔"

خروج باب ۲۱ میں ہے:

"اگر کسی شخص نے اپنے غلام کا نکاح کر دیا ہو اور اس کی بیوی سے اولاد پیدا ہو گئی ہو تو ساتویں برس جب وہ آزاد ہو جائے تو وہ اکیلا جائے۔ اس کی بیوی اور بیٹے بیٹیاں اس سے الگ ہو کر آقا کی ملکیت ہو جائیں گی۔"

استثناء ۲۱: ۱۴ میں لکھا ہے:

"جب کسی اسیران جنگ میں سے کوئی عورت پسند آجائے تو وہ اسے اپنی بیوی بنالے۔ اس کے بعد اگر وہ اسے اچھی نہ لگے تو اسے گھر سے نکال دے۔"

نحمیا ۱۳: ۲۰ میں غیر اقوام کی عورتوں کو طلاق دینے کا تاکیدی حکم پایا جاتا ہے۔

**ورثہ** یہودیت میں عورت ورثہ کی حقدار نہیں ہوتی، بلکہ اس کی اپنی کمائی بھی شادی سے پہلے اس کے والدین کی اور شادی کے بعد اس کے شوہر کی ہوتی ہے۔ اس مذہب میں عورت یہاں تک گری ہوئی نظر آئی ہے کہ باپ کی بیویاں بیٹے کی وراثت میں آجاتی ہیں۔ چنانچہ سموئیل دوم ۱۶: ۲۰ — روبن نے جیتے جی اپنے باپ (یعقوب) کی منکوحہ پر قبضہ کر لیا۔ پیدائش ۲۷: ۲۲)

"کالب نے بھی اپنے باپ کی بیوی سے شادی کر لی۔" (تواریخ اول ۲: ۲۴)

**حقوق اولاد** بائبل میں اولاد کی تعلیم و تربیت کے بارے میں سختی کرنے کے احکام موجود ہیں۔ والد کی جائیداد میں صرف پلوٹھا بیٹا جائیداد کا وارث ہوتا ہے۔

# بائبل کے ظالمانہ احکام

بائبل میں بعض ایسے ظالمانہ احکام ملتے ہیں جن کو پڑھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں

**غلام اور لونڈیوں کے بارہ میں** اگر کوئی اپنے غلام یا لونڈی کو لاٹھیاں مارے اور وہ مار کھاتے ہوئے مر جائے تو اسے سزا دی جائے۔ لیکن اگر وہ ایک دن یا دو دن جیئے تو اسے سزا نہ دی جائے۔ اس لئے کہ وہ اس کا مال ہے۔" (خروج باب ۲۱ آیت ۲۰، ۲۱)

"مرد یا عورت جس کا یار دیہ ہے یا جادوگر ہے تو دونوں قتل کئے جاویں۔ چاہیئے کہ تم ان پر پتھراؤ کرو۔ اور ان کا خون انہی پر ہوئے۔" (احبار باب ۲۰ آیت ۲۷)

"تو جادوگروں کو جینے مت دے (خروج باب ۲۲ آیت ۱۸)

**جنگ اور قیدیوں کے متعلق احکام** "جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دیوے تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر۔ ..... لیکن ان قوموں کے شہروں میں جنہیں خداوند تیرا خدا تیری میراث کر دیتا ہے کسی چیز کو جو سانس لیتی ہے جیتا نہ چھوڑیو۔" (استثناء ۲۰: ۱۳، ۱۶)

"سو تم ان بچوں کو جو لڑکے ہیں سب کو قتل کرو، اور ہر ایک عورت کو جو مرد کی صحبت سے واقف ہو چکی ہو جان سے مارو۔ لیکن وے لڑکیاں جو مرد کی صحبت سے واقف نہیں ہوئیں ان کو اپنے لئے زندہ رکھو۔" (گنتی باب ۳۱: ۹-۱۶-۱۷)

قاضیوں کی کتاب ۲۱: ۱۱ میں لکھا ہے۔

"تب انہوں نے ۱۲۰۰۰ مرد بہادر روانہ کئے اور انہیں حکم دیا کہ یبسن جلعاد کے باشندوں کو عورتوں اور بچوں سمیت قتل کرو۔"

حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے:

"اور داؤد نے اس سرزمین کو حرم کیا۔ اور عورت مرد کسی کو جیتا نہ چھوڑا۔ اور ان کی بھیڑ بکریاں بیل اور گدھے اور اونٹ لے کر لوٹا۔" (سموئیل اول ۲۷/۹)

خداوند نے ساؤل کو حکم دیا۔

"سو اب تو جا اور عمالیق کو مار اور سب جو کچھ ان کا ہے یک لخت حرم کر (قتل کر) اور ان پر رحم مت کر، بلکہ مرد اور عورت اور ننھے بچے اور شیر خوار، بیل بھیڑ اور اونٹ اور گدھے تک سب کو قتل کر۔" (سموئیل اول ۱۵: ۳)

یشوع کے متعلق لکھا ہے:

"اور انہوں نے ان سب کو جو اس شہر میں تھے کیا مرد کیا عورت کیا جوان یا بوڑھا کیا بیل کیا بھیڑ اور گدھا سب کو تہ تیغ کیا۔" (یشوع ۶: ۲۱)

خدا کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملتا ہے:

"جب کہ خداوند تیرا خدا انہیں تیرے حوالے کرے تو تو انہیں مار لیو اور حرم کیجیو۔ نہ تو ان کے کوئی عہد کر لیو اور نہ ان پر رحم کر لیو۔ نہ ان سے بیاہ کرنا۔ اس کے بیٹے کو اپنی بیٹی نہ دینا۔ نہ اپنے بیٹے کے لئے اس کی بیٹی لینا۔" (استثناء ۷: ۲۲)

یشوع نے عی کے ساتھ "... میں جو قتل عام کیا۔ اس کے متعلق لکھا ہے۔

"چنانچہ وے جو اس دن مارے گئے مرد اور عورت بارہ ہزار تھے۔ یعنی عی کے سب لوگ کیونکہ یشوع نے اپنا ہاتھ جس سے بھالا اٹھایا ہوا تھا۔ جب تک کہ عی کے رہنے والوں کو ختم نہ کر دیا تھا پھر نہ کھینچا۔۔۔۔ اور یشوع نے عی کو جلا کر ہمیشہ کے لئے راکھ کا تودہ کر دیا۔" (یشوع ۸: ۲۵-۲۸)

"تم ہر ایک محکم شہر اور ہر ایک نامی بستی کو مار لوگے۔ اور ہر ایک اچھے درخت کو کاٹ کر گرا دو گے۔ اور پانی کے ہر ایک کنوئیں کو بھر دو گے اور ہر ایک اچھے کھیت کو پتھروں سے خراب کر دو گے۔"

خداوند نے موسیٰ کو خطاب کر کے فرمایا۔

"بنی اسرائیل کو خطاب کر، اور انہیں کہہ کہ جب تم یردن سے پار ہو کر زمین کنعان میں داخل ہو تو تم ان سب کو جو اس سرزمین کے باشندے ہیں اپنے سامنے سے بھگاؤ۔ اور ان کی مورتیں فنا کر دو، اور ان کے ڈھالے ہوئے بتوں کو نابود کر دو۔ اور ان کے سب اونچے مکانوں کو ڈھا دو۔ اور ان

جو اس زمین کے بسنے والے ہیں خارج کر دو۔ اور وہاں آپ بسو۔" (گنتی ۳۳: ۵۲)

حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق لکھا۔

"اس نے ربہ پر چڑھائی کی اور فتح کر لیا۔ اور اس نے ان لوگوں کو جو اس میں تھے باہر نکال کر آروں اور لوہے کی گاہن اور آہنی کلہاڑوں سے روندا اور اینٹوں کے جلتے پزاووں میں سے گذارا۔ اور اس نے عمون کے تمام شہروں سے یہی کیا۔" (سموئیل دوم ۱۲: ۳۱)

"یہودی بادشاہ فتح کے بعد حاملہ عورتوں کے پیٹ پھاڑ دیتے تھے۔" (سلاطین دوم ۱۵: ۱۶ یسعیاہ ۱۳: ۱۶)

**طہارت** احبار باب ۱۵، استثناء باب ۲۳، دوم سموئیل باب ۱۱ میں طہارت پر بڑا زور دیا گیا ہے۔

**مے نوشی کی ممانعت** احبار باب ۱۰، آیت ۹، ۱۰ میں شراب کو قطعاً حرام قرار دیا ہے۔"

**سُود** مندرجہ ذیل آیات میں سود لینے کی ممانعت آئی ہے۔

خروج باب ۲۲ آیت ۲۵ - احبار باب ۲۵ آیت ۲۶ - ۲۷ استثناء باب ۲۳ آیت ۱۹ - زبور ۱۵ آیت ۵ - امثال ۲۸ آیت ۸ - حزقی ایل باب ۱۸ آیت ۸ - پرمیاہ باب ۱۵ آیت ۱۰

**لحم الخنزیر** سُور کا گوشت حرام ہونے کا حکم حسب ذیل آیات میں ہے۔

احبار ۱۱ آیت ۷ - استثناء باب ۱۴ آیت ۸ - یسعیاہ باب ۶۵ آیت ۴، ۵ -

# بائبل کی خلافِ اخلاق باتیں

عہد نامہ عتیق میں انبیاء علیہم السلام پر اس قسم کے گندے اور فحش الزام لگائے گئے ہیں جن کا مطالعہ مذاقِ سلیم پر گراں گذرتا ہے۔ اس قسم کی اخلاق سوز باتیں پڑھ کر ایک عامی اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ وہ باتیں اللہ کی کہی ہوئی نہیں بلکہ انسانوں کی اختراع ہیں۔ نمونہ کے لئے صرف چند حوالوں کی پوری عبارتیں لکھی جاتی ہیں اور دوسرے صرف حوالے۔

## حضرت نوحؑ کے متعلق

پیدائش باب ۹ آیت ۲۰، ۲۱ میں لکھا ہے "اور نوح کاشتکاری کرنے لگا۔ اور اس نے ایک انگور کا باغ لگایا۔ اس نے اس کی مے پی اور اسے نشہ آیا۔ اور وہ اپنے ڈیرہ میں برہنہ ہو گیا۔"

## حضرت لوطؑ علیہ السلام کے متعلق

"اور لوط صُغر سے نکل کر پہاڑ پر جا بسا۔ اور اس کی دونوں بیٹیاں اس کے ساتھ تھیں، کیونکہ اسے صُغر میں بستے ڈر لگا۔ اور وہ اس کی دونوں بیٹیاں غار میں رہنے لگے۔ تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بوڑھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو دنیا کے دستور کے مطابق ہمارے پاس آئے۔ آؤ ہم اپنے باپ کو مے پلائیں۔ اور اس سے ہم آغوش ہوں، تاکہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں۔ سو انہوں نے اسی رات اپنے باپ کو مے پلائی اور پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی، پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی۔ اور دوسرے روز یوں ہوا کہ پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ دیکھ کل رات کو میں اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی، آؤ آج بھی ہم اس کو مے پلائیں، اور تو بھی اس سے جا کر ہم آغوش ہو، تاکہ ہم اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں۔ سو اس رات بھی انہوں نے اپنے باپ کو مے پلائی، اور چھوٹی گئی اور اس سے ہم آغوش ہوئی، پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی۔ سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں۔ اور بڑی کے ایک بیٹا پیدا ہوا، اور اس نے اس کا نام موآب رکھا وہی موآبیوں کا باپ ہے جو اب تک موجود ہیں۔ اور چھوٹی کے بھی ایک بیٹا پیدا ہوا اور اس کا نام بن عمی رکھا۔ وہی بن عمیوں کا باپ ہے جو اب تک موجود ہیں۔" (پیدائش باب ۱۹ آیت ۳۱، ۳۸)

## داؤد علیہ السلام کے متعلق

"اور شام کے وقت داؤد اپنے پلنگ پر سے اٹھ کر بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگا۔ اور چھت پر سے اس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی اور وہ عورت نہایت خوبصورت تھی۔ تب داؤد نے لوگ بھیج کر اس عورت کا حال دریافت کیا۔ اور کسی نے کہا کیا وہ العام کی بیٹی بت سبع نہیں جو حتی اوریاہ کی بیوی ہے۔ اور داؤد نے لوگ بھیج کر اسے بلایا۔ وہ اس کے پاس آئی اور اس نے اس سے صحبت کی (کیونکہ وہ اپنی ناپاکی سے پاک ہو چکی تھی) پھر وہ اپنے گھر کو چلی گئی اور وہ عورت حاملہ ہو گئی۔ سو اس نے داؤد کے پاس خبر بھیجی کہ میں حاملہ ہوں۔" (سموئیل دوم باب ۱۱ آیت ۲ تا ۵)

**سلیمان علیہ السلام کے متعلق** اور سلیمان بادشاہ فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں سے یعنی موآبی، عمونی، ادومی، صیدانی اور حتی عورتوں سے محبت کرنے لگا۔ یہ ان قوموں کی تھیں جن کی بابت خداوند نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ تم ان کے بیچ نہ جانا، اور نہ وہ تمہارے بیچ آئیں۔ کیونکہ وہ ضرور تمہارے دلوں کو اپنے دیوتاؤں کی طرف مائل کر لیں گی۔ سلیمان ان ہی سے عشق کا دم بھرنے لگا۔ اور اس کے پاس سات سو شہزادیاں اس کی بیویاں اور تین سو حرمیں (لونڈیاں) تھیں۔ اور اس کی بیویوں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کر لیا اور اس کا دل خداوند اپنے خدا کے ساتھ کامل نہ رہا، جیسا اس کے باپ داؤد کا دل تھا۔ کیوں کہ سلیمان صیدانیوں کی دیوی عستارات اور عمونیاں کی نفرتی ملکوم کی پیروی کرنے لگا۔ اور سلیمان نے خداوند کے آگے بدی کی؛ اور اس نے خدا کی پوری پیروی نہ کی، جیسی اس کے باپ داؤد نے کی۔" (سلاطین اوّل باب ۱۱ آیت ۱ تا ۶)

پھر لکھا ہے:

"اور خداوند سلیمان سے ناراض ہوا کیونکہ اس کا دل خداوند اسرائیل کے خدا سے پھر گیا تھا، جس نے اسے دو بارہ دکھائی دے کر اس کو اس بات کا حکم کیا تھا کہ وہ غیر معبودوں کی پیروی نہ کرے۔ پر اس نے وہ بات نہ مانی جس کا حکم خداوند نے دیا تھا۔" (سلاطین اول باب ۱۱ آیت ۹، ۱۰)

طوالت سے بچنے کے لئے قارئین کے لئے صرف بائبل کے ادب کثیف کے حوالے درج کر دیئے جاتے ہیں:

یہوداہ بن یعقوب کا ناگفتہ بہ قصہ۔ کتاب پیدائش باب ۳۸ آیت ۱۲ تا ۳۰۔

فحش عبارت۔ سلاطین اول باب ۱۴ آیت ۴، باب ۱۵ آیت ۱۲، باب ۲۲۔ آیت ۴۶۔ سلاطین دوم باب ۲۳ آیت ۷۔ استثنا۔ باب ۲۳ آیت ۱۷۔

روت نام ایک عورت کا گندہ قصہ۔ روت آیت ۲، ۳، ۴۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے امنون کا فحش قصہ۔ سموئیل دوم باب ۱۳۔

خداوند کی جورو کا طلاق نامہ۔ یسعیاہ باب ۵۰۔

خداوند کی جورؤں کا گندہ اعمال نامہ۔ یرمیاہ ۳۔ حزقیل ۱۲، ۲۳۔

# طالمود

دوسری تورہ شبعلہ یعنی وحی غیر مکتوب ہے، جو حضرت ہارون اور ان کی اولاد کی وساطت سے روایات کی صورت میں عزرا تک پہنچی۔ جس نے تورات کی کتابت کے لئے ۱۲۰ علماء کی ایک مجلس مقرر

کی۔ اس طرح یہ سلسلہ روایات ان علماء تک پہنچا۔ اور ان سے آگے بڑھا۔ اس جماعت کا آخری رکن شمعون ۳۰۰ قبل مسیح میں فوت ہوگیا۔ اس سے یہ سلسلہ روایت کا تبان وحی تک پہنچا۔ وہاں سے یہ سلسلہ عام علماء تک، پھر ان سے احبار اور بینین تک پہنچا۔

دوسری صدی عیسوی کے آخر میں ربی یہودا نے ان اقوال کو کتابی شکل دی۔ اس مجموعہ کا نام مشنا (MISHNAH) رکھا۔ مشنا کے معنی ہیں: زبانی تعلیم۔ یہ مذہبی قوانین اور علماء یہود کے فیصلہ جات کا ایک مجموعہ ہے۔ یہ فیصلے عہدنامہ عتیق کی روشنی میں کئے گئے ہیں۔ گویا یہ کتاب علماء یہود کے اجتہادی مسائل کا مجموعہ ہے۔ مشنا سے متعلقہ مواد اور مسائل جو بعد کے زمانہ میں پیش آئے اور جن کو بعد میں اکٹھا کیا گیا دو الگ کتب میں جمع کیا گیا، جن کے نام توسفتا (بمعنی ایزادی) اور مدراشیم) بمعنی تفسیر) ہیں۔

مشنا کتاب کے تفسیری مواد کا نام گمارا (GEMARA) ہے۔ اس کے معنی ہیں تکمیل تعلیم یا فیصلہ۔

پس طالمود مشنا اور گمارا دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

طالمود بھی دو ہیں: فلسطینی طالمود اور بابل طالمود۔

فلسطینی طالمود مختصر اور جامع ہے، اور چوتھی صدی عیسوی میں طبیریس کے مقام پر مکمل ہے۔

بابل طالمود۔ اس طالمود کے لکھنے میں فلسطینی طالمود سے استفادہ کیا گیا۔ حجم میں فلسطینی طالمود سے تین گنا بڑی ہے۔ چھٹی صدی عیسوی میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اس طالمود کو "ہماری طالمود" بھی کہا جاتا ہے۔

# معابد

یہودیوں کا سب سے بڑا اور قدیم معبد یروشلم میں تھا، جس کی تعمیر حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوخ کی جاتی ہے۔ ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو مضبوط بنیادوں پر از سر نو تعمیر کیا۔ یہ معبد نہایت ہی خوبصورت تھا۔ جس میں قیمتی پتھر لگے ہوئے تھے۔ اس میں ایک تابوت رکھا ہوا تھا، جو صدیوں سے متبرک سمجھا جاتا تھا۔

اس معبد کے علاوہ زیروبابل (ZERUBAABEL) کا معبد بھی خاص اہمیت کا حامل ہے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تقریباً پانچ سو سال قبل تعمیر ہوا تھا۔ اس معبد میں تابوت نہ تھا۔ اس میں یہوداہ پرستی اور قربانی کا انتظام تھا۔

ان کے علاوہ شہنشاہ ہیرود کا تعمیر کردہ معبد بھی بہت اہمیت کا حامل تھا۔ وسعت میں کوئی معبد اس کے مدمقابل نہ تھا۔

# یہودی مجالس

فلسطین سے باہر جن جن علاقوں میں یہودی آباد تھے۔ انہوں نے اپنے لئے علیحدہ عبادت گاہیں تعمیر کر لیں۔ جنہیں صومعہ کہا جاتا ہے۔ ہر قریہ، قصبہ اور شہر میں یہودی گاہے بگاہے اکٹھے ہوتے، وہاں عبادت کے علاوہ مذہبی قوانین کی درس و تدریس کا انتظام و انصرام کرتے اس طرح صومعہ نے معبد یروشلم کی جگہ لے لی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ صوامع عوامی زندگی سے قریب تھے، اور ان میں خوبیاں اور اچھائیاں پائی جاتی تھیں۔ وہ معبد یروشلم میں مفقود ہو چکی تھیں۔ امام عوام سے منتخب ہوتا تھا۔ جو قوانین پڑھ کر سناتا، حاضرین مجلس اس طرح بیٹھتے کہ ان کا رُخ یروشلم کی طرف ہوتا۔ اس کے ایک گوشہ میں ایک تابوت رکھا ہوتا اور اس کے قریب ایک چراغ جلتا رہتا۔ حاضرین مذہب پر آزادانہ تنقید کر سکتے تھے۔ صومعہ کی عمارت کے درمیان ایک چبوترہ ہوتا۔ اس چبوترہ پر منبر ہوتا، جس کے دونوں جانب لوگ بیٹھتے تھے۔

فلسطین سے جلاوطنی اور علیحدگی کی وجہ سے یہودیوں میں ایک یہ عقیدہ پیدا ہو گیا کہ یہودیت کی بقاء کے لئے فلسطین سے وابستگی ضروری نہیں اور دوسرے ممالک میں یہودیت فروغ پا سکتی ہے، چنانچہ جب رومی شہنشاہ ٹائیٹس (Titus) بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجا رہا تھا۔ یہودیوں کا ایک مذہبی رہنما وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے جابنیہ کے مقام پر ایک مدرسے کی بنیاد رکھی۔ اس مدرسہ نے یہودیت کی بہت خدمت انجام دی۔ یروشلم کی تباہی کے بعد یہودی قنوطیت اور یاس کا شکار ہو گئے تھے۔ اس مدرسہ نے یہودیوں میں امید اور رجا کی کرن پیدا کر دی۔

مدرسہ جابنیہ نے ایک اور بڑی خدمت انجام دی، وہ یہ کہ یہودی مذہب کی تمام روایات کو جمع کیا، جو بالآخر طالمود کی شکل میں ظاہر ہوئی۔

اس مدرسہ کی طرز پر کچھ اور مدرسے بھی تعمیر ہوئے، ان میں ایک گلیلی اور دوسرا بابل میں تھا۔ ان مدارس میں علماء یہود نے کتب مقدسہ کی تحقیق کی، اور ان کی زمانہ کے تقاضوں کے مطابق تفاسیر لکھیں۔ یہ کام مکمل بھی نہ ہوا تھا کہ فلسطین کا خاتمہ ہو گیا جس کے بعد مذہبی قوانین کے مطالعہ اور تحقیق کا کام جوش و کشش سے شروع ہوا۔ عقیبہ بن یوسف نے اس سلسلہ میں بڑی خدمات انجام دیں۔

یہودیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کے قوانین الہامی اور ناقابل ترمیم ہیں۔ لیکن بعض صورتوں میں ترمیم کی جا سکتی ہے، مثلاً کسی مذہبی قانون کے نفاذ سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ حکومت وقت کے قانون سے اس کا تصادم ہوتا ہو۔ اس قسم کے حالات میں مذہبی قانون میں ترمیم کی جا سکتی ہے۔

# فرقے

یہود کے بہت سے فرقے ہیں، حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں مشہور فرقے یہ تھے۔

۱۔ سمارٹینز (SAMARTIANS) یہ لوگ فقیر اور اچھوت قسم کے تھے۔

۲۔ ایسینی (ESSENE) یہ لوگ عزلت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کی نجی کوئی جائیداد نہیں ہوتی تھی۔ ان میں تمام فرقہ والوں کے اموال مشترکہ تھے ان میں شادی کا رواج بہت کم تھا۔ یہودی معبد کے مراسم سے انہیں کوئی واسطہ نہیں تھا۔

۳۔ ناسٹکس (GNOSTICS) اس فرقہ کے نزدیک علم نجات کا ذریعہ ہے، ایمان نہیں،

۴۔ کارائٹیز (KARAITIES) یہ لوگ توریت کے احکام کے الفاظ پر سختی سے پابند رہتے تھے۔

۵۔ فریسی (PHRISEIS) یہ لوگ حیات بعد الممات اور جزا۔ وسزا کے قائل تھے۔ یہ لوگ بڑے زاہد اور عبادت گذار تھے۔ فریسی جماعت کا یہودیوں پر بہت اثر تھا۔ یہ فرقہ کتب مقدسہ کے علاوہ روایات کو بھی قانون سازی میں اہمیت دیتا تھا۔

۶۔ صدوقی (SADDUCEES) یہ فرقہ خدا کو صرف بنی اسرائیل کا خدا ہی مانتا تھا۔ یہ فرقہ نہ تو فرشتوں پر ایمان رکھتا تھا۔ اور نہ قیامت پر۔ مذہبی قانون کی لفظی پیروی پر زور دیتے تھے روایات کے منکر تھے اور قانون میں اضافہ و ترمیم کو باطل تصور کرتے تھے۔ ان کا یہ نظریہ تھا کہ نیک اعمال کے انعام کی خواہش نہیں رکھنی چاہیئے۔ یہ گروہ انسانی اختیار کا قائل تھا۔

# یہودی فلسفہ

عہد نامہ عتیق میں احکام خداوندی، ایمان اور الہام پر زیادہ بحث ہے۔ البتہ سلیمان اور ایوب کی کتب میں کسی قدر فلسفہ کے رجحانات پائے جاتے ہیں۔

یہود کے نزدیک حصول علم کے مندرجہ ذیل ذرائع ہیں۔

۱۔ ذاتی کوشش۔

۲۔ حواس خمسہ کے ذریعے مشاہدہ و تجربہ۔

۳۔ عقلی دلائل۔

۴۔ الہام

یہودی فلسفیوں کے بنیادی مسائل یہ ہیں:

خدا، کائنات، انسانی روح عمل، الہام اور جزاء وسزا۔

یہودی فلسفیوں کے چار گروہ ہیں:

۱۔ کلامی جو عرب فلسفی متکلموں کے نظریوں کے قائل ہیں۔ یہ لوگ تناسخ سے قائل نہیں۔ ان میں یوسف البصیر اور داؤد بن مروان المقمص مشہور ہیں۔

۲۔ افلاطونی نظریات کے حامل NEOPLATONISTS اس گروہ کا یہ نظریہ ہے کہ تمام کائنات کا صدور خدا کی ذات سے ہوا ہے، اور جوں جوں مادہ اپنے مصدر سے دُور ہٹتا جاتا ہے، اس کی خاصیتیں بدلتی رہتی ہیں، نیز یہ کہ مادہ کی اصل ماہیت کا کسی کو کچھ علم نہیں۔ البتہ جس حالت میں وہ پایا جائے، اس حالت کے خواص معلوم ہو سکتے ہیں۔

اس گروہ میں ابراہام بن حسدائی، ابراہام بن عذرا اور یوسف ابن ذَوَلیق مشہور فلسفی ہیں۔

۳۔ حامیین فلسفہ ارسطو ARISTOTELIANS اس گروہ نے نوربہت کے احکام کو عقلی دلائل سے قابل قبول بنانے کی کوشش کی ہے۔ ان کے نزدیک انسان آزاد ہے اور اللہ کی ذات عظیم ہے۔ اس گروہ میں ابرہام بن داؤد اور موسیٰ مائی اور موفی ڈیس مشہور فلسفی ہیں۔

**باغی فرقہ**: (ANTI-RATIONALISTS) اس گروہ کا یہ نظریہ ہے کہ روح غیر فانی نہیں، ان کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ خدا جو ایک غیر مادی اور غیر مرئی ہستی ہے، وہ کس طرح مادہ سے بنی ہوئی کائنات کے متعلق علم رکھ سکتا ہے۔ یہ لوگ جزاء وسزا کے قائل ہیں۔

اس گروہ سے سرخیل ہائی داس کرے سی اس اور یہودا اہلیوی ہیں۔

# یہود کی رسوم

**ختنہ** ہر لڑکے کا ختنہ یوم پیدائش سے آٹھویں دن کیا جاتا ہے۔ اسے اللہ کا عہد قرار دیا دیا جاتا ہے۔ یہ حکم ان الفاظ میں ہے۔

"اور میرا عہد جو میرے اور تمہارے (یعنی ابراہام کے) درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ہے۔ جسے تم یاد رکھو، سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جاوے۔ اور تم اپنے بدن کی کھلڑی کا ختنہ کرو۔ اور یہ اس عہد کا نشان ہو گا۔ جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ تمہارے پشت در پشت ہر لڑکے کا جب وہ آٹھ روز کا ہو ختنہ کیا جائے گا۔ کیا گھر کا پیدا، کیا پردیس سے خرید ہوا جو تیری نسل کا نہیں لازم ہے کہ تیرے خانہ زاد اور تیرے زر خرید کا ختنہ کیا جاوے اور میرا یہ عہد تمہارے جسموں میں عہد ابدی ہو گا۔ اور وہ فرزند نرینہ جس کا ختنہ نہیں ہوا وہ ہی شخص اپنے لوگوں میں سے کٹ جائے کہ اس نے میرا عہد توڑا۔" (پیدائش باب ۱۷، آیت ۹ تا ۱۴)

۲۔ مذہبی یا بندہ بلوغ کے لئے لڑکا تیرہ سال کی عمر میں پورا بالغ تصور ہوتا ہے۔ البتہ عورتوں پر

ایسی پابندیاں نہیں ہیں۔

## تہوار

یہود کے بڑے بڑے تہوار حسب ذیل ہیں۔

۱۔ عید فصح (PASSOVER) جو خروج کی یاد میں جب کہ وہ مصر سے بھاگ نکلے منایا جاتا ہے اس کی تاریخیں ۱۵ اور ۱۶ اپریل ہیں۔

۲۔ روش ہشانا یا یہود کا سال نو، یہ ستمبر کے مہینہ میں منایا جاتا ہے۔

۳۔ پوریم۔ یہ دن یہود ہامان کے ہاتھ سے بچ جانے کی خوشی میں مناتے ہیں۔ یہ دن ۱۱ فروری کو منایا جاتا ہے۔

۴۔ چنوکاہ۔ یہ دن اس فتح کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ جب یہود کی سالار یہودا امکابیس نے شامیوں کے لشکر پر حاصل کی تھی۔

۵۔ یوم ہاتزموت۔ یہ ایک نیا تہوار ہے جو اس دن کی یاد میں منایا جاتا ہے جب موجودہ اسرائیل کی سلطنت فلسطین میں قائم ہوئی۔

۶۔ یوم السبت۔ یہودیوں کے نزدیک یوم السبت یعنی ہفتہ کا دن مبارک خیال کیا جاتا ہے۔ اس دن سارے کام کاج چھوڑ کر عبادت کی جاتی ہے۔ (خروج باب ۲۰ آیت ۸، ۹)

۷۔ یوم خمیس (PENLECOST) یہ یونانی لفظ ہے جس کے معنی ہیں پچاسواں۔ یہ تہوار عید فصح کے بعد پچاسویں دن منایا جاتا ہے، اس لئے یہ تہوار اس نام سے موسوم ہے اس موقع پر یہ رسم ادا کی جاتی ہے۔ کہ پروہت نئے گیہوں کی دو خمیری روٹیاں یہوواہ کے سامنے لہراتا ہے۔ پھر اس کے بعد انہیں کھا لیتا ہے۔ اس وقت سات بھیڑیں یا بیل اور دو دنبے ذبح کئے جاتے ہیں، اور اس دعوت میں غربا، مساکین بیواؤں، یتامیٰ اور مسافروں کو مدعو کیا جاتا ہے۔

۸۔ یہود میں سات کا عدد مقدس سمجھا جاتا ہے جس طرح ہفتہ کا ساتواں دن ان کے نزدیک بہت مقدس ہے، اسی طرح ساتواں مہینہ بھی مقدس خیال کیا جاتا ہے۔ جب ساتواں مہینہ شروع ہوتا ہے تو قربانی دگنی کر دی جاتی ہے اور دن بھر بگل بجتا رہتا ہے۔ ہر ساتویں سال زمینیں بلا کاشت چھوڑ دی جاتی ہیں۔ دعوتوں سے غربا کی تواضع دہن کی جاتی ہے جو غربا سے بچ جائے، اس کو جانوروں کے آگے ڈال دیا جاتا ہے۔ اس سال تمام قرض معاف کر دیے جاتے ہیں، یا کم از کم ادائیگی کی میعادیں تو ضرور بڑھا دی جاتی ہے۔ یہ سال کنعان میں آباد ہونے کے بعد ہر سات سال بعد منایا جاتا ہے۔

۹۔ اس کے بعد ہر انچاسویں یا پچاسویں سال کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اس دن زمینیں ان کے

اصل مالکوں کو لوٹا دی جاتی ہیں، اور غلام کی غلامی ختم ہو جاتی ہے۔ اس کا مقصد صرف اقتصادی ہے کہ سرمایہ صرف ایک شخص کا اجارہ نہ بن جائے۔

# عصر حاضر میں یہودیوں کی اجتماعی حالت

۷۰ء میں جب ٹائٹس (TITUS) نے انہیں فلسطین سے نکال دیا۔ اور ان کا مرکز، معبد یہود خاک کر دیا تو یہودی دربدر کی خاک چھاننے لگے، اور دنیا کے مختلف دُور دراز ملکوں میں منتشر ہو گئے، مختلف اقوام اور مذاہب کے مظالم کا ہدف بنے رہے۔ مثلاً ڈاکٹر ارنلڈ اپنی کتاب "دعوتِ اسلام" کے صفحہ ۹۳ پر لکھتے ہیں۔

"ساڑھے تین سو برس تک سلطنت انگلستان نے یہودیوں کو اپنے ملک میں داخل ہونے نہیں دیا لیکن یہودیوں کی قوم بڑی سخت جان تھی کہ دیگر مذاہب اور خصوصاً عیسائیت کے تشدد کے باوجود وہ اپنے آپ کو باقی رکھ سکی۔ اس کوشش میں ان کو مسلمانوں کی رواداری سے کافی سہارا ملا۔

تمام مورخین اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ مغرب کی نشاۃ ثانیہ سے پہلے عیسائیوں کے متعصبانہ سلوک کے مقابل میں یہودیوں کے ساتھ اسلامی ممالک میں زیادہ رواداری کا سلوک کیا گیا۔ چنانچہ ایک عیسائی اڈورڈ عطیہ اپنی کتاب (THE ARABS) کے صفحہ ۱۲۵ پر لکھتا ہے۔

"جیسا کہ ہم اس کتاب کے پچھلے باب میں دیکھ چکے ہیں۔ یہودیوں نے ان عملی اور سائنٹیفک مساعی میں بڑا خوش آئند اور ممتاز حصہ لیا۔ جنہوں نے بغداد اور سپین کے خلفاء کے تحت عرب تہذیب کو پیدا کیا تھا۔ عربوں اور ترکوں کی حکومت کی پوری تاریخ عرب ممالک میں یہودی اقلیتوں کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کیا گیا۔ جب یورپ میں یہودیوں کو ہدف ظلم و ستم بنایا جا رہا تھا تو انہیں صرف مسلمانوں کی حکومت میں پناہ ملی۔

ایک یہودی عالم کی یہ شہادت ہے:

"مسلمانوں کے اثر کے ماتحت اور بعد ازاں عیسائی مدرسیت کے برخلاف یہودیت اپنے نقطۂ نظر کو مسلّمہ طریق کے مطابق منظم کرنے پر مجبور ہوئی۔ جس کے باعث بآسانی وہ مقابل کے غالب اور حریف ادیان سے اپنے موافق و مخالف پہلوؤں کو نمایاں کر سکی۔"[1]

---

[1] THE GREAT RELIGIONS OF THE MODERN WORLD P 234

جب اسلامی ممالک پر زوال اور ادبار کے بادل منڈلانے لگے اور ان پر مغرب کا معاشی اور سیاسی دباؤ بڑھنے لگا۔ عیسائیت کے جوش انتقام کے کم ہونے پر یہودیت کا اثر عیسائی ممالک میں پھیلنے لگا۔ نیز مغرب میں قومیت کا غلبہ ہو گیا تو ان میں بھی ایک قومی وطن اور قومی مملکت کا خیال نشوونما پانے لگا۔ چنانچہ سمتھ مین اپنی کتاب BRIDGE TO ISLAM میں لکھتا ہے۔

"صیہونیت کی پہلی چنگاری لیوپنسکر (LEOPENSKER) نے ۱۸۸۲ء میں روشن کی جو ایک روسی یہودی تھا۔ اور یہ واقعہ ۱۸۸۱ء میں الگزنڈر دوم زار روس کے قتل کے بعد پیش آیا۔"

رنسکر RENSKER نے ایک کتاب لکھی جو خود مختاری AUTO-EMANSPATION کے نام سے موسوم ہے۔ تھیوڈر ہرزل نے ۱۸۹۶ء میں ایک کتاب "یہودی مملکت" لکھ کر یہودیوں کے سیاسی شعور کو اور زیادہ بیدار کیا۔ ۱۸۹۷ء میں بازسل کے مقام پر پہلی صیہونی کانفرنس ہوئی۔ ہرزل نے اپنے خیال اور نظریہ کو عملی جامہ پہنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ شروع میں یہودیوں کی آبادکاری کے لئے کوئی مخصوص ملک پیش نظر نہ تھا۔ ارجنٹائن، یوگنڈا، اور کینیا کے بارے میں خیال تھا کہ ان علاقوں میں یہودیوں کو آباد ہونا چاہیئے۔ لیکن مشرقی یہودیوں کا خیال زیادہ غالب آگیا۔ جنہوں نے اپنے قدیم وطن فلسطین کا مطالبہ شروع کیا۔ چنانچہ ۱۹۱۱ء تک یہودیوں کا صرف یہ خیال تھا کہ ان کا ایک وطن ہو جہاں صیہونی حکومت قائم کرنے کا نہ تھا۔ پاسل کے مقام پر ۱۹۱۱ء میں جو دسویں کانفرنس ہوئی، تو صدر نے حسب ذیل بیان دیا:

"صیہونیت کا مدعا پوری قوم کے لئے سرکاری طور پر تسلیم شدہ اور قانونی طور پر حاصل شدہ فلسطین میں ایک وطن کا قیام ہے، یہودی مملکت کا نہیں، بلکہ ہمارے آباؤ اجداد کی قدیم سرزمین پر ایک گھر بنانا ہے جہاں ہم بغیر کسی جبر و تعدی کے ایک یہودی کی زندگی گذار سکیں۔ ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ فلسطین میں داخل ہونے والے تارکین وطن کو بغیر کسی تحدید کے ایک شہری کے حقوق حاصل کرنے کا موقع دیا جائے، اور اس امر کا موقع دیا جائے کہ وہ یہودی رسم و رواج کے مطابق بغیر کسی رکاوٹ کے زندگی گذار سکیں، یہی اور صرف یہی ہمارا مقصد ہے۔"

چنانچہ ڈاکٹر چیم وزیزمن سے برطانوی حکومت کی طرف سے یہ وعدہ کیا گیا کہ برطانوی حکومت فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری کو ہمدردی کی نظر سے دیکھتی ہے، چنانچہ نومبر ۱۹۱۷ء میں اعلان بالفور کیا گیا جس میں یہ کہا گیا کہ

"ملک معظم کی حکومت یہودی قوم کے لئے فلسطین میں ایک قومی وطن کے قیام کو ہمدردی سے دیکھتی ہے اور اس مقصد کے حصول میں سہولت پیدا کرنے کے لئے اپنی بہترین کوششوں کو استعمال کرے

ل۔ لیکن یہ صاف طور پر سمجھ لینا چاہیئے کہ کوئی ایسی بات نہ کی جائے گی جو فلسطین کی موجودہ غیر یہودی قوموں کے موجودہ ایوانی اور مذہبی حقوق یا دوسرے ملک میں یہودیوں کو حاصل شدہ حقوق یا سیاسی مرتبہ کے خلاف ہو۔"

کہا جاتا ہے کہ یہ اعلان امریکہ کے مشورہ سے ہوا تھا۔ چنانچہ فرنا ڈ اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

"صدر امریکہ نے اعلان بالفور کے وجود میں لانے کے مسئلہ میں کافی حصہ لیا۔ اور ۱۹۴۸ء میں صدر ٹرومین کے تحت ممالک متحدہ امریکہ نے اسرائیل کی آزاد مملکت کے وجود میں لانے میں کافی امداد کی۔"[1]

دوسری طرف برطانوی حکومت عربوں کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی اور میک موہن معاہدہ کے ذریعہ انہیں تسلی دے رہی تھی، ولسن کے "چودہ نکات" میں بھی یہودی مملکت کے قیام کا واضح طور پر کوئی ذکر نہیں تھا۔ لیکن ۱۹۱۸ء سے ۱۹۱۹ء تک ایسے سیاسی حالات پیدا ہوئے کہ فلسطین کی مقامی آبادی کی خواہشات کے خلاف یہودی مملکت اسرائیل کا قیام طے پا گیا۔ چنانچہ اسی تیس سالہ دور میں فلسطین کو یہودی سلطنت میں تبدیل کرنے کے لئے یہ حربہ استعمال کیا گیا۔ کہ دنیا کے مختلف ممالک سے یہودیوں کو یہاں لاکر آباد کرنا شروع کر دیا۔ اعلان بالفور سے قبل فلسطین میں یہودیوں کی کُل آبادی ایک لاکھ تھی۔ فلسطین عرب دنیا کا ایک لا نیفک جز تھا جو شام سے غیر ممیز تھا۔ اور اس کی آبادی نوے فی صد عرب آبادی تھی۔[2] آج حالت اس کے برعکس ہے کہ یہودیوں کی آبادی نوے فی صد اور عرب صرف دس فیصد ہیں۔

دنیا کے مختلف ممالک سے یہودیوں کو فلسطین میں آباد کرنے سے عربوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ چنانچہ عربوں کی اشک شوئی اور دل جوئی کے لئے برطانیہ نے مختلف تحقیقاتی کمیشن بھیجے، لیکن حالات سلجھ نہ سکے۔ چنانچہ ۱۹۲۹ء تک عربوں اور یہودیوں میں مسلسل فسادات ہوتے رہے۔ بالآخر ۱۹۲۹ء میں خونریز لڑائی ہوئی۔ اس وجہ سے ریمزے میکڈانلڈ کی مزدور برطانوی حکومت کو ایک ایسی پالیسی کا اعلان کرنا پڑا جو یہودیوں کے خلاف تھا۔ لیکن برطانیہ میں یہودیوں کا خاصا زور اور اثر تھا، چنانچہ اس اثر کی وجہ سے برطانوی حکومت کو اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرنا پڑی۔ اور یہودی ایک نئی دستاویز حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے، جسے عرب "سیاہ دستاویز" کے نام سے پکارتے ہیں۔

فلسطین میں یہودیوں کی کثرت آمد کی وجہ جرمنی میں یہودیوں پر نازیوں کے مظالم بھی ہیں۔ آمد کی یہ رفتار ترقی کرتے کرتے ساٹھ ہزار سالانہ تک پہنچ گئی۔ اور یہ سلسلہ ۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۶ء تک

---

[1] MUSLIM ON THE MARCH P. 288

[2] THE ARABS P. 94

جاری رہا۔ اس مدت میں تقریباً دو لاکھ یہودی فلسطین میں آباد ہو گئے اور اپنی طاقت کو مضبوط بنانا شروع کر دیا۔ اس صورت حالات کو دیکھ کر مجبوراً ۱۹۳۶ء میں عربوں نے مقاطعہ کر دیا جو دو ماہ تک جاری رہا۔ اور عرب مجاہدین نے یہودیوں سے مسلح مقابلہ شروع کر دیا۔

یہود کی پشت پناہی بیس ہزار برطانوی فوج کر رہی تھی۔ لیکن دوسری جنگِ عظیم کے آغاز تک عربوں کی مسلح مقاومت کو کچلا نہ جا سکا۔ عرب کو یہ نظر آ رہا تھا کہ یہودی فلسطین میں اپنی طاقت اور غلبے کو حاصل کرنے کے لئے کیا کیا طریقے اختیار کر رہے ہیں۔ اس مقصد کے لئے کس طرح نازیوں کے مظالم کی داستانیں سنا کر عالمی رائے کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ اور یہودیوں کی معاشی ترقی سے ملک کا معیارِ زندگی بلند ہونے کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں۔ اور اس طرح فلسطین میں اثر بڑھا کر سیاسی اقتدار کا سامان کر رہے ہیں۔ ۱۹۳۶ء سے ۱۹۳۹ء تک عربوں اور یہودیوں کی باہمی جھڑپوں سے ۶۹ برطانوی اور ۹۲ یہودی، ۴۸۶ عرب سویلین اور ۱۳۸ عرب مجاہدین کی جانیں تلف ہوئیں۔

اس باہمی کشمکش اور خونی جھڑپوں کے نتیجہ میں برطانوی حکومت نے ایک رائل کمیشن مقرر کیا کہ وہ فلسطین کے فسادات اور حالات اور واقعات کا جائزہ لے۔ کیونکہ برطانوی حکومت پر یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہو چکا تھا کہ عربوں اور یہودیوں میں مصالحت ناممکن ہے۔ کمیشن نے فلسطین کو دو حصّوں میں تقسیم کرنے کی تجویز پیش کی۔ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے یہود کے بااثر طبقہ نے پوری جدوجہد کی۔ یہی تجویز بالآخر ۱۹۴۸ء میں اقوامِ متحدہ کی اس قرارداد کی اساس بنی جس کی بنا پر فلسطین کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

عرب اس تقسیم کو اپنے لئے نہایت ہی خطرناک سمجھتے تھے۔ اس وجہ سے تمام عرب ممالک اور حکومتوں نے اس کے خلاف سخت نفرت کا اظہار کیا۔ اور دو مطالبے پیش کئے:

۱۔ فلسطین میں یہودیوں کا داخلہ بند کیا جائے۔

۲۔ فلسطین کو تقسیم کی تجویز مسترد کر کے مقامی آبادی کو آزادی دی جائے۔

۱۹۳۹ء میں تمام یورپ جنگ کی گرفت میں تھا۔ اور مغربی طاقتیں اس نازک مرحلہ پر عربوں کو ناراض نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ اس وجہ سے تقسیم کی تجویز کو عارضی طور پر ملتوی کر دیا۔ ۱۹۳۹ء میں برطانوی حکومت نے یہ وعدہ کیا کہ وہ دس سال کے اندر اندر ایک آزاد فلسطین مملکت قائم کرے گی۔ جس میں عربوں اور یہودیوں کو اس طرح حکومت میں نمائندگی ملے گی۔ کہ دونوں قوموں کے حقوق اور مفادات کا تحفظ ہو جائے۔ نیز دس سال کے درمیان صرف ڈیڑھ لاکھ یہودیوں کو فلسطین میں داخل کیا جائے گا۔ آخر کار ۱۹۴۹ء تک فلسطین میں صیہونی مملکت کے قیام کے ارادے کو مسترد کیا جاتا رہا۔ یہودیوں کے دباؤ سے آزاد فلسطینی مملکت قائم نہ ہو سکی۔ چونکہ دوسری جنگِ چھڑ چکی تھی۔ اس سے یہود نے پورا پورا

فائدہ اُٹھایا۔ ۱۹۴۴ء میں اتحادیوں کی مدد کے لئے ایک مستقل یہودی فوج کا بریگیڈ قائم کیا گیا۔ جنگ ختم ہونے پر مزید ایک لاکھ یہودیوں کو فلسطین میں داخل کر دیا گیا، کیونکہ

"برطانیہ میں صیہونی طاقتور نہ تھے۔ لیکن وہ ممالک متحدہ امریکہ میں زیادہ طاقتور تھے، جہاں نیویارک اور ایلینیاس (ILLINOIS) میں انتخابی رائے میں ان کا فیصلہ کن حصہ تھا، جو صدارت کے انتخاب کو بدل سکتا تھا۔ اس لئے وہاں اُن کے درپردہ مذاکرات ارکان کانگرس اور دونوں پارٹیوں کے گورنروں پر دباؤ ڈال سکتے تھے۔"[1]

"لیکن دوسری جنگ عظیم کے اختتام سے کچھ پہلے لیبر پارٹی انگلستان میں برسر اقتدار آگئی، جس نے فلسطین میں یہودیوں کے غیر محدود داخلہ کی قرارداد منظور کی۔ اور کہا کہ یہودیوں کے فلسطین میں داخل ہونے اور عربوں کے فلسطین سے باہر جانے کی ہمت افزائی ہونی چاہیئے۔"[2]

عرب برابر یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ فلسطین کو آزاد کیا جائے لیکن اس کے برعکس امریکہ اور برطانیہ کی ایک مشترکہ کمیٹی نے فلسطین میں مزید یہودیوں کے داخلہ کی سفارش کی، جو اس شرط پر منظور کی گئی کہ یہودی دہشت پسندی اور فساد برپا کرنے سے باز آجائیں۔ لیکن یہودیوں نے اپنا غیر قانونی داخلہ جاری رکھا۔ اور دوسری طرف یہودیوں کی دہشت پسندی اور فساد برپا کرنے میں شدت آگئی۔ اب امریکہ اور برطانیہ کا یہ ارادہ تھا کہ عربوں اور یہودیوں کی دو آزاد مگر وفاقی حکومتیں قائم کی جائیں۔ لیکن یہودیوں نے اس ارادہ کی شدید مخالفت کی۔ برطانوی حکومت نے ۱۹۴۷ء میں عرب حکومتوں کی ایک کانفرنس بلائی جو ناکام ہوئی۔ اس دوران میں یہودیوں کا داخلہ جاری رہا۔ یہودی ملک کا زرخیز اور بہترین نیز ۶۵ فیصد حصہ لینا چاہتے تھے۔

۱۹۴۷ء کے موسم بہار میں اقوام متحدہ کی ایک کمیٹی نے تقسیم فلسطین اور ایک یہودی اور ایک عرب مملکت کے قیام کی سفارش پیش کی، جس میں ملک کی ایک یہودی تہائی آبادی کو ملک کا بڑا اور زیادہ زرخیز حصہ دیا گیا۔ نیز ساحلی میدانوں کا مفید ترین حصہ اور تنہا عمدہ بندرگاہ دی گئی۔ اس طرح عرب مؤثر بحری مواصلات سے کٹ گئے، نیز ان کی آبادی کا نصف یعنی ۵ لاکھ عرب یہودی سلطنت میں چھوڑ دیئے گئے۔[3]

برطانیہ نے اس سکیم کی بحث میں حصہ نہ لیا اور غیر جانبداری کا رویہ اختیار کیا۔ آخر کار اقوام متحدہ

---

[1] THE ARABS P. 172

[2] THE ARABS P. 174

[3] THE ARABS P. 177

نے ۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء میں تقسیم فلسطین کی قرارداد منظور کر لی جس میں ممالک متحدہ امریکہ کا بڑا حصہ تھا۔ برطانوی حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ ۱۵ مئی ۱۹۴۸ء کو فلسطین پر اپنے انتداب کو ختم کر کے اپنی فوجیں بلائے گی، اقوام متحدہ نے اس انتداب کے ختم ہو جانے پر فلسطین میں امن برقرار رکھنے کا کوئی انتظام نہ کیا، یہودیوں کو یہ موقع مل گیا کہ وہ اپنی طاقت کے بل بوتے پر فلسطین میں اپنی حکومت قائم کر لیں۔

چنانچہ ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو انتداب کے ختم ہونے سے چند گھنٹے پہلے یہودیوں نے مملکت اسرائیل کے قیام کا اعلان کیا۔ اور صدر ٹرومین نے فوراً اس کو تسلیم کر لیا۔ ممالک متحدہ امریکہ کے قبول کرنے کے چند دنوں کے بعد سوویٹ یونین نے بھی اسرائیلی حکومت کو تسلیم کر لیا۔

# عیسائیت

## ؑ کی بعثت سے قبل یہودیوں کی مذہبی
## ر سیاسی حالت اور مسیحِ موعود کا انتظار

ہبی حالت :۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد سے قبل یہود عقائد کے لحاظ سے
ی جماعتوں میں بٹے ہوئے تھے۔
ایک جماعت صدوقی تھی۔ اس کا یہ عقیدہ تھا کہ انسان کے اعمالِ نیک و بد کی
زا اسی دنیا میں مل جاتی ہے۔ قیامت، آخرت میں جزاء و سزا، حشر و نشر سب
ہیں غلط اور بے بنیاد ہیں۔
دوسری جماعت فریسی کہلاتی تھی۔ اس جماعت کے لوگ قیامت، آخرت میں
زا و سزا، حشر و نشر وغیرہ کو حق سمجھتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے یہ
روری سمجھتے تھے کہ دنیا کی لذات سے کنارہ کشی اختیار کی جائے۔ چنانچہ وہ
بادیوں سے الگ خانقاہوں اور جھونپڑوں میں زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک وقت
یسا آیا جب کہ خانقاہیں اور جھونپڑیاں بدکاری کا اڈہ بن گئیں، وہاں ہر قسم کی بدکاری
ارتکاب کیا جانے لگا۔
تیسری جماعت کاہن کے نام سے موسوم تھی۔ یہ لوگ مذہبی رسوم اور خدمتِ ہیکل
مالاتے تھے۔ لیکن ان کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ انہوں نے مذہبی رسوم اور خدمت
یکل کو تجارتی کاروبار بنا لیا تھا۔ جب تک ہر ایک رسم اور خدمتِ ہیکل پیسہ
راتے وغیرہ نہ لے لیتے وہ کوئی قدم نہیں اٹھاتے تھے۔ تورات کے احکام میں
غراض نفسانی کی تکمیل کے لئے تحریف کرتے تھے۔ اپنی تصنیفات اور
تہادات کو کتاب الٰہی کا درجہ دیتے تھے۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں آتا ہے۔
شاد الٰہی ہے: يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ (مائدہ: ۵: ۴۱)
ہ الفاظ کو اپنی جگہ سے ہٹا دیتے تھے۔
فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ (بقرہ ۲: ۷۹)

پس ہلاکت ہو ان پر جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے تاکہ وہ اس سے دنیا کا معمولی فائدہ اٹھائیں تو ہلاکت ہے ان پر اس وجہ سے جو لکھتے ہیں اور ہلاکت ہے ان پر اس سبب سے جو وہ کماتے ہیں۔

۴۔ احبار اور فقیہہ۔ یہ لوگ مذہب کے اجارہ دار سمجھے جاتے تھے اور عوام میں زیادہ مقبول تھے۔ یہ جنت کے پروانے لکھ دیتے اور لوگوں سے اس کے معاوضہ میں بھاری رقوم وصول کرتے تھے۔ حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دیتے۔ اور عوام میں عقیدہ پیدا کر دیا تھا کہ حرام اور حلال کچھ نہیں مگر وہی جس کو وہ حلال یا حرام قرار دے قرآن مجید نے ان کو "بَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ" کہا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان مذہبی پیشواؤں کے متعلق یہ کہا ہے: تم خدا کے کو ترک کر کے آدمیوں کی روایت کو قائم رکھتے ہو۔ اور اس نے ان سے کہا: تم اپنی رو کو ملنے کے لیے خدا کے حکم کو کیا خوب باطل کرتے ہو"۔ (مرقس باب ۷ آیات متی نے بھی انجیل میں لکھا ہے: "یسوع نے جواب میں کہا کہ تم اپنی روایت سے کے حکم کو کیوں ٹال دیتے ہو۔۔۔۔۔ پس تم نے اپنی روایت سے خدا کا کلام باطل کر (متی باب ۱۵ آیات ۳، ۷)

دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا للبسانی) میں یہود سے متعلق جو مقالہ ہے اس تاریخی مواد سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح (علیہ السلام) کی بعثت سے یہود کے عقائد و اعمال کا یہ حال تھا کہ وہ مشرکانہ رسوم و عقائد کو جزو مذہب بنا چکے اور جھوٹ، فریب، بغض و حسد جیسی بداخلاقیوں کو تو عملاً اخلاق کریمانہ کی حیثیت رکھی تھی اور بجائے شرمسار ہونے کے وہ ان پر فخر کا اظہار کرتے تھے۔ اور احبار نے تو دنیا کے لالچ اور حرص میں کتاب اللہ (توراۃ) تک کو تحریف بغیر نہ چھوڑا اور درہم و دینار پر خدا کی آیات کو فروخت کر ڈالا۔ یعنی عوام سے نذر بھینٹ حاصل کرنے کی خاطر حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنلانے سے بھی دریغ نہیں اور اس طرح قانون الٰہی کو مسخ کر ڈالا۔

یہود کی اعتقادی اور عملی زندگی کا مختصر اور مکمل نقشہ ہم کو شعیاہ (علیہ السلام) زبانی خود تورات نے اس طرح دکھایا ہے:

"خداوند فرماتا ہے یہ امت (بنی اسرائیل) زبان سے تو میری عزت کرتی ہے اور بے فائدہ پرستش کرتے ہیں کیونکہ

---

لہ التوبۃ ۹: ۳۱

حکموں کو پیچھے ڈال کر آدمیوں کے حکموں کی تعلیم دیتے ہیں[1]

سیاسی زندگی:۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد سلطنت یہود پر زوال کے بادل چھانے شروع ہو گئے اور یہود تشتت و افتراق کا شکار بن گئے ۹۳۰ ق م میں فلسطین کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ شمالی سلطنت میں بنو اسرائیل کے دس قبیلے آباد تھے، اسکا نام سلطنت اسرائیل تھا۔ جنوبی سلطنت کو سلطنت جوڈیا کہتے تھے۔ اس میں بنو اسرائیل کے باقی دو قبیلوں کی اولاد تھی۔ اس کا دارالخلافہ یروشلم تھا۔ شمالی سلطنت کو اسیریا والوں نے ۷۲۲ برس ق م میں نیست و نابود کر دیا اور جنوبی کو بابل والوں نے ۵۸۶ ق م میں برباد کر کے ہیکل سلیمانی کو پیوند خاک کر دیا۔ ان مصائب کے دور میں یہود رو رو کر دعائیں مانگتے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد میں کوئی ایسا بادشاہ یعنی مسیحا پیدا ہو جو دشمنوں کو تباہی کے گڑھے میں اتار کر یہود کی عظمت کو دوبارہ قائم کرے[2]

جب یہود کی تمام امیدیں مایوسی میں بدل گئیں تو ایک دوسرا مترادف خیال تسکین کا باعث بنا۔ وہ یہ کہ "ابن آدم"، یعنی اسرائیل کے متفقہ اسباط کی پھر حکومت قائم ہو گی[3]

اسی زمانہ میں سکندر تمام ایشیا پر چھا گیا اور ایران میں آکر آتش کدوں کی آتش کو مجاریوں کے خون سے بجھا دیا۔ تو ہیکل سلیمانی کو جو بخت نصر کے بعد کیخسرو شاہ ایران کی اجازت سے از سر نو تعمیر ہوا تھا۔ انطیوکس پی فینس ملک شام کے یونانی بادشاہ نے پھر پیوند خاک کر دیا۔ مقدس صحیفوں کو جلا دیا اور یہودیوں کو مظالم کا تختہ مشق بنایا۔ سراتیلیوں میں از سر نو جوش پیدا ہوا اور یہوداہ مکابی کی قیادت میں یہ مظالم اور مصائب کا دور ختم ہوا اور یونانیوں کو شکست دی۔ ۱۶۷ برس ق م میں یہوداہ نے بیت المقدس از سر نو تعمیر کیا۔ تورات کو مرتب کیا۔ دانیال اسی عہد میں لکھی گئی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں یہوداہ مکابی کے جانشینوں نے رعایا پر ظلم و تشدد کرنا شروع کر دیا۔

چونکہ مکابی حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل سے نہ تھے اس لئے یہود پھر ایسے مسیحا کا انتظار کرنے لگے جو ان کی کھوئی ہوئی جاہ و حشمت کو قائم کرے۔ اسی زمانہ میں (۶۳ ق م) رومی نے بیت المقدس کو فتح کر لیا اور مکابی کا دور بھی ختم ہو گیا۔ یہود پھر غیر قوم

---

[1] قصص القرآن حصہ چہارم مصنفہ مولانا محمد حفیظ الرحمان سیوہاروی ص ۴۹۔

[2] کتاب یسعیاہ باب ۹ آیت ۶۔ یرمیاہ باب ۱۲ آیت ۵۔ حزقیل باب ۳۴۔

[3] دانیال باب ہفتم آیات ۱۳ الغایت ۲۷۔

کی غلامی کی زنجیر میں جکڑ گئے۔ ایسے پُرآشوب زمانہ میں یہود مسیح کے آنے کا شدت سے انتظار کرنے لگے عیسیٰ علیہ السلام یہود کی اس مذہبی اور سیاسی ابتر حالت میں پیدا ہوئے۔

## حضرت عیسیٰؑ کے حالاتِ زندگی اور تعلیمات

کتب سابقہ میں حضرت عیسیٰؑ کے متعلق بشارات:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے متعلق متعدد انبیاء علیہم السلام نے پیشگوئیاں کی ہوئی تھی۔ ان بشارات کی وجہ سے یہود اس مسیح کے شدید منتظر تھے کہ وہ آکر ان کی کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ لوٹائے گا اور ان کے ایمان کی خشک کھیتی کو آب عرفان سے سرسبز کرے گا۔ چنانچہ تورات استثناء میں ہے:

"اور اس موسیٰ نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور شعیر (ساعیر) سے ان پر طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑوں سے جلوہ گر ہوا"[1]

اس پیش گوئی میں سینا سے خدا کی آمد سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ہے۔ شعیر سے طلوع ہونا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی جانب اشارہ کرتا ہے، کیونکہ ان کی پیدائش اسی پہاڑ کے ایک مقام بیت اللحم میں ہوئی۔ فاران کے پہاڑوں سے جلوہ گر ہونا "بعثت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم" کا اعلان ہے۔

حضرت یسعیاہ نبی علیہ السلام کے صحیفہ میں ہے:

"دیکھ میں اپنا پیغمبر تیرے آگے بھیجتا ہوں جو تیری راہ تیار کرے گا۔ بیابان میں پکارنے والے کی آواز آتی ہے کہ خداوند کی راہ تیار کرو، اس کے راستے سیدھے بناؤ"[2]

اس پیش گوئی میں پیغمبر سے مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اور بیابان میں پکارنے والے حضرت یحییٰ علیہ السلام ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے قبل یہود کو ان کی بعثت کا مژدہ سناتے تھے۔

یوحنا کی انجیل میں ہے:

"اور یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے

---

[1] باب ۳۳ آیت ۲۰۔
[2] باب ۴۰ آیات ۸-۳۔

کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کے لئے اس (یحییٰ علیہ السلام) کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے؟ تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا۔ بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیا ہے؟ اُس نے کہا میں نہیں ہوں۔ کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ پس انہوں نے اس سے کہا پھر تو ہے کون؟ تاکہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جواب دیں کہ تو اپنے حق میں کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا میں جیسا کہ یشعیاہ نبی نے کہا ہے بیابان میں پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ سیدھی کرو"۔[1]

مرقس اور لوقا کی انجیلوں میں ہے:

"وہ لوگ منتظر تھے اور سب اپنے دل میں یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) کی بابت سوچتے تھے کہ آیا وہ مسیح تھے یا نہیں۔ تو یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) نے ان سب کے جواب میں کہا میں تمہیں بپتسمہ دیتا ہوں۔ مگر جو مجھ سے زور آور ہے وہ آنے والا ہے۔ میں اس کی جوتی کا تسمہ کھولنے کے لائق نہیں، وہ تمہیں روح القدس سے بپتسمہ دے گا"۔[2]

ان پیشگوئیوں اور بشارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہود چند ایک عظیم المرتبت اور اولو العزم پیغمبروں کی بعثت کے منتظر تھے، ان میں سے ایک حضرت مسیح علیہ السلام تھے۔

حالات زندگی بیان کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ان مصادر کا تنقیدی جائزہ لیا جائے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات طیبہ پر روشنی ڈالتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح عمری کے مصادر اناجیل اربعہ ہیں۔

اناجیل کے متعلق آج تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کے مصنف کون کون تھے؟ کیونکہ ہر انجیل کے عنوان پر "بقول متی"، یا "حسب بیان متی"، درج ہے اور "مصنفہ متی"، کہیں نہیں لکھا گیا۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ تیسری انجیل واقعی لوقا کی لکھی ہوئی ہے۔ لیکن خود لوقا کا بیان یہ ہے۔ "میں ان بیانات کا عینی شاہد نہیں ہوں، بلکہ جس طرح مجھ سے قبل اور بہت سے آدمیوں نے یسوع کے

---

[1] باب ۱ آیات ۲۲ - ۹۔

[2] لوقا باب ۲ آیات ۱۶ - ۱۵۔

حالات قلمبند کیے ہیں اسی طرح میں بھی کہتا ہوں۔"

علماء مسیحیت نے یہ اقرار کرنا شروع کر دیا ہے کہ عیسائیت کے ابتدائی دور میں ہی جعلی انجیلیں دوسرے ناموں پر شائع ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ چنانچہ رومن تواریخ کلیسا مطبوعہ مرزا پور ۱۸۵۶ء صفحہ ۹۰ پر لکھا ہے:

"بہت سی مسیحی کتابیں خود لکھ کر کسی حواری مسیح یا حواری مسیح کے کسی خادم یا کسی بڑے اسقف کے نام سے مشہور کر دیتے تھے۔ ایسی جعلی کارروائیاں تیسری صدی عیسوی سے شروع ہوئیں اور کئی برس تک جاری رہیں۔ یہ نہایت ہی خلاف حق اور قابل شرم حرکت تھی۔"

پادری موشیم اپنی تاریخ کلیسا مطبوعہ ۱۸۶۰ء جلد دوم باب دوم صفحہ ۳۶ پر رقمطراز ہے:

"متعدد وجوہ ایسے تھے جن کے باعث ضرورت محسوس ہوئی کہ پہلی صدی میں تمام مروجہ انجیلوں کو ایک نسخہ میں جمع کر دیا جائے۔ دنیا میں بہت سی ایسی تحریریں پھیل گئی تھیں جن پر پاک پیغمبروں کے نام بطور مصنفین درج کر دیئے گئے تھے اس قسم کے غیر یقینی مصادر پر کلی طور پر اعتماد کر کے کسی شخصیت کی صحیح سوانحعمری نہیں لکھی جا سکتی۔"

اسی طرح اگر ان روایات کا تنقیدی جائزہ لیا جائے جن میں حضرت مسیح علیہ السلام کی سوانح عمری بیان ہوئی ہے تو وہ بھی متضاد امور کا پلندہ معلوم ہوتی ہیں۔ کنواری کے پیٹ سے پیدا ہونا اور مر کر دوبارہ زندہ ہونا حضرت مسیح علیہ السلام کی سوانح عمری کے خاص دو واقع ہیں۔ لیکن ان دونوں باتوں کے متعلق جو روایات اور شہادتیں اناجیل میں موجود ہیں ان میں شدید اختلاف ہے۔

کنواری کے حاملہ ہونے کا ذکر صرف متی اور لوقا میں موجود ہے مرقس میں نہیں ہے۔ مزید برآں متی اور لوقا نے مسیح کو کنواری کا بیٹا بنانے کے باوجود اس کا شجرہ نسب بھی درج کیا ہے۔

وفات اور احیاء ثانیہ سے متعلق انجیل مرقس اور انجیل متی میں اختلاف ہے۔

**مسیحؑ کی ہستی سے انکار:۔** انجیل کی تاریخی کمزوری اور متضاد بیانات کی وجہ سے بعض محققین نے حضرت مسیح علیہ السلام کی ہستی سے انکار کر دیا ہے۔ چنانچہ ایک فرانسیسی محقق ڈوپوا ے (DUPUIS) نے اپنی تصنیف ابتداء مذہب

(ORIGIN OF CULTS) میں لکھا ہے کہ "دُنیا میں جتنے مذہب پیدا
ئے ان سب کی بنیاد علم ہیئت کے قصّوں پر ہے، جن میں سورج اور آسمانی
شاہت کو بہت اہمیت دی جاتی تھی۔ اور اس کے ساتھ کسی نہ کسی دیو کا مرکز زندہ
ا بھی دکھایا جاتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب فصل خزاں آتی ہے تو آفتاب کو
ال ہوتا ہے اور اس کی حرارت بھی کم ہو جاتی ہے۔ اس حالت کو قدیم لوگوں نے
رج دیوتا کے مرنے سے تعبیر کیا۔ پھر جب فصل بہار آتی ہے تو آفتاب مائل بہ
ج ہوتا ہے اور اس کو سورج دیوتا کا احیاء ثانیہ سمجھا گیا۔ گویا "مرنا" اور دوبارہ
ہ ہونا" متداخل فصلین سے عبارت ہے"۔ پروفیسر مذکور نے بحث کرتے ہوئے
یں لکھا ہے کہ یسوع ناصری کا وجود فی الخارج تھا ہی نہیں، بلکہ اس سے مراد حرف
فتاب ہے جو دوشیزہ بہار (کنواری مریم) کے بطن سے پیدا ہوتا ہے۔ فصل
ں کا پلاطس (روحی گورنر) اسے گرفتار کر کے مصلوب کر دیتا ہے (یعنی سردیوں
سم آجاتا ہے اور تمام عالم ٹھٹھر کر بے جان ہو جاتا ہے) اور پھر وہ کچھ دنوں کے
مائل بہ عروج ہوتا ہے جسے احیاء ثانیہ سمجھنا چاہیئے۔

۱۸۳۵ء میں جرمنی کے ایک مشہور مذہبی عالم ڈاکٹر اسٹرس (STRASS) نے
کتاب سیرۃ المسیح (LIFE OF JESUS) میں یہ ثابت کیا ہے کہ اناجیل میں جو
یخ یسوع کے درج ہیں وہ تمام تر اصنام پرستوں کے مذہبی خرافات سے ماخوذ
ں۔ تولین (TULANE) یونیورسٹی کے پروفیسر ڈیلوی اسمتھ نے بھی اپنی کتاب
(ECOEDEUS) میں مسیح کی تاریخی حیثیت سے انکار کیا ہے۔ اسی طرح جرمن
فیسر ڈریوز (DREWS) فرانسیسی ڈاکٹر کوچو COUCHOW پراسپر الفاریق
VITTORIS MACHIORO) وٹوریس ماشیورو (PROSPER ALFARIC
ثیرہ محققین نے یسوع مسیح کی ہستی کو محض ایک فرضی ہستی قرار دیا ہے۔

## حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات زندگی

حضرت مسیح کی پیدائش کا زمانہ، ابتدائی عمر، تبلیغ اور مصلوب کئے جانے
صحیح اور مستند واقعات کا علم نہ تو یہودیوں کی کتب سے ہوتا ہے اور نہ ہی اس
انہ کی بت پرست اقوام کے نوشتے اس پر روشنی ڈالتے ہیں مشہور مورخ
یرر (FARRAR) اپنی کتاب لائف آف کرائسٹ (LIFE OF CHRIST)

میں یہودی مورخ جوزیفس[1] (JOSEPHUS) کے متعلق لکھتا ہے۔
"جوزیفس ایک منکر دین اور چاپلوس قسم کا آدمی تھا۔ اس نے حضرت مسیح متعلق کوئی ذکر نہیں کیا۔ اس کا عیسائیت کے متعلق جان بوجھ کر چپ رہنا ایماندا سے بہت بعید ہے۔ اس لئے حضرت مسیح کی زندگی کے حالات کے لئے ہمیں مجبو کی مذہبی کتابوں انجیلوں، اعمال ناموں اور خطوط پر انحصار کرنا پڑتا ہے اس سلسلہ میں پولوس کے خطوط (جو کہ عہد نامہ جدید کا حصّہ ہیں) عیسائیت کے ابتدائی حالات پر را ڈالتے ہیں۔

تاریخ ولادت:۔ کینن فیرر نے اپنی کتاب "حیات مسیح" میں اس امر کو تسلیم کیا ہے کی تاریخ ولادت کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ انجیل سے صرف یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس رات گڈریے بھیڑوں کو لئے ہوئے بیت اللحم کے کھیتوں میں موجود تھے، لیکن انسائیکلوپیڈ برٹانیکا میں کرسمس ڈے کے آرٹیکل پر لکھنے والے نے اس پر ایک نہایت عمدہ تن کی ہے، وہ لکھتا ہے کہ دسمبر کا مہینہ تو ملک یہودیہ میں سخت بارش کا مہینہ ہے اُن دا میں کسطرح بھیڑیں یا گڈریے کھلے آسمان تلے رہ سکتے ہیں۔ اس کے مقابل چار صدا تک ۲۵ دسمبر تاریخ ولادت مسیح نہیں سمجھی جاتی تھی ۳۵۳ء میں سینٹیا کا ایک راہب ڈا ایکیٹس نام جو منجم بھی تھا تاریخ ولادت مسیح کی تحقیق اور تعیّن کے لئے مقرر ہوا۔ نے حضرت مسیح کی تاریخ ولادت ۲۵ دسمبر مقرر کی۔ کیونکہ مسیح سے پانچ چھ صدی قبل ایک مقدس تاریخ تھی۔ یہ سے سورج دیوتا اسی تاریخ پر یا اس کے ایک دو دن پیدا ہوتا تسلیم کئے جا چکے تھے۔ سورج کی پرست اقوام میں عیسائیت مقبول بنانے کے لئے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تاریخ ولادت ۲۵ دسمبر مقرر کر قرآن مجید کی سورت مریم پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت مریم کو دردِ زہ تکلیف ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت کی کہ کھجور کے تنے کو ہلا تاکہ ان پر تازہ کھجوریں گریں اور وہ اس کو کھائیں اور چشمہ کا پانی پی کر طاقت حاصل کر سکیں۔ اب میں موسم گرما کے وسط یعنی جولائی، اگست میں ہی کھجوریں ہوتی ہیں۔ اس سے بھی یہ

[1] شروع عیسوی کا ایک مشہور مورخ تھا جس کی کتاب TORY OF THE JEWISH WAR AND ANTIQUI-TIES OF THE JEWS) نے بائبل کی تاریخ کے متعلق کافی مواد بہم پہنچایا ہے۔

واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت مسیح کی ولادت جولائی یا اگست کے کسی دن میں ہوئی تھی۔ اور ۲۵ دسمبر کی تاریخ غلط ہے۔

متی کی انجیل کے مطابق احتیاط سے حساب لگایا جائے تو حضرت مسیح کی پیدائش کا زمانہ ۷ اور ۶ ق۔م کے درمیان ہے۔

عیسائیوں کے اعتقاد کے مطابق جناب یسوع کا ایک نام عمانوایل (خدا ہمارے ساتھ ہے) ہے۔ جس کا ذکر یسعیاہ نبی کی پیشین گوئی میں ہے۔ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور اس کا نام عمانوایل (یعنی خدا ہمارے ساتھ) رکھا جائے گا" (یسعیاہ ۷: ۱۴) عہدنامہ جدید سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ کا نام عمانوایل رکھا گیا۔ یسعیاہ نے عمانوایل کا دوسرا نام مہیر شالال حاشس بز بتایا ہے۔ اناجیل سے یہ نام بھی کہیں مذکور نہیں۔ آپ کا نام یشوعا (ارامی زبان میں یسوع عربی میں عیسیٰ) تھا۔ یسوع کے معنی سید اور مبارک ہیں۔ دوسرا نام مسیح ہے جو مسح سے مشتق ہے۔ مسح کے معنی کسی چیز پر ہاتھ پھیرنا اور اس سے اثر دور کرنا ہے (راغب)

سیر بمعنی چلنے کو بھی مسح کہتے ہیں۔ قیل سمی عیسی علیہ السلام مسیحا کونہ ماسحاً فی الارض ای ذاھبا فیھا یعنی حضرت علیہ السلام کا نام مسیح اس لئے رکھا گیا کہ وہ زمین میں چلنے والے یا سیاحت کرنے والے تھے۔

اناجیل میں نذارین کے نام سے بھی پکارا گیا ہے۔ بعض مفسرین نے یہ فرض کر لیا ہے کہ یسوع کو نذارین اس لئے پکارا کہ آپ ناصرہ (ناصرہ بستی) کے باشندے تھے۔

اگر اناجیل کا بنظر تعمق مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ نذارین کا لفظ تین مختلف صورتوں میں ملتا ہے۔ یعنی نذارینیاس، نذارائوس، نذارینوس۔ یہ تمام الفاظ ہم معنی اور مرادف ہیں۔ ان الفاظ میں سے کوئی لفظ بھی نذار تھ سے ماخوذ نہیں۔

اناجیل میں یہ لفظ مقدس ہستی کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔

انجیل مرقس میں آتا ہے: "اے نذارتھی یسوع! ہمیں آپ سے کیا واسطہ؟ کیا ہمیں برباد کرنے آئے ہیں؟ میں جانتا ہوں کہ آپ کون ہیں؟ خدا کے مقدس"۔ (مرقس ۱: ۲۴) یوحنا میں پطرس یسوع سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:

"ہم ایمان رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ آپ خدا کے مقدس ہیں" (یوحنا: ۶۹)

انجیل لوقا میں ہے:

"جو ذات آپ کے ہاں پیدا ہوگی وہ مقدس کہلائے گی" (لوقا ۱: ۳۵)
انسائیکلوپیڈیا ببلیکا کے مولفوں کا کہنا ہے "پس نذارین کے لفظ نے جناب مسیح کے کسی لقب کی جگہ لے لی ہوگی۔ اس کا صحیح تلفظ نذیر یعنی مقدس ہوگا، جو مسیح کا لقب ہے" (کالم: ۳۳۶۰)

پروفیسر ایل سالوٹیوریلی نے بھی اپنی کتاب "IT SIGNIFICANTS DE NAZARENG" میں یہ رائے دی ہے کہ مسیح موعود کا لقب نذیر بھی ہے۔

پس آپ کا ذاتی نام یشوعا یا یسوع علیلی تھا۔ مسیح آپ کا وصفی نام تھا اور نذارین آپ کا لقب تھا۔ ابن مریم کنیت تھی۔

جائے پیدائش:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش کے بارے میں اختلاف ہے، متی کی انجیل میں بیت اللحم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش بتایا ہے لوقا (۴: ۱۶) میں لکھا ہے کہ یسوع کا اپنا شہر ناصرہ (NAZARETHN) تھا جہاں وہ پیدا ہوا اور پرورش پائی۔ بائبل کی انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ مسیح بیت اللحم جوڈا میں نہیں بلکہ ناصرہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۰۲۳۶۱

اصل حقیقت یہ ہے کہ گلیلی (GALILEE) کے علاقہ میں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جس کا یہودی کتب میں نام بیتھلیہن الناصرہ (BETHLEHEN—EN—NOSIRYYAH) لکھا ہے یہ گاؤں ناصرہ (NAZARETH) سے سات میل شمال مغرب کی جانب واقع تھا۔ اس گاؤں میں حضرت مریم اور ان کی بہن کا آبائی مکان تھا۔ جب حضرت مریم حاملہ ہوئیں تو وہ بیت اللحم کے قصبہ سے آکر اس مکان میں اپنی بہن کے پاس آگئیں تاکہ پہلوٹھی کا بچہ جن سکیں۔ (یوحنا ۱: ۶، ۷: ۴۰ تا ۴۳ اور ۵۲)

ولادت مبارک:۔ آپ کی پیدائش کے بارہ میں عیسائیوں کے قدیم فرقوں میں بھی بعض فرقے اختلاف رکھتے ہیں۔ بعض کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کنواری مریم کے بطن سے پیدا نہیں ہوئے، بلکہ ان کے باپ کا نام یوسف نجار تھا۔ اپنے اس دعویٰ کی دلیل کی بنیاد انجیل پر رکھتے ہیں۔

انجیل میں لکھا ہے "اس کی ماں نے اس سے کہا بیٹا! تو نے ہم سے ایسا کیوں کیا؟ دیکھ تیرا باپ اور میں کڑھتے ہوئے تجھے ڈھونڈتے ہیں۔ اس نے ان سے کہا: تم مجھے کیوں ڈھونڈتے تھے؟ کیا تم کو معلوم نہیں تھا کہ مجھے اپنے باپ کے ہاں ہونا ضروری ہے۔ مگر جو بات اس نے ان سے کہی وہ نہ سمجھے"۔
(لوقا باب ۲ آیات ۴۸ تا ۵۰)

"یسوع کے ماں باپ عید فسح پر یروشلم کو جایا کرتے تھے ۔۔۔ جب وہ لوٹے تو یسوع یروشلم میں رہ گیا اور ان کے ماں باپ کو خبر نہ ہوئی" (لوقا باب ۲ آیات ۴۱ تا ۴۳)

"جب یسوع خود تعلیم دینے لگا قریباً تیس برس کا تھا اور (جیسا کہ سمجھا جاتا تھا) یوسف کا بیٹا تھا" (لوقا باب ۳ آیت ۲۳)

"لوگ کہنے لگے کیا یہ بڑھئی کا بیٹا نہیں اور اس کی ماں کا نام مریم اور اس کے بھائی یعقوب اور یوسف اور شمعون اور یہوداہ نہیں، اور اس کی سب بہنیں ہمارے ہاں نہیں؟ پھر یہ سب کچھ اس میں کہاں سے آیا؟ اور انہوں نے اس کے سبب سے ٹھوکر کھائی۔ مگر یسوع نے ان سے کہا کہ نبی اپنے وطن اور اپنے گھر کے سوا کہیں بے عزت نہیں ہوتا" (متی باب ۱۳ آیات ۵۵، ۵۷)

"اور یعقوب سے یوسف پیدا ہوا جو یوسف جو مریم کا شوہر تھا یسوع پیدا ہوا جو مسیح کہلاتا تھا" (متی باب ۱ آیت ۱۶)

جمہور مسلمانوں اور عیسائیوں کا مروجہ اور مقبولہ عقیدہ یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت اعجازی رنگ میں بن باپ ہوئی۔

**ختنہ اور نام:** ۔ جب حضرت یسوع آٹھ دن کے ہوئے تو ان کا ختنہ ہوا۔ کتاب مقدس میں لکھا ہے:

"جب آٹھ دن پورے ہوئے اور یسوع کے ختنہ کا وقت آیا تو اس کا نام یسوع رکھا گیا ۔۔۔۔ پھر جب موسیٰ کی شریعت کے موافق ان کے پاک ہونے کے دن پورے ہو گئے تو وہ اس کو یروشلم میں لائے تاکہ خداوند کے آگے حاضر کریں (جیسا خداوند کی شریعت میں لکھا ہے کہ ہر ایک پلوٹھا خداوند کے لئے ٹھہرے گا)"[1]

**یروشلم جانا:** ۔ اناجیل اور مستند تواریخ سے بچپن کے حالات کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ جب بارہ سال کی عمر ہوئی تو ان کے والدین یروشلم لے جاتے ہیں۔ لکھا ہے:

"یسوع کے ماں باپ ہر برس فسح پر یروشلم کو جایا کرتے تھے۔ اور جب وہ بارہ برس کا ہوا تو عید کے دستور کے موافق یروشلم کو گئے۔ جب وہ ان دنوں کو پورا کر کے لوٹے تو یسوع یروشلم رہ گیا"[2]

---

[1] ۔ لوقا باب ۲ آیات ۲۱ تا ۲۴ ۔

[2] ۔ لوقا باب ۲ آیات ۴۱ تا ۴۳ ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جوانی کے حالات گوشۂ ظلمت میں ہیں۔ بعض مصنفین نے جوانی کے زمانہ کے بعض مضحکہ خیز اور عجیب وغریب افسانے وضع کئے ہیں، جنکی کوئی تاریخی سند نہیں۔ بعض حقیقت پسند مورخین کو بھی اس امر کا اعتراف ہے۔ چنانچہ موشیم ایک بڑا مسیحی مورخ ہے، وہ اپنی کتاب "تاریخ کلیسا" میں لکھتا ہے

"آپ کی بقایا زندگی بالکل نجی حیثیت سے گوشۂ ظلمت میں گزری، حتیٰ کہ آپ کی عمر تیس سال کی ہو گئی"۔

اس کے بعد یہی مورخ لکھتا ہے:

"بہت سے مصنفین نے اپنے تصورات کی دنیا میں مست یا عام لوگوں کی توجہات کو مرکوز کرنے کے لئے ہمارے نبی کی زندگی کے گمنام گوشے کے متعلق عجیب وغریب مضحکہ خیز افسانے وضع کر رکھے ہیں"۔

کتاب مقدس سے صرف یہ علم ہوتا ہے کہ آپ نے والدین بہن بھائیوں کا پیٹ پالنے کے لئے بڑھئی کا کام شروع کر دیا تھا۔ انجیل میں لکھا ہے:

"جب سبت کا دن آیا تو یسوع عبادت خانہ میں تعلیم دینے لگا اور بہت لوگ حیران ہوتے اور کہنے لگے کہ یہ باتیں اس میں کہاں سے آگئیں۔ اور یہ کیا حکمت ہے جو اسے بخشی گئی۔ اور کیسے معجزے اس کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے ہیں۔ کیا یہ وہی بڑھئی نہیں جو مریم کا بیٹا اور یعقوب اور یوسیس اور یہوداہ اور شمعون کا بھائی ہے۔ اور کیا اس کی بہنیں یہاں ہمارے پاس نہیں۔ پس انہوں نے اس کے سبب سے ٹھوکر کھائی۔ یسوع نے ان سے کہا: نبی اپنے وطن اور رشتہ داروں اور اپنے گھر کے سوا اور کہیں بے عزت نہیں ہوتا"۔[1]

تبلیغی کام:۔ جب حضرت مسیح علیہ السلام تیس سال کے ہوتے تو انہوں نے یوحنا سے بپتسمہ لیا۔ یوحنا ایک نبی اور یسوع کے رشتہ کا بھائی تھا، جو لوگوں کی اخلاقی پستی اور مذہبی بے راہ روی کی وجہ سے ہر وقت متفکر رہتا تھا اور ان کو گناہوں کی زندگی ترک کر کے نیک اور پاکیزہ زندگی اختیار کرنے کی تلقین کرتا تھا اور گناہوں کی معافی کے لئے توبہ کے بپتسمے کی ترغیب دیتا تھا۔ جب یسوع یوحنا سے بپتسمہ لے چکا تو اناجیل کے بیان کے مطابق آسمان کھل گیا اور روح القدس کبوتر کی شکل

---

[1] مرقس باب ۶ آیات ۲ تا ۴۔

میں اس پر آ ٹھہرا اور آسمان سے یہ آواز آئی "یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں"۔
تبلیغ شروع کرنے سے پیشتر یسوع بیابان میں عبادت اور روزے رکھنے کے لئے تنہا رہتا تھا۔ وہاں جیسے مہاتما بدھ اس سے چھ سو برس پہلے آزمایا گیا تھا وہ بھی ابلیس سے آزمایا گیا۔ ابلیس نے دوسری آزمائشوں کے علاوہ اسے دنیا کی ساری حکومتیں دکھائیں اور کہا اگر تو میرے قدموں پر گر کر مجھے سجدہ کرے تو یہ سب اور انکی ساری شان و شوکت تجھے بخش دوں گا۔ یسوع نے کہا اے شیطان دور ہو، کیونکہ کلام میں لکھا ہے تو خداوند اپنے خدا ہی کو سجدہ کر اور اسی کی پرستش کر۔ (متی)
حضرت مسیح علیہ السلام خدا سے لوگوں کی اصلاح کا حکم پاکر میدان عمل میں اُتر آئے۔ لوگوں کو محبت اور اخوت کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا۔
عید فسح کے تہوار میں شامل ہونے کے لئے یروشلم گئے۔ وہاں کیا دیکھتے ہیں کہ بیت المقدس میں صراف چوکیاں بچھائے روپیہ کا لین دین کر رہے تھے کبوتر اور مویشی بیچنے والوں کا اژدہام تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے غضب ناک ہو کر جانوروں کو اللہ کے گھر سے باہر نکال دیا اور تاجروں کو ڈانٹ کے کہا کہ یہاں سے سب چلے جائیں۔
اس واقعہ سے کاہن اور فریسی ناراض ہو گئے۔ جب آپ ۳۲ سال کے ہوئے تو پھر عید فسح میں شرکت کے لئے گئے تو وہی منظر دیکھا جو تین سال قبل دیکھا تھا۔ تو آپ نے وہی کہا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔
حضرت مسیح علیہ السلام نے پیغام خداوندی کو اسرائیل کے بارہ قبیلوں تک پہنچانے کے لئے بارہ رسول مقرر کئے۔ پانچ سال تک وہ خدا اور انسان کی محبت کی انجیل کی اشاعت کرتے رہے۔ حضرت مسیح کی تعلیم کا نچوڑ اس کے پہاڑی کے وعظ میں ہے۔
یہود کی مخالفت اور اس کی وجوہات :۔ عیسیٰ علیہ السلام نے خدا کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے شہر شہر، اور گاؤں گاؤں، قریہ قریہ گھومنا شروع کر دیا۔ تو انکے محبت بھرے پیغام میں یہود کے علماء کو اپنی موت نظر آنے لگی اور انہوں نے یسوع مسیح کو ناکام بنانے کے لئے مخالفت شروع کر دی انجیل کی رو سے مخالفت کی حسب ذیل وجوہ ہیں۔
۱۔ حضرت عیسیٰ کی سخت کلامی :۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہود کو سخت

اور درشت کلام سے مخاطب کیا، جس وجہ سے ان کی آتشِ غضب بھڑک اٹھی۔ آپ نے فرمایا: "اے ریاکار فقیہو اور فریسیو!..... تم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہو۔ اے سانپو! اے افعی کے بچو! تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے"۔[1]

سبت کی بے حرمتی: یہود یسوع کی اس بات پر معترض تھے کہ وہ سبت کی حرمت نہیں رکھتے۔ اس پر یسوع نے کہا: سبت ابن آدم کے لئے ہے نہ کہ ابن آدم سبت کے لئے"۔[2]

۳۔ ظاہری طہارت سے پرہیز:۔ یہود کو یہ بھی اعتراض تھا کہ "یسوع کے شاگرد بغیر ہاتھ دھوئے کھانا کھانے لگ جاتے ہیں"۔[3]

یسوع نے نہایت ہی پُرحکمت جواب دیا کہ "اصل پاکیزگی دل کی ہوتی ہے۔ ظاہری عبادت کی کوئی قیمت نہیں (۱۵: ۱۰، ۱۱)

۴۔ یروشلم کی تباہی کے لئے بددعائیں:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یروشلم کی تباہی کے لئے بددعائیں کیں۔ یہودیوں کا یہ مقدس شہر تھا، اس کی تباہی کی بددعا کو کبھی برداشت نہ کر سکتے تھے اور وہ ان کے دشمن بن گئے۔ کتاب مقدس میں ہے:

"پھر جب تم یروشلم کو فوجوں سے گھرا ہوا دیکھو تو جان لینا کہ اس کا اُجڑ جانا نزدیک ہے۔..... ملک میں بڑی مصیبت اور اس قوم پر غضب ہوگا اور وہ تلوار کا لقمہ ہو جائیں گے اور اسیر ہو کر سب قوموں میں پہنچائے جائیں گے اور جب تک غیر قوموں کی میعاد پوری نہ ہو یروشلم غیر قوموں سے پامال ہوتا رہے گی"۔[4]

۵۔ خدا کا بیٹا کہلانے کا الزام:۔ یہود کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر سب سے بڑا الزام یہ تھا کہ یسوع اپنے تئیں خدا کا بیٹا کہلاتا ہے۔ اور یہ کلمہ کفر ہے۔ اس وجہ سے بہت برہم تھے۔ (متی باب ۹ آیت ۳ باب ۲۶ آیت ۶۵۔ مرقس باب ۲ آیت ۷۔ لوقا باب ۵ آیت ۲۱ اور یوحنا باب ۱۰ آیت ۲۲)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس الزام کا جواب دیا کہ سب الفاظ استعارہ اور مجاز ہیں اور حقیقت پر مبنی نہیں۔ لیکن یہودیوں نے اس تاویل کو قبول نہ کیا۔

---

[1] متی باب ۲۳: ۲۹-۳۳ [2] مرقس ۲: ۲۷ [3] مرقس ۷، ۵،

[4] لوقا ۲۱: ۲۰ تا ۲۴۔ متی ۲۳: ۳۸ اور ۲۴: ۲ میں ہیکل کی تباہی کی پیش گوئی صاف الفاظ میں ہے۔

۶۔ نئی حکومت قائم کرنے کا الزام :۔ یہود نے یہ پراپیگنڈہ شروع کر دیا کہ یسوع داؤد کے تخت کا وارث ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس وجہ سے وہ رومی حکومت کے اندر ایک ایسی حکومت قائم کرے گا جو رومی حکومت کا تختہ الٹ دے گی۔

۷۔ اخوت اور مساوات کی تعلیم کی اشاعت :۔ فریسی غیر یہودیوں اور غریب اور نچلے طبقہ کے لوگوں سے میل جول رکھنے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیغام ہی مودت اور اخوت کا تھا۔ اس وجہ سے فریسی عیسیٰ علیہ السلام کے شدید مخالف ہو گئے۔ پیغام اخوت و مودت حکمران طبقہ کے لئے بھی ناخوش گوار تھا۔

مخالفت کا نتیجہ :۔ یہود نے خدا کا بیٹا کہلانے اور نئی حکومت قائم کرنے کے متعلق خوب پروپیگنڈا کیا اور حکومت کو یسوع کے خلاف اکسایا اور کہا کہ ایک تو یہ شخص اپنے تئیں خدا اور خدا کا بیٹا کہلاتا ہے اور دوسرا اپنی ایک نئی حکومت قائم کر کے رومی حکومت کا تختہ الٹنا چاہتا ہے۔ فریسیوں اور احبار کے اغراء پر گورنمنٹ نے یسوع مسیح کو گرفتار کر لیا، اور اس پر دو فرد جرم عائد کئے: ایک تو وہ خدا اور اور اس کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، دوم حکومت کا تختہ الٹنا چاہتا ہے۔ صفائی دینے کے لئے یسوع مسیح کو پلاطوس کی کچہری میں بطور ملزم پیش کیا گیا۔ تو یسوع مسیح نے پہلے الزام کا یہ جواب دیا کہ خدا کا بیٹا کہلانا مجازی کلمات ہیں، کیونکہ تورات میں علماء کو خدا تک کے الفاظ سے پکارا گیا ہے چنانچہ لکھا ہے۔

"تم خدا ہو اور تم سب خدا تعالیٰ کے بیٹے ہو"۔[1]

دوسرے الزام کا یہ جواب دیا کہ میرا مقصد دنیا کی حکومت قائم کرنے کا نہیں، بلکہ آسمانی حکومت قائم کرنے آیا ہوں۔

یسوع مسیح کو صلیب پر لٹکانے کے بارہ میں اختلاف :۔ یسوع مسیح کو صلیب پر لٹکائے جانے کے بارہ میں یہود، عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان شدید اختلاف ہے۔ یہود کہتے ہیں کہ پلاطوس کے حکم کے تحت یسوع مسیح صلیب پر لٹکا دیئے گئے۔ موسوی شریعت کی رو سے وہ لعنتی ثابت ہوئے (نعوذ باللہ) کیونکہ موسوی شریعت میں یہ لکھا ہے کہ جو صلیب پر چڑھایا جائے وہ لعنتی موت مرتا ہے۔ استثناء باب ۲۱ آیت ۲۲ میں لکھا ہے یہ "جسے پھانسی ملتی ہے وہ خدا کی طرف سے ملعون ہے"۔

[1] زبور باب ۸۲ آیت ۶

عیسائی کہتے ہیں کہ یسوع مسیح کو صلیب پر چڑھایا گیا اور صلیب پر ہی انہوں نے جان دی۔ دفن کے تیسرے دن بعد زندہ ہوئے اور آسمان پر چڑھ گئے، اور اب وہ اپنے باپ کے دائیں طرف بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور ان کی صلیبی موت ہمارے گناہ کا کفارہ ہے۔

گلتیوں باب ۳ آیت ۱۳ میں لکھا ہے:

"مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے بچایا، کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے"۔

یوحنا باب ۱۹ آیت ۱۶، ۱۷ میں لکھا ہے:-

"پلاطوس نے یسوع کو ان کے حوالہ کیا کہ مصلوب کیا جائے۔۔۔۔۔۔ یسوع اپنی صلیب آپ اٹھائے ہوئے اس جگہ تک باہر گیا۔۔۔۔ وہاں انہوں نے یسوع اور اس کے ساتھ دو بدکاروں کو مصلوب کیا"۔

مرقس باب ۱۵ آیت ۲۳ تا ۳۲ میں لکھا ہے:

"انہوں نے یسوع کو مصلوب کیا۔۔۔۔ اور انہوں نے دو ڈاکو مصلوب کئے تب اس سے وہ نوشتہ کہ وہ بدکاروں میں شمار ہوا پورا ہوا۔ اور چلنے والے سر ہلا ہلا کر اس پر لعن طعن کرتے اور کہتے تھے کہ صلیب پر سے اتر کر اپنے تئیں بچا۔۔۔۔ ٹھٹھے سے کہتے تھے اس نے اوروں کو بچایا اپنے تئیں نہیں بچا سکتا۔ اسرائیل کا بادشاہ مسیح صلیب پر سے اتر آئے تاکہ ہم دیکھ کر ایمان لائیں اور جو اس کے ساتھ مصلوب ہوئے وہ اس پر لعن طعن کرتے تھے"۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ صلیب کے بارے میں مسلمانوں میں اختلاف ہے۔ جمہور مسلمان علماء کا یہ عقیدہ ہے کہ یسوع مسیح کو صلیب دیئے جانے سے قبل اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھا لیا اور ان کے ہم شکل آدمی کو مصلوب کرا دیا۔ اس کے برعکس بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر فوت نہیں ہوئے اور نہ آسمان پر اٹھائے گئے بلکہ اپنی طبعی موت مرے۔

حضرت عیسیٰ کی بعثت صرف بنی اسرائیل کی طرف تھی:۔ اناجیل سے یہ بات عیاں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت صرف بنی اسرائیل کی طرف تھی چنانچہ انہوں نے خود اپنے شاگردوں سے کہا ہے:

"غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا

اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جاتا۔[1]
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک کنعانی عورت آئی تو اس کو کہا:
"میں بچوں کی روٹی کتوں کے سامنے نہیں پھینک سکتا۔ اس عورت نے عرض کیا:
بچوں کے دسترخوان سے جو ٹکڑے گرتے ہیں انہیں کتے ہی لیا کرتے ہیں"۔[2]

## حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان معجزات کو سورۃ آل عمران میں ذکر فرمایا ہے:

اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْہِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰہِ وَاُبْرِئُ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ (آیت ۴۹) ـــــ ـــ ـــــ کہ میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ایک نشانی لایا ہوں کہ میں تمہارے لئے کیچڑ سے پرندے کی شکل کی مانند بناتا ہوں، پھر اس کے اندر پھونکتا ہوں، پس وہ اللہ کے حکم سے اڑنے والا ہو جاتا ہے۔ اور اللہ کے حکم سے شکور اور پھلبہری والے کو اچھا کرتا ہوں۔ اور مُردوں کو زندہ کرتا ہوں۔

اس آیت سے پادریوں نے یہ دھوکا دینے کی کوشش کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پرندے پیدا کیا کرتے تھے، اندھوں، پھلبہری والوں کو شفا دیا کرتے تھے مُردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔

یہ ایک مسلّمہ اصول ہے کہ قرآن مجید کی تشریح محاکمات کے تابع ہونی چاہیئے۔ خلق اشیاء اور مُردوں کو زندہ کرنا صفات باری تعالیٰ ہے۔ ان صفات میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا۔ خلق اشیاء کے متعلق اللہ تعالیٰ ایک عام قانون بیان فرماتا ہے
قُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ (الرعد ۱۳: ۱۶) کہہ اللہ ہی تمام اشیاء کو پیدا کرنے والا ہے
دوسری جگہ آتا ہے: رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی (طٰہٰ ۲۰: ۵۰)
(طٰہٰ ۲۰: ۵۰) ہمارا رب وہی ہے جس نے ہر ایک چیز کو اس کی پیدائش عطا کی پھر اپنے کمال کی راہ دکھائی۔

---

[1] متی باب ۱۰ آیات ۵، ۶۔
[2] مرقس باب ۷ آیات ۲۷، ۲۸۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اصولی طور پر بیان فرما دیا ہے کہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

## معجزہ، خارقِ عادت، آیت اور کرامت کی حقیقت

معجزہ یا خارقِ عادت یا آیت اللہ تعالیٰ کی سُنّت کا نام ہے اس میں پیغمبر کا دخل صرف اتنا ہوتا ہے کہ وہ اس کی صداقت و حقانیت کی دلیل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی سچائی کو ثابت کرنے کے لئے اس کے ہاتھ پر بعض ایسی چیزیں ظاہر کر دیتا ہے جن کے دکھانے سے دوسرے لوگ عاجز ہوتے ہیں۔ معجزے اکثر پیغمبر ہی دکھاتے ہیں۔ اگر معجزے کو خدائی یا ابنیت وغیرہ کی دلیل بنایا جائے تو سب پیغمبر خدا یا اس کے بیٹے ٹھہریں گے، حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ بائبل کی بہت سی کتابوں میں پیغمبروں کے معجزات اور اولیاء کی کرامات کا ذکر آیا ہے۔ ان سے یہ نہیں ثابت ہوجاتا کہ وہ سب خدا یا اس کے بیٹے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کا آگ سے زندہ نکل آنے کا معجزہ مشہور ہے اور اسے سب مانتے ہیں، مگر کوئی بھی انہیں خدا یا خدا کا بیٹا نہیں مانتا۔ اسی طرح حضرت موسیٰ کے معجزات کا بھی حال ہے۔ لاٹھی کا سانپ بن جانا، لاٹھی مارنے سے چشمے جاری ہو جانا، لاٹھی دریا پر مارنے سے راستہ کھل جانا وغیرہ اور یدِ بیضا۔ ان سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ حضرت موسیٰؑ معاذ اللہ خدا ہو گئے تھے یا وہ اس کے بیٹے تھے۔

پیغمبر کی اصل صداقت کی دلیل اس کی تعلیم، اس کی کتاب، اس کی ذاتی طہارت و کردار اور کفر و شرک کے خلاف اس کی بے مثل جدّوجہد ہوتی ہے۔ معجزہ اس کی صداقت کے لئے ضروری نہیں۔ مگر بعض دفعہ ہٹ دھرم دشمنوں کو جھٹکانے اور ان کا منہ بند کرنے کے لئے اس کے ہاتھ پر معجزے بھی سرزد ہوتے ہیں۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہزاروں معجزات کا ذکر سیرت و حدیث اور خود قرآن میں موجود ہے۔ سیرت و حدیث کی کتابوں کی سند متصل ہے اور ان کا ثبوت بائبل کی تمام کتابوں سے بہت زیادہ پختہ اور مدلل ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کے انسان ہونے کا بار بار اقرار خود ان کی زبان سے اناجیل میں موجود ہے۔ وہ انسانوں کی مانند ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے، بچپن، لڑکپن اور جوانی کی منزلوں سے گزرے۔ غم و رنج، راحت و خوشی، کھانا پینا تمام انسانی

حوائج ان کے ساتھ تھے اور انجیل ان کی تصدیق کرتی ہے۔ بلکہ بقول انجیل اور عیسائی عقیدے کے دشمنوں نے انہیں پکڑا، بے عزتی کی، سولی پر چڑھایا، ہڈیاں توڑیں، گالیاں دیں۔ ان پر مقدمہ چلا، گواہیاں ہوئیں اور سزائے موت سنائی گئی۔ کیا یہ سب کچھ خدا کے ساتھ ہوا تھا؟ اگر ایسا ہی ہے تو وہ خدا تو بہت ہی کمزور اور بے بس تھا جس پر یہ سب کچھ گزرا۔ مسیحؑ کی موت کے وقت کی چیخ و پکار بھی انجیل میں موجود ہے (دیکھئے باب ۱۵ اور متی باب ۲۷) عبرانیوں کے نامہ میں ملک صدق کے متعلق لکھا ہے کہ وہ صلح کا بادشاہ، بے باپ، بے ماں، بے نسب نامہ، نہ اس کی ابتدا نہ انتہا۔ پس عیسائی حضرات اسے کیا مانتے ہیں؟ اس کی صفات تو مسیحؑ سے بھی بڑھ کر ہیں!

معجزے کی مانند کرامت بھی برحق ہے۔ پیغمبروں کے بعض خاص فرماں برداروں سے سرزد ہوتی ہے۔ مگر وہ بھی چونکہ اطاعت رسول کا نتیجہ ہے اور خدا کا فعل ہے، لہٰذا اسے کوئی بھی اولیاء اللہ کی خدائی یا ابنیت کی دلیل نہیں ٹھیراتا۔ سو یہ نہایت غضب اور بے انصافی ہے کہ مسیح کے بعض معجزات کو ان کی خدائی یا ابنیت کی دلیل بتا کر شرک پھیلایا جائے۔

## تعلیماتِ مسیح علیہ السلام

**توحید کی تعلیم:** حضرت مسیح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نسبت بیان کیا ہے کہ وہ واحد و یگانہ ہستی ہے جس کی عبادت کرنا فرض ہے۔ مقدس کتاب میں لکھا ہے:

"پھر ابلیس (یسوع کو) ایک اونچے پہاڑ پر لے گیا اور دنیا کی سب سلطنتیں اور ان کی شان و شوکت اسے دکھائی اور اس سے کہا کہ اگر تو جھک کر مجھے سجدہ کرے تو یہ سب کچھ تجھے دے دوں گا۔ یسوع نے اس سے کہا اے شیطان دور ہو کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔"[1]

انجیل کی یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہٗ لاشریک ہے، اس کا کوئی ہمسر نہیں اور وہی معبود حقیقی ہے، اسی کے سامنے سر جھکانا چاہیئے۔

"ایک فقیہہ نے یسوع سے پوچھا کہ سب حکموں میں اوّل کون سا ہے؟ یسوع نے جواب دیا کہ اوّل یہ ہے اے اسرائیل سُن! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے

---

[1] متی باب ۴ آیات ۱۰، ۱۱۔

اور تو خداوند خدا سے اپنے سارے دل سے اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ۔ دوسرا یہ کہ تو اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ۔ ان سے بڑا اور کوئی حکم نہیں۔ فقیہ نے اس سے کہا: اے استاد بہت خوب تو نے سچ کہا کہ وہ ایک ہی ہے اور اس کے سوا اور کوئی نہیں۔۔۔۔ جب یسوع نے دیکھا کہ اس نے دانائی سے جواب دیا تو اس نے کہا تو خدا کی بادشاہی سے دور نہیں۔[1]

"اور دیکھو ایک عالم شرع اٹھا اور یہ کہہ کر اس کی آزمائش کرنے لگا کہ اے استاد میں کیا کروں کہ ہمیشہ کی زندگی کا وارث بنوں۔ اس نے اس سے کہا: توریت میں کیا لکھا ہے، تو کیا پڑھتا ہے؟ اس نے کہا کہ خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری طاقت اور اپنی ساری عقل سے محبت رکھ اور اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ۔ اس سے اس نے کہا: تو نے ٹھیک جواب دیا، یہی کر تو جیئے گا۔"[2]

اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ انسان تجھ خدائے واحد اور برحق کو جانے اور مسیح کو تیرا بھیجا ہوا (یعنی رسول یقین کرے)۔"[3]

**خدا کی صفات:۔** حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک ازلی بادشاہ یعنی غیر مرئی واحد خدا (یتیمتھیس ۱/۱) کی تعلیم دی ہے جو اول اور آخر ہے جس کی "ان دیکھی صفتیں یعنی اس کی ازلی قدرت اور الوہیت دنیا کی چیزوں کے ذریعہ سے۔۔۔۔ صاف نظر آتی ہے۔" (رومیوں ۱/۲۰) اس سے مخلوقات کی کوئی چیز چھپی نہیں بلکہ جس سے ہم کو کام ہے اس کی نظروں میں سب چیزیں کھلی اور بے پردہ ہیں (عبرانیوں ۴/۱۳) "وہ قادر مطلق ہے اس کے کام بڑے اور عجیب ہیں۔" (مکاشفہ ۱۵/۳) وہی تمجید اور عزت اور قدرت کے لائق ہے کیونکہ اسی نے ساری چیزیں پیدا کیں۔ (مکاشفہ ۴/۱۱) "وہ انسانوں کا روز قیامت میں حساب کرے گا (رومیوں باب ۲ آیات ۵-۶) خدا رحمدل ہے۔

"خدا کی حمد ہو جو رحمتوں کا باپ ہے۔" (کرنتھیوں ۳/۱) خدا ظالم بھی ہے۔

---

[1] مرقس باب ۱۲ آیات ۲۸ تا ۳۴۔
[2] لوقا باب ۱۰ آیات ۲۵ تا ۲۸۔
[3] یوحنا باب ۱۷ آیت ۳۔

"ہمارا خدا بھسم کر دینے والی آگ ہے (استثنا ۴/۲۴، عبرانیوں ۱۲/۲۹)

"جس خدا نے دنیا اور اس کی ساری چیزوں کو پیدا کیا۔ وہ آسمان اور زمین کا مالک ہو کر ہاتھ کے بنائے ہوئے مندروں میں نہیں رہتا نہ کسی چیز کا محتاج ہو کر آدمیوں کے ہاتھوں سے خدمت لیتا ہے۔ کیونکہ وہ تو خود سب کی زندگی اور سانس اور سب کچھ دیتا ہے۔ اور اس نے ایک ہی اصل سے آدمیوں کی ہر ایک قوم تمام روئے زمین پر رہنے کے لئے پیدا کی۔ اور ان کی معیادیں اور سکونت کی حدیں مقرر کیں۔ تاکہ خدا کو ڈھونڈیں۔ شاید کہ ٹٹول کر اُسے پائیں ہر چند کہ وہ ہم میں کسی سے دُور نہیں کیونکہ اس میں ہم جیتے اور چلتے پھرتے اور موجود ہیں (اعمال باب ۱۷ آیات ۲۴ - ۲۸)

**حضرت عیسیٰ خدا کے رسول تھے:** - اناجیل سے یہ بات عیاں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو رسول کہا ہے کتاب مقدس میں لکھا ہے:

"یسوع نے آنکھیں اٹھا کر کہا، اے باپ میں تیرا شکر کرتا ہوں کہ تو نے میری سُن لی اور مجھے تو معلوم تھا کہ تو ہمیشہ میری سنتا ہے مگر ان لوگوں کے باعث جو آس پاس کھڑے ہیں۔ میں نے کہا تاکہ وہ ایمان لائیں کہ تو ہی نے مجھے بھیجا ہے"[1]

اس آیت میں حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے تئیں خدا کا مقرب بندہ اور رسول بیان کیا ہے، جس کی دعا کو اللہ تعالیٰ شرف قبولیت بخشتا ہے۔

"یسوع نے پکار کر کہا کہ جو مجھ پر ایمان لاتا ہے وہ مجھ پر نہیں بلکہ میرے بھیجنے والے پر ایمان لاتا ہے"[2]

"میں نے جو کچھ کہا اپنی طرف سے نہیں بلکہ باپ جس نے مجھے بھیجا ہے اس نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ کیا کہوں اور کیا بولوں اور میں جانتا ہوں اس کا حکم ہمیشہ کی زندگی ہے"[3]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے واضح الفاظ میں یہ اعلان کیا ہے کہ وہ خدا کے فرستادہ ہیں، جو کچھ وہ کہتے اور بولتے ہیں خدا کے حکم کے ماتحت کہتے اور بولتے ہیں۔

"میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ جو میرے بھیجنے والے کو قبول کرتا ہے۔ وہ مجھے قبول کرتا ہے اور جو مجھے قبول کرتا ہے وہ میرے بھیجنے والے کو قبول کرتا ہے"[4]

"جس طرح باپ نے مجھے حکم دیا میں ویسا ہی کرتا ہوں"[5]

---

[1] یوحنا باب ۱۱ آیات ۴۱، ۴۲۔
[2] یوحنا باب ۱۲ آیات ۴۹، ۵۰۔
[3] یوحنا باب ۱۴ آیت ۳۱۔
[4] یوحنا باب ۱۳ آیت ۲۰۔
[5] یوحنا باب ۱۲ آیت ۴۴۔

"اور جب یسوع گدھے پر سوار ہو کر یروشلم میں داخل ہوا تو سارے شہر میں ہل چل پڑ گئی اور لوگ کہنے لگے یہ کون ہے بھیڑ کے لوگوں نے کہا یہ گلیل کے ناصرہ کا نبی یسوع ہے"[1]

توبہ کی تلقین :۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے یہود کو توبہ اور استغفار کرنے کی بہت تلقین فرمائی، اور کہا کہ انسان توبہ کے ذریعہ ہی اپنے گناہوں کے دھبوں کو دھو سکتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر نبی نے انسان کی روحانی اور اخلاقی اصلاح کا کیمیا نسخہ توبہ ہی بتایا ہے۔ کتاب مقدس میں لکھا ہے :

"اس وقت سے یسوع نے منادی کرنا اور یہ کہنا شروع کیا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی ہے"[2]

توبہ سے خدا تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔

"جس طرح ایک گڈریا ایک گم شدہ بھیڑ کو واپس پا کر خوش ہوتا ہے میں تم سے کہتا ہوں کہ اسی طرح ننانوے راست بازوں کی نسبت جو توبہ کی حاجت نہیں رکھتے ایک توبہ کرنے والے گناہ گار کے باعث آسمان پر زیادہ خوشی ہوگی"[3]

توبہ سے ہی جنت حاصل ہوتی ہے۔

"یسوع نے ان سے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ محصول لینے والے اور کسبیاں تم سے پہلے خدا کی بادشاہی میں داخل ہوتے ہیں۔ کیونکہ یوحنا راست بازی کے طریق پر تمہارے پاس آیا اور تم نے اس کا یقین نہ کیا مگر محصول لینے والوں اور کسبیوں نے اس کا یقین کیا اور تم یہ دیکھ کر پیچھے بھی نہ پچھتائے کہ اس کا یقین کر لیتے"[4]

"یسوع نے ایک بچے کو پاس بلا کر اسے ان کے بیچ میں کھڑا کیا اور کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم توبہ نہ کرو اور بچوں کی مانند نہ بنو تو آسمان کی بادشاہی میں ہرگز داخل نہ ہوگے"[5]

---

[1] متی باب ۲۱ آیت ۱۱۔
[2] متی باب ۴ آیت ۱۷۔
[3] لوقا باب ۱۵ آیت ۷۔
[4] متی باب ۲۱ آیات ۳۱، ۳۲۔
[5] متی باب ۱۸ آیات ۲، ۳۔

**نجات اعمال پر ہے :-** ہر نبی نے نجات حاصل کرنے کے لئے ایمان اور خدا کے احکام کی پابندی پر زور دیا ہے۔ اسی اصول کی تبلیغ حضرت مسیح علیہ السلام نے کی۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے اعمال صالح کے بجالانے پر زور دیتے ہوئے فرمایا :

"جب تم میرے کہنے پر عمل نہیں کرتے تو کیوں مجھے خداوند خداوند کہتے ہو۔ جو کوئی میرے پاس آتا اور میری باتیں سُن کر ان پر عمل کرتا ہے میں تمہیں جتاتا ہوں کہ وہ کس کی مانند ہے۔ وہ اس آدمی کی مانند ہے جس نے گھر بناتے وقت زمین گہری کھود کر چٹان پر بنیاد ڈالی جب روآئی تو دھارا اس گھر پر زور سے گری مگر اسے ہلا نہ سکی۔۔۔۔۔۔۔ لیکن جو سُن کر عمل میں نہیں لاتا وہ اس آدمی کی مانند ہے جس نے زمین پر گھر کو بے بنیاد بنایا، جب دھارا اس پر زور سے گری تو وہ فی الفور گر پڑا اور وہ گھر بالکل برباد ہوا۔"[1]

"اور دیکھو کہ ایک شخص نے پاس آکر یسوع سے کہا بولے استاد! میں کون سی نیکی کروں تاکہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں۔ اس نے کہا تو مجھ سے نیکی کی بابت کیوں پوچھتا ہے۔ نیک تو ایک ہی ہے یعنی خدا۔ لیکن اگر تو زندگی میں داخل ہونا چاہتا ہے تو حکموں پر عمل کر۔۔۔۔۔۔ اس نے کہا: میں نے ان سب احکام پر عمل کیا اب مجھ میں کس بات کی کمی ہے؟ یسوع نے اس سے کہا: اگر تو کامل ہونا چاہتا ہے تو جا اپنا مال و اسباب بیچ کر غریبوں کو دے، تجھے آسمان پر خزانہ ملے گا۔"[2]

"(نیکی نہ کرنے والے) ہمیشہ کی سزا پائیں گے مگر راست باز ہمیشہ کی زندگی پائیں گے۔"[3]

## گناہ جہنم کا موجب ہے

حضرت عیسٰی علیہ السلام نے جس طرح احکام الٰہی کی پیروی کرنے کو ابدی اور حقیقی زندگی کے حصول کا ذریعہ ٹھہرایا ہے۔ اسی طرح گناہ کو جہنم کا وسیلہ قرار دیا ہے فرماتے ہیں۔

اے ریاکار فقیہو اور فریسیو۔۔۔ تم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہو۔۔۔ اے سانپو! اے افعی کے بچو! تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے؟"[4]

---

[1] لوقا باب ۶ آیات ۴۶ تا ۴۹ - [2] متی باب ۲۵ آیت ۴۶ -
[3] متی باب ۱۹ آیات ۱۶ تا ۲۱ - [4] متی باب ۲۳ آیات ۲۹ تا ۳۳

"فرشتے بدکاروں کو اس کی بادشاہی میں سے جمع کریں گے اور ان کو آگ کی بھٹی میں ڈال دیں گے، وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا۔ اس وقت راست باز لوگ اپنے باپ کی بادشاہی میں آفتاب کی مانند چمکیں گے"۔[1]

"اے سانپ کے بچو! تم بُرے ہو کر کیوں کر اچھی باتیں کہہ سکتے ہو۔ کیونکہ جو دل میں بھرا ہے وہی منہ پر آتا ہے۔ اچھا آدمی اچھے خزانے سے اچھی چیزیں نکالتا ہے اور بُرا آدمی بُرے خزانے سے بُری چیزیں نکالتا ہے۔ اور میں تم سے کہتا ہوں جو نکمی بات لوگ کہیں گے عدالت کے دن اس کا حساب دیں گے۔ کیونکہ تو اپنی باتوں کے سبب سے راست باز ٹھہرایا جائے گا اور اپنی باتوں کے سبب سے قصوروار ٹھہرایا جائے گا"۔[2]

"جو مجھ سے اے خداوند اے خداوند کہتے ہیں ان میں سے ہر ایک آسمان کی بادشاہت میں داخل نہ ہوگا مگر وہی جو میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلتا ہے۔۔۔ اس وقت میں ان سے صاف کہہ دوں گا کہ میری کبھی تم سے واقفیت نہ تھی۔ اے بدکارو! میرے پاس سے چلے جاؤ۔ پس وہ جو کوئی میری باتیں سنتا اور ان پر عمل کرتا ہے وہ عقل مند ہے۔۔۔ اور جو کوئی میری یہ باتیں سنتا ہے اور ان پر عمل نہیں کرتا وہ بے وقوف ہے"۔[3]

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ عیسائیوں نے جو نجات کا ذریعہ کفارہ ٹھہرالیا ہے وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے فرمودات کے خلاف ہے۔ نجات کا دارومدار صرف ایمان اور احکام الٰہی کی پیروی اور گناہوں سے اجتناب پر ہے۔

**اخلاقی تعلیم:-** اس عہد کے یہودی خدا کو محض منتقم خیال کرنے لگ گئے تھے جو باپ دادا کے گناہوں کی سزا اولاد کی تیسری اور چوتھی پشت تک دیتا تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے خدا کی محبت پر بہت زور دیا۔ اسے بنی آدم کا باپ کہا۔ خدا کی محبت کو بعض چھوٹی تمثیلوں کے ذریعہ بیان کیا اور یہود کو عفو و درگزر کرنے کی تعلیم دی فرماتے ہیں:

---

[1] متی باب ۱۳ آیات ۴۱ تا ۴۳۔
[2] متی باب ۱۲ آیات ۳۴ تا ۳۷۔
[3] متی باب ۷ آیات ۲۱ تا ۲۶۔

"مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں، جو حلیم ہیں، جو راست بازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں، جو رحم دل ہیں، جو پاک دل ہیں، جو صلح کراتے ہیں، جو راست بازی کے سبب ستائے گئے ہیں۔"[1]

"اس وقت پطرس نے پاس آکر اس سے کہا: اے خداوند! اگر میرا بھائی میرا گناہ کرتا رہے تو میں کتنی دفعہ اسے معاف کروں، کیا سات بار؟ یسوع نے اس سے کہا میں تجھ سے یہ نہیں کہتا کہ سات بار بلکہ سات دفعہ کے ستر بار تک۔ پس آسمان کی بادشاہی اس بادشاہ کی مانند ہے جس نے اپنے نوکروں سے حساب لینا چاہا۔۔۔ مالک نے ترس کھا کر اسے چھوڑ دیا اور اس کا قرض بخش دیا۔۔۔ جس شخص نے اپنے بھائی کا سو دینار نہ بخشا تھا اس کے مالک نے خفا ہو کر اس کو جلادوں کے حوالے کر دیا کہ جب تک تمام قرض ادا نہ کرے قید میں رہے۔ میرا آسمانی باپ بھی تمہارے ساتھ اسی طرح کرے گا، اگر تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی کو دل سے معاف نہیں کرے گا۔"[2]

"تم میں ایسا کون سا آدمی ہے کہ اس کا بیٹا اس سے روٹی مانگے تو وہ اسے پتھر دے یا اگر مچھلی مانگے تو اسے سانپ دے؟ پس جب کہ تم برے ہو کر اپنے بچوں کو اچھی چیزیں دینا جانتے ہو تو تمہارا باپ جو آسمان پر ہے اپنے مانگنے والوں کو اچھی چیزیں کیوں نہ دے گا؟ پس جو تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں وہی تم بھی ان کے ساتھ کرو کیونکہ توریت اور نبیوں کی تعلیم یہی ہے۔"[3]

"اے ہمارے باپ! تو جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک مانا جائے۔ تیری بادشاہی آئے۔ تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو۔ ہماری روز کی روٹی آج ہمیں دے اور جس طرح ہم نے اپنے قصوروواروں کو معاف کیا ہے تو بھی ہمارے قصور معاف کر اور ہمیں آزمائش میں نہ لا۔۔۔ اس لئے کہ اگر تم آدمیوں کے قصور معاف کرو گے تو تمہارا آسمانی باپ بھی تم کو معاف کرے گا۔ اور اگر تم نہ کرو گے تو تمہارا باپ بھی تمہارے قصور معاف نہ کرے گا۔"[4]

---

[1] متی باب ۵ آیت ۱ تا ۱۰۔
[2] متی باب ۱۸ آیات ۲۱ تا ۳۵۔ [3] متی باب ۷ آیت ۹ تا ۱۲۔
[4] متی باب ۶ آیات ۹ تا ۱۵۔

اخلاقی تعلیم کا اُصول :۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس خلق حسنہ کو اللہ کے ہاں مقبول قرار دیتے ہیں جو ریاکاری اور دکھاوے سے پاک ہو۔ فرماتے ہیں :

" خبردار اپنے راست بازی کے کام آدمیوں کے سامنے دکھانے کے لئے نہ کریں، نہیں تو تمہارے باپ کے پاس جو آسمان میں ہے تمہارے لئے کچھ اجر نہیں پس جب تو خیرات کرے تو اپنے آگے نرسنگا نہ بجوا، جیسا ریاکار عبادت خانوں اور کوچوں میں کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کی بڑائی کریں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اجر پا چکے۔ بلکہ جب تو خیرات کرے تو جو تیرا داہنا ہاتھ کرتا ہے اسے تیرا بایاں ہاتھ نہ جاننے تاکہ تیری خیرات پوشیدہ رہے۔ اس صورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا۔" (متی باب ۶ آیات ۱ تا ۴)

معاشرتی تعلیم :۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی بعثت سے قبل محبت کا پودا مرجھا چکا تھا آپ نے اس پودے کو از سر نو شاداب کیا اور معاشرے کی بنیاد محبت پر رکھی۔

شریر کا مقابلہ نہ کرنے کی تعلیم :۔ " اور تم سُن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا تھا کہ خون نہ کرنا، اور جو کوئی خون کرے گا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہوگا۔ اور میں تم سے کہتا ہوں کہ کوئی اپنے بھائی پر غصے ہوگا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہوگا۔ اور جو کوئی اپنے بھائی کو پاگل کہے گا وہ صدر عدالت کی اور جو کوئی اسے احمق کہے گا وہ آتش جہنم کا سزاوار ہوگا۔ تم سن چکے ہو کہ تم سے کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت، لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا۔ بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے اور اگر کوئی نالش کر کے تیرا کُرتہ لینا چاہتا ہے تو دوُ چغہ بھی اسے لینے دے۔ اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا جو کوئی تجھ سے مانگے اسے دے اور جو کوئی تجھ سے قرض چاہے اس سے منہ نہ موڑ۔"[1]

پڑوسی کی عزت کرنے کی تعلیم :۔ " تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ اپنے پڑوسی سے محبت رکھ اور اپنے دشمنوں سے عداوت۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور اپنے ستانے والوں کے لئے دعا کرو تاکہ تم اپنے

[1] متی باب ۵ آیات ۲۱، ۲۲ اور ۳۸ تا ۴۲۔

باپ کے جو آسمان میں ہے بیٹے ٹھہرو۔"[1]

غیر محرم عورت کی طرف بُری نظر سے دیکھنا:۔ "تم اگلے لوگوں سے سُن چکے ہو کہ زنا بہت بُرا ہے۔ لیکن میں کہتا ہے کہ جو شخص پرائی عورت کی طرف بُری نظر سے دیکھتا ہے وہ دل میں زنا کا مرتکب ہو چکا۔ اس لئے اگر تمہاری آنکھ یا ہاتھ ایسی حرکت کرے تو اسے کاٹ کر پھینک دے۔"[2]

ماں باپ کی عزت کرنے کی تعلیم:۔ "تم لوگ خدا کے حکم تو باطل کرتے ہو اور اپنے گھڑے ہوئے قوانین برقرار رکھتے ہو۔ خدا نے تورات میں حکم دیا تھا کہ ماں باپ کی عزت کرو اور جو کوئی ماں باپ کو بُرا کہے وہ جان سے مارا جائے۔ مگر تم کہتے ہو کہ جو شخص اپنی ماں یا باپ سے یہ کہہ دے کہ میری جو خدمت تمہارے کام آسکتی تھی انہیں میں خدا کی نذر کر چکا ہوں، اس کے لئے بالکل جائز ہے کہ پھر ماں یا باپ کی کوئی خدمت نہ کرے۔"[3]

غرباء کو خیرات اور صدقہ دینے کی تعلیم:۔ "ایک دولت مند شخص حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس آیا اور پوچھا کہ اے نیک استاد! میں کون سا نیک کام کروں کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں۔ حضرت عیسٰی نے جواب دیا: اگر تو کامل ہونا چاہے تو جا کے سب کچھ جو تیرا ہے بیچ ڈال اور محتاجوں کو دے۔ تجھے آسمان پر خزانہ ملے گا۔ تب آ کے میرے پیچھے ہو لے۔"[4]

## تعلیم مسیح علیہ السلام کے متعلق علماء یورپ کا خیال

موسیو رینان اپنی کتاب "حیات مسیح" میں لکھتا ہے:

"(حضرت) مسیح کی تعلیم میں عملی اخلاقیات یا شرعی قوانین کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ صرف ایک مرتبہ شادی کے بارے میں آپ نے حتمی طور پر کچھ فرمایا اور طلاق کی ممانعت کی۔"[5]

انا جیبل کی تعلیم کے متعلق جوڈ لکھتا ہے:

"سیاسی اور اقتصادی معاملات کے متعلق (حضرت عیسٰی) کی تعلیم افسوس ناک حد تک

---

[1] متی باب ۵ آیات ۴۳، ۴۴

[2] متی باب ۵۔

[3] متی ۱۵: ۳-۹۔ مرقس ۷: ۱۵-۱۳۔

[4] متی ۱۹ آیت ۲۔

[5] حیات مسیح ص ۲۱۳۔

مبہم ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسیحی علماء سرمایہ داری، استعماریت، غلامی، جنگ، قید و بند (دشمنوں کو زندہ جلانا اور تکالیف دینا غرض کہ جس چیز کو چاہیں بلا وقت مسیح کی تعلیم ثابت کر سکتے ہیں"۔ صفحہ ۲۳۱۔

## عبادات

اصول عبادت:۔ مسٹر ریمنڈ ابیا (RAYMOND ABBA) نے عیسائی مذہب کی عبادت کے چار اصول بیان کئے ہیں۔

۱۔ عبادت" درحقیقت اس قربانی کا شکرانہ ہے "جو کلمۃ اللہ" یعنی حضرت مسیح نے بندوں کی طرف کی سے دی تھی۔[1]

۲۔ صحیح عبادت روح القدس ہی کے عمل سے ہو سکتی ہے۔ پولوس رومیوں کے نام اپنے خط میں لکھتا ہے۔

"جس طور سے ہمیں دعا کرنی چاہیئے ہم نہیں جانتے، مگر روح خود ایسی آہیں بھر بھر کر ہماری شفاعت کرتا ہے جن کا بیان نہیں ہو سکتا" (رومیوں ۸: ۲۶)

۳۔ عبادت ایک اجتماعی عمل ہے جو صرف کلیسا ہی انجام دے سکتا ہے اگر کوئی شخص انفرادی طور پر عبادت کرنا چاہے تو وہ بھی اسی وقت ممکن ہے جب وہ کلیسا کا رکن ہو۔

۴۔ عبادت کلیسا کا بنیادی کام ہے۔ اور اسی کے ذریعے وہ "مسیح کے بدن" کی حقیقت سے دنیا کے سامنے پیش ہوتا ہے۔

عبادت کے طریقے:۔ عیسائی مذہب میں عبادت کے کئی طریقے ہیں لیکن یہاں مروجہ طریقہ بیان کیا جاتا ہے۔

حمد خوانی:۔ مسٹر ایف۔ سی برکت (F. C. BURKIT) کے بیان کے مطابق اس عبادت کا طریقہ یہ ہے کہ لوگ صبح و شام کلیسا میں اکٹھے ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک بائبل کا ایک حصہ پڑھتا ہے۔ یہ حصہ عام طور پر زبور کا کوئی ٹکڑا ہوتا ہے۔ زبور خوانی کے دوران تمام حاضرین کھڑے رہتے ہیں۔ زبور کے ہر نغمے کے اختتام پر گھٹنے جھکا کر دعا کی جاتی ہے۔ اور اس دعا کے موقع پر گرجہ

[1] INCIPLES OF CHRISTIAN WORSHIP OXFOPD P. 3

کے اعتراف کے طور پر آنسو بہانا بھی ایک پسندیدہ فعل ہے۔ یہ طریقہ تیسری صدی عیسوی سے مسلسل چلا آرہا ہے انتہائی شیس کی بعض تحریریں ابھی تک باقی ہیں جن میں اس طریقے کی تلقین کی گئی ہے رلہ اس کے بعد یہ دعا کی جاتی ہے

"اے ہمارے باپ جو آسمان پر ہے۔ تیرا نام مقدس ہو۔ تیری بادشاہت آوے تیری مرضی جیسی آسمان پر ہے زمین پر بھی پوری ہو۔ ہماری روزکی روٹی آج ہمیں دے۔ اور ہمارے قرض ہمیں معاف کر، جیسے ہم بھی اپنے قرض داروں کو معاف کرتے ہیں۔ اور ہمیں آزمائش میں مت ڈال بلکہ برائی سے بچا۔ کیونکہ بادشاہت اور قدرت اور جلال ہمیشہ تیرا ہی ہے۔ آمین"

روزہ :۔ انجیل سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چالیس دن تک جنگل میں روزہ رکھا۔ متی انجیل میں لکھا ہے : اور جب چالیس دن اور چالیس رات روزہ رکھ چکا آخر کو بھوکا ہوا" رلہ

متی انجیل ۶ : ۱۶ میں لکھا ہے : "جب تم روزہ رکھو ریاکاروں کی مانند اپنا چہرہ اداس نہ بناؤ"

متی ۶ : ۱۸ میں روزہ کے ثواب کا ذکر ہے : "اور تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے آشکارا تجھے بدلہ دے گا"

لوقا ۵ : ۳۳ - ۳۵ سے ثابت کہ حضرت مسیح نے کہا تھا کہ ان کے شاگرد ان کے بعد بہت روزے رکھیں گے۔ پر وے دن آویں گے کہ دولہا ان سے جدا کیا جائے گا ان دنوں میں وے البتہ روزہ رکھیں گے"

زکوٰۃ :۔ انجیل لوقا (۱۸ - ۱۰) میں ہے : "جو اپنا عشر (زکوٰۃ) ریا، نمائش اور فخر کے لئے دیتا ہے اس سے وہ شخص بہتر ہے جو اپنے قصور پر نادم ہے"

اسی انجیل کے ۲۱ ویں باب کی پہلی آیت میں ہے :

"اگر کوئی دولت مند ہیکل کے خزانہ میں اپنی زکوٰۃ کی بڑی رقم ڈالے اور اسکے مقابلہ میں کوئی غریب بیوہ خلوص دل سے دو دمڑی ڈالے تو اس کی زکوٰۃ کا رتبہ اس دولت مند کی زکوٰۃ سے کہیں بڑھ کر ہے"

---

رلہ THE CHRISTIAN RELIIGION PP. 152, 1 3 V. 3 CAMBRIDGE 1930

رلہ متی ۴ : ۲ -

حضرت عیسٰی علیہ السلام نے خود اپنی طرف سے نیز اپنے رفیق کی طرف سے آدھے مثقال والی زکوٰۃ ادا کی۔ (متی ۱۷-۲۴)

زکوٰۃ نہ دینے والے دولت مندوں کے متعلق عذاب الیم کی بشارت!

حضرت عیسٰی علیہ السلام دولت مندوں کو مخاطب ہو کر فرماتے ہیں: اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گزر جانا آسان ہے مگر دولت مند کا خدا کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے۔" (متی ۱۹-۲۴)

قرآن مجید میں آتا ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام فرماتے ہیں:

وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَادُمْتُ حَیًّا (مریم ۱۹: ۳۱) اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کا تاکیدی حکم دیا ہے جب تک میں زندہ رہوں۔

دوسری جگہ روزہ کی فرضیت سے متعلق ارشاد الٰہی ہے:

کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ (بقرہ ۲، ۱۸۳) مسلمانوں تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلوں پر فرض کیا گیا تھا۔

## حواری

حواری حور سے مشتق ہے۔ حور کے معنی ہیں: ایک چیز سے لوٹ آنا یا ایک چیز کی طرف لوٹ جانا اور اسی سے یحور ہے۔ اِنَّہٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ (الانشقاق ۱۴-۸۴) اور تحاور جو ایک دوسرے کی طرف کلام کو لوٹانے کا نام ہے

وَاللّٰہُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَکُمَا (المجادلہ ۵۸-۱)

حور اصل میں سفیدی کو کہتے ہیں اور حَوْرَاء اس عورت کو کہا جاتا ہے جس کی آنکھ کی سفیدی اعلیٰ درجہ کی سفید اور سیاہی شدت سے سیاہ ہو اور جس کا رنگ بھی سفید ہو۔ ابن اثیر اور راغب کے نزدیک لفظ حواری اسی سے مشتق ہے۔ یہ لفظ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے اصحاب پر بولا گیا۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حواری قصار کو کہتے ہیں یعنی جو کپڑے دھو کر ان کو سفید کرتا ہے۔ حضرت مسیح السلام کے اصحاب کو حواری اس وجہ سے نام دیا گیا کہ ان میں سے اکثر دھوبی تھے۔ دوسری توجیہہ یہ بھی ہے کہ یہ لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم سے لوگوں کے دلوں کو گناہوں کی میل سے صاف کر دیا کرتے تھے۔ حواری کے معنی مددگار اور ناصح کے بھی آتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آتا ہے والزبیر ابن عمتی وحواری من اُ

یعنی زبیر میری پھوپھی کا بیٹا ہے اور میری امت سے میرا حواری ہے۔ زجاج کا قول لسان العرب میں منقول ہے کہ الحواریون خلصان الانبیاء وصفوتھم یعنی نبیوں کے خالص اور برگزیدہ دوست حواری کہلاتے ہیں۔ یعنی وہ لوگ اپنی خلوص نیت اور پاکیزہ کردار کی وجہ سے حواری کہلاتے۔

عیسائی حواریوں کو شاگرد کہتے ہیں۔ یہ اصل کے اعتبار سے "حبود" عبرانی لفظ ہے جس کے معنی شاگرد کے ہیں۔ اور اس کی جمع حبودیم آتی ہے۔ یہی حبودیم عربی میں جاکر حواراد رحواریین بن گیا۔

**حواریوں کے نام :۔** حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری بارہ تھے، جن کے نام اناجیل میں حسب ذیل ہیں :

۱۔ شمعون جو پطرس کہلاتا تھا۔ ۲۔ اس کا بھائی اندریاس۔ ۳۔ زیدی کا بیٹا یعقوب ۴۔ اس کا بھائی یوحنا۔ ۵۔ فلپس۔ ۶۔ برتلمائی۔ ۷۔ توما۔ ۸۔ متی۔ ۹۔ حلفی کا بیٹا یعقوب۔ ۱۰۔ تدی۔ ۱۱۔ شمعون قنانی۔ ۱۲۔ یہوداہ اسکریوطی۔

**حضرت مسیح علیہ السلام کی وعظ کے لئے ہدایات :۔** حضرت مسیح علیہ السلام نے حواریوں کو یہ حکم دیا : "انہیں حکم دے کر کہا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا اور چلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی ہے"[1]

**حواریوں کے کام :۔** حواریوں کا یہ کام قرار دیا گیا : بیماروں کو اچھا کرنا۔ مُردوں کو جلانا۔ کوڑھیوں کو پاک صاف کرنا۔ بدروحوں کا نکالنا" اور انہیں یہ حکم تھا کہ اپنے پاس کچھ نہ رکھیں۔

"نہ سونا اپنے کمربند میں رکھنا نہ چاندی نہ پیسے راستے کے لئے نہ جھولی لینا نہ دو دو کرتے نہ جوتیاں نہ لاٹھی"[1]

**حواریوں کی ایمانی حالت پر دئے اناجیل :۔** یہوداہ اسکریوطی نے تیس روپے کی رقم لے کر اپنے مرشد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرادیا تھا۔ یوحنا باب ۱۳ آیت ۲۶، ۲۷ میں لکھا ہے :

"حضرت عیسیٰ نے نوالہ ڈبویا اور یہوداہ کو دیا اور اس نوالہ کے بعد شیطان

---

[1] متی ۱۰ : ۵ - ۱۰ -

اس میں سما گیا۔" شیطان یا لالچ نے اس کو اس بات پر آمادہ کر دیا کہ تھوڑی سی رقم لے کر اپنے آقا کو گرفتار کرا دے۔

اسی طرح پطرس کو حضرت عیسیٰ نے مخاطب فرما کر کہا: "اے شیطان! میرے سامنے سے دُور ہو جا۔"[1]

پطرس نے بھی اپنے آقا سے غداری کی اور لعنت بھیج کر یہ کہا کہ وہ اس شخص کو نہیں جانتا۔ انجیل میں لکھا ہے:

"پطرس لعنت کرنے اور قسم کھانے لگا کہ میں اس آدمی کو جس کا تم ذکر کرتے ہو نہیں جانتا۔"[2]

"پھر ان گیارہ کو بھی جب کھانا کھانے بیٹھے تھے، یسوع دکھائی دیا اور اس نے ان کی بے اعتقادی اور سخت دلی پر ان کو ملامت کی۔"[3]

یسوع نے پطرس کو مخاطب کر کے کہا:

"اے کم اعتقاد! تو نے کیوں شک کیا؟"[4]

تمام حواریوں کو مخاطب کر کے کہا:

"اے کم اعتقادو! تم آپس میں کیوں چرچا کرتے ہو کہ ہمارے پاس روٹی نہیں۔"[5]

"پھر ان سے کہا: تم کیوں ڈرتے ہو، اب تک ایمان نہیں رکھتے۔"[6]

"یسوع نے شاگردوں سے جواب میں کہا: اے بے اعتقاد اور کج رو قوم! میں کب تمہارے ساتھ رہوں گا اور تمہاری برداشت کروں گا۔"[7]

حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ملامت کی اور ان سے علیحدگی اختیار کر لی۔

"اس لئے اس کے شاگردوں میں سے بہتوں نے سُن کر کہا کہ یہ کلام ناگوار ہے اسے کون سُن سکتا ہے .... اس پر اس کے شاگردوں میں سے بہتیرے اس سے پھر گئے اور اس کے بعد اس کے ساتھ نہ رہے۔"[8]

---

[1] مرقس باب ۸ آیت ۳۳۔ [2] مرقس باب ۱۴ آیت ۷۱۔
[3] مرقس باب ۱۹ آیت ۱۴۔ [4] متی باب ۱۴ آیت ۳۱۔
[5] متی باب ۱۶ آیت ۸۔ [6] مرقس باب ۴ آیت ۴۰۔
[7] لوقا باب ۹ آیت ۴۱۔ [8] یوحنا باب ۶ آیت ۶۰۔

"پطرس یسوع کو الگ لے گیا اور ملامت کرنے لگا۔"[1]

ان حوالہ جات سے حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کی ایمانی حالت ظاہر ہو جاتی ہے۔ کہیں چند کوڑیوں کے بدلے اپنے آقا کو گرفتار کروا رہے ہیں، کہیں ان کو پہچاننے سے انکار کر رہے ہیں اور کہیں بدف ملامت بنا رہے ہیں۔ اور ان کے اس ضعف ایمان اور کج روی کی وجہ سے حضرت مسیح علیہ السلام ان کو بے اعتقاد اور کج رو قرار دے رہے ہیں۔

قرآن مجید کا عیسائیوں پر احسان :۔ قرآن مجید نے حواریوں کی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کو فرماں بردار قرار دیا ہے، ارشاد الٰہی ہے :

فَلَمَّا اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (آل عمران ۳ : ۵۲)

(آل عمران ۳ : ۵۲) پھر جب عیسٰی نے ان سے کفر محسوس کیا تو کہا کون اللہ کے ساتھ میرے مددگار ہیں۔ حواریوں نے کہا ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے اور گواہ رہو کہ ہم فرمانبردار ہیں۔

اس آیت میں قرآن مجید نے حواریوں کو مددگار اور فرمانبردار قرار دیا ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ (الصف ۶۱ : ۱۴)

(الصف ۶۱ : ۱۴) اے ایمان والو تم اللہ کے مددگار بن جاؤ، جیسی کہ عیسٰی ابن مریم نے حواریوں سے کہا اللہ کے راستہ میں کون میرا مددگار ہے تو حواریوں نے کہا ہم اللہ کی راہ میں مددگار ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو جو وفا اور ایثار کے پیکر تھے کہتا ہے کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کی مانند انصار اللہ بن جائیں۔ اس سے بڑھ کر حواریوں کی کیا تعریف ہو سکتی ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے :

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ (المائدہ ۵ : ۱۱۲)

---

[1] مرقس باب ۸ آیت ۳۲۔

اور جب میں نے حواریوں کی طرف وحی کی کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔ انہوں نے کہا: ہم ایمان لائے اور گواہ رہ کہ ہم فرماں بردار ہیں۔

اس آیت میں حواریوں کے ایمان لانے اور پھر اس پر ثابت قدم رہنے اور احکام الٰہی کے سامنے سر جھکانے کا ذکر ہے۔

## عہد نامہ جدید کی سرگزشت

**بائبل کے دو حصے:** ۔ بائبل عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید دو حصوں پر مشتمل ہے۔ یہود صرف عہد نامہ عتیق کو خدا کا کلام مانتے ہیں۔ عیسائی عہد نامہ عتیق کو منسوخ اور عہد نامہ جدید کو ناسخ مانتے ہیں۔ عہد نامہ جدید میں لکھا ہے: "چنانچہ اپنا جسم دے کر دشمن یعنی شریعت کے حکموں اور رسموں کو کھو دیا[1] اُس نے بیچ کیا تو پہلے کو پرانا ٹھہرایا۔ پر وہ جو پرانا اور ادنی ہے سو مٹنے کے قریب ہے"[2] اس نے تمہارے سب گناہ بخش دیئے اور حکموں کا نوشتہ جو ہمارا مخالف تھا ہماری بیچ مٹا ڈالا[3]۔ شریعت کی رُو سے راست باز بننا چاہتے ہو تو مسیح سے جدا ہوئے تم فضل کی نظر سے گر پڑے"[4]

عیسائیوں کے خیال میں عہد نامہ عتیق شریعت کا عہد ہے، یعنی اس عہد میں لوگ شریعت پر عمل کریں اور نجات حاصل کریں۔ عہد نامہ جدید فضل اور کفارہ کا عہد ہے کہ لوگ شریعت کو لعنت سمجھ کر مسیح کو لوگوں کے گناہوں کے فدیہ میں مصلوب سمجھیں اور نجات پائیں۔

**انجیل کا اصل نام:** ۔ انجیل یونانی زبان کا لفظ ہے۔ اس کی یونانی شکل ایونجیلیون Evangelion ہے۔ اصل زبان میں اس کا مفہوم ہے: وہ انعام جو خوش خبری پر عطا کیا جاتا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی مادری زبان آرامی تھی نہ کہ یونانی۔ آرامی زبان سامی ہونے کی وجہ سے عبری اور عربی زبان سے ملتی جلتی ہے۔

---

[1] افسیوں ۲ : ۱۵ ۔
[2] عبرانیوں ۸ : ۱۳ ۔
[3] نامہ کلسیوں ۲ : ۱۴ ۔
[4] نامہ گلتیوں ۵ : ۴ ۔

یونانی آرین سلسلہ کی زبان ہے اور بہت مختلف ہے۔ اس لئے مسیح کے پیغام کا ابتدائی نام انجیل نہ ہوگا، بشیرہ یا بشری ہو سکتا ہے۔ عہد نامہ عتیق میں یہ لفظ بار بار استعمال ہوا ہے[1]

انجیل کا نام، اس کی تدوین اور ترتیب: ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے بعد کوئی ایسی لکھی ہوئی کتاب چھوڑ کر نہیں گئے تھے۔ جس کی حواری اشاعت کرتے۔ عہد نامہ جدید میں لفظ انجیل استعمال ہوا ہے لیکن ہر جگہ اس سے مراد خوش خبری ہے نہ کہ کتاب[2]

اب نئے ترجموں میں ان تمام حوالہ جات میں انجیل کی بجائے خوشخبری ترجمہ کیا گیا ہے۔

لفظ انجیل کتاب کے طور پر حضرت مسیح علیہ السلام سے ۱۵۰ برس استعمال ہونے لگا۔ انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے:

"Thus it was not till the middle of the Second Century that the word came to signify a look and even after that till the end of the 2nd century it continued to bear its original meaning as well" [3]

چنانچہ دوسری صدی کے وسط تک اس لفظ نے "کتاب" کے معنی اختیار کر لئے اور اس کے بعد دوسری صدی کے اختتام تک اپنے انہی اصل معنوں میں استعمال ہوتا رہا۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد جعل سازی: حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد ہی جعل سازی، فریب کاری اور جعلی تصانیف کا بازار گرم ہو گیا تھا۔ پولوس کے تھیسلنیکیوں کے نام

---

[1] سموئیل دوم ۴: ۱۰ اور ۱۸: ۲۰ تا ۲۷ اور لفظ بشورہ کے مشتقات اسی معنی میں سموئیل اول ۳۱: ۹۔ یسعیاہ ۴۱: ۲۷ اور یرمیاہ ۲۰: ۱۵ وغیرہ میں بارہا استعمال ہوا ہے۔

[2] متی ۱۱: ۵، ۲۳: ۴، ۱۴: ۱۱۔ مرقس ۱: ۱۵، ۱۶، لوقا ۲: ۱۰، ۱۲، ۱۰ اور لوقا ۱۶: ۱۶۔

[3] انسائیکلو پیڈیا بیبلیکا صفحہ ۱۸۹۔

دوسرے خط کے باب ۲ آیت ۲ میں ہے کہ "تم اس خیال سے کہ مسیح کا دن آپہنچا ہے جلد اپنے دل کی ڈھارس مت کھوؤ اور نہ گھبراؤ۔ نہ کسی روح، نہ کسی کلام، نہ کسی خط سے یہ سوچ کر کہ وہ ہماری طرف سے ہے کوئی تمہیں کسی طرف سے فریب نہ دے"

اس سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ پولوس کے زمانہ میں ہی جعلی خطوط کا سلسلہ جاری ہو گیا تھا۔ بلکہ ۲ کرنتھیوں کے باب ۱۱ آیت ۱۳، ۱۴ میں اس امر کی شہادت پائی جاتی ہے کہ پولوس کے زمانہ سے جھوٹے مدعیان رسالت کا سلسلہ جاری ہو گیا تھا۔ چنانچہ اسکاٹ صاحب نے رومن تفسیر مطبوعہ الہ آباد ۱۸۶۶ء کے صفحہ ۱۸۶ پر لکھا ہے:

"نہ صرف جعلی مصنف بلکہ مسیح ہونے کا بہتوں نے دعویٰ کیا تھا۔ چنانچہ یوسف مورخ کتنوں کا ذکر کرتا ہے۔ وہ یوں لکھتا ہے کہ ملک جادوگروں اور دغابازوں سے بھر گیا۔ جنہوں نے بہتوں کو ورغلایا اور بیابان میں لے گئے تاکہ اپنی کرامتیں دکھلائیں ان میں سے دوستیہوس سامری کا ذکر ہے جس نے اپنے آپ کو مسیح کہا اور شمعون مجوسی جو اپنے آپ کو خدا کا بیٹا کہتا تھا اور لوڈوس جس نے بہت لوگوں کو دھوکا دے کر کہا کہ میں یردن ندی کو دو حصہ کر کے بیچ میں راستہ بنا دوں گا۔ القصہ چوبیس شخصوں کا ذکر ہے جنہوں نے اور دین قیصر کے وقت سے لے کر ۱۶۸۳ء تک مسیح ہونے کا دعویٰ کیا"

**جعلی تصنیفات:۔** جھوٹے مدعیان رسالت کے علاوہ دیندار عیسائیوں نے دین کے معاملات میں کذب بیانی کا شیوہ اختیار کر لیا تھا۔ اس بات کی تائید پولوس کی تحریر سے ملتی ہے۔ انہوں نے خط رومیوں کو بھیجا تھا اور جو مجموعہ عہد جدید میں شامل ہے اس کے باب ۳ آیت ۷، ۸ میں لکھا ہے:

"پھر اگر میرے جھوٹ کے سبب خدا کی سچائی اس کے جلال کے لئے زیادہ ظاہر ہوئی تو مجھ پر کیوں گنہگار کی طرح حکم ہوتا ہے اور ہم کیوں برائی نہ کریں تاکہ بھلائی نکلے۔ چنانچہ یہ تہمت ہم پر لگائی بھی جاتی ہے"

دوسری صدی عیسوی کے ذکر میں رومن تواریخ کلیسا مطبوعہ مرزا پور ۱۸۵۶ء کے صفحہ ۹۰ پر ذیل کی عبارت درج ہے:

"دوسری صدی میں مسیحیوں میں گفتگو رہی کہ جب بت پرست فیلسوف اور کلیسیوں کے ساتھ دین کا مباحثہ کیا جاوے تو انہی کے بحث کا طور اور طریقہ اختیار

کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اور آخر کار اُرجن وغیرہ کی رائے کے بموجب طریقہ مذکور تسلیم ہوا۔ اس سے البتہ مسیحی بحاثوں کی تیز عقلی اور نکتہ چینی نے بحث میں زیادہ رونق پائی۔ لیکن راستی اور صفائی میں کچھ خلل پڑا۔ پھر اسی سبب سے بعضے لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ جعلی تصنیفات پیدا ہوئیں جو کہ اس زمانہ کے بعد کثرت سے لکھی گئیں۔ اسطرح سے کہ جب فیلسوف لوگ کسی طریقہ کی پیروی کرتے تھے تو کبھی کبھی اس کے حق میں کتاب لکھ کر کسی معروف حکیم کے نام سے اجرا کرتے تھے کہ اس حیلے سے لوگ اس پر متوجہ ہو کر اس کی باتیں زیادہ مانیں، اگرچہ اس کی باتیں بر ملا خود مصنف کی ہوتیں۔ سو اسی طرح مسیحی جو فیلسوفوں کی طرح بحث کرتے تھے کتاب لکھ کر کسی حواری یا خادم حواری یا معروف اسقف کے نام سے رواج دیتے تھے۔ ایسا دستور تیسری صدی میں شروع ہوا اور کئی سو برس تک رومی کلیسا میں جاری رہا۔ یہ بات بہت ہی خلاف حق اور قابل الزام شدید تھی۔"

ہارن صاحب اپنی تفسیر کی دوسری جلد کے صفحہ ۳۲۱ پر لکھتے ہیں:

"بلاشبہ بعض خرابیاں (یعنی تحریفیں) جان بوجھ کر ان لوگوں نے کی ہیں جو کہ دیندار مشہور تھے۔ اور اس کے بعد اُنہی خرابیوں کو ترجیح دی جاتی تھی، تاکہ اپنے مطلب کو قوت دیں یا اعتراض اپنے پر نہ آنے دیں۔"

عیسائی مصنفین کے نزدیک جعلی تصنیفات کی وجوہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ عیسائیوں کے ہر فرقہ نے اپنے مسلک کی تائید میں کسی حواری یا خادم حواری یا کسی بڑے شخص کے نام پر کتب لکھ کر شائع کر دیں۔

۲۔ جعلی مسیح اور جھوٹے مدعیان رسالت کی کثرت جعلی تصانیف میں اضافہ کا باعث ہوتی رہی۔

۳۔ دیندار لوگوں نے بھی دین کے معاملات میں جھوٹ بولنا جائز سمجھ لیا۔ اس بات کا اعتراف پولوس کو بھی ہے۔

**ترتیب و تدوین کا نرالا طریقہ:۔** جب مسیح فرقوں کے اصولی اختلاف اور انتشار کی وجہ سے جعلی اناجیل نویسی کا رواج عام ہو گیا تو ۳۲۵ء میں قسطنطین اعظم نے ۲۰۰ پادریوں کی ایک کونسل بلائی تاکہ وہ اصل انجیل اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحیح عقائد کا فیصلہ کرے۔ چنانچہ اُنہوں نے تاریخی اور عقلی دلائل کی روشنی میں اصل انجیل اور حضرت مسیح علیہ السلام کے صحیح عقائد

کی تدوین کی بجائے ایک عجیب اور نرالا طریقہ اختیار کیا، وہ یہ کہ "کونسل میں جو اناجیل پیش کی گئی تھیں انہوں نے ان کو ایک بے ترتیب ڈھیر کی طرح گرجا کے اندر عشاء ربانی کی میز کے نیچے رکھ دیا اور خداوند سے درخواست کی کہ ان میں سے الہامی اناجیل پھلانگ کر میز پر آجائیں اور جعلی نسخے میز کے نیچے پڑے رہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آگیا۔"

چنانچہ قسطنطین اعظم نے چار اناجیل کے علاوہ باقی سینکڑوں نسخوں کو جعلی قرار دے کر جلا دینے کا حکم دے دیا۔ بلکہ یہاں تک حکم دے دیا کہ جو شخص ایسی تحریر چھپا رکھے گا، یا جلا نہ دے گا، یا بادشاہ کی خدمت میں پیش نہ کرے گا اسے سزائے موت دی جائے گی۔ اس طرح سینکڑوں نسخے جلا دیئے گئے۔

موشیم چرچ ہسٹری میں لکھا ہے:

"یہ احکام اس قدر ظالمانہ اور نامعقول تھے کہ بعد میں خود بادشاہ کو پچھتانا اور پشیمان ہونا پڑا۔ اس کونسل میں ایریس (AREIS) فرقہ کے متعلق بادشاہ نے ان کی تحریرات جلا دینے اور ان کو جلا وطن کر دینے کا حکم دیا۔ مگر اس کے چند سال بعد ۳۲۰ء میں جب بادشاہ کی بہن نے اپنے بستر مرگ پر کہا کہ ایریس کے خلاف فیصلہ ظالمانہ تھا اور یہ فیصلہ اس کے دشمنوں کے تعصب کی وجہ سے ہوا نہ کہ صداقت کی بناء پر۔ اس پر شہنشاہ نے اپنا حکم واپس لے لیا۔ مگر یہ حکم پہنچنے سے پہلے ایریس فوت ہو چکا تھا۔"[1]

**عہد جدید کی مشمولہ:** عہد نامہ جدید میں ستائیس کتابیں شامل ہیں جن کے نام یہ ہیں:

۱۔ متی کی انجیل۔ ۲۔ مرقس کی انجیل۔ ۳۔ لوقا کی انجیل۔ ۴۔ یوحنا کی انجیل۔ ۵۔ رسولوں کے اعمال۔ ۶۔ پولس رسول کا خط رومیوں کو۔ ۷۔ پولس رسول کا پہلا خط کرنتھیوں کو۔ ۸۔ پولس رسول کا دوسرا خط تھسلنیکیوں کو۔ ۹۔ پولس رسول کا خط گلتیوں کو۔ ۱۰۔ پولس رسول کا افسیوں کو۔ ۱۱۔ پولس رسول کا خط فلپیوں کو۔ ۱۲۔ پولس رسول کا خط تھسلنیکیوں کو۔ ۱۳۔ پولس رسول کا پہلا خط فلپیوں کو۔ ۱۴۔ پولس رسول کا دوسرا خط تمطاؤس کو۔ ۱۵۔ پولس رسول کا خط طیطس کو۔ ۱۶۔ پولس رسول

---

[1] صفحہ ۱۲۶ باب ۲ فصل ۵۔

کا خط فلیمون کو۔ ۱۹۔ عبرانیوں کو خط۔ ۲۰۔ یعقوب کا خط۔ ۲۱۔ پطرس کا پہلا خط۔ ۲۲۔ پطرس کا دوسرا خط۔ ۲۳، ۲۴، ۲۵۔ یوحنا فقیہ کے ۳ خطوط و مکاشفات اور یہوداہ کا ایک خط۔

اس منتخب مجموعہ کو پوپ گلاسیوس (۴۹۲ء تعایت ۴۹۶ء) نے باضابطہ طور پر سند قبول عطا کی اور عیسائیوں میں آج تک یہی مجموعہ مروج ہے۔

**کتب غیر مشمولہ:** عیسائی مفسرین و مصنفین کی تحریروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم ایک سو اٹھاون (۱۵۸) کتابیں ایسی ہیں جو کسی زمانہ میں معتبر اور مقدس سمجھی جاتی تھیں، مگر اب وہ محققین کے نزدیک جعلی اور مجموعہ عہد جدید سے خارج ہیں۔ ان کتب کے نام معلوم کرنے کے لئے حسب ذیل کتب کی طرف رجوع کیا جائے:

۱۔ انٹروڈکشن علوم بائبل از ہارن صاحب مطبوعہ لندن ۱۸۲۵ء جلد ۱۔

۲۔ ورکس از لارڈنر صاحب مطبوعہ لندن ۱۸۲۹ء جلد ۴۔

۳۔ جارج سیل کی تحریریں مطبوعہ لندن ۱۸۶۱ء۔

۴۔ یکسیمو اور ایپوکریفل نیو ٹسٹمنٹ مطبوعہ لندن ۱۸۲۰ء۔

۵۔ اخبار نور افشاں لودھیانہ کی اشاعت ۲۷ جولائی ۱۸۷۶ء کے صفحہ ۲۳۶ پر پادری ویری کا مضمون۔

ہاٹن صاحب نے اپنی کتاب جلد ۱ کے صفحہ ۶۴۲ پر لکھا ہے کہ کتب غیر مشمولہ میں چند ایسی بھی کتب تھیں جن کے متعلق یہ بیان کیا جاتا تھا کہ وہ خود حضرت مسیح علیہ السلام کی لکھی ہوئی تھیں۔ ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ نامہ بنام آبیگارس۔ ۲۔ نامہ بنام پطرس و پال۔ ۳۔ کتاب تمثیلوں اور وعظ کی۔ ۴۔ کتاب مناجات مسیح۔ ۵۔ کتاب سحر۔ ۶۔ کتاب پیدائش مسیح و مریم۔ ۷۔ نامے جو آسمان سے گرے۔ ۸۔ نامہ حضرت مسیح جو منی کیس نے پیدا کیا۔

رومن تواریخ کلیسا مطبوعہ مرزاپور ۱۸۵۶ء جلد ۲ کے صفحہ ۳۶ پر لکھا ہوا ہے کہ ۳۲۳ء میں مورخ یوسی بیس EUSI BIUS نے شہر رولیہ کے شاہی دفتر میں دو خط پائے۔ جن میں سے ایک خط اگیرس بادشاہ کی طرف سے مسیح کے نام تھا۔ جس میں اس نے ایک شدید مرض میں اپنے مبتلا ہونے کا حال لکھ کر مسیح سے درخواست کی تھی کہ اسے تندرست کر دے اور دوسرا

خط مسیح کی طرف سے بادشاہ کے خط کا جواب تھا۔ مسیح کا یہ خط بھی مروجہ کتب عہد جدید میں شامل ہے۔

## کتب عہد جدید پر تبصرہ

کتب مشمولہ عہد جدید مورخ یوسی بیس کے قول کے مطابق تین اقسام میں منقسم ہیں۔ ایک وہ جن کی صحت اور معتبر ہونے پر سب کو اتفاق ہے، اس میں حسب ذیل کتب شامل ہیں :۔

اناجیل اربعہ۔ رسولوں کے اعمال۔ پولوس کے چودہ خط۔ پطرس کا پہلا خط۔ یوحنا کا پہلا خط۔ یہ سب ۱۲ کتب ہوتیں۔ جن کی صحت پر عیسائیوں کا اتفاق ہے۔ یوسی بیس مکاشفات کی کتاب بھی اس میں شامل کر لیتا ہے۔

دوسری قسم کے بارہ میں یوسی بیس کہتا ہے کہ بعض ان کی صحت اور معتبر ہونے کے قائل ہیں۔ اور بعض ان کی صحت میں شک کرتے ہیں۔ اور صحت کے معیار سے گرا ہوا سمجھتے ہیں۔ اس میں یہ کتب شامل کی گئی ہیں :

یعقوب کا خط۔ یہوداہ کا خط۔ پطرس کا دوسرا خط۔ یوحنا کا دوسرا اور تیسرا خط۔ یہ سب مل کر پانچ کتابیں ہوتیں۔

تیسری قسم کے کتب کے بارہ میں سب کا اتفاق ہے کہ وہ غیر معتبر ہیں۔ لیکن یوسی بیس کو یہ اخلاقی جرأت نہ ہوئی کہ مشمولہ کتب عہد جدید میں سے کسی کا نام داخل کرے۔ لیکن مفتاح الکتاب کے مصنف نے لکھا ہے کہ بعض نے اس نوع کی کتابوں میں اس خط کو جو عبرانیوں کے نام ہے اور یوحنا کے مکاشفات کو شامل کیا ہے۔ بہرحال مشکوک کتب سات ہیں، ان کے نام حسب ذیل ہیں :

۱۔ یعقوب کا خط۔ ۲۔ یہوداہ کا خط۔ ۳۔ پطرس کا دوسرا خط۔ ۴۔ یوحنا کا دوسرا خط۔ ۵۔ یوحنا کا تیسرا خط۔ ۶۔ عبرانیوں کا خط۔ ۷۔ مکاشفات یوحنا۔

اب ہم ان کتب پر سرسری نظر ڈالتے ہیں :

**انجیل متی :۔** عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق متی کی انجیل سب سے پرانی ہے یہ انجیل اصل میں عبرانی زبان میں لکھی گئی تھی۔ لارڈنر نے اور یرمن کے تین اقوال اپنی کتاب میں لکھے ہیں، جن سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ انجیل عبرانی زبان میں لکھی گئی تھی۔ یوسی بیس اور اتھنا سیس اور سرل اور جروم سب اس امر پر متفق

نظر آتے ہیں کہ یہ کتاب عبرانی زبان میں لکھی گئی۔ ہارن صاحب نے اپنی تفسیر میں تئیس (۲۳) علماء کے نام تحریر کئے ہیں جو اس امر کے قائل تھے کہ متی کی انجیل دراصل عبرانی زبان میں تھی۔

ریو صاحب اپنی تاریخ انجیل میں لکھتے ہیں:

"یہ بات غلط ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ متی نے انجیل یونانی میں لکھی تھی، کیونکہ یوسی بیس اور بہت سے عیسائی علماء نے لکھا ہے کہ متی نے انجیل عبرانی میں لکھی ہے نہ کہ یونانی میں"۔

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کی جلد ۱۹ میں ہے:

"عہد جدید کی سب کتابیں یونانی میں لکھی گئیں الّا انجیل متی اور نامۂ عبرانیاں جن کا عبرانی زبان میں لکھا جانا بہ دلائل متیقن ہے۔

بعض محققین کا یہ خیال ہے کہ جس حصّہ کا مولف حواری متی تھا وہ حصّہ اسی زمانہ میں ضائع ہو گیا تھا۔ اب جو کچھ ہمارے ہاتھوں میں ہے اس کے مولف نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا۔

عہد تالیف کے متعلق عام نظریہ یہ ہے کہ یہ ۶۱ء اور ۶۵ء کے درمیان میں تالیف ہوئی۔ لیکن پروفیسر ہارنک کی تحقیق کے مطابق اس کا زمانہ تالیف ۸۰ء اور ۱۱۰ء کے درمیان ہے۔ اس انجیل کا زمانہ تالیف ۶۱ء ہو یا ۱۱۰ء، تاریخ میں اس انجیل کا نشان ۱۷۳ء سے پہلے نہیں ملتا۔

**انجیل مرقس:۔** بعض مورخین کا یہ خیال ہے کہ سب سے قدیم انجیل مرقس کی انجیل ہے جس کا ذکر یوسی بیس (المتوفی ۳۴۰ء) نے اپنی تاریخ کلیسا میں کیا ہے۔ یوسی بیس لکھتا ہے کہ مرقس ایک یہودی الاصل یونانی تھا، پہلے پال اور برنباس کا رفیق تھا۔ اور پھر ان سے علیحدہ ہو کر پطرس حواری کی خدمت میں رہنے لگا۔ لیکن ۶۴ء میں قیصر نیرو نے جب پطرس کو عیسائیوں کے قتل عام میں شہید کر ڈالا تو مرقس نے اس حادثہ کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کی سیرت لکھی۔

اسکاٹ صاحب اپنی رومن تفسیر کے صفحہ ۲۴۰ پر لکھتے ہیں:

"یہ بھی ٹھیک نہیں کہ کس وقت یہ صحیفہ لکھا گیا، مگر گمان غالب ہے کہ اس کی تصنیف ۵۶ء اور ۶۳ء کے درمیان ہوئی۔ سب متفق طور پر

کہتے ہیں کہ شہر روم میں اس کی تصنیف ہوئی۔

عیسائی علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرقس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صحبت سے فیض حاصل نہیں کیا، بلکہ پطرس کی تبلیغی مساعی سے عیسائیت قبول کی۔ اس نے جو تعلیم پطرس سے حاصل کی اسے رومی یعنی لاطینی زبان میں لکھ کر شہر روم میں اس نے اپنی انجیل کو شائع کیا۔ لاطینی زبان والی انجیل مرقس ضائع ہو چکی ہے اور اس کا یونانی ترجمہ موجود ہے۔

سینٹ ارینوس ۱۷۸ء میں لکھتے ہیں کہ "پطرس کے مرید اور مترجم مرقس نے بعد موت پطرس وہ چیزیں جو پطرس نے وعظ کی تھیں لکھ کر دیں"۔

یونانی ترجموں میں غلطیوں کے ہونے کا بھی عیسائی مصنفین کو اعتراف ہے۔ چنانچہ وارڈ صاحب اپنے اغلاط نامہ میں لکھتے ہیں کہ بقول جروم کے علماء متقدمین کو اس انجیل کے آخری باب کی صحت میں شبہ تھا۔ مرقس باب ۲ آیت ۲۶ میں جو لفظ ابیاتھر آیا ہے اس کی بابت یہی وارڈ صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶ پر لکھتے ہیں: "مسٹر جوئیل اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ مرقس نے غلطی سے اخیملک کی جگہ ابیاتھر لکھا ہے اور متی نے غلطی سے ذکریاہ کی جگہ یہویدا لکھا ہے"۔

انجیل لوقا:۔ لوقا: انطاکیہ کا رہنے والا ایک طبیب اور غیر یہودی مورخ تھا۔ اس سے دو کتب منسوب ہیں: ایک انجیل لوقا، دوسری رسولوں کے اعمال۔ بقول مصنف مفتاح الکتاب لوقا نے انجیل ۶۳ء کے قریب اور اعمال ۶۴ء کے قریب لکھے۔

لوقا مسیح کے حواریوں میں سے نہیں تھا۔ اس نے خود ہی اپنی انجیل کی تمہید میں لکھا ہے کہ جنہوں نے مسیح کو دیکھا اور مسیح کی خدمت کی تھی ان سے پوچھ کر میں لکھتا ہے۔ اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

اول: لوقا حضرت مسیح علیہ السلام کی صحبت سے فیض یاب نہیں ہوا۔

دوم۔ اس کی انجیل کے ماخذ ان لوگوں کے اقوال ہیں جنہوں نے مسیح کی خدمت کی۔

عیسائی علماء لوقا کو پولوس کا شاگرد قرار دیتے ہیں۔ اردو تاریخ کلیسا مجموعہ ۱۸۷۰ء کے صفحہ ۴۴ پر ہے:

"اور جب پولس شہر تروآس میں گیا جو بحر روم کے ساحل پر واقع ہے تو

یہاں اس سے اور لوقا سے ملاقات ہوئی اور اس وقت سے برابر لوقا پولوس کے ساتھ رہا۔"

پھر اسی صفحہ کے حاشیہ پر یہ عبارت ہے:

"یہ اس کی عبارت سے ظاہر ہے کیونکہ وہ اس کے بعد اعمال الرسل کے آخر تک صیغہ جمع استعمال میں لاتا ہے۔ لوقا کی انجیل اور اعمال الرسل دونوں اسی کی تصنیف ہیں۔

THEOPHILUS

انجیل لکھنے کی غرض وغایت:۔ لوقا ایک رومن وزیر کو جس کا نام تھیفلس تھا پڑھایا کرتا تھا۔ اسے مخاطب کرکے اپنی انجیل تصنیف کرنے کی غرض وغایت ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

"چونکہ بہتوں نے اس پر کمر باندھی کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں ان کو ترتیب وار بیان کریں جیسا کہ انہوں نے شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے ان کو ہم تک پہنچایا۔ اس لئے اے تھیفلس میں نے مناسب جانا کہ سب باتوں کا سلسلہ شروع سے ٹھیک ٹھیک دریافت کرکے ان کو تیرے لئے ترتیب سے لکھوں تاکہ جن باتوں کی تو نے تعلیم پائی ہے ان کی پختگی تمہیں معلوم ہو جائے۔ (لوقا ۱:۱)

انجیل یوحنا:۔ یہ انجیل تینوں اناجیل سے اپنے مضامین اور طرز ادا سے منفرد اور یگانہ حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں یونان کے فلسفہ الٰہیات کی چاشنی موجود ہے۔ خاص طور پر یہودی فلسفی فائلو (PHILO) کے فلسفیانہ خیالات کی آمیزش بہت ہے۔ جس کی بہترین مثال اس انجیل کا ابتدائی فقرہ ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلام بتلایا گیا ہے:

"ابتداء میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا۔"

بعض عیسائی علماء اسے حواری یوحنا کی طرف منسوب کرتے ہیں جو تاریخی لحاظ سے غلط ہے۔ یہ بات تحقیق سے ثابت ہے کہ جو دو سگے بھائی یوحنا اور جیمس لیسران زبیدی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری تھے پاپیاس کی روایت کے مطابق یہود نے دونوں کو ۶۰ء اور ۶۲ء کے مابین شہید کر ڈالا تھا۔

اس انجیل کا مولف اور جامع ایک دوسرا یوحنا ہے جو افیسوس واقع ایشیائے کوچک کا رہنے والا تھا اور پہلی صدی کے آخر میں گزرا ہے۔ مکاشفات یوحنا

کا بھی یہی مصنف ہے۔ اس انجیل کے سن تالیف میں اختلاف ہے۔ اس کی تاریخ ۶۸ء سے لے کر ۷۰ء تک بیان کی جاتی ہے اور مکاشفات کی تاریخ تصنیف ۹۵ء، ۹۶ء اور ۹۷ء بیان کی جاتی ہے۔

انجیل برناباس:۔ برناباس مسیح کے حواریوں میں سے ایک ممتاز حواری تھا۔ اس نے اور پولوس نے اکٹھے مختلف ممالک میں تبلیغی دورے کئے۔ مرقس بھی ان کے ہمراہ بطور ترجمان کے جایا کرتا تھا۔ مسیح کی تعلیم کے بارے میں پولوس اور برناباس میں اختلاف پیدا ہوگیا نظریاتی اختلاف کی وجہ سے برناباس اور مرقس اس سے علیحدہ ہوکر جزیرہ سائپرس کو چلے گئے۔ جو برناباس کا وطن تھا۔ برناباس نے وہیں وفات پائی۔ اور دفن ہوا۔

برناباس نے ایک انجیل لکھی تھی۔ جس کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ ایک لمبا عرصہ گزرنے کے بعد ۴۷۸ء میں برناباس کی قبر کھولی گئی تو یہ انجیل اس کی چھاتی پر رکھی ہوئی پائی گئی۔ اٹھارہ سال تک یہ انجیل گرجاؤں میں پڑھی جاتی رہی پھر ۴۹۶ء میں پادریوں کی ایک کونسل نے اس انجیل کا پڑھنا ممنوع اور ناجائز قرار دیا پوپ اسکٹس پنجم POPE SIXTUS V کے کتب خانہ میں یہ انجیل دیگر ممنوعہ کتب کے ساتھ بند ہوگئی۔ اور تقریباً ایک ہزار سال اس حالت میں پڑی رہی۔

ایک عیسائی راہب فرامارینو FRA MARINO بیان کرتا ہے کہ اتفاقاً کچھ پرانا مذہبی لٹریچر اس کے ہاتھ آگیا۔ ان میں سے ایک ایسا رسالہ تھا۔ جس میں پولوس کی بیان کردہ تعلیم پہ سخت محاسبہ اور محاکمہ کیا تھا۔ اور برناباس کی انجیل کو بطور سند کے پیش کیا تھا۔ راہب عیسائی کے دل میں یہ شوق موجزن ہوا۔ کہ اگر کہیں سے یہ انجیل دستیاب ہو جائے تو اس کا مطالعہ کرے۔ کچھ عرصہ بعد یہ راہب پوپ صاحب کے مقربین میں شامل ہوگیا۔ ایک دن وہ پوپ صاحب کی ملاقات کے لئے گیا تو پوپ صاحب کے سیکرٹری نے اُسے لائبریری میں بٹھا دیا۔ فرامارینو FRA MARINO بیان کرتا ہے کہ میں لائبریری میں اکیلا بیٹھا پوپ صاحب کا انتظار کر رہا تھا۔ دل میں یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ اتنی دیر میں کتب ہی دیکھ لوں۔ سب سے پہلے جو کتاب ہاتھ میں آئی وہی برناباس کی انجیل تھی۔ راہب بیان کرتا ہے کہ یہ میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ میں نے فوراً اس انجیل کو چغے کے نیچے چھپا کر بغل میں دبا لیا

پھر جلدی سے پوپ صاحب سے رخصت حاصل کر کے چلا گیا۔

انجیل کی دریافت :۔ ۱۷۰۹ء میں شاہ پروشیا کے ایک مشیر کرومر کو ایمسٹرڈم کے مقام پر کسی کتب خانہ سے برناباس کی انجیل ہاتھ لگی۔ اس وقت تک صرف اتنا معلوم ہو سکا تھا کہ کریمر نے یہ اطالوی نسخہ ایمسٹرڈم کے کسی صاحب حیثیت سے حاصل کیا تھا۔ کریمر نے یہ نسخہ شہزادہ آیوجین سافوئی کو تحفہ کے طور پر دے دیا۔ اس کے بعد ۱۷۳۸ء میں اسٹریا کے دارالسلطنت وائنا کے شاہی کتب خانہ میں منتقل ہو گیا۔ اور آج تک وہیں ہے۔

اٹھارویں صدی کے آغاز میں ہڈلی کے مقام پر ڈاکٹر لمن کو انجیل برناباس کا ایک نسخہ ملا۔ جو ہسپانوی زبان میں تھا۔ یہی نسخہ جارج سیل کو ملا۔ جارج سیل نے اس نسخے پر جو نوٹ لکھا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ درحقیقت ہسپانوی نسخہ، اطالوی نسخہ کا ترجمہ ہے۔ جو کسی اردغانی مسلمان مصطفیٰ عرندی نے کیا ہے۔ مصطفیٰ ہی نے اس کے آغاز میں ایک دیباچہ تحریر کیا ہے جس میں اطالوی نسخے کی دریافت کا پورا حال تحریر کیا ہے۔

۱۹۰۷ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر "ڈاکٹر منگ" ہاؤس نے انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ کیا پھر انگریزی کے ترجمہ سے مصر کے مشہور عیسائی عالم ڈاکٹر خلیل سعادت نے عربی زبان میں ترجمہ کیا۔ اس عربی ترجمہ سے مولوی محمد حلیم صاحب انصاری نے اردو زبان میں ترجمہ کیا جو اس وقت ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے۔

انجیل برناباس معروف اناجیل اربعہ میں بہت سی باتوں میں مختلف ہے۔ لیکن مندرجہ ذیل تین اختلافی امور خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

۱۔ اس انجیل میں حضرت مسیح نے اپنے "خدا اور خدا کا بیٹا" ہونے سے صاف انکار کر دیا ہے۔

۲۔ اس میں حضرت مسیح نے واضح الفاظ میں یہ بیان کیا ہے کہ وہ "مسیح یا مسیا" جس کی بشارت قدیم صحیفوں میں دی گئی ہے۔ اس سے مراد حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جس بیٹے کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ وہ حضرت اسحٰق علیہ السلام نہیں۔

قدیم نسخے :۔ انجیل کے موجودہ تراجم جو مختلف زبانوں میں پائے جاتے ہیں۔ایک یونانی نسخے سے لئے گئے ہیں ۔ CODEX ALEXANDRIUS
کہلاتا ہے اور برٹش میوزیم میں رکھا ہوا ہے۔یہ نسخہ پانچویں صدی عیسوی کی تصنیف ہے۔
CODEX ALEXANDRIUS کے علاوہ اور بھی کئی پرانے نسخے ہیں جن میں سے حسب ذیل مشہور اور قدیم ہیں۔

۱ CODEX SINAITICUS

۲ CODEX VATICANUS

۳ VULGATE LATIN

یہ تینوں نسخے چوتھی صدی عیسوی کی تصنیف ہیں اور برٹش میوزیم میں رکھے ہوئے ہیں۔ CODEX SINAITICUS میں پرانے عہدنامہ کی صرف ۲۶ کتب نئے عہدنامہ کی ساری کتب اور برناباس کی انجیل شامل ہیں۔

نئی انجیل کا انکشاف :۔ ۱۹۴۵ء میں بالائی مصر کے علاقہ ناگ حمادی کے قریب کھدائی کے وقت کسانوں نے ایک قدیم خانقاہ کے کھنڈرات معلوم کئے۔انہوں نے دیکھا کہ ایک پرانی قبر میں جو کہ چونے کی چٹانوں میں کھود کر بنائی گئی تھی ایک مٹی کا برتن رکھا ہے۔اس مٹکے کو کھولا تو اس میں پے پی رس کے کاغذوں پر قبطی حروف میں لکھے ہوئے صحائف پائے گئے۔یہ صحیفے تعداد میں ۴۹ تھے اور تیرہ جلدوں میں مجلد تھے۔یہ صحیفے جب مصر کے قبطی میوزیم میں پہنچے تو وہاں انکشاف ہوا کہ یہ صحائف قدیم صعیدی قبطی زبان اور رسم الخط میں ہیں، تیسری یا چوتھی صدی میں یہ صحائف باطنی فرقہ کے لوگوں نے ترتیب دئے تھے بعض صحائف کا یونانی سے قبطی زبان میں ترجمہ ہوا۔ترجمہ کے لئے ۱۵۰ عیسوی تک کے صحیفے ان کے پیش نظر تھے۔یہ صحائف اناجیل، خطوط و رسل مکاشفات، ادعیہ اور عقائد کی تفصیل پر مشتمل ہیں،

تیرہ جلدوں کے بعض خاص صحائف کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے ۱۱۴ اقوال تو ما حواری کی مرتب کردہ انجیل۔

۲۔ یوحنا حواری کی کتاب اسرار

۳۔ روایات میتھیاس۔

۴۔ یعقوب حواری کا مکتوب۔

۵۔ دوسی تھیوس کا مکاشفہ۔

فی الحال انجیل تو مالیعنی حضرت مسیح کے ۱۱۴ اقوال طبع ہوئے ہیں۔

اعمال:۔ "رسولوں کے اعمال" لوقا کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اس میں صرف پطرس اور پولوس کے حالات درج ہیں۔ ان کے تاریخی واقعات الہامی نہیں ہو سکتے۔ عیسائیوں میں فرقہ والن ٹی ٹینس اور مارسیونی اور سویرنس نے اس کتاب کی ثقاہت کا انکار کیا ہے۔

پولوس کے خطوط: یہ کتاب چودہ خطوط پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ایک خط عبرانیوں کے نام ہے۔ اس کو عیسائی علماء نے مشکوک ٹھیرایا ہے۔ کتاب "سوال و جواب" مترجمہ پادری یولس سنگھ اور پادری والش سنگھ صاحب میں سوال ۱۵۱ کے جواب میں عبرانیوں کے خط سے متعلق لکھا ہے کہ "اس کی بابت لوگوں میں اختلاف ہے۔ بہتیرے اسے پولوس سے نسبت دیتے ہیں اور بہت سے عالی سند نکتہ دان اس بات کو اعتماد کے ساتھ رد کرتے ہیں پر اس کے راقم کا تصفیہ نہیں کر سکتے"۔ پھر اسی کتاب میں آگے چل کر لکھا ہے کہ "وہ یہ کہتے ہیں کہ اس کا طرز پولوس کے طرز کی مانند نہیں۔ اکثر مقامات میں اس کے طرز سے اختلاف پڑتا ہے۔ جو لوگ یونانی کا بخوبی علم رکھتے ہیں وے کہتے ہیں کہ اس خط کی یونانی پولوس کی یونانی سے مشابہ نہیں ہے"۔

تاریخ یوسی بیس کی چھٹی کتاب کے باب ۲۵ میں اُرجن کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ "جو احوال قبل ہمارے زبان زد رہا ہے یہ ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ کلیمنٹ نے جو روم کا بشپ تھا۔ نامہ عبرانیوں کو تصنیف کیا اور بعض کہتے ہیں یہ لوقا کا ترجمہ ہے۔

پولوس کے دوسرے خطوط کو عیسائی علماء نے جعلی قرار دیا ہے۔

یوسی بیس نے اپنی تاریخ کی چھٹی کتاب کے باب ۲۵ میں اریجن کا قول نقل کیا ہے کہ "پولوس نے تمام گرجوں کو کچھ لکھ کر نہیں بھیجا، مگر بعض کو جو لکھا بھی تو دو چار سطر عبارت"۔

لارڈ ٹرنر اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۶ء جلد ۶ صفحہ ۳۸۲ پر اریجن کا قول نقل کرتا ہے کہ

---

[1] براکٹ کی تاریخ انجیل صفحہ ۲۵۲، ۲۵۵

فرقہ ایبونی۔ کے دونوں گروہوں نے پولوس کے نامہ جات کو رد کیا تھا اور پولوس کو دانا اور نیک آدمی نہیں سمجھتے تھے۔ یوسی بیس بھی اس قول کی تائید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ایبونیوں کے نزدیک پولوس توریت سے منحرف تھا۔

خطوط الہامی نہیں :۔ جیسا کہ اوپر یہ ذکر ہو چکا ہے کہ عیسائی علماء نے ہی اس امر پر شک و شبہ کا اظہار کیا ہے کہ آیا پولوس نے خطوط لکھے بھی ہیں یا کہ نہیں۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ پولوس نے ہی خطوط لکھے ہیں تو پھر بھی ان خطوط کو الہامی نہیں کہا جا سکتا۔ اول کرنتھیوں کے باب ۷ آیت ۱۲ میں پولوس لکھتا ہے :۔

"پر باقیوں کو خداوند نہیں میں کہتا ہوں ۔۔۔۔"

یہ عبارت ظاہر کر رہی ہے کہ پولوس اپنی طرف سے لکھ رہا ہے نہ کہ الہام سے۔ اسی طرح اس باب کی آیت ۲۵ میں وہ لکھتا ہے :

"پر کنواریوں کے حق میں خداوند کا کوئی حکم مجھ پاس نہیں، لیکن جیسا دیانتدار ہونے کے لئے مجھ پر خداوند کی طرف سے رحم ہوا ویسا ہی میں اپنی رائے ظاہر کرتا ہوں"

دوم کرنتھیوں کے باب ۸ آیت ۸ میں پولوس لکھتا ہے :

"میں کچھ حکم کے طور پر نہیں بلکہ اوروں کی سرگرمی کے سبب اور تمہاری محبت کی حقیقت آزمانے کے لئے یہ کہتا ہوں"

یہ عبارات ظاہر کرتی ہیں کہ تمام خطوط پولوس نے اپنی طرف سے لکھے تھے، نہ کہ الہام کے تحت لکھے تھے۔

یعقوب کا خط :۔ فرقہ پراٹسٹنٹ کے راہنما اور پیشوا مارٹن لوتھر اس خط کے متعلق لکھتے ہیں کہ "یہ یہودیانہ گھاس پھوس ہے"

وارڈ اپنی کتاب اغلاط نامہ کے صفحہ ۳۷ پر لکھتا ہے :

"پورمرن جو کہ شاگرد رشید لوتھر اور علماء کبار پراٹسٹنٹ سے ہے کہ یعقوب اپنے نامہ کو واہیات میں تمام کرتا ہے اور حوالہ کتابوں کا ایسا مختلف دیتا ہے کہ جس میں روح القدس نہیں رہ سکتا۔ اس لئے وہ نامہ الہامی کتابوں میں نہ گنا جائے"

پطرس کے دو خطوط :۔ پطرس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں شمار ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ "اے کم اعتقاد! کیوں شک لایا"[1] ۔ دوسرے موقع پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام

---

[1] متی باب ۱۴ آیت ۱۲ -

نے ان کو شیطان کہا: "پر اس نے (مسیح) پھر کے پطرس سے کہا اے شیطان! میرے سامنے سے دُور رہو تو میرے لئے ٹھوکر کا باعث ہے کیونکہ تو خدائی باتوں کا نہیں بلکہ انسانوں کی باتوں کا خیال رکھتا ہے۔"[1]

جان کالون کا قول ہے کہ پطرس نے کلیسا میں بدعات پھیلائیں۔ اور عیسائیوں کی آزادی کو خطرہ میں ڈالا۔ اور توفیق طاعت کو ان سے چھین لیا۔ اس بارہ میں وہ پطرس اور برنباہ کو بہت ملامت کرتا ہے۔

وائی ٹیکر جو فرقہ پراٹسٹنٹ میں ایک جید عالم ہو گزرا ہے وہ کہتا ہے کہ بعد عروج مسیح اور نزول روح القدس کے سارے کلیسا نے غلطی کی ہے۔ نہ صرف عوام بلکہ خواص نے بھی بلکہ حواریوں نے بھی جو غیر اسرائیلیوں کو ملت مسیحی کی جانب دعوت دی اور پطرس نے اور بھی غلطی رسوم میں کی۔ اور یہ بڑی غلطیاں حواریوں سے بعد نزول روح القدس کے ہوئیں۔

گلتیوں کے باب ۲ آیت ۱۱ تا ۱۴ میں پولوس کا قول درج ہے کہ "پر جب پطرس انطاکیہ میں آیا تو میں نے روبرو اس سے مقابلہ کیا، اس لئے کہ وہ ملامت کے لائق تھا۔ کیونکہ وہ پیشتر اس سے کہ کئی شخص یعقوب کی طرف سے آئے غیر قوم والوں کے ساتھ کھایا کرتا تھا۔ پر جب وے آئے تو مختونوں سے ڈر کر پیچھے ہٹا اور الگ ہو گیا اور باقی یہودیوں نے بھی اس کے ساتھ دورنگی کی، یہاں تک کہ برنباس بھی دب کر ان کی ریاکاری میں شریک ہوا۔"

پولوس کے قول کے مطابق پطرس ریاکار تھا۔ اسی پطرس کے دو خطوط عہدنامہ جدید میں شامل کئے ہیں۔ پھر عیسائی مبلغ یہ دعویٰ کرتے پھرتے ہیں کہ یہ الہامی کتاب ہے۔

**یوحنا کے خطوط و مکاشفات:** یہ کتاب یوحنا کے تین خطوط اور مکاشفات پر مشتمل ہے۔ پہلے خط کے متعلق مفتاح الکتاب کے صفحہ ۳۰۰ پر لکھا ہے: اگرچہ اس خط کے شروع یا آخر میں یوحنا کا نام نہیں مگر ہر زمانہ کے لوگ اسی رسول کو اس خط کا راقم کہتے آئے ہیں۔ مگر یہ کچھ نہیں لکھا کہ یہ خیال کن واقعات پر مبنی ہے۔ صرف انداز عبارت اور مضامین خط سے ان امور میں خاطر خواہ راہنمائی نہیں ہو سکتی۔

---

[1] متی باب ۱۶ آیت ۲۳۔

دوسرے خط کے متعلق مفتاح الکتاب میں لکھا ہے: "جس برگزیدہ بی بی کو یہ لکھا گیا ہے، وہ بظاہر ایک عزت دار عیسائی بیوہ تھی جو کلیسیوں میں مشہور تھی، لیکن ہمیں تحقیق خبر نہیں کہ وہ کہاں کی رہنے والی تھی، شاید اس کا ٹھکانا شہر الٹس کے قرب جوار میں تھا۔ اگرچہ اس خط میں راقم کا نام نہیں پایا جاتا تو بھی صریح ہے کہ یوحنا نے یہ ۶۹ء کے قریب لکھا تھا۔"

مصنف مفتاح الکتاب نے تاریخ تصنیف کا اندازہ کس طرح لگالیا، جب کہ اس خط میں نہ کاتب کا نام ہے اور نہ مکتوب الیہ کا نام اور نہ تصنیف کا سن معلوم ہوا کہ مصنف مفتاح الکتاب نے اٹکل پچو سے کام لیا ہے۔

ڈاکٹر ملسن کا قول ہے کہ سریا کا کلیسا پطرس کے دوسرے خط اور یوحنا کے دوسرے اور تیسرے خطوط اور یہوداہ کے خطوط اور یوحنا کے مکاشفات کو تسلیم نہ کرتا تھا۔ کونسل لوڈیسیا (۳۶۴ء) نے بھی کتاب مکاشفات کو قابل اعتبار نہیں سمجھا۔

یوسی بیس اپنی تاریخ کے کتاب ۳ باب ۲۵ میں لکھتا ہے کہ بعض نے کتاب مشاہدات کو علیحدہ کر دیا ہے اور اس کے رد میں کوشش کی ہے اور کہا ہے کہ یہ سب کچھ بے معنی ہے اور جہالت کا بہت بڑا حجاب ہے اور یوحنا کی طرف اس کی نسبت بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اس کا مصنف نہ کوئی پاک شخص ہے نہ کوئی عیسائی ہے بلکہ ایک ملحد سرن تھس ہے، جس نے اپنی تصنیف یوحنا کے نام سے غلط موسوم کر دی۔ لاوڈنر اپنی کتاب کی جلد ۴ کے صفحہ ۳۲۳ پر لکھتے ہیں کہ مکاشفات یوحنا پرانے سریانی ترجمہ میں شامل نہیں۔

یہوداہ کا خط:۔ خطوط یوحنا اور مکاشفات یوحنا کے درمیان یہوداہ کا ایک خط درج ہے، اس کی ثقاہت سے متعلق مسیحی علماء کو کلام ہے۔ گرڈیٹس کا قول اس بارہ میں یہ ہے کہ یہ اس یہوداہ کا خط ہے جو اورین کے عہد میں یروشلم کا پندرھواں اسقف تھا۔

کیا یہ کتابیں الہامی ہیں؟ عہدنامہ جدید کے متعلق بے شمار اندرونی، بیرونی اور تاریخی شہادتیں موجود ہیں جن کی بنا پر یہ آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتب الہامی نہیں بلکہ مصنفین نے خود اپنی طرف سے لکھی ہیں۔ جیسا کہ ان کتب پر تبصرہ کرتے ہوئے بیان کیا جا چکا ہے کہ ان کتابوں کے مصنفین کے بارہ میں بھی اختلاف

کہ آیا یہ کتب انہی مصنفین کی ہیں۔

**غدودی شہادتیں:۔**

**(۱) مصنفین کا اقرار:۔** انجیل نویس خود اقرار کرتے ہیں کہ وہ الہام کے تحت نہیں لکھ رہے بلکہ اپنی طرف سے لکھ رہے ہیں۔ لوقا انجیل نویس ایک رومن وزیر تھیفلس THEOPHILUS کو مخاطب کر کے انجیل کے لکھنے کی غرض و غایت بیان کرتا ہے:

چونکہ بہتوں نے اس پر کمر باندھی ہے کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں ان کو ترتیب وار بیان کریں جیسا کہ انہوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے۔ ان کو ہم تک پہنچایا۔ اس لئے اے تھیفلس میں نے بھی مناسب جانا کہ سب باتوں کا سلسلہ شروع سے ٹھیک ٹھیک دریافت کر کے ان کو تیرے لئے ترتیب سے لکھوں۔ تاکہ جن باتوں کی تو نے تعلیم پائی ہے ان کی پختگی تمہیں معلوم ہو جائے۔ (لوقا ۱:۱)

یہ حوالہ ظاہر کرتا ہے کہ لوقا نے لوگوں سے دریافت کر کے رومن وزیر کے لئے لکھا۔ پھر لوقا آگے چل کر کتاب رسولوں کے اعمال میں لکھتا ہے:

"اے تھیفلس! میں نے پہلا رسالہ ان سب باتوں کے بیان میں تصنیف کیا ہے جو یسوع شروع میں کرتا اور سکھاتا تھا۔" (اعمال ۱:۱)

اسی طرح یوحنا بیان کرتا ہے:

"اور یہ بھی بہت سے کام ہیں جو یسوع نے کئے۔ اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں سمجھتا ہوں کہ جو کتابیں لکھی جاتیں ان کے لئے دنیا میں گنجائش نہ ہوتی۔" (یوحنا ۲۱:۲۵)

یوحنا بھی اپنی انجیل کو یسوع مسیح کے سوانح حیات ہی قرار دیتا ہے۔

اول کرنتھیوں کے باب ۷ آیت ۱۲ میں پولوس لکھتا ہے:

"پر باقیوں کو خداوند نہیں میں کہتا ہوں۔"

یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ پولوس اپنی طرف سے لکھ رہا ہے۔

پھر اسی باب کی آیت ۲۵ میں لکھتا ہے:

"پر کنواریوں کے حق میں خداوند کا کوئی حکم مجھ پاس نہیں، لیکن جیسا دیانتدار ہونے کے لئے مجھ پر خداوند کی طرف سے رحم ہوا، ویسا ہی میں اپنی رائے ظاہر کرتا ہوں۔"

دوم کرنتھیوں کے باب ۸ آیت ۸ میں پولوس لکھتا ہے: "میں کچھ حکم کے طور پر نہیں بلکہ اوروں کرنتھیوں کی سرگرمی کے سبب اور تمہاری محبت کی حقیقت آزمانے

کے لئے یہ کہتا ہوں۔"

اس نوع کی عبارتیں اس امر پر شاہد ناطق ہیں کہ عہد نامہ جدید کا الہام ربانی سے کوئی تعلق نہیں۔ مصنفین نے اپنے طور پر لکھا جو کچھ لکھا۔

**اندرونی اختلافات:۔** اناجیل میں جو اندرونی اختلافات پائے جاتے ہیں، وہ بھی اس امر پر بیّن شہادت ہے کہ موجودہ اناجیل انسانی دست برد سے محفوظ نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں اختلاف نہیں ہو سکتے۔ قرآن مجید میں آتا ہے وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا" اگر یہ قرآن مجید غیر اللہ کی طرف سے ہوتا اس میں ضرور اختلاف پاتے۔ (النساء ۴: ۸۲)

۱۔ متی نے اپنی انجیل میں "یسوع ابن داؤد ابن ابراہام کا نسب نامہ" کے زیر عنوان لکھا ہے کہ "مریم حبش سے یسوع پیدا ہوا اس کا شوہر یوسف یعقوب کا بیٹا تھا" اور اس کی نسب حضرت داؤد کے بیٹے حضرت سلیمان سے ملاتی ہے مگر لوقا نے اپنی انجیل میں یوسف کو عیلی کا بیٹا قرار دیا ہے۔ پھر اس کا سلسلہ حضرت داؤد کے بیٹے ناتن سے ملایا ہے۔

پس متی اور لوقا کے بیان میں سے ایک ضرور غلط ہے۔ ایک شخص یوسف حضرت داؤد کے دو بیٹوں کی اولاد نہیں ہو سکتا۔

۲۔ یسوع مسیح نے جب اپنے شاگردوں کو تبلیغ کے لئے بھیجا تو متی لکھتا ہے کہ اس نے ان کو حکم دے کر کہا: "نہ سونا اپنے کمر بند میں رکھنا نہ چاندی نہ پیسے راستہ کے لئے نہ جھولی لینا نہ دو دو کرتے نہ جوتیاں نہ لاٹھی"[1] مگر مرقس لکھتا ہے: "حکم دیا کہ راستہ کے لئے لاٹھی کے سوا کچھ نہ لو، نہ روٹی نہ جھولی نہ اپنے کمر بند میں پیسے مگر جوتیاں پہنو اور دو کرتے نہ پہنو"[2]

متی کے قول کے مطابق یسوع مسیح شاگردوں کو حکم دیتا ہے کہ اپنے ساتھ لاٹھی بھی نہ لو، لیکن مرقس کے قول کے مطابق مسیح نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ لاٹھی لے لو۔ ان دونوں بیانوں میں سے ایک ضرور غلط ہے۔

۳۔ متی لکھتا ہے کہ جب یسوع مسیح بیت لحم میں پیدا ہوئے تو وہیں "خداوند

---

[1] متی ۱۰: ۹

[2] مرقس ۶: ۸

کے فرشتہ نے یوسف کو خواب میں دکھائی دے کر کہا: اٹھ بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر کو بھاگ جا اور جب تک کہ میں تجھ سے نہ کہوں وہیں رہنا۔ کیونکہ ہیرودیس اس بچے کو تلاش کرتے کو ہے، تاکہ اسے ہلاک کرے۔ پس وہ اٹھا اور رات کے وقت بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر کو روانہ ہوگیا اور ہیرودیس کے مرنے تک وہیں رہا"[1]

مگر لوقا لکھتا ہے کہ جب یسوع مسیح بیت لحم میں پیدا ہوئے تو" جب آٹھ دن پورے ہوئے اور اس کے ختنہ کا وقت آیا تو اس کا نام یسوع رکھا گیا۔ پھر جب موسیٰ کی شریعت کے موافق ان کے پاک ہونے کے دن پورے ہو گئے تو وہ اس کو یروشلم میں لائے تاکہ خداوند کے آگے حاضر کریں ۔۔۔۔ اور جب وہ خداوند کی شریعت کے مطابق سب کچھ کر چکے تو گلیل میں اپنے شہر ناصرہ کو پھر گئے۔ اور وہ لڑکا بڑھتا اور قوت پاتا گیا اور حکمت سے معمور ہوتا گیا اور خدا کا فضل اس پر تھا۔ اس کے ماں باپ ہر برس عید فسح پر یروشلم کو جایا کرتے تھے۔ اور جب وہ بارہ برس کا ہوا تو وہ عید کے دستور کے موافق یروشلم کو گئے"[2]

متی کے بیان کے مطابق یوسف یسوع کی پیدائش کے بعد اسے اور اس کی والدہ کو بیت لحم سے مصر لے گیا، اور ہیرودیس کی وفات تک مصر میں رہا لیکن لوقا کے بیان کی رو سے یسوع مسیح کی پیدائش کے بعد اس کے ماں باپ اسے بیت لحم سے یروشلم لے گئے اور شریعت موسوی کے مطابق قربانی وغیرہ کی رسوم ادا کیں۔ اور وہاں سے گلیل شہر ناصرہ میں چلے گئے۔ اور بارہ برس تک یسوع وہیں رہا۔ پس متی اور لوقا کے بیانوں میں سے ایک بیان ضرور غلط ہے۔

۴۔ یوحنا باب ۱۳ سے ظاہر ہے کہ مسیح نے آخری کھانا عید سے ایک روز پہلے کھایا اور عید کے روز وفات پائی۔ لیکن متی باب ۲۶ آیت ۱۷، مرقس باب ۱۴ آیت ۱۲ تا ۱۶ اور لوقا باب ۲۲ آیت ۱۳ تا ۲۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے آخری کھانا عید کی شام کو کھایا تھا اور عید سے دوسرے دن صلیب پائی۔

۵۔ لوقا کی انجیل کے باب ۲۴ آیت ۲۱، ۲۹، ۳۶ اور ۵۱ میں لکھا ہے کہ جس روز مسیح جی اٹھے اسی دن یا پہلی رات جو آئی تھی اس میں آسمان پر

[1] متی ۲: ۱۳، ۱۴ [2] لوقا ۲: ۲۱، ۲۲-۳۹ تا ۴۲۔

پر چلے گئے۔ لیکن یہی لوقا اعمال باب ۱ آیت ۳ میں لکھتا ہے کہ وہ جی اٹھنے کے چالیس دن بعد آسمان پر چلے گئے۔

۶۔ یوحنا کی انجیل باقی تینوں اناجیل سے مختلف ہے۔ اس میں ذیل کے مضامین ہیں: توبہ۔ معافی۔ ایمان۔ مال و اموال۔ طلاق۔ محصول لینے والا گنہگار۔ تبدیل بدارواح والے۔ بدارواح کا دھتکارنا۔ ناپاک۔ جذامی۔ ضمیر۔ منافقت۔ زنا ذیل اور افسوس۔ دولت مند۔ تمثیلیں۔ صلیب کی بجائے یوحنا لفظ۔ رفع استعمال کرتا ہے حالانکہ باقی اناجیل میں یہ سب مضامین موجود ہیں۔

ج۔ **انجیل کا عہد قدیم کی کتب سے اختلاف:۔** انجیل متی ۱/۱ میں لکھا ہے کہ یوسیاہ سے یکونیاہ پیدا ہوا۔ لیکن عہد قدیم کی کتاب یرمیاہ ۲۸/۲۴ اور اتواریخ ۶/۳ میں لکھا ہے کہ یکونیاہ کا باپ یہویقیم تھا اور یوسیاہ اس کا دادا تھا۔ پس انجیل کا بیان غلط ہے کیونکہ عہد قدیم کی کتابوں سے مختلف ہے

۲۔ انجیل لوقا ۳/۲۴ میں ہے کہ سلح قینان کا بیٹا تھا اور قینان ارفکسد کا۔ لیکن عہد قدیم کی کتاب پیدائش بتاتی ہے کہ سلح کا باپ ارفکسد تھا۔ پس دونوں بیانوں میں سے ایک یقینی طور پر غلط ہے۔

۳۔ متی یسوع مسیح کا نسب نامہ ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"سب پشتیں ابراہام سے داؤد تک چودہ پشتیں ہوئیں اور یہود کے گرفتار ہو کر بابل جانے تک چودہ پشتیں[1]"

مگر عہد قدیم کی کتاب میں اتواریخ ۱۰/۱۵ سے واضح ہوتا ہے کہ داؤد سے لے کر گرفتار ہو کر بابل جانے تک اٹھارہ پشتیں تھیں جن کا اسم وار ذکر موجود ہے۔ لہذا انجیل کا بیان غلط ہے۔

د۔ **نازیبا باتیں:۔** حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت وہ باتیں منسوب کی ہیں جو ان کی شان کے بعید اور اخلاقی نقطۂ نگاہ سے گری ہوئی ہیں۔ چنانچہ یوحنا اپنی کتاب کے باب ۱۰ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا قول بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے پیشتر جس قدر انبیاء آئے ہیں وہ سب چور اور رہزن تھے۔

۲۔ مرقس باب ۱۱ آیت ۱۲ تا ۱۴ میں لکھا ہے: "مسیح کو جب وہ بیت عنیاہ

---

[1] متی ۱/۱۷۔

سے باہر آئے اس کو بھوک لگی اور دور سے انجیر کا ایک درخت پتوں سے لدا ہوا دیکھ وہ گیا کہ شاید اس میں کچھ پاوے۔ جب وہ اس کے پاس آیا تو پتوں کے سوا کچھ نہ پایا کیونکہ انجیر کا موسم نہ تھا۔ تب یسوع نے اس سے خطاب کر کے کہا کہ کوئی تجھ سے پھل نہ کھاوے۔"

اس حوالہ سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں: اول، مسیح علیہ السلام کو اتنا بھی علم نہ تھا کہ انجیر کے درخت کو کب پھل لگتا ہے۔ دوم، اپنی غلطی پر شرمندہ ہونے کی بجائے درخت کو بد دعا دی اور کہا کہ آئندہ کوئی تجھ سے کبھی پھل نہ کھاوے۔

یہ دونوں باتیں حضرت مسیح علیہ السلام کی شان اور مرتبے۔

۳۔ متی باب ۱۲ آیت ۴۷، ۴۸ میں لکھا ہے: کسی نے اس سے کہا کہ دیکھ تیری اماں اور تیرے بھائی باہر کھڑے تجھ سے بات کیا چاہتے ہیں۔ پر اس نے جواب میں خبر دینے والے سے کہا کہ کون ہے میری ماں اور کون ہیں میرے بھائی؟"

ایک مقدس نبی اپنی ماں اور بھائیوں کے خلاف حقارت اور توہین آمیز کلمات نہیں کہہ سکتا "کون ہے میری ماں اور کون ہیں میرے بھائی" حقارت اور توہین آمیز کلمات ہیں۔

**غلط پیش گوئیاں:۔** قرآن مجید حضرت علیہ السلام کو سچا نبی قرار دیتا ہے اور سچے نبی کی پیش گوئیاں کبھی غلط نہیں ہوتی، کیونکہ پیش گوئی خدا کے علم پر مبنی ہوتی ہے اور خدا کا علم کبھی بھی غلط نہیں ہو سکتا۔ انجیل میں ایسی پیش گوئیاں حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف منسوب کی گئی ہیں جو غلط نکلیں۔

۱۔ "تم میں سے کئی زندہ ہوں گے کہ میں آجاؤں گا" (متی ۱۶/۲۸ مرقس ۹/۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تمام دیکھنے والے مر گئے ہیں لیکن وہ اب تک واپس نہیں آئے۔

۲۔ شاگردوں کو کہا: "تم میرے ساتھ حکومت کرو گے" (متی ۱۹/۲۸)

۳۔ جب مخالفین نے یسوع مسیح سے نشان دکھانے کا مطالبہ کیا تو "اس نے جواب دے کر ان سے کہا: اس زمانہ کے برے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں مگر یونا نبی (یونس) کے نشان کے سوا اور کوئی نشان ان کو نہ دیا جائے گا۔ کیونکہ جیسے یونا تین رات مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابن آدم

تین رات دن زمین کے اندر رہے گا۔"[1]

یسوع مسیح نے یہاں یہ پیشین گوئی کی ہے کہ جس طرح یونس نبی مچھلی کے پیٹ میں تین دن اور تین رات رہے اسی طرح وہ بھی زمین کے اندر تین دن اور تین رات رہے گا۔ لیکن دوسری اناجیل اس امر پر متفق ہیں کہ یسوع مسیح جمعہ کی شام کو صلیب سے اتارا گیا، پھر اس کے چند گھنٹے بعد قبر میں رکھا گیا۔

انجیل یوحنا میں لکھا ہے! "پس چونکہ تیاری کا دن تھا یہودیوں نے پیلاطوس سے درخواست کی کہ ان کی ٹانگیں توڑی جائیں۔ اور لاشیں اتاری جائیں تاکہ سبت کے دن صلیب پر نہ رہیں کیونکہ وہ سبت ایک خاص دن تھا۔"[2]

دوسری جگہ یوحنا میں لکھا ہے، ہفتہ کے پہلے دن مریم مگدلینی ایسے تڑکے کہ ابھی اندھیرا ہی تھا قبر پر آئی اور پتھر کو قبر سے ہٹا ہوا دیکھا۔ پس وہ شمعون پطرس اور دوسرے شاگرد کے پاس جسے یسوع عزیز رکھتا تھا دوڑی ہوئی آئی اور ان سے کہا کہ خداوند کو قبر سے نکال لے گئے۔"[3]

پس یوحنا کے بیان کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام زمین کے اندر صرف دو راتیں اور ایک دن رہے جبکہ پیشگوئی میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ حضرت یونس علیہ السلام کی طرح زمین میں تین دن اور تین راتیں رہیں گے لہذا یہ خدا کا کلام نہیں ہو سکتا۔

ہندوستانی مترجمین نے تین دن اور تین رات کی بجائے تین رات دن ترجمہ کر دیا ہے عربی بائبل میں یہ الفاظ ہیں:

"لانه كما كان يونان في بطن الحوت ثلاثة وثلاث ليال هكذا يكون ابن الانسان في قلب الارض ثلاثة ايام وثلاث ليال"[4]

اسی طرح (THE PARALLEL NEW TESTAMENT) مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی پریس ۱۸۸۴ء جس میں ۱۶۱۱ء اور ۱۸۸۱ء کے تراجم بالمقابل لکھے گئے

---

[1] متی ۱۲ : ۳۹ - ۴۰

[2] یوحنا ۱۹:۳۱ -

[3] یوحنا ۲۰ : ۱، ۲ -

[4] الکتاب مقدس جو جمعیۃ التوراۃ الامریکیہ و جمعیۃ التوراۃ البریطانیۃ والاجنبیۃ نے شائع کی اور قاہرہ میں ۱۹۳۸ء میں طبع ہوئی۔

ہیں میں بھی "THREE DAYS AND THREE NIGHTS"، یعنی تین دن اور تین رات ہی درج ہے۔

پہلے مترجمین نے انجیل متی میں تین رات دن کیا لیکن یوناہ نبی کی کتاب میں یہ تبدیلی نہ کی، اس میں تین دن اور تین رات ہی لکھا رہا۔ لیکن ۱۹۲۵ء میں برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور نے جو بائبل کا اردو ترجمہ شائع کیا اس میں یوناہ نبی کی کتاب کے ۱/۲ میں بھی اور یوناہ تین دن اور تین رات مچھلی کے پیٹ میں رہا، کی بجائے اور یوناہ تین دن رات مچھلی کے پیٹ میں رہا، کر دیا

بیرونی شہادتیں:۔

و۔ یسوع مسیح علیہ السلام کی زبان کا عہد نامہ جدید کا کوئی نسخہ موجود نہیں، حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے حواریوں کی زبان عبرانی تھی۔ اس زبان میں عہد نامہ جدید کا کوئی نسخہ نہیں پایا جاتا۔ یونانی زبان میں انجیل کے نسخے ملتے ہیں۔ پھر ان نسخوں سے دُنیا کی دوسری زبانوں میں تراجم ہوئے۔ عبرانی زبان میں انجیل کا کوئی نسخہ پایا جاتا اس امر پر بیّن دلیل ہے کہ موجودہ اناجیل الہامی نہیں، بلکہ مصنفین نے اپنی زبان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے روائتی حالات بیان کر دیئے تھے۔

ب۔ اناجیل کے تحریف و تبدل کے متعلق عیسائی علماء کے خیالات:۔

۱۔ تفسیر ہارن جلد ۴ حصہ دوم باب ۴ مطبوعہ ۱۸۸۲ء میں لکھا ہے:

"کلیسا کے قدماء مورخین نے اناجیل کی تالیف کے زمانہ کے متعلق جو حالات ہم تک پہنچائے ہیں، ایسے غیر معین اور اتنر ہیں کہ کسی ایک امر معین کی طرف نہیں پہنچاتے۔ اور پُرانے سے پُرانے قدماء نے اپنے وقت کی گپوں کو سچ سمجھ کر لکھ دیا اور ان لوگوں نے جو ان کے بعد ہوئے ادب کر کے ان لوگوں کے لکھے ہوئے کو قبول کر لیا۔ اور یہ روایات سچی اور جھوٹی ایک لکھنے والے سے دوسرے لکھنے والے کو پہنچیں اور مدت دراز کے گزر جانے کے بعد ان کی تنقید متعذر ہو گئی"۔

۲۔ پھر اسی جلد میں لکھا ہے:

"پہلی انجیل ۳۷ء یا ۳۸ء یا ۴۱ء یا ۴۳ء یا ۴۸ء یا ۶۱ء یا ۶۴ء عیسوی میں اور دوسری انجیل ۵۶ء سے ۶۵ء تک اور غالباً ۶۳ء میں اور تیسری انجیل ۵۳ء یا ۶۳ء یا ۶۴ء میں اور چوتھی انجیل ۶۸ء یا ۶۹ء یا ۷۰ء یا ۹۸ء عیسوی میں تالیف ہوئیں۔ اور نامہ عبرانیہ اور نامہ روم پطرس اور نامہ دوم سوم یوحنا اور

نامہ یعقوب اور نامہ یہوداور مشاہدات یوحنا اور نامہ اول یوحنا کے بعض درس (یعنی آیات) کا حال تو ایسا ابتر ہے کہ کہنے کے لائق نہیں۔ ان کو تو محض زبردستی سے بلا سند حواریوں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور بہت علماء فرقہ پروٹسٹنٹ نے ان کتب کا انکار کر دیا۔"

۳۔ کاتھلک ہیرلڈ جلد ۷ مطبوعہ ۱۸۴۴ء کے صفحہ ۲۰۵ پر لکھا ہے:

"اسٹاڈسن اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ یوحنا کی انجیل بلا ریب مدرسہ اسکندریہ کے کسی طالب علم نے لکھی۔ اور ہارن اپنی تفسیر میں لکھتا ہے کہ فرقہ ایبوجینن جو دوسری صدی میں تھا اس انجیل (یوحنا) اور اسی طرح یوحنا کی سب تصنیفات سے انکار کرتا ہے۔"

۴۔ یوسی بیس اپنی تاریخ کلیساء کی کتاب ۳ کے باب ۳ میں لکھتا ہے:

"پطرس کا پہلا خط سچا ہے مگر دوسرا خط پطرس کبھی پاک کتاب میں شامل نہیں کیا گیا لیکن پڑھا جاتا تھا۔

۵۔ پھر اسی کتاب کے ۲۵ ویں باب میں لکھتا ہے کہ "نامہ یعقوب اور نامہ یہوداور نامہ روم پطرس اور نامہ دوم سوم یوحنا پر کلام کیا گیا ہے کہ آیا یہ سب انجیل نویسوں نے لکھے ہیں یا دوسرے لوگوں نے جن کے یہی نام تھے۔"

۶۔ عہد نامہ قدیم عیسائیوں نے عیسائیوں کی خاطر لکھا تھا۔ علاوہ ازیں یہ یونانی میں یونانی بولنے والوں کے لئے لکھا گیا تھا اور طرز تحریر اس وقت کے رائج طرز تحریر پر کے مطابق تھا۔ یونانی بولنے والے گرجا کے تاریخی تسلسل میں کوئی حقیقی فرق نہیں پڑا۔ اس لئے ہمیں تحریر کی کوئی حقیقی غلطی موجودہ نسخوں میں نہیں ملتی۔ گو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اختلافات پائے نہیں جاتے۔ لیکن یہ اختلافات اتفاقی نہیں ہیں بلکہ دیدہ دانستہ پیدا کئے گئے ہیں اور شروع سے ہی بعض مصنفوں نے بالارادہ وہ تغیرات عہد نامہ میں پیدا کئے۔ حقیقت یہ ہے کہ عہد نامہ قدیم اپنے ابتدائی زمانہ میں کوئی مذہبی تقدس نہیں رکھتا تھا۔ اس لئے جہاں کہیں تبدیلیوں اور زیادتیوں سے مضمون میں اصلاح کی امید کی جاتی تھی وہاں تبدیلیاں اور زیادتیاں دلیری سے کر دی جاتی تھیں[1]

۷۔ موسیو رینان لکھتا ہے:

[1] انسائیکلوپیڈیا ببلیکا صفحہ ۴۹۸۰ جلد ۴۔

"ابتداءً اناجیل کی حیثیت بالکل انفرادی تھی اور سند کے اعتبار سے ان کا درجہ روایت سے بھی کم تھا۔"[1]

یوحنا کی انجیل کے متعلق یہ مورخ لکھتا ہے:

"میں کبھی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ چوتھی انجیل تمام کی تمام گلیلی کے ماہی گیر کے قلم کی لکھی ہوئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں اکثر اضافے بعد کے ہیں۔"[2]

لوقا کے متعلق رینان بیان کرتا ہے

"اس انجیل کی تاریخی حیثیت بہت کمزور ہے۔ یہ صحیفہ ہم تک دوسرے ہاتھوں سے پہنچا ہے۔۔۔۔ اس میں کئی قصے موڑے توڑے ہوئے اور مبالغہ آمیز ہیں۔۔۔۔ اسے تو (یروشلم کے) ہیکل کے متعلق بھی صحیح اندازہ نہیں ہے۔"[3]

چاروں اناجیل کے متعلق لکھتا ہے:

"یہ اناجیل کھلے طور پر ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں۔"[4]

پروفیسر جوڈ (JOAD) اپنی کتاب (GOOD AND EVIL) میں لکھتا ہے کہ

"اناجیل کے باہمی تضاد نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔"[5]

پھر اس کے بعد لکھتا ہے کہ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسٹر بیون (BEVAN) کا یہ بیان بالکل صحیح ہے:

"ہماری قدیمی اناجیل سینٹ مرقس اور سینٹ پطرس کی یادداشتوں کا مجموعہ ہیں۔ یعنی جب (حضرت) عیسیٰ نے پطرس کی وفات سے اڑتیس سال قبل جو کچھ کہا اس میں جو کچھ پطرس کو یاد رہ سکا وہ بھی ارامی زبان سے یونانی میں ترجمہ شدہ۔ اس لئے (کلیسا کے فیصلہ سے قطع نظر) یہ سمجھنا بالکل حماقت ہے کہ آج جو کچھ (حضرت) عیسیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ اسی طرح لفظاً لفظاً انہی کا ہے۔ گویا کسی مختصر نویس نے اسے لکھ لیا ہو یا فوٹو گراف نے محفوظ کر لیا ہو۔" (صفحہ ۳۲۳)

---

[1] ۔ حیات مسیح ص ۲۱

[2] ۔ حیات مسیح صفحہ ۱۴، ۱۸

[3] ۔ حیات مسیح صفحہ ۲۲ ۔

[4] ۔ حیات مسیح صفحہ ۲۹ ۔

[5] صفحہ ۳۱۸ ۔

مسٹر فلپ ویوین اپنی کتاب "دی چرچز اینڈ ماڈرن تھاٹ"، (کلیسا اور خیالات جدید) کے صفحہ ۹۸، ۹۹ پر لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر رابن سن کو اقرار ہے کہ اناجیل اربعہ مشکوک ہیں لیکن اس کا خیال ہے کہ دوسری صدی کی یہ روایت کہ انجیل دوم کا مصنف سینٹ مارک (مرقس ہے) معتبر ہے۔ اور یہ کہ مارک پطرس حواری کا ترجمان تھا۔ اور اپنی انجیل کو حواری مذکور کی روایت سے اس نے روما میں تحریر کیا ہے۔ بہت خوب! ہم اس نتیجہ کو تسلیم کرتے ہیں۔ یعنی یوں سمجھو کہ ایک انجیل کی روایت ایسے راوی سے ہے جو چشم دید روایت بیان کرتا ہے لیکن اس راوی کو صرف ایک سال (اور بقول رجحت پسند ناقدین تین سال) صحبت مسیح حاصل ہوئی۔ یہ حواری ناخواندہ تھا۔ تیس یا چالیس سال کے بعد وہ روایت کرتا ہے، جس کو دوسرا شخص (مرقس) غیر زبان میں تحریر کرتا ہے۔ اور پھر یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کا ترجمہ کہاں تک اصل کے مطابق ہوا ہے۔ علاوہ اس کے ڈاکٹر رابن سن اپنے لوباب "وعظ کبیر" اور "غیر مرقسی دستاویز" میں مرقس کی انجیل کی اہم فروگزاشتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہ اہم فروگزاشتیں کیا ہیں؟ کیا ہم ان کو معمولی سمجھیں؟ ہم کو خود ان کا تھوڑا سا انتخاب کر کے فیصلہ کرنا چاہیئے۔ اس انجیل میں حضرت عیسیٰ کی بطور اعجاز پیدائش کا نہ کچھ ذکر ہے اور نہ آپ کے عہد طفولیت کے حالات جو کہ سابقہ پیشین گوئی کی تصدیق میں ہوں۔ اسی طرح پہاڑی والے مشہور وعظ کا بھی کچھ ذکر نہیں۔ دوبارہ زندہ ہو جانے کا قصہ صرف چند سطروں میں مذکور ہے اور آسمان پر تشریف لے جانا صرف ایک سطر میں۔ بدقسمتی سے یہی وہ سطریں ہیں جو بالاتفاق الحاقی مانی جاتی ہیں۔ کیونکہ انجیل مرقس کا حقیقت میں باب ۱۶ آیت ۸ پر ختم ہو جاتا اس لیے نہ صلول، نہ بعثت ثانی، نہ صعود کسی مسئلہ کا بھی وہاں ذکر نہیں۔ زبانی روایات، گم شدہ دستاویزات اور نامعلوم کاتب بس یہی وہ ذریعے رہ گئے ہیں جن سے ہم کو ان تفصیلی حالات کا علم ہوتا ہے جو ہمارے مذہب کی روح رواں ہیں۔ کیا اس سے بڑھ کر اور بھی کوئی ناقابل اطمینان امر ہے جس سے مسیحی صداقت اور انجیل کی حقانیت پر شبہ عائد ہوتا ہو؟"

نورٹن اپنی کتاب علم استناد مطبوعہ بوسٹن ۱۸۴۷ء کے دیباچہ جلد اول میں لکھتے ہیں: "اگر یہ کمی (زیادتی) انجیل میں واقع نہ ہوئی ہوتی تو معتبر و مشہور مورخ سلوس یہ کیوں اعتراض کرتا کہ عیسائیوں نے اپنی انجیلیں تین بار یا چار بار بلکہ اس سے بھی زیادہ بار بدلی ہیں"۔

# اختلافات کی وجوہ

پادری ہارن صاحب اپنی مشہور کتاب انٹروڈکشن (دیباچہ علوم بائبل) جلد ۲ صفحہ ۲۱۷ میں ان تمام اختلافات کے چار وجوہ بیان کرتا ہے۔

اوّل۔ ناقلوں کی غفلت یا غلطیوں سے اختلاف کا ہونا۔ اور یہ کئی طرح پر ہوتا ہے:

۱۔ عبری اور یونانی حرف آواز اور صورت میں مشابہ ہیں۔ اس سبب سے غافل اور بے علم نقل کرنے والا ایک لفظ یا حرف کو بجائے دوسرے لفظ یا حرف کے لکھ کر عبارت میں اختلاف ڈال دیتا ہے۔

۲۔ تمام قلمی نسخے بڑے حرفوں میں لکھے جاتے تھے اور لفظوں بلکہ فقروں کے درمیان جگہ نہ چھوڑتے تھے۔ اس سبب سے کہیں لفظوں کے جز لکھنے سے رہ گئے اور کہیں مکرر لکھے گئے یا بے پرواہ اور جاہل نقل کرنے والے نے اختصار کے نشانوں کو، جو قدیم قلمی نسخوں میں اکثر واقع ہوتے ہیں، غلط سمجھا۔

۳۔ بہت بڑا سبب اختلاف عبارت کا نقل کرنے والوں کی جہالت یا غفلت ہے کہ انہوں نے حاشیہ پر جو شرح لکھی ہوئی تھی اس کو متین کا جز سمجھا۔ قدیم قلمی نسخوں کے حاشیہ میں مشکل مقامات کی شرح لکھنے کا اکثر رواج تھا۔ اور آسانی سے سمجھا جاتا تھا کہ یہ حاشیہ کی شرح ہے۔ پس ان حاشیوں کی شرحوں میں سے بعضوں یا سب ان نسخوں کے متن میں آسانی سے مل گیا ہوگا، جو نسخے ایسے نسخوں سے نقل ہوئے جن کے حاشیہ پر شرحیں لکھی ہوئی ہونگی۔

دوم۔ دوسرا سبب اختلاف عبارتوں کا اس قلمی نسخے میں غلطیوں کا ہونا ہے جس سے کاتب نے نقل لی علاوہ ان غلطیوں کے جو بعض حرفوں کے شوشہ کم ہو جانے یا مٹ جانے سے واقع ہوئی ہیں۔ چمڑے یا کاغذ کے مختلف حالات سے بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ کاغذ یا چمڑا پتلا ہو جس میں ایک طرف کا لکھا ہوا دوسری طرف پھوٹ جائے، اور دوسری طرف کے حرف کا ایک جز معلوم ہونے لگے اور سمجھ میں آئے۔

سوم۔ اختلاف عبارت کا سبب یہ بھی ہے کہ نکتہ چین سے اصلی متن کو ارادتاً مہتر اور درست کرنے کی نیت سے صحیح کرے۔ جبکہ ہم ایک مشہور عالم کی مصنفہ کتاب پڑھتے ہیں اور اس میں صرف و نحو یا قواعد مناظرہ کی کوئی غلطی پاتے

ہیں تو اس غلطی کو زیادہ تر چھاپنے والے پر منسوب کرتے ہیں، بہ نسبت اس کے کہ خود مصنف کی طرف نسبت دیں۔ اسی طرح ایک قلمی نسخہ کا نقل کرنے والا جو اس کتاب میں جیسے وہ نقل کرتا ہے غلطیاں پائے تو ان کو ناقل اول کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اور پھر انکو اپنی دانست میں اس طرح صحیح کرتا ہے کہ مصنف نے اسکو یوں لکھا ہوگا۔ لیکن اگر وہ اپنے خوردہ گیر قیاس کو بہت وسعت دیتا ہے تو وہ خود اس غلطی میں پڑتا ہے جس کے رفع کرنے کا اس نے ارادہ کیا تھا۔ اور اس کا غلطی میں پڑنا کئی طرح پر ہو سکتا ہے۔

۱۔ مثلاً نقل کرنے والا ایک لفظ کو جو حقیقت میں صحیح ہے غلط سمجھے اور یہ جانے کہ اس نے صرف و نحو کی غلطی پکڑی حالانکہ وہ خود غلطی پر ہے یا یہ بات ہو کہ خود مصنف ہی سے وہ غلطی صادر ہوئی جس کو یہ صحیح کرنا چاہتا ہے۔

۲۔ اختلاف عبارت کے اسباب میں بقول میکس بہت بڑا سبب جسکے عہد جدید میں دو رنگ آمیز مقامات نہایت کثرت سے پیدا ہوتے ہیں، یہ ہے کہ یکساں مقامات کو اسطرح تبدیل کیا ہے جس سے ان میں ایک دوسرے سے زیادہ کامل مطابقت کی جائے۔ اور خاص کر اناجیل کو اسطریقہ سے نقصان پہنچا ہے اور پال کے نامہ جات کو اکثر مقامات میں اس لئے الٹ پلٹ کیا کہ عہد جدید کے حوالوں کہ ان مقامات میں جہاں وہ سپٹواجنٹ (نسخہ سبعینیہ) ترجمہ کے بعینہ الفاظ سے تفاوت رکھتے ہیں اسی ترجمہ سے مطابق کریں۔

۳۔ بعض نکتہ چینیوں نے عہد جدید کے نسخوں میں اس طرح اختلاف عبادت ڈالا دیئے کہ ان کا ترجمہ رومی و لگیٹ کے مطابق کر دیا۔

چہارم۔ ایک اور سبب اختلاف عبارت کا ایسی خرابیاں یا تبدیلیاں ہیں جو کسی فریق کے مطلب براری کے لئے دانستہ کی گئی ہوں، خواہ وہ فریق درست مذہب رکھتا ہو یا بد عقیدہ ہو۔ یہ بات تحقیق ہے کہ ان لوگوں نے جو بدعتی کہلاتے تھے بعض خرابیاں ارادتاً کیں۔ یہ خرابیاں اس دُور اندیشی سے کی گئی تھیں کہ جو مسئلہ تسلیم کیا گیا اس کو تقویت ہو یا جو اعتراض اس مسئلہ پر ہوتا ہو وہ نہ ہو سکے۔[1]

## اناجیل اربعہ کے ماخذ

اناجیل اربعہ کے ماخذ کے متعلق علماء محققین نے مختلف نظریے پیش کئے ہیں

[1] بحوالہ تاریخ صحف سماوی مؤلفہ پروفیسر سید نواب ۱۲۴ ایڈیشن دوم

الف۔ ایک ارامی زبان میں انجیل تھی۔ اناجیل نویسوں نے اسے بنیاد ٹھہرا کر اپنی اپنی انجیل مرتب کی۔ یہ نظریہ اس لئے غلط ہے کہ واقعات بیان کرنے میں شدید اختلاف ہے۔ اگر اناجیل کا ایک ہی ماخذ ہوتا تو اختلاف نہ پایا جاتا۔

ب۔ پہلے ایک انجیل مرتب ہوئی۔ دوسری انجیل کے مولف نے پہلی انجیل پر بنیاد رکھی اور اپنی انجیل کو مرتب کیا۔ بعض زبانی اور سنی سنائی روایات کا اس میں اضافہ کیا اور بعض روایات کو قلمزن کر دیا۔ تیسرے مولف انجیل نے اپنی ماسبق دونو اناجیل سے فائدہ اٹھایا، کچھ اضافہ کیا اور کچھ حذف کیا۔ اسطرح اناجیل میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پہلی انجیل کون سی ہے، دوسری کونسی اور تیسری کون سی؟ اس پر چھ قسم کی ترتیبیں تجویز ہوئیں:

۱۔ لوقا ۲۔ متی ۳۔ مرقس
۱۔ لوقا ۲۔ مرقس ۳۔ متی
۱۔ متی ۲۔ لوقا ۳۔ مرقس

مسیحی علماء نے تینوں قسم کی ترتیب کو دلائل کی بنا پر مسترد کر دیا اور ذیل کی ترتیب پر غور ہوا۔

۱۔ متی ۲۔ مرقس ۳۔ لوقا
۱۔ مرقس ۲۔ متی ۳۔ لوقا
۱۔ مرقس ۲۔ لوقا ۳۔ متی

اس میں مسیحی علماء نے دلائل کی بنا پر مرقس کو درجہ اول دیا ہے۔ اس کے بعد متی اور لوقا کے بارہ میں بحث ہے کہ ان میں سے دوسری کون سی اور تیسری کونسی ہے۔ اس بارہ میں مسیحی محققین نے دلائل کے ساتھ فیصلہ کرنا چاہا، لیکن کوئی واضح فیصلہ نہ کر سکے۔ آج کل جس ترتیب سے اناجیل شائع ہو رہی ہیں۔ وہ متی مرقس، لوقا کی ترتیب ہے جو کثرت آراء سے غلط ہے۔

تیسرا نظریہ یہ ہے کہ عبرانی یا ارامی زبان میں ایک انجیل لکھی ہوئی تھی، جس سے اناجیل کا ترجمہ کیا گیا ہے یا نقل کی گئیں۔ اس پر بھی وہی اعتراض ہے کہ اگر ایک ہی انجیل سے ترجمہ کیا گیا ہے تو پھر اختلاف کیوں رونما ہو گیا۔

چوتھا نظریہ یہ ہے کہ اس مروجہ مرقس کی بجائے ایک اور مرقس انجیل تھی جس سے مروجہ مرقس اور متی اور لوقا کی اناجیل نقل کی گئیں۔

پانچواں نظریہ یہ ہے کہ اصل انجیل کا نام مرقس نہیں تھا، بلکہ لوگیا LOGIA تھا جس سے مرقس اور متی نقل کی گئیں۔

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسیحی محققین یقینی طور پر اس بات کو متحقق نہیں کر سکے کہ اناجیل کا منبع کیا ہے اور مروجہ اناجیل کی تاریخ تالیف کیا ہے۔ کیمبرج اور آکسفورڈ کے شائع کردہ کالج ایڈیشن میں اس امر کا اعتراف ہے کہ

اناجیل کی تاریخ تالیف مشکوک ہے۔

تینوں اناجیل (متی، مرقس اور لوقا) کے مقاصد: متی کی انجیل یسوع کو مسیح ثابت کرنے کے لئے لکھی گئی۔ مرقس نے مسیح کو ابن اللہ ثابت کرنے کے لئے لکھی۔ اور لوقا نے نواب تھیوفلس کے لئے مسیح کو گنہ گاروں کا نجات دہندہ ثابت کرنے کے لئے تالیف کی۔

## مسیحی فرقے

عیسائیت کے آغاز میں بنیادی اختلافات رونما ہو گئے تھے: یعقوب حواری اور پولوس کا اختلاف۔ یعقوب اور دیگر حواری نجات کے لئے ایمان اور عمل صالحہ کو لازمی قرار دیتے ہیں، مگر پولوس عمل اور شریعت کی پابندی کو لعنت قرار دیتا ہے اور آزاد روی کا درس دیتا ہے۔ اس کا یہ فتویٰ ہے کہ مسیح پر ایمان لانے کے بعد انسان ہر گناہ سے پاک اور حقیقی نجات کا وارث ہو جاتا ہے۔ گویا پولوس کے نزدیک صرف مسیح پر ایمان لانا ہی نجات کے لئے کافی ہے، ایمان لانے کے بعد انسان جو چاہے کرے اللہ تعالیٰ اس کا محاسبہ نہیں کرے گا۔

مسیحی فرقوں کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ ایبونی فرقہ:۔ ان کے دو فریق تھے۔ دونوں کا یہ اعتقاد تھا کہ حضرت مسیح بشر تھے۔ ان میں سے اکثر ایسے لوگ تھے جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خود دیکھا اور ان سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو مافوق الفطرت مانتے تھے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ یوسف بخار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باپ ضرور تھے لیکن حضرت مریم کا حمل روح القدس کے ذریعہ ہوا۔ یہ فرقہ اس بات کا بھی معتقد تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر چڑھ جانے کی وجہ سے تمام انسانوں کے گناہوں کا کفارہ

بن گئے ہیں۔

مسٹر جے۔ ایم رابرٹسن نصرانی اور ایبونی فرقہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "یہ لوگ مسیح کی خدائی کا انکار کرتے تھے اور پولوس کو رسول تسلیم نہ کرتے تھے۔" [1]

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار اریوس سے نقل کرکے بیان کرتا ہے:

"ان لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ مسیح ایک انسان تھے جسے معجزات دیئے گئے تھے۔ یہ لوگ پولوس کے بارے میں یہ تعلیم نہ کرتے تھے کہ وہ موسوی دین سے برگشتہ ہو کر عیسائی ہو گیا تھا۔ اور یہ لوگ خود موسوی شریعت کے احکام اور رسموں یہاں تک کہ ختنہ پر بھی مضبوطی کے ساتھ کاربند تھے (دیکھو برٹانیکا ص ۸۸۱) جلد ۷)

یہ فرقہ صرف متی کی عبرانی انجیل کو مانتے تھے جس میں نسب نامہ نہ تھا۔

۲۔ مارکیونی اور نوسٹک فرقے:۔ مارکیونی فرقہ اپنے بانی مارکیون کے نام سے مشہور ہوا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت، خارق عادت، پیدائش اور مرکر جی اٹھنے کا قائل نہ تھا۔

نوسٹک کے لفظی معنی دانا کے ہیں۔ ان پر فیثا غورث، افلاطون اور زرتشت کی تعلیم کا اثر تھا۔ سینٹ پال کے منکر تھے۔ مسیح کو روح تسلیم کرتے تھے۔ توراۃ کی صرف پہلی پانچ کتابوں کو تسلیم کرتے تھے۔ تمام انبیاء بنی اسرائیل کو گنہ گار تسلیم کرتے تھے۔

ڈوسیٹی۔ یہ لوگ یسوع مسیح کو کلمہ خدا تسلیم کرتے تھے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ اچانک ایک مکمل اور جواں سال انسان کی صورت میں ظاہر ہو گئے۔ ان کی انسانی صورت فریب نظر تھی۔ وہ روح خالص تھے۔ ان میں جسمانیت کا کوئی شائبہ نہ تھا۔

ارمنین۔ یہ فرقہ عیسیٰ سے دو سو سال بعد پیدا ہوا۔ یہ فرقہ مسیح کی الوہیت کا منکر تھا۔ پولوس شمشاطی کلیسا انطاکیہ کا لارڈ پاری اسقف اس فرقہ سے تعلق رکھتا تھا۔

۳۔ مونٹانسٹس کا گروہ:۔ ۱۷۰ء میں یہ دعویٰ کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے جس فارقلیط کے آنے کی خبر دی ہے وہ میں ہوں۔ اس کے بعد اور لوگوں نے بھی یہی دعویٰ کیا، اور اپنے آپ کو خدا کا بیٹا کہلایا۔

۴۔ مانے کا فرقہ:۔ تیسری صدی عیسوی میں مانی نے ملک ایران میں مجوسی اور عیسوی مذہب سے مرکب ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی۔ یہ فرقہ کتاب الاعمال حواریوں کو نہیں مانتا۔ [2]

---

[1] HISTORY OF CHRISTIANITY (LONDON) 1913 P. 5

[2] تفسیر لارڈنر مطبوعہ لندن ۱۸۲۷ء جلد ۳ حصہ ۶۔

۵ - **نوولیشین کا فرقہ** :- یہ فرقہ پولس کو نہیں مانتا تھا۔ دو سو پچاس عیسوی میں پیدا ہوا اور پانچ سو عیسوی تک موجود رہا۔

۶ - **اریوس کا فرقہ** :- اس فرقہ کا بانی اریوس (۲۵۶ء تا ۳۳۶ء) تھا۔ وہ لیبیا کا رہنے والا تھا اور اسکندریہ میں پادری تھا۔ اس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ اگرچہ حضرت مسیح خدا کے بیٹے تھے لیکن وہ الوہیت کے اس مقام پر فائز نہیں ہیں جو عیسائیوں کا عقیدہ ہے ان کو اقنوم اول یعنی خدا نے پیدا کیا۔ وہ پیدائش سے قبل معدوم تھے۔ اس وجہ سے وہ اپنے باپ کی طرح غیر فانی اور ابدی نہیں ہیں۔ باپ کی ذات ابدی اور لازوال ہے جس کی نہ کوئی ابتدا ہے اور نہ انتہا۔ لیکن بیٹے کی ابتدا ہے۔ باپ بیٹے سے پہلے موجود تھا۔ عیسائیوں کا یہ عقیدہ تھا باپ بیٹا دونوں ابدی ہیں اور دونوں ایک ہی صفات کے مالک ہیں۔ اس عقیدہ کی تردید میں کئی مجلسیں بلائی گئیں، جن میں پہلی کونسل نیقیہ ۳۲۵ء میں منعقد ہوئی۔ اس کونسل نے اس عقیدہ کو کفر قرار دیا دوسری کونسل قسطنطنیہ میں ۳۸۱ء میں منعقد ہوئی اس مجلس میں بھی اس فرقہ کو ملحد اور کافر قرار دیا گیا۔

یاجوجی، سویوی، برگنڈی، لنگوبروی اور ہنڈل وغیرہ اس فرقہ کی شاخیں ہیں۔

۷ - **اپولی نیرین** :- اس کا بانی اپولی نیریس (APPOLI NARIS) تھا۔ اس کی تاریخ پیدائش معلوم نہیں، البتہ اس نے ۳۹۲ء میں انتقال کیا۔ اس فرقہ کا عقیدہ تھا کہ یسوع مسیح انسانی جسم میں ضرور نمودار ہوا، لیکن ان میں الوہیت اور بشریت ایسی ملی ہوئی تھی کہ ایک کو دوسری سے الگ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ان کے جسم میں روح کی جگہ کلمۃ اللہ نے لے لی تھی۔ اس لئے مسیح خالص کلمہ الٰہی تھا۔ اس فرقہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت پر زیادہ زور دیا۔ پانچویں صدی عیسوی میں یہ فرقہ بالکل معدوم ہو گیا۔

۸ - **پولسی فرقہ** :- پانچویں صدی عیسوی میں پولسی فرقہ پیدا ہوا۔ اس فرقہ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ عقیدہ تھا کہ وہ خدا نہ تھے بلکہ فرشتہ تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا کی اصلاح کے لئے بھیجا چنانچہ وہ کنواری مریم کے پیٹ سے ایک انسان کی شکل میں پیدا ہوئے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک مخصوص جلال دیا تھا اس لئے وہ "خدا کے بیٹے" کہلائے اس فرقے کے اثرات زیادہ تر ایشیا کوچک اور ارمینیا کے علاقوں میں رہے [1]

---

[1] اس فرقہ کے مزید نظریات کے لئے دیکھئے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ص ۳۹۷ ج ۱۷ مقالہ پال

۹۔ نسطوری فرقہ پانچویں صدی کے وسط میں نمودار ہوا جس کا لیڈر قسطنطنیہ کا اسقف نسطوریوس (م ۴۵۱ء) تھا۔ اس نے عقیدہ حلول کو حل کرنے کے لئے ایک نیا فلسفہ پیش کیا۔ اس نے اس نئے فلسفہ میں حضرت مسیح کو دو قرار دے کر ان کے لئے دو حقیقتیں ثابت کیں۔ ایک انسانی اور ایک خدائی، نسطوریوس نے کہا کہ حضرت عیسیٰ خدا بھی تھے اور انسان بھی۔ اور ان کی ذات میں دو شخصیتیں جمع تھیں۔ ایک بیٹا اور ایک مسیح۔ ایک ابن اللہ اور ایک ابن آدم۔ بیٹا خالص خدا ہے اور مسیح خالص انسان رومن کیتھولک چرچ کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام "ایک شخصیت اور دو حقیقتیں" ہیں، اس کے برعکس نسطوریوس کا یہ نظریہ تھا کہ حضرت عیسیٰ "دو شخصیتیں اور دو حقیقتیں" تھے۔

۴۳۱ء میں جو شہر افس میں مجلس منعقد ہوئی تھی وہ اس فرقہ کے عقائد سے متعلق تھی۔ نسطوریوس نے بے دینی کے خلاف ایک زبردست مہم جاری کی۔ اور آرتھوڈوسی کے عقائد رکھنے والوں پر ظلم و تشدد کیا۔ نسطوریس پر کئی بار مقدمہ چلایا گیا اور اسے جلاوطن بھی کیا گیا۔ جلاوطنی کی حالت میں وفات پائی۔

رومی حکومت کے زیر نگیں علاقوں میں اس فرقہ کو بالکل نیست و نابود کر دیا گیا۔ البتہ عرب، شام اور مصر میں اس فرقہ نے ترقی کی۔ بعد میں یہ فرقہ کئی شاخوں میں بٹ گیا۔ ایک فرقہ رومن کیتھولک سے منسلک ہو گیا جو کلدی عیسائی کہلائے۔ دوسرا اپنے قدیم عقائد اور خیالات پر قائم رہا۔

نسطوریوس کے خلاف جو جرم عائد کیا گیا تھا۔ اس کا خلاصہ ڈاکٹر بیتھون بیکر (BETHUNE BAKER) ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

اس نے ہمارے خداوند کی خدائی اور انسانی حقیقتوں میں اس قدر امتیاز برتا کہ وہ دو مستقل وجود بن گئے ۔۔۔۔ اس نے حکمۃ اللہ کو یسوع سے اور ابن اللہ کو ابن آدم سے الگ شخصیت قرار دے دیا"

۱۰۔ یعقوبی فرقہ:۔ چھٹی صدی میں یعقوبی فرقہ (JACOBITE CHURCH) ظاہر ہوا۔ جس کے اثرات اب تک شام اور عراق میں باقی ہیں۔ اس فرقہ کا بانی یعقوب بردعانی (JACOBITE BARADEUS) تھا۔

اس کا نظریہ اریوس اور نسطوریوس دونوں کے برعکس تھا۔ نسطوریوس حضرت عیسٰی علیہ السلام کے وجود میں دو شخصیتوں کا قائل تھا۔ یعقوب نے کہا کہ حضرت مسیح میں صرف ایک شخصیت اور ایک حقیقت پائی جاتی تھی۔ اور وہ بھی خدائی وہ صرف خدا تھے۔ گو ہمیں انسان کے لباس میں نظر آتے تھے۔

دی ورلڈ فیملی انسائیکلو پیڈیا میں اس فرقے کا نظریہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے "وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ مسیح میں خدائی اور انسانی حقیقتیں کچھ اسطرح متحد ہو گئی تھیں کہ وہ صرف ایک حقیقت بن گئی تھی"[1]

۱۱۔ وحدت الفطری فرقہ (MONOPHYSITES) اس فرقہ کا بانی یوٹیکس تھا، جو قسطنطنیہ کے راہبوں کا سردار تھا۔ اس فرقہ کا یہ عقیدہ تھا کہ مسیح میں انسانی اور الوہی دو فطرتیں نہیں پائی جاتی تھیں۔ یوٹیکس نے شہنشاہ تھیوڈوسیس کو لکھا کہ کلیسا کی ایک باقاعدہ کونسل منعقد کرے جس میں اس مسئلہ کا تصفیہ ہو جائے۔ چنانچہ شہنشاہ نے اس مسئلہ کے تصفیہ کے لئے ایفیس کے مقام پر ایک کونسل بٹھائی، جس میں یوٹیکس کے دلائل اور براہین زیادہ وزنی تھے۔ اس کونسل نے اسکے حق میں فیصلہ کر دیا۔ لیکن اس کونسل کے فیصلہ کو عوام نے مقبولیت کی نظر سے نہ دیکھا، کیونکہ مغربی اور مشرقی کلیسا کی اکثریت وحدت الفطری عقیدہ کے خلاف تھی۔ اس عقیدہ کے خلاف شدید ردعمل ہوا۔ چنانچہ اس فرقہ کے لوگوں پر شدید ظلم و ستم ہونے لگے۔ دریں اثنا شہنشاہ تھیوڈوسیس بھی فوت ہو گیا۔ نئے شہنشاہ نے پوپ لیو کے ایماء پر چالسڈن کی مجلس منعقد کی، جس نے یہ اعلان کیا:

"ہم اس یسوع کو مانتے ہیں جو خدا کا بیٹا تھا۔ جو اپنی الوہیت اور انسانیت دونوں میں یکساں کامل تھا۔ جو صحیح معنوں میں خدا اور حقیقی معنوں میں انسان تھا۔ ایک معقول روح اور جسم کا حامل تھا۔ جو اپنے باپ کے ساتھ ہم جوہر تھا اور اپنی انسانیت کے باعث ہم سب کے ساتھ بھی ہم جوہر تھا۔ جو ہر پہلو سے ہمارے مماثل تھا۔ گناہوں کی آلائش سے پاک تھا۔ جسے اس کے باپ نے ازل میں پیدا کیا اور بعد میں ہماری نجات کی خاطر خدا کی ماں مریم کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ ایک ہی مسیح جس کی دو غیر تقسیم پذیر فطرتیں تھیں اور

---

[1] دی ورلڈ فیملی انسائیکلو پیڈیا ص ۲۸ ج ۱۰ مطبوعہ نیویارک ۱۹۵۷ء

ان فطرتوں کے اتحاد نے ان کے باہمی امتیاز میں کوئی فرق پیدا نہیں کیا تھا۔ بلکہ ہر فطرت کی خاصیت اپنی جگہ مستقلاً ایک واحد شخصیت میں موجود تھی۔ اور جسے دو شخصیتوں میں منقسم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بلکہ ایک ہی بیٹا، ایک ہی مولود اور کلمہ الٰہی تھا۔"

اس کونسل کے فیصلہ کے باوجود وحدت الفطری عقیدہ مصر میں پھلا پھولا۔ اور مصر کے پادریوں نے اس عقیدہ کی تائید کی۔ بعد میں وحدت الفطری فرقہ پانچ شاخوں میں تقسیم ہوگیا:

اول شام کے یعقوبی، دوم مصر کے قبطی سوم اہل حبشہ، چہارم ارمینی عیسائی اور پنجم لبنان کے میرونی (MARONITE)

۱۲- وحدت الارادی فرقہ:۔ مجلس چالسٹڈن کی رو سے یہ فیصلہ ہوا کہ حضرت مسیح دو مختلف فطرتوں الوہی اور انسانی کے حامل تھے۔ اب یہ سوال پیدا ہوا کہ مسیح کی فطرت کی مانند اس کے ارادے بھی دو تھے یا ایک؟ الوہی ارادہ اور انسانی ارادہ۔ ہرقل نے یہ مسئلہ اس وقت اٹھایا جب وہ ایران کو فتح کر کے واپس لوٹا بطریق سرجیس نے پوپ ہنوریس کو شہنشاہ ہرقل کے ایماء پر وحدت الارادی عقیدے پر راضی کر لیا۔ اور شہنشاہ نے سرکاری طور پر اس عقیدے کا اعلان کروا دیا، اور اور قسطنطنیہ کی کونسلوں میں اس عقیدے کی توثیق کر دی۔

سرکاری تائید کے باوجود مشرقی کلیسا نے اس عقیدہ کی مخالفت کی، اور روما کے لاطینی پادری نے اس عقیدہ کو باطل قرار دیا۔ ہرقل کے پوتے شہنشاہ کانسٹی ٹیس ثانی نے دونوں کلیساؤں کے درمیان مصالحت کرانے کی کوشش کی اور سرکاری عقیدے کو منسوخ کر دیا۔ اور دونوں عقیدوں کو جائز قرار دیا۔ پوپ مارٹن نے اسکی مخالفت کی۔ شہنشاہ نے پوپ کو گرفتار کر کے قسطنطنیہ بھجوا دیا۔

ایک مدت تک یہ مسئلہ مشرقی اور مغربی کلیساؤں کے درمیان وجہ نزاع بنا رہا۔ آخر کار کانسٹی ٹیس کے جانشین قسطنطین نے اپنے دارالحکومت میں کلیسا کی چھٹی مجلس منعقد کی، جس میں پوپ بھی شریک ہوا۔ اس مجلس نے یہ فیصلہ کیا کہ مسیح کے اندر دو ارادے اور دو قوتیں کارفرما تھیں اور یہ دونوں ایک واحد شخصیت میں ایک دوسرے کے موافق تھیں۔ مسیح کا انسانی ارادہ اس کے الوہی ارادے کے تابع تھا۔ جسطرح مسیح کا جسم باوجود الوہیت کے گوشت پوست کا بنا ہوا تھا۔ اسی طرح گوشت پوست

کے جسم میں کارفرما الوہی قوت بھی ایک الٰہی قوت تھی۔

۱۳۔ آئی کونولاسٹک فرقہ:۔ گرجوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کی مورتیوں کی پرستش جاری ہو گئی۔ اس فرقہ نے بت پرستی کے خلاف آواز بلند کی۔ آئی کونولاسٹک (ICONOCLASTIC) یونانی لفظ ہے، جس کے معنی بت شکن کے ہیں۔ اس تحریک کا آغاز مشرقی کلیسا سے بعد سوم کی زیر سرپرستی ہوا۔

۱۴۔ پلیگوس فرقہ:۔ اس کا بانی ملک وینس کا عابد عیسائی تھا۔ وہ مسیح کے کفارہ ہونے کا اور پولوس نامہ جات کے مضامین کا منکر تھا۔ اس کے پیرو ایشیا اور فرانس میں ہیں۔

۱۵۔ یونانی یونیرن فرقہ:۔ اس فرقہ کے لوگ مسیح کی الوہیت، ابنیت اور تثلیث کے منکر تھے اور انجیل متی کے باب اول، دوم کو الحاقی مانتے تھے۔ اس فرقہ کے لوگ اب بھی موجود ہیں۔ ہندوستان میں ان کا چرچ بھی ہے۔

۱۶۔ ساسینسن فرقہ:۔ اس کا بانی سوسینس تھا۔ یہ بھی یونی ٹیرن کے قریب قریب عقیدہ رکھتے ہیں۔

۱۷۔ کرنتھیون کا فرقہ:۔ اس کا بانی کرنتھیس اول صدی عیسوی کے قریب تھا۔ اس کے یہ اقوال تھے:

"مسیح کے ظاہر ہونے سے پہلے وہ بزرگ خدا جو سب سے بڑا ہے بالکل نامعلوم تھا اور بڑی بڑی روحوں کے ساتھ بلند ترین آسمان پر جس کا نام پلیرو ما ہے رہا کرتا تھا۔ اس نے پہلے مٹیا پیدا کیا اور اس سے کلمہ پیدا ہوا جو بیٹے کے درجہ میں کم تھا۔ مسیح اگرچہ اور روحوں سے بزرگ تر ہے مگر وہ روحیں اس سے بھی بزرگ تر ہیں جن میں سے ایک کا نام زوی یعنی زندگی اور دوسرے کا نام نوس یعنی روشنی ہے۔ اور ان روحوں سے اور چھوٹی چھوٹی روحیں پیدا ہوئیں۔ ان میں سے ایک خاص روح نے جس کا نام ڈیمیرگس تھا اور اس عالم محسوس کو اس مادہ سے جو ہمیشہ رہنے کے قابل تھے بنایا۔ یہ ڈیمیرگس اس خدا سے جو پلیرو ما پر ہے ناواقف تھا اور یہ ارواح غیر محسوس سے مرتبہ میں کمتر تھا۔ اور یہی اسرائیلیوں کا خاص خدا ہے جس نے موسیٰ کو ان میں بھیجا اور انکو شریعت دی کہ اس پر ہمیشہ عمل کریں کہ عیسیٰ ایک انسان تھا جو پاکیزگی اور انصاف میں ممتاز تھا اور وہ یوسف

اور مریم کا حقیقی بیٹا تھا۔ اور جب عیسیٰ بپتسمہ پا چکا تو مسیح اس پر کبوتر کی صورت میں اترا اور نامعلوم خدا کو اس پر ظاہر کیا۔ اور اس کو معجزے دکھانے کی قوت بخشی۔ اور یوحنا بپتسمہ دینے والے میں بھی روشنی کی روح اسی طرح داخل ہوئی تھی۔ اور اس لئے بعض باتوں میں یوحنا عیسیٰ سے بڑھ کر تھا۔ اور جب عیسیٰ پر مسیح نازل ہوا تو عیسیٰ یہودیوں کے خدا ڈیمیرگس سے مقابل ہوا۔ اور اسی خدا کی ترغیب سے یہودیوں کے سردار نے عیسیٰ کو پکڑ کر صلیب پر کھینچا۔ اور جب عیسیٰ کو صلیب پر کھینچنے کے لئے گرفتار کر کے لے چلے تب مسیح تو آسمان پر صعود کر گیا، عیسیٰ ذلت اور دردناک تکلیف سے مارا گیا۔"[1]

۱۸۔ کولنزیدینس کا فرقہ:۔ اس فرقہ کے لوگ مریم کو تثلیث میں داخل کر کے پوجتے تھے اور ان کے لئے ایک قسم کی روٹی بھی تیار کرتے تھے۔

میٹر یا مائٹ۔ اس گروہ کے لوگ روح القدس کی بجائے مریم کو تثلیث میں داخل کرتے تھے۔ اور نائس کولنس کے بعض لوگ یہی اعتقاد رکھتے تھے۔ فرقہ قوسیہ کا بھی یہی اعتقاد تھا۔

۱۹۔ باسلیدی فرقہ:۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ مسیح مصلوب نہیں ہوا بلکہ شمعون قرینی ان کے عوض گرفتار کیا گیا اور صلیب پر چڑھایا گیا۔

۲۰۔ گناستی فرقہ:۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ دنیا مادہ سے پیدا ہوئی ہے اور مادہ کے لئے شرارت اور معصیت ضرور ہے۔ چونکہ مسیح مادہ سے پیدا نہیں ہوا تھا اس لئے مصلوب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کا جسم نہ تھا۔"[2]

۲۱۔ یونانی فرقہ:۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ روح القدس صرف باپ سے نکلتی ہے نہ کہ بیٹے سے۔ حالانکہ پروٹسٹنٹ فرقہ کے نزدیک یہ صریحی کفر ہے۔ اور نیز پوپ کو بے خطا بھی نہیں سمجھتے تھے۔

۲۲۔ ارمنی فرقہ:۔ اس فرقہ کے لوگ کفارہ مسیح کو کافی نہیں مانتے بلکہ مریم کے تہوار میں قربانی بھی کرتے تھے اور اپنے اقارب کی طرف سے بھی قربانیاں کیا کرتے تھے۔

---

[1] رومن مفتاح الکتاب مطبوعہ ۱۸۵۶ء صفحہ ۱۵۲۔

[2] رومن تواریخ کلیسیا صفحہ ۵۶۔

۲۳- سورمن فرقہ:- یہ تمام عیسائیوں کو کافر و بے دین سمجھتے ہیں اور ہر شخص کے لئے بارہ بیویوں تک جائز سمجھتے تھے۔ اور ان کے پیشوا کے پاس پچاس بیویاں رہتی ہیں۔ یہ لوگ امریکہ کی دور سرحد پر آباد ہیں جن کی تعداد تقریباً اسی ہزار بیان کی جاتی ہے۔

۲۴- پرکشیس کا فرقہ:- یہ فرقہ ۲۰۰ء میں یونان میں پیدا ہوا۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ بیٹا اور روح القدس خدا کی ذات سے بطور قوتوں کے ظاہر ہوئے، نہ یہ کہ روح القدس بیٹے سے پیدا ہوا۔

۲۵- ناصریوں کا فرقہ:- وہ صرف عبرانی انجیل متی کو مانتا تھا، اور وہ اس انجیل مروج سے مختلف تھی۔ ان کی کتب میں مرقوم ہے کہ مسیح نے گائے کے گوشت کے پرند بنا کر ان میں پھونک ماری اور وہ اڑ کر چلے گئے اور وہ مسیح کے مصلوب ہونے کے منکر تھے۔

۲۶- نجرانی نصاریٰ:- یہ لوگ مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے[1] اس فرقہ کے لوگ تثلیث پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مباہلہ کرنے کے لئے آئے تھے۔

۲۷- ارجن کا فرقہ:- ارجن ۲۲۳ء میں مدرسہ اسکندریہ کا مدرس تھا۔ اس زمانہ میں جعلی کتب تصنیف کر کے حواریوں وغیرہ کے نام پر شائع کی جاتی تھیں۔ مجلس نائیس میں پادریوں کو شادی کی ممانعت ہوئی تھی تو ارجن خوجہ بن گیا۔ اس کے عقائد افلاطونی فلسفہ اور عیسوی مذہب سے مرکب تھے۔ یہ لوگ روح کی تاثیر کے قائل نہ تھے، صرف اپنے مجاہدہ کو ذریعہ نجات جانتے تھے۔

۲۸- افلاطونی فرقہ:- دوسری صدی کے اختتام پر اسکندریہ میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا جس پر فلسفہ افلاطون کا اثر تھا۔ جو مسائل عیسوی مذہب کے ان کی عقل کے برخلاف ہوتے تھے ان سب کا انکار کرتے تھے۔ امونیس سکاس اس گروہ کا سب سے بڑا عالم تھا، جس نے تیس برس تک اپنے عقائد کی تدریس کی۔

۲۹- تاتیاں کا فرقہ انکراتیس کا فرقہ:- ان دونوں فرقوں کے لوگ ریاضت اور چلہ کشی کو ذریعہ نجات سمجھتے تھے۔ عیسائیوں کے نزدیک یہ لوگ

---

[1] اردو تاریخ کلیسیا مطبوعہ ۱۸۷۶ء حاشیہ صفحہ ۱۵۴۔

مردود اور مقہور شمار ہوتے تھے۔ یہ لوگ خدا ترس اور پرہیزگار ہوتے تھے اور اسلام سے قبل شام اور عرب میں یہ لوگ پائے جاتے تھے۔

۳۰۔ تھیوڈوشس فرقہ:۔ یہ فرقہ دوسری صدی عیسوی کے اختتام پر پیدا ہوا۔ اس گروہ نے شریعتِ موسوی کو ترک کر دیا اور صرف اس بات کے قائل تھے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو محض انسان جانتے تھے۔

۳۱۔ پوئی کا فرقہ:۔ یہ فرقہ حضرت مسیح علیہ السلام کے مصلوب ہونے اور پھر زندہ ہو کر آسمان پر چڑھ جانے کے منکر تھے۔ (اردو دوار بخ کلیسیا صفحہ ۲۰۲)

۳۲۔ سبلیوس کا فرقہ:۔ اس فرقہ کا یہ اعتقاد تھا کہ خدا کی ذات کا ایک جزو جدا ہو کر حضرت مسیح میں شامل ہو گیا اور اسی طرح دوسرا جزو الگ ہو کر روح القدس بن گیا۔ اسی لئے وہ اس بات کے قائل تھے کہ جو مصلوب ہوا وہ دراصل باپ خدا تھا نہ بیٹا۔

۳۳۔ بالدی اور پالی فرقہ:۔ یہ دونوں فرقے ایک ہزار اسی یا نواسی عیسوی میں پیدا ہوئے جب کہ پروٹسٹنٹ فرقہ کا ظہور بھی نہیں ہوا تھا۔ یہ دونوں فرقے رومی کلیسا سے عقیدہ میں مخالف تھے۔ رومی عیسائی دونوں کو واجب القتل سمجھتے تھے۔

۳۴۔ ارسیو فرقہ:۔ اس فرقہ کا یہ اعتقاد تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مریم سے پیدا نہیں ہوئے بلکہ پچاس برس کی عمر میں ہو کر غیب سے اس دنیا میں آگئے۔ یہ لوگ عہد قدیم کی کسی ایک کتاب کو بھی نہیں مانتے۔ نہ کسی انجیل کو، مگر انجیل لوقا کو، اور اس کے بھی اول باب کو، جس میں حضرت مسیح کا حضرت مریم سے پیدا ہونا لکھا ہے الحاقی کہتے تھے۔

۳۵۔ نزاری فرقہ:۔ یہ فرقہ اوّل صدی عیسوی میں پیدا ہوا۔ اس فرقہ کے لوگ پولوس اور اس کے خطوط کو نہیں مانتے بلکہ اس کو مکار سمجھتے تھے۔ عیسائیت کے عقائد کے بنیادی اختلافات کی وجہ سے بے شمار فرقوں میں بٹ چکی ہے۔ اب دنیا میں جو عیسائی پائے جاتے ہیں، ان کی اکثریت تثلیث کے معتقدین

۳۶۔ تین کلیسائیں:۔ ۱۔ مشرقی کلیسیا جو یونانی کلیسا (ORTHODOX GREEK) کہلاتی ہے ان میں چودہ مختلف کلیسیا شامل ہیں۔ مثلاً کلیسا روس CHURCH

کلیسائے یونان اور کلیسائے ریاست یلقان وغیرہ۔

۲۔ رومن کیتھولک ROMAN CATHOLIC ان میں آسٹریا، فرانس وغیرہ شامل ہیں۔

۳۔ پراٹسٹنٹ یعنی رومی کلیسا کی منکر جماعت۔ اس تحریک کے راہنما جرمنی میں لوتھر (LUTHER) سوئٹزرلینڈ میں کیلون (CALVIN) اور زونگلی (ZWINGLI) اور سکاٹ لینڈ میں جان ناکس (JOHN KNOX) گذرے ہیں۔ ان میں کلیسائے انگلستان اور جرمن خاص طور پر مشہور ہیں۔

رومن کیتھولکوں اور پروٹسٹنٹوں کے اختلافات ہولناک اور طویل مذہبی جنگوں کا منتج ہوئے، جن کے باعث یورپ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گیا۔ تمام عیسائی ممالک ناقابل بیان مظالم، نفرت انگیز جذباتیت، بربریت اور بہیمیت کا جو مذہبی ایذا رسانی کا لازمہ ہیں شکار ہو گئے۔ اگرچہ رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ ہر دو تثلیث، الوہیت مسیح، موروثی گناہ اور کفار کے عقیدوں پر متفق ہیں پھر بھی ان میں مندرجہ ذیل بنیادی اور اصولی اختلافات ہیں:

۱۔ رومن کیتھولک کلیسا کا یہ اعتقاد ہے کہ خدا نے اپنا منشاء بائبل میں ظاہر کیا۔ لیکن اس کے اظہار اور ابلاغ کا اختیار صرف اسی کلیسا کو ہے اور کلیسائی احکام بے خطا اور حقیقت مطلق کے علمبردار ہیں بلکہ خدا کے خاص احکام ہیں۔ پروٹسٹنٹ اس عقیدہ کے خلاف اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ صرف بائبل ہی احکام الٰہیہ کی آئینہ دار ہے۔

۲۔ رومن کیتھولکوں کا یہ عقیدہ ہے کہ مخصوص شدہ پادری خدا اور انسان کے متوسل ہیں اور انہیں اعتراف گناہ اور عفو گناہ کا اختیار ہے اور بشپ کی نافرمانی مسیح کی نافرمانی کے برابر ہے۔ پوپ بہ حیثیت کلیسائی سردار کے معصوم، گناہ اور خطا سے مبرا ہے وہ مختلف عقیدے اور اصول وضع اور رائج کرنے کا مجاز ہے اور کسی کو اس کے اعمال اور اقوال پر رائے زنی کی مجال نہیں۔ پروٹسٹنٹ پوپ اور پادریوں کے اس الٰہی مرتبہ کے معتقد نہیں۔ لیکن ان کے مختلف فرقوں میں پادریوں سے متعلق رویہ میں کوئی ہم آہنگی اور توازن نہیں۔

۳۔ رومن کیتھولکوں کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا اپنی قدرت کاملہ کو اولیاء کے معجزات کے ذریعے ظاہر کرتا ہے۔ پروٹسٹنٹ صرف مسیح کے معجزوں کو مانتے اور

اولیاء کے معجزوں کا مضحکہ اڑاتے ہیں۔

۴۔ رومن کیتھولک مقدس مریم کو خدا کی ماں ٹھہرا کر اس کی پرستش کرتے اور اس کے مجسمے بنا کر ان سے دعائیں کرتے ہیں۔ پروٹسٹنٹ بت پرستی کے خلاف ہیں۔

۵۔ رومن کیتھولکوں کی کئی کلیسائی رسمیں، تہوار اور دن ہیں۔ ان کا ایمان ہے کہ تسبیح مسیح مقدس عشائے ربانی میں ذات خود حاضر ہوتا ہے اور روٹی اور شیرۂ انگور حقیقتاً مسیح کے بدن اور خون میں بدل جاتے ہیں۔ پروٹسٹنٹوں کی رسمیں بجز برطانیہ کی کلیسائے اعظم کے سادہ ہیں اور یہ صرف بپتسمہ کے معتقد ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ روٹی اور شیرۂ انگور مسیح میں تبدیل نہیں ہوتے۔

۶۔ رومن کیتھولک کلیسیا اپنی عبادت میں مسیح، مقدس مریم اور مختلف ولیوں کے بت رکھتے ہیں۔ پروٹسٹنٹ اس کو مذموم گردانتے اور توریت کے پہلے حکم کے تحت بت پرستی میں شمار کرتے ہیں۔

۷۔ معتدد پروٹسٹنٹ فرقے لوتھرن اور کیلونیسٹ سمیت تقدیر اور نجات بالایمان کے معتقد ہیں۔

## مسیحیت کے باطل عقائد اور آلکارد

**عقیدہ حلول تجسم:۔** حلول و تجسم کا نظریہ سب سے پہلے انجیل یوحنا میں ملتا ہے۔ یوحنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح کا آغاز ان الفاظ سے کرتا ہے۔

"ابتدا میں کلام تھا۔ اور کلام خدا کے ساتھ تھا۔ اور کلام خدا تھا۔ یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا"۔ (یوحنا ۱: ۱، ۲)

آگے چل کر لکھتا ہے۔

"اور کلام مجسم ہوا اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا اور ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال"۔ (یوحنا ۱: ۱۴)

عیسائی مذہب میں "کلام" ابن اللہ سے تعبیر ہوتا ہے جو خود مستقل خدا ہے۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی صفت کلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انسانی جامہ میں اوتار لیا۔ تاکہ بنی نوع انسان پر اپنی محبت ظاہر کرے اور اسے ازلی عذاب سے نجات دے۔ مارس لیلٹن نے اس عقیدے کی توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے:

"کیتھولک عقیدے کا کہنا ہے کہ وہ ذات جو خدا تھی، خدائی کی صفات کو

چھوڑے بغیر انسان بن گئی۔ یعنی اس نے ہمارے جیسے وجود کی کیفیات اختیار کر لیں۔ جو زمان و مکان کی قیود میں مقید ہے اور ایک عرصہ تک ہمارے درمیان رہی

اس عقیدہ کی رو سے حضرت مسیح بیک وقت خدا بھی تھے اور انسان بھی الفریڈ ای۔ گارڈ اس عقیدہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"وہ (حضرت مسیحؑ) حقیقۃً خدا بھی تھے اور انسان بھی ان کی ان دونوں حیثیتوں میں سے کسی ایک کے انکار یا ان کے وجود میں دونوں کے متحد ہونے کے انکار ہی سے مختلف بدعتی نظریات پیدا ہوئے۔ اتھانے شیس نے آریوس کے مقابلے میں اس نظریے کی پُرزور حمایت کی تھی۔ لہٰذا منظور شدہ فارمولا یہ ہے کہ حضرت مسیح کی ایک شخصیت میں دو ماہیتیں جمع ہو گئی تھیں"

(انسائیکلو پیڈیا آف ایلیجن اینڈ ایتھکس ص ۵۸۶ ج ۲ مقالہ "عیسائیت" انسانی حیثیت سے حضرت مسیح خدا سے کم رتبہ تھے۔ اسی لئے انہوں نے فرمایا کہ "باپ مجھ سے بڑا ہے"۔ (یوحنا ۱۴: ۲۸)

خدائی حیثیت سے وہ "باپ کے ہم رتبہ ہیں۔ یوحنا میں آپ کا یہ قول ہے "میں اور باپ ایک ہیں" (یوحنا ۱۰: ۳۰)

آگسٹائن لکھتا ہے کہ:

"چونکہ خدا نے بندے کا روپ اسطرح نہیں اپنایا تھا کہ اپنی اس خدائی حیثیت کو ختم کر دے۔ جس میں وہ باپ کے برابر ہے .... لہٰذا ہر شخص اس بات کو محسوس کر سکتا ہے کہ یسوع مسیح اپنی خدائی شکل میں خود اپنے آپ سے افضل ہیں اور اسی طرح اپنی انسانی حیثیت میں خود اپنے آپ سے کمتر بھی ہیں"[1]

عقیدہ حلول کی اساس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہ اقوال ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے روحانیت پر زور دیا اور کہا کہ "خدا کی بادشاہت تمہارے اندر ہے" (لوقا ۱۷/۲۱) اور میں اور میرا باپ ایک ہیں" (یوحنا ۱۰/۳۰) "جو مجھے دیکھتا ہے وہ میرے بھیجنے والے کو دیکھتا ہے"۔ (یوحنا ۱۲/۴۵)

"ان اقوال کی بناء پر حضرت مسیح علیہ السلام کے ماننے والے آپ کو خدا ماننے لگے۔ "وہ غیر مرئی خدا کی صورت ہے" (کلسیوں ۱۵/۱) "یسوع مسیح

---

[1] آگسٹائن "ON THE TRINTY" ص ۶۷۸ ج ۲۔

خدا کی صورت پر تھا" (فلپیوں ۲/۶)

حضرت مسیح ہی خدائی صورت پر پیدا نہیں کئے گئے بلکہ کل انسانوں کو "خدا نے اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اور اپنی مانند بنایا" (پیدائش باب ۱ آیات ۲۶، ۲۷)

حضرت مسیح علیہ السلام نے نہ خدا ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور نہ ابن اللہ ہونے کا، ان الفاظ کی وضاحت اور تشریح ازروئے بائبل بعد میں آئے گی۔

**مسیح نے خدا ہونے کا دعویٰ نہیں کیا:۔** حضرت مسیح علیہ السلام نے خدا یا ابن اللہ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ یہ الفاظ انہی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں جن معنوں میں تمام انبیاء علیہم السلام اور بزرگوں پر استعمال ہوتے رہے ہیں۔

ایک دفعہ حضرت مسیح نے یہودیوں کے سامنے دعویٰ کیا کہ میں ابن اللہ ہوں۔ یہود یہ سن کر طیش میں آگئے اور انہوں نے ارادہ کیا کہ مسیح پر پتھراؤ کریں۔ مسیح نے کہا کہ تم مجھے کس قصور پر سزا دیتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ تو انسان ہو کر اپنے تئیں خدا بناتا ہے، اس کفر بکنے کی ہم سزا دیتے ہیں۔ مسیح نے جواب میں کہا: کیا تمہاری شریعت میں نہیں لکھا کہ میں نے کہا کہ تم خدا ہو جب کہ اس نے انہیں جن کے پاس کلام آیا خدا کہا اور ممکن نہیں کہ کتاب باطل ہو۔[1]

حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ بیان ابن اللہ ہونے کی حقیقت کو واضح کر دیتا ہے کہ وہ تمام لوگ جن کے پاس خدا کا کلام آیا یعنی یہود خدا ہیں۔

ابن اللہ کا لفظ بائبل میں نہایت ہی وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ عہد نامہ کی رو سے کئی قسم کے لوگ خدا کے بیٹے کہلاتے ہیں:۔

| | | |
|---|---|---|
| ۱۔ آدم علیہ السلام | خدا کے بیٹے | لوقا ۳ باب ۳۸۔ |
| ۲۔ شیث علیہ السلام | خدا کے بیٹے | پیدائش ۶ باب ۲۔ |
| ۳۔ اسرائیل علیہ السلام | خدا کے بیٹے | خروج ۴ باب ۲۲۔ |
| ۴۔ افرائیم علیہ السلام | خدا کا پلوٹھا بیٹا | یرمیاہ ۳۱ باب ۹۔ |
| ۵۔ داؤد علیہ السلام | خدا کے بڑے بیٹے | زبور ۸۹ ۲۶، ۲۷۔ |
| ۶۔ سلیمان علیہ السلام | خدا کے بیٹے | تاریخ ۲۲ باب ۹، ۱۰، ۲۸ باب ۶۔ |
| ۷۔ قاضی مفتی | خدا کے بیٹے | زبور ۸۲ — ۶۔ |
| ۸۔ تمام بنی اسرائیل | خدا کے بیٹے | رومی ۹ باب ۴۔ |

---

[1] یوحنا باب ۱۰ آیت ۳۴ تا ۳۶۔

۹۔ تمام حواری خدا کے بیٹے ۔ ایوحنا ۳ باب ۲ ۔
۱۰۔ سب عیسائی خدا کے بیٹے بلکہ سب مومن ۔ ایوحنا ۲ باب ۹ ۔
۱۱۔ سب یتیم خدا کے بیٹے زبور ۶۸ ۔ ۵ ۔
۱۲۔ سب خاص وعام خدا کے بیٹے ۔ متی ۶ باب ۶ ، ۱۸ ، ۷ باب ۱۱ پیدائش ۶ باب
۱۳۔ اشراف خدا کے بیٹے ۔ پیدائش ۹ باب ۲
۱۴۔ فرشتے خدا کے بیٹے ۔ دانیال ۲ : ۲۸ ۔ زبور ۳۴ : ۷ ۔ ایوب ۱ : ۶ ، ایوب ۲۸ : ۷ ۔

ان تمام مقامات میں ابن اللہ کا کلمہ صلحا نیک لوگوں پر بولا گیا ہے ۔ ان میں نہ کوئی خدا ہے اور نہ اس کا کوئی بیٹا ۔ لہٰذا ان محاورات کی رو سے مسیح ابن اللہ بھی صرف انسان ہی ہیں ۔

ابن اللہ اور عہد نامہ جدید :۔ عہد نامہ جدید میں کلمہ "ابن اللہ" ، (خدا کا بیٹا) ان لوگوں کے لئے استعمال ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگین ہوتے تھے ۔ متی ۵ : ۹ میں ہے "مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے" ۔

لوقا ۶ : ۳۵ میں ہے :

"مگر تم اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور بھلا کرو ۔ اور بغیر ناامید ہوئے قرض دو تو تمہارا اجر بڑا ہوگا اور تم خدا کے بیٹے ٹھہرو گے" ۔

یوحنا ۱ : ۱۲ میں مذکور ہے ۔

لیکن جنہوں نے اسے قبول کیا اس نے انہیں خدا کے فرزند کا حق بخشا" ۔

یوحنا کا پہلا خط ۳ باب ۱ : دیکھو کیسی محبت باپ نے ہم سے کی ہے کہ ہم خدا کے فرزند کہلا دیں ۔ اے پیارو ! ہم خدا کے فرزند ہیں اور ہنوز ظاہر نہیں ہوا کہ ہم کیا کچھ ہوں گے ۔ پر ہم جانتے ہیں کہ جب وہ ظاہر ہوگا تو ہم اس کی مانند ہونگے ۔

اور یوحنا کے ۴ باب ۷ میں کہا ہے : ہر ایک جو محبت رکھتا ہے سو خدا سے پیدا ہوا ہے ۔

اور یوحنا کے پہلے خط ۳ باب ۹ میں ہے : ہر ایک جو خدا سے پیدا ہوا ہے گناہ نہیں کرتا کیونکہ اس کا تخم اسی میں رہتا ہے اور وہ گناہ نہیں کر سکتا ۔ کیونکہ وہ خدا سے پیدا ہوا ہے ۔ اسی سے خدا کے فرزند اور شیطان کے فرزند ظاہر ہیں ۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی بشریت :۔ مندرجہ بالا محاورات کی رو سے یہ امر واضح

جاتا ہے کہ عہدنامہ میں ابن اللہ کا لفظ مجاز کے طور پر استعمال ہوا ہے، نہ کہ حقیقی
ں میں۔ عہدنامہ جدید میں حضرت مسیح علیہ السلام کا ابن انسان ہونا بھی ثابت ہے:

- متی ۱ باب ۱: یسوع ابن داؤد ابن ابراہام۔
- متی ۱۱ باب آیت ۱۹: انسان کا بیٹا کھاتا پیتا آیا۔
- متی ۱۶ باب ۱۳: میں جو ابن آدم ہو انسان ہوں۔
- متی ۸ باب ۲۰: ابن آدم مسیح ہیں۔

مسیح علیہ السلام نے چاروں اناجیل میں ۷۰ مرتبہ اپنے آپ کو ابن آدم کہا ہے اور
ہلواباۓ انسائیکلوپیڈیا ببلیکا صفحہ ۴۶۹۶ پر لکھا ہے کہ:

"سناپٹک اناجیل (متی، لوقا، مرقس) میں مسیح کا کوئی قول ایسا نہیں جس میں آپ
نے خصوصیت سے اپنے آپ کو خدا کا بیٹا کہا ہو۔"

حضرت مسیح علیہ السلام میں خدا کی صفات نہیں تھیں۔

پہلی صفت:۔ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے اور ذرہ ذرہ کا اس کو علم ہے۔ یہ صفت
حضرت مسیح علیہ السلام میں پوری موجود نہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام خود فرماتے ہیں:

"لیکن اس دن یا اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا، نہ آسمان کے فرشتے، نہ بیٹا،
صرف باپ۔ (متی ۲۴: ۳۶ اور مرقس ۱۳: ۳۲)

"تو ہاں تو ہی اکیلا سارے بنی آدم کے دلوں کو جانتا ہے"۔ (اسلاطین $\frac{۸}{۳۹}$)

دوسری صفت:۔ اللہ تعالیٰ معبود اور سمیع الدعا ہے۔ لیکن حضرت مسیح علیہ السلام خود
اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے اور اس سے دعائیں مانگتے۔ متی ۱۱: ۲۵ میں ہے:

"اس وقت یسوع نے کہا: اے باپ آسمان اور زمین کے خداوند میں تیری حمد
کرتا ہوں"۔

متی ۲۶ باب آیت ۳۸-۴۴ میں ہے کہ مسیح علیہ السلام خود جنگلوں میں جاکر
دعا مانگا کرتے تھے بلکہ حواریوں کو کہا کرتے تھے کہ اٹھو میرے لئے خدا سے دعا کرو۔

لوقا $\frac{۵}{۱۶}$، $\frac{۲۲}{۲۴}$ میں ہے کہ مسیح نے دعا مانگی۔

کیا خدا بھی کسی کی دعا کا محتاج ہے؟

تیسری صفت:۔ خدا قیوم ہے۔ مگر مسیح علیہ السلام قیوم نہیں تھے۔ متی ۲۰ باب
۲۸ میں ہے:

"وہ میں باتیں بٹھانا میرا کام نہیں، مگر اسی کو جن کے لئے میرے باپ سے تیار کیا گیا"

چوتھی صفت :- اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور اس پر کبھی موت وارد نہیں ہو سکتی۔ مگر انجیل کہتا ہے کہ مسیح پر موت وارد ہوئی اور تین دن تک مُردہ پڑا رہا۔ (متی ۱۷ باب آیت ۲۳)

"جب ہم کمزور ہی تھے تو عین وقت پر مسیح بے دینوں کی خاطر مُوا"۔ (رومیوں ۵/۶)

"ہمارے باپ دادوں کے خدا نے یسوع کو جلایا جسے تم نے صلیب پر لٹکا کر مار ڈالا تھا"۔ (اعمال ۵/۳۰)

پانچویں صفت :- اللہ تعالیٰ کی صفت لا تدرکہ الابصار ہے۔ مسیح رحم مادر میں ایک عرصہ رہنے کے بعد پیدا ہوئے اور پھر وہ لڑکا بڑھتا اور قوت پاتا گیا اور حکمت سے معمور ہوتا گیا اور خدا کا فضل اس پر تھا" (لوقا ۲/۴۰) انہوں نے خود کہا: "لومڑیوں کے بھٹ ہیں اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے، مگر ابن آدم کے لئے سر دھرنے کی جگہ بھی نہیں" (لوقا ۸/۵۸)

چھٹی صفت :- اللہ تعالیٰ کی صفت لا تاخذہ سنۃ ولا نوم یعنی وہ نیند اور غفلت سے بری ہے۔ مگر انجیل سے یہ بات ثابت ہے کہ مسیح پر نیند کا غلبہ ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک دن مسیح علیہ السلام حواریوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے کہ اتنے میں بڑے زور و شور سے طوفان آیا مگر مسیح نہ جاگا۔ جب حواریوں نے جگایا تب ان کو ہوش آیا (لوقا ۸ باب آیت ۲۳، ۲۴)

ساتویں صفت :- اللہ تعالیٰ قادر ہے مگر مسیح علیہ السلام کا قول ہے کہ میں اپنے آپ کچھ نہیں کر سکتا (یوحنا ۵ باب آیت ۳۰)

"وہ ہاں وہ کمزوری کے سبب سے صلیب دیا گیا لیکن قدرت کے سبب زندہ ہے" (۲ کرنتھیوں ۱۳/۴)

آٹھویں صفت :- اللہ تعالیٰ الملک یعنی دونوں جہان کا بادشاہ ہے۔ مگر مسیح علیہ السلام کو اقرار ہے کہ میری بادشاہت اس جہان میں نہیں۔ (یوحنا ۱۸ باب آیت ۳۶)

نویں صفت :- اللہ تعالیٰ غنی یعنی کسی دوسرے کی مدد کا محتاج نہیں۔ مگر مسیح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے کہا: ایلی ایلی لما سبقتانی یعنی اے میرے خدا تو میری کیوں مدد نہیں کرتا۔ (مرقس ۱۵ باب آیت ۳۴)

"اور وہ محتاج تھا۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ اسے گدھی اور اس کے بچے کی بھی احتیاج پیدا ہوئی"۔ (متی ۲۱/۲)

دسویں صفت :- اللہ تعالیٰ السلام یعنی ہر ذلت اور رسوائی سے پاک ہے۔ مگر عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح کے منہ پر یہودیوں نے تھوکا۔ اس کے منہ پر طمانچے مارے۔ سر پر کانٹوں

کا تاج پہنا دیا۔ کوڑے مارے اور بالآخر نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ صلیب پر لٹکا دیا۔

**گیارھویں صفت:** ۔ اللہ تعالیٰ وراء الوری ہستی ہے اور کوئی اس کی آزمائش نہیں کر سکتا، نہ نیکی سے نہ بدی سے۔ چنانچہ یعقوب رسول کہتا ہے: "نہ تو خدا بدی سے آزمایا جا سکتا ہے اور وہ کسی کو آزماتا ہے۔" (۱/۱۳)

انجیل سے یہ ظاہر ہے کہ یسوع مسیح کو چالیس دن تک شیطان آزماتا رہا:

"چالیس دن تک روح کی ہدایت سے بیابان میں پھرتا رہا اور ابلیس اسے آزماتا رہا..... جب ابلیس تمام آزمائش کر چکا تو کچھ عرصے کے لئے اس سے جدا ہوا۔" (لوقا ۴: ۱ - ۱۳)

## معجزاتِ مسیح

عیسائیوں کی طرف سے حضرت مسیح علیہ السلام کی خدائی اور الوہیت کی یہ دلیل دی جاتی ہے کہ انہوں نے ایسے معجزات دکھائے جو بشری طاقت سے بالاتر تھے۔ مسیح علیہ السلام کا سب سے معجزہ مُردوں کو زندہ کرنا ہے۔ بائبل کی رُو سے دوسرے انبیاء علیہم السلام نے بھی یہ معجزہ دکھایا۔

الیشع نبی نے مُردہ لڑکے کو زندہ کیا، لکھا ہے:

"جب الیشع اس گھر میں آیا تو دیکھا وہ لڑکا مرا ہوا اس کے پلنگ پر پڑا تھا۔ سو وہ اکیلا اندر گیا اور دروازہ بند کر کے خداوند سے دعا کی۔ اور اوپر چڑھ کے اس بچے پر لیٹ گیا اور اس کے منہ پر اپنا منہ اور اس کی آنکھوں پر اپنی آنکھیں اور اس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھے اور اس کے اوپر لیٹ گیا۔ تب اس بچے کا جسم گرم ہونے لگا۔ پھر وہ اٹھ کر اس گھر میں ایک بار ٹہلا اور اوپر چڑھ کر اس بچے کے اوپر لیٹ گیا۔ وہ بچہ سات بار چھینکا اور بچے نے آنکھیں کھول دیں ——— تب اس نے اسکی والدہ کو بلایا اور جب وہ اس کے پاس آئی تو اس نے اس سے کہا: اپنے بیٹے کو اٹھا لے۔ تب وہ اندر جا کر اس کے قدموں پر گری اور زمین پر سرنگوں ہو گئی اور پھر اپنے بیٹے کو اٹھا کر چلی گئی۔"[1]

---

[1] ۲ سلاطین ۴: ۳۲ — ۳۵۔

حزقی ایل نبی ارشاد فرماتا ہے :

" خداوند کا ہاتھ مجھ پر تھا اور اس نے مجھے اپنی روح میں اٹھا لیا اور اس وادی میں جو ہڈیوں سے پُر تھی مجھے اتار دیا ۔۔۔ اس نے مجھے فرمایا : تو ان ہڈیوں پر نبوت کر اور ان سے کہہ اے سوکھی ہڈیو! خداوند کا کلام سنو ۔۔۔ پس میں نے حکم کے مطابق نبوت کی ۔ اور جب میں نبوت کر رہا تھا تو ایک شور ہوا اور دیکھ زلزلہ آیا اور ہڈیاں آپس میں مل گئیں ۔۔۔ نسیں اور گوشت ان پر چڑھ آئے اور ان پر چمڑے کی پوشش ہو گئی ، پر ان میں دم نہ تھا ۔۔۔ میں نے نبوت کی اور ان میں دم آیا اور وہ زندہ ہو کر اپنے پاؤں پر کھڑی ہو گئیں ایک نہایت بڑا لشکر "[1]

الیشع کی مُردہ لاش نے مُردہ زندہ کیا :

" اور الیشع نے وفات پائی اور انہوں نے اسے دفن کیا اور نئے سال کے شروع میں موآب کے جتھے ملک میں گھُس آئے اور ایسا ہوا کہ جب وہ ایک آدمی کو دفن کر رہے تھے تو ان کو ایک جتھا نظر آیا ۔ سو انہوں نے اس شخص کو الیشع کی قبر میں ڈال دیا اور وہ شخص الیشع کی ہڈیوں سے ٹکراتے ہی جی اٹھا اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا "[2]

دوسرا معجزہ :۔ بیماروں کو اچھا کرنا ۔

اس معجزہ میں بھی حضرت مسیح علیہ السلام کو کوئی خاص خصوصیت حاصل نہیں ، دوسرے انبیاء علیہم السلام نے بھی یہ معجزہ دکھایا ۔

۱ ۔ الیشع نے نعمان سپہ سالار کو جو کوڑھی تھا اچھا کیا[3]

۲ ۔ یوسف نے اپنے باپ یعقوب کو آنکھیں دیں ۔[4]

تیسرا معجزہ :۔ تھوڑے کھانے اور شراب کو بڑھا دینا ۔

یہ کام بھی بہت سے انبیاء علیہم السلام سے ظہور پذیر ہوا ۔

۱ ۔ ایلیاہ نے مٹھی بھر آٹے اور تھوڑے تیل کو بڑھا دیا کہ وہ سال بھر تک تمام نہ ہوا[5]

۲ ۔ الیشع نے بھی تیل کو برکت سے بڑھایا[6]

---

[1] حزقی ایل ۳۷ باب ۱ تا ۳ ۔ [2] ۲ سلاطین ۱۳ : ۲۰

[3] ۲ سلاطین باب ۵ آیت ۱۴ ۔ [4] پیدائش باب ۴۶ آیت ۱۴ ۔ ۲۰

[5] ۱ سلاطین باب ۱۷ آیت ۱۳ ۔ ۱۶ [6] ۲ سلاطین ۴ باب ۲ ۔ ۶

چوتھا معجزہ :- بغیر کشتی کے دریا پر چلنا۔

اس معجزہ سے بڑھ کر دوسرے انبیاء علیہم السلام نے اس نوعیت کے معجزات دکھائے

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر کو ایسی لٹھ ماری کہ وہ پھٹ گیا اور سیال پانی الگ الگ دونوں طرف کھڑا ہو گیا۔ ہزاروں بنی اسرائیل خشک سمندر سے پار ہو گئے اور فرعون کو داخل ہوتے ہی دیا لیا۔[1]

۲۔ یوشع نے یردن کو پایاب ہی نہیں کیا بلکہ سکھلا دیا۔[2]

۳۔ ایلیا اور الیسع نے بھی دریا کو دو ٹکڑے کر دیا۔[3]

## انجیلی محاورہ کے لحاظ سے حضرت عیسیٰؑ کے معجزات کی حقیقت

مُردہ کا زندہ ہونا کتاب مقدس کی رُو سے کوئی بات مافوق العادت معلوم نہیں ہوتی۔ یہ ایک عام محاورہ ہے جس سے مراد روحانی مُردوں کو زندہ کرنا اور گنہ گاروں کو نیک تعلیم کے ذریعہ نیک بنانا ہے۔ یسوع مسیح اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرماتے ہیں :

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص میرے کلام پر عمل کرے گا تو ابد تک کبھی موت کو نہ دیکھے گا۔"[4]

"خدا کو سارے دل، ساری جان، سارے زور سے، ساری سمجھ سے پیار کر اور پڑوسی کو جیسا اپنے ساتھ تو تو جیئے گا۔"[5]

پس مسیح نے جن مُردوں کو زندہ کیا ہے ان کو اپنی پاک تعلیم سے نیک بنایا ہے۔

بیماروں سے مراد روحانی بیمار مراد ہیں۔

"وے جو نہیں دیکھتے ہیں اور جو دیکھتے ہیں اندھے ہو جائیں۔"[6]

یہاں اندھا ہونا اور دیکھنا حقیقی معنوں میں نہیں بولا گیا بلکہ روحانی بصارت اور اندھاپن مراد ہے۔

مرقس ۱۲/۱۷ و پطرس ۲/۱۴ کی عبارتیں واضح کرتی ہیں کہ بیماروں سے مراد روحانی بیمار ہیں۔

---

[1] خروج ۱۴ باب ۲۱، ۲۲۔ [2] یوشع ۱۲ باب ۱۴۔ [3] ۲ سلاطین ۱۳: ۸-۸

[4] یوحنا ۶: ۴۷۔ [5] لوقا ۱۵ باب ۲۳۔

[6] یوحنا ۹ باب ۳۹۔

کھانا بڑھانا :۔ انجیلی محاورہ میں کھانے کے معنی بھی کچھ اور ہیں۔
یسوع نے کہا : میرا کھانا یہ ہے کہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی بجالاؤں [1]
مسیح کہتا ہے : زندگی کی روٹی میں ہوں۔ تمہارے باپ دادوں نے بیابان میں من کھایا اور مر گئے۔ روٹی جو آسمان سے اترتی ہے وہ یہ ہے کہ کوئی ایسی کھاوے تو نہ مرے [2]
میں ہوں وہ جیتی روٹی جو آسمان سے اتری۔ اگر کوئی شخص اس روٹی کو کھاتے تو ابد تک جیتا رہے اور روٹی جو میں دوں گا وہ میرا گوشت ہے جو میں جہان کی زندگی کے لئے دوں گا۔
پانی کا محاورہ :۔ مسیح ایک عورت کو فرماتے ہیں : اگر تو مجھ سے پانی مانگے تو میں جیتا پانی دیتا [3]
اگر کوئی پیاسا ہو مجھ پاس آوے اور پیئے۔ جو مجھ پر ایمان لاتا ہے اس کے بدن سے جیسے کتاب کہتی ہے جیتے پانی کی ندیاں جاری ہونگی [4]
نہر اور دریا کا محاورہ :۔ انہوں نے مجھ جیتے پانی کو چھوڑ دیا [5]
انہوں نے خدا کو جو آب حیات کا سوتا ہے ترک کیا [6]
پس معلوم ہوا کہ مُردوں کو زندہ کرنا، اندھوں کو بینائی بخشنا، کوڑھیوں کو پاک صاف کرنا وغیرہ سب مسیح علیہ السلام کا مجازی کلام ہے، جن سے مراد گنہ گاروں کی روحانی بیماریاں دُور کرنا اور روحانی زندگی عطا کرتا ہے۔ اس کام کے لئے انبیاء علیہم السلام دُنیا میں آتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے : يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ اے لوگو! جو ایمان لاتے ہو اللہ اور رسول کا حکم مانو جب وہ تم کو اس کے لئے بلاتا ہے جو تمہیں زندگی دیتا ہے۔
یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی پیروی روحانی زندگی کا باعث ہے۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام نے روحانی مُردہ زندہ کئے ہیں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہیں بڑھ کر مُردے زندہ کئے۔ (انفال ۸ : ۲۴)

---

[1] یوحنا ۴ باب ۳۴۔
[2] یوحنا ۶ باب ۴۸۔
[3] یوحنا ۴ باب ۱۱۔
[4] یوحنا ۷ باب ۳۷۔
[5] یرمیاہ ۲ باب ۱۳۔
[6] یرمیاہ ۱۷ باب ۱۳۔

بنیادی اصول :- کلام خواہ آسمانی ہو یا انسانی، اس میں کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو محکمات کہا جاتا ہے۔ ان کے معنی اور مطالب صاف اور واضح ہوتے ہیں۔ کچھ کلام متشابہ ہوتا ہے جو مجاز اور استعارہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ مجاز اور استعارہ سے کلام میں فصاحت اور بلاغت پیدا ہوتی ہے اور دلوں پر اثر ڈالتی ہے۔ مذہبی اعتقادات کی بنیاد محکمات پر ہوتی ہے اور متشابہ کلام کو محکمات کی روشنی میں حل کیا جاتا ہے۔

مسیح علیہ السلام کے کلام کا ایک حصہ مجاز اور استعارات پر محمول تھا۔ متی کی انجیل میں لکھا ہے : شاگردوں نے پاس آکر اس سے کہا: تو ان سے تمثیلوں میں کیوں باتیں کرتا ہے؟ یسوع نے جواب دیا : میں ان سے تمثیلوں میں اس لئے باتیں کرتا ہوں کہ وہ دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتے اور سنتے ہوئے نہیں سنتے اور نہیں سمجھتے۔" (۱۲ : ۱۰، ۱۳)

کتاب مقدس کی رو سے جسمانی مُردے دوبارہ زندہ نہیں ہوتے، ایوب نبی ارشاد فرماتے ہیں : جیسے بادل پھٹ کر غائب ہو جاتا ہے ایسے ہی وہ جو قبر میں اترتا ہے پھر کبھی اوپر نہیں آتا۔ وہ اپنے گھر کو پھر نہ لوٹے گا، نہ اسکی جگہ پھر اسے پہچانے گی۔"[1]

بائبل میں لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا بیٹا جو اس کی بیوی بت سبع سے پیدا ہوا بیمار ہو کر فوت ہو گیا " تب داؤد زمین پر سے اٹھا اور غسل کر کے اُس نے تیل ملا اور پوشاک بدلی اور خداوند کے گھر میں جا کر سجدہ کیا۔ پھر وہ اپنے گھر آیا اور اس کے حکم دینے پر انہوں نے اس کے آگے روٹی رکھی اور اس نے کھائی تب اسکے ملازموں نے اس سے کہا : یہ کیسا کام ہے جو تو نے کیا؟ جب وہ لڑکا جیتا تھا تو تو نے اسکے لئے روزہ رکھا اور روتا بھی رہا اور جب وہ مر گیا تو تو نے اٹھ کر روٹی کھائی۔ اس نے کہا کہ جب تک وہ لڑکا زندہ تھا میں نے روزہ رکھا اور میں روتا۔ کیونکہ میں نے سوچا کیا جانے خداوند کو مجھ پر رحم آجائے کہ وہ لڑکا جیتا رہے۔ پر اب تو وہ مر گیا، پس میں کس لئے روزہ رکھوں؟ کیا میں اسے لوٹا لا سکتا ہوں؟ میں تو اسکے پاس جاؤں گا، پر وہ میرے پاس نہیں لوٹے گا۔"[2]

حضرت داؤد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے وہ دوبارہ اس دنیا میں نہیں

---

[1] ایوب ۷ : ۹ -

[2] ۲ سموئیل ۱۲ : ۲۰ — ۲۳ -

آتا۔ جب محکم اصول یہ ٹھہرا کہ کوئی شخص مرکر دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتا تو اس اصول کی روشنی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزۂ مُردوں کو زندہ کرنے، کی یہ تعبیر کی جائے گی کہ وہ مُردے حقیقی مُردے نہ تھے بلکہ وہ گناہ گار انسان تھے، جن کی روح گناہوں کی آلودگیوں سے مُرجھی تھی۔ آپ نے اپنی قوتِ قدسیہ سے ان کو گناہوں سے پاک کیا اور روحانی زندگی بخشی۔

**مسیح علیہ السلام کا بن باپ پیدا ہونا:۔** عیسائی صاحبان مسیح علیہ السلام کی الوہیت پر ان کا بے باپ پیدا ہونے کی دلیل دیتے ہیں۔ یہ دلیل بھی نہایت کمزور ہے اور انکے مُدعا کو پورا نہیں کرتی۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حوا یہود اور عیسائیوں کے اعتقاد کے مطابق تھے بے ماں اور بے باپ پیدا ہوئے۔

ملک صدق سالم بھی بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے[1]

اگر مسیح علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہونے سے خدائے مجسم ٹھیرتے ہیں تو آدم اور حوا اور ملک صدق بھی خدائے مجسم ہوں گے۔ لیکن عیسائی ان کو خدائے مجسم نہیں مانتے

**تثلیث کیا ہے:۔** عیسائی مذہب میں خدا تین اقانیم (PERSONS) سے مرکب ہے باپ، بیٹا، اور روح القدس۔ اس عقیدے کو عقیدہ تثلیث کہا جاتا ہے۔ اس عقیدہ کی تشریح و توضیح میں عیسائی فضلا کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں باپ، بیٹے اور روح القدس کے مجموعہ کا نام خدا ہے[2]۔ عام عیسائیوں کا یہی عقیدہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ باپ بیٹا اور کنواری مریم وہ تین اقنوم ہیں جن کا مجموعہ خدا ہے[3]

عرب میں عیسائیوں کا ایک فرقہ "ایزدیتیس" اس کا قائل تھا۔

پھر ان اقانیم میں سے ہر ایک کی انفرادی حیثیت کیا ہے۔

اس بارہ میں بھی عیسائی فضلا کا شدید اختلاف ہے۔ بعض فضلا کہتے ہیں کہ ان تین میں سے ہر ایک بذات خود بھی ویسا ہی خدا ہے جیسا مجموعہ خدا ہے[4]

---

[1] عبرانیوں باب ۷ آیت ۳۔

[2] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ص ۴۹۷ ج ۲۲۔ مقالہ تثلیث (TRINITY)

[3] تزیید جاوید ص ۴۵۶ بحوالہ پادری سیل صاحب۔

[4] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ۱۹۵۰ صفحہ ۱۹۴ جلد ۲۲ مقالہ تثلیث

علماء کا دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ ان تینوں میں سے ہر ایک الگ الگ خدا تو ہیں مگر مجموعہ خدا سے کمتر ہیں۔ اور ان پر ہر لفظ خدا کا اطلاق ذرا وسیع معنی میں کیا گیا ہے [1]

تیسرا گروہ کہتا ہے کہ وہ یہ تین ہی نہیں خدا تو صرف ان کا مجموعہ ہے۔ یہ فرقہ مرقولیہ کا مذہب ہے۔ اس جگہ وہ تشریح درج کی جاتی ہے جو عیسائیوں میں مقبول ہے اور یہ تشریح انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

"تثلیث کے عیسائی نظریے کو ان الفاظ میں اچھی طرح تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ باپ خدا ہے۔ بیٹا خدا ہے اور روح القدس خدا ہے۔ لیکن یہ مل کر تین خدا نہیں ہیں بلکہ خدا ایک ہی خدا ہیں اس لئے کہ عیسائی نظریے کے مطابق ہم جس طرح ان تینوں میں سے ہر ایک اقنوم کو خدا اور آقا سمجھنے پر مجبور ہیں اسی طرح ہمیں کیتھولک مذہب نے اس بات کی بھی ممانعت کر دی ہے کہ ہم ان کو تین خدا یا تین آقا سمجھنے لگیں۔"

تیسری صدی عیسوی کے مشہور عیسائی عالم سینٹ آگسٹائن اپنی کتاب تثلیث ON THE TRINITY میں لکھتے ہیں۔ "عہد قدیم اور عہد جدید کے وہ تمام کیتھولک علماء جنہیں پڑھنے کا مجھے اتفاق ہوا ہے اور جنہوں نے مجھ سے پہلے تثلیث کے موضوع پر لکھا ہے وہ سب مقدس صحیفوں کی روشنی میں اس نظریے کی تعلیم دینا چاہتے ہیں کہ باپ بیٹا اور روح القدس مل کر ایک "خدائی وحدت" تیار کرتے ہیں۔ جو اپنی ماہیت اور حقیقت کے اعتبار سے ایک ناقابل تقسیم ہے۔ اسی وجہ سے وہ تین خدا نہیں ہیں بلکہ ایک خدا ہے۔ اگرچہ باپ نے بیٹے کو پیدا کیا۔ لہذا جو باپ ہے وہ بیٹا نہیں اسی طرح بیٹا باپ سے پیدا ہوا۔ اس لئے جو بیٹا ہے وہ باپ نہیں اور روح القدس بھی نہ باپ ہے نہ بیٹا بلکہ باپ اور بیٹے کی روح ہے جو دونوں کے ساتھ مساوی اور تثلیثی وحدت میں ان کی حصہ دار ہے۔

باپ: عیسائیوں کے نزدیک باپ سے مراد خدا کی تنہا ذات ہے یہ ذات بیٹے کے وجود کے لئے اصل ہے۔ مشہور عیسائی فلاسفر سینٹ تھامس باپ کی تشریح و تعبیر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "باپ کا مطلب یہ نہیں کہ اس نے کسی کو جنا ہے اور کوئی ایسا وقت گذرا ہے جس میں باپ تھا اور بیٹا نہیں تھا۔

بلکہ یہ ایک خدائی اصطلاح ہے جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ باپ بیٹے کے

---

[1] BASIC WRITINGS OF THOMAS AQUINAS P. 327 V. I

لئے اصل ہے۔ جس طرح ذات صفت کے لئے اصل ہوتی ہے۔ ورنہ جب سے باپ موجود ہے اسی وقت سے بیٹا بھی موجود ہے۔ اور ان میں سے کسی کو کسی پر کوئی زمانی اولیت حاصل نہیں ہے[1]

خدا کو باپ کیوں کہا جاتا ہے۔ الفریڈ ای گارڈلے نے لکھا ہے کہ:

"اس سے کئی حقائق کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے ایک تو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تمام مخلوقات اپنے وجود میں خدا کی محتاج ہیں۔ جس طرح بیٹا باپ کا محتاج ہوتا ہے دوسری طرف یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ خدا اپنے بندوں پر اس طرح شفیق اور مہربان ہے جس طرح باپ اپنے بیٹے پر مہربان ہوتا ہے۔

(انسائیکلوپیڈیا الف ایلیجن اینڈ ایتھکس ص ۵۸۵ ج ۲)

بیٹا:۔ بیٹے سے مراد عیسائیوں کے نزدیک خدا کی صفت کلام (WORD OF GOD) ہے۔ انسانوں کی صفت کلام اور خدا کی صفت کلام کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے سینٹ تھامس ایکوناس رقمطراز ہے کہ:

"انسانی فطرت میں صفت کلام کوئی جوہری وجود نہیں رکھتی، اسی وجہ سے اس کو انسان کا بیٹا یا مولود نہیں کہہ سکتے، لیکن خدا کی صفت کلام ایک جوہر ہے جو خدا کی بابت میں اپنا ایک وجود رکھتا ہے اسی لئے اس کو حقیقۃً نہ مجازاً بیٹا کہا جاتا ہے اور اس کی اصل کا نام باپ ہے"[2]

صفت کلام باپ کی طرح قدیم ہے۔ خدا کی یہی صفت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انسانی شکل میں حلول کر گئی تھی۔ جس کی وجہ سے یسوع بن مریم کو خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے۔

روح القدس:۔ روح القدس (HOLY SPIRIT) سے مراد باپ اور بیٹے کی صفت حیات اور صفت محبت ہے یعنی اس صفت کے ذریعہ خدا کی ذات (باپ) اپنی صفت علم (بیٹے) سے محبت کرتی ہے۔ اور بیٹا باپ سے محبت کرتا ہے۔ یہ صفت بھی جوہری وجود رکھتی ہے اور باپ بیٹے کی طرح قدیم ہے اسی وجہ سے اسے مستقل اقنوم کی حیثیت حاصل ہے[3]

---

[1] BASIC WRITINGS OF THOMAS AQUINAS PP. 324—26 V. I

[2] AQUINAS THE SMMA THEOLOGICA Q. 33 ART 206, 3 [3] AUGUSTINE: THE CITY OF GOD, BOOK XI CHAPTER XXIV

عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جب تک حضرت مسیح علیہ السلام کو بپتسمہ دیا جا رہا تھا تو یہی صفت ایک کبوتر کے جسم میں حلول کر کے حضرت مسیح علیہ السلام پر نازل ہوئی (متی ۳: ۱۶) خلاصہ کلام یہ نکلا کہ خدا تین اقانیم پر مشتمل ہے۔ خدا کی ذات جسے باپ کہتے ہیں خدا کی صفت کلام جسے بیٹا کہا جاتا ہے اور خدا کی صفت حیات و محبت جسے روح القدس کہا جاتا ہے ان تین میں سے ہر ایک خدا اور تینوں مل کر تین خدا نہیں بلکہ ایک ہی خدا ہے۔ یعنی تین ایک اور ایک تین ہیں۔

تردید از روئے بائبل:۔ جسطرح تمام صحائف سماوی توحید کی تعلیم دیتے چلے آئے ہیں اسی طرح بائبل بھی توحید کی تعلیم سے خالی نہیں۔ چنانچہ بائبل میں لکھا ہے:

"سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا ایک ہی خداوند ہے تو اپنے سارے دل اور اپنی ساری طاقت سے خداوند اپنے خدا سے محبت رکھ"۔[1]

"میرے حضور تیرے لئے دوسرا خداوند نہ ہوئے۔ تو اپنے لئے کوئی صورت یا کسی چیز کی صورت جو آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے ہے مت بنا۔ تو ان کے آگے اپنے تئیں مت جھکا اور نہ ان کی عبادت کر۔ کیونکہ میں خداوند تیرا غیور خدا ہوں"۔[2]

زبور میں ہے:

"خداوند اسرائیل کا بادشاہ اور اسی کا فدیہ دینے والا رب الافواج یوں فرماتا ہے: میں ہی اول اور میں ہی آخر ہوں۔ اور میرے سوا کوئی خدا نہیں"۔[3]

عہد نامہ جدید:۔ "پس جس کو تم بغیر معلوم کئے پوجتے ہو میں تم کو اسی کی خبر دیتا ہوں"۔[4]

"تم یہود سرداں سے عزت چاہتے ہو اور وہ عزت جو خدائے واحد سے ہوتی ہے کیونکر ایمان لا سکتے ہو"۔[5]

"اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں"۔[6]

---

[1] استثنا، ۶: ۴۔ [2] خروج ۲۰: ۳ - ۵۔
[3] اعمال ۱۷/۲۴۔ [4] یوحنا ۴/۲۲
[5] یوحنا ۱۷/۳۔

"اول یہ کہ اے اسرائیل اس پر خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے اور تو خداوند سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی طاقت سے محبت رکھ۔"[1]

"اور سوا ایک کے اور کوئی خدا نہیں اگرچہ آسمان و زمین میں بہت سے خدا کہلاتے ہیں۔ چنانچہ بہتیرے خدا اور بہتیرے خداوند ہیں لیکن ہمارے نزدیک تو ایک ہی خدا ہے یعنی باپ۔"[2]

اور سب کا خدا اور باپ ایک ہی ہے جو سب کے اوپر اور سب کے درمیان اور سب کے اندر ہے۔"[3]

"میں اپنے باپ اور تمہارے باپ اور اپنے خدا اور تمہارے خدا کے پاس اوپر جاتا ہوں۔"[4]

تردید از روئے عقل :۔ عیسائی عقیدہ کی رو سے خدا باپ، خدا بیٹا اور خدا روح القدس تینوں ایک اور ایک تین ہیں۔ یہ ایک علمی اور عقلی دھوکہ ہے۔

علم ریاضی میں ایک عدد نہ تو ایک سے زیادہ اور نہ ایک سے کم کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ علم ریاضی میں ایک کبھی بھی ۱+۱+۱ کے برابر نہیں ہو سکتا اور نہ ایک ۱/۳ کے برابر ہو سکتا ہے۔ نہ تین ایک کے اور نہ تہائی کبھی ایک کے برابر ہو سکتی ہے۔ ایک کے سوا تمام اعداد ایک کی جمع کا نام ہیں۔ جس عدد کا نام تین ہے وہ درحقیقت تین دفعہ ایک کے مجموعہ کا نام ہے۔ ایک اور تین میں جمع اور تفریق کی نسبت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات جمع اور تفریق سے پاک اور مبرا ہے، لہٰذا علم ریاضی کی رو سے ایک تین نہیں ہو سکتے اور نہ تین ایک۔

عیسائیوں کے عقیدہ کی رو سے تینوں خدا صفات میں برابر اور مساوی ہیں۔ اگر تینوں کی صفات پر غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے صفات اور افعال میں برابر نہیں۔ باپ پیدا کرتا ہے، بیٹا پیدا ہوتا ہے اور روح القدس دونوں سے پیدا ہوتا ہے۔ اقنوم اول یعنی باپ خالق اور فنا کرنے والا، اقنوم دوم یعنی بیٹا نجات دہندہ اور اقنوم ثالث یعنی روح القدس زندگی دینے والا سمجھا جاتا ہے۔

باپ اپنے وجود میں بیٹے کا محتاج نہیں، لیکن بیٹا باپ کا محتاج تھا۔ بیٹے میں انسانیت بھی داخل ہے۔ باپ علت ہے اور بیٹا معلول۔ علت اور چیز ہے اور معلول

---

[1] مرقس ۱۲ : ۲۹ - ۳۰ [2] کرنتھیوں ۸ : ۲۹ - ۳۰۔
[3] افسیوں ۴/۶ [4] یوحنا ۲۰/۱۷ -

اور چیز ہے۔

پس ہر اقنوم کی صفات دوسرے اقنوم سے مختلف ہیں۔ لہذا تینوں اقنوم صفات مختلفہ کے لحاظ سے ایک نہ ہوئے۔ اور تثلیث پر ستوں کا یہ عقیدہ خود بخود باطل ہو جاتا ہے کہ تینوں اقنوم صفات میں برابر اور مساوی ہیں۔ جب تینوں اقنوم اپنی صفات کے لحاظ سے مختلف ہوئے تو تینوں مل کر ایک نہیں ہو سکتے اور تثلیث کا عقیدہ خود بخود باطل ہو جاتا ہے۔

## کفارہ

کفارہ موجودہ عیسائیت کی عمارت کا بنیادی پتھر ہے۔ اسکے کے لفظی معنی ڈھانکنے اور چھپانے کے ہیں۔ اصطلاح میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ یسوع مسیح نے صلیب پر جان دے کر تمام بنی آدم کے گناہوں کو چھپا لیا ہے اور ان کے لئے نجات کا موجب بن گئے ہیں۔

عیسائیوں کے نزدیک ہر انسان پیدائشی گناہ گار ہے۔ آدم اور حوا نے جو گناہ کیا وہ وراثتاً ہر شخص کی فطرت میں چلا آرہا ہے، جس کی وجہ سے ہر شخص گناہ گار ہے۔ عیسائیوں کے نزدیک نیک اعمال نجات کا موجب نہیں ہو سکتے۔ اگر اللہ تعالیٰ بندے کے گناہ پر اور استغفار سے معاف کر دے تو اسکا یہ رحم اسکے عدل کے خلاف ہے۔ خدا رحیم ہے اس کا رحم چاہتا ہے کہ انسان سزا سے بچ جائے۔ پھر وہ عادل بھی ہے۔ عدل کا یہ تقاضا ہے کہ سزا ضرور دی جائے۔ اب رحم اور عدل ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ بندے کی نجات کا ہونا ضروری ہے۔ بندوں کو نجات دلانے کیلئے ایک صورت یہ نکالی کہ خدا کا بیٹا یسوع مسیح جو تمام گناہوں سے پاک اور معصوم ہے لوگوں کے تمام گناہوں کو اپنے اوپر لے کر جان کی قربانی دے اور سارے لوگوں کے لئے نجات کا ذریعہ بنے۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں عقیدہ کفارہ کی تشریح ان الفاظ کے ساتھ کی گئی ہے "عیسائی علم عقائد میں کفارہ سے مراد یسوع کی وہ قربانی ہے جس کے ذریعہ گناہ گار انسان یک لخت خدا کی رحمت کے قریب ہو جاتا ہے۔ اس عقیدہ کی پر دو مفروضے کارفرما ہیں ایک تو یہ کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے انسان خدا کی رحمت دور ہو گیا تھا دوسرے یہ کہ خدا صفت کلام (بیٹا) اس لئے انسانی جسم میں آئی تھی وہ انسان کو دوبارہ خدا کی رحمت سے قریب کر دے"۔[1]

کفارہ :۔ کیا یسوع مسیح کے سوا کوئی بے گناہ تھا؟

---

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ص ۱۵۹ مقالہ کفارہ ATONE·MENT

ATONEMENT

عیسائیوں کا یہ عقیدہ کہ مسیح علیہ السلام کے علاوہ تمام انسان گناہ گار ہیں، بائبل کی رو سے غلط ہے۔ بائبل میں بے شمار ایسے آدمیوں کا ذکر موجود ہے جو راست باز، مقدس اور نیک تھے۔

اول:۔ یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) بائبل کہتی ہے۔ یوحنا بپتسمہ دینے والا پارسا اور بے گناہ تھا۔

الف:۔ "وہ خداوند کے حضور میں بزرگ ہوگا اور ہرگز نہ مے نہ کوئی اور شراب پیئے گا اور اپنی ماں کے پیٹ ہی سے روح القدس سے بھر جائے گا۔" (لوقا ۱/۱۵)

ب۔ "خداوند کا ہاتھ اس پر تھا۔" (لوقا ۱/۶۶)

ج۔ "اور وہ لڑکا بڑھتا اور روح میں قوت پاتا گیا اور اسرائیل پر ظاہر ہونے کے دن جنگلوں میں رہا۔" (لوقا ۱/۸۰)

د۔ "ہیرودیس یوحنا کو راست باز اور مقدس آدمی جان کر اس سے ڈرتا اور اسے بچائے رکھتا تھا۔" (مرقس ۶/۲۰)

ذ۔ "یوحنا آیا اور بیابان میں بپتسمہ دیتا اور گناہوں کی معافی کے لئے توبہ کے بپتسمہ کی منادی کرتا تھا۔" (مرقس ۱/۴)

ان آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت یوحنا برگزیدہ اور معصوم انسان تھے۔

دوم۔ ہابیل حضرت آدم علیہ السلام کا فرزند تھا۔ انجیل کی رو سے وہ بھی راست باز اور صدیق تھا۔ اور اس سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا۔ اناجیل میں آتا ہے:

الف۔ "تاکہ سب راست بازوں کا خون جو زمین پر بہایا گیا تم پر آئے۔ راست باز ہابیل کے خون سے لے کر برکیاہ کے بیٹے زکریاہ کے خون تک جسے تم نے مقدس اور قربان گاہ کے درمیان قتل کیا۔" (متی ۲۳/۳۵)

ب۔ "ایمان ہی سے ہابیل نے قائن سے افضل قربانی خدا کے لئے گزرانی اور اسی کے سبب اس کے راست باز ہونے کی گواہی دی گئی۔ کیونکہ خدا نے اسکی نذروں کی بابت گواہی دی۔" عبرانیوں ۱۱/۴)

ج۔ "اور قائن کی مانند نہ بنیں جو اس شریر سے تھا اور جس نے اپنے بھائی کو قتل کیا۔ اور اس نے کس واسطے اسے قتل کیا؟ اس واسطے کہ اسکے کام بُرے تھے اور اس کے بھائی کے کام راستی کے تھے۔" یوحنا ۳/۱۲)

سوم دانیال علیہ السلام کے متعلق بائبل میں آتا ہے:

الف۔ "بنوکد نضر بادشاہ نے دانیال کے متعلق کہا: اس میں مقدس الٰہوں کی روح ہے۔" (دانیال ۴/۸)

ب۔ "تب دانی ایل نے بادشاہ سے کہا: اے بادشاہ تا ابد زندہ رہ۔ میرے خدا

نے اپنے فرشتے کو بھیجا ہے اور شیر ببروں کے منہ کو بند رکھا ہے یہاں تک کہ انہوں نے مجھے ضرر نہ پہنچایا۔ اس لئے کہ اس کے آگے مجھ میں بے گناہی پائی گئی اور تیرے آگے اے بادشاہ میں نے خطا نہیں کی۔" دانیال ۶/۲۱-۲۲)

چہارم یوسیع۔ اس کے متعلق بائبل میں لکھا ہے۔ "اس نے وہ کام کئے جو خداوند کی نگاہ میں بھلے تھے اور اپنے باپ داؤد کی ساری راہوں پر جاتا اور داہنے یا بائیں مطلق نہ مڑا۔ (۲ سلاطین ۲۲/۲)

پنجم و ششم۔ زکریاہ اور ان کی بیوی کے متعلق انجیل میں لکھا ہے:

"اور وہ دونوں خدا کے حضور راست باز اور خداوند کے سارے حکموں اور قانونوں پر بے عیب چلنے والے تھے۔"

ہفتم حزقیاہ بادشاہ۔ اس کے متعلق بائبل میں لکھا ہے:

"اور اس نے خداوند اسرائیل کے خدا پر توکل کیا۔ ایسا کہ بعد اس کے یہوداہ کے سب بادشاہوں میں ویسا ایک نہ ہوا اور نہ اس سے آگے کوئی ہوا تھا۔ وہ خداوند سے لپٹا رہا اور اس کی پیروی کرنے سے باز نہ آیا، بلکہ اس نے اس کے حکموں کو جو خداوند نے موسیٰ کو دیئے تھے حفظ کیا اور خداوند اس کے ساتھ تھا۔ وہ جدھر گیا کامیاب رہا۔" (۲ سلاطین ۱۸/۵-۷)

ہشتم شمعون بن منوحہ۔ اس کی پیدائش سے پہلے فرشتہ نے ان الفاظ میں بشارت دی:

"سو اب خبردار رہیو اور مے یا تشنے کی کوئی چیز نہ پیجیو۔ اور ہر ایک ناپاک چیز کے کھانے سے پرہیز کیجیو۔ کیونکہ دیکھ تو حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی۔ اس کے سر پہ کبھی استرا نہ پھرے گا۔ اس واسطے کہ وہ لڑکا رحم ہی سے خدا کا نذیر ہوگا۔۔۔۔ وہ لڑکا پیٹ ہی سے اس کے مرنے کے دن تک خدا کا نذیر ہوگا۔"

(قاضیوں ۱۳/۴-۵)

نہم صموئیل النبی۔

"میں نے کس سے دغابازی کی؟ اور کس پہ میں نے ظلم کیا؟ اور کس کے ہاتھ سے میں نے رشوت لی تاکہ میں اس سے چشم پوشی کروں؟ اب میں اسے پھیر دینے کو حاضر ہوں۔ وہ بولے تو نے ہم سے دغابازی نہیں کی اور نہ ہم پر ظلم کیا اور نہ تو نے کسی کے ہاتھ سے کچھ لیا۔ تب اس نے انہیں کہا کہ خداوند تم پہ

گواہ اور اس کا مسیح آج کے دن گواہ ہے کہ تم نے میرے ہاتھ میں کچھ نہیں پایا۔ وہ بولے وہ گواہ ہے" (سموئیل ۱۲/۵)

دہم۔ شمعون کے متعلق انجیل میں لکھا ہے:

"دیکھو یروشلم میں شمعون نام ایک آدمی تھا۔ اور وہ آدمی راست باز اور خدا ترس اور اسرائیل کی تسلی کا منتظر تھا اور روح القدس اس پر تھا" (لوقا ۲/۲۵)

یازدہم۔ یوسف شوہر مریم کے متعلق لکھا ہے:

اس کے شوہر یوسف نے جو راست باز تھا اور اسے بدنام کرنا نہیں چاہتا تھا پوشیدہ سے اس کے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا" (متی ۱/۱۹)

بائبل کے بیانات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عیسائیوں کا یہ عقیدہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے علاوہ اور کوئی نیک نہیں، اور ہر شخص فطری طور پر گناہ گار ہے غلط ہے اس طرح کفارہ کی عمارت کا ایک ستون گر جاتا ہے۔

**کفارہ کی عمارت کا دوسرا ستون:** ۔ کفارہ کی عمارت کا دوسرا ستون یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام نے گناہ گار انسانوں کے گناہوں کا بوجھ اپنے کندھوں پر لے کر صلیب پر موت دے دی تاکہ صلیب پر ایمان لانے والے نجات پا جائیں۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ آیا بائبل کی رو سے ایک کے گناہوں کا بوجھ دوسرا اٹھا سکتا ہے بائبل اس تعلیم کے سراسر منافی ہے۔ بائبل میں صاف لکھا ہے: "اولاد کے بدلے باپ دادے مارے نہ جائیں، نہ باپ دادوں کے بدلے اولاد قتل کی جائے۔ ہر ایک اپنے ہی گناہ کے سبب مارا جائے گا" (استثناء ۲۴/۱۶)

"موسیٰ کی شریعت کی کتاب میں لکھا ہے کہ اس میں خداوند نے فرمایا ہے کہ بیٹوں کے بدلے باپ دادے قتل نہ ہوں گے اور نہ باپ دادوں کے بدلے بیٹے قتل ہونگے بلکہ ہر ایک آدمی اپنے گناہ کے لئے مارا جاوے" (۲ تواریخ ۲۵/۴)

"ان دنوں میں یہ پھر کہا جائے گا کہ باپ دادوں نے کچے انگور کھائے اور لڑکوں کے دانت کھٹے ہو گئے۔ کیونکہ ہر ایک اپنی بدکاری کے سبب مرے گا۔ ہر ایک جو کچے انگور کھاتا ہے اس کے دانت کھٹے ہونگے" (یرمیاہ ۳۱/۲۹)

"دیکھ ساری جانیں میری ہیں۔ دیکھ جسطرح باپ کی جان اس ہی طرح بیٹے کی جان دونوں میری ہیں۔ وہ جان جو گناہ کرتی ہے سو ہی مرے گی" (حزقیل ۱۸/۴)

"وہ جان جو گناہ کرتی ہے سو ہی مرے گی۔ بیٹا باپ کی بدکاری کا بوجھ نہیں اٹھائے

اور نہ باپ بیٹے کی بدکاری کا بوجھ اٹھائے گا۔ صادق کی صداقت اسی پر ہوگی اور شریر کی شرارت اسی پر پڑے گی۔ لیکن شریر اپنی ساری خطاؤں سے جو اس نے کی ہیں باز آئے اور میرے سارے حکموں کو حفظ کرے تو وہ یقیناً جئے گا وہ نہ مرے گا۔ اس کے سارے گناہ جو اس نے کئے ہیں اس کے لئے محسوب نہ ہوں گے"۔ (حزقیل ۱۸: ۲۰-۲۲)

ان حوالجات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کوئی بھی دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ہر آدمی اپنے ہی گناہوں کا ذمہ دار ہے۔ ان بیانات سے کفارہ کی عمارت کا دوسرا ستون بھی بیوند خاک ہو جاتا ہے۔

**کفارہ کی عمارت کا تیسرا ستون:۔** صلیب پرستوں کا یہ عقیدہ ہے کہ آدم نے جو گناہ کیا تھا اس کا اثر وراثتاً اور نسلاً ہر انسان میں چلا آرہا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ یہ اثر نطفہ کے ذریعہ نسل انسانی میں منتقل ہو رہا ہے اور مسیح اسی لئے بن باپ پیدا کئے گئے تھے تاکہ اس کو گناہ کے اثر سے محفوظ رکھا جائے۔

بائبل کی رو سے شجر ممنوعہ کے کھانے میں حضرت آدم علیہ السلام اور حوا دونوں شریک تھے۔ بلکہ حوا کا گناہ زیادہ ہے کیونکہ اس نے پہلے خود کھایا اور پھر آدم کو کھانے کی ترغیب دی۔ چنانچہ لکھا ہے: "اور عورت نے جو دیکھا کہ وہ درخت کھانے میں اچھا اور دیکھنے میں خوش نما اور عقل بخشنے میں خوب ہے تو اس کے پھل میں سے لیا اور کھایا اور اپنے خصم کو بھی دیا اور اس نے کھایا"۔ (پیدائش ۳: ۶)

پولوس کہتا ہے: "اور آدم نے فریب نہیں کھایا بلکہ عورت فریب کھا کر گناہ میں پڑ گئی"۔ (۱۔ تمطاؤس ۲: ۱۴)

جب بائبل کی رُو سے گناہ کے ارتکاب کا اول منبع عورت کی ذات ہے تو حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش عورت کے پیٹ سے ہوئی جو گناہ کا اصل منبع تھا۔ اگر عیسائیت کے انوکھے فلسفہ کی رو سے بنی نوع انسان نطفہ کے اثر کی وجہ سے گناہ گار بن سکتی ہے تو عورت کے پیٹ سے جنم لینے سے حضرت مسیح علیہ السلام گناہ کے اثرات سے کیوں کر بری ہو سکتے ہیں؟

**کفارہ کی عمارت کا چوتھا ستون:۔** عیسائیوں کا یہ استدلال ہے کہ انسان نے گناہ کیا۔ خدا کا عدل گناہ کی سزا کا متقاضی ہے اور خدا کا رحم نجات کا متقاضی ہے۔ ہر دو تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے اکلوتے بیٹے یسوع کو دنیا میں بھیج کر خدا کے رحم سے مستفید کیا۔ اور خود اپنی جان صلیب پر دے کر عدل کے تقاضے

کو پورا کیا اور بنی آدم کے لئے بخشش کا موجب ٹھہرا۔

عیسائیوں کا یہ استدلال کہ اللہ تعالیٰ کا رحم بلا بدل نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ کی صفات کی ناسمجھی کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت رحمان ہے، جس کا ظہور انسانوں کے اعمال اور محنت کے نتیجہ میں نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ہم روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ انسان کی پیدائش سے قبل ہی اسکی زندگی کے سامان دُنیا میں موجود تھے۔ کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ یہ سامان اسکے کسی عمل کے نتیجہ میں پیدا ہوئے ہیں۔ جب خدا کی ذات پیدائش سے قبل رحم بلا بدل کر سکتی ہے تو وہ موت کے بعد انسانوں پر رحم بلا بدل کیوں نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ کا رحم جو رحمانیت نے ظاہر کیا عدل کی زنجیروں میں جکڑا ہوا نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اپنی صفت رحمانیت کے تحت عدل کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے بھی بلا بدل بنی آدم کو بخش سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کفارہ کے چوتھے ستون کو خاک میں ملا دیتی ہے۔

**عقیدہ حیات ثانیہ:۔** حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق عیسائیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ مسیح کتاب مقدس کے بموجب ہمارے گناہوں کے لئے مرا اور دفن ہوا اور تیسرے دن کتاب مقدس کے بموجب جی اٹھا۔ (کرنتھیوں باب ۱۵ آیات ۳-۴)

تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ عیسیٰ سے پہلے مختلف ممالک میں دیوتاؤں کے مرکر زندہ ہونے کا عقیدہ پایا جاتا تھا۔ خصوصاً مصر میں جہاں اوسیریز کا مرکر زندہ ہونے کا تخیل پایا جاتا تھا، مصر سے ہی عقیدہ عیسائیت میں داخل ہوا۔

۱۹۰۳ء، ۱۹۰۴ء کے شہر کالا شیرکٹ کے کھنڈرات سے کچھ سیس برآمد ہوئی ہیں اور یہ سیس کتب خانہ رسور میں سے ہیں جو مسیح سے نو سو برس پہلے قائم ہوا تھا۔ ان کتبات سے امر واضح ہوتا ہے کہ بابل میں بعل دیوتا کے متعلق بھی حیات ثانیہ کا عقیدہ پایا جاتا ہے۔

ان کتبات کی عبارات میں سے ایک عبارت درج ذیل کی جاتی ہے اور اس کے بالمقابل انجیل کی داستان صلیب کی ایک مشق درج کی جاتی ہے اس سے واضح ہو جائے کہ انجیل حیات ثانیہ کا عقیدہ پیش کرتی ہے وہ کتنا بعل کی حیات ثانیہ کے مشابہ ہے

| بعل کے متعلق | حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق |
| --- | --- |
| بعل کو جس جگہ رکھا گیا تھا وہاں اس کی تلاش کرتے ہیں۔ خاص کر ایک عورت روتی ہوئی قبرستان کے دروازے پر اسکی تلاش کرتی ہے اور روتے ہوئے کہتی ہے کہ میرے بھائی! میرے بھائی! بعل پھر زندہ ہو گیا ہے اور پہاڑ سے نکلا | مریم مگدلینی، قبر پر مسیح کی تلاش میں آتی ہے قبر کو خالی دیکھ کر روتے ہوئے کہ میرے خداوند کو لے گئے۔ مسیح زندہ ہو کر قبر سے نکلتا ہے[1] |

[1] تاریخ الخلفاء ... مصنفہ خواجہ جلال الدین مسلم ۔ سو سائٹی حزب منزل برانڈ تھرسدلاہور ص ۹

**عیسائیت پر دیگر مذاہب کا اثر:۔** یورپین مورخ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ مسیحیت کی انجیل یعنی عہد جدید میں یونانی فلسفہ کا عنصر غالب ہے۔ مشہور مورخ ٹائنبی نے اپنی مشہور کتاب مطالعہ تاریخ جلد ۸ میں کئی جگہ اس بات کا تکرار ہے۔

مسٹر ٹی لکھتے ہیں "مسیحیت میں یونانی خیالات کی آمیزش کر کے انجیلوں کے لکھنے والوں نے مسیحیت کو تمام دنیا میں پھیلنے کے قابل بنا دیا۔ مسیحیت کو کبھی یونانی، رومی تسلیم نہ کرتے، اگر اس میں یونانی عقائد شامل نہ کر لئے جاتے"[1]

ڈریپر رقمطراز ہے "ان دونوں (عیسائی اور بت پرست رومی) کی کشمکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں کے اصول شیر و شکر ہو گئے اور نیا مذہب پیدا ہو گیا۔ جس میں بت پرستی اور عیسائیت دونوں کی شانیں پہلو بہ پہلو جلوہ گر تھیں ..... جوں جوں زمانہ گزرتا گیا۔ وہ مذہبی عقائد جن کی تفصیل ٹرٹلین نے بیان کی ہے بدل کر ایک عام پسند مگر پایۂ اخلاق سے گرے ہوئے مذہب کی شکل اختیار کرتے گئے۔ ان عقائد میں قدیم یونانیوں کی افسانہ پرستی کا عنصر مخلوط ہو گیا۔ عقیدہ تثلیث قدیم مصری روایات کے سانچے میں ڈھالا گیا اور مریم عذرا کو خدا کی ماں کا لقب دیا گیا"[2]

جب عیسائی مذہب فلسطین سے نکل کر پڑوسی ممالک میں پھیلا تو اس وقت بحیرہ روم کے آس پاس کے ممالک میں آفتاب پرستی کا رواج تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آفتاب پرستی کے بیشتر عناصر عیسائی مذہب میں داخل ہو گئے۔

**الوہیت کا تصور:۔** ظہور مسیح کے وقت ایران، بابل، فینیا، کارتھیج، سیریا، یونان روما۔ مصر و گیر یورپین ممالک خصوصاً آئرلینڈ اور سمندروں پار میکسکو سب جگہ آفتاب پرستی تھی۔ مختصراً (ایران) بعل (بابل) اطیس (سیریا) اسٹارٹی (کارتھیج۔ سیریا) ایڈونس (سیریا) بکیس (یونان و روما) ہرکیولیس (یونان و روم) ہورس (مصر) اور سیرس (مصر) کیبٹرل کوٹلی (میکسکو) اپالو (روما) خدا تصور کئے جاتے تھے اور انکی پرستش ہوتی تھی۔

عیسوی مذہب کے آغاز سے پہلے ان ممالک میں سورج دیوتا کے متعلق اس قسم کی کہانیاں رائج تھیں کہ وہ دوشیزاؤں کے بطن سے پیدا ہوتے ہیں۔ دشمن انہیں قتل کر دیتے

---

[1] صفحہ ۳۷۰-۴۱۳ (۲) ۴۱۴-۴۱۷ (۳) ۴۶۵-۴۷۶ (۴) ۴۸۶-۴۹۶ (۵) ۵-۱ ۵۰۸۶۔

[2] ہسٹری آف سیریا باب ۲۵ صفحہ ۴۳۲۔

[3] معرکہ مذہب و سائنس ڈریپر صفحہ ۶۲، ۶۵، ۶۶،

ہیں اور مر کر زندہ ہو جاتے ہیں۔

**انبیت عیلی کا تصور:۔** انبیت عیلی کا تصور بھی یہ ہی تخیل ہے کہ ہندوستان، یونان اور مصر تمام اصنام پرست اقوام کا یہ عقیدہ تھا کہ بہت سے جانوروں اور انسانوں میں خدا حلول کئے ہوتے ہے اور اس لئے وہ بہت سے جانوروں اور انسانوں کو خداؤں کا اوتار سمجھتے ہیں۔ یونان کے مذہب ارفیزم (ORPHISM) کا یہی نظریہ تھا اس سے حکیم فیثا غورث نے یہ تخیل لیا اور پھر ہندوستان میں یہ عقیدہ رائج ہو گیا، یہ چھٹی صدی قبل مسیح کی بات ہے۔ افلاطون کا یہ ہی نظریہ تھا۔ انجیلوں کے مرتب کرنے والوں نے یہ ہی عقیدہ اختیار کر کے انجیلوں میں لکھ دیا۔ (ROYSTON PIKE : ENCYCLOPEDIA OF RELIGION AND RELIGIONS, ART. INCARNATION. TOYNBEE'S HISTORY VOL. PP. 261—66)

نظریہ ارفیزم (ORPHISM) چھٹی صدی قبل یونان میں رائج تھا اس کا بانی ارفس تھا۔ جو خدا کا بیٹا تصور کیا جاتا تھا۔ اور بربط پر خوب گاتا تھا۔ جب اس کی بیوی جس سے اس کو والہانہ محبت اور عشق تھا انتقال کر گئی۔ تو یہ اسکی تلاش میں زمین کے نیچے وہاں چلا گیا جہاں مردوں کی ارواح رہتی ہیں۔ اس نے اپنی بربط سے ارواح کے نگران خدا کو اتنا خوش کر لیا کہ اس نے اسکی بیوی کو اس کے ساتھ آنے کی اجازت اس شرط پر دے دی کہ جب تک دنیا میں نہ پہنچیں۔ ارفس مڑ کر اپنی بیوی کی طرف نہ دیکھے۔ سارا سفر ختم ہو چکا تھا۔ اوپر کی دنیا پر قدم رکھنے کو ہی تھا، کہ محبت نے جوش مارا۔ اس نے بیوی کو مڑ کر دیکھ لیا۔ دیکھنا تھا کہ وہ ہوا میں غائب ہو گئی۔ ارفس دنیا میں آیا اور رہبانی زندگی گذارنی شروع کر دی عورتوں سے تعلق منقطع کر لیا۔ لیکن عیش پسند مردوں اور عورتوں نے مل کر اس کو قتل کر دیا۔

کچھ عرصہ بعد یہ قصہ یونان کے ایک خدا ڈومائنس (DOMITIAN) کی طرف منسوب ہونے لگا۔ ڈومائنس بڑے خدا زیوس (ZEUS) کا بیٹا تھا ڈومائنس کے معنی ہیں خدا کا بیٹا۔ ان کے اس خدا کو ٹائیٹن TITANS نے مار کر کھا لیا۔ ٹائیٹن، ایک دیو ہیکل مخلوق تھی، جو دنیا پر آدمیوں سے پہلے بستی تھی۔ ڈائنہ کا دل بچ رہا تھا۔ جو اس کے باپ زیوس کے پاس بھیج دیا گیا اُس نے غصہ میں آکر ڈائنس کو اپنی بجلی سے جلا دیا اور ڈائنس کو دوبارہ زندہ کیا۔ ٹائیٹن کی راکھ سے انسان پیدا ہوئے۔ ان میں زیوس کے تعلق سے نصف ماہیت تو خدا کی ہے اور نصف ماہیت اپنی انسانوں کی۔

قدیمی راہبوں نے یونان میں عیسائیت کو مقبول بنانے کے لئے اس فرضی حصہ

کو اپنے مذہب میں عقیدہ کے طور پر داخل کر لیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنا لیا۔

کفارہ:۔ نسل انسانی کو مصیبت اور گناہ کی سزا سے بچانے کے لئے خدا یا خدا کے بیٹے کا انسانی شکل اختیار کرنا اور اپنی قربانی سے نسل انسانی کو مصیبت یا گناہ سے نجات دینا ایک عام عقیدہ مسیح سے قبل بے شمار اقوام میں رائج تھا۔ خصوصاً ان مذاہب میں جسے آج عیسائی پیگنزم PAGANISM کہتے ہیں۔

اطیس درخت سے بندھا ہوا اور اس کے جسم میں میخیں چبھی نظر آتی ہیں درخت کے نیچے ایک بچھڑا دکھایا جاتا ہے۔[1]

ایڈونس کی موت کے مختلف طریقے بیان کئے گئے ہیں لیکن ایک مجسمہ میں وہ بطور مصلوب میتی یا شفیع کے ظاہر کیا گیا ہے۔ اس میں ایک مجسمہ کو کفن میں لٹا کر روتے پیٹتے تھے۔ اور وہی باتیں کرتے تھے جو آج رومن کھولک گڈ فرائڈے کے دن کرتے ہیں۔

پرومیتھیس نسل انسانی کے لئے کوہ اوقاف کے دامن میں پہاڑ سے باندھا جاتا ہے قہار اور منتقم اور غضب ناک خدا کے کارندے اس کے ہاتھ پاؤں میں کیلیں ٹھونکتے ہیں وہاں وہ صلیب کی طرح ہاتھ پھیلائے نظر آتا ہے اور کہتا ہے "اس کی مرضی کے خلاف مجھے کوئی نہیں بچا سکتا" (اسکائیلس)

بکس ابن جیوپیٹر (خدا) بھی انسانوں کو مصائب اور گناہوں سے نجات دلانے کے لئے مصلوب ہوا۔

سرا پنیر مصر کے این اللہ کے مندر کے کھنڈرات میں ایک صلیب پائی گئی ہے۔ اسیرس قتل ہوا اور اس کے اعضا الگ کئے گئے

الغرض دیوتاؤں کا نسل انسانی کو مصائب اور گناہوں سے نجات دلانے کے لئے مصلوب ہونا حضرت مسیح علیہ السلام کے وقت اور اس کے بعد دو تین صدیوں تک ایسا عقیدہ تھا۔ کہ راسب مینوسیس فلپ اپنی کتاب اوکٹوینس میں پیگن لوگوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ "ہم لوگ تو صلیب کے پرستار نہیں یہ تو تم اس کی پرستش کرتے ہو تمہارے علموں اور جھنڈوں اور ہر ایک بات پر صلیب کا نشان ہے"۔

ٹرٹن نے بھی اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ وہ پلوجیا میں پیگن کو مخاطب کر کے کہتا ہے "تمہارے سب علموں پر صلیبیں یا مصلوبوں کی شکلیں ہیں"، کسٹرل کو تل تصویریں بھی مصلوب ہی نظر آتی ہیں اور وہ موت نسل انسانی کے گناہ کے کفارہ میں تسلیم

کی جاتی ہے[1] جو روایات ان دیوتاؤں کے متعلق بیان کی جاتی ہیں وہی حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں۔ بیکیس دیوتا سے متعلق چند باتیں لکھی جاتی ہیں قاری پڑھ کر دیکھ لیں کہ مسیح کی ہیں یا بے کس کی" زمین کل گناہ سے اور ناراستی سے بھری ہوئی تھی۔ اور ہلاکت کے منہ آئی ہوئی تھی۔ جو پیٹر (خدا) نے ارادہ کیا کہ وہ دنیا اور انسان کو مصیبت سے بچائے اور اپنا اکلوتا بیٹا بھیج کر دنیا کو ہلاکت سے نجات دلے۔ وہی دنیا کا معبود ہوا اور دنیا نے اس کی تقدیس گائے۔ چنانچہ جو پیٹر (خدا) نے ایک کنواری پر سایہ ڈالا وہ حاملہ ہوگئی اور اس نے دنیا کے نجات دہندہ کو جنا وہ دنیا میں آیا اس نے انسانوں کے دکھ دور کرنے کے لئے اپنے آپ کو دکھ اور درد میں ڈالا مر گیا۔ اس کے جسم کے ٹکڑے کئے گئے اس کے پرستار اس کو ان ناموں سے یاد کرتے ہیں اکلوتا بیٹا، المقتول، گناہ اٹھانے والا منجی (اوریجن آف ریلیجن بیلیفس مصنفہ ڈوپوپیس صفحہ ۱۳۵۔

تثلیث:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام موحد تھے۔ اور انہوں نے توحید کا پرچار کیا اور انبیاء علیہم السلام توحید کے مرجھائے ہوئے پودے کی آبیاری کے لئے ہی آتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی لوگوں کو توحید کا بھولا ہوا سبق دیا۔ چنانچہ وہ ایک جگہ خدا کو "واحد اور برحق کہتے ہیں۔ (یوحنا ۱۷/۳) اور دوسری جگہ فرماتے ہیں "تو کیوں مجھے نیک کہتا ہے کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا" (لوقا ۱۹/۱۸)

جب عیسائی لوگ دوسری اقوام سے ملے تو انہوں نے بجائے توحید کے تثلیث کا عقیدہ اختیار کر لیا۔ تثلیث کا عقیدہ کئی اقوام میں رائج تھا۔ قدیم مصریوں میں ہر مندر میں تین بت ہوا کرتے تھے۔ ۱۔ دیوتا۔ ۲۔ دیوی۔ ۳۔ اور ان کا بچہ، لیکن یہ تینوں تثلیث فی التوحید کی صورت میں ہوتے تھے۔

قدیم مصریوں کی مشہور تثلیث اوسیریز، آئسیس اور ان کے بیٹے ہورس ہوتی تھی اس سے مسیحی تثلیث لی گئی تھی۔ جس کا مفہوم عیسائیت میں باپ بیٹا اور روح القدس ہے۔ مصر کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی تثلیث کا نظریہ پایا جاتا تھا۔

| سیمکا | ہندو | یونانی | رومی | کیفیت |
|---|---|---|---|---|
| انو | برہما | زیوس | جوپیٹر | آسمان کا دیوتا |
| ایا | وشنو | پوزیڈان | نیپچون | پانی کا دیوتا |
| بیل | شیو | پیڈس | پلوٹو | زمین کا دیوتا |

---

[1] کنگز بارڈ صفحہ ۱۶۶، ۱۶۷۔

شائے ربانی :۔ عیسائیت میں اس رسم کی حقیقت یہ ہے کہ روٹی اور شراب جو مسیح کی یاد میں
ذار کے دن گرجے کی عبادت کے بعد کھائی پی جاتی ہے وہ متقدس ہو جاتی ہے، کھانے
لے میں پاکیزگی اور طہارت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس کا الوہیت کے ساتھ اتصال ہو جاتا ہے۔
ن تصور مشرقی ممالک میں قربانی یا چڑھاوں کے متعلق ہے کہ اسکے کھانے سے کھانے والے
ے اندر پاکیزگی اور طہارت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی تصور نے عشائے ربانی کی شکل اختیار کر
لی۔

ایسٹر کا تہوار :۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مرنے کے بعد تیسرے دن ۲۱ مارچ
روز اتوار زندہ ہو گئے تھے۔ احیائے ثانیہ کی خوشی میں عیسائی ۲۱ مارچ یا اس کے بعد پہلے اتوار
و ایسٹر کا تہوار مناتے ہیں۔

اس کو ایرانیوں نے نوروز کر کے منایا۔ ہندوؤں نے اسے بسنت کا دن ٹھہرایا اس طرح مصر
ر آئرلینڈ کے لوگ ایسٹر کے دن بہار کی دیوی آسٹر کی پرستش کے لئے مخصوص کرتے ہیں۔
ر وہی دیومی صامی اقوام میں ایشتر یا انتارتہ کہلاتی تھی۔ ایسٹر کی تقریب دراصل بہار کی
دیومی کی تقریب ہے۔

کرسمس :۔ کرسمس ۲۵ دسمبر کو منایا جاتا ہے۔ عیسائی اس تاریخ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کی ولادت کی تاریخ کہتے ہیں لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے یہ دن متعدد مرکر زندہ ہونے
والے دیوتاؤں کی ولادت بھی اسی تاریخ میں ظاہر کی جاتی تھی۔

الغرض عیسائی راہبوں نے عیسائیت کو دوسری اقوام میں مقبول بنانے کے لئے ان کے
نظریات اور مصطلحات کو اپنے مذہب میں داخل کر لیا۔

مسیحی رہبانیت :۔ یہودیت میں رہبانیت اور ترک الدنیا کا عام رجحان پایا جاتا تھا۔ یوحنا
نبی نے جس سے حضرت مسیح علیہ السلام نے بپتسمہ لیا تھا، دنیا چھوڑ دی تھی اور دنیا کی
خرافات اور لذائذ کے خلاف آواز بلند کی۔

مورخین کا یہ قیاس ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسین ( ESSENES ) سے وابستہ
رہ کر ریاضت کی زندگی گزارتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت کی خلعت ملی تب
بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے میدان عمل میں آئے۔ مسیحی مورخ یوسی بس ( EUSE
BIUS ) نے فیلو ( PHILO ) کے حوالہ سے ان کے حالات محفوظ رکھے ہیں ان سے
یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اپنا زیادہ وقت عبادت و ریاضت میں صرف کرتے تھے۔
خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے۔ درویش منش مرنجان مرنج قسم کے لوگ تھے۔

جوزلفیس لکھتا ہے:

"ان لوگوں کا زہد و تورع بلا کا تھا۔ سورج نکلنے سے پیشتر وہ اٹھ بیٹھتے ہیں اور دنیاوی معاملات سے متعلق بات چیت کرنے سے پہلے اپنی عبادت سے فارغ ہو جاتے تھے۔ اس کے بعد جن جن باتوں میں وہ ماہر ہوتے ہیں ان کا امیر (صدر) انہیں ان امور کی انجام دہی کے لئے بھیج دیتا ہے۔ واپس آکر وہ ٹھنڈے پانی سے غسل کرکے سفید لباس پہن لیتے ہیں اور عبادت خانہ میں جمع ہو جاتے ہیں۔ دعاؤں اور مناجاتوں کے بعد کھانا کھاتے ہیں، جس کے اوّل و آخر خدا کا شکر ادا کیا جاتا ہے۔ وہ ہر معاملہ میں اپنے امیر کے حکم کے تابع رہتے ہیں۔ ان میں سے بعض لوگ آئندہ کی باتوں کے متعلق پیشین گوئیاں بھی کرتے ہیں اور مذہبی کتابوں پر خاص طور پر عبور رکھتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ دنیا میں سب کچھ خدا کی مشیت کے تابع ہوتا ہے اور اس کے حکم کے خلاف کچھ نہیں ہوتا۔" [1]

ان کے متعلق اسی قسم کے حالات پلینی PLINY المتوفی ۷۹ء نے لکھے ہیں:

"یہی ایک فرقہ ہے جس کے لوگ بغیر مال و متاع اور زن و اولاد کے زندگی بسر کرتے ہیں، اور کھجوریں وغیرہ کھا کر زندہ رہتے ہیں۔ وہ لوگ جو زندگی کی مشکلات اور صعوبات سے گھبرا اٹھتے ہیں، ان میں آکر شامل ہو جاتے ہیں۔ قریب قریب ہر بستی میں اس فرقہ کے لوگ موجود ہیں جو اپنے فرقہ کے مسافروں کی اس طرح تواضع کرتے ہیں گویا وہ خود ان ہی میں سے ہیں، خواہ انہوں نے ایک دوسرے کو پہلی مرتبہ ہی کیوں نہ دیکھا ہو۔ جب وہ سفر کے لئے نکلتے ہیں تو اپنی مدافعت کے ہتھیاروں کے علاوہ اور کچھ (زاد راہ وغیرہ) ساتھ نہیں رکھتے۔ ہر بستی میں ان کے فرقہ کا ایک امیر ہوتا جس کے ذمہ ان مسافروں کی دیکھ بھال ہوتی ہے۔ وہ ایک دوسرے کے ہاتھ خرید و فروخت نہیں کرتے بلکہ جس کے پاس کچھ فاضلہ ہو وہ اسکے حاجت مند کو بلا قیمت دے دیتا ہے۔" [2]

یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے رہبانیت اور تیاگ کی تعلیم دی، لیکن یہ امر واقع ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو دنیا پرستی سے ہٹا کر خدا پرستی کی تعلیم دی انسان کو آسمانی حکومت میں داخل کرنا چاہا۔ عفو اور محبت کی تعلیم یہاں تک دی کہ اگر کسی کے گال پر کوئی طمانچہ مارے تو وہ دوسرا بھی اسکی طرف پھیر دے، اور اگر کسی سے کوئی ایک جوتا مانگے تو دوسرا جوتا بھی اتار دے۔

---

[1] بحوالہ مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں مصنفہ پرویز ص ۲۶، ۲۷۔

[2] بحوالہ مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں مصنفہ پرویز ص ۲۷۔

دراصل بنی اسرائیل کے ظلم اور جور وجفا کا وقتی علاج تھا۔ جب مسیح علیہ السلام اس دنیا سے اٹھ گئے تو ان کے پیروکاروں میں سے ایک گروہ نے اس تعلیم کو رہبانیت اور تیاگ کا روپ دے دیا، اور وہ معاشرتی مرض بن گیا۔ گبن اپنی تصنیف میں لکھتا ہے:

"مسیح تپسوی نشاط زندگی اور فرائض دنیوی سے بالکل دستبردار ہو جاتے تھے۔ وہ نہایت سادہ غذا کھاتے جو اکثر مانگی جاتی یا پیش کی جاتی۔ وہ گوشت نہ کھاتے۔ شراب پیتے۔ تمام عمر کنوارے رہتے۔ جسم کو ہر ممکن طریق سے اذیت پہنچاتے۔ محبت، تعیش، آرام اور مسرت کو گناہ خیال کرتے۔ الغرض رہبانیت عام ہو چکی تھی۔ ہزاروں کی تعداد میں تپسوی لوگ دنیا سے فرار اختیار کرتے اور مذہبی مجالس کی خلوتوں میں پناہ لیتے۔" (آبد)

مسیحی رہبانیت کا بانی:۔ مسیحی رہبانیت کے آثار مصر میں موجود ہیں اس کا بانی ایک ان پڑھ نوجوان "انطونی" ہے۔ اس نے دنیا سے منہ موڑا، اپنی تمام ملکیت سے ہاتھ اٹھایا اور اپنے گھر سے کنارہ کشی اختیار کر کے صحرا میں چلا گیا۔ اور چلہ کشی اور ریاضت شروع کر دی اور جلد ہی اسکی شہرت تمام مصر میں پھیل گئی اور وہ روحانیت کا سرچشمہ بن گیا۔ اس کی تقلید میں ہزاروں نے رہبانیت زندگی اختیار کر لی اور "انطونی" کو اپنا قائد تسلیم کر لیا۔ اس تحریک کو زور پکڑتے دیکھ کر کلیسا نے اس کی حمایت کر دی اور اس تحریک کو منظم خطوط پر چلایا گیا۔ راہبوں نے خانقاہیں بنائیں۔ مصر کے صحرا میں راہبوں کی یہ خانقاہیں جاگیروں کی صورت اختیار کر گئیں۔ دریائے نیل کی وادی اور تھیبس کی چٹانیں ان خانقاہوں سے معمور ہو گئیں، جن میں لاکھوں راہب کنارہ کشی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ شمالی نیل میں جو پہلی خانقاہ کھولی گئی اس میں چودہ سو راہب رہتے تھے، اور قلیل عرصہ میں ہی ان کی تعداد پچاس ہزار ہو گئی۔ ان سے تیاگ، جسمانی اذیت، ریاضت اور دنیاوی تعیش اور تنعم سے اجتناب کا عہد لیا جاتا تھا۔ انطونی کے مقلدین چوبیس گھنٹوں میں صرف بارہ اونس غذا کھاتے۔ گوشت کا استعمال ممنوع تھا۔ نیل کے شہروں میں بھی لاکھوں راہب رہتے تھے۔ کیونکہ کلیسا اور خانقاہیں ان کے قیام کے لئے ناکافی تھیں اس لئے وہ شہر کی دیواروں کو بطور خانقاہ استعمال کرتے تھے۔ مورخ "رفوفینس" کے بیان کے مطابق ایک وقت ایسا آیا جب مصر کی نصف سے زیادہ آبادی نے راہبانہ زندگی اختیار کر لی تھی۔

انطونی کے پیروکاروں نے روم میں بھی خانقاہوں کا نظام قائم کر لیا۔ گبن لکھتا ہے:

"ان تپسیوں کی صورتیں پہلے تو نفرت اور گھن پھیلاتیں لیکن بعد میں انہیں سادھو

تسلیم کر لیا جاتا۔ امیر لوگ اپنے محل ان کی رہائش کے لئے وقف کر دیتے۔ پاکیزگی کی یہ نئی تحریک دلچسپی اور جدت کی خاطر بھی اختیار کی جاتی۔ رؤسا جب سیاہ کاریوں سے تنگ آ جاتے تو سزائے اعمال کے خوف سے رہبانیت کو اختیار کر لیتے تاکہ انہیں موت کے بعد بھی جنت کا لطف اٹھانے کا موقع مل سکے۔ ان خانقاہوں میں عورتیں اکثر راہبوں کی ہوس کاریوں کا شکار ہوتیں"۔

جب انطونی اور پکومیس کے پیروکاروں کی تعداد روم میں بڑھتی چلی جا رہی تھی اور یہ تحریک خاصی مقبول ہو چکی تھی۔ انہی ایام میں "ہلیرین" کے پیروکار اور مقلدین شام میں راہبانہ زندگی کی ترویج کے لئے تبلیغ کر رہے تھے۔ ہلیرین نے بارہ سال تک دنیاوی آلائشوں سے کنارہ کشی اختیار کی۔ اور اتنی مقبولیت حاصل کر لی کہ جب وہ سفر اختیار کرتا تو اس کے ساتھ ہزار پیروکار ہوتے تھے۔

بیسل بہت ہی مشہور راہب گزرا ہے۔ اس نے ایتھنز کے سکولوں میں تعلیم حاصل کی اس نے شام کے اسقفِ اعظم کا جلیل منصب حقارت سے ٹھکرا دیا۔ اس نے ایشیائے کوچک کے پہاڑوں میں سکونت اختیار کی اور بہت سی خانقاہیں بحیرہ اسود کے کنارے قائم کر دیں۔ شمالی انگلستان میں بھی بے شمار خانقاہیں کھل گئیں "نارٹن" مراتو اس کے دو ہزار مقلدین نے اسکے ساتھ جان دے دی۔ پانچویں صدی عیسوی میں لاکھوں کی تعداد میں مسیحی راہب لے سے برطانیہ اور برطانیہ سے حبشہ اور سپین تک پائے جاتے تھے۔

"گبن" نے مسیحی رہبانیت کا پس منظر ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"لوگ فوجی زندگی کے مصائب سے بچنے کے لئے خانقاہوں میں پناہ لیتے تھے"

تنقید:۔ اسلام رہبانیت کو ناجائز قرار دیتا ہے قرآن مجید میں آتا ہے:

وَرَهْبَانِيَّةً نِ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ الا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰ
فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا اور رہبانیت انہوں نے خود تراش لی ہے ہم
اسے ان پر فرض نہیں کیا مگر اللہ کی رضا کو حاصل کرنے کے لئے نکالی، پر اسکی وہ نگہداشت
نہ کر سکے۔ اس آیت کریمہ میں رہبانیت کو بدعت قرار دیا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ یعنی اسلام میں رہبانیت قطعاً جائز
مسلمانوں نے بھی اس قسم کی بدعات نکالی ہیں جن کا کتاب اور سنت میں
کوئی نام و نشان نہیں۔ (الحدید ۵۷: ۲۷)

# رسمیں

نمۂ بپتسمہ یا اصطباغ عیسائیت کی پہلی رسم ہے یہ ایک غسل ہے جو دائرہ عیسائیت میں داخل ہونے والے کو دیا جاتا ہے۔ اس کے بغیر عیسائیت قبول کرنے والے شخص کو عیسائی نہیں کہا جا سکتا۔ اس رسم کی پشت پر عقیدہ کفارہ کارفرما ہے۔ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ بپتسمہ لینے سے انسان یسوع مسیح کے واسطے سے ایک بار مر کر حیات ثانیہ پاتا ہے۔ موت کے ذریعے اسے "اصل گناہ" کی سزا ملتی ہے اور حیات نو سے اُسے آزاد قوت ارادی حاصل ہوتی ہے[1]

یروشلم کے مشہور عالم سائرل نے اس رسم کو بجالانے کا طریقہ لکھا ہے کہ

بپتسمہ لینے والے کو بپتسمہ کے کمرے میں اسطرح لٹا دیا جاتا ہے کہ اس کا منہ مغرب کی طرف ہو پھر بپتسمہ لینے والا اپنے ہاتھ مغرب کی طرف پھیلا کر کہتا ہے کہ "اے شیطان میں تجھ سے اور تیرے عمل سے دست بردار ہوتا ہوں"۔

پھر وہ مشرق کی طرف منہ کر کے زبان سے عیسائی عقائد کا اعلان کرتا ہے اس کے بعد اسے ایک اندرونی کمرے میں لے جاتا ہے کہ جہاں اس کے تمام کپڑے اتار دیئے جاتے ہیں، اور سر سے پاؤں تک ایک دم کئے ہوئے تیل سے اس کی مالش کی جاتی ہے اس کے بعد سے بپتسمہ کے حوض میں ڈال دیا جاتا ہے۔

اس موقعہ پر عیسائیت کے اندر داخل ہونے والے سے تین سوال دریافت کئے جاتے ہیں کہ کیا وہ باپ، بیٹے اور روح القدس پر مقررہ تفصیلات کے ساتھ ایمان رکھتا ہے ہر سوال کے جواب میں وہ کہتا ہے کہ "ہاں میں ایمان رکھتا ہوں"، اس سوال جواب کے بعد اسے حوض سے باہر نکال لیا جاتا ہے اور اسکی پیشانی۔ کان، ناک اور سینے پر دم کئے تیل پر دوبارہ مالش کی جاتی ہے۔ پھر اس کو سفید کپڑے پہنا دیئے جاتے ہیں جو اس بات کی علامت ہے کہ بپتسمہ لینے والا تمام گناہوں کی آلائشوں سے پاک صاف ہو چکا ہے۔ اس کے بعد بپتسمہ پانے والوں کا جلوس ایک ساتھ کلیسا میں داخل ہوتا ہے اور پہلی بار عشائے ربانی کی رسم میں شریک ہوتا ہے[2]

عشائے ربانی:۔ دائرہ عیسائیت میں داخل ہونے کے بعد یہ اہم ترین رسم ہے اور یہ رسم

[1] AUGSTINE THE ENCHIRIDION XLII P. 688
VI.

[2] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ص ۸۳ ج ۳ مقالہ بپتسمہ

حضرت مسیح کی قربانی کی یادگار کے طور پر منائی جاتی ہے حضرت مسیح نے گرفتاری سے ایک دن قبل حواریوں کے ساتھ رات کا کھانا کھایا تھا۔ انجیل متی میں اسطرح اسکا ذکر کیا ہے کہ "جب وہ کھا رہے تھے یسوع مسیح نے روٹی لی۔ اور برکت دے کر توڑی اور شاگردوں کو دے کر کہا لو کھاؤ یہ میرا بدن ہے پھر پیالہ لے کر شکر کیا ان کو دے کر کہا تم سب اس میں سے پیو۔ کیونکہ یہ میرا وہ عہد کا خون ہے جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کے واسطے بہایا جاتا ہے (متی ۲۶ : ۲۶)

لوقا نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ اس کے بعد حضرت مسیح نے حواریوں سے کہا "میری یادگار ہی کے لئے یہی کیا کرو" (لوقا ۲۲ : ۱۹)

مشہور عالم جسٹن مارٹر اس رسم کو بجالانے کا طریقہ یہ لکھتے ہیں کہ:

"ہر اتوار کو کلیسا میں ایک اجتماع ہوتا ہے۔ شروع میں دعائیں اور نغمے پڑھے جاتے ہیں۔ اس کے بعد حاضرین ایک دوسرے کا بوسہ لے کر مبارکباد دیتے ہیں۔ پھر روٹی اور شراب لائی جاتی ہے اور صدر مجلس اس کو لے کر باپ بیٹے اور روح القدس سے برکت کی دعا کرتا ہے جس پر تمام حاضرین آمین کہتے ہیں۔ پھر کلیسا کے خدام DEACONS روٹی اور شراب کو حاضرین میں تقسیم کرتے ہیں اس عمل سے فوراً روٹی مسیح کا بدن جاتی ہے اور شراب مسیح کا خون اور تمام حاضرین اسے کھا پی کر اپنے عقیدہ کو تازہ کرتے ہیں"[1]

اس اسم کے اور بھی نام ہیں۔ شکرانہ، مقدس غذا، مقدس اتحاد،

## عیسائیت کی تاریخ

عیسائیت کی تاریخ کے مختلف ادوار ہیں:

غربت اور مظلومیت کا دور:۔ عیسائیت پر پہلی تین صدیوں میں نہایت ہی مظالم ڈھائے گئے۔ قرآن مجید نے اس دور کو سورۃ کہف میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے ارشاد ربانی ہے: وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا (۱۸ : ۲۵) اور وہ اپنی غار میں تین سو سال رہے اور نو اور بڑھ گئے۔

ان مظالم اور مصائب کا آغاز ۶۵ء میں شہنشاہ نیرو (۵۴ء تا ۶۸ء) کے ہاتھوں ہوا۔ جس نے عیسائیوں کو وہ اذیت ناک اور سفاکانہ سزائیں دیں جنکو پڑھ کر انسان کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پطرس اور پولوس بھی اسی شہنشاہ

---

[1] JUSTIN MARTYR APOL. 1,65—67.
QUOTED BY F. C. BURKIT. THE CHRISTIAN RELIGION P. 149 V. III

اذیت کا نشانہ بنے۔ اس نے عیسائی مذہب کو بذریعہ قانون جرم قرار دے دیا۔

مصائب اور آلام کا دوسرا دور پہلی صدی عیسوی کے اواخر (۹۵ء یا ۹۶ء) میں شروع ہوا۔ اس زمانہ میں رومی شہنشاہ ڈومیشن DOMITIAN تھا۔ یہ دور جلد ہی ختم ہو گیا۔ ۱۱۲ء میں ٹراجن (TARAJAN) نے مظالم اور مصائب ڈھانے شروع کر دیئے اور مبلغین کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ ان مقتولین میں یوحنا کا شاگرد اگناتیس اور اس کا ساتھی پولی کرپ بھی تھے۔

دوسری تمام صدی عیسائیوں کے مظالم اور مصائب کی دردناک داستان سے پُر ہے۔ متعدد شہنشاہوں نے عیسائیت کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کی کوشش کی۔ بڑے بڑے مبلغین کو نذر آتش کر دیا گیا۔

تیسری صدی میں صرف ۲۴۹ء تا ۲۵۸ء کا دس سالہ عہد عیسائیت کے لئے دردناک دور ہے جس میں ایذائیں اور مصائب اپنی انتہا کو پہنچ چکے تھے۔ اس کے بعد اگر کوئی شہنشاہ رحمدل آجاتا ہے تو وہ نرمی کا سلوک کرتا، اگر کوئی عیسائیت کا دشمن برسر اقتدار آجاتا تو عیسائیوں کے خون سے اپنے جوش انتقام کو بجھاتا۔

جن دنوں رومی حکومت میں عیسائیوں پر مظالم اور مصائب ڈھائے جا رہے تھے۔ ایران میں عیسائی آزادی سے اپنے مذہب کا پرچار کر رہے تھے۔ صرف ایک شرط تھی کہ زرتشتی مذہب کے کسی فرد کو عیسائی بنانے کی اجازت نہیں۔ جب رومی حکومت کا سرکاری مذہب عیسائیت بنا دیا گیا تو ایرانی عیسائیوں کی ہمدردیاں رومی حکومت کے ساتھ ہو گئیں۔ اب ایرانی حکومت نے جو رومیوں کی شدید مخالف اور حریف تھی، عیسائیوں کو مظالم کا تختہ مشق بنانا شروع کر دیا۔ لیکن ۳۷۶ء میں روم اور ایران کے باہمی اختلافات دور ہو گئے تو پھر دوبارہ عیسائیوں کو آزادی اور امن کی فضا میسر آ گئی۔

اس ظلم اور تشدد کے دور میں بھی عیسائیت کی اشاعت نہ رکی۔ لوگ آغوش عیسائیت میں آکر روحانیت حاصل کرتے تھے۔

اس مظلومیت کے دور میں عیسائی ایک خدا کے سوا کسی دوسرے معبود کو نہیں مانتے تھے اور تین خداؤں کا عقیدہ مروج نہیں ہوا تھا۔ قرآن مجید نے چند لوگوں کے کہف میں جانے کی غرض ہی صرف یہ بتائی ہے کہ وہ خدا کے سوا اور کسی کو معبود نہیں مان سکتے تھے۔

دور ابتدا کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ عیسائی مذہب کا نظام عقائد اور عبادات ابھی تک مدون نہیں تھا۔ اس وجہ سے اس زمانہ میں بے شمار فرقے پیدا ہو گئے۔

کلیمنٹ (م ۲۱۵ء) آگناشش (م تقریباً ۱۱۷ء) پے پیاس (م ۱۲۰ء) پولیکارپ (م ۱۵۵ء) ایرینوس (۱۷۷ء) وغیرہ اس دور کے مشہور علماء ہیں جن کی تصانیف اور مکتوبات پر عیسائیت کی اساس قائم ہے۔

## حکومت کا سرکاری مذہب

چوتھی صدی عیسوی میں عیسائیت مظلومیت کے دور سے نکل کر غالب مذہب بن گئی۔ قسطنطین پہلا رومی بادشاہ ہے جس نے عیسائیت اختیار کرنے کے بعد ۳۲۵ء میں مذہب تثلیث کو اصل عیسائیت اور سرکاری مذہب قرار دیا۔ اس نے اشاعت عیسائیت میں زبردست حصہ لیا۔ نیقہ میں اس نے ایک کونسل بلوائی جہاں انجیل کو مدون اور مرتب کیا گیا۔ ۳۲۷ء میں قسطنطین کی وفات کے بعد چرچ کو رومی حکومت پر پورا تسلط حاصل ہو گیا۔ عیسائیت کی اشاعت سرعت کے ساتھ ہونے لگی۔ حبشہ، عرب حتیٰ کہ ہندوستان میں بھی عیسائیت کو فروغ نصیب ہوا۔

اس کے عہد سلطنت میں عیسائی نظام کے عقائد مدون کرنے کے لئے بڑی بڑی کونسلیں منعقد ہوئیں۔ ان میں سے نیقاوی کونسل بنیادی اہمیت کی حامل ہے جو ۳۲۵ء میں نیقیہ (NICAEA) کے مقام پر منعقد کی گئی۔ اس کونسل میں پہلی بار تثلیث کے عقیدے کو عیسائیت کا بنیادی عقیدہ تسلیم کیا گیا۔ اور اس کے منکرین (اریوس وغیرہ) کو عیسائیت سے خارج کر دیا گیا۔ جو عقائد اس کونسل میں مدون ہوئے۔ وہ عقیدہ اتھانی شیس (ATHANASIAN CREED) کے نام سے مشہور ہے۔ یہ عقائد مبہم تھے۔ اس تشریح و توضیح کے لئے کئی کونسلیں منعقد ہیں۔ چوتھی اور پانچویں صدی میں ان عقائد کی تشریح و توضیح پر بہت مباحثے ہوئے۔ اس لئے اس دور کو عیسائی مورخین "عہد مجالس (AGE OF COUNCILS) یا عہد مباحثات CONTROYERSY PERIOD) کہتے ہیں۔

قسطنطین سے گریگوری تک:۔ ۳۱۲ء سے ۵۳۹ء تک کے عرصے میں عیسائی مذہب سلطنت روما پر غالب آچکا تھا۔ سلطنت بھی عیسائیت کی حریف نہ رہی تھی۔ اس زمانہ کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس دور میں عیسائیت دو سلطنتوں میں بٹ گئی ایک سلطنت مشرق میں

تھی جس کا پایہ سلطنت قسطنطنیہ تھا۔ اس میں بلقان، یونان، ایشیائے کوچک مصر اور حبشہ کے علاقے شامل تھے اور وہاں کا سب سے بڑا مذہبی پیشوا لبطریرک (PATRIARCH) کہلاتا تھا۔ اور دوسری سلطنت مغرب میں تھی، جس کا پایہ تخت بدستور روم تھا۔ اور پورپ کا بیشتر علاقہ اس کے زیر نگین تھا۔ وہاں کا "پوپ" یا پاپا" کہلاتے تھے۔ دونوں سلطنتوں میں مذہبی اور سیاسی رقابت شروع ہوگئی۔ ان میں سے ہر ایک اپنی برتری چاہتی تھی۔

اس دور کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں رہبانیت نے جنم لیا۔ پانچویں صدی میں برطانیہ فرانس میں بہت سی خانقاہیں تو قائم ہوگئی تھیں لیکن پہلا راہب جس نے اسے باقاعدہ نظام بنایا چھٹی صدی کا پاکم مصری ہے۔ پاکم کے بعد باسیلیوس اور بینیڈم نظام رہبانیت کے مشہور قائد ہیں:

"تاریک دور:۔ ۵۹۰ء میں گریگوری اول پوپ بنا تھا۔ اسکے وقت سے لے کر شارلمین (۸۰۰ء) کا تاریک زمانہ کہلاتا ہے۔

اس دور میں عیسائیت کی تاریخ میں سیاسی اور علمی زوال شروع ہوگیا تھا۔ اور عیسائیوں میں انتشار پھوٹ چکا تھا۔ اور اسلام عروج پا رہا تھا۔ اس وجہ سے مشرقی علاقوں میں عیسائیت کے اقتدار کی عمارت پیوند خاک ہو رہی تھی۔

مغربی عیسائیوں نے یورپ میں تبلیغ شروع کر دی۔ اس کے نتیجے میں چار صدیوں تک مسلسل تبلیغی کاوشوں کے بعد پورا یورپ عیسائیت کے آغوش میں آگیا۔

قرون وسطیٰ:۔ ۱۸۴ھ سے لے کر $\frac{1521ء}{928ھ}$ تک کا زمانہ قرون وسطی کا عہد کہلاتا ہے۔ اس زمانہ کی اہم خصوصیت پوپ اور شہنشاہ وقت کی وہ خانہ جنگی ہے جو ایک لمبا عرصہ تک جاری رہی۔ الفریڈ، ای، گارڈنر نے اس عہد کو تین حصوں میں منقسم کیا ہے۔

۱۔ شارلمین سے لے کر گریگوری ہفتم تک عہد ($\frac{800ء}{184ھ}$ تا $\frac{1073ء}{466ھ}$) جس میں پاپائیت کو فروغ حاصل ہوا۔

۲۔ گریگوری ہفتم سے بونیفیس تک کا عہد $\frac{1073ء}{466ھ}$ تا $\frac{1294ء}{693ھ}$ جس میں پوپ کو مغربی یورپ میں پورا اقتدار حاصل ہوگیا تھا۔

۳۔ بونیفیس ہشتم سے عہد اصلاح تک کا زمانہ ($\frac{1294ء}{693ھ}$ تا $\frac{1517ء}{923ھ}$) جس میں پاپائیت کا ستارہ زوال میں آگیا۔ اور اصلاحی تحریکیں اٹھنی شروع ہوگئیں۔

قرون وسطی کے اہم واقعات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ نفاق عظیم :- نفاق عظیم (GREAT SCHISM) تاریخ مسیحیت کی ایک اصلاح ہے۔ اس سے مراد مشرق اور مغرب کے کلیساؤں کا وہ زبردست اختلاف ہے جسکی وجہ سے مشرقی کلیسا ہمیشہ کے لئے رومن کیتھولک چرچ سے جدا ہو گیا۔ اور اس نے بدل کر اپنا نام دی ہولی آرتھوڈکس چرچ رکھا نفاق عظیم کے اہم اسباب حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اس علیحدگی کی پہلی وجہ تو مشرقی اور مغربی کلیساؤں کا نظریاتی اختلاف تھا۔ مشرقی کلیسا کا عقیدہ تھا کہ روح القدس کا اقنوم صرف باپ کے اقنوم سے نکلا ہے۔ اور بیٹے کا اقنوم اس کے لئے محض ایک وسیلے اور واسطے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور مغربی کلیسا کا یہ نظریہ تھا کہ روح القدس کا اقنوم باپ اور بیٹے دونوں سے نکلا ہے دوسرے مشرقی کلیسا کا یہ نظریہ تھا کہ بیٹے کا نام اور رتبہ باپ سے کم ہے۔ اور مغربی کلیسا کا عقیدہ تھا کہ دونوں برابر ہیں۔ مشرقی کلیسا، مغربی چرچ پر یہ الزام لگاتا تھا کہ انہوں نے اپنے عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے نیقاوی کونسل کے فیصلے میں بعض الفاظ اپنی طرف سے بڑھا دئے ہیں جو اصل فیصلے میں موجود نہ تھے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ مشرق اور مغرب کے کلیساؤں میں نسلی امتیاز کی خلیج حائل تھی۔ مغرب میں اطالوی اور جرمنی نسل تھی اور مشرق میں یونانی اور ایشیائی۔

۳۔ سلطنت روما دو حصّوں میں بٹ جانے کی وجہ سے قسطنطنیہ کا شہر روم کے قدیم شہر کا حریف بن گیا۔

۴۔ پاپائے روم اپنا اقتدار اور بالادستی قسطنطنیہ کے بطریک کے نہ حوالے کرنے کو تیار تھا اور نہ اس میں اسکو شریک کرنے کے لئے تیار تھا۔

۵۔ رومی کلیسا کو اس بات پر ناز تھا کہ پطرس اور پولوس نے روم میں شہادت پائی تھی اس لئے یہ شہر اور کلیسا زیادہ مقدس اور اہم ہے۔ قسطنطنیہ چونکہ رومی حکومت کا یا یہ تخت تھا اس لئے وہ یہ کلیسا رومی کلیسا پر اپنی فوقیت اور برتری ظاہر کرتا تھا۔

۶۔ دو کلیساؤں میں اختلاف کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ دونوں کی زبانیں مختلف تھیں، رومی کلیسا میں لاطینی اور قسطنطنیہ میں یونانی۔ دونوں کی تعلیمات کا ترجمہ جب دوسری زبان میں ہوتا تھا۔ تو مفہوم میں اختلاف پیدا ہو جاتا تھا اور بحثیں چھڑ جاتی تھیں۔

۔ پوپ لیو نہم نے ۱۰۵۴ء میں مغربی عقائد کو مشرقی کلیسا پر تھوپنے کی کوشش کی ۔ کے بطریرک میکائیل نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ یورپ کے سفراء نے سینٹ صوفیا کے چرچ میں قربان گاہ پر اناثیما (لعنت) کے کلمات لکھ دیے۔ اس بات نے نفاق عظیم مکمل کر دیا۔

**جنگیں:** ۔ اس دور میں صلیبی جنگیں لڑی گئیں ۱۰۹۵ء سے ۱۲۹۸ء میں پوپ اربن دوم کلیر مونٹ کونسل میں یہ اعلان کیا گیا کہ صلیبی جنگ مذہبی جنگ ہے۔ سی۔ پی۔ ایس برک اپنی تاریخ کلیسا میں رقمطراز ہے:

"لوگوں کو ترغیب دینے کے لئے اربن نے یہ عام اعلان کر دیا کہ جو شخص اس جنگ میں حصہ لے گا اس کی مغفرت یقینی ہے۔ اور محمد (صلعم) کی طرح اس نے بھی یہ وعدہ کیا کہ جو لوگ اس جنگ میں مریں گے وہ سیدھے جنت میں جنگ جائیں گے۔"[1]

**پاپائیت:** ۔ ۳۰۶ء عیسائیت کی تاریخ میں بڑا خوش گوار سال ہے اس لئے کہ اس سنہ میں شاہ قسطنطین اول رُوم کا بادشاہ کا بنا۔ اس نے عیسائی مذہب قبول کر کے عیسائیت سرکاری مذہب قرار دیا تو مذہبی اور دنیاوی امور یک جا ہو گئے اور حکومت روما مقدس ن گئی۔ اس زمانہ میں کلیسا کا انتظام و انصرام پانچ بڑے پادریوں کے زیر نگرانی بہت سے ماتحت دری سرانجام دیتے تھے۔ یہ پانچوں بڑے پادری پیٹرارچ (PATRIARCHS) ہلاتے تھے جو انگریزی میں فادر [illegible] ہم معنی ہے۔ یہ یونانی لفظ ہے جسکے حنی باپ کے ہیں۔ لاطینی زبان میں اسے پوپ کہتے ہیں۔

**پاپائیت کی بدعنوانیاں:** ۔ وہ شخص جس نے سب سے پہلے پاپائی نظام کو مضبوط ور مستحکم بنیادوں پر استوار کیا۔ وہ گریگوری اول (۵۴۰ء تا ۶۰۹ء) تھا۔ بہت سی وحشی قوام مثلاً مثلاً گوتھ، ہنس گال، فرینک وغیرہ رومی پوپ کے ذریعہ آغوش عیسائیت یں آئی تھیں، جس سے پوپ کی طاقت میں بہت اضافہ ہو گیا اور وہ دنیاوی اور دینوی ل قتوں کا منبع قرار دیا گیا، اور اسے غیر محدود اختیارات حاصل ہو گئے۔ اسکی نافرمانی کو ناہ عظیم اور جرم قرار دیا گیا۔ قانون سازی کے تمام اختیارات پوپ کے ہاتھ میں ہی تھے۔ ں کا ہر لفظ قانون کی حیثیت رکھتا تھا۔ بڑے بڑے بادشاہوں کو پوپ کی حمایت حاصل کئے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔

اس دور کے پاپائی نظام کے متعلق ڈیوڈ فادرنگھم (DAVID FATHERING HAM) نے لکھا ہے۔

---

[1] CLARK, SHORT HISTORY OF THE CHURCH P. 204

دو پاپائی نظام کلیسا دس پر بُری طرح چھایا ہوا تھا اور سیاست پر جاگیرداروں کا قبضہ تھا۔ دونوں آزادی اور حریت کے جانی دشمن تھے۔ ظاہری اختیار سے دونوں میں ایک زبردست مشابہت تھی، وہ یہ کہ سربراہ مملکت مطلق العنان تھا۔ جسکی ماتحتی میں سرداروں افسروں اور فوجیوں کا ایک لمبا سلسلہ ہوتا تھا، جو اپنے آقا کی ہر مرضی کے لئے تیار رہتے تھے۔ اور عوام کی حیثیت اس علاقہ کے مال واسباب سے تھوڑی بہتر ہوتی جس سے انکا تعلق ہوتا تھا۔ زمانہ امن میں بھی اپنے افسروں کے اشارے سے ہر قسم کے کام انہیں انجام دینا پڑتے تھے۔ بے شمار جنگوں میں حصہ لینے پر انہیں مجبور کیا جاتا تھا۔ ان عوام کی حیثیت کلیسا والوں کے نزدیک بھی اس سے زیادہ نہ تھی انکو کوئی حقوق حاصل نہ تھے، انکی حالت بھیڑوں کی سی تھی جنکے کھانے کا انتظام تو نہ کیا جاتا لیکن اُون کاٹ لی جاتی۔ ان عوام کے سروں پر مذہبی عہدیداروں کا ایک لمبا سلسلہ مسلط تھا جو ایک علاقائی اسقف سے پوپ تک جا پہنچتا تھا۔ یہ پوپ خود کو پطرس کا جانشین اور مسیحی کا نائب کہتا، اور اس سلسلہ میں وہ ایسے امور انجام دیتا اور اس اقتدار کا مالک ہوتا رہا تو ہو سکتا ہے لیکن کسی فانی انسان کے لئے سزاوار نہیں[1]

پوپ نے اپنے غیر طبعی نظام کلیسا کو چلانے کے لئے علم کے چراغ کو نہ جلنے دیا۔ شخص بھی علمی اور عقلی بات کرتا اسکو گرفتار کر لیا جاتا اور اسے عبرتناک سزا دی جاتی۔ پاپائے روم نے دین کے نام پر علماء پر جو مظالم ڈھائے وہ اتنے دردناک ہیں جن کو انسانیت کی پیشانی شرم وحیا سے عرق آلود ہو جاتی ہے۔

علم کی روشنی کو بجھانے کے لئے پوپ نے ۱۴۷۸ء میں مجالس تفتیش واحتساب (ENQUISITION) قائم کر دیں۔ ان مجالس کا یہ کام تھا کہ جس شخص پر شبہ ہو کہ اسکے دل علم کی روشنی سے منور ہے اور دین کے بارے میں اپنی عقل سے کام لیتا ہے، فوراً گرفتار کر لیا جاتا تھا اور اسکو جرمانے سے لے کر زندہ جلا دینے کی سزائیں دی جاتی تھیں۔ اس محکمہ نے ۱۴۸۱ء سے ۱۸۰۸ء تک تین لاکھ چالیس ہزار آدمیوں کو مختلف نوعیت کی سزائیں دی تھیں۔ ان میں سے بتیس ہزار انسان ایسے تھے جنہیں زندہ جلا دیا گیا تھا۔ اسپین کے محکمہ تفتیش واحتساب نے جب اپنی پہلی سالگرہ منائی تو بڑے طمطراق سے اعلان کیا کہ بارہ مہینے میں دو ہزار آدمیوں کو نذر آتش کیا گیا ہے اور سترہ ہزار کو بھاری جرمانے اور حبس دوام کی سزائیں دی گئی ہیں۔

پادری تارکوئی میڈا، کیسٹیل اور لیان کا صدر محتسب تھا۔ اس شخص نے اٹھارہ

[1] بحوالہ تاریخ مذاہب مصنفہ رشید احمد صفحہ ۳۹۱ تا ۳۹۲ دوسرا ایڈیشن سال اشاعت ۱۹۶۸ء۔

کے اندر دس ہزار دو سو بیس آدمیوں کو زندہ جلا دیا اور ستانوے ہزار تین سو اکیس انسانوں کو دوسری الم ناک سزائیں دیں۔

اس درندہ صفت انسان نے صرف زندہ انسانوں کو ہی سزائیں نہ دیں بلکہ اس نے چھ ہزار آٹھ سو ساٹھ قدیم علماء و حکماء کی مورتیں بنوائیں اور انہیں نذر آتش کر کے اپنے آتش غضب کو ٹھنڈا کیا۔

کلیسا کے ان مظالم اور دردناک سزاؤں کے باوجود علم کی روشنی پھیلتی چلی گئی آخر پوپ نے اس روشنی کو گل کرنے کے لئے ایک اور طریقہ اختیار کیا۔ وہ یہ کہ اس نے ۱۵۱۵ء میں حکم دے دیا کہ کلیسا کی منظوری کے بغیر کوئی کتاب چھاپی نہیں جا سکتی جو شخص بھی کوئی ایسی کتاب چھاپے گا، بیچے گا یا پڑھے گا اسکو سزائے موت دی جائے گی۔

سترھویں صدی کے آغاز میں فلورنس کے مشہور عالم گلیلیو نے دوربین ایجاد کی اور زمین کے گول ہونے کا اعلان کر دیا۔ اسکو پوپ کی طرف سے فوراً گرفتار کر لینے کا حکم صادر ہوا۔ آخر کار وہ ڈر گیا اور اس نے اپنے "کفر" سے توبہ کر لی اور گوشہ عافیت میں جا بیٹھا۔ لیکن گوشہ عافیت میں بھی اس کا دل مضطرب اور طبیعت پریشان رہتی تھی۔ آخر کار پریشانی اور اضطراب کا علاج سولہ برس کی خاموشی کے بعد اپنی کتاب "نظام عالم" کی اشاعت میں پایا۔ اس کتاب میں زمین کے گول ہونے کے دلائل دیئے گئے ہیں گلیلیو کی اس گستاخی پر اسکو گرفتار کر لیا گیا۔ دردناک سزاؤں کی دھمکی دی گئی۔ لیکن اس دفعہ علم کا وہ خمیر ادرنشہ تھا جو کوئی سنگین سزا کی دھمکی بھی نہ اتار سکی۔ آخر کار وہ قید خانہ میں سسک سسک کر مر گیا، اور کلیسا نے اس کی لاش مسیحی قبرستان میں دفن نہ ہونے دی۔

اٹلی کے ایک مشہور عالم برونو کو اس جرم میں پکڑا گیا کہ وہ لعدد عوالم کا قائل ہے۔ عدالت احتساب نے اسکے متعلق یہ حکم صادر کیا کہ اسکو بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائے۔ جب برونو نے یہ حکم سنا تو اس نے عدالت کو ان الفاظ میں مخاطب کیا: یقین کرو تمہارے دل میں اسے صادر کرتے وقت پیدا ہوا ہوگا۔" آخر کار اسکو ۱۶ فروری ۱۶۰۰ء میں نذر آتش کر دیا گیا۔

## مسیحی یورپ اور کلیسا کی اخلاقی حالت اور معافی نامے

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جو قوم بھی جہالت اور شرک کا شکار رہی ہے وہ اخلاقی لحاظ سے بہت ہی پست تھی۔ مسیحی یورپ اور کلیسا کی اخلاقی گراوٹ کی وجہ یہی تھی کہ کہ پوپ علم کے شدید دشمن تھے اور شرک پر کلیسا کی عمارت کھڑی کی ہوئی تھی۔

اس عہد کے ایک مصنف نے انگلستان کی حالت ان الفاظ میں بیان کی ہے:۔
"وہ اس قوم کے امراء پیٹو اور عیاش تھے اور کبھی گرجا نہیں جاتے تھے۔ نماز فجر اور صلاۃ اقدس کے ادا کرنے کا انہوں نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ پادری جسے چاپلوسی نے ان کی نگاہوں سے گرا رکھا تھا ان کی خواب گاہ میں جاکر بیدار ہونے سے قبل جلد جلد نماز کے الفاظ دہرا جاتا تھا اور ان کے کانوں میں ایک لفظ بھی نہ پڑتا تھا۔ عام باشندے ان طاقتور امراء کے پنجہ ظلم میں پھنسے ہوئے تھے۔ انکی لڑکیوں کو بیچ ڈالا جاتا تھا دن رات شراب کے دور چلتے تھے اور جو برائیاں بدمستی کی رفیق ہیں وہ ظاہر ہو ہو کر مردوں کو نامرد بناتی جاتی تھیں۔" [1]

زناکاری اور بدکاری کی وجہ سے یورپ میں آتشک کی بیماری عام تھی ڈریپر کے الفاظ میں "خود پاپائے مقدس حضرت لیو دہم بھی تو تاپال بیٹھے اور نیم کی ٹہنی ہلاتے ہوئے پائے گئے۔" [2]

**معافی نامہ:۔** اس دور میں پوپ کے متعلق یہ عقیدہ تھا کہ وہ خدا کا نائب اور عیسیٰ کا قائم مقام ہے۔ اس کا نہ کوئی فیصلہ غلط ہو سکتا ہے اور نہ اس کے کسی حکم پر تنقید کی جا سکتی ہے۔ وہ گنہ گاروں کے گناہ معاف کر سکتا ہے۔ اس عقیدے نے آہستہ آہستہ معافی ناموں (INDULGENCES) کی صورت اختیار کر لی۔

ابتداء یوں ہوئی کہ صلیبی جنگوں میں پوپ اربن دوم (URBAN II) نے یہ اعلان کیا کہ جو لوگ بذات خویش جنگ میں شریک نہیں ہو سکتے وہ اپنی طرف سے کسی اور کو بھیج دیں۔ اس کے بدلہ میں انہیں "معافی نامہ" دے دیا جائیگا جو اس کی نجات کا ذریعہ ہوگا۔

جب پوپ لیو دہم (LEO X) نے روما میں سینٹ پیٹر کا گرجا بنوانے کا ارادہ کیا تو اس نے بھی اس قسم کے "معافی نامے" فروخت کرنا شروع کر دیئے۔ اس کے بعد عام معافی نامے بکنے شروع ہو گئے۔ شہر شہر قریہ قریہ، کوبکو غرض کہ ہر مقام پہ ان معافی ناموں کی ایجنسیاں قائم کر دی گئیں۔ ہر گناہ کے لئے الگ الگ قیمت کا معافی نامہ ہوتا تھا۔ معافی نامے کی عبارت یہ تھی۔

"تم پر خداوند یسوع مسیح کی رحمت ہو، اور وہ تمہیں اپنے مقدس ترحم (خسروانہ)

---

[1] بحوالہ مقدمہ العلم والعلماء از مولانا عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی ص ۱۴، ۱۵۔
[2] " " ص ۱۵۔

(تمام گناہوں کی پاداش سے) آزاد کر دے۔ میں اس کی اور اس کے بابرکت شاگرد پطرس، پولوس اور مقدس پوپ کی اس سند کی رو سے جو انہوں نے مجھے عطا فرمائی ہے میں آزاد کرتا ہوں۔ سب سے پہلے کلیسا کی تمام ملامتوں سے خواہ وہ کسی شکل میں ہوں، پھر ماے ہر ایک، حدود شکنی اور زیادتی سے خواہ وہ کیسے عیب اور شدید کیوں نہ ہو۔ اور میں وہ سزا تم سے اٹھا لیتا ہوں جو تمہیں تمہارے گناہوں کی پاداش میں جہنم میں ملنے والی تھی۔ تاکہ تم ب مرو تو جہنم کے دروازے تم پر بند ہوں اور جنت کی راہیں کشادہ باپ بیٹے اور روح القدس نے نام پر۔"

اس معافی نامہ میں مختلف گناہوں کی قیمتیں مختلف تھیں۔ ہر ایک ایجنٹ کے پاس انکی فہرست موجود ہوتی تھی جس کی اصل THE SACRED ROMAN CHANCERX) کی کتاب میں محفوظ ہوتی تھی۔

مختلف گناہوں کی معافی کی مختلف قیمتیں حسب ذیل تھیں:۔

| | | |
|---|---|---|
| ۱۔ | اسقاط حمل | ۲ شلنگ ۶ پنس |
| ۲۔ | چوری | ۹ شلنگ |
| ۳۔ | عفیفہ کی عصمت دری | ۹ شلنگ |
| ۴۔ | زنا کی بھیانک صورتوں میں | ۷ شلنگ ۶ پنس |
| ۵۔ | قتل | ۷ شلنگ ۶ پنس |

یہ معافی نامے صرف اپنے گناہوں کی میل دھونے کے لئے نہ ہوتے تھے بلکہ مُردوں کے کے گناہوں کے لئے بطور کفارہ خرید کئے جا سکتے تھے۔ چنانچہ ان معافی ناموں کے فروخت کرنے کے لئے ایجنٹ اس قسم کی آوازیں لگایا کرتے تھے:

"آؤ، بڑھو! جنت کے دروازے کھل رہے ہیں۔ اگر تم اب بھی داخل نہ ہو گے تو کب داخل ہو گے۔ تم بارہ پنس کے عوض اپنے باپ کی روح کو جہنم سے نکلوا سکتے ہو۔ کیا تم ایسے ناخلف ہو کہ اپنے باپ کے لئے اس قدر سستی نجات بھی نہیں خرید سکتے؟ اگر تمہارے پاس اور کچھ نہیں فقط ایک کوٹ ہے تو وہی اتار دو تاکہ اس قدر گراں بہا متاع خرید سکو۔"[1]

جب معافی ناموں کی عام تجارت شروع ہو گئی تو تمام مسیحی یورپ اور کلیسا خاص طور پر گناہوں اور جرائم کی دلدل میں پھنس گیا۔ چنانچہ آکسفورڈ کا چانسلر (THOMAS GASCUIGEN) ۱۴۵۸ء میں رقمطراز ہے:

---

[1] BUCK'S THEODOGICAL DICTIONARY INDULGENC

آج کل گناہ گار (ہر جگہ) یہ کہتے ہوئے سنائی دے رہے ہیں کہ "میں اسکی کوئی پرواہ نہیں کرتا کہ میں خدا کے حضور کتنے ہی گناہ کرتا ہوں اس لئے کہ ہر وقت بلا دقت ہر گناہ اور ہر جرم کے لئے معافی نامہ خرید سکتا ہوں، کبھی چار پنس میں کبھی جوتے کے ایک فیتہ کی قیمت کے بدلے اس لئے کہ ان معافی ناموں کے بیچنے والے ہر جگہ دکھائی دے رہے ہیں اور وہ انہیں کبھی دو دو پنس میں کبھی ایک جام شراب کے بدلے یا جوتے میں ہاری ہوئی رقم کے معاوضہ میں اور کبھی کسی رنڈی کے خرچہ کے عوض میں بیچ دیتے ہیں"۔[1]

یہ خرابیاں صرف عوام میں ہی نہ تھیں بلکہ کلیسا کی فضا گناہوں کی مسموم فضا سے اور بھی زیادہ متعفن ہو چکی تھی۔ چنانچہ اس باب میں DR INGE لکھتا ہے:

"جس عہد میں کلیسا سیاسی طور پر صاحب اقتدار رہا وہی عہد سب سے زیادہ بد معاشیوں کیلئے بدنام رہا"۔[2]

منکن (MENCKEN) ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

"یورپ میں رسل چرچ کے اقتدار کا زمانہ درحقیقت بے مثال جرائم، بدنظمی، ظلم و تعدی، فسادات اور بدکاریوں کا زمانہ تھا"۔[3]

تحریک اصلاح مذہب:۔ بدکاریوں اور جرائم کی کثرت کا یہ نتیجہ ہوا کہ پادریوں کے خلاف نفرت کا جذبہ زور پکڑنے لگا اور عیسائیت کے خلاف شکوک و شبہات پیدا ہونا شروع ہو گئے۔ چنانچہ چند حقیقت پسند ایسے مصلحین کلیسا اور مسیحی مذہب کی اصلاح کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

پیٹر والڈو (PETER WALDO) بارھویں صدی کے اواخر میں ہو گزرا ہے۔ یہ فرانس کا ایک مشہور اور دولت مند تاجر تھا۔ اسکو مذہب سے گہری دلچسپی تھی۔ اس نے کتاب مقدس کا ترجمہ شروع کر دیا۔ ترجمہ کے دوران اس نے یہ محسوس کیا کہ کلیسا اپنی اصلی تعلیمات سے ہٹ چکا ہے۔ جب وہ عیسائیت کی روح کو سمجھ چکا تو اس نے اپنی زندگی میں تضاد محسوس کیا، اور وہ سمجھ گیا کہ حقیقت سے دور لے جانے والی صرف دولت ہی ہے۔ اس نے اپنی تمام دولت غرباء میں تقسیم کر دی اور اپنی زندگی مسیحی تعلیمات کے مطابق بسر کرنا شروع

---

[1] QUOTED BY MANCKEN IN TREATISE ON RIGHT AND WRONG. PP. 187—188

[2] ص ۲۹۰

[3] ص ۱۰۵

کر دی ۔ شہر شہر، قصبہ قصبہ گھوما۔ مسیحی تعلیمات کی اصل روح سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ اسکے پیروؤں کی تعداد جنوبی فرانس، شمالی اٹلی اور اسپین میں خاصی بڑھ گئی۔

والڈو کے حقیقت پسندانہ نظریات کی وجہ سے اسے عیسائیت سے خارج کر دیا گیا۔ اسطرح اس کے حامیوں کو بھی جلاوطنی کی زندگی گزارنا پڑی۔

**جان ٹولر** (JOHN TAULER) ۔ (۱۲۹۰ء تا ۱۳۶۱ء) جرمنی کا رہنے والا تھا اس نے یہ فتویٰ صادر کیا کہ جو شخص مسیح مذہب کو بدل وجان مانتا ہے اور وہ صرف پوپ کی نافرمانی کرتا ہو بدعتی نہیں۔ اس کے وعظ سے بھی عوام میں پوپ کے خلاف نفرت کے جذبات ابھار دیئے۔

**جان وائی کلف** :۔ انگلینڈ میں چودھویں صدی عیسوی میں ایک پادری جان وائی کلف نے (JOHN WYCLIFFE) (۱۳۲۴ء یا ۱۳۲۰ء تا ۱۳۸۴ء) جو آکسفورڈ میں تدریس کے فرائض سرانجام دیتا تھا، پوپ کے خلاف آواز بلند کی۔ اس نے کہا: جو پادری خود گناہوں کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں انکو یہ کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ لوگوں کو مذہبی تعلیم دیں۔ انسانوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی ہی اطاعت کرنی چاہیئے، اسکی اطاعت میں ہی حقیقی نجات مضمر ہے۔ اس نے اعتراف گناہ اور کفارہ پر بھی دل کھول کر تنقید کی۔

جان وائی کلف کو اس "کافرانہ گستاخی" کے بدلے کئی بار نظر بند کیا گیا اور اسکی موت کے تیرہ سال بعد یہ فیصلہ ہوا کہ اسکی قبر کھود کر اسکی لاش آگ میں جھونک دی جائے۔

جان وائی کلف کی تعلیم سے لوگ بہت متاثر ہوئے۔ اسکی تعلیم کا سب سے بڑا علمبردار پراگ یونیورسٹی کا معلم دینیات جان ہس JOHN HUSS (۱۳۶۹ء تا ۱۴۱۵ء) تھا۔ اس نے جان وائی کلف کی تعلیم اور پیغام کی خوب اشاعت کی۔ چنانچہ اسے گرفتار کر کے زندہ جلا دیا گیا۔

**مارٹن لوتھر** :۔ تحریک اصلاح میں جس شخص نے انقلابی روح پھونکی وہ مارٹن لوتھر تھا۔ وہ ۱۴۸۳ء میں سکسنی (SAXONY) میں ایک غریب اور مفلوک الحال گھرانے میں پیدا ہوا۔ اسکا باپ ایک معمولی کان کن تھا۔ عسرت کی وجہ سے اسکے والدین لوتھر کی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام نہ کر سکے۔ اس ہونہار بچے نے جرمنی کی سڑکوں پر گانا گانے کا پیشہ اختیار کر لیا، اس کی اجرت سے اپنے تعلیمی اخراجات کو پورا کرتا۔ اس نے لاء کالج میں داخلہ لے لیا، لیکن قانون کی تعلیم چھوڑ کر یکسوئی سے مذہبی تعلیم کی طرف توجہ کی، حتیٰ کہ وہ پادری بن گیا۔ بیس سال کی عمر میں وٹن برگ (WITTEN BERG) یونیورسٹی میں دینیات کا معلم

بن گیا اور اس نے جلد ہی اپنی قابلیت کا سکہ منوالیا۔
۱۵۱۲ء میں وہ روم بھیجا گیا اور اسے پوپ کی زندگی کا قریب سے مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ وہ جلد اس نتیجہ پر پہنچ گیا کہ پوپ نہ صرف مسیحی مذہب کی روح سے دور ہے بلکہ روحانیت اور اخلاق سے بھی بالکل عاری ہے۔ اس نے ٹولہ کی تصانیف کا بنظر غائر مطالعہ کیا۔ جرمنی واپس آکر پوپ کی مخالفت شروع کر دی۔ اس زبانی مخالفت کو تحریک کا رنگ اس وقت ملا جب پوپ لو ئی دہم نے ٹیٹزیل (TETZEL) کو جرمنی اس غرض کے لئے بھیجا کہ وہاں لوگوں میں معافی نامے فروخت کرے، اور جو رقم وہاں سے موصول ہو اسے روم میں سینٹ پیٹر چرچ تعمیر کرایا جائے۔ ابتداء میں معافی نامے بیچنے والوں کو کامیابی حاصل ہوئی کیونکہ لوگ پوپ کو ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے۔
عیسائیت کی تاریخ میں ۳۱ اکتوبر ۱۵۱۷ء کا دن بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ اس دن لوتھر نے پوپ کے خلاف علانیہ طور پر اعلان بغاوت کر دیا اور پادری ٹیٹزیل کو کہا کہ وہ مسیح مذہب کے خلاف کام کر رہا ہے اور وہ اس سے اس بات پر مباحثہ کرنے کو تیار ہے۔ دعوت مباحثہ کے بعد اس نے پچانوے سوالوں پر مشتمل ایک سوالنامہ تیار کیا۔ اور اسکو ۳۱ اکتوبر ۱۵۱۷ء کو ایک مقامی گرجا کے صدر دروازہ پر آویزاں کر دیا۔ اس سوالنامے نے جرمنی کے لوگوں میں ایک انقلابی روح پھونک دی۔ وہ پوپ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ لوتھر کے نظریات کے بے شمار لوگ حامی ہو گئے، ان میں سے بعض شہزادے بھی تھے۔ جب اصلاح تحریک کا سیلاب بڑھنے لگا اور پوپ کو اپنے اقتدار پر زوال اور ادبار کا سایہ نظر آنے لگا تو اس نے ۱۵۲۰ء میں ایک فرمان جاری کیا۔ جس کے ذریعے لوتھر کے اکتالیس عقائد کو باطل قرار دیا اور اس فرمان میں لوتھر کے نظریات سے نفرت کا اظہار کیا گیا اور عوام سے اپیل کی کہ وہ اسے "ملحد اور کافر" کی کتب جلا دیں اور لوتھر کو اپنے عقائد درست کرنے کے لئے دو ماہ کی مہلت دی گئی۔ جب یہ فرمان لوتھر کو ملا تو اس نے عوام کے سامنے علانیہ طور پر اسے نذر آتش کر دیا۔ لوتھر کو مذہب سے خارج کر دیا گیا اور اسے بادشاہ کے سامنے طلب کیا گیا، جہاں اس نے دلیری کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کیا اور ٹھوس دلائل کے ساتھ اپنے خیالات کی صحت ثابت کیا اور آخر میں اس نے کہا: "جب تک کتاب مقدس اور عقل کی رو سے مجھے غلط ثابت نہ کر دیا جائے، میں اپنے ان خیالات سے باز نہیں آسکتا۔ یہی میرا موقف ہے جسے کسی قیمت پر بھی نہیں چھوڑ سکتا۔ خدا مدد! تو میری مدد کر، آمین"۔[1]

[1] انسائیکلو پیڈیا مذہب و مذاہب صفحہ ۲۲۷۔

اب حالات پہلے جیسے نہیں تھے کہ پوپ اپنے مخالف کو پکڑ کر جو چاہے سزا دے۔ عوام کی ایک بھاری اکثریت لوتھر کے حامیوں کی تھی۔ چنانچہ لوتھر کو ایک مستحکم قلعہ میں رکھا گیا جہاں وہ ایک سال رہے اور بائبل کا جرمن زبان میں ترجمہ کیا۔

۱۵۲۰ء وہ سال ہے جب لوگوں نے مارٹن لوتھر کی تقاریر سے متاثر ہو کر رومن کیتھولک سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اسکے بعد جرمن میں ایک نیا کلیسا وجود میں آگیا۔ اسکی ساری ذمہ داری پوپ پر عائد ہوتی ہے۔ اگر وہ مارٹن لوتھر کو دائرہ عیسائیت سے الگ نہ کرتا تو لوگ اس مذہب کو نہ چھوڑتے۔ مارٹن لوتھر کو بہت سے جرمن شہزادوں کی حمایت حاصل ہو گئی تھی۔ مگر بادشاہ چارلس پنجم اسے گرفتار کرنا چاہتا تھا لیکن فرانس سے جنگ کے پیش نظر وہ ایسا نہ کر سکا۔ جب تک جنگ ہوتی رہی لوتھر کے حامیوں اور پیروکاروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا۔

**پروٹسٹنٹ:۔** چونکہ یہ اصلاحی تحریک پاپائیت کے خلاف ایک احتجاج تھا جسے انگریزی میں پروٹسٹ (PROTEST) کہتے ہیں، اس لئے جو لوگ اس تحریک کے حامی تھے انہیں پروٹسٹنٹ (PROTESTANT) کہا جانے لگا۔

لوتھر ۱۵۴۶ء میں مر گیا، لیکن وہ مذہبی بیداری کی ایسی روح پھونک گیا تھا کہ عوام رومن کیتھولک سے بیزار ہو ہو کر الگ ہوتے چلے گئے اور اسطرح مذہبی اصلاحی تحریک کے حامیوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔ ۱۵۵۵ء میں چارلس پنجم اور پروٹسٹنٹ شہزادوں کے مابین شدید جھگڑا پیدا ہو گیا۔ آخر کار یہ طے ہوا کہ ہر شہزادہ کو یہ آزادی ہے کہ جو چاہے مذہب اختیار کر لے۔

## مارٹن لوتھر کے بعد کے مصلحین

**زونگلی:۔** لوتھر کی وفات کے بعد اصلاح کلیسا کا کام جاری رہا۔ اصلاح کی اہم ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے والوں میں سے ایک ہل ریچ زونگلی HULRICHZWINGLI تھا جو سوئٹزرلینڈ کا رہنے والا تھا۔ ۱۴۸۴ء میں پیدا ہوا۔ مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے بعد کیتھولک پادری بنا۔ ایک دفعہ وہ روم گیا تو کلیسا کی ابتر حالت اس پر عیاں ہو گئی۔ اس نے مسیح مذہب کی اصلاح کا عزم بالجزم کر لیا۔ سوئٹزرلینڈ واپس آکر تقاریر کے ذریعہ کلیسا کی ابتر حالت کو عوام پر آگاہ کرنے لگا۔ اسطرح کیتھولک مسلک کے پیروؤں کے خلاف جنگوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ انہی جنگوں میں وہ ۱۵۳۱ء میں وفات پا گیا۔

وہ لوتھر کے مقابلہ میں زیادہ متشدد تھا۔ اس نے بائبل کی تعلیم پر عمل کرنے اور اسے زندگی کے ہر شعبہ میں اپنا راہنما قرار دینے پر بہت زور دیا۔ عشائے ربانی کے بارہ میں اسکا یہ

یہ عقیدہ تھا کہ اس کے ذریعے اس قربانی کا اعادہ نہیں کیا جا سکتا بلکہ اسکی یاد تازہ کی جا سکتی ہے۔ اس نے کلیسا کے نظام کو جمہوری بنیادوں پر قائم کیا۔ حکومت کے عمال کے لئے مسیح کی تعلیم پر عمل کرنا لازمی قرار دیا اور کہا کہ اگر وہ عامل مسیح کی تعلیم کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اسکو اس کے عہدے سے معزول کر دینا چاہیئے۔ پادریوں کی شادی پر زور دیا۔ مورتیوں کو خلاف قانون قرار دیا۔ ہر قسم کے جلوس، تہوار اور تقریبات کی مخالفت کی۔

جان کالون :۔ (JOHN COLVIN) کالون ۱۵۰۹ء میں فرانس میں پیدا ہوا۔ اس نے پروٹسٹنٹ نظریات کی حمایت کی۔ اس زمانہ میں پروٹسٹنٹ فرقہ کے حامیوں کے خلاف شدید کارروائی کی جاتی تھی اور ان کے لئے ہر قسم کی سزا روا رکھی جاتی تھی۔ اس وجہ سے کالون کو فرانس چھوڑنا پڑا۔ ۱۵۳۶ء میں اس نے اپنی مشہور کتاب عیسائیت کے مبادیات (INSTITUTES OF CHIRSTIAN RELIGION) لکھی۔ اس میں اُس نے اپنے مذہبی نظریات بیان کئے ہیں۔ اس نے اپنا اصلاحی کام جنیوا میں شروع کیا۔ اسکے خیالات نہایت ہی انتہا پسندانہ تھے، اس لئے ۱۵۳۸ء میں اسے جنیوا سے باہر نکال دیا گیا۔ لیکن اسکے خیالات کے اثرات سوئٹزرلینڈ میں موجود رہے تین سال کے بعد وہ دوبارہ جنیوا آیا اور ایک مذہبی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ ۱۵۶۴ء میں اس نے وفات پائی۔

جان کالون گو لوتھر کے نظریات کا حامی تھا، لیکن اس نے الگ فرقہ کی بنیاد ڈالی جس کا نام کالونی فرقہ ہے۔ یہ فرقہ زیادہ زور عقیدہ تقدیر پر دیتا ہے۔ ان کا یہ نظریہ ہے کہ وہ اللہ کے محبوب ہیں اور اس نے انکو ان کی صلاحیت اور خوبی کا خیال کئے بغیر منتخب کر لیا ہے اور وہی نجات کے حق دار ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے صرف اسی فرقہ کے لوگوں کے گناہوں کے کفارہ کے طور پر صلیب پر جان دی ہے۔ اس عقیدہ نے انسانی اختیار کو بالکل ختم کر دیا ہے کالون کا ایک اہم عقیدہ یہ ہے کہ آدم کے گناہ کے باعث تمام انسان فطری طور پر معاہم ہیں اور ان سے نیک کام کرنے کی تمام استعدادیں سلب کر دی گئی ہیں۔ اس طبعی معصیت کی وجہ سے وہ دائمی جہنم کا مستحق ہے۔ البتہ کالونی فرقہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

زونگلی اور کالون کے پیروؤں کے اتحاد سے اصلاح شدہ کلیسا (REFORMED CHURCH) وجود میں آیا۔ یہ لفظ لوتھر کے کلیسا سے تمیز کرنے کے لئے استعمال کیا گیا۔

جان ناکس :۔ جان ناکس ۱۵۰۵ء میں اسکاٹ لینڈ میں پیدا ہوا۔ پہلے۔ یہ بھی رومن کیتھولک کا پادری تھا۔ لیکن پادریوں کی بے راہ روی، بداخلاقی، مسیحی مذہب کی روح سے دُوری اور دنیاوی لالچ نے اسے کلیسا کا باغی بنا دیا۔ اس نے پادریوں کے

خلاف نعرہ بلند کا سلسلہ شروع دیا۔ اس کے باعث اسے جلاوطنی اور نظر بندی کی مصیبتیں اٹھانا پڑیں۔ اٹھارہ سال تک اسے اسیری کی زندگی بسر کرنا پڑی۔ ایڈورڈ ششم کی مداخلت سے اسے آزادی حاصل ہوئی لیکن میری ٹیوڈر MARY TUDOR انگلستان کی ملکہ بنی تو پھر پروٹسٹنٹوں پر مظالم ڈھائے جانے لگے۔ یہ سب لوگ جینوا چلے گئے۔ جان ناکس بھی جینوا چلا گیا اور کالون کے نظریات کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ جب الزبتھ انگلستان کی ملکہ بنی تو پروٹسٹنٹ فرقہ کے لوگ واپس انگلستان لوٹ آئے۔ جان ناکس نے آکر کالونی طرز کے ایک کلیسا کی بنیاد ڈالی جس میں تھوڑا سا ردوبدل کیا گیا یہ کلیسا پریس بی ٹیرینزم (PRESBY TERIANISM) کے نام سے مشہور ہوا۔

ناکس نے اسکاٹ لینڈ میں کیتھولک نظام کو بالکل ختم کر دیا اور ایک ایسے نظام کی بنیاد ڈالی جس میں حکومت اور کلیسا دونوں شامل تھے۔ اس نظام میں عوام کے حقوق کو محفوظ کیا گیا۔ اس میں عمال خادم اور عوام مخدوم کی حیثیت رکھتے تھے۔ ناکس کی یہ رائے تھی کہ حکومت اور کلیسا کے انتظام میں بھی زمانہ کے تقاضے کے مطابق تبدیلی ہونی چاہیئے۔ کوئی ایسا نظام قائم کرنا ممکن نہیں ہے جو ہر زمانہ میں مفید اور قابل عمل ہو۔ کیونکہ حالات کے تحت تقاضے بدلتے رہتے ہیں۔ ان تقاضوں کے مطابق ہی نظام قائم کرنا چاہیئے۔

ناکس کئی کتب کا مصنف ہے، لیکن اس کی سب سے مشہور کتاب، اسکاٹ لینڈ میں "اصلاح مذہب کی تاریخ"

HISTORY OF REFORMATION OF RELIGION WITHIN REALM OF SCOTLAND ہے۔

## ردعمل اصلاحی تحریک

اصلاحی تحریک کے اثر سے لوگ چرچ کو چھوڑ رہے تھے۔ کلیسا کے عہدیداروں میں احساس پیدا ہو گیا کہ اگر اسی طرح لوگ چرچ کو چھوڑتے ہوئے چلے گئے تو بنیادی چرچ جو حضرت عیسیٰ نے قائم کیا تھا وہ ختم ہو جائے گا اور جب تک اس چرچ میں برائیاں موجود ہیں اسوقت تک لوگ اسے چھوڑتے چلے جائیں گے۔ بعض مخلصین کلیسا نے یہ کوشش کی کہ کیتھولک چرچ میں اصلاح کی جائے۔ اس اصلاحی کوشش کا نام "ردعمل اصلاحی تحریک" ہے۔ مخلصین کلیسا کی کوششوں سے آسٹریا کے مقام ٹرنٹ پر ۱۵۴۵ء، ۱۵۵۲ء میں کونسل کا انعقاد ہوا۔ جس کا ایک مقصد یہ تھا کہ دونوں کلیساؤں کے اختلافات کو ختم کیا جائے۔ لیکن یہ مقصد پورا نہ ہوا۔ اس کے بعد انہوں نے پادریوں کی زندگی کو بہتر اور پاک بنانے کے اصول مرتب کئے۔ جہاں تک پوپ کا تعلق ہے اسکی طاقت کو برقرار رکھا گیا تھا۔

"ردعمل اصلاحی تحریک" کا صرف یہی مقصد نہ تھا کہ صرف چرچ کی برائیوں کو ہی دُور کیا جائے تاکہ لوگ اسے نہ چھوڑیں، بلکہ یہ بھی تھا کہ جو لوگ علیحدگی اختیار کر گئے ہیں انہیں واپس لایا جائے۔ اس مقصد کے لئے ایک مجلس تفتیش و احتساب (INQUISITION) قائم کی۔ اس مجلس کو "ردِعمل اصلاحی تحریک کی تلوار" (SWORD OF THE COUNTER REFORMATION) بھی کہا جاتا ہے۔ ابتدا میں اس مجلس کے چھ بڑے پادری ممبر ہوتے تھے جو رومن ایمپائر میں کام کرتے تھے۔ ان لوگوں کے ذمہ یہ کام سپرد تھا کہ اس شخص کو گرفتار کر لیا جائے جس نے رومن کیتھولک چھوڑا ہے۔ کوشش کریں کہ وہ دوبارہ اپنے مذہب میں لوٹ آئیں ان لوگوں کو جرمنی کے رومن کیتھولک شہزادوں کی مدد حاصل ہو گئی تھی۔ جو کوئی بھی پروٹسٹنٹ مسلک کا اقرار کرتا اسے اسٹیٹ افسران کے سپرد کر دیا جاتا تھا تاکہ وہ اسے سزا دیں۔

رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹوں کے درمیان جو لڑائیاں ہوئیں ان کا یہاں طوالت کے خوف سے تذکرہ کرنا ممکن نہیں۔ بے شمار پروٹسٹنٹوں کو سنگین ترین سزاؤں کا نشانہ بنایا گیا۔ ان میں سے انگلستان کے آرچ بشپ کرین مراور اس کے دو ساتھی بھی تھے۔

کرین مر کو ۱۵۵۵ء میں دو اور بڑے پادریوں لیمٹر اور ریڈلے کے ساتھ پروٹسٹنٹ ہونے کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا۔ پہلے تو کرین مر نے کمزوری دکھائی اور پروٹسٹنٹ مسلک سے علیحدگی کا اعلان کر دیا، مگر ضمیر نے اسے جھنجھوڑا اور زجر و توبیخ کے تازیانے مارے، آخر کار دوبارہ پروٹسٹنٹ ہونے کا اعلان کر دیا۔ دوبارہ پکڑا گیا اور دہکتی ہوئی آگ میں جلا دینے کی تجویز ہوئی۔ جب اسے جلانے لگے تو اس نے سب سے پہلے اپنا ہاتھ یہ کہتے ہوئے آگ کے سپرد کر دیا: "یہی وہ گنہ گار ہاتھ ہے جس سے میں نے وہ غلط اور بزدلانہ توبہ نامہ لکھا تھا۔"

اس موقع پر لیٹمر نے جو الفاظ اپنے دوسرے ساتھی ریڈلے سے کہے تھے وہ بھی مسیحی تاریخ میں سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں: "ریڈلے! یہ کام ہمیں مردانہ وار کرنا چاہیئے۔ آج ہم خدا کے فضل سے انگلستان میں وہ شمع روشن کر رہے ہیں جو ہمیشہ فروزاں رہے گی اور کبھی نہ بجھے گی۔"

۱۵۳۴ء میں ایک اور سوسائٹی جیسوٹ (ORDER OF JESUITS) کی تشکیل ہوئی۔ اس کا بانی اگنیٹس لویولا (IGNATIUS LOYULA) تھا۔ یہ اسپین کا باشندہ تھا۔ اس سوسائٹی کے افراد کے لئے حسب ذیل شرائط تھیں:

۱۔ باعصمت اور مفلسی کی زندگی بسر کرنا۔

۲۔ تائد کی اطاعت و فرمانبرداری۔

۳ - تبلیغ کے ذریعہ اپنے نظریات کی اشاعت ۔
اس سوسائٹی کی جدوجہد سے فرانس اور جرمنی میں کیتھولک مذہب دوبارہ قائم ہوگیا ۔

**کلیسائے انگلستان CHURCH OF ENGLAND** : چھٹی صدی عیسوی کے اواخر میں عیسائیت کا پودا آگسٹائن کے ہاتھوں انگلستان کی سرزمین میں بویا گیا ، اور رومی کلیسا کی ایک شاخ قائم کردی گئی ۔ سولہویں صدی عیسوی تک انگریزی کلیسا رومی کلیسا کے زیر اثر رہا ۔

انگلستان میں بھی بہت ہی شروع میں اصلاحی مذہب کی تحریکات چلائی گئیں ۔ لیکن ان کو کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی ۔ بینی ڈکٹنی فرقہ (BENEDICTINES) انگلستان میں مقبول ہوگیا ۔ اس فرقہ کا بانی سینٹ بینی ڈکٹ (ST. BENEDICT) ہے ۔ یہ لوگ راہبانہ زندگی بسر کرتے ہیں ۔ قانون کی حتی الامکان پابندی کے قائل ہیں اور ذاتی ملکیت کو جائز قرار نہیں دیتے ۔

چودھویں اور پندرھویں صدی میں جان وائی کلف کے متبعین کے ایک فرقہ لولرڈ نے انگلستان میں مقبولیت حاصل کرلی ۔ یہ فرقہ کاہنوں کی متجردانہ زندگی ، کلیسہ کی آرائش و زیبائش مُردوں کے لئے دُعا ، مورت پرستی ، جنگ اور سزائے موت کے خلاف تھا ۔ ہنری چہارم کے زمانہ میں یہ فرقہ ہدف مظالم بنا رہا ۔ ہنری پنجم کے عہد میں مظالم اور مصائب اپنی انتہائی صُورت اختیار کرگئے ۔ بے شمار سربرآوردہ لوگ زندہ نذر آتش کردیئے گئے اور وقتی طور پر یہ تحریک دب گئی ۔

سولہویں صدی عیسوی میں بادشاہ اور پوپ کے درمیان اقتدار کی کشمکش کا آغاز ہوا ۔ اس وقت ہنری ہشتم انگلستان کا بادشاہ تھا ۔ ہنری یہ چاہتا تھا کہ وہ اپنی بیوی کیتھرائن کو طلاق دے دے ، لیکن پوپ نے اجازت نہ دی ۔ طلاق پوپ کی رضامندی کے بغیر نہیں ہوسکتی تھی ۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہنری نے انگریزی کلیسا کو رومی کلیسا سے الگ کرلیا ۔ اور کلیسائے انگلستان کے نام سے ایک نئے کلیسا کی بنیاد رکھی ۔ اس کلیسا کا سربراہ خود بادشاہ تھا ۔ انگریزی اور رومی کلیسا میں صرف ایک ہی فرق تھا کہ یہاں دعائیں انگریزی زبان میں پڑھی جاتی تھیں اور رومی کلیسا میں لاطینی زبان میں ، باقی تمام مذہبی رسوم وہی تھے نہیں یا پائے روم کی سند حاصل تھی ۔ حتی کہ بادشاہ پوپ کے عطا کردہ خطاب "محافظ ملت" سے بھی دست بردار نہیں ہوا تھا ۔

ملکہ الزبتھ اول کے عہد میں انگریزی کلیسا نے رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ عقائد کے لحاظ سے درمیانی راستہ اختیار کر لیا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ جب کوئی رومن کیتھولک حکمران برسر اقتدار آتا تو وہ پروٹسٹنٹوں پر مظالم کے پہاڑ توڑتا اور جب کوئی پروٹسٹنٹ حکمران عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیتا تو رومن کیتھولکوں کو مظالم کا نشانہ بناتا عوام مظالم سے نجات دلانے کے لئے کلیسائے انگلستان نے ایسی درمیانی راہ اختیار کر لی گو یہ روش بھی عارضی تھی۔

سترھویں صدی عیسوی میں پیوریٹن تحریک (PURITANS) وجود میں آئی جس کی تمام تر کوشش یہ تھی کہ انگریزی کلیسا رومن کلیسا کے طرز عمل اور عقائد کو ترک کر دے۔ پھر تحریک انابسٹسٹ (ANABASTISTS) منصہ شہود پر آئی۔ اس کے لفظی معنی ہیں: دوبارہ بپتسمہ لینے والے۔ وہ بالغ لوگوں کو دوبارہ بپتسمہ لینے پر مجبور کرتے تھے۔ ۱۶۱۱ء میں تھامس ہلویس (THOMAS HELWYS) نے بپٹسٹ BAPTIST کلیسا کی بنیاد ڈالی۔ اس کو قید کر دیا گیا اور قید خانے میں ہی اس کا انتقال ہو گیا۔ ۱۶۶۰ء تا ۱۶۸۹ء کا زمانہ ان لوگوں کے لئے نہایت ہی کٹھن اور آزمائش کا زمانہ تھا۔ بعد میں مصائب کے بادل چھٹ گئے اور آزادی سے اپنے نظریات کی تبلیغ و اشاعت کرنے لگے۔ یہ فرقہ بھی بعض ذیلی فرقوں میں منقسم ہو گیا۔

ایک اور فرقہ جس نے انگریزی کلیسا کی مخالفت کی وہ کویکر (QUACKER) کے نام سے مشہور ہوا۔ اسکا بانی فاکس تھا۔ کویکر کے معنی ڈرنے والے کے ہیں۔ جب فاکس ایک عدالت میں پیش کیا گیا تو اس نے جج سے کہا تھا: "خدا سے ڈرو"۔ اس وقت اس کے پیروکار اور متبعین اسی نام سے موسوم ہو گئے۔ اس فرقہ کے لوگ اپنے آپ کو انجمن احباب (SOCIETY OF FRIENDS) یا احباب صداقت کہتے تھے۔ اس فرقے کے کوئی خاص متعین عقائد نہیں تھے۔ اس وجہ سے جو بھی اس فرقہ میں داخل ہوتا تھا اس سے کوئی بھی عہد نہیں لیا جاتا تھا۔ ان کے ہاں نہ تو کسی پادری کی کمی تھی اور نہ کسی کلیسا کی۔ ان کا یہ نظریہ تھا کہ حقیقی مذہب انسان کے دل میں ہوتا ہے، جو روح القدس کی طرف سے ملتا ہے۔ اس وجہ سے جس شخص کو بھی

موعظہ و نصیحت کر سکتا ہے۔ اس فرقہ کے لوگ مذہبی رسوم کے قائل نہیں۔ ان کا یہ نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاموشی سے ہم کلام ہونا ہی سب سے بڑی عبادت ہے۔ یہ فرقہ مرد اور عورت کو مساوی حقوق دینے کا حامی تھا۔ ان عقائد کی وجہ سے اس فرقہ کی تمام فرقوں نے شدید مخالفت کی اور انکو نہایت ہی سفاکی سے قتل کیا گیا۔

## عیسائیت اور عصر جدید

### عیسائیت کے جدید معتقدات اور اسلام کا اثر

عصر جدید عقل اور سائنس کا دور ہے۔ اس دور میں غیر عقلی عقائد کی اشاعت اور ترویج نہیں ہو سکتی۔ اس وجہ سے اب مشاہیر کلیسا نے پولوسی عقائد سے انحراف شروع کر دیا ہے۔ اور اسلام کے زیر اثر ایسی تشریح شروع کر دی ہے جو اسلامی روح کے قریب ہے۔ اس انحراف اور عیسائیت کے جدید عقائد کا جائزہ لیا جاتا ہے تاکہ اسلام کی حقانیت اور عیسائیت کے مروجہ عقائد کا کھوکھلا پن واضح ہو جائے۔

موجودہ عیسائیت پولوس کا مذہب ہے، نہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا۔ کیونکہ عیسائیت کی مروجہ تعلیم کا نشان تک اناجیل میں نہیں ملتا۔ عیسائیت میں عقائد کی تمام خرابیاں پولوس سے پیدا ہوئی ہیں۔ اس امر کا اعتراف عیسائی مصنفین نے بھی شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ حال ہی میں نیو امریکن لائبریری نے ہربرٹسلر کی ایک کتاب دی یوسس آف دی پاسٹ شائع کی ہے، جس میں مصنف نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ موجودہ عیسائی عقائد سینٹ پال نے اختراع کئے تھے۔ چنانچہ تحریر کرتا ہے:

"پولوس نے اولین کام یہ کیا کہ مسیح کے حقیقی تاریخی وجود کو اپنے خیالات کی بھینٹ چڑھا دیا .... اس نے یہ خیال پیش کیا کہ نجات صرف مسیح کے ذریعہ وابستہ ہے۔ اس نے خود اپنی اور عام بنی نوع انسان کی بدیوں پر نگاہ رکھتے ہوئے عیسائیت کے عقائد کا بنیادی پتھر مسیح کا نجات دہندہ ہونا بیان کیا، جس کے ذریعہ سے آدم کے ہبوط سے لے کر اب تک تمام گناہوں کا کفارہ ہوا ہے۔ پولوس نے بڑے خلوص کے ساتھ اس انجیل کی منادی کی جسکی تعلیم مسیح نے اپنی اناجیل میں قطعاً نہیں دی .... یہی وجہ ہے کہ آج کل کے محققین پولوس کی کامیابیوں کو بنظر استحسان نہیں دیکھتے۔ چنانچہ برٹرانڈ شاہ اس کے متعلق تحریر کرتا ہے:

"یہ پولوس ہی تھا کہ جس نے اس مذہب کو جو صرف ایک انسان کو گناہ اور موت سے نجات دیتا ہے ایسے مذہب میں تبدیل کر دیا ہے کہ جس سے اب کروڑوں انسان اپنے آپ

کو آزاد سمجھتے ہیں۔ حالانکہ انکی فطرت صحیح ان کو ملامت کرتی ہے اور وہ مذہبی تملی سے معرا ہیں"۔[۱]

پھر لکھتا ہے:

"پولوس ہی وہ سب سے پہلا انسان ہے کہ جس نے دوسرے دنیاؤں کیطرح یہ عقیدہ مسیح کے متعلق پھیلایا کہ اس نے جان بوجھ کر اپنے آپ کو بنی نوع انسان کی نجات کے لئے وقف کر دیا ..... تاریخی طور پر بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ نجات دہندہ کا مترادف لفظ قربانی کا بکرا (SCAPE GOAT) ہے۔ پرانے لوگ ایک بکرے کے سر پر اپنے گناہوں کا بوجھ رکھ کر اسے جنگل کی طرف ہانک دیتے یا پہاڑ کی چوٹی سے دھکا دے دیتے"۔[۲]

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی محققین نے یہ اعتراف کرنا شروع کر دیا ہے کہ موجودہ مروجہ عیسائیت پولوس کی اختراع ہے۔ مسیح کی تعلیمات کا ان باطل عقائد سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

**پولوس کون تھا:** ۔ اس کا نام ساؤل تھا۔ یہود النسل تھا اور کلکیہ کے شہر ترسیس میں پیدا ہوا۔ اور گملی ایل نے اس کی تعلیم و تربیت کی۔ شروع میں مسیح حواریوں کا شدید مخالف اور معاند تھا۔ اچانک اُس نے عیسائیت قبول کر لیا اور اس نے دعویٰ کیا کہ دمشق کے راستہ میں مجھ پر ایک نور چمکا ہے اور آسمان سے حضرت مسیح کی آواز سنائی دی کہ "تو مجھے کیوں ستاتا ہے"؟ اس واقعہ سے متاثر ہو کر عیسائیت قبول کر لی۔ پولوس نے جب حواریوں کے درمیان پہنچ کر اس بات کا اعلان کیا تو اکثر حواری اسکی بات نہ مانے۔ لیکن پہلے برنا باس حواری نے اسکی تصدیق کی۔ اور انکی تصدیق سے مطمئن ہو کر تمام حواریوں نے اسے اپنی برادری میں شامل کر لیا۔ ساؤل نے اپنا نام بدل کر پولوس رکھ لیا اور تبلیغ کرنا شروع کر دی اور الوہیت، کفارہ، حلول وغیرہ کے عقائد ایجاد کئے۔

**پولوس کی مصلحت بینی:** ۔ پولوس خود کہتا ہے۔ "میں یہودیوں کے لئے یہودی بنا تاکہ یہودیوں کو کھینچ لاؤں۔ جو لوگ شریعت کے ماتحت ہیں ان کیلئے میں شریعت کے ماتحت ہوا تاکہ شریعت کے ماتحتوں کو کھینچ لاؤں۔ بے شرع لوگوں کے لئے بے شرع بنا تاکہ بے شرع لوگوں کو کھینچ لاؤں ..... کمزوروں کے لئے کمزور بنا تاکہ کمزوروں کو کھینچ لاؤں۔ میں سب آدمیوں کے لئے سب کچھ بنا ہوا ہوں تاکہ کسی طرح بعض کو بچاؤں"۔[۳]

---

[۱] ص ۱۱۶

[۲] دی یوسس آف دی پاسٹ ص ۱۵۹

[۳] کرنتھیوں ۱۹: ۱۱ - ۲۲

اس بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ پولوس کا مطمع نظر حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم کی اشاعت نہ تھا، بلکہ منافقت سے دوسروں کے عقائد اور نظریات کا لبادہ اوڑھ کر حضرت مسیح کا منوانا مقصود تھا۔

صحائف مقدسہ کے متعلق جدید رجحانات:۔ یونائیٹڈ پریس بائی ٹیرین چرچ مشہور اور بااثر فرقوں میں سے ہے۔ سولھویں صدی کے دوران میں جب پروٹسٹنٹ کی تحریک برطانیہ میں پھیلنی شروع ہوئی تو اسکی جو شاخ سکاٹ لینڈ میں زیادہ مقبول اور بااثر ہوئی وہ پریس بائی ٹیرین کہلائی۔ یہ فرقہ مشہور پروٹسٹنٹ لیڈر جان کالون (JOHN CALVIN) کے خیالات کا ترجمان تھا۔ بعد میں یہ فرقہ سکاٹ لینڈ سے انگلینڈ، ویلز، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور ممالک متحدہ امریکہ کے علاوہ دنیا کے اور کئی ممالک میں پھیل گیا۔ اس فرقہ سے تعلق رکھنے والے کئی کروڑ ہیں۔ ایشیا، افریکہ، پاکستان اور ہندوستان میں ان کے تبلیغی مشن اور تعلیمی مرکز قائم ہیں۔

سولھویں صدی کے دوران میں چرچ کو منظم کرنے کے لئے ایک مسودہ باتفاق رائے تسلیم کیا گیا، اسے ویسٹ منسٹر کنفیشن (WEST MINSTER CONFESSION) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس مسودہ میں بائبل کے متعلق مندرجہ ذیل عقیدہ بیان کیا گیا ہے۔

"کتاب مقدس کی اتھارٹی جس کی بناء پر اس پر ایمان لانا اور اسکی اتباع کرنا لازمی ہے وہ نہ کسی ایک شخص کی شہادت پر مبنی ہے نہ چرچ کی تصدیق پر، بلکہ کلیتہً خدا تعالیٰ پر جو ذات حق ہے اور کتاب مقدس کا مصنف ہے۔ اس لئے اس کتاب کو اس وجہ سے تسلیم کرنا چاہیئے کہ یہ خدا کا کلام ہے۔"

تقریباً پانچ سو سال تک پریس بائی ٹیرین چرچ کے معتقدین کا یہ عقیدہ رہا کہ بائبل الہامی ہے اور جزو ایمان ہے۔ آخر کار علماء چرچ اس امر پر مجبور ہو گئے کہ وہ اس نظریہ پر نظر ثانی کریں۔ چنانچہ ۱۹۶۷ء میں ایک تازہ مسودہ تیار کیا گیا جس کو ۱۹۶۷ء کی کنفیشن کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس مسودہ میں بائبل کے متعلق لکھا ہے:

"اگرچہ صحائف مقدسہ روح القدس کی راہنمائی میں تفویض ہوئے لیکن پھر بھی وہ انسان کا کلام ہیں۔ ایسے انسانوں کا کلام جو محاورات زبان، اظہار خیال کی مختلف اشکال اور اپنے زمانہ اور مقام جن میں وہ صحائف لکھے گئے ادبی اسلوب سے متاثر تھے۔ ایسے انسان جو زندگی، تاریخ اور جو کائنات کے متعلق ان نظریات کا انعکاس کرتے ہیں جو اس زمانہ میں مروج تھے۔ اس لئے چرچ کا فرض ہے کہ وہ اس تاریخی اور ادبی تفہیم کے ساتھ ہی انکی طرف توجہ کرے۔

سولہویں صدی کی ویسٹ منسٹر کنفیشن اور ۱۹۶۷ء کی کنفیشن کے دستور اساسی میں بائبل کے بارہ میں بیّن اور مبرہن فرق ہے۔ سابقہ دستور بائبل کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ اور انسانی دست برد سے پاک قرار دیتا ہے، نیا مسودہ اس کو انسانوں کی تصنیف قرار دیتا ہے۔

مارچ ۱۹۲۲ء میں ڈین انجی (سینٹ پال کے بڑے پادری) نے ایوننگ سٹینڈرڈ میں ایک مضمون لکھا جس میں آپ کہتے ہیں:

"معاملہ تصنیف میں کامیاب سے کامیاب فریب اگر کہیں ہوا تو کلیسا میں ہوا۔ ابتدائے عیسائیت ہی میں ایک وقت آگیا جب کسی کتاب کی عزت تو یہی ہوتی تھی جب اسے کسی بڑے نام پر منسوب کر دیا جائے؛ بکثرت جعل سازی شروع ہوگئی اور آج ہم وثوق کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ عہد نامہ جدید میں بھی یہ کتابیں جن کے نام پر منسوب ہیں وہ انہی کی ہیں یا نہیں۔ پطرس کا دوسرا خط تو بالاتفاق اس کا نہیں اور عہد نامہ جدید کی بعض کتابوں کی صحت شبہ سے خالی نہیں ہے۔"

رومن تواریخ کلیسا مطبوعہ مرنا پور ۱۸۵۶ء صفحہ پر لکھا ہے:

بہت سی مسیحی کتابیں خود لکھ کر کسی حواری مسیح یا حواری مسیح کے کسی خادم یا کسی بڑے اسقف کے نام سے مشہور کر دیتے تھے۔ ایسی جعلی کارروائیاں تیسری صدی عیسوی سے شروع ہوئیں اور کئی سو برس تک جاری رہیں۔ یہ نہایت ہی خلاف حق اور قابل شرم حرکت تھی۔"

ڈاہرن صاحب اپنی تفسیر بائبل مطبوعہ لندن ۱۸۲۳ء جلد دوم صفحہ ۳۲۱ پر رقمطراز ہیں:

بلا شبہ بعض تحریفیں جان بوجھ کر ان لوگوں نے کی ہیں جو دین دار، پرہیزگار اور راہب تھے۔ غضب یہ ہے کہ بعد میں انہی تحریفات کے سچا ہونے پر اصرار کیا جاتا تھا تاکہ اپنے مطلب کو قوت دیں یا اپنے پر کوئی اعتراض نہ آنے دیں۔"

**تردید الوہیت و بنیت:** مروجہ عیسائیت کی بنیاد ہی الوہیت پر ہے۔ اب علماء مسیحیت اس عقیدہ سے بھی بیزار نظر آتے ہیں۔

۹ اگست ۱۹۱۷ء کو گرٹن کالج کیمبرج میں ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں چوٹی کے پادری صاحبان نے شرکت کی۔ سینٹ پال کے گرجا کے بڑے پادری ڈین انجی صاحب نے جو ایک مشہور فاضل ہیں ایک مقالہ پڑھا۔ زیر بحث سوال یہ تھا کہ "کیا مسیح نے موجودہ کلیسا قائم کیا؟" ڈین موصوف نے دوران تقریر بیان کیا کہ "مسیح اپنے معاصرین میں ایک نبی کی

---

لہ بیان المسیحیت مصنفہ خواجہ کمال الدین صاحب صفحہ

حیثیت میں ظاہر ہوئے۔ اُنہوں نے کبھی موسوی تعلیم سے انحراف نہیں کیا۔ نہ کوئی نئی تعلیم دی، نہ موسوی مذہب کے مقابل کوئی نیا مذہب قائم کیا۔ روحانی معاملات میں وہ بالضرور آزادی چاہتے تھے، لیکن اپنے ملک اور وقت کی باتوں کو اُنہوں نے قبول کیا۔ اس پر یہودی مذہب سے جدائگی تو ایک لازمی امر تھا، لیکن مسیح نے عیسائیوں کے لئے کوئی اصول یا تعلیم خود تجویز نہیں کیا۔" [1]

اگست ۱۹۲۱ء میں بمقام آکسفورڈ ریشڈل ڈین کارلائل نے مسئلہ الوہیت پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر ہم مسیح کے نام یا ذات کے ساتھ الوہیت کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس لفظ کے مفہوم میں ذیل کی باتیں کبھی ذہن میں نہیں رکھتے:

**اوّل:**۔ جناب عیسیٰ نے کبھی اپنی ذات کے لئے الوہیت کا دعویٰ نہیں کیا۔ یہ ممکن ہے کہ دوسرے اسے مسیح کو کہتے رہے ہوں اور اس نے انہیں نہ روکا ہو۔ مگر جو باتیں اس کے اپنے منہ سے نکلی ہیں خواہ وہ نازک سے نازک وقت پر کیوں نہ تھیں، ان سے صاف پایا جاتا ہے کہ جناب عیسیٰ خدا کے ساتھ اپنا رشتہ خدا اور انسان کا سمجھے۔ چوتھی انجیل (یعنی یوحنا) میں اگر ان کی بعض تقریریں اس بات سے آگے جاتی ہیں تو وہ تاریخی پایہ سے گری ہوتی ہیں

**دوم:**۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسیح ہر معنوں میں انسان تھے۔ وہ مجسّمًا ہی خدا نہ تھے بلکہ ان کی رُوح قوت تعقل، قوت ارادی سب انسانی تھی۔

**سوم:** یہ بھی قدیمی عقیدہ نہیں کہ مسیح کی انسانی روح ازل سے موجود ہے۔ ہاں اگر کل انسانوں کی روحیں قدیم سے موجود ہوں تو یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے لیکن یہ مسلمہ عقیدہ نہیں۔

**چہارم:** الوہیت مسیح سے بھی لازم نہیں آتا کہ وہ بن باپ پیدا ہوئے تھے یا صاحب معجزہ تھے۔ اگر تاریخیًا ان کی پیدائش ایسی ہی ثابت ہو تو بھی یہ الوہیت کا مظہر نہیں۔ اور اگر یہ امر ثابت نہ ہو تو اس سے بھی اس مسئلہ میں فرق نہیں آتا۔

**پنجم:** مسیح کی الوہیت علم غیب یا علم کل پر مشتمل نہیں۔ اس بات کے فرض کرنے کی بھی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ مسیح کا علم اپنے معاصرین سے کوئی زیادہ تھا (مثلاً) جنوں کا سر سے نکالنا (آج اگر) اسے ایک دماغی مرض سمجھا گیا ہے (اور مسیح کے معاصر اسے جن سمجھتے تھے) تو مسیح بھی ایسا ہی سمجھتے تھے۔ آج اگر توریت کی پہلی کتابوں اور مزامیر کے مصنف کے متعلق کوئی اور رائے ہے تو اس سے بھی مسیح ناواقف تھے۔ اس امر سے انکار نہیں

---

[1] ینابیع المسیحیت مصنفہ خواجہ کمال الدین ص۲۹۔

ہو سکتا کہ جناب مسیح کو کچھ آئندہ کی توقعات تھیں لیکن تاریخ نے انہیں پورا نہیں کیا۔[1]
ڈین موصوف کی تقریر یہ ظاہر کرتی ہے کہ مسیح علیہ السلام انسان تھے نہ کہ خدا یا اس کا بیٹا۔

ریورنڈ میجر پرنسپل ریمن ہال کالج آکسفورڈ نے اس مباحثہ میں افتتاحی تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "جناب مسیح نے نہ تو جسمانی معنوں میں ابن اللہ ہونے کا دعویٰ کیا جیسا کہ بن باپ ہونے والے قصے سے اخذ کیا جاتا ہے، نہ انہوں نے ذہنی (روحانی) معنوں میں ایسا دعویٰ کیا جیسا کہ نیقہ کی کونسل نے قرار دیا۔ انہوں نے اخلاقی معنوں میں ایسے ہی اپنے آپ کو خدا کا بیٹا ظاہر کیا جیسے کہ ہر ایک انسان خدا کا بیٹا کہلا سکتا ہے۔ یعنی انسان میں اور خدا میں ایک قسم کا باپ بیٹے کا رشتہ اس طرح سے ہے کہ انسان ان اخلاق کو ظاہر کرے جو خدا کے ہیں۔"[2]

ریورنڈ اون نے اس مسئلہ کو اور زیادہ واضح کر دیا ہے۔
"اگر ہم خدا کے بچے ہیں تو ہم میں الوہیت ہے۔ لیکن اگر الوہیت مسیح ہماری الوہیت سے الگ ہے تو پھر وہ ہم جیسے نہیں۔ لہٰذا ہم اس جیسے نہیں ہو سکتے، لیکن وہ تو ہمیں اپنے جیسا بننے کو کہتے ہیں۔"[3]

**معجزات مسیح کی نئی تشریح:۔** معجزات مسیح کی جو نئی تشریح کی جاتی ہے وہ صریحاً مسلمہ عقائد کے خلاف ہے۔ ریمن ہال کالج (مدرسۃ الہیات) آکسفورڈ کے پرنسپل ریورنڈ ڈاکٹر میجر نے مسیح کے قبر سے جی اٹھنے سے انکار کر دیا ہے اور کہا ہے کہ "ان کا موت کے بعد جی اٹھنا روحانی ہے جسمانی نہیں۔"[4]

کنواری کے پیٹ سے پیدا ہونے کی کہانی کے متعلق پروفیسر نرکل پیٹیس نے ۱۲ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو اپنی تقریر میں کہا کہ اس کا پتہ پرانی روایات میں نہیں ملتا۔ اور یہ قصہ اگر انجیل میں داخل کیا گیا تو اس لئے کہ اس سے مسیح کی خدائی متوانا مقصود تھی۔ بلکہ اس لئے کہ انسان سمجھا جائے کیونکہ اس زمانے میں ایک عقیدہ بھی تھا کہ مسیح دراصل روح ہی روح ہے اور

---

[1] نیا بیع الیسوعیت ص ۲۲۰۳۱۔
[2] نیا بیع المسیحیت ص ۳۷۔
[3] نیا بیع المسیحیت ص ۳۹۔
[4] نیا بیع المسیحیت ص ۴۳۔

س میں کوئی انسانی جسم کا حصہ نہیں۔ لہٰذا ایک عورت کے پیٹ سے پیدا ہونا اس کی جسمانیت ثابت کرنے کے لئے تجویز کیا گیا۔"[1]

**بنی آدم فطرتی گناہ گار ہے:** ۔ مروجہ عیسائیت کی بنیاد الوہیت مسیح اور کفارہ مسیح ہے۔ کفارہ کی ضرورت آدم کے گناہ سے پیدا ہوتی ہے۔ مسیحیت کی کفارہ کے متعلق یہ توجیح ہے کہ "آدم نے گناہ کیا۔ یہ گناہ انسان کی فطرت میں آگیا۔ اس سے انسان مستوجب سزائے بدی ٹھہرا۔ محبت خدا نے عذاب سے بچانا چاہا۔ عدل کے تقاضے نے سزا دینا ہی کفارہ کی ضرورت بڑی۔ کوئی اور انسان فطرتاً گناہ گار ہونے کے کفارہ ہو سکا۔ آخر خدا خود کفارہ ہوا۔"[2]

اس کہانی سے یہ صاف واضح ہوتا ہے کہ مقبولہ مسیحیت کی بنا، قصہ آدم مندرجہ کتاب پیدائش ہے۔ علماء مسیحیت کے نزدیک قصہ آدم غلط ہے۔ ولیٹ منسٹر گرجا کے ڈین نے (جو لنڈن کا شاہی گرجا ہے) بچوں کے نصاب تعلیم کے مذہبی حصے پر بحث کرتے ہوئے ایک جلسہ میں فرمایا کہ اگر ہم اس نصاب میں کتاب پیدائش کی کہانیاں رکھ دیں تو آئندہ نسل یہی سمجھے گی۔ کہ ہمارا معیار صداقت بہت ادنیٰ درجے کا ہے۔"[3]

یہ حوالہ ظاہر کرتا ہے کہ ڈین کے نزدیک کتاب پیدائش کی کہانیاں صداقت سے خالی ہیں۔ جب بقول ڈین قصہ آدم غلط ہے تو پھر مقبولہ اور مروجہ مسیحیت کی کہانی غلط اور باطل ہو جاتی ہے۔

## "یہوواہ وٹنس" تحریک

**یہوواہ کے تلفظ میں اختلاف اور اسکے معنی:** ۔ یہود کو خدا کا خاص نام لینے کی اجازت نہ تھی۔ صرف سال میں ایک مقدس دن میں سب سے مقدس انسان بیت المقدس کے اندر ایک دفعہ خدا کا نام لیتا تھا۔ اور لوگ خاموشی سے سنتے تھے۔

مسورہ (عبری عہد عتیق میں) میں جہاں جہاں یہ لفظ آتا ہے وہاں اس سے پہلے دو نقطے ضرور آتا ہے۔ اس ادونی کو دیکھتے ہی تلاوت کرنے والا رک جاتا کہ اسکی تلاوت نہ کرتا۔ ادونی ایک سرخ خطرہ کا نشان ہے۔ یہود میں صرف اس نام کی تلاوت ہی ناجائز اور ممنوع نہ تھی بلکہ خلاف ورزی کرنے والے کو سزا دی جاتی تھی۔

---

[1] نیا بیع المسیحیت صفحہ ۴۳۔
[2] نیا بیع المسیحیت صفحہ ۲۵۔
[3] نیا بیع المسیحیت صفحہ ۲۵۔

خدا کے نام کی عدم تلاوت کی وجہ سے یہود صحیح تلفظ بھول گئے اور اب اس لفظ کی مختلف تعبیرات ہیں: یہوداہ، یہوہ، یہوہ، یہوہ۔ سائیکلوپیڈیا ببلیکا میں اس کا صحیح تلفظ یہوہ لکھا ہے۔ لفظ یہوہ ایوالڈ EWALD کے خیال میں یاہو کی مختصر شکل ہے، اے وہ (جو ہے)

بائبل میں یہ لفظ ۶۸۲۳ مرتبہ آیا ہے۔

(AUTHORISED VERSION) جو کنگ جیمز کے زمانہ میں چھپی تھی اس میں خروج (۳: ۶) زبور (۸۳: ۱۸) یسعیاہ (۲۶: ۴) میں (JEHOVAH) کا لفظ موجود ہے۔ امریکن سٹینڈرڈ ورشن میں ہر جگہ (JEHOVAH) کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

سب سے قدیم نسخوں میں (YHWH) کے حروف استعمال ہوئے تھے۔

غرض کہ یہوواہ کا صحیح تلفظ متعین کرنا مشکل ہے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بائبل کی رو سے یہ خدا کا نام ہے، جیسا کہ خروج (۶: ۳) میں لکھا ہے:

"پھر خدا نے موسیٰ کو فرمایا اور کہا میں خداوند ہوں اور میں نے ابراہام اور اضحاق اور یعقوب پر خدائے قادر مطلق کے نام سے اپنے آپ کو ظاہر کیا اور یہوواہ کے نام سے ان پر ظاہر نہ ہوا۔

یہ حوالہ ظاہر کرتا ہے کہ خدا نے اپنا خفیہ نام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ظاہر کیا۔ وٹنسز انگریزی لفظ ہے، جس کے معنی ہیں گواہ۔ پس یہوواہ وٹنسز کے معنی ہیں: گواہانِ خدا"

## یہ تحریک کس طرح، کب اور کہاں سے شروع ہوئی: - چارلس ٹیز رسل

(CHARLES TAZE RUSSELL) جو یہوواہ وٹنسز کے پیش رو ہیں، پٹس برگ امریکہ میں ۱۶ فروری ۱۸۵۲ء کو پیدا ہوئے۔ انہیں بچپن میں بائبل پڑھنے کا از حد شوق تھا۔ اکثر وقت بائبل کے مطالعہ میں صرف کرتے۔ پندرہ سولہ کی عمر میں بائبل پر غور و خوض کرنے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ عیسائیت کے مروجہ اور مقبولہ عقائد باطل ہیں۔ وہ اکثر اس بات پر غور و فکر کیا کرتا تھا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ بعض انسانوں کے لئے ابدی جہنم کی سزا مقرر کی جائے۔ مسیح ناصری کی آمد بھی اس کی دلچسپی کا خاص مرکز تھا۔

**بائبل کلاس کا اجراء:** - بائبل کے مطالعہ کو رواج دینے کے لئے رسل نے اپنے چند دوستوں کو ساتھ ملایا اور ۱۸۷۰ء میں ایک بائبل کلاس جاری کی۔

**مسیح کی آمد ثانی کے متعلق عقیدہ:** رسل اور اس کے ساتھیوں کا مسیح کی آمد ثانی کے متعلق یہ عقیدہ تھا کہ ان کی آمد اس دنیا میں روحانی شکل میں ہوگی، جسمانی شکل میں نہیں آئیں

گے ۔ چنانچہ ۱۸۷۴ء میں رسل اور اس کے ساتھیوں نے محسوس کیا کہ یسوع مسیح دوبارہ دُنیا میں واپس آگئے ہیں۔ اور ان کا کام یہ ہے کہ وہ ان تمام لوگوں کو جو ان پر حقیقی ایمان رکھتے ہیں جمع کریں اور غلط عقائد سے نجات دلائیں۔ یہ کام ۱۹۱۴ء تک مکمل کر لیں گے۔ اس کے بعد وہ کفر کی حکومت (GENTILE RULE) کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کا اعلان کریں گے۔ اور پھر خدا کی حکومت قائم ہو جائے گی جس میں ان کے اپنے معتقدین شامل ہوں گے۔

**باربر سے الحاق:** ۔ ۱۸۷۶ء میں این ۔ ایچ باربر کے رسالہ دی ہرلڈ آف دی مارننگ کی ایک کاپی ان کی نظر سے گزری تو اس کے مطالعہ سے اس کو یہ علم ہوا کہ کچھ اور لوگ بھی ہیں جو یسوع مسیح کی آمد ثانی روحانی مانتے ہیں نہ کہ جسمانی۔ چنانچہ رسل اور اسکے بائبل سٹڈی گروپ نے باربر سے الحاق کر لیا۔ اور رسل نے باربر کے پرچے کے ضروری اخراجات مہیا کرنے شروع کر دیئے۔

دو سال کے اندر اندر ان دونوں میں بعض اختلافات پیدا ہو گئے۔ رسل اور اس کے بائبل سٹڈی گروپ نے باربر سے الحاق توڑ لیا اور رسالہ کو مالی امداد دینا بند کر دی۔

**واچ ٹاور رسالہ:** ۔ جولائی ۱۸۷۹ء میں ایک الگ رسالہ جاری کیا، جسکا نام (ZION'S THE WATCH TOWER AND HERLAD)OF CHRIST' PRESENCI رکھا۔ اس پرچے کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں:

"واچ ٹاور کی پہلی جلد کا یہ پہلا شمارہ ہے اور ہم نہیں چاہتے کہ کوئی بات جو اس میں موجود ہونی چاہیئے وہ شائع ہونے سے رہ جائے۔ جس زمانے میں ہم زندگی گزار رہے ہیں یہ آخری زمانہ ہے۔ یہ خداوند کا دن ہے۔ خوشخبری کے زمانے کا آخری حصہ ہے اور اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ نئی دُنیا کا آغاز ہے۔ یہ تمام باتیں ایسی ہیں کہ جو شخص بائبل کا مطالعہ کرے گا وہ انہیں آسانی سے سمجھ سکے گا۔ کیونکہ روح القدس اسکی راہنمائی کرے گا۔ بیرونی شہادتیں بھی اس بات کی طرف توجہ دلا رہی ہیں جو ہم کہتے ہیں۔ ہماری یہ خواہش ہے کہ گھر کے لوگ (یعنی عیسائیت کے پیروکار) اس حقیقت سے آشنا ہوں"۔

مسیح کی آمد ثانی کے پیغام کی اشاعت کے لئے ایک ہزار مبلغین کی ضرورت کا اعلان ان الفاظ میں کیا:

"کیونکہ چرچ یعنی عیسائیت کا نظام خدا کا باغ ہے۔ اور اس باغ میں ہر شخص کے لئے کام موجود ہے۔ خدا نے ہر شخص کو اس کام کے لئے بلایا ہے۔ اگر آپ کے پاس نصف گھنٹہ یا ایک گھنٹہ یا دو تین گھنٹے فارغ ہیں تو اتنا ہی وقت آپ دیں اور خدا اسے قبولیت

عطا کرے گا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ملنے سے کام سے کس قدر برکت ملے گی"۔

اپنے مخصوص نظریات کی اشاعت کے لئے ہر جگہ بائبل کی سٹڈی کے گروپ ترتیب دیئے گئے۔ چنانچہ ۱۸۷۹-۸۰ء میں انہوں نے تیس کے قریب سٹڈی گروپ بنائے۔ اس کے علاوہ اشتہار اور کتابچے شائع کر کے مفت تقسیم کئے۔ لٹریچر کی مانگ اس قدر زیادہ ہو گئی کہ ۱۸۸۱ء میں اس سوسائٹی کی بنا رکھی جس کا نام ZION'S WATCH TOWER TRACT SOCIETY) رکھا۔ ۱۸۸۴ء میں اسے کارپوریشن کی شکل میں تبدیل کر دیا گیا اور اس کا نیا نام WATCH TOWER BIBLE AND TRACT SOCIETY OF PENNSYLUANIA) رکھ گیا۔

۱۹۰۰ء میں انگلستان میں اپنی شاخ کھولی۔ اس کے بعد دنیا کے دیگر حصوں میں کام کرنا شروع کر دیا۔

**وفات:** سی ٹی رسل RUSSELL نے ۱۹۱۶ء میں وفات پائی تو دو ماہ تک کارپوریشن کا کام تین آدمیوں کے ہاتھ رہا۔ جنوری ۱۹۱۷ء میں جے فروتھر فورڈ FRUTHER FORD کارپوریشن کے صدر بنے، اور وہ ۱۹۴۲ء تک اس عہدہ پر کام کرتے رہے۔ ۱۹۴۲ء میں ان کی وفات پر ناتھن ایچ ناز NATHAN H. KNORR کارپوریشن کے صدر منتخب ہوئے۔

اس تحریک سے منسلک لوگ اپنے آپ کو کوئی الگ فرقہ خیال نہیں کرتے۔ ان کا یہ خیال ہے کہ ہر ایک شخص اپنی ذمہ داری اور فرض کو ادا کر رہا ہے۔ ممبروں کی رجسٹریشن نہیں جب کوئی شخص ان کے نظریات سے متفق ہو جاتا ہے تو پہلے اسے بائبل کے مطالعہ کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے، اس کے بعد اس کو یہ اجازت دی جاتی ہے کہ وہ بھی دوسروں سے مل کر نظریات کی اشاعت میں حصہ لے۔

تحریک کے آغاز میں بعض لوگ انہیں بائبل سٹوڈنٹس کے نام سے پکارتے تھے۔ یا "عالمگیر بائبل سٹوڈنٹس"۔ اب بعض لوگ رسلائٹس یا رتھر فورڈائٹس بھی کہتے ہیں ایک لمبے عرصہ تک انہوں نے اپنی تحریک کا کوئی نام نہ رکھا۔ لیکن ۱۹۳۱ء میں امریکہ میں ایک اجتماع ہوا، جس میں اس تحریک کے ممبروں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ انہیں اس نام سے پکارا جائے جس سے خدا تعالیٰ نے انہیں بائبل میں پکارا ہے یعنی یہوواہ وٹنسز HOVAH'S TNESSES) (یسعیاہ کی دو آیات ۸: ۴۴ - ۱۰: ۴۳ میں یہ نام آتا ہے) چنانچہ اس کے بعد یہ تحریک اسی نام سے پکاری جانے لگی۔

گو اس تحریک کو رسل نے شروع کیا تھا، لیکن وہ خود اپنی اس تحریک کو حضرت آدمؑ

کے وقت سے شروع ہونے کی وجہ سے یہوواہ JEHOVAH کو اس کا بانی قرار دیتا ہے۔
چنانچہ (LET COD BE TRUE) کے صفحہ ۲۱۳ پر لکھا ہے:

"اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ موجودہ دور میں رسل اور رتھرفورڈ نے گواہان خدا کے کام میں بہت حصہ لیا ہے، جسطرح اس سے پہلے یسوع مسیح، پال، پطرس، یوحنا، حضرت موسیٰ، ابراہیم، نوح علیہ السلام، ایبل (ABEL) اور متعدد دیگر افراد نے خدا کی گواہی دی تھی۔ لیکن اس مقدس صحیفہ (یعنی بائبل) اور دیگر حقائق سے یہ بات صاف عیاں ہے کہ (GOD JE HOVAH) (خدا یہوواہ) نے خود اس تحریک کا آغاز کیا اور وہ خود اپنے گواہ پیدا کر رہا ہے، اور اس بات کا ثبوت مہیا کرنے کے لئے اس نے انہیں اپنا نام دیا۔"

عیسائیوں کے مروجہ عقائد سے اختلاف:۔ یہوواہ وٹنسز (گواہان خدا) کا عیسائیوں کے مروجہ اور مقبولہ عقائد سے شدید اختلاف ہے۔ اس اختلاف کی وجہ سے بعض فرقے یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ یہ لوگ عیسائی ہی نہیں۔

تثلیث کے متعلق نظریہ:۔ عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا باپ خدا بیٹا اور خدا روح القدس ازلی ابدی ہیں اور تینوں برابر ہیں۔ تینوں مل کر ایک خدا بناتے ہیں۔

یہوواہ وٹنسز (گواہان خدا) اس سے اختلاف کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ایک ایسا وقت بھی تھا جب خدا جس کا اصل نام یہوواہ ہے اکیلا تھا۔

"اس لئے ایک ایسا وقت بھی تھا جب کہ یہوواہ تمام کائنات میں اکیلا تھا۔ تمام تر زندگی قوت اور قدرت متخیلہ اس میں تھیں۔ لیکن یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اکیلا پن محسوس کرتا تھا، کیونکہ وہ اپنے آپ میں مکمل ہے اور کوئی ایسی چیز نہیں جس کی وہ کمی محسوس کرتا ہو۔"

محولا بالا سطور سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہوواہ وٹنسز کے نزدیک حقیقی طور پر خدا ایک ہی ہے۔

یسوع مسیح سے متعلق عقیدہ:۔ عام عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ یسوع مسیح ازلی ابدی ہیں لیکن یہوواہ وٹنسز کے عقیدے کے مطابق وہ خدا کی سب سے پہلی مخلوق ہیں۔

"HE WAS THE 1st OF JEHOVAH GOD CREATION"

یعنی وہ یہوواہ خدا کی سب سے پہلی مخلوق ہیں۔[1]

اسی طرح عیسائیوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ہر چیز یسوع مسیح نے پیدا کی ہے۔ یوحنا کی انجیل میں لکھا ہے:

---

[1] LET GOD BE TRUE P. 35

سب چیزیں اسی کے وسیلہ سے پیدا ہوئیں، اور جو کچھ پیدا ہوا ہے اس میں کوئی چیز بھی اس کے بغیر پیدا نہیں ہوئی"۔ (یوحنا ۱: ۳-۴)

انگریزی میں الفاظ یہ ہیں:

"ALL THINGS WERE MADE BY HIM AND WITHOUT HIM WAS NOT ANYTHING MADE THAT WAS MADE"

یہوداہ وٹنسز (گواہان خدا) کا یہ عقیدہ ہے:

"HE IS NOT THE AUTHOR OF THE CREATION OF GOD"

یعنی خدا کی مخلوق کو انہوں نے نہیں بنایا۔

البتہ وہ یہ کہتے ہیں کہ خدا نے سب سے پہلے یسوع مسیح کو پیدا کیا۔ اور پھر باقی اشیاء کو بنانے کے لئے اس کو اپنا رفیق کار بنالیا۔

جیسا کہ پہلے اس بات کا ذکر ہو چکا ہے کہ عام عیسائی تینوں خداؤں کو برابر کا خدا مانتے ہیں، لیکن یہوداہ وٹنسز کے نزدیک خدا کے برابر خیال کرنا ابلیس کی پیروی کے مترادف ہے چنانچہ "LET GOD BE TRUE" میں لکھا ہے:

"اُس نے شیطان کی پیروی نہ کی۔ اور اپنے آپ کو قادر مطلق خدا کے روبرو پیش کرنے کی سازش نہ تھی۔ نہ خدا کے وقار اور اس کی بلندی کو چرانے کی کوشش کی۔ اس کے بالمقابل اس نے اپنے آپ کو خدا کا ماتحت ثابت کیا۔ اور نہایت عجز کے ساتھ اس بات کا اقرار کیا اور نہایت بے عزتی کی زندگی قبول کی، یعنی بے عزتی کی موت گوارا کی"۔[1]

حضرت مریم کے متعلق نظریہ:۔ کیتھولک عیسائی حضرت مریم کو خدا کی ماں کہتے ہیں، لیکن یہوداہ وٹنسز کہتے ہیں:

"IT IS BLASPHEMOUSLY IMPROPER TO CALL MOTHER OF GOD"

یعنی اسے خدا کی ماں کہنا گستاخانہ حد تک نازیبا ہے۔

یسوع مسیح کی آمد ثانی کے متعلق نظریہ:۔ عام عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ یسوع مسیح کے چند سو بعد آسمان پر چلے گئے۔ وہاں خدا کے داہنے ہاتھ بیٹھے ہیں اور آخری زمانہ میں دنیا میں آئیں گے۔

---

[1] LET GOD BE TRUE

یہوداہ وٹنسز اگو ہان خدا کا یہ نظریہ ہے کہ یسوع مسیح جسمانی طور پر واپس نہیں آئیں گے، کیونکہ وہ اب انسانوں کے زمرہ سے نکل کر فرشتوں میں شامل ہو چکے ہیں۔

جس یونانی لفظ (PAROUSIA) کا ترجمہ "آنا" کیا ہے وہ غلط ہے۔ اس لفظ کا انگریزی ترجمہ (PRESENCE) یعنی موجودگی ہے۔ اور انگریزی بائبل میں بعض جگہوں پر (مثلاً فلپیوں ۲:۱۲) موجودگی یا حاضری ہی ترجمہ کیا گیا ہے۔

"پس اے میرے عزیزو! جسطرح تم ہمیشہ سے فرمانبرداری کرتے آئے ہو، اسی طرح اب بھی نہ صرف میری حاضری میں بلکہ اس سے بہت زیادہ میری غیر حاضری میں ڈرتے اور کانپتے ہوئے اپنی نجات کا کام کئے جاؤ۔"

اس گروہ کے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ۱۹۱۴ء تک شیطان کی حکومت رہے گی، اس کے بعد یسوع مسیح کی حکومت شروع ہو جائے گی۔ گویا یہوداہ وٹنسز کے نزدیک یسوع مسیح روحانی طور پر اس دنیا میں آچکے ہیں، ان کی موجودگی کے دو دلائل دیتے ہیں: ایک تو یہ کہ ۱۹۱۴ء سے دُنیا میں جنگوں اور تباہی کا دَور دَورہ شروع ہو چکا ہے۔ دوسرے یہ کہ ۱۹۱۸ء سے مسیح کی آمد کی اس قدر منادی شروع ہو گئی ہے کہ اس سے پہلے اتنی زیادہ نہیں ہوئی تھی۔ ۱۹۱۹ء سے ۱۹۴۵ء تک یہوداہ وٹنسز نے ارمنالیس کروڑ کتابچے ۸۸ زبانوں میں شائع کئے۔ وہ کہتے ہیں کہ انکی شدید مخالفت کے باوجود اس زور سے اور اس وسیع پیمانے پر منادی صرف اللہ تعالیٰ کی محض توفیق سے ہے

رحمان اور شیطان کی آخری جنگ:۔ مسیح کی آمد ثانی کے متعلق عام عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ دُنیا میں دوبارہ آئیں گے اور ساری دنیا کے اعمال کے لئے ایک عدالت قائم کریں گے۔ اور اپنے ماننے والوں کو جنت اور اعلیٰ زندگی کی خوشخبری دیں گے، اور منکرین کو عذاب الیم کی خبر سنائیں گے۔

لیکن یہوداہ وٹنسز کا یہ نظریہ ہے کہ اس دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے۔ آخری ایک ہزار سال عدالت کا دن ہے۔ جب سے حضرت مسیح آسمان پر گئے تھے خدا یہوداہ نے شیطان کو کھلا چھوڑ رکھا کہ وہ لوگوں راہ مستقیم سے بہکائے۔ جب وہ واپس آئیں گے خدا کی بادشاہت کا زمانہ شروع ہو جائے اور شیطان اور رحمان کی فوجوں کا مقابلہ ہو گا۔ اس جنگ کا نام ارمگدون (ARMAGEDDON) ہے۔ رحمانی فوجوں کے سپہ سالار حضرت مسیح ہوں گے۔ اس جنگ میں شیطان کو شکست ہو گی اور اس کی تمام قوتیں پاش پاش ہو جائیں گی۔ اس زمین پر خدا کی بادشاہت قائم ہو جائے گی اور ہر طرف امن و امان

کا دور دورہ ہوگا۔
اس جنگ کے بعد یسوع مسیح اپنے جسم کو لے کر آسمانی بادشاہت میں داخل ہونگے۔
اور ان کے ساتھ ایک لاکھ چوالیس ہزار (۱۴۴۰۰۰) متبعین ہوں گے۔
(ARMAGEDDON) کو عبرانی زبان میں ہر مجدّون کہتے ہیں۔ یہ لفظ نئے عہد نامے کی کتاب مکاشفہ کے سولہویں باب کی سولہویں آیت میں پایا جاتا ہے:
"دیو شیاطین کی نشانی دکھانے والی روحیں ہیں جو قادر مطلق خدا کے روز عظیم کی لڑائی کے واسطے جمع کرنے کے لئے ساری دنیا کے بادشاہوں کے پاس نکل کر جاتی ہیں۔ دیکھو میں چور کی طرح آتا ہوں۔ مبارک وہ ہے جو جاگتا ہے اور اپنی پوشاک کی حفاظت کرتا ہے تاکہ ننگا نہ پھرے اور لوگ اس کی برہنگی نہ دیکھیں۔ اور انہوں نے انکو اس جگہ جمع کیا جس کا نام عبرانی میں ہر مجدون ہے۔"
ایک لاکھ چوالیس ہزار کی تعداد انجیل کی ان آیات سے لی جاتی ہے۔ مکاشفہ کی کتاب کے ساتویں باب میں تیسری اور چوتھی آیت یہ ہے:
"جب تک ہم اپنے خدا کے بندوں کے ماتھے پر مہر نہ کر لیں زمین اور سمندر اور درختوں کو ضرر نہ پہنچانا۔ اور جن پر مہر کی گئی میں نے ان کا شمار سنا کہ بنی اسرائیل کے سب قبیلوں میں سے ایک لاکھ چوالیس ہزار پر مہر کی گئی۔"
اس حوالہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدائے آفرینش سے لے کر اختتام دنیا تک کل ایک لاکھ چوالیس ہزار لوگ ہوں گے جو آسمانی بادشاہت میں داخل ہونگے۔
سبت:۔ سبت کے بارہ میں عام عیسائیوں اور یہوواہ وٹنسز کے مابین اختلاف ہے۔ عام عیسائی سبت یعنی اتوار کو (اگرچہ بعض عیسائی ہفتہ کو سبت قرار دیتے ہیں) آرام کا دن قرار دیتے ہیں۔ اور اس دن کوئی کام کرنا شریعت کی روح کے منافی سمجھتے ہیں۔ لیکن یہوواہ وٹنسز اس دن تبلیغ کرتے ہیں اور مذہبی لٹریچر تقسیم کرتے ہیں۔
سبت کی تشریح میں بھی دونوں کا اختلاف ہے۔ عام عیسائیوں کے خیال کی رو سے سبت ہر ہفتہ آتا ہے، چاہے اسے ہفتہ کا دن کہہ لیں یا اتوار کا۔ لیکن یہوواہ وٹنسز کہتے ہیں کہ سبت چوبیس گھنٹے والا دن نہیں بلکہ اس سے مراد وہ دن ہے جس کا ذکر بائبل میں ہے اور ہر دن ہزار ہزار سال کا ہے۔ بائبل میں آتا ہے کہ خدا نے چھ دن کام کیا اور ساتویں دن آرام کیا۔ یہوواہ کے خیال کے مطابق اس دن کی تکمیل میں ایک ہزار سال کے قریب عرصہ باقی ہے۔ جب یہوواہ کا سبت

کا سات ہزار سالہ دن ختم ہوگا تو اس وقت دنیا کے تمام لوگ پاک اور مطہر بن جائیں گے۔

یہوداہ ڈنسنر کے عقائد پر تبصرہ: تحریک یہوداہ ڈنسنر سے تعلق رکھنے والے یسوع مسیح کو ازلی نہیں مانتے، نہ اسے خدا کے برابر خیال کرتے ہیں، بلکہ اسے مخلوق خدا مانتے ہیں۔ چونکہ وہ یسوع مسیح کو خدا نہیں مانتے اس لئے وہ تثلیث کے بھی قائل نہیں۔ تثلیث یسوع مسیح کو خدا ماننے ہی سے قائم ہو سکتی ہے۔

یہ لوگ عام عیسائیوں کی طرح کفارہ پر ایمان نہیں رکھتے کیونکہ ان کے عقائد میں یہ بات شامل ہے کہ صرف یہوداہ ہی منجی ہے۔

"ONLY JEHOVAH IS THE SAVIOUR"

یعنی صرف یہوداہ ہی نجات دہندہ ہے۔

عام عیسائیوں کے مقبولہ اور مروجہ عقائد تثلیث اور کفارہ سے انکار کرنا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ یہ لوگ [illegible] سے متاثر ہوتے ہیں۔

---

# اسلام اور مسیحیت

| کلیسائی معتقدات | اسلام کے معتقدات |
|---|---|
| ۱۔ تثلیث<br>عیسائیت تثلیث (باپ، بیٹا، روح القدس) کی قائل ہے۔ یعنی خدائی تین اقنوم سے مرکب ہے۔ یہ تینوں اقنوم مل کر ایک بھی ہیں۔ ہر اقنوم الگ الگ خدائی صفات کی مالک ہے۔ یہ وہ بنیادی عقیدہ ہے جس پر موجودہ عیسائیت کی عمارت قائم ہے۔ | ۱۔ توحید<br>اسلام خالص توحید کا قائل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور افعال میں یکتا ہے۔ مسئلہ توحید کو نہایت ہی خوبصورتی کے ساتھ سورۃ اخلاص میں بیان کر دیا ہے<br>قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ<br>کہو اللہ ایک ہے، اللہ سب اسی کے محتاج ہیں، نہ اسکا لڑکا ہے اور نہ باپ اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے۔<br>دوسری جگہ آتا ہے،<br>اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ<br>یعنی شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ (۳۱:۱۳) |

۲۔ بنی نوع انسان گناہ گار ہے

آدم نے گناہ کیا، اب یہ گناہ وراثتاً نسل انسانی میں چلا آرہا ہے۔ لہٰذا جمیع بنی نوع انسان گناہ میں ملوث ہے جس وہ نکل نہیں سکتی۔

۳۔ رحم بلا بدل کفارہ

اللہ تعالیٰ سراسر رحم اور محبت ہے۔ اسکا رحم انسانوں کے گناہوں کی بخشش کا تقاضا کرتا ہے اور اس کا عدل یہ تقاضا کرتا ہے کہ انسان کو اس کے گناہ کی سزا ملے۔ عدل کے تقاضا کو پورا کرنے کے لئے پاک، بے عیب، معصوم بیٹے یسوع مسیح کو صلیب پر موت دی تاکہ سارے اگلے پچھلے انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ہو۔

۲۔ انسان خدا کا خلیفہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنا کر:

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (بقرہ ۲:۳۰)

دوسری جگہ آتا ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ

(التین ۹۵:۴)

ہم نے انسان کو تقویم احسن میں پیدا کیا ہے

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ

(بنی اسرائیل ۱۷:۷۰) اور ہم نوع انسان کو قابل تکریم بنایا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ (حدیث)

یعنی ہر بچہ فطرت صحیح پر پیدا ہوتا ہے اسکے والدین اسکو یہود یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

۳۔ اللہ غفور و رحیم ہے۔

اسلام کا خدا غفور و رحیم ہے۔ وہ انسانوں کے گناہ توبہ استغفار کرنے سے معاف کر دیتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ (۴:۱۱۶)

یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص کو نہیں بخشتا جو اسکے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے اور جو اس کے علاوہ ہے وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے

اسلام کا خدا بہت وسیع رحمت والا ہے۔ اس کی رحمت کی چادر ہر چیز کو ڈھانپے ہوئے ہے

ارشاد الٰہی ہے :

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (۶ : ۱۲)

یعنی اس نے اپنے اوپر رحم کو لازم کر لیا ہے۔

رَبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ (۶ : ۱۴۷)

تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے۔ پھر فرمایا

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (۷ : ۱۵۶)

اور میری رحمت سب چیزوں پر حاوی ہے۔

اسلام کے نزدیک کسی بے گناہ کو دوسروں کے گناہوں کے بدلے سزا دینا خود صفت عدل کے خلاف ہے۔

۴۔ شریعت لعنت ہے

اللہ تعالیٰ نے متعدد شرائع نازل کیں۔ تجربہ سے ثابت ہوا کہ انسان شریعت پر عمل نہیں کر سکتا۔ اس لئے شہریت لعنت ثابت ہوئی۔ کیونکہ آدم کے ارتکاب گناہ کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام بھی بے گناہ نہ نکلے۔

۴۔ شریعت ذریعہ ہدایت ہے۔

اسلام شریعت کو ھدی للناس کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شریعت بنی نوع انسان کے لئے ہدایت اور رحمت کے طور پر نازل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم حکمت کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ اس نے کوئی ایسے احکام نازل نہیں کئے جن پر انسان عمل نہ کر سکتا ہو۔ ارشاد الٰہی ہے :

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرۃ ۲ : ۲۸۶)

یعنی اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اسکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے شریعت میں کوئی ایسا حکم نازل نہیں کیا جس پر وہ عمل نہ کر سکتا ہو اسلام کے نزدیک شریعت عین فطرت انسانی کے مطابق ہے۔ قرآن مجید میں ہے :

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (روم ۳۰ : ۳۰)

پس اپنا منہ دین حنیف کی طرف کر، یہ
وہ خدا کی فطرت ہے جس پر خدا نے انسان کو
پیدا کیا، اللہ کی پیدا کی ہوئی حالت کو کوئی تبدیل
نہیں کر سکتا، یہی قائم رکھنے والا یا رہنے والا
دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اس آیت میں دین حنیف کو اللہ کی فطرت
قرار دیا ہے اور اسی پر انسان کو پیدا کیا ہے،
گویا شریعت عین فطرت انسانی کے مطابق ہے۔

۵۔ نجات کا دارومدار اعمال صالحہ پر ہے۔

اسلام کے نزدیک جو شخص اللہ پر ایمان لاتا
ہے اور اعمال صالحہ بجالاتا ہے وہ نجات پا
جاتا ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے:

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ
صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ

(البقرہ ۲: ۶۲)

یعنی جو اللہ پر اور آخری دن پر ایمان لایا اور
نیک عمل کئے، پس انکے لیے ان کا اجر ان کے
رب کے پاس ہے۔ دوسری جگہ آتا ہے:

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

(۲: ۲۵) یعنی جو

لوگ ایمان لاتے ہیں اور اچھے عمل کرتے ہیں و
ان باغوں کے وارث ہوں گے جن کے نیچے
نہریں بہہ رہی ہونگی۔ پھر ارشاد الٰہی ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ

(العنکبوت ۲۹: ۶۹)

یعنی جو ہمارے راستہ میں محنت کرتے ہیں ہم انکو

۵۔ نجات کا ذریعہ کفارہ ہے

انسان فطرتاً گناہ گار ہونے کی وجہ سے
کفارہ پر ایمان لائے بغیر نجات حاصل نہیں کر سکتا۔

راستہ دکھا دیتے ہیں۔

۶۔ خدا کا کوئی بیٹا نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات توالد اور تناسل کے سلسلہ سے پاک ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام بشر ہیں۔ اس قاعدہ کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک بشر اور خدا کے مقدس نبی ہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا (مریم ۱۹: ۸۹-۹۱)

اور کہتے ہیں کہ رحمٰن نے بیٹا بنایا ہے یقیناً تم ایک خطرناک بات کر گزرے ہو قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جائے اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر جائیں کہ وہ رحمٰن کے لئے بیٹے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

۷۔ تمام انبیاء مکرم ہوتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام ملعون نہیں ہوتے بلکہ وہ مکرم اور منصور ہوتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ بھی خدا کے برگزیدہ، مکرم اور منصور نبی تھے۔

۸۔ اسلام کا پیغام عالمگیر ہے۔

اسلام کا پیغام عالمگیر ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام دنیا کی طرف ہوئی۔ ارشاد الٰہی ہے

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ

(یوسف ۱۲: ۱۰۴)

۶۔ یسوع خدا کا بیٹا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اکلوتے بیٹے یسوع کو انسانی شکل میں بھیجا، اور وہ خدائی صفات کا حامل تھا۔

۷۔ یسوع مسیح لعنتی موت مرا۔

یسوع مسیح دنیا کے گناہوں کے عوض صلیب پر لعنتی موت مرا۔ تین دن جہنم میں رہا پھر مُردوں سے جی اٹھا اور بادلوں میں غائب ہو کر آسمان پر چلا گیا۔ خدا کے داہنے ہاتھ بیٹھا ہوا ہے۔

۸۔ یسوع مسیح کا پیغام قومی تھا۔

اناجیل کی رو سے یسوع مسیح کا پیغمبرانہ پیغام عالمگیر نہ تھا، بلکہ صرف بنی اسرائیل کے لئے تھا۔ اپنے شاگردوں سے کہا "غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل

نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔" (متی ۱۰: ۵، ۶)

یہ کتاب تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہے۔ دوسری جگہ آتا ہے

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سبا ۳۴: ۲۸)

اے رسول ہم نے تجھے تمام لوگوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

# اسلام

## جغرافیہ عرب

وجہ تسمیہ:۔ اہل لغت کے نزدیک عرب "اعراب" سے مشتق ہے۔ جس کے معنی فصاحت اور زبان آوری کے ہیں۔ چونکہ عرب نہایت فصیح اللسان اور زبان آور تھے اس وجہ سے انہوں نے اپنا نام عرب رکھا، باقی دنیا کی اقوام کو عجم کے نام سے پکارا۔ عرب کے معنی ژولیدہ بیان اور گونگے کے ہیں۔

اہل جغرافیہ کے نزدیک عرب کا پہلا نام عروبۃ تھا اور سامی زبانوں میں بھی عربہ صحرا اور بادیہ کو کہتے ہیں۔ چونکہ عرب کا ملک زیادہ تر ایک بیابان اور ریگستان ہے۔ اس لئے اس کا نام عربۃ پڑ گیا۔ پھر آہستہ آہستہ وہاں کے رہنے والوں کو بھی عرب کہا جانے لگا۔

حدود و وسعت عرب:۔ عرب تین براعظموں یعنی ایشیا، یورپ اور افریقہ میں مرکز کے طور پر ہے اور تین طرف سے سمندر سے گھرا ہوا ہے۔ مشرق میں خلیج فارس اور بحر عمان، جنوب میں بحر ہند، مغرب میں بحر احمر۔

عرب خشکی اور تری دونوں راستوں سے دنیا کو اپنے دائیں اور بائیں ہاتھ سے ملا کر ایک کر رہا ہے

عرب کی پیمائش حقیقی طور سے نہیں ہوئی وہ ہندوستان سے بڑا ہے۔ اور ملک جرمن اور فرانس سے چار گنا ہے۔ طول تقریباً چودہ سو میل اور عرض مختلف، جنوب میں زیادہ، اور شمال میں کم ہوتا گیا ہے۔ مجموعی رقبہ بارہ لاکھ مربع میل ہے۔

اس ملک کا ایک بڑا حصہ ریگستان ہے۔ شمالی حد میں شام اور عرب کے درمیان ایک ریگستان ہے۔ جس کو بادیہ شام یا بادیہ عرب کہا جاتا ہے جنوبی حد میں یمن، عمان اور یمامہ کے درمیان ایک وسیع صحرا ہے۔ جس کو الدھنا یا ربع خالی کہا جاتا ہے۔ اس ملک میں سب سے بڑا طویل السلسلہ پہاڑ جبل السراۃ ہے جو جنوب میں یمن سے شروع ہو کر شمال میں شام تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کی سب سے اونچی چوٹی آٹھ ہزار فٹ ہے۔ اس طرح حجاز کا سب سے بڑا پہاڑ جبل الہدیٰ، طائف کا جبل الکرا، نجد کا جبل عارض و طریق، شمر کا جبل سلمیٰ اور یمن کا جبل کوکبان ہے۔

ملک عرب میں کوئی دریا نہیں ہے۔ پہاڑوں سے چشمے جاری رہتے ہیں۔ کبھی کبھی یہ چشمے پھیل کر دور تک ایک مصنوعی دریا بن جاتے ہیں۔ پھر ریگستان میں جذب ہو جاتے ہیں

یا سمندروں میں گر جاتے ہیں۔

عرب کے وُہ حصّے جو سواحل بحر پر واقع ہیں۔ وُہ سرسبز و شاداب اور زرخیز ہیں، خاص طور پر یمن کا صوبہ بہت ہی زرخیز ہے۔

عمان، حضرموت، نجد اور حجاز میں طائف عرب کے شاداب اور زرخیز علاقے ہیں۔

**پیداوار عرب:** عرب کی پیداوار زیادہ تر کھجور اور سیب ہیں۔ علّامہ ہمدانی نے صفۃ جزیرۃ العرب میں ایک ایک کان کا نشان دیا ہے

**عربوں کے پیشے:** عربوں کے پیشے تجارت، زراعت اور گلہ بانی تھے

**اقطاع عرب:** عرب کا ایران سے ملتا ہُوا حصّہ عراق عرب کے نام سے مشہور ہے جس میں بصرہ اور کوفہ کے مشہور اسلامی شہر آباد ہیں۔

شام سے ملتا ہُوا حصّہ عرب شام کہلاتا ہے اور حلب تک پھیلا ہُوا ہے موجودہ تقسیم ملکی عرب سے الگ نظر آتے ہیں۔

ان کے علاوہ عرب حسب ذیل چار صوبوں میں تقسیم ہے:

عروض، نجد، یمن اور حجاز آگے ہر صوبہ متفرق چھوٹے چھوٹے حصّوں میں منقسم ہے

**عروض:** مشرقی نجد اور حدود عراق سے سواحل خلیج فارس تک پھیلا ہُوا ہے۔ اس صوبہ میں یمامہ، بحرین، عمان تین اقطاع ہیں۔

**نجد:** وسط عرب میں ایک سرسبز و شاداب، زرخیز اور بلند قطعہ ہے۔ تین طرف سے صحراؤں سے محیط ہے۔ شمال میں صحرائے شام، مغرب میں صحرائے حجاز، مشرق میں صحرائے دہنا اور جنوب میں صوبہ یمامہ ہے۔ یہ صوبہ سطح سمندر سے ۱۲۰۰ میٹر بلند ہے آج کل نجد شمر، قصیم اور عارض تین حصّوں میں تقسیم ہوکر دو شیوخ کے زیر حکومت ہوگیا ہے۔

نجد کے گھوڑے اور اونٹ بہت مشہور ہیں۔ ہر قسم کے میوے یہاں پیدا ہوتے ہیں۔ وادیوں اور پہاڑوں کے دامن میں زراعت بھی ہوتی ہے۔

**یمن:** عرب کا سب سے زیادہ زرخیز، سرسبز اور آباد علاقہ ہے جو اسلام سے قبل اور اسلام کے بعد بھی علم و ہنر کا مرکز رہا ہے۔ محققین آثار قدیمہ نے یہاں سے ایسے آثار پائے ہیں جو قدیم تمدن کا پتہ دیتے ہیں۔

یمن کو مندرجہ ذیل اقطاع میں تقسیم کیا جاتا ہے

حضرموت، احقاف، صنعا، نجران، عسیر۔ جو علی الترتیب مشرقی جنوبی حدود یعنی

حضرموت سے جنوبی مغربی حدود یعنی حجاز تک سواحل بحر احمر پر واقع ہیں۔

**احقاف:** یہ وہی حصّہ ہے جہاں کبھی عاد کی زبردست قوم آباد تھی، جس کی تباہی کا ذکر قرآن مجید میں آتا ہے۔

**حجاز:** مغرب میں بحر احمر کے ساحل پر ایک مستطیل کی صورت میں حجاز کا مشہور پہاڑی علاقہ ہے جس میں مکہ، مدینہ اور طائف کے مشہور شہر آباد ہیں۔ اس کی دو بڑی بندرگاہیں ہیں: جدّہ، جہاں سے مکّہ معظمہ کو جاتے ہیں ینبوع، جہاں سے مدینہ منورہ کو جاتے ہیں۔

**مکہ:** حجاز کا دارالخلافہ ہے۔ یہ ایک بے آب و گیاہ وادی میں واقع ہے۔ اس کے چاروں طرف خشک پہاڑیاں ہیں۔ اس کی آبادی کی ابتداء حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانہ سے ہوئی تھی۔ اس شہر میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ اس شہر میں خانہ کعبہ ہے جسکے معمار دو نبی یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ یہی وُہ پہلا توحید کا چشمہ ہے جس سے دنیا روحانی پیاس بجھائے گی اور دلوں کی خشک کھیتیوں کو تا ابد سیراب کرتا رہے گا

**مدینہ:** مدینہ کا پرانا نام یثرب ہے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے یہاں تشریف لائے تو اس کا نام مدینۃ النبی پڑ گیا، بعد میں صرف مدینہ کہلانے لگا۔

بعض تاریخی قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کی تعمیر ۱۹۰۰ قبل مسیح اور ۲۲۰۰ قبل مسیح کے درمیان ہوئی۔ سب سے پہلے یہاں عمالیق آباد ہوئے۔ عمالیق کے بعد یہاں سب سے پہلے یہود آکر آباد ہوئے۔ اس کے بعد قبیلہ ازد کی دو شاخیں اوس اور خزرج آباد ہوئیں۔

**طائف:** حجاز کی جنت ہے۔ بہت زرخیز اور شاداب علاقہ ہے۔ روسا حجاز عموماً گرمیوں کا موسم یہیں بسر کرتے تھے۔ یہ مکہ معظمہ سے مشرق کی طرف قدرے جنوب کو واقع ہے۔ ابتداءً قبیلہ عدوان کا مسکن تھا، بعد میں قبیلہ ثقیف کے قبضہ میں آگیا۔ ہجرت سے قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعوتِ اسلام لے کر یہاں تشریف لائے۔ اہل طائف نے غرور کے نشہ میں بدمست ہو کر دعوتِ حق کو رد کر دیا ۸ھ ہجری میں آپؐ نے طائف کا محاصرہ کیا۔ ۹ھ میں سردار ثقیف عروہ بن مسعود نے اسلام قبول کیا اور اپنی قوم کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور اسی سال وفد ثقیف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام میں داخل ہوا۔

# عرب کی قدیم اقوام

مورخین نے عرب کی اقوام کو تین طبقات میں تقسیم کیا ہے:

۱- عرب بائدہ: - عرب بائدہ سے مراد وہ قبائل ہیں جو سب سے پہلے عرب میں آباد ہوئے جو اسلام سے قبل صفحہ ہستی سے فنا ہو چکے تھے۔

۲- عرب عاربہ: - یہ طبقہ قحطان کی اولاد سمجھا جاتا ہے۔ ان کا اصلی اور قدیم وطن یمن سمجھا جاتا ہے۔ اس خاندان کی تین بڑی شاخیں ہیں: قضاعۃ، کہلان، ازد۔ حمیر اسی کی شاخ ہے۔

۳- عرب مستعربہ: - اس طبقہ سے مراد بنو عدنان یا اولاد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہے۔ یہ لوگ عرب کے اصلی باشندے نہیں ہیں، اسی لئے ان کو عرب مستعربہ کا خطاب دیا گیا ہے۔

عدنانی قبائل میں ایاد، ربیعہ اور مضر مشہور ہیں۔ پھر ربیعہ اور مضر زیادہ شہرت کے مالک ہیں۔ مضر کے مشہور قبیلہ کنانہ میں فہر بن مالک تھے، جن کو قریش بھی کہتے تھے۔ قریش کی اولاد میں سے بہت سے قبائل ہیں۔ جن میں بنی سلیم، بنی مخزوم، بنی تمیم، بنی جمح، بنی عدی، بنی عبدالدار، بنی زہرہ، بنی عبد مناف بہت مشہور ہیں۔ عبد مناف کے چار بیٹے تھے، عبد شمس، نوفل، مطلب، ہاشم۔ اور ہاشم میں سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

# عرب میں آخری نبیؐ کے آنے کے وجوہ

پہلی وجہ: - اللہ تعالیٰ کے ارادہ ازلی میں تھا کہ بنی نوع انسان کے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات نازل فرمائے، جو ہر زمانہ میں دنیا کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے سرچشمہ ہو۔ اس لئے یہ لازمی امر تھا کہ اس قسم کی کتاب نہایت ہی ادق اور دقیق مضامین کی حامل ہوگی۔ اس قسم کے مضامین کو ادا کرنے کیلئے وہی زبان متحمل ہو سکتی ہے جو اپنے اندر وسعت رکھتی ہو، پھر زیادہ سے زیادہ مضامین مختصر سے مختصر الفاظ میں بیان کئے جا سکتے ہوں۔ اگر تمام السنہ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عربی زبان ہی وہ زبان ہے جو اپنے اندر اتنی وسعت رکھتی ہے کہ ادق سے ادق مضمون بھی بخوبی ادا کیا جا سکتا ہے۔ پھر زیادہ سے زیادہ مضامین چند ایک الفاظ میں بیان کئے جا سکتے ہیں۔

بعض محققین کا یہ بھی نظریہ ہے کہ عربی زبان ام الالسنہ ہے۔ اگر یہ تحقیق سے ثابت ہو جائے کہ عربی زبان تمام زبانوں کی ماں ہے اور اسی سے تمام زبانیں متفرع ہیں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ آخری شریعت عربی زبان میں ہی نازل کی جانی چاہیئے تھی۔

آخری شریعت کو عربی زبان میں نازل کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آخری نبی حضرت

محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب میں مبعوث فرمایا۔

دوسری وجہ:۔ آخری نبی کو عرب میں نازل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عرب معمورہ عالم کے وسط میں ہے۔ اس کی تصدیق تحقیق جدید سے بھی ہوتی ہے کہ وہ درحقیقت دنیائے قدیم کے قلب میں واقع ہے۔ عرب کے ایک طرف ایشیا، دوسری طرف افریقہ، تیسری طرف یورپ کا راستہ اس سے قریب ہے۔ وہ خشکی اور تری دونوں راستوں سے دنیا کو اپنے اندر دائیں اور بائیں ہاتھ سے ملا کر ایک کر رہا ہے۔ اس لئے یہ ضروری تھا کہ تمام دنیا کی ہدایت کے لئے عرب کو ہی مرکز بنایا جاتا تاکہ ندائے حق جلد تمام دنیا میں پہنچ سکے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ خدا کی عبادت کے لئے سب سے پہلا گھر حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے مکہ میں تعمیر کیا، قرآن مجید نے اسے واضح الفاظ میں اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ قرار دیا ہے۔ یعنی سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لئے مقرر کیا گیا تھا اس کا نام بیت عتیق بھی رکھا۔

تاریخ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عرب میں بیت اللہ کی تکریم قدیم زمانہ سے چلی آرہی ہے۔ اس سے خانہ کعبہ کی قدامت ثابت ہوتی ہے۔ یہ غلط ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اس گھر کو تعمیر کیا تھا۔ بلکہ جب یہ گھر حوادثات زمانہ سے منہدم ہو گیا تو باپ بیٹے نے خدا کے حکم سے انہی قواعد پر دوبارہ اس گھر کو کھڑا کیا۔ سر ولیم میور بھی اپنی کتاب لائف آف محمدؐ میں خانہ کعبہ کی قدامت اور ہر سال عربوں کا اس کا حج کرنے کا اقرار کرتا ہے۔

دنیا میں جس گھر کو سب سے پہلے خدا کی عبادت گاہ ہونے کا شرف حاصل ہوا اور جس سے خدا کی توحید کا چشمہ پھوٹا اور پیاسی دنیا کو سیراب کیا، وہ بیت اللہ ہے اس وجہ سے یہ ضروری تھا کہ جب حکمت ایزدی سے اس دنیا میں آخری نبی آتا تو ایسی جگہ پیدا ہوتا جس جگہ وہ معبد ہے، تاکہ وہ اس معبد کو تمام دنیا کے لئے قبلہ اور توحید کا آخری مرکز مقرر کرے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ عرب کبھی بھی کسی غیر حکومت کے ماتحت نہیں رہا۔ شمالی عرب نے کبھی کسی کی غلامی کا جوا اپنی گردن پر نہیں رکھا۔ اس آزادی سے ان کے دل و دماغ کی مخفی استعدادیں، آزادی کی روح اور فاتحانہ طاقت بدستور برقرار رہیں تاکہ یہ مخفی استعدادیں اسلامی حکومت کے قیام و بقاء میں کار آمد ہوں۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ عربوں میں بعض اوصاف حمیدہ پائے جاتے تھے۔ وہ بڑے بہادر، پرجوش حق گو، فراست مند، دانش مند، ذہین و فطین، فیاض، وفادار، مہمان نواز اور علمیت پسند تھے۔ یہ وہ اخلاق ہیں جو ایک مبلغ کے لئے ضروری ہیں۔ اس وجہ سے خدا تعالیٰ نے ان کو آخری شریعت کا اہل سمجھا اور ان کو اولین مخاطب ہونے کا شرف بخشا۔

یہ اوصاف اس زمانہ میں نہ ہندوستان کے رہنے والوں، نہ ایران کے رہنے والوں، نہ روم کے رہنے والوں، غرض کہ دنیا کے کسی خطہ کی قوم میں نہ پائے جاتے تھے۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عربوں کو آخری شریعت کا اولین مخاطب اس لئے بنایا کہ وہ دوسرے مذاہب کی غلامی میں نہیں آئے۔ گو اس وقت عرب میں بڑے بڑے مذہب تھے۔ بعض مذاہب کے پیچھے شاہی قوت بھی تھی لیکن پھر بھی سوائے چند قبائل کے دوسرے تمام اہل عرب بدستور اپنی خالص حالت پر تھے۔ ان میں دوسرے مذاہب کی سی تنگ دلی اور تعصب نہ پیدا ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ نبوت کیا تو سب سے پہلے زیادہ ماننے والے وہی تھے جو کسی مذہب میں شامل نہ تھے۔ یہودیت، عیسائیت وغیرہ سے بہت کم دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

ساتویں وجہ:۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ایران، روم اور دوسری دنیا کے کے تمام خطوں میں تہذیب، دولت و ثروت اور دوسرے تمدنی اثرات کی وجہ سے جدید طغرائے حق کو قبول کرنے کی صلاحیتیں مسخ ہو چکی تھیں۔ عرب کا خطہ ہی ان تمام اثرات سے بالکل محفوظ تھا اور ان میں قبول حق کے لئے صلاحیتیں محفوظ تھیں۔ اس وجہ سے خدا تعالیٰ نے اپنی آخری امانت کی تقویض کے لئے عرب کو ہی منتخب کیا اور ان میں خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

## بعثت نبوی کے وقت دنیا کی حالت

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ

بر و بحر میں فساد ظاہر ہو گیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل دنیا جہالت اور گمراہی کی وادی میں بھٹک رہی تھی۔ توحید کا چراغ جو مختلف انبیاء علیہم السلام نے مختلف ادوار میں روشن کیا تھا، گل ہو چکا تھا۔ کہیں بھی صحیح عقیدہ موجود نہ تھا۔

ایران کی حالت:۔ ایران عرب کی ہمسایہ مملکت تھی، جس کا شمار دنیا کی عظیم سلطنتوں میں ہوتا تھا یہاں توحید کا فقدان، شرک اور بت پرستی کا ظہور تھا۔ زرتشت کو خدائی صفات سے متصف کر کے معبودانِ باطلہ میں شمار کر لیا تھا۔ نیکی اور بدی کے دو معبود یزدان اور اہرمن کے نام سے پوجے جاتے تھے۔ سورج، چاند، ستارے، آگ، حجر و شجر کی پرستش کی جاتی تھی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کچھ صدیاں قبل مانی نے مسیحیت اور مجوسیت

کی آمیزش سے ایک نیا مذہب بنایا جس کے فلسفہ نور و ظلمت میں ایرانی قوم پھنس کر رہ گئی۔ اسکی تعلیم یہ تھی کہ دُنیا سے قطع تعلق کر کے جنگلوں اور ویرانوں میں زندگی بسر کرنی چاہیئے اور ترک ازدواج سے نسل انسانی کو منقطع کر دیا جائے تاکہ بدی کا خاتمہ ہو جائے۔

ایران میں مزدک کی تعلیم کا زور تھا، جس نے عورتوں کو مشترکہ جائیداد قرار دیا اور ہر قسم کی بدی کے راستے کھول دیئے۔ باپ کا بیٹی کو اور بھائی کا بہن کو اپنی زوجیت میں لینا جائز تھا۔ یزدگرد ثانی جو پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں ایران کا بادشاہ تھا اس نے اپنی بیٹی سے شادی کی اور پھر اس کو قتل کر ڈالا۔

مشاہیر پرستی بھی رائج تھی، ان کی الوہیت کے گیت گائے جاتے تھے۔

**روم کی حالت:۔** ایرانی سلطنت کے مقابل دنیا کی دوسری سب سے بڑی طاقت رومیوں کی حکومت تھی۔ ۳۲۵ء میں رومی سلطنت کے مشرقی اور مغربی دو حصے ہو گئے تھے مشرقی حصہ کا بادشاہ قسطنطین تھا۔ اس نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ اس حصہ سے ایرانیوں کی صدیوں سے آویزش اور جنگ جاری تھی۔ عہد نبوی کے ابتدائی زمانہ میں ایرانیوں نے مصر اور شام وغیرہ کے علاقے چھین لئے۔ ۶ھ میں نینوی کے میدان میں رومی شہنشاہ ہرقل نے ایرانیوں کو شکست فاش دی۔ اس طرح مشرقی روم صدیوں کی بیرونی جنگوں کے سبب تباہ و برباد ہو چکا تھا۔

مغربی رومیوں پر جرمن وغیرہ وحشی قبائل نے دھاوے بول دیئے تھے، اور صدر مقام روما پر قبضہ کر لیا تھا۔ اہل روم کی مذہبی حالت بھی ابتر تھی۔ وہ ستاروں، دیوتاؤں اور بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ وہ لوگ جنہوں نے عیسائیت قبول کر لی تھی وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت اور بشریت کی بحثوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ ۵۱۴ء میں خود عیسائیوں کے دو گروہوں میں مذہبی جنگ چھڑ گئی جس میں ۵۰۰۰ عیسائیوں کو شہر بدر کر دیا گیا۔[1]

عیسائیت کئی فرقوں میں بٹ گئی۔ ہر فرقہ دوسرے فرقہ کے خون کا پیاسا تھا۔ پادریوں نے اپنے مذہبی منصب کو جاہ و حشمت کے حصول کا ذریعہ بنایا ہوا تھا۔ ہر پادری دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے ہر ممکن سعی کرتا اور ان پادریوں میں ہر قسم کی برائی پیدا ہو چکی تھی۔ ان کی بدکاریوں کا ایک عیسائی نے یوں نقشہ کھینچا ہے کہ کنواریاں پادریوں کے پاس اقرار گناہ کے لئے جاتیں مگر کنواریاں واپس نہ آتیں۔

سیل صاحب ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔

"گرجا کے پادریوں نے مذہب کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے اور امن، محبت اور

---

[1] گبن کی تاریخ زوال و انحطاط سلطنت روم جلد ۳ صفحہ ۳۴۴

تیکی کو مفقود کر دیا تھا۔ اصل مذہب کو بھول گئے تھے اور اس کے متعلق اپنی خیال آرائیوں پر جھگڑتے تھے۔ اس تاریک زمانہ میں اکثر وہ توہمات جو رومن چرچ کے لئے باعث ننگ ہیں مذہبی صورت میں قائم کئے گئے۔ خصوصاً دلیوں اور مجسموں کی پرستش نہایت بے شرمی سے ہونے لگی۔ نائیس کی کونسل کے بعد مشرقی چرچ روزانہ کے مناظرات میں مشغول ہو گیا اور ایریئس، سبلیئس، نسطوریئس اور یوٹیکیئس کے جھگڑوں میں ٹکرے ٹکرے ہو گیا۔ انصاف علانیہ فروخت کیا جاتا اور ہر طرح کی بدعنوانیاں ہوتی تھیں۔"

مصر کی حالت:۔ مصری تمدن کی عظمت اور تفوق اہرام مصر، ابوالہول کے مجسمے اور موجودہ زمانہ میں آثار قدیمہ سے برآمد ہونے والی اشیاء ظاہر کرتی ہیں۔ مصر ایک زرعی ملک ہے۔ جب مصر کی سیاسی قوت میں ضعف اور کمزوری آئی تو رومیوں، ایرانیوں اور یونانیوں نے پے در پے حملے کئے اور ملک مصر پر قابض ہو گئے۔ فاتحین رعایا کو چوپایوں سے زیادہ ذلیل سمجھتے تھے۔ جو عیوب حکمران طبقے میں موجود تھے وہ سب محکوم طبقے میں بھی سرایت کر گئے تھے۔ انسانیت پارہ پارہ ہو چکی تھی۔ مصر کا ایک بڑا طبقہ عیسائیت قبول کر چکا تھا، لیکن وہ عیسائیت کی اصل روح سے بالکل ناآشنا تھے۔ ایک طبقہ بتوں کے سامنے سجدہ ریز تھا۔

ہندوستان کی حالت:۔ مورخین ہندوستان کی تہذیب و تمدن کو پانچ ادوار میں تقسیم کرتے ہیں،

ایک ہندو دیک کا دور جو دو ہزار سال قبل مسیح سے لے کر تقریباً چودہ سو سال قبل مسیح تک رہا۔

دوسرا دور وہ دور ہے جس میں کوروں اور پانڈوں کی لڑائیاں لڑی گئیں، جو چودہ سو سال قبل مسیح سے لے کر تقریباً ایک ہزار سال قبل مسیح تک رہا۔

تیسرا دور علم و ہنر کا دور ہے جس میں ہیئت، ریاضی، فلسفہ وغیرہ علوم میں ہندیوں نے کمال دکھایا۔ جو ایک ہزار قبل مسیح سے لے کر تیسری صدی قبل مسیح کے نصف تک رہا۔

چوتھا دور بدھ مذہب کا ہے جس میں اس مذہب کو عروج حاصل ہوا ہے اور دو سو پچاس سال قبل مسیح سے لے کر پانچویں صدی عیسوی کے خاتمہ تک رہا۔

پانچواں دور پرانک دور کہلاتا ہے۔ یہ دور تقریباً پانچویں صدی کے اواخر سے لے کر مسلمانوں کے فتح سندھ تک قائم رہا۔

مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ دور ہندوستان کی تاریخ میں نازک ترین دور تھا۔

اس دور کی نمایاں اور اہم خصوصیت حسب ذیل ہیں

۱۔ ہر قسم کا شرک کمال پر تھا۔ چنانچہ دید میں ۳۳ دیوتاؤں کی تعداد تھی۔ اس دور میں بڑھتے بڑھتے دیوتاؤں کی تعداد ۳۳ کروڑ ہو گئی۔[1]

---

[1] اری دت کی "ہندوستان قدیم"، جلد ۳ صفحہ ۲۷۶۔

۲۔ اس دور میں ہندوستان کے اندر بت پرستی عام تھی[1] نیز سورج، چاند، ستاروں، پہاڑوں، دریاؤں اور حیوانوں کی پرستش کرنا اعتقادات میں شامل تھا۔

۳۔ مندروں کے نگران و محافظین ہر قسم کی بداخلاقی میں مبتلا تھے، جو لاکھوں کروڑوں ناواقف پرستش کرنے والوں کو مذہب کے نام پر لوٹتے تھے[2]

۴۔ اس دور میں ذات پات کی تفریق شروع ہوئی جس نے نظام معاشرت کو تباہ و برباد کر دیا[3]

۵۔ عورتوں کو اس دور میں غلام کی حیثیت دی جاتی تھی۔

۶۔ ملک میں غیر منصف اور غیر معقول قوانین رائج تھے۔

ا۔ برہمن کو کسی بھی سنگین جرم میں سزائے موت نہیں دی جاتی تھی۔

ب۔ کسی اونچی ذات کے مرد کا کسی نیچی ذات کی عورت کے ساتھ زنا کرنا جرم نہیں تھا۔

ج۔ اگر کوئی اچھوت ذات کا شخص کسی اعلیٰ ذات والے کو چھو لے تو اس کو سزائے موت دی جاتی تھی۔

د۔ اگر کوئی نیچی ذات والا اپنے سے اونچی ذات والے کو مارے تو اس کے اعضاء قطع کر دیئے جاتے تھے۔ اگر گالی دے تو اس کی زبان کاٹ دی جاتی تھی۔ اگر اسے تعلیم دینے کا دعویٰ کرے تو گرم تیل اس کے منہ میں ڈالا جاتا تھا[4]

ھ۔ شودر کے کان میں وید کی آواز پڑ جائے تو اس میں سیسہ پگھلا کر ڈالنے کا حکم تھا۔

۷۔ راجاؤں کے محلات میں شراب نوشی کثرت سے رائج تھی۔ رانیاں حالت نشہ میں ہی برہنہ ہو جاتی تھیں[5]

۸۔ شاہراہوں پر آوارہ گردہ اور جرائم پیشہ افراد جمع رہتے تھے[6]

۹۔ رہبانیت سب سے عمدہ عبادت تصور کی جاتی تھی اور اپنے جسم کو سخت سے سخت ایذا دینا رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔

۱۰۔ شاکت مت جیسے فرقے پیدا ہو گئے۔ جس میں مال مہین تک کی حرمت باقی نہ رہی اور بنوگ کے رنگ میں اسے مذہب میں داخل کر لیا۔

۱۱۔ مرد اور عورت کے مخصوص مقامات کی ننگی تصویریں مندروں میں رکھی جاتیں اور مرد اور

---

[1] ایضاً ص ۴۸۱۔
[2] ایضاً ص ۳۰۷۔
[3] ایضاً ص ۴۶۹۔
[4] اری دت کی "ہندوستان قدیم" جلد ۲ ص ۲۸۳۔
[5] ایضاً ص ۳۴۲، ۳۴۳۔
[6] ایضاً ص ۴۶۹۔

عورتیں انہیں دیکھتے اور عبادت کرتے۔

۱۲۔ عورتیں قمار بازی میں ہاری جاتیں۔ ایک عورت کے کئی خاوند ہوتے تھے۔ وہ بیوہ ہو کر ہر لذت سے عمر بھر قانوناً محروم کر دی جاتی تھی اور اسی لئے خاوند کے مرنے پر بعض عورتیں زندہ آگ میں جل جانا پسند کرتی تھیں۔

۱۳۔ عورتیں فروخت کی جاتی تھیں۔

۱۴۔ راجاؤں کی بیویوں کی کوئی تعداد قانوناً مقرر نہ تھی۔

۱۵۔ وہم پرستی ان کے مذہب کا ایک جزو لاینفک بن چکی تھی۔

**چین کی حالت:۔** جن ممالک کا ذکر اوپر ہو چکا ہے یہ سب کے سب عرب کے پچاسمت واقع ہیں اور یہی متمدن اور ترقی یافتہ ملک سمجھے جاتے تھے۔ ان متمدن ممالک میں ملک چین کا بھی اضافہ ہو سکتا ہے۔ عہد نبوی کے آغاز سے قبل چین کی سیاسی اور مذہبی حالت دگرگوں تھی۔ ہن HUNS خانوادے کی حکومت ختم ہو چکی تھی اور اس کی جگہ وائی WEI اور شو SHU کی تین حکومتیں قائم ہو گئیں۔ لیکن ساتھ ہی خانہ جنگیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس پر مستزاد تاتاریوں اور ہیونگ نو اور تبت والوں کے حملے بھی تھے۔ ایک امن سوز لمبے جھگڑوں کے سلسلے کے بعد خانوادہ سوئی نے ۵۸۹ء تا ۹۱۶ء تیس سال کے قلیل عرصہ کے لئے ملک میں وحدت اور امن قائم کیا مگر ہجرت نبوی سے دو سال پہلے ہی اس حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ پھر ۶۱۸ء خانوادہ کے ہاتھ میں زمام حکومت آئی تو ملک کی حالت بہتر ہوتی۔

سیاسی ابتری کے ساتھ ملک کے قومی مذہب کنفیوشن ازم کی بھی اصلی صورت بگڑ چکی تھی۔ یہ مذہب کئی ایک بے معنی اور مردہ رسموں، ریتوں اور قربانیوں کا طومار بن گیا۔ اس کے علاوہ کنفیوشن ازم میں توہم پرستی نے ایک اہم مقام حاصل کر لیا۔ فالگیری اور دوسرے کئی وہمی طریقے آئندہ حادثات اور کسی مجوزہ طرز عمل کے بارے میں دیوتاؤں اور بزرگوں سے الہام اور ہدایت حاصل کرنے کے لئے مذہب کی لازمی قدر قرار دے دیئے گئے۔ بزرگوں اور فطری ارواح کی پرستش مذہب کا جزو لاینفک بن گئی۔

**ترکستان:۔** سن عیسوی کی سات صدیوں تک یہاں کی حالت پر تاریکی کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ پھر ہن HUNS تبت پر قابض ہو گئے۔ ان میں بھی نہ کوئی تمدن تھا، نہ کوئی ضابطہ حیات ان کا مطمح نظر صرف لوٹ کھسوٹ اور خود غرضی تھی۔

حبش:۔ حبشہ ایک بڑا علاقہ ہے۔ اس نے ایرانی حکومت سے یمن کا علاقہ ہتھیا لیا۔ ولادتِ نبویؐ کے سال جب یہ شمالی عرب کی طرف بڑھے تو تباہ و برباد ہو گئے۔ عہدِ نبوی میں ان کی حکومت خانہ جنگیوں کی وجہ سے بالکل مفلوج ہو کر رہ گئی۔

اس ملک کا شاہی مذہب عیسائیت تھا۔ جو ہر قسم کے مشرکانہ عقائد کا مرقع بن چکا تھا اور عیسائیت کی اصل روح ان مشرکانہ عقائد میں دب کر فنا ہو چکی تھی۔ قرآن مجید نے ان مشرکانہ عقائد کی جا بجا تردید کی ہے۔

## عہدِ جاہلیت

### ظہورِ اسلام سے پیشتر عربوں کی مذہبی، اخلاقی، تمدنی اقتصادی اور سیاسی حالت

عرب کی اس حالت کا نام، جو ظہورِ اسلام سے قبل تھی، قرآن مجید نے زمانہ جاہلیت رکھا ہے۔ کیونکہ انسانیت مُردہ ہو چکی تھی۔ روحانیت معدوم ہو چکی تھی۔ علم ناپید تھا۔ ہر قسم کی برائی علی الاعلان کی جاتی تھی اور پھر اس کو فخریہ مجالس میں بیان کیا جاتا تھا۔

عرب کی مذہبی حالت:۔ ابوالحسن علی بن حسین المسعودی نے اپنی کتاب "مروج الذہب" میں اہل عرب کے عقائد پر بحث کی ہے:

۱۔ وہ موحدین جو اللہ کو خالق مانتے تھے حشر نشر کے بھی قائل تھے۔ اور ان کا اس امر پر ایمان تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے اطاعت گزار بندوں کو اجرِ عظیم دے گا۔ گناہگاروں کو سزا۔ قس بن ساعدہ الایادی اور بحیرا راہب جو قبیلہ عبدالقیس میں سے تھے۔ قرآن مجید نے بھی اس بات کا اقرار کیا ہے، ارشادِ الٰہی ہے: وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ (لقمٰن ۳۱-۲۵) اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ خدا نے، تم کہو کہ خدا کا شکر ہے۔

آج کل عرب کے قدیم کتبات دریافت ہوئے ہیں، ان پر اللہ کا لفظ لکھا ہوا ہے۔ البتہ اللہ کی بجائے ہلّہ لکھا ہوا ہے۔ چنانچہ مذاہب و اخلاق کے انسائیکلوپیڈیا میں پروفیسر نولدیکی کا جو قول نقل کیا گیا ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے: "اللہ جو صنعاء کے کتبوں میں "ھلہ" لکھا ہوا ہے نباتی اور دیگر قدیم باشندگانِ عرب شمالی کے نام کا ایک جزو تھا۔

ولیا سن نے عرب قدیم کے لٹریچر میں بہت سے عبارتیں نکالی ہیں۔ جن میں اللہ کا لفظ بطور ایک معبودِ اعظم کے مستعمل ہوا ہے۔

۲۔ وہ جو اللہ کی خالقیت کا اقرار کرتے اور حدوث عالم کے بھی قائل تھے۔ روز جزا و سزا کو مانتے تھے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کا انکار کرتے اور بتوں کی پوجا بھی کرتے۔ بت پرستی کو رواج دینے والا عمرو بن لحی بن عارثہ تھا۔ اس نے لڑ کر جرہم کو مکہ سے نکال دیا تھا اور خود حرم کا متولی ہو گیا تھا۔

یاقوت حموی نے معجم البلدان (ذکر مکہ) میں تحریر کیا ہے کہ عرب میں عام بت پرستی کی وجہ یہ ہوئی ہے کہ قبائل عرب حج کے لئے آتے، واپس جاتے ہوئے حرم کے پتھروں کو اٹھا لیتے تھے اور ان کو اصنام کعبہ کی صورت پر گھڑ کر ان کی پرستش کرتے تھے۔

بتوں کے متعلق ان کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ ہر قسم کی حاجت روائی کرتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مختلف کاموں کی انجام دہی مختلف بتوں کے سپرد کر رکھی ہے۔ جیسا کہ جب ابوجہل مسلمانوں سے پہلی لڑائی لڑنے کے لئے نکلا تو کعبہ میں گیا اور بتوں سے فتح کی دعا مانگی۔

دوسرا عقیدہ یہ تھا کہ ان کی عبادت سے خدا کا قرب حاصل ہوتا تھا، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ (زمر ۳۹: ۳) ہم بتوں کی صرف اس وجہ سے عبادت کرتے ہیں کہ ہم کو خدا کے قریب کر دیں۔ بتوں سے شگون بھی لیتے تھے۔ وہ اس طرح کہ بتوں کے سامنے فال کے تیر پڑے رہتے تھے۔ ان میں سے ایک پر "نعم"، یعنی ہاں اور ایک پر "لا"، یعنی نہیں لکھا ہوا ہوتا تھا۔ جو کام کرنا چاہتے فال نکالتے۔ اگر ہاں کا تیر نکل آتا تو کام کرتے ورنہ باز رہتے۔

بت پرستی کے عقیدہ میں ایک یہ رسم بھی داخل تھی کہ بتوں کے نام پر جانوروں اور انسانوں کی قربانیاں دی جاتی تھیں۔

عرب بتوں کا حج اور ان کے پاس حلفیہ معاہدے بھی کرتے تھے۔

عرب میں ہر قبیلہ کا الگ الگ بت تھا جس کی وہ پرستش کرتے تھے۔ خاص خانہ کعبہ اور اس کے اطراف میں تین سو ساٹھ بت تھے[1]۔ ان میں سے قرآن مجید میں چند ایک بتوں کے نام بتائے ہیں، وہ یہ ہیں: لات، عزیٰ، منات، یغوث، یعوق، نسر، ود، سواع، لبل۔

۳۔ عرب میں بعض ایسے لوگ بھی تھے۔ جو خدا کے تو قائل تھے لیکن روز جزا و سزا کے منکر تھے۔ ان کے رد میں ارشاد الٰہی ہے: قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ (یٰسین ۳۶: ۷۹) کہہ دو کہ (ہڈیوں کو) وہی دوبارہ زندہ

---

[1] صحیح بخاری باب فتح مکہ

کرے گا جس نے پہلی دفعہ پیدا کیا۔

۴۔ ایک گروہ وہ تھا جو الحاد اور دہریت کی ہر تاریک وادی میں بھٹکتا پھرتا تھا۔ ان کے الحاد کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيٰى وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ (الجاثیہ ۴۵: ۲۴)

اور کہتے ہیں یہ کچھ نہیں مگر ہماری دنیا کی زندگی ہے ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور سوائے زمانہ کے ہمیں کوئی ہلاک نہیں کرتا اور انہیں اس کا کچھ علم نہیں وہ صرف ظن سے کام لیتے ہیں۔

۵۔ اسلام کے ظہور سے قبل عرب میں ستارہ پرستی بھی رائج تھی۔ ان میں سب سے اہم سورج اور چاند تھے۔ اس وجہ سے قرآن مجید نے ان کی عبادت سے روکا، فرمایا:

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ (حٰمٓ السجدہ ۴۱: ۳۷) نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو۔

اسی لئے قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے: وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى (نجم ۵۳: ۴۹) اور وہی خدا شعریٰ کا رب ہے۔

۶۔ ملائکہ کی الوہیت:۔ اہل عرب میں ایک گروہ تھا جو ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں تصور کرتا تھا۔ اس وجہ سے وہ ملائکہ کی پرستش کرتا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے ان کی شفاعت کریں۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى (سورۃ نجم ۵۳: ۲۷)

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ فرشتوں کے نام عورتوں کے رکھتے ہیں۔

دوسری جگہ آتا ہے:

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ (النحل ۱۶: ۵۷) اور وہ اللہ کے لئے بیٹیاں ٹھیراتے ہیں وہ پاک ہے اور ان کے لئے ہے جو وہ چاہتے ہیں۔

ایک اور جگہ فرمایا: وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا (آل عمران ۳: ۸۰) اور نہ یہ کہ اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ فرشتوں اور نبیوں کو رب ٹھہراؤ۔

۷۔ جنات کی الوہیت۔ اہل عرب میں سے ایک گروہ جنوں کو بھی خدا کا عزیز اور مقرب تصور کرتا تھا، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے: وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ

نَسَبًا (صفّٰت ۳۷: ۱۵۸) اور اس کے اور جنّوں کے درمیان ناطہ تجویز کرتے ہیں۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ (الانعام ۶: ۱۰۰) اور انہوں نے اللہ کے لئے جن شریک بنا رکھے ہیں حالانکہ اس نے ان کو پیدا کیا ہے۔

بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ (سبا ۳۴: ۴۱) بلکہ وہ جنوں کی عبادت کرتے تھے اور ان میں سے اکثر ان پر ایمان لانے والے تھے۔

## قدیم مذاہب عرب

عرب میں اسلام سے پہلے مختلف مذاہب کے پیرو پائے جاتے تھے جن میں سے زیادہ ممتاز یہودی، عیسائی، صابی اور مجوسی اور حنفا تھے۔

یہودیت :۔ اسلام سے قبل یہودیت بالکل بگڑ چکی تھی، سیہر قسم کی برائیاں سرایت کر چکی تھیں، جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے:

۱۔ یہودی علماء نے اپنے منشاء کے مطابق احکام الٰہی کو بدل دیا اور اپنی تصنیفات اور اجتہادات کو کتاب الٰہی کا درجہ دیتے تھے۔ ارشاد الٰہی ہے:

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ (مائدہ ۵: ۱۳) یعنی وہ الفاظ کو اپنی جگہ سے ہٹا دیتے تھے۔

۲۔ جاہل اور ان پڑھ سنے سنائے قصوں کو ہی روح مذہب سمجھتے تھے، ارشاد الٰہی ہے:

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ بقرہ ۲

اور ان میں سے بعض ان پڑھ ہیں جن کو تورات کا علم تک نہیں محض بناوٹی باتیں معلوم ہیں وہ صرف ان کے خیالات ہیں۔

۳۔ احکام خداوندی میں سے جو آسان اور ضرورت کے مطابق ہوتے ان پر عمل کر لیتے اور دوسرے احکام پس پشت ڈال دیتے ارشاد الٰہی ہے:

نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (بقرہ ۲: ۱۰۱) جن کو خدا کی کتاب دی گئی تھی ان میں سے ایک فریق اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈالتا ہے گویا وہ جانتا ہی نہیں۔

۴۔ ان کا یہ باطل وہم تھا کہ وہ خدا کے برگزیدہ ہیں اور قیامت کو ان کے گناہوں کی وجہ سے مواخذہ نہ ہوگا، ارشاد الٰہی ہے: نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (مائدہ ۵: ۱۸) ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے پیارے ہیں۔

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً (بقرہ ۲: ۸۰) اور کہا کہ

ہم کو نارِ جہنم ہرگز نہیں چھوئے گی لیکن چند روز۔

۵۔ یہود میں باہم آویزش اور مقاتلہ کا بازار گرم رہتا تھا، ناحق ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے۔ پھر کوئی قید ہو جاتا تو اس کو فدیہ دے کر چھڑا بھی لیتے تھے، ارشاد الٰہی ہے:

"پھر تم ہی لوگ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرتے اور ایک گروہ کو ان کے گھروں سے نکالتے ہو اور ان کے خلاف گناہ اور ظلم سے مدد کرتے ہو اور اگر قید ہو کر تمہارے پاس آئیں تو فدیہ دے کر انہیں چھڑاتے ہو، حالانکہ ان کا نکالنا ہی تم پر حرام تھا، تو کیا تم کتاب کے بعض حکموں کو مانتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو؟" (البقرہ ۲: ۸۵)

۶۔ طمع اور حرص میں حد سے بڑھے ہوئے تھے جس کی وجہ سے ہر قسم کی برائی اور اخلاقی کمزوری میں مبتلا ہو چکے تھے۔ اگر وہ کسی عرب سے لین دین کرتے تو کبھی بھی دیانت داری نہ برتتے۔ چنانچہ قرآن مجید نے ان کی اخلاقی کمزوری کو اس طرح بیان کیا ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَّا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا (آلِ عمران ۳: ۷۵) اہل کتاب (یہود) میں سے بعض ایسے ہیں کہ اگر ان کو ایک دینار ہی امانت رکھنے کے لئے دے دو تو وہ تم کو اس وقت تک واپس نہ دیں گے جب تک تم ان کے سر پر کھڑے نہ رہو۔

۷۔ سودی کاروبار کرنے کی وجہ سے یہود سنگ دل ہو گئے تھے اور کسی معصوم بچے کے زیور کو اتارنے کے لئے اس کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں آتا ہے:

وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ (النساء ۴: ۱۶۱) اور ان کے سود لینے کی وجہ سے حالانکہ وہ اس سے روکے گئے تھے اور ان کے لوگوں کا مال ناحق کے ساتھ کھانے کی وجہ سے۔

۸۔ وہم پرست۔ تعویذ گنڈے کو سچ سمجھتے تھے۔ لبید اعصم وغیرہ مدینہ میں بہت سے عامل تھے جو کنگھیوں اور بالوں میں منتر پڑھ کر پھونکتے تھے[1]

۹۔ عیسائیوں کے نقش قدم پر چل کر یہود نے بھی عزیر کو خدا کا بیٹا بنا لیا تھا۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ (توبہ ۹: ۳۰) اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔

**عیسائیت:۔** عیسائیت میں غلط عقائد داخل ہو چکے تھے۔ ایک باطل عقیدہ تثلیث کا تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح القدس اور حضرت مریم علیہا السلام کو خدا مانتے تھے۔ قرآن مجید نے الگ الگ آیات میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح القدس اور حضرت مریم کی الوہیت کی

---

[1] صحیح بخاری جلد دوم کتاب الطب باب السحر۔

تردید کی ہے۔ اور ایک آیت میں عقیدہ تثلیث کو رد کیا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ (مائدہ ۵: ۷۳) وہ لوگ کافر ہوتے جو کہتے ہیں کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے، حالانکہ ایک معبود کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔

دوسرا باطل عقیدہ کفارہ کا تھا۔ اس عقیدے کی رو سے خدا کے عدل کو اس موروثی گناہ کے فدیے میں خون کی قربانی درکار تھی۔ یہ قیمت یسوع مسیح علیہ السلام نے ادا کی، جس نے اپنا خون صلیب پر بہا کر اس موروثی گناہ کا فدیہ دیا۔

اب جو بھی کفارہ پر ایمان لاتا ہے اس کے تمام گناہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اٹھا لیتے ہیں۔ وہ گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔ اس عقیدہ نے عیسائیوں میں ہر قسم کی برائی کو رواج دیا، اور وہ بے باکی سے گناہوں کی وادی میں سرگرداں پھرنے لگے۔

تیسرا باطل عقیدہ موروثی گناہ تھا۔ اس عقیدہ کے مطابق آدم آزمایا گیا اور اس نے پہلا گناہ کیا۔ آدم اپنے اس گناہ کے باعث خود ہی فضل ایزدی سے محروم نہ ہوا بلکہ تمام نسل آدم اور سب مرد اور عورتیں گناہ کے اس کلنک کے ساتھ پیدا ہوتی ہیں جو موروثی ہے۔ وہ گناہ میں پیدا ہونے کے باعث غضب الٰہی اور ابدی سزا کے مستحق ہیں۔ گویا حضرت آدم کے گناہ نے تمام نسل انسانی سے ملوث کر دیا ہے۔

صابئیت:۔ صابیین کا اصل مولد بابل تھا۔ متواتر سیاسی انقلابات کی وجہ سے ان میں یہودیت، مجوسیت اور عیسائیت کے اجزاء شامل ہو گئے تھے۔ ایک خدا پر اعتقاد رکھتے تھے۔ ستاروں اور بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ ستاروں کی ارواح کو خدا اور اس کے بندوں کے درمیان وسیلہ سمجھتے تھے۔ تین وقت ستاروں کی پرستش کرتے تھے۔ صبح کو تا طلوع آفتاب، دوپہر کو زوال کے وقت تک اور شام کو غروب آفتاب تک۔ ان کے مذہبی عقائد بنی اسرائیل کے بالکل ضد تھے۔ توراۃ کے تمام انبیاء کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر آخر تک سب کو مفتری اور کاذب سمجھتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابل فرعون کو اچھا سمجھتے تھے اور اس کو اپنا پیشوا جانتے تھے۔ اسی زمانہ کا مذہب صحیح خیال کرتے تھے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ جو مصری فرعون کے ساتھ ڈوبنے سے بچ گئے تھے وہ قطب شمالی کی جنت میں آرام کر رہے ہیں۔

مجوسیت:۔ ایران کا قدیم مذہب ہے جس کا بانی زرتشت ہے۔ مجوس یزدان اور اہرمن دو خدا مانتے تھے۔

یزدان خیر کا اور اہرمن شر کا خدا تصور کرتے تھے۔ اسی طرح یزدان کو نور اور اہرمن کو ظلمت

سے بھی تعبیر کرتے تھے۔ قرآن مجید میں ان کے اعتقاد کو بھی رد کیا ہے، ارشاد الٰہی ہے:
قَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (النحل ۱۶: ۵۱)
یعنی خدا نے فرمایا کہ دو خدا نہ بناؤ وہ تو ایک ہی خدا ہے۔

حنیفیت:۔ قرآن مجید کی رُو سے حنیف کے معنی اوّل، خدا پرست اور دین دار کے ہیں، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: حَنِيْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (انعام ۱۶: ۱۶۱) میں خدا پرست ہوں اور مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ (حج ۲۲: ۳۱) وہ اللہ کے پرستار ہیں اور مشرک نہیں ہیں۔

ان آیات میں حنیف کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ہی شرک کی بھی نفی کی گئی ہے۔ دراصل حنیف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہی مذہب تھا، جس میں خالص توحید پائی جاتی تھی۔ اسی مذہب پر تمام انبیاء علیہم السلام آئے اور سب کی یہی دعوت ہوتی تھی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عرب میں ایک تحریک شرک سے بیزاری کی اٹھی تھی۔ وہ لوگ اپنے آپ کو حنیف کہتے تھے۔ وہ صرف ایک خدا کے پرستار تھے۔ ان کو نہ نصرانیت سے تعلق تھا اور نہ یہودیت سے۔ ان میں سے مشہور زید بن عمرو بن نفیل اور امیہ بن ابی الصلت تھے۔ تاریخ سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ ان کے علاوہ اور بھی اشخاص تھے مثلاً قس بن ساعدہ، عثمان بن حویرث، قیس بن نشیبہ۔

ورقہ بن نوفل آغوش حنفیت میں جانے کے بعد آغوش نصرانیت میں چلے گئے تھے۔ اس تحریک کا صرف یہ مقصد تھا کہ بت پرستی کی جگہ توحید کو فروغ دیا جائے۔ لیکن اس تحریک سے عرب کی مشرکانہ فضا میں کوئی تغیر پیدا نہ ہوا۔

عرب کی اخلاقی حالت:۔ عرب کے گندے خصائل اور اعمال کی ایک لمبی فہرست ہے، جن کو بیان کرنا طوالت سے کام لینا ہے۔ صرف چند ایک بیان کئے جاتے ہیں:

بادہ نوشی:۔ بادہ نوشی جوائم الخبائث ہے عربوں میں اس قدر عام تھی کہ ہر گھر مے کدہ بنا ہوا تھا۔ دوست واحباب ایک دوسرے کے گھروں میں جمع ہوتے، شراب پیتے، جوا کھیلتے، صاحب خانہ بے جا فیاضی میں اپنے اونٹوں کو نحر کرتا۔ لوگ گوشت کھاتے، مغنیہ عورتیں گانیں بجائیں، شعراء اپنی بادہ نوشی کا ذکر اپنے قصائد میں فخریہ بیان کرتے۔ عربی زبان میں شراب کے سو سے زیادہ نام تھے۔ علامہ مجدالدین فیروز آبادی نے ان ناموں پر ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے۔

قمار بازی:۔ عرب جاہلیت میں قمار بازی کا بہت رواج تھا۔ قمار بازی کی کئی صورتیں تھیں۔

زیادہ تر جوا ازلام کے ذریعہ جاتا تھا۔ ان کی تعداد دس تھی۔ ہر ایک تیر کا نام جدا جدا تھا، اور ان کے الگ الگ حصے مقرر تھے۔

ایک طریقہ قمار بازی کا یہ تھا کہ تھوڑی سی ریت جمع کر کے کوئی چیز اس میں چھپا دیتے۔ اسکے بعد اس ریت کی دو ڈھیریاں بنا دیتے اور دریافت کرتے کہ بتاؤ پوشیدہ چیز کس ڈھیری میں ہے۔ جو شخص بتا دیتا وہ جیت جاتا، جو غلط بتاتا وہ ہار جاتا۔

جوئے کا ایک طریقہ جس کو رہان کہتے تھے عرب میں رائج تھا۔ کسی شرط پہ بازی لگاتے۔ جب وہ شرط پوری نہ ہوتی تو جس چیز پہ بازی لگائی ہوتی تھی، وہ دوسرا جیت جاتا، جو غلط بتاتا وہ ہار جاتا۔

جوئے کا ایک طریقہ جس کو رہان کہتے تھے عرب میں رائج تھا۔ کسی شرط پہ بازی لگاتے۔ جب وہ شرط پوری نہ ہوتی تو جس چیز پہ بازی لگائی ہوتی تھی، وہ دوسرا جیت جاتا۔ جو لوگ قمار بازی کی مجلسوں میں شریک نہیں ہوتے تھے ان کو بخیل تصور کیا جاتا تھا۔ وہ سوسائٹی کی نظر میں گرے ہوئے انسان ہوتے تھے۔ ان سے عورتیں شادی وغیرہ نہیں کرتی تھیں۔ ان کو "برم" کا خطاب دیا جاتا تھا۔

زنا:۔ قوموں اور ملکوں کی تباہی و بربادی اور تنزل کے گڑھے میں دھکیلنے کا سب سے بڑا سبب زنا اور فواحش ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جو اقوام قعر مذلت میں گری ہیں ان سب میں زنا کا مرض بہت عام تھا۔ عرب کے لوگ اس مرض خبیثہ سے نہیں بچے تھے۔

شعراء فخریہ اپنے قصائد میں زنا کے واقعات بیان کرتے تھے۔ وہ قصائد بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کی زبان پر جاری رہتے۔ امرء القیس عرب کا سب سے بڑا شاعر تھا، وہ اپنی عم زاد بہن عنیزہ پر عاشق تھا۔ اس نے اپنے مشہور قصیدہ لامیہ میں عنیزہ اور دوسری عورتوں کے ساتھ جو افعال شنیعہ اور بے حیائیاں کیں بیان کرتا ہے۔

فاحشہ عورتیں گھروں کے سامنے جھنڈیاں لگا کر بیٹھتی تھیں[1]۔ وہ صاحب الرایات کہلاتی تھیں۔ رؤساء عرب کے گھروں میں لونڈیاں ہوتی تھیں، وہ ان سے پیشہ کرواتے۔ عبداللہ بن ابی رئیس مدینہ کی دو لونڈیاں تھیں، وہ ان سے بدکاری کرواتا اور ان کی کمائی کھاتا۔

عرب میں نکاح کی بعض ایسی صورتیں تھیں جو دراصل زنا ہی تھا۔ صحیح بخاری کتاب النکاح میں یہ صورتیں ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب النکاح جلد ۲ صفحہ ۷۶۹

ایک صورت یہ تھی کسی بہادر کے پاس اپنی عورت کو بھیج دیتا تھا اور کہتا تھا کہ اس سے بہتر ہو۔ بچہ پیدا ہوتا تو سمجھتے تھے کہ اس میں بھی وہی اوصاف آجائیں گے جس کا یہ نطفہ ہے۔

نکاح کی دوسری صورت یہ تھی کہ چند آدمی ایک وقت میں ایک عورت کے پاس جاتے۔ سب اس سے باری باری ہم بستر ہوتے۔ جب وہ حاملہ ہوجاتی اور بچہ جنتی تو سب کو کہلوا بھیجتی اور کسی ایک سے کہتی کہ یہ بچہ تمہارا ہے اور اس کو قبول کرنا پڑتا۔ پھر وہ اس کا بیٹا خیال کیا جاتا۔

تیسرا طریقہ یہ ہوتا کہ جب کسی فاحشہ عورت کے بطن سے کوئی لڑکا پیدا ہوتا تو وہ قیافہ شناس کو بلوا بھیجتی۔ وہ شکل دیکھ کر بتاتا کہ یہ لڑکا فلاں شخص کا ہے۔ پھر وہ فاحشہ عورت اس مرد کو کہلوا بھیجتی اور اس کو کہتی کہ یہ تیرا لڑکا ہے، تو اس کو قبول کرنا پڑتا۔

ایک قسم عارضی نکاح کی تھی۔ اس نکاح کی صورت یہ ہوتی تھی کہ کوئی مرد کسی عورت سے مقررہ مدت کے لئے نکاح کرلیتا۔ اس مدت کے گزرنے کے بعد اس کی اُجرت دے دیتا، پھر اس کو الگ کر دیتا اس کو متعہ کہتے تھے۔

سود خوری:۔ ملک عرب میں سود خوری کا عام رواج تھا۔ تمام صاحب ثروت سود پر لین دین کرتے تھے۔ طائف ایک زرخیز علاقہ تھا۔ اس وجہ سے وہاں کے لوگ بہت امیر تھے، وہ بہت زیادہ سودی کاروبار کرتے تھے۔

غارت گری:۔ عرب میں دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک حضری اور دوسرے بدوی۔ بدوی تو رہزنی اور غارت گری میں بہت مشاق تھے اور انہوں نے رہزنی کو اپنا ذریعہ معاش بنا رکھا تھا۔ بعض قبائل غارت گری کی وجہ سے بہت مشہور تھے اور ان میں سے قبیلے عام طور پر اس وجہ سے مشہور و معروف تھا۔

اس قسم کے لوگوں کو لصوص یا ذوبان العرب، (عرب کے بھیڑیے) کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ مسافروں اور قافلوں کو لوٹتے تھے۔

چوری: عربوں میں چوری کا عام رواج تھا۔ لیکن بعض قبائل کے نوجوان چوری کرنے میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ ان میں سے سلیک بن السلکہ اور تابط شرا خاص شہرت کے مالک تھے۔ چوری کا مرض صرف بدوی قبائل میں ہی نہ تھا بلکہ قریش جو تجارت اور خانہ کعبہ کی تولیت کی وجہ سے خاصے متمول تھے۔ ان میں بھی یہ مرض تھا۔ چنانچہ کلبی نے متعدد ممتاز قریشیوں کے نام بتائے ہیں۔ جنہوں نے خانہ کعبہ کے تحفوں اور نذرانوں کے خزانے سے چوری کی تھی۔ ان میں سے خاص طور پر ابولہب کا نام لیا جاتا ہے۔

چوری کی عادت عربوں میں اس قدر عام ہوچکی تھی کہ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا

سکتا ہے کہ جب مرد اور عورتیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیعت کرنے کے لئے آئی تھیں تو آپ دوسری باتوں کے ساتھ یہ عہد بھی لیتے تھے کہ آئندہ چوری نہ کریں گے۔

جنگ جوئی:۔ عرب میں ہر وقت جنگ و قتال کا بازار گرم رہتا۔ بہت ہی معمولی بات پر لڑائی برسوں جاری رہتی۔ کئی کئی نسلیں تباہ ہو جاتیں۔ ہر خاندان دوسرے خاندان سے برسرپیکار رہتا۔ اگر کسی خاندان کا آدمی قتل ہو جاتا تو مقتول کے بیٹے اور رشتے دار قاتل سے انتقام لینے کے درپے رہتے۔ جونہی موقع پایا قاتل کو تلوار کی ضرب سے ابدی نیند سلا دیا۔ اس طرح ایک لڑائی کا سلسلہ غیر متناہی ہو جاتا۔ ان لڑائیوں کو مورخین ایام العرب کے نام سے پکارتے ہیں جن کی تعداد حد سے تجاوز کر گئی ہے۔ دو لڑائیاں خاص طور پر مشہور ہیں:

۱۔ لڑائی عبس و ذبیان ۔ ۲۔ حرب بسوس۔

عشق بازی:۔ عربوں میں عشق کا مرض بہت بڑھ گیا تھا۔ جو آدمی عشق نہیں کرتا تھا وہ سوسائٹی میں ذلیل خیال کیا جاتا تھا۔ اپنے عشق کو فخریہ بیان کرتے۔ شعراء اپنے عشق کے واقعات بڑے بڑے میلوں میں سناتے۔ امرء القیس نے اپنے قصیدہ میں اپنی چچازاد بہن کے ساتھ عشق و وصال کا واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ قصیدہ اپنی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بلند ترین شمار کیا گیا ہے۔ اس وجہ سے اس کو خانہ کعبہ میں آویزاں کیا گیا۔

تکبر:۔ تکبر وہ وصف ہے جس سے تمام برائیوں اور مظالم کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ اس مرض میں عرب کے لوگ بُری طرح سے مبتلا تھے۔ بعض آدمیوں یا قبائل کا تکبر ضرب المثل بن گیا تھا۔ جذیمہ ابرش کے تکبر کی یہ حالت تھی کہ وہ کسی کو اپنا ہم نشین نہیں بناتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ فرقدین کے ستارے ہی اس کے ہم مجلس اور ہم صحبت ہو سکتے ہیں۔ بنی مخزوم تکبر کی وجہ سے بہت شہرت کے مالک تھے۔

بے شرمی و بے حیائی:۔ جس ملک میں زنا کی کثرت ہو وہاں شرم و حیا کا وجود مفقود ہو جاتا ہے۔ عرب میں بے شرمی اور بے حیائی کی کوئی حد ہی نہیں تھی۔

بیت اللہ کا حج کرنے کے لئے لاکھوں آدمی جمع ہوتے تھے۔ سوائے قریش کے سب ننگے ہو کر کعبہ کا طواف کرتے۔ اسی طرح عورتیں بھی ننگا طواف کرتیں۔

نہانے اور حاجت کے وقت پردہ نہیں کرتے تھے۔ مجلسوں میں اپنی بیویوں سے ہم بستری کے واقعات لطف لے لے کر بیان کرتے۔

سفاکی و ظلم:۔ شب و روز کی لڑائیوں نے اہل عرب میں درندگی اور بربریت پیدا کر دی تھی۔ لڑائیوں میں عورتیں قیدی ہوتیں۔ اگر وہ حاملہ ہوتیں تو ان کے پیٹ چاک کر دیتے۔ مقتولوں

کے ناک کاٹ لیتے اور عورتیں ان کا ہار بنا کر پہنتیں۔

سزا دینے کے بھی عجیب و غریب سنگ دلانہ طریقے تھے۔ مجرم کو دو اونٹوں سے باندھ دیتے، پھر ان کو مخالف سمتوں میں چلا تے تو مجرم کا بدن چر جاتا۔ اسی طرح دو درختوں کی ٹہنیاں جھکا کر باندھ دیتے، پھر ٹہنیوں کو چھوڑ دیتے تو مجرم کا جسم چر جاتا۔ کبھی کبھی گھوڑے کی دُم سے باندھ دیتے اور سرپٹ دوڑا دیتے تو آدمی کے جسم کے ٹکڑے اڑ جاتے۔ کبھی آدمی کو کسی تاریک کوٹھڑی میں قید کر کے کھانا پینا بند کر دیتے، وہ بیچارہ تڑپ تڑپ کر جان دے دیتا۔

زندہ جانوروں کو درخت کے ساتھ باندھتے اور اس پر نشانہ کی مشق کرتے۔ زندہ اونٹ اور دنبوں کی کوہان اور چکیاں کاٹ لیتے اور کباب بناتے۔

**اخلاق حمیدہ:** ۔ اہل عرب میں سخاوت، مہمان نوازی، وفائے عہد، شجاعت نمایاں ترین اوصاف حمیدہ تھے۔

**تمدنی حالت:** ۔ تہذیب و تمدن کے لحاظ سے عرب کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ حصّہ جہاں کسی زمانہ میں تہذیب و تمدن انسانی درجۂ ترقی کر چکا تھا۔ مثلاً یمن میں کسی زمانہ میں تہذیب و تمدن اوج کمال پر پہنچ چکا تھا یورپ کے محققین آثار قدیمہ جنہوں نے یمن کے آثار قدیمہ کی تحقیقات کی ہے اور پرانے کتبے پڑھے ہیں، وہ یمن کی تہذیب و تمدن کا اعتراف کرتے ہیں۔

اس کے برعکس عرب کے اندرونی حصہ میں تہذیب و تمدن کا نام و نشان نہ تھا۔ اندرونی حصوں میں تقسیم آبادی کے لحاظ سے عرب دو حصّوں میں منقسم تھا: حضری اور بدوی۔

چونکہ حضری ایک جگہ پر سکونت اختیار کرتے تھے اس وجہ سے ان کا ایک خاص تمدن تھا۔ ان میں مدنیت کا رنگ پایا جاتا تھا۔ مگر بدوی لوگوں کی زندگی خانہ بدوشوں کی سی تھی۔ ان کا کوئی مستقل ٹھکانا نہ ہوتا تھا۔ جہاں اپنے مویشیوں کے لئے گھاس پانی پایا، وہیں خیمے نصب کر لئے۔ جب گھاس ختم ہوا تو وہاں سے اپنا اثاثہ اونٹوں پر لاد کر اور کسی مقام پر جا ڈیرا لگایا۔

اندرونی حصّے میں تہذیب و تمدن نہ پایا جانے کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ عربی ایک نہایت وسیع زبان ہے۔ لیکن عربی زبان میں ان چیزوں کے نام ہی نہیں جن کا تمدن سے تعلق ہے۔ بلکہ اہل عرب نے ان چیزوں کے نام ایران اور روم سے مستعار لئے ہیں۔ سکّہ کے لئے کوئی نام نہیں۔ درہم اور دینار دونوں غیر زبان کے الفاظ ہیں۔ کوزہ کے لئے کوئی لفظ نہیں، کوزہ کو کوز بنا لیا۔ جب ایسی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے نام عربی زبان میں نہیں ہیں تو بڑی بڑی اشیاء جن سے تہذیب و تمدن کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہاں سے لفظ آتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اندرونی حصّہ

میں کچھ معمولی تہذیب وتمدن کا نشان پایا جاتا تھا تو وہ بیرونی مہذب ممالک کے اثرات تھے۔

احادیث سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک عیش وتنعم کے سامان بہت کم تھے۔ نہ گھروں میں چراغ جلتے تھے اور نہ چھپتیاں ہوتی تھیں، نہ کوئی اور سامان عیش۔ طرز زندگی کے لحاظ سے اہل عرب کی خوراک، لباس عام بود وباش نہایت سادہ تھی۔ عام خوراک عربوں کی اونٹوں اور بکریوں کا گوشت، دودھ، کھجور اور جو کے ستو تھی۔ لباس کی سادگی کا یہ عالم ہوتا تھا کہ عام لوگوں کے پاس ایک چادر سے زائد کپڑا نہ ہوتا تھا۔ تمیض خاص خاص لوگ پہنتے تھے۔ گھروں میں لوگ چٹائیوں پر سوتے تھے، ہاں دولت مند لکڑی کے تخت استعمال کرتے تھے۔

اقتصادی حالت:۔ ملک عرب کی اقتصادیات اور معاشیات کا تمام تر دارومدار زراعت، تجارت اور مویشیوں پر تھا۔

ملک کا زیادہ حصہ غیر آباد اور ریگستان ہے اس لئے وہاں زراعت سے زیادہ تجارت کو فروغ تھا۔ اس کے آباد حصے ملک کے تین طرف بحری سواحل پر واقع ہیں۔ مغرب کی طرف بحرین اور عمان خلیج فارس پر، شمال میں حضرموت اور یمن بحر عرب پر اور مشرق میں حجاز اور مدین بحر احمر پر واقع ہیں۔

اس جغرافیائی تحدید سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ عرب کے ساحلی صوبے دنیا کے بڑے بڑے ممالک کے آمنے سامنے واقع ہیں۔

عمان اور بحرین ایران اور عراق سے تعلق رکھتے ہیں۔ یمن اور حضرموت افریقہ اور ہندستان کے سامنے واقع ہیں۔ حجاز مصر کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔

برآمد سامان تجارت:۔ عرب تاجر اپنے ملک سے عموماً تین چیزیں باہر لے جاتے تھے:

۱۔ کھانے کا مسالہ اور خوشبودار اشیاء۔

۲۔ سونا، جواہرات اور لوہا۔

۳۔ چمڑا، کھالیں، زین پوش، بھیڑ بکری۔

درآمد:۔ عرب کے تجار غیر ملکوں سے حسب ذیل چیزیں لاتے تھے۔

کپڑا، غلہ، شراب، ہتھیار، آئینہ اور سامان آرائش۔

عرب کے تجارتی میلے:۔ عرب میں مختلف جگہوں پر تجارتی بازار لگتے تھے۔ وہاں خرید وفروخت کا بازار گرم رہتا۔ عکاظ اور ذوالمجاز کے مشہور تجارتی میلے ہیں۔

زراعت:۔ عرب میں زراعت کا پیشہ بہت ہی کم تھا۔ عرب کے وہ مقامات جو سواحل بحر پر واقع ہیں عموماً سرسبز اور زرخیز ہیں۔ خصوصاً یمن کا صوبہ جو بحر ہند اور بحر احمر کے ساحل پر واقع ہے

نہایت زرخیز تھا۔ اس کے علاوہ یمامہ، نجد اور یثرب و خیبر کے علاقے زرخیز تھے۔ یہاں کاشتکاری ہوتی تھی۔

حیوانات :۔ حیوانات کے لحاظ سے بھی عرب بہترین ملک ہے۔ عرب کے گھوڑے خوبصورتی اور تیز رفتاری کی وجہ سے مشہور ہیں۔ گھوڑوں کے علاوہ اونٹ، بھیڑ بکریاں عرب میں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ بھیڑ بکری اور اونٹ کے بالوں سے کمبل اور کپڑے بنائے جاتے ہیں اور ان کا گوشت کھانے میں استعمال کرتے ہیں۔

سیاسی حالت :۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت عرب میں کوئی مرکزی حکومت نہ تھی۔ تمام عرب قبائل میں بٹا ہوا تھا۔ ان قبائل کی باہمی شیرازہ بندی نسب اور اتحاد خون کے رابطہ سے ہوتی تھی۔

قبیلہ کی حکومت جمہوری طرز پر ہوتی تھی۔ ہر قبیلہ کا رئیس اعلیٰ اہل قبیلہ میں سے ہوتا۔ جمہوری اصول کے مطابق وہی شخص منصب سیادت کا اہل ہوتا تھا جس کے حامی سب سے زیادہ ہوں اور وہ شجاعت، مہمان نوازی، فیاضی، وغیرہ میں ممتاز حیثیت رکھتا ہو۔

قبیلہ کا رئیس اعلیٰ کنبوں کے دوسرے سرداروں کو جمع کرتا، جن سے شیخ القبیلہ کی قسم کی کمیٹی تشکیل پاتی تھی۔ اس میں جنگ و صلح یا دوسرے اہم امور کے متعلق گفتگو ہوتی۔ قبیلہ کا کوئی خاص قانون نہیں ہوتا تھا، بلکہ حکومت کی بنیاد موروثی روایات پر مبنی ہوتی اور انہی کے مطابق فیصلے کئے جاتے تھے۔

عرب میں مرکزی حکومت کے فقدان کی وجہ سے نہ کوئی محکمہ عدلیہ تھا نہ نظم امن قائم رکھنے کے لئے محکمہ پولیس تھا۔ اور نہ خارجی خطرات کے دفاع کے لئے فوجی نظام تھا۔ نہ ان کے پاس اپنا سکہ یا مکمل تھی۔

عرب میں صوبہ حجاز اور اس کی امارت کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ کیونکہ اس صوبہ میں مکہ کا مقدس شہر آباد تھا۔ اس شہر میں بیت اللہ تھا، جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پرانی بنیادوں پر از سر نو تعمیر کیا تھا۔ سب سے پہلے اس گھر کے متولی حضرت اسماعیل علیہ السلام ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے لڑکے نابت بیت اللہ کے متولی بنے۔ آخر یہ تولیت ان کے خاندان میں منتقل ہوتی رہی اور رہوتے ہوتے فہر تک پہنچی۔ اس کا لقب قریش تھا، اس نسبت سے اس کی نسل قریشی کہلائی ہے۔ اس کی پانچویں پشت میں قصی پیدا ہوا۔ اس وقت حرم کی تولیت پر بنو خزاعہ کا قبضہ تھا۔ قصی نے بنو کنانہ کی مدد سے بنو خزاعہ سے حرم کا قبضہ لے لیا، اور تمام قریش کو مکہ میں آباد کیا۔

ان کی تنظیم کر کے ایک چھوٹی سی ریاست کی بنیاد ڈالی۔ اس دن سے قریش کو حجاز میں سیاسی اور اجتماعی اہمیت حاصل ہوگئی۔

قصی نے اس ریاست کی بنیاد جمہوری طرز پر رکھی۔ اس کے کئی شعبہ جات تھے جو مختلف قبائل تقسیم تھے، بڑے بڑے تین تھے، فوجی، عدالتی، مذہبی۔ پھر یہ تینوں شعبے کئی شعبوں میں تقسیم تھے جو قریش کی مختلف شاخوں میں منقسم تھے۔ اسلام سے قبل ان کی تقسیم حسب ذیل تھی:

| | |
|---|---|
| ۱۔ عقاب کا عہدہ | بنی امیہ میں۔ |
| ۲۔ قبہ اور راعنہ کا | بنی مخزوم میں۔ |
| ۳۔ سفارت | بنی عدی میں۔ |
| ۴۔ ندوہ | بنی عبدالدار میں۔ |
| ۵۔ مشورہ | بنی اسد میں۔ |
| ۶۔ اشناق | بنی تمیم میں۔ |
| ۷۔ حکومت | بنی سہم میں۔ |
| ۸۔ سقایہ اور رفادہ | بنی ہاشم میں۔ |
| ۹۔ رفادہ | بنی نوفل میں۔ |
| ۱۰۔ سدانہ | بنی عبدالدار میں۔ |
| ۱۱۔ الیسار | بنی جمح میں۔ |
| ۱۲۔ اموال المجرۃ | بنی سہم میں۔ |

عرب کی حکومتیں:۔ قبائلی نظام کے علاوہ بعض حکومتوں کے قیام کا بھی پتہ چلتا ہے، ان میں سے اکثر دوسری بڑی حکومتوں کے ماتحت تھیں اور انہیں خراج ادا کرتی تھیں۔ وہ حکومتیں یہ ہیں۔

۱۔ ملوک حیرہ۔
۲۔ ملوک شام۔
۳۔ ملوک یمن۔
۴۔ تابعی حکومت۔

معاشرتی حالات:۔ جس ملک میں نہ مذہبی حالت اچھی ہو، نہ اخلاقی، نہ تمدنی تو اس ملک میں معاشرت کا درخت کیسے سرسبز ہو سکتا ہے؟ عرب میں معاشرت کا پہلو بھی بہت تاریک تھا۔ جیسا کہ زنا کے عنوان کے تحت عورت کی حالت بیان کی گئی ہے کہ وہ کس حد تک ذلیل اور محکوم سمجھی جاتی تھی یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔ جس گھر میں لڑکی پیدا ہوتی تھی اس کو سخت رنج ہوتا

اور شرم کے مارے گھر سے باہر نہیں نکلتا تھا۔ دختر کشی کی رسم جاری ہوگئی۔ ایک صاحب نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کہا کہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے آٹھ لڑکیاں زندہ دفن کی ہیں۔ بعض اوقات نکاح کے وقت ہی یہ معاہدہ کرلیا جاتا تھا کہ جو لڑکی پیدا ہوگی اسے مار دیا جائے گا۔

عورت وراثت میں حصہ دار نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ وہ شوہر کے وارثوں کی ملک تصور کی جاتی تھی۔ کسی قوم اور ملک کی ترقی میں عورت کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے کیونکہ پہلے اسی کی گود سے بچے نے عزت نفس، ذہنی بلند پروازی اور خدمت قوم کا سبق لینا ہوتا ہے۔ جب معاشرہ میں عورت کو ہی یہ ذلیل درجہ دیا جائے گا تو اس نے اپنے بچہ کی کیا پرداخت کرنا ہے؟ عرب کے جاہلی معاشرہ میں نہ ہمسائیگی کے حقوق کا خیال رکھا جاتا تھا۔ نہ غریب بیکس یتیم کے حقوق کی حفاظت ہوتی تھی۔

# خاندان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

**خاندان نبوی:-** رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ خدا کے حکم کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ہاجرہ کو وادی غیر ذی زرع (جہاں اب مکہ آباد ہے) میں چھوڑ آئے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں بیت اللہ تعمیر تھا، لیکن حوادثات زمانہ کی وجہ سے منہدم ہو چکا تھا۔ اب خدا تعالیٰ کی مشیت نے چاہا کہ اس گھر کو دوبارہ تعمیر کیا جائے۔ اس وادی غیر ذی زرع میں قدرت خداوندی سے چشمہ پھوٹ پڑا تھا۔ اور سب سے پہلے قبیلہ بنو جرہم اس کے جوار میں آباد ہوا۔

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام سن بلوغت کو پہنچے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام دوبارہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس آئے اور دونوں باپ بیٹے نے فرمانِ خداوندی کے تحت بیت اللہ کو از سر نو تعمیر کیا جس کا ذکر قرآن مجید میں آتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ (بقرہ ۳، ۱۲۷) اور جب ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی دیواریں اُٹھا رہے تھے۔

حضرت اسماعیل السلام نے بنو جرہم کی ایک لڑکی سے شادی کر لی۔ آپ کی بارہ اولادیں ہوئیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے قیدار بہت نامور ہوا۔ اس کی اولاد مکہ میں آباد ہوئی اور بیت التوحید کے حقوق کی نگہداشت کی۔

قیدار کی اولاد میں عدنان اول ایک اولوالعزم اور صاحبِ ہمت شخص گزرا ہے۔ اس نے اپنے مقدس باپ کے مقدس ورثہ کی پوری حفاظت کی۔

**بنو جرہم کا غلبہ:-** عدنان کی وفات کے بعد قبیلہ بنو جرہم غالب آگیا اور کعبہ کی تولیت بنو اسماعیل سے نکل کر جرہم کے خاندان میں آگئی۔ مدت تک یہ قبیلہ صاحب اقتدار اور جاہ و حشمت کا مالک رہا۔ بنو اسماعیل نے اپنے آبائی ورثہ کے حصول کی سعی نہ کی۔

## بیت اللہ کی دوبارہ تولیت

قصی نے جو عدنان دوم سے پندرھویں پشت میں ہے، اپنا آبائی ورثہ حاصل کر لیا اور مکہ پر قبضہ کر لیا۔ اور ایک مشترکہ حکومت کی بنیاد ڈالی اور مندرجہ ذیل عہدے قائم کیے۔

۱۔ حجابت کعبہ (۲) سقایت۔ (۳) رفادت (۴) صدارت (۵) لواء۔ (۶) قیادت۔
قصی نے مرتے وقت کلید کعبہ کے ساتھ تمام اعزازات عبدالدار کو تفویض کر دیئے۔ گو وہ اپنے بھائیوں میں سب سے نااہل تھا، لیکن کچھ نہ کچھ فرائض سرانجام دیتا رہا۔

## بنو عبدالدار اور بنو عبد مناف میں اختلاف

عبدالدار کے بعد اس کے فرزند اور عبد مناف کے بیٹوں میں مناقشت پیدا ہو گئی۔ عبدالدار کے بیٹے سے کعبہ کی کلید لینے پر اصرار کیا گیا۔ اس مناقشہ پر قریش کے دو گروہ ہو گئے۔ لڑائی ہوتے ہوتے رہ گئی چند آدمیوں کی مداخلت کی سے مصالحت ہو گئی۔ عبد مناف کو سقایت اور رفادت کے اعزازات اور بنو عبدالدار کو کلید برداری، علم اور ندوہ کی صدارت کے فرائض سونپے گئے۔

ابناء عبد مناف میں سے ہاشم سب سے بڑے تھے۔ اس نے مکہ کی تجارت کو فروغ دینے کے لیے قیصر روم، حبشہ کے بادشاہ نجاشی، تاجداران یمن اور فارس سے باہمی امن وسلامتی کے معاہدے کیے۔ اور یہ بھی معاہدہ کیا کہ اگر قریش ان ممالک میں سامان تجارت لے کر آئیں تو ان سے کوئی ٹیکس نہ لیا جائے۔ اس طرح مکہ کی تجارت کا سورج نصف النہار تک پہنچ گیا۔

ہاشم کی وفات کے بعد تمام مناصب اور اعزازات مطلب کو تفویض ہوتے۔ وہ اپنی سخاوت اور دریا دلی کی وجہ سے عرب میں "الفیض" کے نام سے مشہور تھے۔

جب مطلب فوت ہوتے تو تمام مناصب اور فرائض قومی عبدالمطلب کو تفویض ہوتے۔
عبدالمطلب کی زندگی کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ چاہ زمزم ایک مدت سے اٹ کر گم ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے زائرین کعبہ کو پانی کی فراہمی کے لیے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ عبدالمطلب نے جگہ کا پتہ لگا کر چاہ زمزم کو نئے سرے سے کھدوا کر درست کروایا۔

عبدالمطلب کے دس لڑکے تھے۔ ان میں سے حضرت عبداللہ کی شادی قبیلہ زہرہ کے سردار وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی حضرت آمنہ سے ہوئی۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد سفر شام سے واپسی پر مدینہ میں حضرت عبداللہ وفات پا گئے۔

# ولادت محمد صلی اللہ علیہ وسلم وطلوع آفتاب اسلام

**ظہور قدسی:۔** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت موسم بہار میں دوشنبہ کے دن ۹ ربیع الاول ۲۰ اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی۔ دادا نے آپؐ کا نام محمد (صلی اللہ علیہ

وسلم) اور والدہ نے احمدؐ نام رکھا۔ دونوں ناموں کا ذکر قرآن مجید اور احادیث میں ہے۔ آپؐ اسم بامسمّٰی تھے۔ اخلاق اور کمالات کی وجہ سے دنیا میں سب سے زیادہ تعریف آپؐ کی کی گئی ہے، اس وجہ سے آپؐ محمدؐ کہلاتے۔ اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد آپؐ کی زبان مبارک سے جاری ہوئی، پس اس وجہ سے آپؐ احمدؐ کہلاتے۔

**رضاعت اور ایام طفولیت** :- رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پر آپؐ کی والدہ نے دو تین روز دودھ پلایا۔ اس کے بعد ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے دودھ پلایا۔ پھر حضرت حلیمہ نے دودھ پلایا۔ اس زمانہ میں عربوں میں یہ دستور تھا کہ شہر کے روسا اور شرفا اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لیے دیہات اور قصبات میں بھیج دیا کرتے تھے تاکہ جسمانی لحاظ سے صحت مند اور زبان کے لحاظ سے فصیح ہو جائیں۔ دستور مذکور کی بنا پر سال میں دو دفعہ عورتیں شہر میں آتیں اور بچوں کو لے جایا کرتی تھیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے چند دن قبل ہوازن قبیلہ کی عورتیں مکہ آئیں۔ ان میں حضرت حلیمہ سعدیہ بھی تھیں۔ بی بی آمنہ نے اپنے لخت جگر کو حلیمہ کے سپرد کر دیا۔ ہر چھٹے ماہ مکہ لا کر ان کی والدہ کو دکھا جاتی تھیں۔ دو سال کے بعد دودھ چھڑا دیا اور حضرت حلیمہ مائی آمنہ کے پاس لائیں چونکہ ان ایام میں وبا پھیلی ہوئی تھی۔ اس وجہ سے آنحضرتؐ کو ان کی والدہ ماجدہ نے حضرت حلیمہ کے ساتھ واپس بھیج دیا۔ جب چار سال کے ہوئے تو دوبارہ حضرت حلیمہ مکہ لائیں تو والدہ مکرمہ نے آنحضرت کو اپنے پاس رکھ لیا۔[1]

**والدہ کا انتقال** رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر جب چھ برس ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کرنے کے لیے مدینہ ساتھ لے گئیں۔ ایک ماہ وہیں مقیم رہیں۔ اس سفر میں ام ایمنؓ ساتھ تھیں۔ واپس آتے ہوئے مقام ابواء پر آپؐ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا اور وہیں مدفون ہوئیں۔ ام ایمنؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ لیکر آئیں۔

**دادا کی تربیت اور ان کا انتقال** حضرت آمنہ کی وفات کے بعد آنحضرتؐ کو عبدالمطلب نے اپنی پرورش اور نگرانی میں لے لیا اور ہمیشہ آپؐ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ جب حضورؐ کی عمر آٹھ برس اور دس دن کی ہوئی تو عبدالمطلب نے بیاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔

---

[1] مورخین میں اختلاف ہے کہ آپؐ حضرت حلیمہ کے پاس کتنے برس رہے۔ ابن اسحاق ۶ برس کی مدت لکھتے ہیں، محمد حسین ہیکل ۵ برس

## ابوطالب کی کفالت اور شام کا سفر

عبدالمطلب نے وفات کے وقت ابوطالب سے یہ وصیت کی کہ یہ تمہارے مرحوم بھائی عبداللہ کی نشانی ہے، اس پیاری نشانی کو دل وجان سے عزیز رکھنا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارہ سال کی عمر تھی کہ ابوطالب کو تجارت کے سلسلہ میں شام کا سفر پیش آیا۔ سفر کی صعوبت اور تکلیف کی وجہ سے آپؐ کو ساتھ لے جانا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن حضورؐ کو ابوطالب سے اتنی محبت تھی کہ جب وہ سفر پر روانہ ہونے لگے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جذبۂ محبت میں ابوطالب کے ساتھ چمٹ گئے۔ انہوں نے اپنے ساتھ لے لیا۔

## حرب فجار

۵۸۰ء اور ۵۹۰ء کے درمیان قریش اور قیس کے قبیلوں کے درمیان وہ مشہور لڑائی ہوئی جو حرب فجار کے نام سے مشہور رہے۔

قریش کے تمام خاندانوں نے اس میں حصہ لیا۔ سپہ سالار اعظم حرب بن امیہ تھا۔ آل ہاشم کے علمبردار زبیر بن عبدالمطلب تھے۔ چونکہ قریش حق پر تھے۔ اس لیے آپؐ نے ان کا ساتھ دیا۔ لیکن کسی پر تلوار نہیں اٹھائی۔ صرف چچا کو تیر وغیرہ پکڑاتے رہے۔

## حلف الفضول میں شرکت

عرب قبائل کی متواتر خانہ جنگیوں کی وجہ سے ہزاروں گھرانے تباہ و برباد ہو چکے تھے۔ حجاز کا خرمن امن آتش حرب سے بھسم ہو چکا تھا۔ قتل و فساد کی نے رستوں کو پُرخطر بنا دیا ہوا تھا۔ غربا، رؤسا اور امرا کے تختۂ مشق بنے ہوئے تھے۔

حرب فجار کے بعد لوگوں کو ان تباہ کن نتائج کا احساس پیدا ہو گیا تو زبیر بن عبدالمطلب نے یہ تجویز پیش کی کہ ایک ایسی انجمن کا انعقاد ہو جو ملک میں امن و سلامتی قائم رکھے۔ چنانچہ اس تحریک پر خاندان ہاشم زہرہ، تمیم، عبداللہ بن جدعان کے گھر اکٹھے ہوئے اور یہ معاہدہ ہوا کہ اس انجمن کے ممبر مندرجہ ذیل عہد و اقرار کریں۔

۱۔ ہم ملک سے بے امنی دور کریں گے۔
۲۔ ہم غریبوں کی اعانت کریں گے۔
۳۔ مسافروں کی حفاظت کریں گے۔
۴۔ مظلوموں کو ظالموں کے پنجہ سے چھڑائیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مقدس معاہدہ میں شریک ہوئے۔ آپؐ اپنے نبوت

کے زمانہ میں بھی فرمایا کرتے تھے "اگر اس معاہدہ کے بدلے مجھے سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں ہرگز قبول نہ کرتا۔ اگر آج بھی اس قسم کا معاہدہ ہو تو میں شرکت کرنے کو تیار ہوں"۔[1]

## امین کا لقب پانا

اس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیکی، تقوی، دیانت و امانت اور راست بازی مکہ میں زبان زد خلائق بن چکی تھی جس آدمی کا بھی واسطہ آنحضرتؐ سے پڑا، آپؐ کو کھرا پایا۔ اس وجہ سے لوگ آپ کو نام سے نہیں بلاتے تھے بلکہ "الامین" کے نام سے یاد کرتے تھے۔

## جوانی اور شادی

جوان ہونے پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے معاش کے لیے شام، بصریٰ اور یمن کے متعدد تجارتی سفر کیے۔ اور ہمیشہ دیانتداری اور راست بازی کو مدنظر رکھتے۔ آپؐ کی راست بازی اور دیانت داری کی شہرت کی وجہ سے مکہ کی ایک معزز خاتون خدیجہؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ آپ ان کے مال سے تجارت کریں، جو معاوضہ میں دوسروں کو دیتی ہوں۔ اس سے دوگنا آپ کو دوں گی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیش کش قبول فرمائی۔ چنانچہ آپؐ مال تجارت لے کر بصریٰ چلے گئے۔ خدیجہؓ کا ذاتی نوکر میسرہ بھی ہمراہ تھا۔ اس تجارتی سفر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حضرت خدیجہؓ کو بہت ہی منافع ہوا۔ میسرہ غلام نے حضرت خدیجہؓ کو آپؐ کے اخلاق حمیدہ کے متعلق بہت کچھ بتایا اور حضرت خدیجہؓ بہت ہی متاثر ہوئیں۔ چنانچہ واپس آنے کے تین ماہ بعد حضرت خدیجہؓ نے شادی کا پیغام بھیج دیا۔ اس وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس سال۔ تاریخ مقررہ پر ابوطالب اور تمام رؤساء خاندان حضرت خدیجہؓ کے مکان پر آئے۔ ابوطالب نے خطبہ نکاح پڑھا اور پانچ سو طلائی درہم مہر مقرر کیا۔

## تعمیر کعبہ

خانہ کعبہ کی دیواریں سیلاب کی وجہ سے کمزور ہو گئی تھیں۔ قریش نے عمارت گرا کر از سر نو تعمیر کرائی۔ ہر قبیلہ کی یہ خواہش تھی کہ حجر اسود کو رکھنے کی سعادت اسے نصیب ہو۔ یہ جھگڑا طول پکڑ گیا۔ آخر کار قبائل کی تلواریں میانوں سے باہر آ گئیں۔ ابوامیہ بن مغیرہ نے یہ رائے دی کہ کل سویرے جو شخص کعبہ میں سب سے پہلے داخل ہو وہی اس جھگڑے کا فیصلہ کرے۔ تمام قبائل اس بات پر متفق ہو گئے۔ دوسرے دن صبح ہوتے ہی تمام قبائل کے معزز آدمی موقع پر پہنچ گئے۔ حکمت الٰہی سے بیت اللہ میں سب سے پہلے داخل ہونے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ سب لوگ بیک زبان پکار اٹھے "ھذا الامین"، یہ امین آ گیا۔ آپؐ نے

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۲ صفحہ ۲۲۰۔

اس جھگڑے کا فیصلہ اس طرح کیا کہ آپؐ نے اپنی چادر بچھائی، اس پر حجرِ اسود رکھ دیا اور قبائل کے رؤسا کو چادر کے چاروں کونے پکڑا دیئے۔ جب چادر اس جگہ آگئی تو آپؐ نے حجرِ اسود کو اپنے دستِ مبارک سے اٹھا کر نصب کر دیا۔

## یادِ الٰہی اور ریاضت

حضرت خدیجہؓ سے شادی کے بعد فکرِ معاش سے قدرے بے نیاز ہو گئے۔ یادِ الٰہی اور ریاضت کی طرف طبیعت مائل رہتی۔ چنانچہ یادِ الٰہی کے لیے غارِ حرا کو پسند کیا۔ یہ غار مکہ سے دو میل کے فاصلہ پر ہے۔ آپؐ ہر سال رمضان کا پورا مہینہ اسی غار میں یادِ الٰہی اور ریاضت میں مشغول رہتے۔ تھوڑا سا توشہ ہمراہ لے جاتے، اسی پر تمام مہینے کا گزران ہوتا۔

## نبوت کا دیباچہ

احادیث سے یہ ظاہر ہے کہ نبوت سے قبل خواب میں آپؐ پر اسرار منکشف ہوتے تھے جو خواب میں دیکھتے تھے۔ صبح کی سپیدی کی طرح وہ پورے ہو جاتے تھے۔

# بعثت و نبوت

جب آپؐ چالیس سال کے ہوئے اور آپؐ حسبِ معمول غارِ حرا میں عبادت میں مصروف تھے۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ ایک مبارک رات میں جبرائیل علیہ السلام آپؐ کے سامنے آئے، آپؐ سے فرمایا: اِقْرَأْ یعنی پڑھ۔ آپؐ نے جواب دیا۔ مَا اَنَا بِقَارِیٍ میں تو پڑھنا نہیں جانتا۔ تب جبرائیل علیہ السلام نے آپؐ کو سینے سے لگا کر زور سے دبایا اور کہا اِقْرَأْ یعنی پڑھ۔ اور آپؐ نے وہی پہلا جواب دیا۔ پھر دوبارہ آپؐ کو جبرائیل علیہ السلام نے سینہ سے لگا کر زور سے دبایا اور فرمایا اِقْرَأْ۔ جواب وہی "مَا اَنَا بِقَارِیٍ"، پایا۔ غرض تیسری بار کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام نے یہ پانچ آیات تلاوت فرمائیں:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ۔ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (علق ۹۶: ۱-۵) اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا، انسان کو ایک لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھ اور تیرا رب سب سے بڑھ کر بزرگی والا ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔

یہ وہ پہلا دن تھا جب نبوت کا بارِ گراں آپؐ پر ڈالا گیا۔ وہ راستہ جس کی خاطر آپؐ دن رات جویاں تھے مل گیا۔ وہ آبِ زلال جس کے لیے آپؐ کا کام و دہن پیاسا تھا دستیاب ہو گیا۔ وہ نورِ ہدایت جس کے لیے آپؐ کی باطنی بینائی جستجو میں تھی۔ حاصل ہو گیا۔ وہ سکونِ قلب جس کے لیے حیران و سرگردان

تھے نصیب ہوگیا۔ یہ پیغامِ الٰہی صرف ایک قوم کے لیے نہیں تھا، بلکہ ایک عالمگیر پیغام تھا جس کی یہ گراں ذمہ داری آپؐ پر ڈالی گئی جس کو آپؐ نے نبھانا تھا۔

اصلاح عالم کی ذمہ داری کا احساس اپنے دل میں لیتے ہوئے گھبراہٹ کے عالم میں گھر آتے ۔ حضرت خدیجہؓ سے تمام ماجرا کہہ سنایا اور پاک باز بیوی نے ان الفاظ میں تسلی دی کہ خدا آپؐ کو کبھی رسوا نہیں ہونے دے گا اور کبھی ناکامی و نامرادی کا منہ دیکھنے نہیں دے گا۔ اس کی وجہ یہ بیان کی کہ آپؐ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے کسوں کے معاون و مددگار ہیں، مہمان نوازی کا پورا حق ادا کرتے ہیں، مظلوموں کی جائے پناہ ہیں، مسافروں کا ملجا و ماویٰ ہیں، مصائب میں حق کے مددگار ہیں۔ جس آدمی میں یہ اوصاف ہوں، بھلا وہ کیسے ضائع ہو سکتا ہے ؟

ذرا طبیعت سنبھلی تو حضرت خدیجہؓ آپؐ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ وہ حضرت خدیجہؓ کے عمزاد بھائی تھے۔ بت پرستی سے متنفر اور دین حق کے متلاشی تھے۔ آخر کار وہ آغوش نصرانیت میں چلے گئے تھے۔ وہ عبرانی زبان جانتے تھے۔ تورات اور انجیل کے خوب ماہر تھے۔ انہوں نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام واقعہ سنا، سننے کے بعد فرمایا۔ یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰؑ پر اترا تھا۔ اس میں مثیل موسیٰ والی پیشگوئی کی طرف اشارہ تھا۔ پھر ورقہ نے آرزو کی کہ کاش میں بھی اس وقت تک زندہ ہوتا جب کہ آپؐ کو مکہ سے نکال دے گی۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعجب ہو کر پوچھا۔ کیا میری قوم مجھ کو مکہ سے نکال دے گی ؟ ورقہ نے جواب دیا۔ ہاں ہر نبی کے ساتھ ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔ اس کے بعد ورقہ جلد فوت ہو گئے۔ اسی اظہار ایمان کی وجہ سے ورقہ بن نوفل کو صحابہ میں شامل کیا گیا ہے۔

پہلے پیغام کے بعد کچھ مدت تک وحی آنا بند ہو گئی۔ دوسری وحی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی، وہ یہ تھی۔

یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ (المدثر ۷۴: ۱، ۲) اے لباس نبوت کے اوڑھنے والے ! اُٹھ اور لوگوں کو ڈرا۔

اس پیغام میں خدا نے یہ فرمایا کہ خلوت میں بیٹھ کر صرف عبادت الٰہی کرنے کا زمانہ ختم ہو گیا ہے۔ بلکہ لوگوں کو نور توحید سے ظلمات سے نکال کر صراط مستقیم کی طرف لانے کا وقت آگیا ہے۔ اس وجہ سے اُٹھ اور لوگوں کو توحید الٰہی کی طرف بلا۔ جو اس پیغام حق سے انحراف کرے گا وہ دین و دنیا میں خسران اور گھاٹے میں رہے گا۔ اس حکم کو پاتے ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میدان عمل میں آگئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائی زمانہ نبوت میں پیغام حق پہنچانے میں نہایت رازداری اور احتیاط و حزم سے کام لیا۔ آپؐ انہی لوگوں کو پیغام پہنچاتے تھے جو آپؐ کے حرکات و سکنات سے واقف تھے اور آپؐ کے حلقہ احباب میں داخل تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لانے

والی آپؐ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ تھیں۔ سب لوگوں سے بڑھ کر یہی بیوی راز دار تھیں۔ آپؐ کے حلقۂ زوجیت میں آئے ہوئے پندرہ سال گزر چکے تھے۔ آپؐ کی کوئی بات حضرت خدیجہؓ سے نہاں نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ پاک بیوی نبوت سے قبل ہی آپؐ کے غموں کی گھڑیوں میں موجب تسکین ہوتی تھیں ان کے قلب پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی راست بازی، امانت داری اور دیانت داری کا بہت گہرا اثر تھا۔ جونہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا سے پیغام ہدایت لے کر باہر نکلے اور گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ سے اس پیغام کا ذکر کیا تو آپ نے اس پیغام کو حق سمجھا اور ایمان لے آئیں اور ساتھ یہ کہہ اُٹھیں کہ آپؐ جیسا راست باز شخص کبھی ناکام نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد حضرت خدیجہؓ ورقہ بن نوفل کے پاس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لے گئیں۔ ورقہ بن نوفل کے اعضاء پیری کی وجہ سے مضمحل اور آنکھیں سفید ہو چکی تھیں اور موت کے دروازے کو دستک دے رہے تھے۔ ورقہ پیغام سنتے ہی آمَنْتُ وَصَدَّقْتُ کہہ اُٹھے اور السابقون الاولون میں شمار ہوئے۔

حضرت ابوبکرؓ دولت مند، صائب الرائے اور ماہر النساب تھے۔ آپ کی ہتھیلی سے فیاضی کا دریا بہتا تھا اور غربا، مساکین، مسافروں وغیرہ کے لیے ابرِ رحمت تھے۔ اس وجہ سے مکہ میں بہت ہی ہر دلعزیز تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص طبعی لگاؤ تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیغام حق سنتے ہی ایمان لے آئے۔ مردوں میں اوّل المومنین ہوئے اور صدیق اکبر کا لقب پایا۔

حضرت ابوبکرؓ کے متعلق یورپ کا مشہور مستشرق سپرنگر لکھتا ہے کہ "ابوبکر کا آغاز اسلام میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لانا اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خواہ دھوکا کھانے والے ہوں۔ مگر دھوکا دینے والے ہرگز نہیں تھے بلکہ صدق دل سے اپنے آپ کو خدا کا رسول یقین کرتے تھے۔" سر ولیم میور کو اس رائے سے اتفاق ہے۔ (لائف آف محمدؐ مصنفہ میور صفحہ ۵۶)

حضرت علیؓ ابوطالب کے فرزند تھے۔ آپ بچپن سے ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے تھے۔ وہ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔

زید بن حارث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حمیدہ کی وجہ سے عاشق جاں نثار تھے۔ غلاموں میں سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں شمار ہوئے۔

حضرت ابوبکرؓ کا لوگوں کے ساتھ بہت میل ملاپ تھا۔ ان کی تبلیغ سے حضرت عثمان غنیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ مسلمان ہوئے۔ پھر ابوعبیدہؓ، عامر بن عبداللہ بن الجراحؓ، عبیدہؓ بن الحارث، ابوسلمہؓ بن عبدالاسد، ابوحذیفہ بن عتبہ، سعیدؓ بن زید، عثمانؓ بن مظعون، عبیداللہؓ بن جحش، عبیداللہ بن جحش، عبداللہؓ بن مسعود، بلالؓ بن رباح، خبابؓ بن الارت،

ابوذر غفاریؓ، صہیبؓ رومی، عمارؓ، یاسرؓ، عامرؓ بن فہیرہ ازدی حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔
عورتوں میں سے خدیجہؓ کے بعد حضرت عباس کی بیوی ام الفضلؓ، اسماءؓ بنت عمیس، اسماءؓ بنت ابوبکر، سمیہؓ، فاطمہؓ خواہر عمر فاروقؓ نے اسلام قبول کیا۔
اوائل زمانہ میں حضرت ارقمؓ مسلمان ہوگئے تھے۔ ان کا گھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی کوششوں کا مرکز بن گیا تھا۔ اور تین سال میں تقریباً چالیس پاک نفوس حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے۔

## اعلانیہ تبلیغ کا آغاز

تین سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت رازداری اور احتیاط سے فریضہ تبلیغ سرانجام دیتے رہے۔ آخر کار کھل کر میدان عمل میں آنے کا حکم آیا۔ ارشاد الٰہی ہے۔ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (حجر ۱۵: ۹۴) جو تم کو حکم دیا گیا ہے اس کو واشگاف کر دو۔ اور اس کے قریب ہی یہ آیت اتری: وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (شعراء ۲۶: ۲۱۴) یعنی اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرا۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر قریش کو بلایا۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک جرار لشکر آرہا ہے تو تم یقین کرو گے؟ سب نے ایک زبان ہو کر کہا: ہاں، کیونکہ آپ ہمیشہ جادہ راست پر گامزن رہے ہیں اور ہم سے الامین کا لقب پایا ہے۔ ہم کیسے آپؐ کی بات کو جھٹلا سکتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: "تو سنو میں تم کو خبر دیتا ہوں کہ اللہ کے عذاب کا لشکر تمہارے قریب پہنچ چکا ہے۔ خدا پر ایمان لاؤ تاکہ اس عذاب سے بچ جاؤ۔" یہ سن کر سب لوگ جن میں ابولہب بھی تھا سخت برافروختہ ہوئے اور برا بھلا کہتے ہوئے چلے گئے۔

## اقرباء کی دعوت

چند روز کے بعد آپؐ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ ایک دعوت کا انتظام کرو۔ یہ تبلیغ کا پہلا موقع تھا۔ اس دعوت میں تمام خاندان عبدالمطلب مدعو تھا۔ ابوطالب، حمزہ، عباس سب شریک تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا کھا چکنے کے بعد فرمایا کہ میں وہ چیز لایا ہوں جو اس کو قبول کرے گا۔ وہ دین و دنیا میں فلاح پا جائے گا۔ اس بارگراں کے اٹھانے میں میرا کون ساتھ دے گا۔ تمام حاضرین محفل خاموش رہے۔ دفعتاً ایک کونے سے ایک تیرہ سال کا بچہ کھڑا ہوا اور کہا: گو میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں، پتلی ٹانگوں والا ہوں اور مجھے آشوب چشم ہے۔ اصلاح عالم کا بارگراں اٹھانے میں آپؐ کا معاون اور مددگار رہوں گا۔ حاضرین محفل کو بے ساختہ ہنسی آگئی اور چل دیئے۔
عرب میں عکاظ، لعینہ اور ذوالمجاز کے میلے بہت مشہور تھے۔ عرب کے ہر کونے سے لوگ وہاں آتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں جاتے اور ان کو وعظ کرتے۔

## وعظ کی بڑی بڑی باتیں

خدا ایک مانو۔ اسی کے سامنے سر جھکاؤ۔ وہی ذات قابلِ عبادت ہے۔ وہ تمام عیوب سے منزّہ اور تمام خوبیوں کی جامع ہے۔ زمین، آسمان، چاند، سورج، ستارے وغیرہ اسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ ان کے سامنے سر نہ جھکاؤ۔ جوا نہ کھیلو۔ جسمانی اور قلبی پاکیزگی اختیار کرو۔ وعدہ کی پابندی کرو۔ چوری، زنا سے باز آجاؤ۔ لین دین میں کسی سے دغا نہ کرو۔

## قریش کی مخالفت کا آغاز

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید، اخلاق فاضلہ مساوات بین الناس اور غربا وغیرہ سے حسن سلوک کی تعلیم دینا شروع کی تو یہ پاک تعلیم قریش کے بیمار مزاج کو بھلا کب پسند آسکتی تھی۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور ہر قسم کی ایذائیں دینا شروع کیں۔ چنانچہ سر ولیم میور لکھتا ہے۔ کہ قریش نے فیصلہ کر لیا تھا کہ یہ نیا مذہب صفحہ دنیا سے مٹا دیا جائے اور اس کے متبعین اس سے بزور روک دیئے جائیں۔ اور قریش کی طرف سے جب ایک دفعہ مخالفت شروع ہوئی تو پھر دن بدن ان کی ایذا رسانی بڑھتی اور آتش غضب تیز ہوتی گئی۔"[1]

جو بہیمانہ سفاکیاں اور جلّادانہ ایذائیں کفار نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو پہنچائیں۔ ان کو پڑھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن کفار کی ایذائیں ایک مسلمان کو بھی صراط مستقیم سے متزلزل نہ کر سکیں، بلکہ ان کو بنیان مرصوص بنا دیا۔ ایک عیسائی نے لکھا ہے۔

"عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مسائل نے وہ درجہ نشہ دینی کا آپ کے پیروؤں میں پیدا کیا جس کو عیسیٰ کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے۔ جب کہ عیسیٰ کو سولی پر لے گئے تو ان کے پیرو بھاگ گئے۔ ان کا نشہ دینی جاتا رہا۔ وہ اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ کر چل دیئے۔ برعکس اس کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیرو اپنے مظلوم کے گرد آتے۔ آپ کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر کل دشمنوں پر آپ کو غالب کیا۔"[2]

مشرکین کی مخالفت کے اسباب حسب ذیل تھے:

۱۔ اسلام ان کے آبائی عقائد کو باطل کر رہا تھا۔

۲۔ اسلام ان کے معبودوں کو وقود نار قرار دیتا تھا۔

۳۔ اسلام قریش کی بداخلاقیوں کی پردہ دری کرتا تھا۔

---

[1] میور صفحہ ۶۱ [2] اپالوجی گاڈفری بیگنس ترجمہ اردو صفحہ ۶۶، ۲۷ مطبوعہ بریلی ۱۸۷۳ء۔ بحوالہ سیرت النبی جلد اول ص ۲۳۳۔

۴۔ اسلام ان کے اس اقتدار کا خاتمہ کر رہا تھا جو متولی کعبہ کی حیثیت سے ان کو ملا ہوا تھا۔
۵۔ بنی امیہ اور بنی ہاشم ایک دوسرے کے پرانے دشمن تھے۔ بنی امیہ آل ہاشم میں نبوت کا اعزاز ہرگز برداشت نہیں کر سکتے تھے، اس لیے یہ لوگ سب سے زیادہ عداوت اور مخالفت میں پیش پیش تھے۔

## ابوطالب سے شکایت

قریش کا ایک وفد ابوطالب کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ وہ اپنے بھتیجے کو بتوں کو برا بھلا کہنے سے روکیں۔ ابوطالب نے اس وفد کو سمجھا بجھا کر واپس کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ قریش کا دوسرا وفد پھر ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ "تم اپنے بھتیجے کی مدد سے دست بردار ہو جاؤ، ورنہ میدان میں ہمارے مقابلہ کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

ابوطالب نے آنحضرتؐ کو بلا کر سمجھایا اور کہا "اے میرے بھتیجے! اپنے چچا پر اتنا بوجھ نہ ڈالو۔ وہ اپنی تمام قوم کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آب دیدہ ہو کر فرمایا: "اے چچا! اگر آپ قوم کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو بے شک میری معاونت سے دست کش ہو جائیں۔" پھر فرمایا: "اے مہربان چچا! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں پر چاند رکھ دیں اور کہیں کہ اس کے عوض میں تبلیغ اسلام کو ترک کر دوں، مجھے منظور نہ ہوگا۔ اگر مجھے اس راہ میں ہلاکت نظر آئے تو میں پیچھے نہیں لوٹوں گا۔"

ابوطالب کے قلب پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ بجلی کا سا اثر کر گئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جو بات تمہیں لوگوں سے کہنا ہو کہہ دیجئے، بخدا میں آپؐ کی ہر قدم پر مدد کروں گا اور آپؐ کی تکلیف گوارا نہ کروں گا۔

## دنیاوی ترغیبات

قریش مکہ نے ایک اور منصوبہ بنایا کہ شاید اسی سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعوت اسلام سے رک جائیں۔ وہ منصوبہ یہ تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو طمع دو۔ یہ مشورہ کر کے عتبہ بن ربیعہ کو اس سفارت پر مقرر کیا، وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا:

اے برادر زادہ من! آپ قریش میں عالی النسب تو ہیں مگر آپ نے قوم کو ٹکڑے ٹکڑے کر رکھا ہے۔ چند تجاویز پیش کرتا ہوں، امید ہے کہ آپ ان میں سے کوئی ایک منظور فرمالیں گے

۱۔ اگر اس قسم کی تبلیغ سے آپ کا منشا مال سمیٹنا ہو تو ہم لوگ آپ کے لیے اتنی دولت جمع کر سکتے ہیں کہ عرب میں آپ سے بڑا کوئی تونگر نہ ملے گا۔

۲۔ اگر یہ نیت ہو کہ آپ تمام عرب کے سردار بن جائیں تو ہم برضا، و رغبت آپ کی

سیادت قبول کرنے کے لیے حاضر ہیں۔
۳۔ اگر آپ بادشاہت کے طلب گار ہوں تو ہمیں یہ بھی منظور ہے۔
۴۔ اگر آپ آسیب زدہ ہیں اور اس کے معالجہ سے معذور ہیں تو فرمایئے ہم لوگ از خود طبیب اور اس کا معاوضہ مہیا کر سکتے ہیں[1]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ کو سورۃ "حٰمٓ" کی چند آیات سنائیں۔ وہ اتنا متاثر ہوا کہ اس نے قریش کو مشورہ دیا کہ "تم محمدؐ کو ان کی حالت پر چھوڑ دو"

## ایذاؤں میں ترقی

جب قریش رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ندا سے حق کو دبانے اور روکنے سے ہر طریقہ سے ناکام ہو گئے اور مسلمانوں کا حلقہ آہستہ آہستہ بڑھنا شروع ہوا تو کفار نے ایک کمیٹی قائم کی، جس کا امیر ابولہب تھا۔ پچیس رؤساء اس کے ممبر تھے۔ اس کمیٹی نے یہ ریزولیشن پاس کیا: محمدؐ کو ہر طرح سے ستایا جائے، تمسخر کیا جائے، سخت ایذائیں دی جائیں، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ماننے والوں کو سخت تکالیف دی جائیں"۔ چنانچہ اس ریزولیشن کے بعد ایمان لانے والوں کے لیے مصائب کا دروازہ کھل گیا اور ان کے ایمان کی آزمائش کا وقت آگیا۔

سنگ دل کفار نے بے بس مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے ان کا احاطہ تحریر میں لانا مشکل ہے۔ مسلمانوں کو دھکتے ہوئے انگاروں اور تپتی ریت پر لٹایا گیا۔ رسیوں سے باندھ کر زمین پر گھسیٹا گیا۔ چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دھواں دیا۔ بعض عورتوں کی فرج پر برچھا مار کر شہید کیا گیا ہو۔ غرض کہ تکالیف اور ایذا دینے کا کوئی ایسا طریقہ نہیں تھا جو استعمال نہ کیا گیا ہو۔ جتنی ایذاؤں میں ترقی ہوتی جاتی تھی اتنا ہی حلقہ اسلام وسیع ہوتا جاتا تھا۔

## حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ کا قبول اسلام

ایک دن حضرت عمرؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے گھر سے نکلے۔ ہاتھ میں برہنہ تلوار تھی۔ بازار سے جا رہے تھے۔ راہ میں اتفاقاً نعیمؓ بن عبداللہ ملے اور حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ اس غصہ کے عالم میں کدھر کا رخ ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔ نعیمؓ نے جواب دیا پہلے اپنے گھر کی خبر تو لو۔ تمہاری بہنوئی اور بہن دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں۔ حضرت عمرؓ غصے کی حالت میں بہن کے گھر پہنچے تو حضرت خبابؓ ان کو قرآن مجید پڑھا رہے تھے۔ حضرت عمرؓ کی آواز سن کر قرآن مجید کے اوراق چھپا دیئے۔ حضرت عمرؓ نے جلالی آواز میں کہا، مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم مرتد ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر حضرت سعیدؓ کو پکڑا اور مارنا شروع

---

[1] حیات محمدؐ مصنفہ محمد حسین ہیکل صـ ۳۴۲ (اردو ایڈیشن)

بہن اپنے شوہر کو بچانے کے لیے آگے بڑھیں تو ان کو بھی چوٹیں آئیں اور لہولہان ہوگئیں۔ بہن کو زخمی دیکھ کر حضرت عمرؓ کا غصہ فرو ہوا تو فرمایا۔ بہن جو کچھ تم پڑھ رہے تھے مجھے بھی سناؤ۔ چنانچہ قرآن مجید کی چند آیات سُن کر اتنے متاثر ہوئے کہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔

حضرت حمزہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ ان کو شکار اور سپہ گری کا بہت شوق تھا۔ ہر روز شکار کو باہر نکل جاتے۔ ایک دن ابوجہل نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گستاخی کی۔ حضرت حمزہ کی لونڈی دیکھ رہی تھی۔ جب حضرت حمزہ واپس گھر لوٹے تو لونڈی نے کہا کہ اتنے شہ سوار شہ زور بنے پھرتے ہو، آپ کو معلوم ہے کہ آج آپ کے بھتیجے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوجہل کس طرح پیش آیا؟

حضرت حمزہ قرابت کے جوش میں حرم میں ابوجہل کے پاس پہنچے اور زور سے کمان ابوجہل کے سر پر دے ماری اور مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ جب گھر واپس لوٹے تو متردد ہوئے کہ آبائی دین کو دفعتہ چھوڑ دینا ٹھیک نہیں۔ تمام دن سوچتے رہے، آخر کار اس نتیجہ پر پہنچے کہ اسلام ہی درست دین ہے۔

## حبشہ کی ہجرت۔ ماہ رجب ۵ نبوی

جب کفار کی سختیاں اور ایذائیں حد سے بڑھ گئیں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبشہ میں ہجرت کا حکم دیا۔ چنانچہ اس اجازت سے اوّل بارہ مرد اور چار عورتوں کا ایک مختصر قافلہ رات کی تاریکی کے پردہ میں نکلا اور بندرگاہ شعیبہ سے جہاز میں سوار ہو کر حبش کی طرف روانہ ہوگیا۔ حبشہ کے نجاشی نے ان کو امان دے دی۔ قریش نے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو تحفہ تحائف دے کر حبشہ روانہ کیا تاکہ عیسائی بادشاہ کو مسلمانوں سے بدظن کیا جائے۔ یہ سفیر دربار میں پہنچے اور درخواست کی کہ مہاجرین ہمارے مجرم ہیں، ان کو واپس کیا جائے۔ بادشاہ کو یہ کہہ کر اکسایا کہ ان لوگوں نے ایک نیا مذہب ایجاد کر لیا ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے مسلمانوں کو جواب دینے کے لیے دربار میں طلب کیا۔ تب حضرت جعفرؓ نے تقریر کی، جس نے قریش کے وفد کو ناکام بنا دیا۔ اس سفارت کی ناکامی کے بعد قریش کے ظلم و ستم اور بھی بڑھ گئے۔ چنانچہ دوبارہ ایک سو تین مسلمانوں کو جن میں ۸۳ مرد اور بیس عورتیں تھیں۔ حبشہ میں ہجرت کرنا پڑی۔

## بنی ہاشم سے قطع تعلق۔ محرم ۷ نبوی

قریش نے اسلام کی دعوت کو دبانے کے لیے ہر قسم کا حربہ استعمال کیا۔ ایذائیں

دیں۔ لالچ دطمع دیا۔ لیکن اسلام کا دائرہ پھیلتا چلا گیا۔ اسلام کی شعاعیں تاریک قلوب کو منور کرتی چلی جارہی تھیں۔ اس لیے کفار نے یہ معاہدہ کیا کہ بنی ہاشم سے مکمل سوشل بائیکاٹ کیا جائے۔ یعنی ان سے ناطہ رشتہ کرنا چھوڑ دیا جائے۔ گلی بازار میں پھرنے سے روک دیا جائے۔ کوئی ان سے خرید و فروخت نہ کرے۔ یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے لکھا اور کعبہ میں آویزاں کر دیا گیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کا قبیلہ شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے۔ تین سال تک وہیں رہے۔ یہ ایسا زمانہ تھا کہ محصورین درختوں کے پتے اور چھال کھا کھا گزارہ کرتے تھے۔ بالآخر قریش کے چند افراد ہشام مخزومی، زمعہ بن الاسود، مطعم بن عدی اور زبیر کو غیرت آئی۔ انہوں نے معاہدہ نامہ چاک کر دیا اور بنی ہاشم کو گھاٹی سے باہر نکالا اور ان کو اپنے اپنے گھروں میں بھیج دیا۔

## ابو طالب اور حضرت خدیجہ کی وفات ۔ ۱۰ نبوی

قید سے رہائی پانے کے چند ایام بعد ابو طالب کا انتقال ہو گیا۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہو گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال کو "عام الحزن" فرمایا۔

## مکہ کے آخری ایام

جب کفار مکہ کی حد سے زیادہ ہٹ دھرمی، عناد اور مخالفت دیکھی تو آپؐ نے طائف کا رُخ کیا۔ حضرت زیدؓ آپؐ کے ساتھ تھے۔ وہاں عمیر کا خاندان رئیس القبائل تھا۔ عبد یالیل، مسعود اور حبیب تین بھائی تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے اور دعوت اسلام دی۔ ان تینوں نے نہایت گستاخی سے جواب دیا اور آوارہ گرد اور اوباش نوجوانوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگا دیا۔ انہوں نے سیدنا کو پتھر مار مار لہولہان کر دیا۔ آخر کار آپؐ نے ایک باغ میں پناہ لی، وہاں سے پانی پیا اور انگور کا خوشہ کھایا۔

## بے کسی میں دُعا

جب اہل طائف کی یہ سنگ دلی اور سیاہ باطنی دیکھی تو آپؐ خدا کی طرف متوجہ ہوتے۔ مگر اس حال میں بھی آپؐ کے اندر مایوسی پیدا نہیں ہوئی، بلکہ خدا کی محبت سے دل معمور تھا۔ اور ان الفاظ میں خدا سے دُعا کی

"اے میرے خدا! اپنی کمزوری اور طاقت کی کمی اور لوگوں کی نظر میں ہیچ ہونے کی تیری طرف شکایت کرتا ہوں۔ اے رب ہے رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے! تو ہی کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا رب ہے۔ تو کس کی طرف مجھے سپرد کرے گا۔ کسی اجنبی شخص کی طرف مجھ سے ترش روئی کے ساتھ پیش آتا ہے یا قریب دوست کی طرف جس کے قبضہ میں تو نے میرا معاملہ دیا ہے۔ اگر تیری ناراضگی مجھ پر نہیں تو ان تمام باتوں کی مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ لیکن تیری حفاظت میرے لیے بہت وسیع ہے۔ میں تیرے چہرے کے نور کی پناہ میں آتا ہوں جس کے ساتھ ساری

تاریکیاں پاش پاش ہوکر روشن ہوجاتی ہیں جس سے دنیا اور آخرت کے امور اصلاح پذیر ہوتے ہیں۔ اس بات سے میں تیرے منور چہرے کی پناہ میں آتا ہوں کہ مجھ پر تیری ناراضگی ہو یا تیرا غصہ ہو۔ تیرے حضور عذر کرنا ہے۔ یہاں تک کہ تو راضی ہوجائے۔ اور کوئی طاقت اور قوت نہیں مگر تیرے ساتھ۔"

**مدینہ میں طلوع اسلام۔ ۱۱ نبوی** ایام حج میں جب آپؐ مختلف قبائل کو دعوت اسلام دیتے پھرتے تھے تو آپؐ خزرج کے چند آدمیوں کے پاس آئے اور دعوت اسلام دی۔ چھ آدمیوں نے اسلام قبول کیا۔ یہ گیارھویں سال کا واقعہ ہے۔ جب یہ لوگ یثرب پہنچے تو اسلام کا چرچا گھر گھر میں ہونے لگا۔ اور ہر ایک کی زبان پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کا ورد تھا۔

**بیعت عقبہ اولیٰ۔ ۱۲ نبوی** اگلے سال ۱۲ نبوت میں یثرب کے بارہ آدمی مکہ میں حاضر ہوئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ یہ بیعت عقبہ اولیٰ کے نام سے مشہور ہے۔

## بیعت کی شرائط

۱۔ ہم خدائے وحدہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔
۲۔ چوری نہیں کریں گے۔
۳۔ زنا نہیں کریں گے۔
۴۔ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔
۵۔ کسی پر بہتان نہیں باندھیں گے، نہ کسی کی چغلی کریں گے۔
۶۔ امر بالمعروف میں آپؐ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعبؓ بن عمیر کو تبلیغ اسلام کے لیے مدینہ بھیج دیا۔ وہ ہر روز صبح سویرے باہر تبلیغ کے لیے نکل جاتے اور لوگوں کو دعوتِ اسلام دیتے۔ اس طرح دو تین آدمی ہر روز حلقہ اسلام میں داخل ہوجاتے تھے۔

**بیعت عقبہ ثانیہ۔ ۱۳ نبوی** ۱۳ نبوت میں تہتر مرد اور دو عورتیں حج کے زمانہ میں مکہ آئے۔ عقبہ کے مقام پر بیعت کی۔ اس وقت حضرت عباس بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، لیکن اسلام نہیں لائے تھے۔

انصار نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ آنے کی دعوت دی۔ حضرت عباس نے انصار سے مخاطب ہو کر کہا، گروہ خزرج! محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاندان میں معزز اور محترم ہیں۔ دشمنوں کے مقابل میں ہم ہمیشہ سینہ سپر رہے ہیں۔ اب وہ تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں۔ اگر مرتے دم تک ان کے ساتھ دے سکو تو بہتر ورنہ ابھی سے جواب دے دو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس بات پر بیعت کرو کہ اپنے اہل وعیال کی طرح میری حفاظت کرو گے۔ یہ سن کر براء بن معرور نے ہاتھ بڑھایا اور آپؐ نے ان سے بیعت لی۔ حضرت براء بنؓ معرور نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "ہم نے پشت ہا پشت سے جنگ وجدل میں پرورش پائی ہے ..... وہ اسی قدر رکھنے پاتے تھے۔ کہ ابوالہیثم نے ٹوک کر کہا، یا رسول اللہ! ہم میں اور یہود میں جو تعلقات ہیں وہ بیعت کے بعد ٹوٹ جائیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ جب آپؐ کو اقتدار حاصل ہو جائے اس وقت آپؐ ہم کو چھوڑ کر آجائیں"۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہیں تمہارا خون میرا خون، تم میرے ہو، میں تمہارا ہوں"[1]

## صحابہ کا مدینہ میں ہجرت کر جانا

عقبہ ثانیہ کی بیعت کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو یثرب جانے کی اجازت دے دی۔ مسلمانوں نے اپنے گھر بار، خویش واقارب، بہن بھائی، زن وفرزند چھوڑ کر مدینہ جانا شروع کر دیا۔ لیکن کفار مکہ نے مہاجرین کی سخت مزاحمت کی۔

## دشمنوں میں اکیلا رہ جانا اور خدا پر بھروسہ

تمام صحابہ کرام ہجرت کر کے یثرب چلے گئے۔ مکہ میں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ رہ گئے تھے۔ یہ بات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے توکل کو ظاہر کرتی ہے کہ عداۃ اسلام غیظ وغضب کی آگ میں جل کر آپؐ کی جان کے درپے تھے، پھر بھی پہلے صحابہ کو مکہ سے جانے کو کہا اور خود مکہ میں ٹھہرے۔ اگر آپؐ پہلے مکہ سے چلے جاتے تو کس نے اعتراض کرنا تھا۔ صحابہ تو اپنی جانیں نچھاور کرنے کو تیار رہتے تھے۔ پھر اسلام کی بقاء بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر منحصر تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حفاظت وصیانت کے لیے خدا پر بھروسہ تھا نہ کہ ظاہری اسباب پر۔ اگر آپؐ پہلے چلے جاتے تو سنگدل کفار مکہ صحابہ کرام کو ایک ایک کر کے قتل کر دیتے لیکن محسن عالم کے شفیق قلب نے ایسا نہ کیا کہ خود پہلے جائیں، بلکہ صحابہ کرام کو مکہ سے جانے کی اجازت دے دی۔

## ہجرت ۱۳ سنہ نبوی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صحابہ کرام کو ہجرت کی اجازت دے دی اور خود حکم الٰہی کے منتظر تھے۔ صرف مکہ میں حضرت

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد اول صفحہ ۴۴۲۔

ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے رہ گئے تھے۔ قریش رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابیوں پر پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ اس لیے انہوں نے دارالندوہ میں ایک خفیہ اجلاس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترقی روکنے کے لیے بلایا اور قریش کے تمام مشہور سردار موجود تھے۔ اس اجلاس میں رؤساء قریش عتبہ، ابوسفیان، جبیر بن مطعم، ابوجہل، امیہ بن خلف اور حکیم بن حزام نے اپنی اپنی تجاویز پیش کیں۔ ابوجہل کی رائے پر سب کا اتفاق ہوا۔ اس نے یہ رائے ظاہر کی کہ ہر قبیلے سے ایک ایک آدمی منتخب کر لیا جائے اور یہ جماعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دے بنی ہاشم سب قبیلوں سے جنگ نہیں کر سکتے۔ چنانچہ اس جماعت نے رات کی تاریکی میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا محاصرہ کر لیا اور آپؐ کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگے۔

اِدھر یہ کفار اپنی فراست اور عقل کے گھوڑے دوڑا رہے تھے کہ کس طرح اس مقدس انسان کا خاتمہ کریں، اُدھر خدا اپنے بندہ کی حفاظت و صیانت کے لیے ملائکہ کو حکم دے رہا تھا کہ زمین پر جائیں اور اپنے پروں کے سائے میں اس کو منزل مقصود تک پہنچائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو ان کے ارادوں سے آگاہ کر دیا۔ حضرت علیؓ کو بلایا اور ان کو اہل مکہ کی امانتیں دیں اور کہا۔ میرے پلنگ پر سو جاؤ اور صبح کو سب امانتیں واپس کر دینا۔ خدا کا رسولؐ خدائے قادر و توانا کی حفاظت میں گھر سے باہر نکلا، کعبہ کو دیکھا اور فرمایا "مکہ تو مجھ کو دنیا سے زیادہ عزیز ہے، لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے"۔

سید الکونینؐ حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لائے جو پہلے ہی چشم براہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو شرف معیت بخشا۔ تھوڑا سا زادِ راہ لے کر عقبی دروازہ سے نکل کر شہر کی جنوبی سمت پر چل پڑے۔ یمن کی جہت پر کوہ ثور ہے۔ اس کی چڑھائی مشکل تھی۔ راستہ سنگلاخ تھا۔ چلنے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں زخمی ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کندھوں پر اٹھا لیا۔ ایک غار تک پہنچے۔ حضرت ابوبکرؓ پہلے غار میں داخل ہوئے، غار کو صاف کیا اور پھر عرض کیا کہ حضورؐ اندر تشریف لے آئیں۔ چنانچہ اس غار میں تین دن تک مقیم رہے۔

عبداللہ بن ابی بکر نوجوان تھے۔ رات کو غار میں ہی سوتے، علی الصبح شہر چلے جاتے۔ قریش کے مشوروں کا پتہ لگاتے اور شام کو آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عرض کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کا غلام رات کو بکریاں لاتا۔ آپؐ اور حضرت ابوبکرؓ دودھ پی لیتے۔

## کفار کا تعاقب اور ناکامی

کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار ثور کے منہ تک پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کے پاؤں کی آہٹ کو سنا۔ آپ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر ان لوگوں

نے ذرا جھک کر دیکھا تو ہم پر نظر پڑ جائے گی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کے چہرے سے خوف کے نشان دیکھ کر کہا "لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" التوبہ ۹: ۴۰ گھبراؤ نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

## سفر ہجرت

چوتھی شب کو دو اونٹنیاں آئیں جن کو حضرت ابوبکرؓ نے پہلے ہی سے اس کام کے لیے تیار رکھا ہوا تھا۔ ایک پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ سوار ہو گئے اور دوسری پر عامر بن فہیرہ اور عبداللہ بن اریقط (یہ ایک کافر تھا راہنمائی کے لیے اجرت پر مقرر کیا گیا تھا) سوار ہوئے۔

## سراقہ کا تعاقب

قریش نے انعام مقرر کر رکھا تھا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ابوبکرؓ کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو سو اونٹ بطور انعام دیئے جائیں گے۔ سراقہ نے یہ خبر پا کر کہ فلاں راستہ پر فلاں قبیلہ کے رہگذر جا رہے ہیں، اسی راستہ کی طرف اپنا باد رفتار گھوڑا ڈال دیا۔ سراقہ نے آپ کو دیکھ لیا تو لالچ میں اپنے گھوڑے کو مہمیز کیا۔ مگر گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور سراقہ گر پڑا۔ سوار ہوا پھر گھوڑے کو سرپٹ دوڑایا مگر اس دفعہ گھوڑا گھٹنوں تک دھنس گیا۔ گھوڑے سے اترا، فال نکالی۔ جواب "نہیں" نکلا۔ اس کی ہمت پست ہو گئی۔ یقین ہو گیا کہ یہاں آثار اور رہی ہیں۔ اگر ان پر ہاتھ ڈالا تو میری جان کی خیر نہیں۔ باادب کھڑا ہو گیا اور آواز دی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے۔ سراقہ قریب گیا، امان طلب کی اور پھر دوبارہ مکہ لوٹ آیا۔

## اہل مدینہ کا استقبال

مکہ سے روانگی کی خبر مدینہ پہنچ چکی تھی تمام مسلمان رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفیق سفر کے انتظار میں چشم براہ تھے۔ لوگ ہر روز مدینہ کے باہر چلے جاتے تھے۔ تمام دن انتظار کر کے واپس لوٹ آتے۔ ایک دن حسب معمول انتظار کر کے واپس لوٹے تو ایک یہودی نے قلعہ سے دیکھا اور قرائن سے پہچان کر پکارا "اہل عرب! جس شخص کا تم انتظار کرتے تھے وہ آگیا" یہ سنتے ہی تمام شہر تکبیر سے گونج اٹھا اور انصار والہانہ محبت میں گھروں سے باہر نکل آئے۔

## قبا میں ورود اور مسجد کی بنیاد

مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر جو بالائی آبادی ہے اس کو عالیہ اور قبا کہتے ہیں۔ وہاں چند انصاری خاندان تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں پہنچ کر کلثوم بن الہدم کو شرف میزبانی بخشا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا میں چودہ دن قیام کیا۔ سب سے پہلا کام جو آپ نے سرانجام دیا، وہ عبادت الٰہی کے لیے مسجد کی تعمیر تھی۔ خود بھی صحابہ کرام کیساتھ کام کرتے تھے یہی وہ مسجد ہے جس کا ذکر سورۃ توبہ میں ہے۔

حضرت علیؓ بھی دو ہفتوں کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قبا میں آن ملے۔

## مدینہ میں داخلہ اور انصار کی عقیدت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد تعمیر کرنے کے بعد مدینہ روانہ ہوئے۔ راستہ میں بنی سالم کا محلہ پڑتا تھا، وہاں جمعہ کی پہلی نماز ادا کی۔ زیارت اور استقبال کے لیے سارا مدینہ ٹوٹ پڑا۔ قباء سے مدینہ تک دو رویہ انصار کی صفیں تھیں۔ ہر قبیلہ عقیدت سے حاضر خدمت ہوتا اور عرض کرتا۔ حضورؐ یہ گھر ہے، یہ مال ہے، یہ جان ہے۔ حضورؐ دعا خیر دیتے اور آگے بڑھتے جاتے۔ شہر قریب آگیا۔ مکانوں کی چھتوں پر عورتیں اور معصوم لڑکیاں خوشی کے عالم میں دف دف بجا بجا کر یہ اشعار پڑھتیں۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا ۔۔۔ مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا ۔۔۔ مَا دَعَى لِلّٰهِ دَاعِ

یعنی وداع کی گھاٹیوں سے چاند ابھر آیا ہے ہم پر خدا کا شکر واجب ہے جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں۔

جب کوکبہ نبوی حضرت ابو ایوبؓ انصاری کے گھر کے پاس پہنچا تو ہر ایک عقیدت مند نے میزبانی کی پیش کش کی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پہلو میں ایک مادر مہربان سے زیادہ شفیق قلب رکھتے تھے، وہ کسی کی پیش کش کو ٹھکرا کر رنجیدہ خاطر بنانا نہیں چاہتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میری ناقہ کو چھوڑ دو، وہ خدا کی طرف سے مامور ہے، جہاں بیٹھ جائے گی وہی میری قیام گاہ ہوگی۔ آخر یہ انمول اور گراں بہا نعمت حضرت ابو ایوبؓ انصاری کے حصہ میں آئی۔ آنحضرتؐ سات ماہ تک وہیں مقیم رہے۔ اسی وقت سے سنہ ہجری کا آغاز ہوتا ہے۔

# ہجرت کا پہلا سال

## تعمیر مسجد

مدینہ میں جا کر سب سے پہلا کام خانہ خدا کی تعمیر تھی۔ قیام گاہ کے قریب بنی نجار کی افتادہ زمین تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قیمت ادا کر کے صحابہ کی مدد سے ایک سادہ اور مختصر مسجد تعمیر کروائی۔ مسجد سے متصل ازواج مطہرات کے حجرے تعمیر ہوئے تعمیر مسجد کے بعد باجماعت نماز ہونے لگی اور اذان کا طریقہ ظہور میں آیا۔

## اصحاب صفہ

مسجد کے ایک سرے پر ایک چبوترا تھا۔ یہاں وہ لوگ رہتے تھے جن کے اپنے گھر بار نہ تھے اور وہ اصحاب صفہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

یہ مسجد کے ساتھ درسگاہ کی بنیاد تھی۔

**مواخات** مکہ سے جن مسلمانوں نے ہجرت کی تھی، وہ بالکل تہی دست اور بے سروسامان تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک مہاجر کا ایک ایک انصاری کے ساتھ برشتۂ اخوت قائم کر دیا۔ انصار نے مہاجرین کو اپنے مال و دولت، زمین و جائداد اور تجارت میں برابر کا شریک کر لیا۔

**میثاق مدینہ** مدینہ میں یہودی کافی صاحب اقتدار اور طاقت ور تھے۔ ان سے معاہدہ امن قائم کیے بغیر نہ تو مدینہ کی فضا پُرامن و پُرسکون رہ سکتی تھی اور نہ مدینہ کی سالمیت برقرار رہ سکتی تھی۔ اس وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں تشریف آوری کے معاً بعد ایک معاہدہ کیا جو "میثاق مدینہ" کہلاتا ہے۔ اس کی شرائط یہ تھیں۔

۱۔ خون بہا اور فدیہ کا قدیم طریقہ جاری رہے گا۔

۲۔ یہودیوں کو مذہبی آزادی حاصل رہے گی۔

۳۔ یہود اور مسلمانوں کے تعلقات دوستانہ ہوں گے۔ اور جب دونوں فریقوں کو کسی تیسری فریق سے جنگ پیش آئے گی تو وہ ایک دوسرے سے تعاون کریں گے۔

۴۔ کوئی فریق قریش کو امان نہیں دے گا۔

۵۔ مدینہ پر جب کوئی بیرونی طاقت حملہ کرے گی تو دونوں فریق مل کر مدافعت کریں گے، اور صلح میں بھی دونوں فریق شریک ہوں گے۔

۶۔ جھگڑوں اور اختلافات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ثالث تسلیم کیا جائے گا۔

# غزوات

## غزوہ۔ بدر۔ ۱۷ رمضان المبارک ۲ھ؛ ۶۲۴ء

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ (آل عمران ۱۲۳) اور یقیناً اللہ نے تمہیں بدر میں مدد دی جب تم کمزور تھے۔

قریش مکہ اسلام کی عداوت میں اتنے جلے بھنے تھے کہ مسلمانوں کے مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے جانے کے بعد بھی ان کو چین نہ آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے چلے آتے تو قریش نے عبداللہ بن ابی بن سلول کو جو ہجرت سے قبل رئیس انصار تھا، اور انصار نے اس کی تاج پوشی کے لیے تیاری کر رکھی تھی، خط لکھا "تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے۔ ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں۔ یا تو تم

اس کو قتل کر ڈالو یا مدینہ سے نکال دو ورنہ ہم تم پر حملہ کریں گے اور تم کو فنا و برباد کر دیں گے اور تمہاری عورتوں کو قیدی بنالیں گے۔"[1]

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خط کی خبر ہوئی تو آپؐ عبداللہ بن ابی کے پاس تشریف لے گئے اور اس سمجھایا بجھایا کہ "کیا تم اپنے ہی بیٹوں اور بھائیوں سے لڑو گے"۔ چونکہ انصار اکثر دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے اس لیے عبداللہ اس بات کو سمجھ گیا اور قریش کے حکم پر عمل نہ کر سکا۔

اس کے بعد قریش نے مدینہ کے یہودیوں سے ساز باز شروع کر دی۔ جب ان کو خفیہ طور پر اپنے ساتھ ملا لیا تب مسلمانوں کو تہدیدی پیغام بھیجا کہ تم مغرور نہ ہو جانا کہ مکہ سے جان بچا کر آ گئے ہو۔ ہم مدینہ پر حملہ کر کے تمہیں فنا و برباد کر دیں گے۔

اس پیغام کے بعد کفار مکہ نے مسلمانوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ ربیع الاول ۲ھ میں کرز بن جابر الفہری مسلمانوں کی ایک چراگاہ پر حملہ آور ہو کر مال مویشی لوٹ کر لے گیا اور صاف بچ کر نکل گیا۔

جب کفار نے امن پسند مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کا مصمم ارادہ کر لیا اور پھر اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مسلمانوں پر شب خون مارنے بھی شروع کر دیئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خود حفاظت کے لیے تلوار اٹھانے کی اجازت دی، ارشاد الٰہی ہے۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ، (الحج ۲۲: ۳۹) ان لوگوں کو اجازت دی گئی ہے جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس لیے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا (البقرہ ۲: ۱۹۰) اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی نہ کرو۔

اب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دفاع اور حفاظت کا اہم فریضہ تھا جس کو ادا کرنا تھا۔ اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے تلوار اٹھائی۔

اس دفاع اور حفاظت کے سلسلہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جحشؓ کو بارہ آدمیوں کے ہمراہ نخلہ کی طرف روانہ کیا، ساتھ ایک خط دیا اور فرمایا کہ اس خط کو دو دن کے بعد کھولا جائے۔ عبداللہؓ نے جب اس خط کو کھولا تو لکھا تھا: "مقام نخلہ میں قیام کرو اور قریش کے حالات کا پتہ لگاؤ اور اطلاع دو"۔ اتفاق سے قریش کا ایک تجارتی قافلہ ادھر سے گزر رہا تھا، عبداللہؓ نے اس پر حملہ کر دیا، اور اس جھڑپ میں حضرت واقدؓ بن عبداللہ سہمی کے تیر سے عمرو بن حضرمی مارا گیا۔ دو کافر گرفتار ہوئے او

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۲ باب خبر النضیر۔

کچھ مال غنیمت ہاتھ آیا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپؐ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اس واقعہ سے کفار مکہ بہت برہم ہوئے۔

**فوری وجہ** ان دنوں ابوسفیان کی سرکردگی میں قریش کا ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ شام سے واپس آرہا تھا۔ کسی نے یہ افواہ اڑادی کہ مسلمان اس قافلے کو لوٹنا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر ابوسفیان نے ایک قاصد ضمضم غفاری نام کو مکہ روانہ کر دیا۔ اس نے مکہ پہنچتے ہی واویلا اور چلّانا شروع کر دیا "اے قریش! تمہارا قافلہ خطرے میں ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رفقاء سمیت ابوسفیان پر حملہ کرنے کو ہے۔ اُمید نہیں کہ تم اپنا مال بچا سکو۔ کون دلاور ہے جو ابوسفیان کو بچانے کے لیے نکلے؟"[1]

## ابوجہل کا نعرہ جنگ

ابوجہل تو پہلے ہی مسلمانوں پر حملہ کرنے کا بہانہ تلاش کر رہا تھا۔ حضرمی کے قتل اور ضمضم غفاری کے واویلے نے ابوجہل کے آتش غضب کو بھڑکا دیا۔ وہ کعبہ گیا اور اپنے خداؤں سے استمداد کی۔ پھر اہل مکہ کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے ابھارا تاکہ مسلمانوں کے خون سے اپنی آتش غضب کو بجھاتے۔

**مدینہ کی طرف کوچ** ایک ہزار پیادے اور سو سواروں کا لشکر عتبہ بن ربیعہ کی سرکردگی میں مدینہ کی طرف روانہ ہو پڑا۔

**مومنین کا خروج** رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حالات کا علم ہوا تو آپؐ نے تمام صحابہ کو مشورہ کے لیے جمع کیا۔ سب سے پہلے ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ پھر حضرت مقدادؓ اٹھے اور جان نثاری کا اظہار کیا۔ جب انصار کی طرف سے سعدؓ بن معاذ نے کامل وفاداری کا اظہار کیا تو ۱۲ رمضان ۲ھ کو آپؐ تین سو تیرہ جاں نثاروں کو ساتھ لے کر شہر سے باہر نکلے، جن میں کم سن بچے بھی تھے۔ اسلامی لشکر کے ساز و سامان کی یہ ناگفتہ بہ حالت تھی کہ صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان قدوسیوں کو ساتھ لے کر بدر کی طرف روانہ ہو پڑے۔ اس دوران میں قریش مقام بدر پر پہنچ چکے تھے جو مدینہ سے ۸۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ مسلمانوں نے وہاں پہنچ کر ایک چشمے پر قبضہ کر لیا۔

**رسول خدا کی دعا** ۱۶ رمضان کی رات کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آستانہ الوہیت پر گر کر یہ دعا کی، اے خدا! اگر تو نے اس چھوٹی سی

---

[1] حیات محمدؐ صفحہ ۵۵ اردو ایڈیشن۔

جماعت کو ہلاک کر دیا تو زمین میں تیری عبادت کرنے والا، توحید کا پیغام پہنچانے والا کوئی نہ رہے گا۔" پھر آپؐ نے دو رکعت نماز ادا کی اور غنودگی کی حالت میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی: "سیھزم الجمع و یولون الدبر" یعنی کفار کو شکست ہوگی اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔

## فریقین کی صف بندی

۱۷ رمضان بروز جمعہ صبح ہوتے ہی آپ نے صف بندی کی اور سپاہیوں کو اہم ہدایات دیں۔

۱۔ مسلمان صف بندی کو نہ توڑیں۔

۲۔ اس وقت تک لڑائی کا آغاز نہ کریں جب تک آپ اجازت نہ دیں۔

۳۔ دشمن دور ہو تو تیر چلا کر ضائع نہ کریں، زد میں آئے تو تیر چلائیں اور بھی قریب آئے تو پتھروں سے ماریں، اس سے بھی نزدیک ہو جائے تو نیزوں سے روکیں اور سب سے آخر میں تلواریں کھینچیں۔

آمنے سامنے دونوں فوجیں کھڑی ہیں۔ قریش میں سے اسود بن عبدالاسد بے قابو ہو کر حوض کی منڈیر ڈھانے کے لیے مسلمانوں کی صفوں میں جا گھسا۔ حضرت حمزہؓ نے ایک ہی وار میں کام تمام کر دیا۔

## باقاعدہ جنگ

لڑائی کا آغاز یوں ہوا کہ عامر حضرمی آگے بڑھا۔ مہجع حضرت عمرؓ کا غلام مقابلہ پر نکلا اور مارا گیا۔ پھر سالار فوج عتبہ ولید اور شیبہ نکلے۔ مسلمانوں کی طرف سے حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہؓ ان کے مقابلہ پر نکلے۔ تینوں کافر وہیں ڈھیر ہو گئے۔ حضرت عبیدہؓ کو مہلک زخم آیا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکے۔ عبیدہ بن سعید سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہوا نخوت اور تکبر میں چور صف سے باہر نکلا اور للکارا کہ "میں ابو کرش ہوں"۔ حضرت زبیرؓ مسلمانوں کی طرف سے نکلے، تاک کر آنکھ میں برچھی ماری اور عبیدہ بن سعید زمین پر گر پڑا۔

اس کے بعد عام لڑائی شروع ہو گئی۔ مسلمان ایمان کے نشہ میں اتنے سرشار تھے کہ وہ بڑھ بڑھ کر کفار کی فوج پر حملے کر رہے تھے۔ مسلمانوں کے تابڑ توڑ حملوں کی تاب نہ لا کر کفار کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔ معوذ اور معاذ دو انصاری بچے تھے۔ انہوں نے ابوجہل کا کام تمام کر دیا۔ قریش کا ایک اور سردار امیہ بن خلف بھی مارا گیا اور نامور سردار بھی مارے گئے۔ سرداروں کے کھیت ہونے کی وجہ سے کفار ایسے بددل ہوئے کہ ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور ستر مقتول میدان میں چھوڑ کر بھاگ نکلے اور ستر کے قریب قیدی بنے۔ ان میں مشہور عقیل، عباس، نوفل، اسود اور عبد بن زمعہ تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے کے مطابق اسیران جنگ کو فدیہ لے کر رہا کر دیا۔ اور جو لوگ فدیہ دینے کی طاقت نہیں رکھتے تھے لیکن خواندہ تھے۔ انہیں حکم دیا کہ وہ مدینہ کے دس دس لڑکوں کو لکھنا پڑھنا سکھا کر رہائی حاصل کر سکتے ہیں۔

## مسلمانوں کی فتح کے اسباب

۱۔ جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے مسلمانوں کی نصرت کی۔
۲۔ قریش میں باہم اتفاق نہ تھا۔ عتبہ سردار لشکر لڑنے پر راضی نہ تھا۔ قبیلہ زہرہ کے لوگ میدان جنگ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔
۳۔ بارش ہو جانے کی وجہ سے کفار جہاں صف آرا تھے وہاں کیچڑ ہو گیا تھا جس کی وجہ سے چلنا پھرنا مشکل تھا۔
۴۔ کفار کی فوج میں کوئی ترتیب اور صف بندی نہ تھی۔
۵۔ کفار اسلامی فوج کا تخمینہ کرنے میں غلطی کر رہے تھے۔

**نتیجہ** جنگ بدر نے یہ ثابت کر دیا کہ اسلام ایک ایسی بڑھتی ہوئی طاقت ہے کہ اس کو مٹانا بالکل محال ہے۔ اس جنگ نے مزید جنگوں کے دروازے کھول دیئے، جن کے نتیجے میں مسلمانوں نے مکہ فتح کر لیا اور اسلام کی حکومت تمام عرب پر ہو گئی۔

## جنگ بدر کی یسعیاہ نبی کی کتاب میں پیش گوئی

کیونکہ خداوند نے مجھے یوں فرمایا ہے ہنوز ایک برس ہاں مزدور کی برسوں کی طرح ایک برس میں قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی اور تیر اندازوں کے بقیہ لوگ جو قیدار کے بہادر ہیں گھٹ جائیں گے کیونکہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا ہے"۔

یہ پیش گوئی جنگ بدر میں پوری ہوئی جو ہجرت کے ایک سال بعد ہوئی۔ اس میں قیدار کی ساری حشمت تباہ ہو گئی اور ان کے تیر اندازوں کی شہرت خاک میں مل گئی اور ان کے رؤسا مارے گئے۔

## غزوہ اُحد ۳ھ؛ ۶۲۵ء

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ۔ (آل عمران ۳: ۱۳۹)
اور سست نہ ہو اور غمگین نہ ہو اور تمام ہی غالب رہو گے جب تم مومن ہو۔

قریش غزوہ بدر میں مسلمانوں کی ایک قلیل اور بے سروسامان جماعت کے ہاتھ سے مغلوب ہونے اور ان کے عظام اور رؤسا کے میدان جنگ میں تم آنے کی وجہ سے جوش انتقام سے لبریز تھے۔ مدینہ کے یہودیوں اور منافقوں نے بھی آتش غضب کو بھڑکانے میں کوتاہی نہ کی۔ سو قریش شکست بدر اور

تجارتی ناکہ بندی دونوں کے انتقام کے لیے آتش زیر پا تھے۔ چنانچہ رؤسا قریش اپنے نئے قائد ابوسفیان کے پاس گئے اور مدینہ پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا۔ اور یہ بھی کہا کہ سامان تجارت سے جو نفع ہوا ہے اس سے اسلحہ حرب خریدا جائے۔ ابوسفیان مسلمانوں سے معرکہ لڑنے کے لیے تیار ہو گیا۔ چنانچہ ۳ھ مطابق ۶۲۵ء میں قریش تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ مکہ سے نکلے۔ ان میں دو سو گھوڑے، تین ہزار اونٹ اور سات سو زرہ پوش تھے۔ اس فوج میں سپاہیوں کے حوصلے بڑھانے اور کٹ مرنے پر برانگیختہ کرنے کے لیے معزز گھرانے کی عورتیں بھی تھیں۔

۹ شوال ۳ھ بروز جمعرات اس لشکر نے احد کے نیچے جو مدینہ کے شمال کی طرف تین میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے خیمے گاڑ دیئے اور مدینہ کی چراگاہوں پر قبضہ کر کے اونٹوں اور گھوڑوں کو ان میں کھلا چھوڑ دیا۔ حضرت عباس مسلمان ہو چکے تھے اور ابھی مکہ میں ہی مقیم تھے۔

## مدینہ میں جنگ کی تیاری

انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے حملے کی اطلاع دے دی تھی۔ جمعہ کا دن تھا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جمعہ پڑھا کر مسلمانوں کو جنگ کی تیاری کا فرمان صادر فرمایا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارادہ تھا کہ اس دفعہ مدینہ میں رہ کر ہی دشمن سے مقابلہ کیا جائے۔ لیکن جوشیلے نوجوانوں نے کھلے میدان میں لڑنے کا مشورہ دیا۔ آخر کار اکثریت کے فیصلہ کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار سپاہیوں کو لے کر احد کی طرف روانہ ہوئے۔ عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین اپنے تین سو سپاہی لے کر واپس مدینہ لوٹ گیا۔ اب اسلامی لشکر کی تعداد سات سو رہ گئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کو پشت پر اور کوہ عینین کو، جو وادی قنات میں ہے، اپنی بائیں طرف رکھ کر صف آرائی کی۔ جبل عینین پر پچاس تیر انداز متعین کیے کہ اگر وادی قنات کی راہ سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے کوئی دستہ آئے تو اسے روکیں۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کو ان تیر اندازوں کا قائد مقرر کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہدایت فرمائی۔ اگر تم دیکھو کہ پرندے ہم کو اچک کر لے گئے ہیں۔ تو اپنی جگہ کو نہ چھوڑو۔ یہاں تک کہ میں تمہارے پاس کسی کو بھیجوں، اور اگر تم دیکھو کہ ہم نے دشمن کو شکست دی ہے اور مار کر پامال کر دیا ہے تو بھی ایسا ہی کرنا۔[1]

## قریش کی صف آرائی

مشرکین نے جو کوہ عینین (جبل الرماۃ) میں وادی قنات سے مدینہ کی طرف کے کنارے پر اترتے ہوئے تھے صفیں آراستہ کیں۔

## لڑائی کا آغاز

انفرادی مقابلہ کے لیے مشرکین کا علمبردار طلحہ میدان میں نکلا۔ حضرت علیؓ نے ایک ہی وار سے کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی عثمان مقابلہ

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجہاد باب مایکرہ من التنازع والاختلاف فی الحرب۔

کے لیے نکلا اور حضرت حمزہؓ کی ایک ہی ضرب سے زمین پر آگرا۔

اب عام جنگ شروع ہوئی۔ مسلمانوں نے خوب بہادری کے جوہر دکھائے اور دشمن کو پسپا کر دیا۔ جب قریش میدان چھوڑ کر بھاگے تو مسلمان مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے اور پچاس آدمیوں کا دستہ بھی درہ کو خالی چھوڑ کر مال غنیمت کے لوٹنے میں شریک ہو گیا۔ خالد بن ولید نے جو کفار کی فوج کے میمنہ کا قائد تھا اس درہ کے راستہ سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمان اس ناگہانی حملے کی تاب نہ لا سکے۔ مسلمانوں کے علمبردار حضرت مصعبؓ بن عمیر شہید ہو گئے۔ چونکہ ان کی شکل کسی حد تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل کے مشابہ تھی اس وجہ سے یہ مشہور ہو گیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ اس خبر نے مسلمانوں کے حوصلوں کو بالکل ہی پست کر دیا۔ اس افراتفری کے عالم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد صرف بارہ آدمی رہ گئے تھے۔ ایک کافر عبداللہ بن قمیہ بڑھتے بڑھتے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گیا اور روئے مبارک پر تلوار سے حملہ کیا۔ جس سے مغفر کی دو کڑیاں آپؐ کے رخسارے میں پیوست ہو گئیں اور خون بہنا شروع ہو گیا۔ ابن ہشام کے پتھر سے آپؐ کا بازو زخمی ہوا اور عتبہ کے پتھر سے چار دانت شہید ہوئے۔

مشرکین کے حملہ کا دباؤ کم ہوا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی فوج کو لے کر پہاڑ پر چڑھ گئے۔ اس معرکہ میں ستر مسلمان شہید ہوئے۔

## کفار کی بربریت

جنگ ختم ہوئی تو قریش کی عورتوں نے اپنے جوش انتقام کو بجھانے کے لیے مسلمان شہیدوں کی لاشوں کا مثلہ کیا۔ ناک کان کاٹ کر اپنے گلوں کے ہار بنائے۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے حضرت حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر چبا لیا۔

قرآن مجید میں جنگ احد کا ذکر سورہ آل عمران میں ہے۔ اس میں کفار کی حالت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔ فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ یعنی وہ ناکام و نامراد لوٹے۔

بعض مورخین نے تاریخی ناواقفیت کی بناء پر یہ لکھا ہے کہ اس لڑائی میں مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس لڑائی میں مسلمانوں کا زیادہ جانی نقصان ہوا ہے۔ اس بناء پر اس نقصان کی وجہ سے قرآن نے اس لڑائی کو "قرح" یعنی مصیبت کہا ہے۔ لیکن یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ زیادہ نقصان سے ہار جیت کا فیصلہ نہیں کیا جاتا، بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ کس فوج نے پہلے میدان جنگ کو چھوڑا ہے اور کون سی فوج میدان پر قابض رہی۔ جو فوج میدان جنگ پر قابض ہو گی وہی فوج فاتح شمار ہو گی۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ لڑائی کے دوسرے دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر آدمیوں کی ایک جماعت کفار کی فوج کے تعاقب میں بھیجی، جن میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت زبیرؓ

بھی شامل تھے۔ قرآن مجید میں یہ واقعہ مسلمانوں کی تعریف کے ساتھ مذکور ہے۔ چنانچہ یہ جماعت حمراء الاسد تک جو مدینہ سے آٹھ میل ہے، تشریف لے گئی۔

**نتیجہ** مسلمانوں کے ظاہری نقصان کی وجہ سے کفار، یہود، منافقین اور مدینہ کے اردگرد قبائل کے حوصلے بلند ہو گئے۔ اور اس زعم میں مبتلا ہو گئے کہ مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹایا جا سکتا ہے۔

# یہودیوں سے معرکے

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ

(آل عمران: ۱۱۸) ان کے مونہوں سے بغض ظاہر ہو گیا اور جو ان کے سینے چھپاتے ہیں۔ وہ اس سے بڑھ کر ہے۔

یہود کے تین قبیلے قینقاع، نضیر اور قریظہ مدینہ کے اطراف میں آباد تھے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ہجرت کر آئے تو مدینہ کے دفاع اور شہر کی فضا کو پُرامن بنانے کے لیے آپؐ نے یہود سے معاہدہ کیا، جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ لیکن یہود اپنے معاہدہ پر قائم نہ رہے بلکہ اسلام کی بیخ کنی کے ناپاک منصوبے گھڑنے شروع کر دیتے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے کفار سے سازباز شروع کر دی۔ غرض کہ عداوت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو گھر سے باہر نکلتے تو جان کا خطرہ لاحق رہتا تھا۔

## غزوہ قینقاع۔ ۲ھ

میثاق مدینہ کی رو سے ہر جماعت کو پُرامن رہنا ضروری تھا۔ لیکن سب سے پہلے بنو قینقاع نے عہد شکنی کی۔ واقعہ یہ ہوا کہ انصار کی ایک نقاب پوش عورت بنو قینقاع کے محلہ میں گئی۔ ایک بدخصلت یہودی نے اپنی ہوس دید بجھانے کے لیے اس عورت کو بے نقاب کر دیا اور مسلمان عورت نے واویلا شروع کر دیا۔ ایک مسلمان یہ دیکھ کر آگے بڑھا اور یہودی کو قتل کر دیا۔ دوسرے یہودیوں نے اس مسلمان کو شہید کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی تو آپؐ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا۔

"اگر تم لوگوں نے مسلمانوں کی ایذا رسانی سے ہاتھ نہ روکا اور صلح کے معاہدہ پر عمل نہ کیا تو تمہارے ساتھ وہی سلوک ہو گا جو قریش مکہ کے ساتھ ہوا ہے۔"

وہ بولے "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ دھوکے میں نہ رہیں۔ تم نے ایسی قوم سے مقابلہ کیا تھا جو فن حرب سے ناآشنا تھی۔ بخدا اگر ہمارے ساتھ سابقہ پڑا تو ہم دکھا دیں گے کہ لڑائی

اس کا نام ہے۔"

یہ بنو قینقاع کی طرف سے کھلم کھلا اعلان جنگ تھا۔ اس اعلان جنگ اور نقض معاہدہ کی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۱۵ شوال ۲ھ میں صحابہ کو لے کر بنو قینقاع کے قلعوں کی طرف بڑھے اور ان کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ یہودی پندرہ دن کے سخت محاصرے کے بعد اس پر راضی ہوئے کہ جو فیصلہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کریں وہ منظور ہے۔ آپؐ نے فرمایا: مدینہ چھوڑ دو۔ چنانچہ یہ لوگ شام کے علاقہ میں جا بسے۔

## غزوہ بنو نضیر ۴ھ

بنو نضیر نے قبیلہ عامر کے دو آدمیوں کے قتل کا خون بہا دینا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان مقتولین کی دیت کا مطالبہ کرنے کے لیے ان کے محلہ میں گئے، تو یہودیوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریب سے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک یہودی عمرو بن جحاش کوٹھے پر چڑھا، تاکہ اُوپر سے پتھر لڑھکا کر آپؐ کو ہلاک کر دے۔ آنحضرتؐ کو اس منصوبہ کا علم ہو گیا۔ آپؐ فوراً مدینہ واپس آ گئے، اور پرانے معاہدہ کی تجدید کرنا چاہی۔ بنو قریظہ نے تو تجدید کر دی، مگر بنو نضیر نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے علماء سے مناظرہ کے لیے بلا کر دوبارہ قتل کرنے کی سازش کی۔ آپؐ نے حضرت محمد بن مسلمہؓ کے ذریعہ یہ پیغام بھیجا کہ "ہمارے شہر سے نکل جاؤ، کیونکہ تم نے عہد شکنی کی ہے ورنہ دس روز کے بعد تم میں سے جو شخص مدینہ میں دیکھا جائے گا۔ اس کو قتل کر دیا جائے گا۔"

عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے کہلا بھیجا کہ اپنے گھروں کو ہرگز نہ چھوڑنا، میں دو ہزار آدمی لے کر تمہاری اعانت کروں گا۔

چنانچہ حیی بن اخطب رئیس بنو نضیر نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہلا بھیجا کہ ہم شہر کسی صورت میں بھی خالی نہیں کریں گے، ہمارے خلاف جو چاہیں کر گزریں۔ یہ کہلا بھیجتے ہی قلعہ بندی کی تیاری شروع کر دی اور ایک سال کے لیے اشیاء خوردنی سے گھر بھر لئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیغام سن کر بنو نضیر کا محاصرہ کر لیا۔ یہود پندرہ دن تک قلعہ بند رہے اور مقابلہ کی تاب نہ لا کر اس بات پر راضی ہو گئے کہ وہ مدینہ چھوڑ کر چلے جائیں اور ان کو مال و اسباب اونٹوں پر لے جانے کی اجازت ہو۔ چنانچہ سب گھروں کو چھوڑ کر نکل گئے اور خیبر میں جا کر آباد ہو گئے۔

یہودیوں نے مدینہ کے گرد و نواح کے قبائل کو مشتعل کرنا شروع کر دیا۔ اس وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شعبان ۵ھ میں قبیلہ بنی مصطلق یا اہل مریسیع سے جنگ کرنا پڑی۔ اس غزوہ میں چھ سو آدمی گرفتار اور دس قتل ہوئے۔ دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں غنیمت میں

ہاتھ آئیں۔

## غزوہ خندق (احزاب) ۵ھ، ۶۲۷ء

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّا اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا (الاحزاب ۳۳: ۲۲)

اور جب مومنوں نے جماعتوں کو دیکھا انہوں نے کہا یہ وہ ہے جس کا وعدہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے دیا تھا اور اللہ اور اس کے رسولؐ نے سچ کہا اور اس نے انھیں صرف ایمان اور فرمانبرداری میں بڑھایا۔

یہود کے دو قبیلے بنو قینقاع اور بنو نضیر مدینہ سے جلاوطن ہو چکے تھے کہ لوگ خیبر اور شام کی سرحدوں میں آباد تھے۔ اب مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کے منصوبے گھڑنا شروع کیے۔ یہودی رؤسا کا ایک وفد مکہ گیا اور قریش کو اپنے تعاون اور مدد کا یقین دلایا۔ قریش تو پہلے ہی مسلمانوں کے ہاتھوں ذلت آمیز شکستیں کھانے کی وجہ سے آتش انتقام سے بھرے بیٹھے تھے، یہود کے تعاون کی وجہ سے اُن کے مُردہ جسم میں بھی حرکت آگئی۔

رؤسا یہود بنو غطفان کے پاس بھی گئے اور وعدہ کیا کہ وہ خیبر کے محاصل کا نصف حصہ انھیں دیا کریں گے۔ اس نفع بخش شرط پر بنو غطفان بھی مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ اس طرح بنو نضیر، بنی قریظہ، بنو غطفان اور قریش کے متحدہ لشکر نے مدینہ پر چڑھائی کر دی۔ فوج کی کل تعداد بروایات مختلفہ کم سے کم دس ہزار اور زیادہ سے زیادہ چوبیس ہزار تھی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسیؓ کے مشورہ پر مدینہ منورہ کے گرد خندق کھودنا شروع کر دی۔ عورتوں اور بچوں کو محفوظ گڑھیوں میں بھیج دیا۔ چونکہ بنو قریظہ کے حملے کا اندیشہ تھا اس لیے وہ سو مجاہدین کو حضرت سلیم بن اسلم کی سرکردگی میں متعین کیا گیا تاکہ ادھر سے حملہ نہ ہونے پائے۔

جب خندق مکمل ہو گئی تو آپؐ پوری فوج کے ساتھ جبل سلع پر پڑاؤ لگا کر مقیم ہو گئے۔ آپؐ کا خیمہ جبل سلع کے ایک اہم مگر محفوظ مقام پر نصب کر دیا گیا۔

**بنو قریظہ کی بدعہدی** جب بنو قریظہ نے کفار کا اتنا عظیم لشکر دیکھا اور ان کو یقین ہو گیا کہ یہ لشکر مسلمانوں کو تباہ کیے بغیر واپس نہیں لوٹے گا، وہ مدینہ کے اندر رہ کر مسلمانوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔

مسلمانوں کی فوج میں منافق بھی شامل ہو گئے تھے، لیکن راتوں کی بے خوابی اور متواتر فاقوں

نے ان کی منافقت کا راز فاش کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے اور اجازت مانگنے کہ ہمارے گھر محفوظ نہیں، ہم کو شہر میں واپس چلے جانے کی اجازت دی جائے۔ غرض کہ مسلمان شہر سے باہر اور اندر دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے اور مسلمانوں کے لیے نہایت ہی نازک وقت تھا۔ قرآن مجید نے اس پُرخطر گھڑیوں کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا۔ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا (الاحزاب ۳۳: ۱۰، ۱۱) جب وہ تمہارے اُوپر سے اور تمہارے نیچے سے تم پر آگئے اور جب آنکھوں میں اندھیرا آگیا اور دل دہشت سے گویا حلقوں تک پہنچ گئے اور تم اللہ پر مختلف قسم کے ظن کرنے لگے۔ وہاں مومن آزمائے گئے اور سخت مصائب میں ڈالے گئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے کئی کئی دن کے فاقے گزارے۔ آپؐ نے حضرت سعد بن عبادہؓ اور حضرت سعد بن معاذؓ جو روسائے انصار تھے بلا کر مشورہ کیا کہ غطفان سے مدینہ کی پیداوار کے ایک ثلث پر معاہدہ کر لیں۔ دونوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اگر یہ خدا کا حکم ہے تو انکار نہیں، اگر رائے ہے تو گزارش ہے کہ کفر کی حالت میں بھی ہم نے کبھی خراج نہیں دیا، اب ہم ان سے دب کر خراج ادا کرنے کو تیار نہیں۔ جو کچھ بھی ہو ہم لڑائی لڑیں گے۔

کفار نے ایک ماہ تک محاصرہ جاری رکھا۔ اس دوران کئی بار کفار کے بہادروں نے خندق پھاندنے کی کوشش کی۔ ایک جگہ سے خندق کم چوڑی تھی، وہ حملہ کے لیے انتخاب کی گئی۔ ضرار، جبیرہ، نوفل، عمرو بن عبدود نے خندق کے بیرونی کنارے سے اپنے اپنے گھوڑے کو مہمیز کیا اور چشم زدن میں مسلمانوں کے سر پر آپہنچے۔ عمرو بن عبدود نے مسلمانوں کو مبارزت کے لیے للکارا۔ حضرت علیؓ مقابلہ کے لیے نکلے اور عمرو بن عبدود کا کام تمام کر دیا۔ جبیرہ اور نوفل ڈر کر پیچھے لوٹے۔ نوفل خندق میں گرا۔ حضرت علیؓ خندق میں اترے اور تلوار سے قتل کر دیا۔

اس اثنا میں شوال کا مہینہ ختم ہو چلا اور ذی قعدہ قریب آگیا جو شہر حرم کا آغاز تھا جس میں قریش مذہباً لڑائی نہیں کر سکتے تھے۔ موسم خراب آگیا۔ بارش، آندھی، سردی اور قلت رسد وغیرہ سے محاصرین کے پائے ثبات میں لغزش آگئی۔ آخر بیزار ہو کر ابوسفیان اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مکہ روانہ ہو گیا اور دوسرے قبائل بھی یکے بعد دیگرے چلتے بنے۔

## بنو قریظہ کا خاتمہ۔ ۵ھ

بنو قریظہ نے جنگ خندق میں نہ صرف معاہدہ کی خلاف ورزی کی بلکہ جہاں مسلمان عورتیں مقیم تھیں وہاں انہوں نے حملہ کرنے کی کوشش کی۔ اہل مکہ کے ساتھ دیگر قبائل کو جنگ پر اُبھارا۔ محاصرہ اُٹھ جانے کے معاً بعد

رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا۔ ایک ماہ بعد بنو قریظہ نے ہتھیار ڈال دیئے اور آپؐ کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ حضرت سعدؓ بن معاذ جو فیصلہ کریں گے وہ منظور ہے۔ سعدؓ نے توریت کے مطابق یہ فیصلہ کیا۔

۱۔ بنو قریظہ کے جنگ جو مرد قتل کر دیئے جائیں۔
۲۔ عورتیں اور بچے مملوک بنا لیے جائیں۔
۳۔ مال و اسباب غنیمت قرار دیا جائے۔

اس فیصلہ کی رو سے چار سو یہودی قتل کر دیئے گئے۔

# صلح حدیبیہ اور بیعتِ رضوان ۶ھ ۶۲۸ء

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا (الفتح ۱:۴۸) ہم نے تیرے لیے ایک کھلی فتح کی راہ کھول دی ہے۔

جنگ احزاب پر تقریباً ایک سال کی مدت گزر گئی۔ موسم حج قریب آیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رویا میں دیکھا کہ آپؐ اپنے صحابہ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔ اس رویا کے پیش نظر آپؐ نے بیت اللہ کی زیارت کا اعلان فرمایا۔ یہ خبر سرعت کے ساتھ مدینہ میں پھیل گئی، کیونکہ صحابہ پہلے سے ہی اس سعید گھڑی کے منتظر تھے۔ ان کی ارواح بیت اللہ کی زیارت کے لیے تڑپتی تھیں۔ ان کے قلوب میں بیت اللہ کی یاد گدگدی لیتی رہتی تھی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو پاک باز مقدس صحابہ کے ساتھ ذی قعدہ ۶ھ میں عمرہ کے لیے عازم مکہ ہوئے۔ قربانی کے اونٹ ساتھ تھے۔ حذر و احتیاط کے لیے آپؐ نے حکم دیا کہ کوئی بھی جنگ کے ہتھیار اور سامان ساتھ نہ لے تاکہ قریش مزاحمت کا بہانہ نہ بنالیں۔ صرف تلوار جو عرب کا ضروری اسلحہ تھا۔ ساتھ لی جائے۔ اس میں بھی یہ شرط تھی کہ نیام میں بند ہو۔ جب آپؐ ذوالحلیفہ پہنچے جو اہل مدینہ کا میقات ہے تو آپؐ نے احرام باندھا اور قربانیوں کو شعار کیا۔

جب کفار مکہ کو مسلمانوں کی آمد کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے ایک لشکر مقابلہ کے لیے تیار کیا، تاکہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکیں۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم ہوا کہ کفار لڑائی کے لیے تیار ہیں تو آپؐ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ ہم عمرہ کی نیت سے آئے ہیں۔ اگر کوئی شخص ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہو تو ہمیں مجبوراً اس سے لڑنا چاہیئے۔ آپؐ نے یہ رائے پسند فرمائی اور آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ آپؐ بڑھتے ہوئے ثنیۃ المرار تک پہنچ گئے۔ آپؐ کی اونٹنی اس جگہ بیٹھ گئی۔ لوگوں نے کہا کہ اونٹنی نے دھوکہ دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اونٹنی نے دھوکہ نہیں دیا،

حرمات اللہ کے خلاف تمہاری خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔ آپؐ نے اونٹنی کو جھڑکا۔ وہ اُٹھ کر چل پڑی۔ آپؐ حدیبیہ کے پرلی طرف کنویں پر اترے۔

قبیلہ خزاعہ کا رئیس اعظم بدیل بن ورقا چند آدمیوں کے ساتھ آپؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ قریش نے آپؐ کی مزاحمت کے لیے ایک عظیم لشکر جمع کر رکھا ہے، وہ آپؐ کو کعبہ میں جانے نہیں دیں گے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدیل کے ذریعے قریش کو یہ پیغام بھیجا کہ ان کے لیے یہ بہتر ہے کہ ایک مدت کے لیے ہمارے ساتھ معاہدہ کر لیں۔ جب بدیل نے یہ پیغام دیا تو عروہ بن مسعود ثقفی نے کہا۔ یہ بات تمہارے لیے مناسب اور بہتر ہے، اسے قبول کر لو۔

عروہ قریش کی طرف سے سفیر ہو کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور گفتگو کی۔ اس دوران میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں کی عقیدت اور والہانہ محبت کا بھی نظارہ کیا۔ گفتگو کرنے کے بعد عروہ واپس مکہ چلا گیا۔ چونکہ معاملہ ناتمام رہ گیا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خراشؓ بن امیہ کو قریش کے پاس بھیجا، لیکن قریش اس سے بدسلوکی سے پیش آئے۔

قریش نے ایک دستہ بھیجا کہ وہ مسلمانوں پر حملہ آور ہو، لیکن صحابہ کرام نے دیکھ لیا اور سب کو گرفتار کر لیا۔ لیکن بعد میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سب کو آزاد کر دیا گیا۔

حضرت خراشؓ کی ناکامی کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو قریش کی طرف مصالحت کے لیے بھیجا۔ قریش نے ان کو نظر بند کر لیا۔

**بیعت رضوان**

حضرت عثمانؓ بن عفان کے واپس آنے میں تاخیر ہوئی تو یہ خبر مشہور ہو گئی کہ وہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ اس خبر کے سنتے ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک عثمانؓ کا بدلہ نہ لے لیں گے۔ یہاں سے نہ ٹلیں گے۔ آپؐ ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور تمام صحابہ سے جان نثاری کی بیعت لی۔ تاریخ میں یہ بیعت "بیعتِ رضوان" کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں آتا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا (الفتح ۴۸: ۱۸) خدا مومنوں سے راضی ہو گیا کہ وہ تیرے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔ خدا نے جان لیا جو کچھ ان لوگوں کے دلوں میں تھا تو خدا نے ان پر تسلی نازل کی اور جلد فتح دی۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد حضرت عثمانؓ مکہ سے تشریف لے آئے۔ انہوں نے بھی رسول کریمؐ سے اس قسم کی بیعت کی۔

قریش کے فہمیدہ طبقہ نے سہیل بن عمرو کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ قریش نے ان سے صاف صاف

یہ کہہ دیا تھا کہ صلح صرف اس شرط پر ہو کہ محمدؐ اس سال واپس چلا جائے۔
سہیل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اس نے شرائط صلح پیش کیں۔ آپؐ نے ان شرائط کو قبول فرمالیا۔

## شرائط معاہدہ

۱ - مسلمان اس سال بغیر عمرہ کیے واپس چلے جائیں۔
۲ - اگلے سال آئیں مگر تین دن سے زیادہ مکہ میں قیام نہ کریں۔
۳ - ہتھیار نگا کر نہ آئیں۔ صرف تلوار ساتھ لائیں۔ وہ بھی نیام میں اور نیام بھی حلبان میں۔
۴ - مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں۔ ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔ اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہنا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔
۵ - مسلمانوں میں سے کوئی شخص مدینے جائے تو واپس کر دیا جائے۔ لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں آجائے تو واپس نہیں کیا جائے گا۔
۶ - قبائل عرب کو اختیار ہوگا جس فریق کے ساتھ چاہیں معاہدہ میں شریک ہو جائیں۔

ابھی شرائط نہیں لکھی گئی تھیں کہ ابو جندلؓ سہیل کا لڑکا بیڑیوں میں جکڑا ہوا آیا، لیکن معاہدہ کی پابندی کرتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جندلؓ کو مکہ واپس چلے جانے کی نصیحت کی۔

اس معاہدہ کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ یہیں قربانی کر دیں۔ چنانچہ وہیں قربانیاں کر دی گئیں اور حرام آمار دیتے گئے۔

## فتح مبین

عہد نامہ کے بعد قبیلہ خزاعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیف ہو گیا اور قبیلہ بنو بکر، قریش کا حلیف بن گیا۔

صلح کے بعد تین دن تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں قیام فرمایا۔ پھر وہاں سے مدینہ روانہ ہوئے کو راستہ میں سورہ فتح نازل ہوئی۔

صلح حدیبیہ مسلمانوں کی فتح کا دیباچہ بن گئی۔ اس صلح سے حسب ذیل نتائج برآمد ہوئے۔

۱ - لوگ آزادی سے مکہ اور مدینہ آنے جانے لگے۔ اس اختلاط اور ملاپ کی وجہ سے کفار کو اسلامی معاشرہ کے دیکھنے کا قریب سے موقع مل گیا، اور وہ اس سے اتنے متاثر ہوئے کہ لوگوں نے سرعت کے ساتھ اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔

۲ - ایک مسلمان ابوبصیرؓ مکہ سے بھاگ کر مدینہ چلا گیا۔ معاہدہ کی شرط کے مطابق مکہ والے اس کو واپس لینے کے لیے آئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبصیرؓ کو واپس چلے جانے کا حکم دے دیا۔ ابوبصیرؓ نے راستے میں ایک کو تو قتل کر دیا اور دوسرا بھاگ کر مدینہ پہنچا۔ ابوبصیرؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ آپؐ نے تو واپس کر دیا۔ اور آپؐ کی ذمہ داری ختم ہو گئی۔ یہ کہہ کر اس نے مقام عیص میں جو سمندر کے کنارے پر ہے۔ سکونت اختیار کر لی۔ اب مکہ کے مظلوم مسلمان بھاگ بھاگ کر عیص پہنچنا شروع ہو گئے۔ اس طرح ایک نو آبادی بن گئی۔ اب ان لوگوں نے اتنی طاقت پکڑ لی۔ کہ قریش کے تجارتی قافلوں پر حملہ آور ہوتے اور مال غنیمت حاصل کر کے گزران کرتے۔ قریش نے مجبور ہو کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لکھا کہ ہم معاہدہ کی اس شرط کو چھوڑتے ہیں، اب جو آدمی مسلمان ہو کر مدینہ جانا چاہتا ہے۔ اس کو مدینہ جانے کی اجازت ہے۔

# شاہانِ عرب وعجم کو دعوتِ اسلام

(آخر ۶ھ تا ۹ھ)

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ [redacted]

کہو اے اہل کتاب اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بتائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو سوائے اللہ کے رب بنائے۔

اسلام دوسرے مذاہب کی طرح قومی مذہب نہ تھا بلکہ عالمگیر مذہب تھا۔ جونہی یہود کی طاقت ٹوٹنے اور حدیبیہ کی صلح سے کسی قدر اطمینان نصیب ہوا تو وقت آگیا کہ اتمام حجت کے لیے اسلام کا پیغام تمام دنیا تک پہنچا دیا جائے۔ سب سے پہلے یہ کام سرانجام دیا۔ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کو اکٹھا کیا اور خطبہ دیا۔ اے لوگو! خدا نے مجھے تمام دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ دیکھو جو اریین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اختلاف نہ کرنا۔ جاؤ میری طرف سے پیغام حق ادا کرو۔

اس کے بعد آپؐ نے قیصر روم، کسریٰ، عزیز مصر، نجاشی اور رؤسائے عرب کے نام خطوط ارسال کیے۔ مکتوب الیہم اور حاملین مکتوبات کی تفصیل حسب ذیل ہے:

| | |
|---|---|
| ۱ - قیصر روم | حضرت دحیہؓ کلبی |
| ۲ - خسرو پرویز | حضرت عبداللہ بنؓ حذافہ سہمی |
| ۳ - عزیز مصر | حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ |

| | |
|---|---|
| ۴ - نجاشی بادشاہ حبش | حضرت عمرؓو بن امیہ |
| ۵ - رئیس یمامہ ہوذہ بن علی | حضرت سلیط بن عمر بن عبد شمس |
| ۶ - منذر بن ساوی شاہ بحرین | حضرت علاء بن حضرمی |
| ۷ - شاہ عمان | حضرت عمرؓو بن العاص |
| ۸ - حارث بن ابوشمر شاہ دمشق | حضرت شجاعؓ بن وہب الاسدی |
| ۹ - حارث بن عبد کلال حمیری شاہ یمن | حضرت مہاجرؓ بن ابی امیہ مخزومی |
| ۱۰ - شرجیل حاکم بصری | حارث بن عمیر |

ایران اور بصری کے والی سفیروں کے ساتھ گستاخی سے پیش آئے۔ آخر الذکر نے سفیر کو قتل کر دیا۔ نجاشی شاہ حبش نے اسلام قبول کیا۔ مقوقس شاہ مصر نے آپؐ کی خدمت میں کچھ تحفے تحائف بھیجے۔ ان تحائف میں ایک خچر تھی۔ اور دو لونڈیاں تھیں، جن میں ایک ماریہ قبطیہ تھیں جن کو آپؐ نے نکاح کے بعد اپنے حرم میں داخل کیا، دوسری حضرت حسانؓ بن ثابت کی زوجیت میں آئیں۔ ہرقل بھی بہت متاثر ہوا، اس نے اپنے علماء کو بلا کر ان کو سمجھانے کی کوشش کی کہ دین اسلام کو قبول کر لینے میں ہماری بہتری اور بھلائی ہے۔ جب ان علماء کو سخت متنفر پایا تو کہہ دیا کہ میں نے تو صرف تمہیں آزمانے کے لیے ایسا کہا ہے۔ بحرین کے حاکم منذر بن ساوی نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔ عمان کے دونوں بھائی جعفر اور عبد کافی لیت ولعل کرنے کے بعد دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ یمامہ کے حاکم ہوذہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب میں لکھا کہ اگر حکومت کا نصف مجھے دے دیا جائے تو میں اسلام قبول کر لوں گا۔ دمشق کا حاکم پہلے تو بہت بگڑا، بعد میں سفیر کو احترام کے ساتھ روانہ کیا۔

## غزوہ خیبر - ۷ھ؛ ۶۲۹ء

خیبر یہودی قوت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ بنو نضیر مدینہ سے جلاوطنی کے بعد یہاں آکر آباد ہوئے تھے۔ ان کے دل اسلام کی عداوت میں جل رہے تھے۔ انہوں نے تمام قبائل عرب اور قریش مکہ کو مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لیے برانگیختہ کیا، جس کے نتیجہ میں احزاب کا معرکہ ہوا۔

حی بن اخطب کے قتل کے بعد ابو رافع سلام بن ابی الحقیق اس کا جانشین ہوا۔ سلام نے قبیلہ غطفان اور آس پاس کے قبائل کو اسلام کے خلاف اکسایا اور ایک لشکر جرار اکٹھا کر کے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ایک انصاری عبداللہ بن عتیک نے خیبر میں جا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے سلام کو قتل کر دیا۔

سلام کے قتل کے بعد اُسیر بن زرام مسند نشین ہوا۔ غطفان اور دیگر قبائل میں دورہ کر کے ایک عظیم الشان فوج تیار کی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبریں پہنچیں تو آپؐ نے حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کو چند صحابہ کے ساتھ تحقیق کے لیے بھیجا۔ انہوں نے چھپ کر اُسیر کی زبانی تمام تدابیر سنیں۔ واپس آکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گوش گزار کیں۔ آپؐ نے دوبارہ اُسیر کی خدمت میں عبداللہؓ بن رواحہ کو تیس آدمیوں کے ساتھ خیبر بھیجا۔ وہ اُسیر سے ملے اور کہا کہ ہم کو رسول اللہ علیہ وسلم نے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ اگر تم مدینہ آجاؤ تو خیبر کی حکومت تم کو دے دی جائے گی۔ چنانچہ وہ بھی تیس آدمیوں کو لے کر خیبر سے نکلا۔ ایک ایک اونٹ پر ایک یہودی اور ایک مسلمان ہم رکاب ہوئے۔ قرقرہ پہنچ کر اُسیر نے عبداللہ پر حملہ کرنا چاہا، تو عبداللہ نے بڑھ کر اُسیر کا خاتمہ کر دیا۔ اب مسلمان یہود پر ٹوٹ پڑے اور ایک کے سوا سب کا خاتمہ کر دیا۔ یہ اخیر ۶ھ کا واقعہ ہے۔

اس واقعہ نے جنگ کے شعلے بھڑکا دیئے۔ کنانہ بن الربیع بن ابی الحقیق نے زمام امارت ہاتھ میں لیتے ہی مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ قبیلہ غطفان کو اپنے ساتھ ملایا۔ غطفان کا ایک طاقت ور قبیلہ بنو فزارہ خیبر میں آیا اور مدد کا وعدہ کیا۔ چنانچہ غطفان نے مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔

اس قبیلہ کے چند آدمیوں نے عبدالرحمٰن بن عتبہ کی سرداری میں ذی قرد کی چراگاہ پر چھاپہ مارا۔ حضرت ابوذرؓ کے صاحبزادے کو قتل کر کے ۱۲۰۔ اونٹنیاں اور ان کی بیوی کو پکڑ کر لے گئے۔ لیکن مسلمانوں کی بروقت مدد نے اونٹنیوں اور حضرت ابوذرؓ کی بہو کو چھڑا لیا۔ اس واقعہ کے تین دن بعد خیبر کی جنگ ہوئی۔

محرم کے مہینے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سولہ سو مسلمانوں کی جمعیت لے کر خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ خیبر میں دس قلعے تھے جن میں بیس ہزار جنگی سپاہی رہتے تھے۔ ان میں قموص سب سے زیادہ مضبوط اور محفوظ قلعہ تھا۔ مرحب عرب کا مشہور پہلوان اس قلعہ کا رئیس اعظم تھا۔ ابن ابی الحقیق کا خاندان بھی یہیں رہتا تھا۔

پہلے قلعہ ناعم کو فتح کیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے کچھ دوسرے چھوٹے چھوٹے قلعے فتح کیے۔ سب سے زیادہ سخت مقابلہ قموص کے فتح کرنے میں پیش آیا۔ پہلے یکے بعد دیگرے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو قلعہ فتح کرنے کے لیے مامور کیا، لیکن قلعہ فتح نہ ہوا۔ تب حضرت علیؓ کو اس مہم پر مامور کیا۔ حضرت علیؓ نے مرحب اور عنتر سے جنگ کر کے انھیں ابدی نیند سلا دیا۔ ان کے قتل ہوتے ہی یہودیوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ بیس دن کے بعد قلعہ فتح ہو گیا۔ یہودیوں کی درخواست پر خیبر انہی کے قبضہ میں رہنے دیا گیا۔ نصف پیداوار ہر سال

بیت المال میں آتی تھی۔

رئیس خیبر کی لڑکی حضرت صفیہ قیدیوں میں گرفتار ہو کر آئیں اور وہ حضرت دحیہؓ کلبی کے حصّہ میں آئیں۔ لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اتنے بڑے رئیس کی لڑکی آپؐ کے شایان شان ہے۔ آپؐ نے صفیہ کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا۔

خیبر کی فتح کے بعد یہود کے بقیہ مراکز ۱- فدک - ۲- وادی القری - ۳- وادی تیماء مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے۔

## ادائے عمرہ - ۷ھ

صلح حدیبیہ کے مطابق اسی سال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے کے لیے مکہ تشریف لے گئے۔ اہل مکہ نے تین دن کے لیے شہر خالی کر دیا۔ عمرہ ادا کرنے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے۔

# غزوہ موتہ - ۸ھ ؛ ۶۳۰ء

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ بصری شرجیل بن عمرو غسانی کے نام ایک تبلیغی مراسلہ حضرت حارث بن عمیرؓ کے ہاتھ بھیجا۔ شاہ نے سفیر کو قتل کر دیا۔ اس کا قصاص لینے کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار کا لشکر حضرت زید بن حارثہؓ کی قیادت میں روانہ کیا، اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اگر زیدؓ بن حارثہ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ کو امیر بنا لینا۔ اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ کو امیر بنا لینا اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر مسلمان جس کو مناسب سمجھیں اپنا امیر بنا لیں۔

لشکر کو روانہ کرتے ہوئے حسب ذیل وصیت فرمائی۔

۱- راہبوں سے کوئی تعرض نہ کرنا۔
۲- کسی عورت پر ہرگز ہاتھ نہ اٹھانا۔
۳- کسی بچے کو قتل نہ کرنا۔
۴- کسی بوڑھے کو نہ مارنا۔
۵- پھل دار درخت اور سرسبز درختوں کو نہ کاٹنا۔
۶- کوئی مکان منہدم نہ کرنا۔

اس کے بعد فرمایا کہ اظہار تعزیت کے لیے اس مقام پر جانا جہاں حارث بن عمیرؓ کو شہید کیا گیا تھا۔

شرجیل ایک لاکھ کا لشکر لے کر مقابلہ کے لیے نکلا۔ مسلمانوں نے نہایت ہی پامردی اور

جانبازی سے مقابلہ کیا، مگر دونوں لشکروں کی تعداد میں کیا نسبت؟ حضرت زیدؓ نے شہادت کا جامِ نوش کیا۔ فوراً علم حضرت جعفرؓ نے سنبھالا۔ وہ بھی پامردی سے شہید ہوئے تو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے لشکر کی قیادت سنبھال لی۔ وہ بھی شہید ہوگئے۔ اس کے بعد مسلمانوں نے بالاتفاق لشکر کی کمان حضرت خالدؓ بن ولید کے سپرد کی۔ حضرت خالدؓ نے دشمن کے لشکر پر اس خوبی سے پے در پے حملے کیے کہ لشکر کی ہمتیں پست ہوگئیں۔ جب شام ہونے کو آئی تو رومی لشکر میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ مسلمانوں نے تھوڑی دُور تک تعاقب کیا اور کچھ مالِ غنیمت بھی ہاتھ آیا۔

اِس جنگ میں کل بارہ صحابی شہید ہوئے۔ کفار کے مقتولوں کی صحیح تعداد معلوم نہ ہوسکی۔

# فتح مکہ — تاریخ اسلام کا عظیم واقعہ

رمضان ۸ھ : جنوری ۶۳۰ء

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا (الفتح ۴۸ : ۱) ہم نے تیرے لیے ایک کھلی فتح کی راہ کھول دی۔

دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا (استثناء ۳۳ : ۲)

صلح حدیبیہ کی رو سے بنوخزاعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف بن گئے اور بنوبکر قریش کے۔ دونوں قبیلوں کے درمیان پشتینی عداوت چلی آرہی تھی۔ صلح حدیبیہ کے بعد بظاہر عداوت کی آگ ٹھنڈی ہوگئی، لیکن معاہدہ پر ابھی دو برس بھی پورے نہ ہوتے تھے کہ بنوبکر نے رات کے وقت بنوخزاعہ پر حملہ کیا۔ قریش مکہ نے بنوبکر کو اسلحہ وغیرہ سے مدد دی۔ عکرمہ، صفوان بن اُمیہ اور سہیل بن عمرو نے راتوں کو بھیس بدل کر بنوبکر کے ساتھ تلواریں چلائیں۔ بنوخزاعہ نے مجبور ہو کر حرم میں پناہ لی۔ لیکن ان ظالموں نے حرم کا بھی احترام نہ کیا۔ وہاں بھی انسانوں کا خون بہا دیا گیا۔

قبیلہ بنوخزاعہ کا سردار عمرو بن سالم چالیس ناقہ سواروں کی جمعیت میں مدینہ پہنچا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں صحابہ کرام کے درمیان تشریف فرما تھے۔ عمرو بن سالم نے قریش مکہ کی بدعہدی اور مظالم کی شکایت کی۔ آپؐ نے ان کی درد بھری فریاد سُنی۔ تسلی دی اور کہا کہ ہم تمہاری امداد کریں گے۔ آپؐ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا اور تین شرائط پیش کیں کہ ان میں سے کوئی منظور کی جائے۔

۱۔ مقتولوں کا خون بہا دیا جائے۔
۲۔ قریش بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔
۳۔ اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قرط بن عمرو نے قریش کی زبان سے کہا کہ "صرف تیسری شرط منظور ہے"۔ قاصد کے چلے جانے کے بعد قریش کو اپنی عاقبت نا اندیشی پر ندامت ہوئی کیونکہ ان کو مستقبل کی تاریکیوں میں خطرات کے سیلاب امڈتے نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے ابوسفیان کو فوراً مدینہ بھیجا کہ وہ معاہدہ کی تجدید کرائے۔ ابوسفیان مدینہ آیا اور تجدید معاہدہ کی خواہش کی، مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور نہ فرمایا۔

## مکّہ پر چڑھائی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰ رمضان ۸ھ میں دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ مکہ روانہ ہو پڑے اور نہایت تیز رفتاری سے منزلیں طے کرتے ہوئے جا رہے تھے۔ مقام جحفہ میں پہنچے کہ آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب مع اہل و عیال مسلمان ہو کر مدینہ کی طرف آتے ہوئے ملے۔ آپؐ نے ان کے اہل و عیال کو تو مدینہ منورہ بھیج دیا۔ اور حضرت عباسؓ کو اپنے ہمراہ لے لیا۔ مرالظہران (جو مکہ سے چار کوس کے فاصلہ پر ہے) پہنچ کر اسلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا اور مختلف دستے دُور دُور تک پھیل گئے۔ رات کو آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ ہر مسلمان مجاہد پڑاؤ پر آگ روشن کرے۔ چرواہوں کے ذریعہ قریش کو خبر پہنچی تو ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء حالات معلوم کرنے کے لیے آئے لیکن گرفتار ہو گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کو معاف کر دیا اور وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ غزوات میں اپنے عمل سے خلوص اور وفاداری کا اظہار کیا۔ غزوہ طائف میں ان کی ایک آنکھ زخمی ہوئی اور یرموک میں وہ بھی جاتی رہی۔

## ابوسفیان کی عزت افزائی

حضرت عباسؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: یارسُول اللہ! ابوسفیان کو اس موقع پر خاص عزت بخشیں"۔ آپؐ نے فرمایا: "اچھا، جو شخص خانہ کعبہ میں پناہ لے گا اس کو امان دی جائے گی۔ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گا اس کو بھی امان دی جائے گی۔ جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا وہ بھی امان میں رہے گا جو شخص بغیر ہتھیار لگائے راہ میں ملے گا۔ اس کو بھی امان دی جائے گی"۔

اس وقت قدوسیوں کا لشکر مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ مختلف سمتوں سے مختلف دستے مکہ میں داخل ہوئے۔ حضرت خالدؓ بن ولید کے دستہ کے سوا باقی اسلامی لشکر بغیر مزاحمت

کے اپنے مقررہ راستوں سے شہر میں داخل ہو گئے۔ مگر حضرت خالدؓ کو مقابلہ کرنا پڑا، کیونکہ اس سمت کے لوگوں نے صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابی جہل کی قیادت میں مورچے سنبھالے ہوئے تھے۔ جونہی حضرت خالدؓ کا دستہ قریب پہنچا، انہوں نے تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی لیکن حضرت خالدؓ نے جوابی حملہ کیا۔ یہ لوگ تیرہ بروایت دیگر اٹھارہ مقتولین چھوڑ کر بھاگ گئے۔ تین مسلمانوں نے شہادت پائی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلواروں کی چمک دیکھی تو حضرت خالدؓ سے باز پرس کی۔ لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ قتال کا آغاز دشمنوں کی طرف سے ہوا تھا تو آپؐ نے فرمایا "قضائے الٰہی یہی تھی"۔

تھوڑا سا عرصہ استراحت کرنے کے بعد اپنی ناقہ قصواء پر سوار ہو کر بیت اللہ کی طرف گئے۔ کسی جابر فاتح کی طرح نہیں، کہ جب وہ اپنے دشمنوں پر قابو پا لیتا ہے تو نشہ نخوت میں چور ہو کر اکڑتا ہوا اور سینہ تانتا ہوا چلتا ہے، بلکہ ابن ہشام کے قول کے مطابق "شرماتے، بارگاہ خداوندی میں سر نیاز جھکاتے اور بار بار اونٹنی کے کجاوے ہی پر سجدہ شکر ادا کرتے ہوئے جا رہے تھے"۔

سواری پر ہی سات بار بیت اللہ کا طواف کیا۔ بیت اللہ کے اردگرد جتنے بت تھے ایک ایک کو لکڑی کی ٹھوکر مارتے جاتے اور یہ پڑھتے جاتے تھے۔ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا: (بنی اسرائیل ۱۷: ۸۱) حق آیا اور باطل بھاگ گیا یقیناً باطل بھاگ ہی جاتا ہے۔

اس کام سے فارغ ہو کر عثمان بن ابی طلحہ کو طلب فرمایا۔ ان کے خاندان میں مدت سے کعبہ کی کلید چلی آتی تھی۔ کلید طلب کی۔ دروازہ کھلوایا۔ عین کعبہ کے اندر بہت سے بت تھے، جن کو قریش خدا مانتے تھے۔ داخل ہونے سے قبل حکم دیا کہ سب کو نکلوا دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے اندر جا کر سب تصاویر کو مٹا دیا۔ جب بیت اللہ بتوں اور تصاویر سے پاک ہو گیا تو آپؐ حضرت بلالؓ اور حضرت طلحہؓ کے ساتھ اندر داخل ہوئے اور نماز ادا کی۔ پھر کنجی عثمان کو واپس کر دی اور فرمایا کہ یہ ہمیشہ کے لیے تمہارے پاس اور تمہاری نسل میں رہے گی۔ اس کے بعد خانہ کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا، جس میں توحید الٰہی اور نسل انسانی کی وحدت کو بیان کیا، وہ خطبہ یہ ہے۔

"ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کیا اس نے اپنے بندہ کی مدد کی۔ تمام جتھوں کو تنہا شکست دی۔ ہاں تمام تفاخر، تمام انتقامات خونہائے قدیم، تمام خونہا میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ صرف حرم کعبہ کی تولیت اور حجاج کی آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اے قوم قریش! اب جاہلیت کا تکبر اور نسبت کا افتخار اللہ تعالیٰ نے مٹا دیا ہے تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں۔ اور آدم مٹی سے ہے"۔

پھر قریش سے پوچھا "تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں"؟ وہ فوراً پکار اُٹھے "اخ کریم وابن اخ کریم" تو شریف بھائی ہے اور شریف بھائی کا بیٹا ہے۔ آپؐ نے یہ جواب سُن کر فرمایا "اچھا میں بھی تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے مجرم بھائیوں کو کہا تھا۔ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ: آج تم پر کوئی گرفت نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو" چنانچہ چند مجرموں کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کی خطاؤں کو معاف کر دیا۔

نماز کا وقت آیا تو حضرت بلالؓ نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی۔ ان کی جاہلیت کی رگ حمیت پھڑک اُٹھی۔ عتاب بن اسید نے کہا "خدا نے میرے باپ کی عزت رکھ لی کہ اس آواز کے سننے سے پہلے اس کو دنیا سے اُٹھا لیا۔ ایک اور رئیس قریش نے کہا "اب جینا بیکار ہے"۔

آپؐ صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور مسلمان ہونے والوں کی بیعت قبول کی۔ بیعت کرنے والے کو مندرجہ ذیل باتوں کا اقرار کرنا پڑتا تھا:

۱۔ میں خدا کے ساتھ کسی کو بھی اس کی ذات، صفات اور عبادت میں شریک نہ کروں گا۔

۲۔ میں چوری نہ کروں گا، زنا نہ کروں گا، خون ناحق نہ کروں گا، لڑکیوں کو زندہ درگور نہ کروں گا، کسی پر بہتان نہ لگاؤں گا۔

۳۔ امر بالمعروف میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بقدر استطاعت کروں گا۔

عورتوں سے مزید اقرار یہ بھی لیے جاتے تھے۔

کسی کے سوگ میں منہ نہ نوچیں گی۔ طمانچوں سے چہرہ نہ پیٹیں گی۔ نہ سر کے بال گھسوٹیں گی۔ نہ گریبان چاک کریں گی۔ نہ سیاہ کپڑے پہنیں گی۔ نہ قبر پر سوگواری میں بیٹھیں گی۔

## فتح مکہ کا ذکر بائبل میں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آخری وصیت میں بشارت۔

"اور کہا خداوند سینا سے آیا اور طلوع ہوا۔ شعیر سے ان کے لیے وہ جلوہ گر ہوا فاران کے پہاڑ سے اور وہ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آتا ہے اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لیے آتشی شریعت ہے" (استثناء ۳۳: ۲)

## حضرت سلیمانؑ کی بشارت

حضرت سلیمان علیہ السلام غزل الغزلات باب ۵۔ آیت ۱۵ میں فرماتے ہیں:

"میرا دوست روشن چہرہ اور سرخ رنگ دس ہزار میں ممتاز"

# غزوہ حنین۔ شوال ۸ھ؛ ۶۳۰ء

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ۔ (توبہ ۹: ۲۵) حنین کے دن جب تمہاری کثرت تمہیں اچھی لگی پھر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور تم پر زمین باوجود فراخی کے تنگ ہوگئی تب تم پیٹھ دیتے ہوتے پھر گئے۔

فتح مکہ کے بعد بنو ہوازن اور ثقیف نے مسلمانوں سے آخری لڑائی لڑنے کی تیاری شروع کر دی۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی تیاری کا علم ہوا تو آپؐ نے مجبوراً مقابلہ کی تیاری شروع کر دی۔

شوال ۸ھ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پورے ساز و سامان کے ساتھ لیس ہو کر بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ حنین کی طرف بڑھے۔ اپنی تعداد اور اسلحہ کی کثرت کی وجہ سے بعض صحابہ کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے "آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے"۔ اللہ تعالیٰ کو یہ الفاظ پسند نہ آئے۔ اب اللہ تعالیٰ یہ دکھانا چاہتا تھا کہ مسلمانوں کی فتوحات اس کی نصرت اور فضل سے تھیں۔ آغاز جنگ میں مسلمانوں کو وہ نظارہ دیکھنا پڑا جس کا ذکر عنوان باب میں نقل ہو چکا ہے۔

حنین کی لڑائی جبل اوطاس کے دروں اور پر پیچ وادیوں کے قریب ہوئی تھی۔ دشمن لشکر اسلام کے آنے کی خبر سن کر پہاڑ کے دروں اور پیچیدہ گزرگاہوں میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ جونہی مسلمان پیچیدہ گزرگاہوں میں سے نشیب کی طرف اترے اچانک لشکر کفار نے کمین گاہوں سے نکل کر تیر اندازی شروع کر دی اور غیر متوقع حملے نے مسلمانوں کو سراسیمہ اور حواس باختہ کر دیا۔ دو ہزار طلقاء مکہ سب سے پہلے میدان کو چھوڑ کر بھاگے۔ ان کو دیکھ کر مسلمانوں میں بے ترتیبی اور پسپائی کی صورت پیدا ہوگئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھوڑے سے رفقاء رہ گئے۔

## رسول کریمؐ کی ثابت قدمی

تیروں کا مینہ برس رہا تھا۔ اسلامی لشکر میں بدنظمی اور افراتفری پھیل چکی تھی۔ خدا کا نبیؐ ایک کوہ ہمت بنا ہوا تھا۔ دشمن کے سامنے کھڑا جلال نبوت کے لہجہ میں فرما رہا تھا "میں خدا کا بندہ ہوں اور اس کا رسول ہوں"۔ بخاری کی دوسری روایت ہے: "انا النبی لا کذب انا ابن

عبدالمطلب"۔ میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

آپؐ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار کو آواز دو۔ انہوں نے نعرہ مارا: "یا معشر الانصار یا اصحاب الشجرۃ" اے انصار کے گروہ اے درخت کے نیچے بیعت کرنے والو۔ جونہی یہ پکار اسلامی لشکر نے سُنی دفعتہً آواز کی طرف پلٹ آئے۔ ایسا سخت حملہ کیا کہ لڑائی کا رنگ ہی بدل گیا۔ بنو ہوازن کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ باقی بھاگ گئے۔ ثقیف کی ایک شاخ بنو مالک نے تھوڑی دیر میدان کارزار گرم رکھا، آخر اپنے ستر آدمیوں کو میدان جنگ میں لہو میں لت پت چھوڑ کر فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ ان کا علمبردار عثمان بن عبداللہ بھی مارا گیا۔ شکست خوردہ فوج کا کچھ حصہ اوطاس میں پناہ گزین ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی سی فوج اوطاس کی طرف بھیجی اور وہ ان کی جمعیت کو منتشر کر کے واپس آ گئے۔

کفار کی شکست خوردہ فوج کا کچھ حصہ طائف میں محصور ہو گیا۔ یہ ایک محفوظ مقام تھا۔ شہر کے چاروں طرف چار دیواری تھی۔ لوگ فنون حرب سے خوب واقف تھے اور نئے قسم کے آلات حرب جیسے منجنیق وغیرہ سے واقف تھے۔ انہوں نے سال بھر کا رسد شہر میں جمع کر لیا۔ اور شہر کے چاروں طرف منجنیق اور تیر انداز متعین کر دیئے۔ رسول کریمؐ خود طائف کی طرف بڑھے۔ پہلی دفعہ آپؐ نے منجنیق، دبابے، عرّادے اور اسی طرح قلعہ شکن آلات استعمال کیے۔ پھر معاشی دباؤ ڈالنے کے لیے بیرون قلعہ ان کے باغات تباہ کرنے کی دھمکی دی لیکن اہل طائف کی درخواست پر باغوں کی مزید قطع و برید روک دی گئی۔

اہل طائف نے دبابوں پر لوہے کی گرم سلاخیں برسائیں اور شدت سے بوچھاڑ کی۔ چنانچہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ بیس دن تک محاصرہ جاری رہا، لیکن شہر فتح نہ ہوا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوفلؓ بن معاویہ کو بلا کر مشورہ لیا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ لومڑی بھٹ میں گھس گئی ہے۔ اگر کوشش جاری رہی تو پکڑ لی جائے گی، لیکن چھوڑ دی گئی تو بھی کوئی نقصان نہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ محاصرہ اُٹھا لیا جائے۔ چلتے وقت یہ دعا کی: اللّٰھم اھد ثقیفاً وائت بھم: اے خدا! ثقیف کو ہدایت کر اور ان کو میرے پاس لے آ۔

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی دُعا قبول کی۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے

**تقسیم غنائم** محاصرہ چھوڑ کر آپؐ جعرانہ تشریف لائے۔ وہاں چھ ہزار اسیرانِ جنگ، چوبیس ہزار اُونٹ، چالیس ہزار سے زائد بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی۔ مال غنیمت کے پانچ حصے کیے گئے۔ چار حصے حسب قاعدہ فوج میں تقسیم کیے گئے، خمس بیت المال اور غربا۔ و مساکین کے لیے رکھا گیا۔ چھ ہزار اسیر قبیلہ ثقیف کی درخواست پر رہا کر دیئے گئے۔

پندرہ دن قیام کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معاذؓ بن جبل کو نومسلموں کی تعلیم کے لیے مکہ چھوڑ گئے اور خود واپس مدینہ تشریف لے گئے ذی قعدہ ۸ھ کو اپنے صحابہ کے ساتھ مدینہ منورہ میں داخل ہو گئے۔

# غزوہ تبوک ۔ ۹ھ : ۶۳۱ء

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ (توبہ ۹: ۴۲) اگر فائدہ جلد ملنے والا اور سفر میانہ ہوتا تو ضرور تیرے پیچھے ہو لیتے لیکن مشقت کا سفر انھیں بہت دور کا معلوم ہوا۔

شام کے سوداگر مدینہ آئے، انہوں نے خبر دی کہ قیصر نے مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لیے لشکر گراں جمع کیا ہے اور فوج میں سال بھر کی تنخواہیں تقسیم کر دی ہیں۔ اس فوج میں لخم، جذام اور غسان کے تمام عرب شامل ہیں۔ اور مقدمہ الجیش بلقاء تک پہنچ چکا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ حملہ آور فوج کی مدافعت دور سرحد پر ہونی چاہیئے۔ اندرون ملک امن کی فضا مکدر نہ ہو۔ اس بنا پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کی تیاری کا حکم دے دیا مگر کئی ایک موانع بھی تھے۔ سفر لمبا تھا۔ شدت کی گرمی تھی۔ فصل پکی ہوئی تھی اور کاٹنے کا موسم تھا۔ اس وجہ سے یہ وقت سخت آزمائش کا تھا۔ مگر اسلامی مہم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جان نثاران اسلام پر اثر کیے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔

منافقوں نے جنگ میں شامل نہ ہونے کے لیے طرح طرح کے بہانے بنانے شروع کر دیئے۔ جو منافق بھی بہانہ بنا کر مدینہ میں رہنے کی درخواست کرتا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیتے جاتے تھے۔

**مالی اعانت** سفر لمبا تھا، مسلمان بے سروسامان تھے۔ یہ دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امراء سے اپیل کی کہ غریب دنادار مجاہدین کی اعانت

کریں۔ صحابہ میں سے حضرت عثمان غنیؓ نے ۹۰۰۔ اونٹ، ایک سو گھوڑے اور ایک ہزار دینار چندہ میں دیئے۔

حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ نے چالیس ہزار درہم دیئے۔

حضرت ابوبکرؓ نے گھر کا تمام اثاثہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کر دیا۔

حضرت عمرؓ نے گھر کا نصف اثاثہ پیش کر دیا۔

حضرت ابوعقیل انصاریؓ نے دو سیر چھوہارے لاکر پیش کیے اور کہا "رات بھر پانی نکال نکال کر ایک کھیت کو سیراب کر کے چار سیر چھوہارے مزدوری میں کماتے ہیں، ان میں سے دو سیر بیوی کے لیے چھوڑ آیا ہوں اور دو سیر آپؐ کی خدمت میں لے آیا ہوں۔"

آپؐ نے فرمایا کہ ان چھوہاروں کو جملہ سامانوں پر بکھیر دو۔

غرض تیس ہزار کا لشکر تیار ہوا اور رجب ۹ھ کو تبوک کی طرف روانہ ہوا۔ حضرت علیؓ کو مدینہ میں چھوڑا۔ ابھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کے راستہ میں ہی تھے کہ حضرت علیؓ بھی پہنچ گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے آنے کی وجہ دریافت فرمائی تو حضرت علیؓ نے کہا "منافق نکما ہونے کا طعنہ دیتے ہیں، میں نے اس طعنہ کو برداشت نہ کیا، اس وجہ سے لشکر کے ساتھ آملا ہوں۔"

تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس دن تک تبوک میں قیام فرمایا۔ ایلہ کا عیسائی سردار حاضر ہوا اور اطاعت قبول کی۔ جربا اور اذرع کے عیسائیوں نے بھی جزیہ دینا قبول کر لیا۔ حضرت خالدؓ بن ولید چار سو سپاہی لے کر دومۃ الجندل پہنچے اور حاکم جندل نے اطاعت قبول کر لی۔ حاکم دومۃ الجندل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے اسے امان نامہ عطا فرمایا۔

# منافق اور ان کا انجام

اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ (التوبہ ۹: ۶۶) اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف کر دیں گے تو ایک گروہ کو عذاب دینگے اس لیے کہ وہ مجرم ہیں۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی تو نئے نرالے رنگ

کے دشمن پیدا ہوگئے، جو اصطلاح اسلام میں منافق کہلاتے تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ظاہراً اسلام کا اقرار کرتے تھے لیکن پس پردہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن سعی کرتے تھے۔ ان کا رئیس عبداللہ بن ابی تھا۔ آپؐ کی آمد سے پہلے اہل مدینہ اس کو اپنا بادشاہ بنانے کو تیار تھے۔ اس نے ظاہراً اسلام قبول کر لیا لیکن دل سے اسلام کا دشمن تھا۔ جب مسلمانوں کو اپنے دشمنوں سے ہر وقت خطرہ لاحق رہتا تھا تو منافق لوگ مارِ آستین بنے ہوتے تھے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے تھے۔ دنیا کی تاریخ میں صرف ایک ہی انسان نظر آتا ہے جس نے اتنے شدید دشمن سے بھی محبت کا برتاؤ کیا ہے، وہ ہے سید المرسلین خیر البشر النبی الامی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

آپؐ صرف رئیس المنافقین کی زندگی میں ہی محبت سے پیش نہیں آئے، بلکہ جب وہ مرتا ہے تو اس کے بیٹے حضرت عبداللہؓ کی درخواست پر اپنا کرتہ عنایت فرماتے ہیں کہ اس میں کفنایا جائے۔ اور اس کے جنازہ کی نماز میں شامل ہوتے ہیں۔ رحمۃ للعالمین کا شفیق قلب دشمن کے لیے بھی کتنا رحم اور شفقت سے بھرا ہوا ہے۔

عبداللہ بن ابی کی وفات کے ساتھ منافقوں کا زور ٹوٹ گیا۔ بعض منافق تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسوہ حسنہ سے اتنے متاثر ہوئے کہ وہ سچے مسلمان ہوگئے۔ ہاں چند ایک شقی القلب باقی رہ گئے تھے جن کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپؐ نے نام لے لے کر مسجد سے نکال دیا۔ ان لوگوں کو قتل نہ کیا، شہر سے خارج نہ کیا، صرف مسلمانوں کو ان کی شرارت سے آگاہ کر دیا۔ صرف سزا کے طور پر ان سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جاتی تھی۔

# وفود کا سال

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا (النصر ۱-۳) جب اللہ کی مدد اور فتح آگئی اور تو نے لوگوں کو اللہ کے دین میں گروہ در گروہ داخل ہوتے دیکھ لیا۔ تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر اور اس کی حفاظت مانگ وہ رجوع برحمت کرنے والا ہے۔

ابن اسحاقؒ نے صرف پندرہ وفود کا حال لکھا ہے۔ ابن سعدؒ نے ستر وفود کا۔ لیکن سیرت شامی نے ایک سو چار وفود کا تذکرہ کیا ہے۔ حافظ ابن قیمؒ اور قسطلانیؒ نے

نہایت تحقیق اور احتیاط کے ساتھ ان میں سے صرف ۳۴ وفود کا حال لکھا ہے۔
یہ وفود زیادہ تر فتح مکہ کے بعد ۸ھ اور ۹ھ میں آئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام عرب مسلمانوں اور قریش کے انجام پر نظر رکھے ہوئے تھا کہ ان دونوں میں سے کون غالب آتا ہے۔ جب مکہ فتح ہو چکا تو قریش کی طاقت ٹوٹ گئی۔ اب ہر قبیلہ نے چاہا کہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر کوئی فیصلہ کرے۔
مشہور وفود حسب ذیل ہیں۔
۱۔ وفد بنی الحارث۔ ۲۔ وفد قبیلہ طے۔ ۳۔ وفد ثقیف۔ ۴۔ وفد نجران۔ ۵۔ وفد بنو اسد۔ ۶۔ وفد بنو فزارہ۔ ۷۔ وفد کندہ۔ ۸۔ وفد عبدالقیس۔ ۹۔ وفد بنو عامر۔ ۱۰۔ حمیرہ کے وفود۔ ۱۱۔ بجیلہ کا وفد۔ ۱۲۔ وفد بنی حنیفہ۔ ۱۳۔ وفد نجیب۔ ۱۴۔ وفد عذرہ۔ ۱۵۔ وفد خولان۔ ۱۶۔ وفد مخارب۔ ۱۷۔ وفد غسان۔ ۱۸۔ وفد بنی عبس۔ ۱۹۔ وفد غامد۔ ۲۰۔ وفد سلامان۔ ۲۱۔ وفد نخع۔

# حجۃ الوداع ۱۰ھ؛ ۶۳۲ء

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ۔ (مائدہ ۵: ۳)
آج کے بعد میں نے تمہارا دین کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا۔
ذی قعدہ ۱۰ھ میں اعلان ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں۔ اس اعلان کے بعد تمام اکناف عرب سے انبوہ در انبوہ لوگ مدینہ میں جمع ہونا شروع ہو گئے۔ ۲۶ ذی قعدہ کو آپؐ نے غسل فرمایا۔ چادر تہمد باندھی۔ نماز ظہر کے بعد مدینہ منورہ سے باہر نکلے۔ اور تمام ازواج مطہرات کو ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ جب ذوالحلیفہ پہنچے۔ جو مدینہ کا میقات ہے، وہاں رات گزاری۔ دوسرے دن دوبارہ غسل فرمایا، اس کے بعد دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر قصواء پر سوار ہوئے اور احرام باندھا۔ یہیں سے لبیک اللھم لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لاشریک لک کا ترانہ بلند کیا۔ جب یہ مقدس اور پاک باز قافلہ احرام کے ساتھ مکہ کی طرف چل پڑا تو راستہ میں ہر قبیلہ کے لوگ شامل ہوتے جاتے تھے۔
ذوالحجہ کی چار تاریخ اتوار کے روز مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ جب کعبہ پر نظر پڑی تو فرمایا کہ "اے خدا! اس گھر کو اور زیادہ عزت اور شرف دے"۔

کعبۃ اللہ کا طواف کیا۔ طواف سے فارغ ہوکر مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر صفا اور مروہ پر تشریف لے گئے۔ بیت اللہ کی طرف منہ کرکے یہ الفاظ فرماتے۔

"اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کے لیے بادشاہت ہے۔ اور اسی کے لیے حمد ہے۔ وہ زندہ رکھتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ وہ تمام چیزوں پر قادر ہے۔ کوئی معبود نہیں مگر وہ اکیلا خدا۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اپنے بندہ کی مدد فرمائی۔ اکیلے تمام قبائل کو شکست دی۔"

ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ کو آپؐ تمام حاجیوں کے ساتھ منیٰ میں ٹھہرے۔ ظہر و عصر، مغرب و عشاء، حج کی نمازیں منیٰ میں ادا فرمائیں۔

آپؐ نویں ذوالحجہ کو طلوع آفتاب کے بعد وادی نمرہ میں آکر ٹھہرے۔ دن ڈھلنے کے بعد یہاں سے روانہ ہوکر عرفات میں قیام فرمایا۔ میدان عرفات میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کا اجتماع تھا۔ جن کے قلوب صافی سے توحید اور عشق الٰہی کے چشمے پھوٹ پھوٹ کر نکل رہے تھے۔ تکبیر، تہلیل تحمید و تقدیس سے فضا عطر بیز تھی۔ دن ڈھلنے پر آپؐ ناقہ پر سوار ہوکر میدان میں آئے اور خطبہ پڑھا۔ آپؐ نے فرمایا۔

"اے لوگو! میری بات کو اچھی طرح سن لو، کیوں کہ میں نہیں جانتا کہ اس سال کے بعد پھر بھی میں کبھی اس موقع پر تمہارے درمیان ہوں گا۔"

پھر فرمایا:

"تم جانتے ہو یہ کون سا دن ہے؟ یہ یوم الحج یعنی حج کا دن ہے۔ تم جانتے ہو یہ کون سا مہینہ ہے؟ یہ شہر حرام یعنی حرمت والا مہینہ ہے۔ پس تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری عزتیں اسی طرح ایک دوسرے پر حرمت کا استحقاق رکھتی ہیں۔ جیسے اس حرمت والے شہر میں، اس حرمت والے مہینہ میں، یہ حرمت والا دن دیکھو! حاضر غائب کو یہ بات پہنچا دے۔ اور تم اپنے رب سے ملنے والے ہو، سو وہ تمہارے اعمال کے متعلق سوال کرے گا۔"

"آج تمام سود کی رقمیں چھوڑی جاتی ہیں اور عباس بن المطلب کی رقم سود بھی چھوڑی جاتی ہے۔"

"آج تمام خون جو جاہلیت میں ہو چکے ہیں ان کا قصاص موقوف کیا جاتا ہے اور سب سے پہلے ربیعہ بن الحارث ابن عبدالمطلب کے خون کا قصاص موقوف کیا جاتا ہے۔"

"اے لوگو! آج شیطان اس بات سے مایوس ہوگیا ہے کہ تمہاری سرزمین میں اس کی

عبادت بھی کبھی ہو۔ لیکن اس کے سوائے اگر اور امور میں اس کی اطاعت کی گئی۔ ایسے اعمال میں جن کو تم حقیر خیال کرو، تو یہ اس کی خوشی کا موجب ہوگا۔ پس اپنے دین میں اس سے بہت احتیاط کرو۔"

"اے لوگو! تمہارے تمہاری بیبیوں پر حق ہیں اور تمہاری بیبیوں کے تم پر حق ہیں۔ وہ تمہارے ہاتھ میں خدا کی امانت ہیں۔ پس تم ان سے نیک سلوک کرو۔ اور تمہارے غلام، دیکھو تم ان کو وہ خوراک دو جو خود کھاتے ہو، اور وہ لباس پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو۔"

"اے لوگو! میری باتوں کو سُن لو اور ان کو سمجھ لو۔ جان لو کہ ہر مسلم دوسرے مسلم کا بھائی ہے۔ اور تم سب بھائی یکساں ہو (یعنی ایک جیسے حقوق اور ذمہ داریاں رکھتے ہو) اور تم سب ایک ہی سلسلہ اخوت میں ہو۔ پس کسی شخص کے لیے اپنے بھائی سے کچھ لینا جائز نہیں مگر وہی جو وہ اپنے نفس کی خوشی سے خود دے۔ پس اپنے لوگوں پر کوئی ظلم مت کرو۔ یعنی ان کا کوئی حق مت چھینو۔"

تب آپؐ نے بلند آواز سے کہا "اللّٰھم ھل بلغت"، کیا میں نے پیغام پہنچا دیا ہے؟ لاکھوں انسانوں کی زبان سے جواباً یہ آواز بلند ہوئی: "اللّٰھم نعم" بے شک آپؐ نے پیغام پہنچا دیا ہے۔

خطبے کے بعد نماز ظہر و عصر سے فارغ ہو کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم موقف تشریف لائے۔ مزدلفہ پہنچ کر نماز مغرب ادا کی اور رات وہیں بسر فرمائی۔ نماز فجر کے بعد روانہ ہوئے، جمرہ پہنچے اور رمی الجمار کیا۔ اس کے بعد منیٰ کے میدان میں تشریف لائے اور بقیہ مناسک حج ادا فرمائے۔ ۱۲ ذی الحجہ تک منیٰ ہی میں قیام کیا۔ ۱۳ ذی الحجہ کو یہاں سے روانہ ہو کر وادی محصب میں قیام فرمایا۔ نماز فجر خانہ کعبہ پہنچ کر ادا کی۔ پھر آخری طواف کر کے مدینہ کی طرف روانہ ہو پڑے۔

## حجۃ الوداع کے متعلق یسعیاہ نبی کی کتاب میں پیشگوئی

یسعیاہ نبی کی کتاب میں اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو مخاطب ہو کر فرمایا۔ اُٹھ روشن ہو کہ تیری روشنی آئی اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا ہے۔ دیکھ تاریکی زمین پر چھا جائے گی اور تیرگی قوموں پر لیکن خداوند تجھ پر طالع ہوگا اور اس کا جلال تجھ پر نمودار ہوگا۔" (یسعیاہ ۶۰: ۱ تا ۳)

"تیری روشنی آئی"، یہ الفاظ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد مبارک کو ظاہر

کرتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید میں نور کہا ہے، ارشاد الٰہی ہے۔ قَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ (المائدہ: ۵: ۱۵) اسی طرح سورۃ نور میں مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ" (النور ۲۴: ۳۵) میں نور سے مراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

فتح مکہ سے قبل بیت اللہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوتے تھے اور خدا کے گھر کے نور کو بتوں نے مکدر کر رکھا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ یسعیاہ نبی کی کتاب میں بیت اللہ کو مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ وقت آگیا ہے کہ خدا کا نور آئے اور بتوں کی تاریکی کو ختم کر کے تجھے دوبارہ روشنی عطا کرے۔ یہ پیشگوئی فتح مکہ کے موقع پر پوری ہوئی۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کو بتوں سے پاک صاف کیا۔ ظلمت کو نور سے پاش پاش کیا، بیت اللہ روشن ہو گیا۔ حتیٰ کہ روشنی اب تک تاریک دلوں کو منور کر رہی ہے اور قیامت تک کرتی رہے گی۔

## وفات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ ۶۳۲ء

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ (آل عمران ۳: ۱۴۴) اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک رسول ہیں اور اس سے پہلے بہت رسول مر چکے ہیں۔ پھر اگر وہ مر جائے یا قتل کیا جائے تو کیا تم اس لیے پاؤں پر پھر جاؤ گے؟

۱۱ھ ماہ صفر کے آخری ایام میں بیمار ہوئے۔ وہ دن حضرت میمونہؓ کی باری کا دن تھا۔ پانچ دن تک بیماری کی حالت میں از راہ عدل باری باری ہر بیوی کے حجرہ میں تشریف لے جاتے رہے۔ جب مرض میں شدت ہوئی اور ضعف کی وجہ سے چلنا پھرنا دوبھر ہو گیا تو ازواج مطہرات سے اجازت لی کہ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں ہی قیام فرمائیں۔ آخری ہفتہ آپ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں گزارا۔

چلنے پھرنے کی سکت جب تک رہی آپؐ مسجد میں نماز پڑھانے کی غرض سے تشریف لے جاتے رہے۔ جب ضعف بہت زیادہ اور چلنا مشکل ہو گیا، تو امامت کے لیے حضرت ابوبکرؓ کو مقرر فرمایا اور اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھاتے رہے۔ ایک دن ظہر کی نماز کے وقت آپؐ کی طبیعت کچھ سنبھلی۔ آپؐ نے فرمایا کہ پانی کی سات مشکیں آپؐ پر ڈالی جائیں۔ جب غسل فرما چکے تو آپؐ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے کندھوں کے سہارے مسجد میں تشریف لائے۔ حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ صدیق پیچھے ہٹنے لگے تو آپؐ نے اشارہ سے روکا۔ پھر حضرت صدیق اکبرؓ کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ حضرت ابوبکرؓ آپ کی اقتدا کرتے

تھے اور باقی لوگ حضرت ابوبکرؓ کی تکبیرات پر نماز ادا کرتے تھے۔ نماز کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا۔

"اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندہ کو اختیار عطا فرمایا ہے کہ وہ دنیا و عقبیٰ اور خدا کی نعمت دونوں میں سے کسی ایک کو اپنے لیے قبول کرے، مگر اللہ کے اس بندہ نے خدا کی ملاقات کو ترجیح دی ہے۔"

یہ سُن کر رازدار نبوت حضرت ابوبکرؓ رو پڑے اور سمجھ گئے کہ وہ بندہ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپؐ اس دنیا فانی سے اُٹھ جانے والے ہیں۔ چنانچہ آپؐ ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ کو اس فانی دنیا سے کوچ کر گئے اور اگلے روز جسم مبارک کو حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں دفن کر دیا گیا۔

# ازواج مطہرات

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا (الاحزاب ۳۳ : ۲۸) اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تمہارا مقصد دنیا کی زندگی اور اس کی زینت ہے تو آؤ میں تمہیں سامان دوں اور اچھی طرح رخصت کر دوں۔

ازواج مطہرات کا ذکر کرنے سے قبل اس اعتراض کا جواب دینا ضروری ہے جو مستشرقین ایک سے زیادہ بیویوں کے متعلق کرتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو چار حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا حصّہ وہ ہے جب آپؐ نے تجرد کی زندگی بسر کی، یہ پچیس سال کی عمر تک ہے۔ دوسرا حصّہ وہ ہے جب آپؐ نے ایک بیوی سے شادی کی، یہ پچیس سال سے پچپن سال کی عمر تک ہے۔ تیسرا حصّہ وہ ہے۔ جب آپؐ نے کئی ازواج سے شادی کی، یہ پچپن سال سے ساٹھ سال تک ہے۔ اور آخری حصّہ ساٹھ سال سے وفات تک ہے، اس حصّہ عمر میں آپؐ نے کوئی شادی نہیں کی

**مجردانہ زندگی**

مجردانہ زندگی کا ہی وُہ وقت ہوتا ہے جب جذبات جوانیہ میں اشتعال ہوتے ہیں، ان پر قابو پانا اور حکمرانی کرنا مشکل ترین کام ہوتا ہے، خصوصاً گرم ممالک میں جہاں بلوغت کی عمر جلد آجاتی ہے۔ یہی وہ عمر کا دور ہے جب آپؐ کی عفیف اور پاک زندگی کی وجہ سے قوم کی طرف سے "الامین" کا

کا خطاب ملا ہے۔

## ایک بیوی سے نکاح کی حالت

آپؐ کی عمر پچیس سال کی تھی۔ جب آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے شادی کی، جن کی عمر چالیس سال کی تھی۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات تک آپؐ نے کوئی شادی نہیں کی۔ ان کی وفات کے بعد آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا۔ چونکہ وہ نابالغ تھیں اور جب تک وہ بالغ نہ ہوں آپؐ کو محروہی رہنا تھا، اس لیے آپؐ نے ایک معمر بی بی حضرت سودہؓ سے شادی کی جو ایک مخلص صحابی کی بیوہ تھیں۔ یہ معمر بی بی تین سال مکہ میں اور دو سال مدینہ میں آپؐ کے گھر میں رہیں۔ حضرت عائشہؓ کا رخصتانہ ہجرت کے دوسرے سال ہوا۔

## متعدد شادیاں

متعدد شادیاں آپؐ نے زندگی کے تیسرے دور میں کی ہیں۔ یہ دور پچپن سے ساٹھ سال تک کا ہے۔ جو شخص پچیس سال تک عفیفانہ زندگی بسر کرتا ہے، پھر ایک شادی کر کے دوسری شادی کی طرف مائل تک نہیں ہوتا۔ جب کہ لوگ حسین سے حسین عورت سے شادی کرانے کی پیش کش کرتے ہیں، وہ پچپن سال کے بعد جب کہ بڑھاپے کے آثار ظاہر ہو چکے ہوتے ہیں اپنی نفسانی خواہش کے مطابق کیوں کر متعدد شادیاں کرے گا؟

جب ہم واقعات پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ متعدد شادیوں کا زمانہ اور اقوام عرب کے ساتھ جنگ کرنے کا زمانہ ایک ہی ہے، یعنی ۲ھ سے لے کر ۸ھ تک کا زمانہ جب اقوام عرب سے لڑائیوں کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے تو آپؐ کوئی شادی نہیں کرتے۔ پھر یہ وہ زمانہ ہے جب کہ دشمن مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت کو ہستی سے نیست و نابود کرنے پر تُلا ہوا ہے۔ ہر وقت قبائل کی طرف سے حملوں کے دفاع کے لیے مسلمانوں کو مسلح رہنا پڑتا ہے۔ صرف باہر سے ہی مسلمانوں کو خطرہ لاحق نہیں تھا بلکہ شہر کے اندر منافق اور یہود مار آستین بنے ہوتے تھے۔ ان خطرناک حالات میں کوئی شخص آپؐ کے متعلق عیش و عشرت کا وہم بھی دل میں نہیں لا سکتا۔

پس بڑھاپے میں آپؐ کا متعدد شادیاں کرنا اور صرف جنگ کے زمانہ تک کرنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ تعداد ازدواج کا جنگ سے ضرور تعلق ہے۔ اب واضح ہے کہ لڑائی میں مرد مارے جاتے ہیں، عورتوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔ ضروری ہے کہ عورتوں کی خبر گیری اور اخلاق حسنہ کے زیور سے پیراستہ رکھنے کے لیے متعدد شادیاں کی جائیں۔

پس ایک تو آپؐ نے بیواؤں پر ترحم اور خبر گیری کے لیے نکاح پر نکاح کیے۔ باسورتھ سمتھ ایک عیسائی مصنف نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ "یہ یاد رکھنا چاہیئے،

کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بہت سے نکاحوں کی جہاں دیگر وجوہ ہو سکتی ہیں۔ یہ معقول وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ نے اُن بیبیوں پر رحم کھا کر کیے جو بے کس اور بے یار و مددگار رہ گئی تھیں۔ یہ عورتیں سب کی سب بیوہ ہی تھیں اور ان کے حسن و دولت کا کوئی شہرہ نہ تھا، بلکہ بات اس کے بالکل برعکس تھی۔"

دوسرے تجرد کی زندگی سے بیواؤں میں طرح طرح کی اخلاقی کمزوریاں پیدا ہو جاتی ہیں جذبہ شہوانی ایک فطری جذبہ ہے، اس کو زائل نہیں کیا جا سکتا۔ جذبات روکنا صحت کیلئے مضر ہے۔ ان حالات خاصہ میں تعداد ازدواج کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

**چونتھا زمانہ** یہ دور ساٹھ سال سے وفات تک کا زمانہ ہے۔ جب ملک عرب میں جنگ کا خاتمہ ہو چکا تھا، عیش و عشرت کے لیے مناسب وقت تھا۔ لیکن آپؐ نے اس دور میں کسی عورت سے شادی نہیں کی۔ اگر آپؐ کسی نفسانی خواہشات کے تحت شادیاں کرتے ہوتے تو اب نفس کی شہوانی ہوس کی تسکین کے لیے موزوں ترین وقت تھا۔ ملک کے بادشاہ تھے۔ دشمن کی طاقت کا عصا ٹوٹ چکا تھا۔ لیکن آپؐ نے ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ تعداد ازدواج کی ضرورت ختم ہو چکی تھی۔

دنیا کے تمام مذاہب ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کی تائید میں ہیں، اور ان کے بڑے بڑے مقدس انسانوں کی زندگی میں ایک سے زائد عورتوں سے شادی کرنے کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔

**ازواج مطہرات کے اسماء گرامی** ۱۔ حضرت خدیجہؓ۔ ۲۔ حضرت عائشہؓ ۳۔ حضرت سودہؓ۔ ۴۔ حضرت حفصہؓ۔ ۵۔ حضرت زینب بنت خزیمہؓ۔ ۶۔ حضرت ام سلمہؓ۔ ۷۔ حضرت زینبؓ بنت امیم۔ ۸۔ حضرت جویریہؓ۔ ۹۔ حضرت ام حبیبہؓ۔ ۱۰۔ حضرت میمونہؓ۔ ۱۱۔ حضرت صفیہؓ۔ ۱۲۔ حضرت ماریہ قبطیہؓ۔

# اولاد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کی تعداد میں سخت اختلاف ہے۔ متفق علیہ روایت یہ ہے کہ آپؐ کے چھ بچے تھے۔ قاسم۔ ابراہیم۔ زینب۔ رقیہ۔ ام کلثوم۔ فاطمہ۔

ابن اسحاق نے دو اور صاحبزادوں کا ذکر کیا ہے۔ طاہر، طیب۔ اس بنا پر لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد برابر ہو جاتی ہے۔

آپؐ کی اولاد کے بارے میں تمام اقوال جمع کیے جائیں تو ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کے بارہ بچے

تھے، جن میں آٹھ لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں۔ قاسم اور ابراہیم پر تمام راویوں کا اتفاق ہے۔
حضرت ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے اور بقیہ اولاد حضرت خدیجہؓ سے تھی۔

# خصائص النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم

## بعثت عظمیٰ

دنیا میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل جتنے بھی انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں وہ ایک قوم کی طرف آتے رہے ہیں۔
کتاب خروج باب سوم میں ہے۔
"اب دیکھ بنی اسرائیل کی فریاد مجھ تک آئی اور میں نے وہ ظلم جو مصری ان پر کرتے ہیں دیکھا ہے۔ پس اب تو جا، میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں۔ میرے لوگوں کو جو بنی اسرائیل ہیں مصر سے نکال۔" (آیات ۹، ۱۰)
کتاب استثناء میں ہے "موسیٰؑ نے ہم کو ایک شریعت فرمائی جو کہ یعقوب کی جماعت کی میراث ہو۔" (باب ۳۳ درس ۴)
یہ حوالے ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور تورات صرف بنی اسرائیل کی طرف تھی۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق انجیل ظاہر کرتی ہے کہ وہ صرف بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کی طرف آئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:
"میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔"
(انجیل متی ۲۴/۵)
بدھ مذہب کی تاریخ پر غور کریں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ انہوں نے ہندو جاتی کے سوا کبھی اپنے عروج کے زمانہ میں بھی کسی قوم تک اپنے مذاہب کی تعلیم کو نہیں پہنچایا اور کسی غیر مذہب کے پیرکار کو داخل مذہب خود نہیں کیا۔
ہندو مذہب میں وید کی تعلیم و قرأت کا کام صرف برہمن کے ساتھ مخصوص ہے۔ اگر وید تعلیم تمام لوگوں کے لیے ہوتی تو پھر صرف برہمن کے لیے کیوں قرأتِ وید مخصوص کر دی جاتی۔ ہندو قوم میں کبھی کوئی نصرانی، یہودی یا مغربی نسل کا شخص رشی یا مہارشی بلکہ کسی مندر کا پجاری بھی نہیں بنایا گیا۔
ان امور کے علاوہ یہ بات بھی ظاہر کرتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل کے تمام انبیاء علیہم السلام صرف اپنی اپنی قوم کی طرف آتے رہے۔

مختلف اقوام کے مسلمہ انبیا علیہم السلام نے کسی دوسرے نبی کے متعلق یہ نہیں بتایا کہ وہ صادق تھا یا کاذب۔ کیوں کہ جب کسی ایسی قوم کو دعوت دی جائے جو کسی نبی کی پیرو ہو تو لازمی طور پر اس قوم کے نبی کی صداقت زیر بحث آئے گی۔ تمام مذاہب کی مذہبی کتب کا مطالعہ کریں تو کسی کتاب میں بھی کسی نبی کے متعلق یہ ذکر نہیں آئے گا کہ وہ صادق تھا یا کاذب۔

اگر قرآن مجید کا مطالعہ کریں تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ آپؐ کی بعثت اپنے اندر عالمگیریت کا رنگ رکھتی ہے، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ۔ (سبا ۳۴: ۲۸)۔ ہم نے تجھے جملہ انواع انسانی کے لیے بھیجا ہے۔ پھر فرمایا: قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ (الاعراف ۷: ۱۵۸) یعنی کہہ اے لوگو! میں تم سب لوگوں کی طرف اللہ کا نبی ہو کر آیا ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کان النبي یبعث الی قومه خاصة وبعثتُ الی الناس کافة۔ مجھ سے پہلے نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے لیکن میں تمام لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا ہوں

## خاتم النبیین

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ آپؐ خاتم النبیین ہیں۔ یعنی آپؐ پر کمالاتِ نبوت ختم ہیں۔ اور آپؐ مستجمع جمیع کمالات انبیا ہیں۔ اور نبوت کا کوئی درجہ اور کوئی مقام ایسا نہیں جو کسی نبی کو تو ملا ہو۔ لیکن آپؐ کو حاصل نہ ہو۔ اور آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ قرآن مجید میں آتا ہے: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے آدمیوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں۔ (الاحزاب ۳۳: ۴۰)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کریمہ کی تشریح ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ان مثلی ومثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنیٰ بیتًا فاحسنه واجمله الا موضع لبنة من زاویة فجعل الناس یطوفون به یعجبون له ویقولون هلّا وضعت هذه اللبنة قال فانا اللبنة وانا خاتم النبیین (بخاری) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مثال اور نبیوں کی مثال جو مجھ سے پہلے تھے اس شخص کی مثال کی طرح ہے کہ اس نے ایک گھر بنایا اور اسے اچھا بنایا اور اسے خوبصورت بنایا سوائے کونے میں ایک اینٹ کی جگہ کے سو لوگ اس کے گرد گھومنے لگے اور اس پر تعجب کرتے اور کہتے کہ یہ اینٹ کیوں نہ لگائی تو فرمایا میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں نبیوں کو ختم کرنے والا ہوں۔

زرقانی (شرح المواہب اللدنیہ) میں ہے:

ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی۔ یعنی رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی ہے۔ لہٰذا میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا نہ کوئی نبی۔

## سراج منیر

روحانی عالم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سراج منیر (روشن کرنیوالا سورج) ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے: یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا (الاحزاب ۳۳ : ۴۵)

اے نبی ہم نے تجھے گواہ بنا کر بھیجا ہے اور خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن ہونے والا سورج۔

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ اس آفتاب عالمتاب کے طلوع کے بعد ان روشنیوں کی کوئی ضرورت نہیں رہی جو پہلے مختلف ملکوں اور مختلف قوموں کو روشن کیا کرتی تھیں۔ وہ روحانی چراغ ایک وقت کے لیے روشن ہوتے اور اندھیروں کو اجالے میں تبدیل کیا۔ طلوع آفتاب کے بعد اب کسی چراغ کی ضرورت نہیں رہی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سراج منیر کہنے میں یہ حکمت بالغہ ہے کہ جو شخص بھی اپنے شیشۂ قلب کو صاف کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی شعاعوں کے سامنے رکھے گا، تو اس کے اندر اس روحانی آفتاب کی روشنی منعکس ہو جائے گی، اور جتنا زیادہ شیشۂ قلب صاف ہوگا اتنی ہی زیادہ نور کی لہریں اس میں منعکس ہوں گی۔

گویا دنیا میں اب صرف روحانی منبع ایک ہی ہے، وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ انہی کی ذات سے اتصال پیدا کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جا سکتا ہے۔

## موعود اقوام عالم

قرآن مجید نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا وعدہ تمام انبیاء علیہم السلام کو دیا گیا تھا۔ اور پھر ہر ایک نبی کے ذریعہ سے اس کی امت سے یہ عہد لیا گیا کہ تمہارے پاس ایک ایسا نبی آئے گا جو پہلے تمام انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرے گا، اس پر ایمان لانا۔ ارشاد الٰہی ہے: وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ (آل عمران ۳ : ۸۱) اور جب اللہ نے نبیوں کے ذریعہ سے عہد لیا کہ جو کچھ میں نے تمہیں کتاب اور حکمت سے دیا ہے پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو اس کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے تو تم نے ضرور اس پر ایمان

لانا ہوگا اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی کہا کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میرے عہد کا بوجھ لیتے ہو۔ انہوں نے کہا ہم اقرار کرتے ہیں کہا پس گواہ رہو اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

**الوہیت کا مظہر اتم** رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مظہر اتم الوہیت ہیں۔ ان کا کلام خدا کا کلام، ان کا ظہور خدا کا ظہور، ان کا آنا خدا کا آنا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا۔ (بنی اسرائیل ۱۷: ۸۱) کہ حق آیا اور باطل بھاگ گیا اور باطل نے بھاگنا تھا۔ حق سے مراد اللہ تعالیٰ، قرآن کریم اور رسول کریمؐ ہیں۔ پھر فرمایا۔ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (النجم ۵۳: ۴،۳) اس آیت کریمہ میں آپؐ کے کلام کو وحی سے تعبیر کیا ہے۔ ایک اور آیت میں ہے: إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (الفتح ۴۸: ۱۰) جو لوگ تیری بیعت کرتے ہیں گویا وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو مجازی طور پر اپنی ذات قرار دیا ہے۔ اسی طرح ایک اور آیت ہے: مَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ یعنی تو نے نہیں چلایا لیکن اللہ تعالیٰ نے ہی چلایا جب کہ تو نے چلایا۔ (انفال ۸: ۱۷)

**عطاءِ کوثر** قرآن مجید میں آتا ہے: إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ (الکوثر ۱۰۸: ۱) یعنی ہم نے تجھے کوثر عطا کی۔ امام فخر الدین رازیؒ نے خیر کثیر کے تحت بہت سی اشیاء کا ذکر کیا ہے از انجملہ

۱۔ امت محمدؐ یہ ہے ایسی نبوت کاملہ اور ریاست عامہ اور ہدایت جامعہ پہلے کب کسی کو عطا ہوتی تھی؟

۲۔ کوثر سے مراد اسلام ہے۔

۳۔ کوثر سے مراد کثرت امت ہے۔

۴۔ کوثر سے مراد قرآن مجید ہے۔

۵۔ کوثر سے مراد وہ اخلاق حمیدہ، فضائل کثیرہ اور محامد جمیلہ ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باوجود میں پائے جاتے ہیں۔

اسی لیے قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (القلم ۶۸: ۴) اے رسولؐ تو یقیناً خلق عظیم پر ہے۔ لفظ "عظیم" محاورہ عرب میں اس چیز کی صفت پر بولا جاتا ہے۔ جس کو اپنا نوعی کمال پورا پورا حاصل ہو۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

## حصول منتہائے کامیابی

قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے: هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ
الجمعۃ ۶۲: ۲) یعنی اللہ وہ پاک ذات ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو ان پر اس کی آیات پڑھتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے۔ کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اگرچہ وہ اس سے قبل کھلی گمراہی میں تھے۔

اس آیت کریمہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چار عظیم الشان کام بیان کیے ہیں۔

۱۔ آیات پڑھ کر سنانا۔
۲۔ تزکیہ نفوس۔
۳۔ کتاب الٰہی کی تعلیم دینا۔
۴۔ حکمت کی باتیں سکھانا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کاموں کو نہایت کامیابی سے سرانجام دیا، جبکہ ان مقدس کاموں کے سرانجام دینے میں ہر قسم کی رکاوٹیں موجود تھیں۔ مستشرقین کو بھی اس امر کا اعتراف ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت کامیاب مصلح تھے۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا آف بریٹینکا میں لفظ قرآن کی بحث کے نیچے یہ اعتراف کیا ہے۔

"دنیا کی تمام مذہبی شخصیتوں میں سب سے زیادہ کامیاب حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں"

میور لکھتا ہے۔

"بسا اوقات جب ایک ایسے شخص کے ہاتھوں چند نتائج رونما ہوں، جو بظاہر اس کی اپنی طاقت سے بالاتر دکھائی دیں تو ان کے ظہور کی وجہ بعض کے نزدیک یہ ہوتی ہے کہ گردوپیش کے چند اسباب ایسے پیدا ہو گئے جن کا لازمی نتیجہ وہ نتائج تھے۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیدا ہوئے اور سارا عرب ایک جدید اور روحانی مذہب کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ ایسے لوگ اس سے قیاس کرتے ہیں کہ عرب حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آمد کے وقت اصلاح کے لیے بے قرار تھا اور اسے قبول کرنے پر ہمہ تن آمادہ۔ لیکن جب ہم عرب کے عہد ماضی پر غور سے نظر ڈالتے ہیں تو اسلام سے پہلے زمانہ کی تاریخ اس قیاس کی تردید

کرتی ہے۔"

**تکمیل دین** رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک اکمل دین لے کر آئے۔ اور وہ دین تاقیامت لوگوں کی ہدایت کے لیے کافی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (المائدہ ۵: ۳) آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور اسلام کو دین کی حیثیت سے میں نے تمہارے لیے پسند کیا۔

قرآن مجید کے اس عقیدہ کے مطابق دین عہد بعہد دنیا کی عمر کے ساتھ مختلف انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں مکمل ہوتا رہا۔ اور یہ دین رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے اپنے کمال کو پہنچا ہے۔

**وحدت نسل انسانی** ختم نبوت اور تکمیل دین کا لازمی نتیجہ وحدت نسل انسانی کا پیغام ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل تمام انبیاء علیہم السلام نے افراد کو اکٹھا کر کے ایک قوم بناتی تھی۔ آپ نے تمام قوموں کو اکٹھا کر کے نسل انسانی کی وحدت کی بنیاد ڈالی، اور اپنے مذہب کی بنیاد ٹھہرایا۔ یہ راز اتنا بلند تھا کہ بغیر خدا کی وحی کے اس کا انکشاف قلب انسانی پر نہ ہو سکتا تھا۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَمَا کَانَ النَّاسُ اِلَّا اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا (یونس ۱۰: ۱۹) اور سب لوگ ایک ہی قوم ہیں لیکن وہ باہم جھگڑتے ہیں۔

**مکمل سوانح حیات** رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل جتنے انبیاء علیہم السلام اور مصلحین ہو گزرے ہیں ان کی زندگی کے حالات ہم تک صحیح ذرائع سے نہیں پہنچے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی کے بے شمار پہلو پردہ تاریک میں پڑے ہوتے ہیں۔ فارس کے مصلحان دین صرف شاہنامہ کے ذریعہ روشناس ہوتے ہیں۔ وید کے ملہم کون تھے، کیسے تھے، کہاں تھے، ان کا چال چلن کیا تھا، کب ہوتے؟ تاریخ میں معمہ بنے ہوتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے متعلق موجودہ تورات بتاتی ہے۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تین سو سال بعد احاطہ تحریر میں آئی۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ مقدس اور برگزیدہ ہستی ہے جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ احاطہ تحریر میں لایا گیا۔

# معجزات

اللہ تعالیٰ اہل دنیا کی نظر میں پیغام الٰہیہ کے من جانب اللہ ثابت کرنے کے لیے اپنی علیم و قدیر صفات کے تحت اپنے علم و قدرت سے نشان قائم کرتا ہے، جو اپنے اندر ایسی ارفع شان رکھتا

ہے کہ انسانی دل و دماغ اس کا مثل لانے سے عاجز ہو جاتے ہیں۔ اس کو اصطلاح میں معجزہ کہتے ہیں۔ اور قرآن مجید کی زبان میں اسے آیت اللہ کہتے ہیں۔

معجزہ کسی سنت کے توڑنے کا نام نہیں بلکہ معجزہ خود ایک سنت اللہ ہے جو وحی الٰہی کے من جانب اللہ ہونے پر ایک اقوی دلیل ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے بے شمار معجزات کا ظہور ہوا، صرف چند ایک معجزات لکھے جاتے ہیں۔ ایسے تو سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید ہے لیکن اس کا مفصل ذکر یہاں نہیں کیا جائیگا۔ کیونکہ قرآن مجید پر مستقل عنوان کے تحت بحث ہوگی، وہاں اس کے اعجاز پر بحث ہوگی۔

**پہلا معجزہ** رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عامہ عرب کسی مذہب کے پابند نہ تھے۔ کوئی کتاب نہیں رکھتے تھے۔ شجر و حجر، شمس و قمر، سیاروں اور بھوت و پریت کی پوجا کرتے تھے۔ جزا و سزا کے منکر۔ سیاست و تمدن سے ناآشنا۔ چوری، قمار بازی، جنگ و جدل، بغض و عناد، جہالت، فحز اور کبر ان کے اوصاف تھے۔ قرآن مجید میں ان کے متعلق ارشاد الٰہی ہے: اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ (۷/اعراف: ۱۷۹) یعنی وہ چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ زیادہ گمراہ۔

لیکن وہی عرب جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مقدس پر بیعت کر لیتے تھے تو تمام برائیوں کو چھوڑ کر آستانہ الوہیت پر گر جاتے تھے اور وہ خدا کی صفات میں رنگین ہو کر اس دھرتی پر چلتے پھرتے فرشتے دکھائی دیتے تھے۔ قرآن مجید ان کے بارہ میں فرماتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّھِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا۔ (الفرقان ۲۵: ۶۴) یعنی رات دن نمازوں میں گزارنے والے ہو گئے۔

**دوسرا معجزہ** رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس غرض کے لیے اس دنیا میں آئے اسے پورا کر گئے۔ یہ وہ بے نظیر کامیابی ہے جس کی نظیر دنیا کے کسی نبی کی زندگی میں نہیں ملتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام راستہ میں ہی فوت ہو گئے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو ان کے حواری مصیبت میں گھرا ہوا دیکھ کر بھاگ گئے۔ بلکہ بقول انجیل ایک حواری نے ان کے منہ پر تھوکا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زندگی میں ہی ملک عرب پر تسلط اور اپنی قوم پر پوری حکومت مل گئی اور لوگوں کو دائرہ اسلام میں فوج در فوج داخل ہوتے دیکھ لیا۔ قرآن مجید نے اس کامیابی کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے: اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا۔ (النصر ۱۱۰: ۱، ۲) جب اللہ کی مدد پہنچ گئی اور فتح و کامیابی، اور تو نے لوگوں کو اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے ہوتے دیکھ لیا۔

آپؐ کی غیر منقطع اور دائمی برکات اور فیوض ہیں۔ اب تمام انبیاء علیہم السلام کے چشمہ ہائے فیوض خشک اور بند ہو چکے ہیں اور صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چشمہ فیض جاری ہے۔ اس فیض کا زندہ اور بین ثبوت یہ ہے کہ اُمّت محمدیہ میں ایک نہیں، بیس نہیں بلکہ ہزاروں ایسے افراد ہو گزرے ہیں جن کا اتباعِ رسولؐ میں مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ کا دعویٰ تھا۔ یہ نعمت سوائے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے نہیں مل سکتی۔ ارشاد الٰہی ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران ۳: ۳۲) کہہ اگر تم اللہ کے محبوب بننا چاہتے ہو تو میری (رسول کریمؐ) کی پیروی کرو تو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔

**چوتھا معجزہ** یہ معجزہ بھی آپؐ کے ساتھ خاص ہے۔ وہ یہ کہ دنیا کا کوئی ایسا حصہ نہیں ہے جہاں آپؐ کی امت ہر وقت آپؐ کے لیے دعا نہ کرتی ہو اور یہ نہ پڑھتی ہو: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ .....

**پانچواں معجزہ: انشقاق قمر** انشقاق قمر کا وقوع خلاف سنت اللہ نہیں کسی قانون قدرت نے کوئی فیصلہ نہیں دیا کہ ان اجرام سماوی میں کوئی بڑے بڑے تغیرات نمودار نہیں ہوتے رہتے۔ بلکہ قانون قدرت کی شہادت اس کے خلاف ہے۔ آخر زمین پر جو بڑے بڑے پہاڑ بنے تو کیا یہ بغیر کسی تغیر عظیم کے ہی بن گئے اور سورج میں تغیر اور انقلاب آتے رہتے ہیں اور بعض وقت بڑے بڑے داغ نمودار ہو جاتے ہیں۔ تو یہ کونسی بعید بات ہے کہ کوئی عظیم الشان تغیر چاند کے اندر نمودار ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی قوتِ اعجازی کے اظہار کے لیے یہ تغیر کفار کو بھی دکھا دیا ہو، جو آپؐ سے نشان طلب کرتے تھے۔

شق قمر کے معجزہ کے نیچے یہ حقیقت مضمر تھی کہ وہ گھڑی قریب آ رہی ہے کہ جب رؤساء کفار کی قوت پاش پاش ہو جائے گی، جیسا کہ آیت کریمہ "اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ" (القمر ۵۴: ۱) سے ظاہر ہے۔ یہاں الساعۃ سے مراد قیامت کبریٰ نہیں بلکہ ساعۃ وسطیٰ ہے یعنی قریش یا مخالفین کی ہلاکت کی گھڑی۔

**چھٹا معجزہ** رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید ہے۔ اور قرآن مجید خود ایک معجزہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا

الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ کَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا (بنی اسرائیل ۱۷: ۸۸)
یعنی کہو اگر انسان اور جن اس بات پر اکٹھے ہو جائیں کہ اس قرآن کی مثل بنا لائیں تو اس کی مانند نہ لا سکیں گے۔ اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔ باسورتھ سمتھ لکھتے ہیں۔

یہ ایک ہی معجزہ تھا جس کا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دعویٰ تھا۔ وہ اس کو مستقل معجزہ کہتے تھے۔ فی الحقیقت یہ ایک ہی معجزہ تھا۔" (لائف آف محمدؐ صفحہ ۲۹) قرآن مجید کے مختلف اعجازی پہلوؤں پر بحث بعد میں آئے گی۔

# قرآن مجید

قرآن مجید تقریباً تیئس سال کے عرصہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ قرآن کا نام خود اس وحی الٰہی میں تکرار کے ساتھ آیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ (سورۃ بقرہ ۲: ۱۸۵) رمضان کا مہینہ جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ اس کے علاوہ سورۃ یونس آیت ۳۷، بنی اسرائیل آیت ۱۰۶ میں لفظ قرآن آتا ہے۔

قرآن یا تو قرءٌ سے مشتق ہے یا قراءۃ سے یا قرن سے۔ قرءٌ کے معنی جمع کرنا ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے قرآن کو قرآن اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ اولین اور آخرین کے علوم کا مجموعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ۔ (النحل ۱۶: ۸۹) یعنی ہم نے تجھ پر ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جو تمام چیزوں کو واضح بیان کرنے والی ہے۔ دوسری جگہ آتا ہے۔ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ۔ (البینۃ ۹۸: ۳) یعنی قرآن مجید میں تمام کتب کے علوم جمع ہیں۔ نیز یہ تمام منتشر دنیا کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے والا ہے۔ اس میں اتحاد بین الناس کا پیغام ہے، ارشاد الٰہی ہے: كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً البقرہ (۲: ۲۱۳) یعنی سب لوگ ایک ہی قوم ہیں۔

اگر قراءۃ سے مشتق ہو تو اس کے معنی ہیں پڑھی ہوئی چیز۔ تو اس کتاب کو قرآن اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ جب جبرئیل علیہ السلام آتے تو پڑھ کر سناتے تھے۔ دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ یہ کتاب دنیا میں بہت پڑھی جائے گی۔

اگر قرن سے مشتق ہو تو قرن کے معنی ہیں ملنا یا ساتھ رہنا۔ اس معنی کی رو سے اس کتاب کو قرآن اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ یہ کتاب حق اور ہدایت اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ نیز اس کی سورتیں اور آیات اسی طرح آپس میں مربوط ہیں کہ ان میں نہ کوئی تعارض ہے اور نہ تخالف۔ اور قرآن مجید کے مضامین باہم دیگرے ایسے ملے ہوئے ہیں کہ ان کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا، وہ سب ایک سلک میں منسلک ہیں۔

دعوی نبوت سے قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں ریاضت اور عبادت کیا کرتے تھے۔ جب آپؐ کی عمر چالیس سال کی ہوئی۔ آپؐ غار حرا میں یاد الٰہی میں مشغول تھے۔ دفعتہً وہ منزل مل گئی جس کے لیے جویاں تھے۔ وہ گوہر مل گیا جس کے لیے مضطرب تھے۔ وہ ہدایت مل گئی جس کے لیے

گریاں تھے۔ جبرئیلؑ وحی نبوت لے کر آئے اور کہا: اِقْرَأ یعنی پڑھ۔ آپؐ نے فرمایا: مَا اَنَا بقاری۔ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ فرشتے نے زور سے دبایا، پھر چھوڑ دیا اور کہا: اِقْرَأ یعنی پڑھ۔ آپ نے پھر وہی جواب دیا: مَا اَنَا بقاری۔ یعنی میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اور فرشتے نے زور سے دبایا، پھر چھوڑ دیا اور کہا: اِقْرَاء۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پہلا ہی جواب دیا۔ تیسری مرتبہ کے بعد فرشتے نے یہ آیات پڑھیں: اِقْرَاءْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ اِقْرَاءْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ (العلق ۹۶-۵)

یعنی تو اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے انسان کو ایک لوتھڑے سے پیدا کیا پڑھ اور تیرا رب سب سے بڑھ کر عزت والا ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پیغام ربانی کو لے کر کانپتے ہوئے آئے۔ حضرت خدیجہؓ سے فرمایا کہ مجھ پر کوئی کپڑا اوڑھا دو۔ جب ذرا سکون آیا تو آپؐ نے تمام ماجرا کہہ سنایا اور کہا۔ خشیت علی نفسی یعنی مجھے اصلاح دنیا کی ذمہ داری کے بوجھ سے ڈر لگتا ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے جواب دیا: واللہ ما یخزیك اللہ ابداً انك لتصل الرحم وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق: یعنی آپؐ صلہ رحمی کرتے ہیں، کمزوروں کے بوجھ کو اٹھاتے ہیں، نادروں کی خبر گیری کرتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں۔

یہ کہہ کر حضرت خدیجہؓ آپؐ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ حضرت خدیجہؓ کے عم زاد بھائی تھے۔ ورقہ کو تمام ماجرا کہہ سنایا، ورقہ نے کہا: "یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا۔ کاش میں جوان ہوتا کہ جب آپؐ کی قوم آپؐ کو گھر سے باہر نکالنا چاہتی تو میں آپؐ کی دل و جان سے مدد کرتا"۔ آپؐ نے پوچھا "کیا میری قوم مجھ کو گھر سے باہر نکال دے گی؟" ورقہ نے جواب دیا: "ہاں"۔

پہلی وحی کے نازل ہونے کے بعد کچھ عرصہ وحی رک گئی، وہ زمانہ فترت الوحی کے نام سے موسوم ہوتا ہے، دوسری وحی یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (۷۴: ۱-۵) اے اوڑھنے والے اٹھ اور ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی کر اور اپنے کپڑوں کو پاک صاف رکھ اور ناپاکی سے دور رہ۔

اس کے بعد سلسلہ وحی جاری ہو گیا اور کم و بیش تئیس سال تک جاری رہا۔ قرآن مجید کا نزول ضرورت اور حالات کے مطابق ہوتا تھا۔ کبھی کچھ لوگ خود مسائل چھیڑ دیتے تھے، پھر قرآن نازل ہوتا۔ کبھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات پوچھے جاتے تو آپؐ وحی کے ذریعہ جواب دیتے۔ کبھی معاشرہ میں

ایسے مسائل اُبھر آتے جن کا جواب دینا ضروری ہوتا ہے۔ اس طرح قرآن مجید ضرورت کے مطابق آہستہ آہستہ بتجا نازل ہوتا رہا، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا (الفرقان ۲۵: ۳۲) اور کافر کہتے ہیں کہ قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہیں اترا، اسے اسی طرح سے اترنا چاہیئے تھا تاکہ تیرے دل کو ہم تسکین دیں اور ہم نے اسے ایک ترتیب سے اتارا ہے۔

# تدوین وحفاظت

قرآن مجید میں آتا ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر ۱۵: ۹) یعنی ہم نے ہی ذکر (قرآن) اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ دوسری جگہ آتا ہے: اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ (القیامۃ ۷۵: ۱۷) یعنی اس کتاب کا جمع کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔

یہ دونوں آیات ظاہر کرتی ہیں کہ قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔

قرآن مجید کی حفاظت دو طریقوں سے ہوئی ہے۔ ایک زبانی یاد کرنے سے، دوم کتابت سے۔ اور یہی دو طبعی اور قدرتی طریقے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی صحابہ کرام سارا قرآن مجید حفظ کر چکے تھے۔ امام سیوطی نے ابو عبیدہ کی کتاب القراءت سے نقل کر کے اپنی تصنیف الاتقان میں حفاظ صحابہ کے نام ذکر کیے ہیں۔

## مہاجرین صحابہ

حضرت ابوبکر۔ حضرت عمر۔ حضرت عثمان۔ حضرت علی۔ حضرت طلحہ۔ حضرت سعد۔ حضرت ابن مسعود۔ حضرت حذیفہ۔ حضرت سالم۔ حضرت ابوہریرہ۔ حضرت عبداللہ بن سائب۔ حضرت عبداللہ بن عباس۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص۔ حضرت عبداللہ بن زبیر۔ حضرت عائشہ۔ حضرت حفصہ۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

## انصار

حضرت عبادہ بن صامت۔ حضرت معاذ ابو حلیمہ حضرت مجمع بن جاریہ۔ حضرت فضالہ بن عبید۔ حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ابن ابی داؤد نے تمیم الداری اور عقبہ بن عامر کو قاری صحابہ میں شامل کیا ہے۔ ابو موسیٰ اشعری

نے بھی قرآن مجید حفظ کیا تھا۔ اسی طرح حضرت ابی رضؓ بن کعب، حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت زید بن ثابت مشہور قراء میں سے تھے۔

ان حفاظ سے صحابہ کرام اور کثیر تابعین نے قرآن مجید پڑھا۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عہد رسالت میں ہی کثیر صحابہ نے قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو قرآن حفظ کرنے کا بہت شوق دلاتے تھے۔ بخاری کی ایک حدیث ہے: عن عثمان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیرکم ..... من تعلّم القرآن وعلمہ۔ یعنی حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھتا ہے اور سکھاتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو نماز میں امام بناتے جس کو سب سے زیادہ قرآن مجید حفظ ہوتا۔

## کتابت

صدر اول میں قرآن مجید کی کتابت کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ عہد رسالت
۲۔ عہد صدیقی
۳۔ عہد عثمانی

## عہد رسالت

قرآن مجید عہد رسالت میں ہی احاطہ تحریر میں آچکا تھا۔ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کاتب وحی کو بلاتے اور اس آیت کو اس کی جگہ پر لکھوا دیتے تھے۔ اس طرح قرآن مجید آپؐ کی حیات طیبہ میں ہی لکھا جا چکا تھا۔ ایک حدیث ہے: قبض رسول اللہ علیہ وسلم والقرآن فی العسب واللقتم یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت دنیا سے اٹھائے گئے جب کہ قرآن مجید کھجور کے پتوں پر لکھا جا چکا تھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب ذیل کاتبین وحی مقرر فرمائے تھے:۔

حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت معاویہؓ۔ حضرت زید بن ثابتؓ۔ حضرت ابی بن کعبؓ۔ حضرت خالد بن ولیدؓ۔ حضرت ثابت بن قیسؓ۔

محدث حاکم نے مستدرک میں زیدؓ بن ثابت سے روایت کیا ہے کہ زیدؓ بن ثابت نے کہا ہم عہد رسالت میں "رقاع" سے قرآن جمع کیا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں: جمعتُ القرآن فقراءت بہ کل لیلۃ

فبلغ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال اقراءہ فی شھر (مسند احمد) میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ہی سارا قرآن جمع کر لیا تھا اور ایک رات میں سب پڑھ ڈالتا تھا۔ آپؐ کو علم ہوا تو فرمایا ایک مہینہ میں ختم کیا کرو۔

کان زید اخر عرض النبی القرآن علی مصحفہ وھو اقرب المصاحف من مصحفنا یکتب زید لعمر۔ یعنی زید نے آخری سالوں میں اپنا لکھا ہوا قرآن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا اور وہ قرآن ایسے ہی تھا۔ جیسے ہمارے مصاحف اور زیدؓ نے عمرؓ کے کہنے پر بھی ایک قرآن لکھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جن چیزوں پر قرآن مجید لکھا جاتا تھا، حسب ذیل ہیں:

۱۔ عسیب کھجور کی شاخوں کا وہ حصہ جو تنے سے متصل ہوتا ہے۔ اس میں کافی کشادگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس حصہ کو شاخ سے الگ کر لیا جاتا تھا۔ پھر ان کو خشک کر کے ان پر لکھا جاتا تھا۔

۲۔ لخف۔ ہر معمولی پتھر کو نہیں کہتے بلکہ بالاتفاق اہل لغت نے لکھا ہے کہ سفید رنگ کی پتلی پتلی چوڑی چوڑی تختیاں پتھر سے بنائی جاتی تھیں۔

۳۔ کتف۔ اونٹ یا بکری کے مونڈھے کے پاس کی گول اور چوڑی ہڈی کو کہتے ہیں۔

۴۔ ادیم۔ باریک کھال سے دباغت کے عمل سے تیار ہوتا ہے۔

۵۔ قتب۔ اونٹ کے کجاوہ میں چھوٹی چھوٹی تختیاں استعمال ہوتی تھیں، ان کو کہتے ہیں۔

**عہد صدیقی** قرآن مجید رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مدون ہو چکا تھا اور بے شمار حفاظ کے سینوں میں محفوظ تھا۔ بے شمار افراد کے پاس قرآن مجید کے مکتوبہ نسخے موجود تھے۔ امام ابن حزم نے لکھا ہے کہ خلیفہ اول کے زمانہ میں کوئی ایسا شہر نہیں تھا۔ جہاں لوگوں کے پاس کثرت سے قرآن مجید کے مکتوبہ نسخے نہ ہوں۔ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مسلمانوں کے پاس قرآن مجید کے مکتوبہ نسخے ایک لاکھ سے کم نہ تھے۔ (کتاب الفصل الملل والنحل)

عہد صدیقی میں کتابی صورت میں ایک مستند نسخہ مرتب کرنے کی ضرورت اس وقت محسوس ہوئی جب حفاظ لڑائیوں میں کثرت کے ساتھ شہید ہو رہے تھے۔ قرآن لکھا ہوا موجود تو تھا۔ لیکن اس کے اجزاء منتشر تھے۔ سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور حضرت ابوبکرؓ سے کہا۔ بخاری میں روایت ہے۔

"مجھے ابوبکرؓ نے جنگ یمامہ کے بعد بلوا بھیجا۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے

دیکھا کہ عمر بن الخطابؓ ان کے پاس بیٹھے ہوتے ہیں۔ ابوبکرؓ نے فرمایا کہ عمرؓ میرے پاس آئے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جنگ یمامہ میں قرآن کے بہت سے قرار شہید ہوتے ہیں اور مجھے خطرہ محسوس ہوا ہے کہ اگر اسی طرح دوسری لڑائیوں میں قرار شہید ہوتے رہے تو بہت سا قرآن ہاتھوں سے جاتا رہے گا، لہٰذا میری رائے ہے کہ آپ قرآن کو جمع کرنے کا حکم دیں۔ تو میں نے عمرؓ کو جواب دیا کہ ہم اس کام کو کس طرح انجام دیں جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ تو عمرؓ نے کہا بخدا کی قسم یہ نہایت ضروری اور بہتر کام ہے۔ اور عمرؓ مجھ سے اس معاملہ میں اصرار اور بحث کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے سینے کو اس کام کے لیے کھول دیا اور میری بھی وہی رائے ہو گئی جو عمرؓ کی ہے۔"

پھر زیدؓ بن ثابت کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ نے مجھے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"تم جوان اور زیرک ہو۔ ہم تم پر کسی طرح کی تہمت نہیں لگا سکتے۔ نیز تم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کاتب وحی تھے۔ لہٰذا تم پورے قرآن کو ایک جگہ جمع کرنے میں لگ جاؤ۔ خدا کی قسم اگر وہ مجھے کسی پہاڑ کو منتقل کرنے کی تکلیف دیتے تو مجھ پر اس قدر گراں نہ گزرتا۔ جتنا قرآن کے جمع کرنے کی ذمہ داری کا بار گراں، جس کا انہوں نے حکم دیا۔ میں نے کہا کہ آپ دونوں کس طرح وہ کام کرنا چاہتے ہیں جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ تو ابوبکرؓ نے فرمایا۔ اللہ کی قسم یہی بہتر ہے۔ پس ابوبکرؓ مجھ سے اصرار اور بحث کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ نے میرا سینہ اس کام کے لیے کھول دیا جس کے لیے اس نے ابوبکرؓ اور عمرؓ کے سینوں کو کھول دیا تھا۔ چنانچہ میں قرآن کو کھجور کے درخت کی چھالوں سے اور پتھر کی تختیوں سے اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرتا رہا۔ البتہ سورۃ توبہ کا آخری حصہ مجھے صرف ابوخزیمہؓ انصاری کے پاس سے ملا اور ان کے سوا کسی اور کے پاس سے وہ مجھے نہ ملا۔ یعنی لقد جاءکم رسول من انفسکم ختم سورہ براءۃ تک۔ پس یہ صحیفے ابوبکرؓ کے پاس ان کی وفات تک رہے، پھر عمرؓ کے پاس ان کی وفات تک، پھر حفصہ بنت عمرؓ کے پاس۔[1]

حضرت علیؓ کا ارشاد ہے:

اللہ تعالیٰ ابوبکرؓ پر رحم فرمائے وہ پہلے شخص تھے جس نے قرآن کو کتابی صورت میں جمع کیا۔[2]

## عہد عثمانی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہولت کے لیے عرب کے ہر قبیلہ کو اپنے اپنے لہجہ اور رسم الخط میں پڑھنے اور لکھنے کی اجازت

---

[1] بخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن شرح ابن حجر عسقلانی جلد ۹ صفحہ ۸۔

[2] البرہان ج ۱ صفحہ ۲۳۹

دے رکھی تھی۔ عثمانی عہد میں اختلاف قرأت کی وجہ سے نومسلم عجمیوں میں ایک فتنہ اُٹھ کھڑا ہوا، جس کا ذکر احادیث میں آتا ہے۔ حضرت امام بخاریؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے۔

"حذیفہ بن الیمانؓ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے ارمینیہ کی فتح میں اہل شام کے ساتھ اور آذربیجان کی فتح میں اہل عراق کے ساتھ جہاد میں شرکت کی تھی۔ وہاں ان دونوں علاقوں کے مسلمانوں کا قرأت قرآن میں اختلاف دیکھ کر گھبرا گئے۔ پس جب وہ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے تو کہا: اے امیر المومنین! اس امت کی خبر لیجئے۔ قبل اس کے کہ وہ کتاب اللہ میں اس طرح اختلاف کرنے لگیں جس طرح یہود اور نصاریٰ نے اختلاف کیا تو حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہمارے پاس صحیفے ارسال کر دیں تاکہ ہم اس کی نقلیں مصاحف میں کر لیں، پھر آپ کو اصل صحیفے واپس کر دیں گے۔ تو حضرت حفصہؓ نے ان صحیفوں کو حضرت عثمانؓ کی خدمت میں بھیج دیا اور حضرت عثمانؓ نے زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، سعید بن العاصؓ اور عبدالرحمٰن بن الحارثؓ کو حکم دیا تو ان لوگوں نے اس کو مصاحف میں نقل کیا۔ حضرت عثمانؓ نے (زید بن ثابتؓ کے سوا بقیہ) تینوں قرشی اصحاب سے کہا تھا کہ جب تم لوگ اور زید بن ثابتؓ قرآن کے کسی معاملہ میں اختلاف کرو تو اس کو لغت قریش پر لکھنا کیونکہ وہ انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ جب اصل مسودات مصاحف میں نقل کر لیے گئے تو حضرت عثمانؓ نے اصل صحیفوں کو حضرت حفصہؓ کے پاس بھیج دیا اور جو مصاحف نقل کرائے تھے۔ ان میں کا ایک ایک نسخہ مملکت کے علاقے میں بھیج دیا اور حکم دیا کہ اس کے سوا جس صحیفہ یا مصحف میں قرآن لکھا ہوا ہو اسے جلا دیا جائے۔ زیدؓ بن ثابت کہتے ہیں کہ جس وقت ہم مصحف لکھ رہے تھے تو سورۃ احزاب کی ایک آیت (اصل صحیفوں میں) ہمیں نہ ملی، جسے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے ہوئے سنا کرتا تھا، تو ہم نے اس کی تلاش کی۔ خزیمہؓ بن ثابت انصاری کے پاس لکھی ہوئی پائی اور وہ آیت "من المؤمنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ" تھی۔ چنانچہ ہم نے اس کو اسی سورۃ میں مصحف میں شامل کر دیا۔"[1]

## غیر مسلموں کی شہادتیں

سر ولیم میور دیباچہ حیات محمدؐ میں لکھتا ہے:

"اس بات کی تسلی بخش اور قابل اطمینان اندرونی اور بیرونی شہادت موجود ہے کہ قرآن اس

---

[1] صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن۔

وقت بھی ٹھیک اسی شکل و صورت میں محفوظ و مامون ہے جس حالت میں (حضرت) محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔[1]

"نیو یونیورسل انسائیکلو پیڈیا میں "قرآن" کے عنوان سے مقالہ درج ہے، اس میں لکھا ہے:

"یہ کتاب پیمبر محمدؐ پر ان کی زندگی کے آخری تیئیس سال میں مکہ اور مدینہ میں نازل ہوتی رہی، اور مسلمانوں کے عقیدہ میں کلام الٰہی ہے بہ خلاف حدیث کے جو مجموعہ کلام رسولؐ ہے۔ قرآن پیمبرؐ کی زندگی میں ہی اور انہی کی زیر ہدایت و نگرانی ضبط تحریر میں آگیا تھا اور ان کے صحابیوں نے اسے حفظ یاد کر لیا تھا، اور یہ معمول آج تک جاری ہے۔ چنانچہ صدہا مسلمان کلام پاک کے حافظ ہیں اور اسے سارے کا سارا دہرا سکتے ہیں۔ بغیر کسی ایک غلطی کے۔ اس کتاب کا دعویٰ ہے کہ اس میں تمام کتب آسمانی کے حقائق آگئے ہیں اور یہ کہ آخری اور ناقابل تغیر کتاب ہے۔ نیز یہ کہ نوع انسان کے لیے وہ جامع ترین دستور العمل ہے اور اسلام یعنی دین فطرت کی آخری توضیح ہے اور یہی دین ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ (علیہم السلام) اور سارے قدیم انبیاء کا رہ چکا ہے۔ اس کی عبارت کا غیر محرف ہونا مسلم ہے۔"

جرمن کے مشہور مستشرق نولڈیکی نے لکھا ہے:

"یورپ کے جن جن مصنفین نے اب تک اس امر کی زبردست کوشش کی ہے کہ قرآن میں تحریف ثابت کریں وہ اپنی سعی اور جد و جہد میں حیرت انگیز طور پر ناکام ثابت ہوئے ہیں۔"[2]

# خصائص قرآن

## ۱۔ اعجاز قرآن

### قرآن مجید کا بے مثل ہونا

قرآن مجید وہ کتاب ہے جس نے ہر پہلو سے بے مثل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا (بنی اسرائیل ۱۷: ۸۸) کہہ دے

---

[1] دیباچہ لف آف محمدؐ ص ۲۵۔

[2] انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا زیر لفظ قرآن۔

کہ اگر انس و جن جمع ہو جائیں اور کوشش کریں کہ اس قرآن کی مثل بنا لائیں تو وہ ہرگز ہرگز اس کی مثل نہ بنا سکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کے ظہیر و مددگار بن جائیں۔

سورۃ بقرہ میں منکرین کو صرف ایک سورۃ کے مانند کلام پیش کرنے کا چیلنج دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا (سورۃ بقرہ ۲: ۲۳) اگر تمہیں اس امر میں شک ہو کہ جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کیا ہے تو تم اس کی مانند کوئی سورۃ بنا لاؤ اور اپنے گواہوں کو بلاؤ اگر تم سچے ہو پس اگر تم نے اس کی مثل پیش نہ کی۔ اور یاد رکھو کبھی نہ کر سکو گے۔

یہ دونوں آیات قرآن مجید کا بے مثل ہونا ظاہر کرتی ہیں۔

## دلائل اعجاز

قرآن مجید کن کن پہلوؤں کے لحاظ سے معجزہ ہے۔ ان تمام کا احاطہ کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے، صرف چند ایک اعجازی پہلوؤں پر اکتفا کی جاتی ہے۔

## علمی لحاظ سے معجزہ

قرآن مجید دقائق علمیہ کا خزانہ ہے، جن کو بوجہ خارق عادت ہونے کے علمی اعجاز کہنا چاہیئے۔ قرآنی علوم کو چار موٹے موٹے عنوانات کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے۔

اوّل: روحانی علوم۔ جن میں خدا کی توحید اور اس کی صفات کا علم، تعلق باللہ کا علم، ملائکہ کا علم، مبدا و معاد کا علم، اخلاق فاضلہ کا علم اور عبادات کا علم شامل ہے۔

دوم: معاشرتی علوم۔ جن میں عمرانیات، علم سیاست، علم اقتصاد، علم قانون، علم تمدن، علم ہندسہ، علم نفس اور علم مناظرہ شامل ہیں۔

سوم: سائنسی علوم۔ جن میں فضائیات، علم کیمیا، علم طبعیات، علم نباتات، علم طبقات الارض، علم الجبال، علم الحیوان، علم ہیئت، علم طبابت شامل ہیں۔ انعام، ۶: ۵۹

چہارم: علوم لسانیہ: جس میں صرف و نحو اور معانی و بیان کے علوم شامل ہوں۔

قرآن مجید میں آتا ہے: لَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ۔ اس آیت میں رطب سے مراد روحانی علوم اور یابس سے مراد بقیہ تمام علوم ہیں۔

دوسری جگہ آتا ہے: مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ۔ (الانعام ۶: ۳۸) ہم نے کتاب میں بیان کرنے سے کوئی چیز نہیں چھوڑی۔

قرآن مجید میں یہ سب علوم خدمت دین کے لیے بطور خارق عادت بیان ہوتے ہیں۔

جن سے بڑے بڑے دقیق مسائل حل کیے جا سکتے ہیں۔ خاص طور پر ہستی باری تعالیٰ ثابت کرنے کے لیے یہ علوم دست بستہ کھڑے نظر آتے ہیں۔

**برکات روحانیہ کے لحاظ سے معجزہ** قرآن مجید کے نزول سے قبل اہل عرب ہر قسم کی برائیوں میں مبتلا تھے، جن سے قوم کا نجات پانا محال نظر آتا تھا۔ اس گمراہی اور ظلمت کے زمانہ میں قرآن مجید نے عربوں کو ہر قسم کی بدی سے نجات دلا کر باخلاق اور باخدا انسان بنا دیا۔

موسیو سیڈیو فرانسیسی لکھتا ہے: اسلام کو جو لوگ وحشیانہ مذہب کہتے ہیں۔ انہوں نے قرآن کی تعلیم کو نہیں دیکھا، جس کے اثر سے عربوں کی تمام بری اور معیوب عادتوں کی کایا پلٹ ہو گئی۔[1]

مسٹر ٹامس کارلائل انگلستان کے فاضل اپنی کتاب لیکچرز آن ہیروز" میں لکھتے ہیں: "اسلام قوم عرب کے حق میں گویا تاریکی میں روشنی کا آنا تھا۔ عرب کا ملک پہلے پہل اس کے ذریعے سے زندہ ہوا۔"

**فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے معجزہ** قرآن مجید اپنی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے معجزہ ہے۔ اس کا اعتراف نہ صرف مسلمانوں کو ہے بلکہ مخالفین کو بھی۔ نزول قرآن کے وقت عرب میں بے شمار فصیح اللسان خطیب اور شاعر تھے، جن کی زبان آوری مسلمہ تھی۔ سب فصحاء و بلغاء قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کے سامنے اپنے آپ کو ضعیف اور پست سمجھنے لگ پڑے۔ ان کے بلغاء کو قرآن کی فصاحت و بلاغت کا اعتراف کرنا پڑا۔ لبید معلقہ کا شاعر تھا، جب وہ مسلمان ہوا تو اس نے شعر کہنے ترک کر دیئے اور کہا کرتا تھا: "جب خدا نے مجھے سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران سکھائی ہے تو اب مجھے شعر کہنا موزوں نہیں۔"

پاپولر انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے۔

"قرآن کی زبان بلحاظ لفظ عرب نہایت فصیح ہے۔ اس کی انشائی خوبیوں نے اسے اب تک بے مثل اور بے نظیر ثابت کیا ہے۔"

"قرآن مجید اثر ڈالنے، یقین دلانے کی طاقت، فصاحت و بلاغت اور تراکیب و بندش الفاظ میں بے نظیر ہے اور دنیائے سائنس کے تمام شعبوں کی حیرت انگیز ترقی کا باعث ہے۔[2]

---

[1] بحوالہ تاریخ القرآن مصنفہ مولانا عبدالقیوم ندوی ص۱۔

[2] ہرش فیلڈ نیو ریسرچیز صفحہ ۸، ۹۔

" یہ امر کہ عرب کے بہترین مصنف بھی قرآن کی خوبیوں کے برابر کوئی چیز پیدا کرنے پر قادر نہ ہوئے کوئی تعجب کی بات نہیں "[1]

جارج سیل لکھتا ہے :

" قرآن کریم بے شبہ عربی زبان کی سب سے بہتر اور سب سے مستند کتاب ہے۔ کسی انسان کا قلم ایسی معجزانہ کتاب نہیں لکھ سکتا۔ اور یہ مُردوں کو زندہ کرنے سے بڑھا ہوا معجزہ ہے "

ڈاکٹر موریس فرانسیسی لکھتا ہے :

" قرآن کی سب سے بڑی تعریف اس کی فصاحت و بلاغت ہے۔ مقاصد کی خوبی اور مطالب کی خوش اسلوبی کے اعتبار سے قرآن کو تمام آسمانی کتابوں پر فوقیت ہے "

## قوّت تاثیر کے لحاظ سے معجزہ

قرآن مجید کے الفاظ میں خارق عادت تاثیر ہے ارشاد الٰہی ہے : وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ (قمر ۵۴ : ۴، ۵) اور یقیناً ان کو (قرآن کے ذریعہ) وہ باتیں پہنچ چکی ہیں جن میں تنبیہ ہے۔ یہ قرآن دل تک پہنچ جانے والی دانائی ہے مگر ڈرانا کسی کام نہ آیا۔

اس قوت تاثیر سے ڈر کر مخالفین لوگوں کو قرآن مجید کے سننے سے روکتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ جب کوئی مسلمان قرآن پڑھ کر سنانے لگے تو شور کرو۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ۔ (حٰمٓ السجدہ ۴۱ : ۲۶) یعنی کفار نے کہا کہ اس قرآن کو سنا نہ کرو اور اس کے پڑھنے کے وقت شور و غل کیا کرو شاید تم غالب آجاؤ۔

حضرت عمرؓ کا اسلام لانے کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ گھر سے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے نکلتے ہیں اپنی بہن کے گھر سے قرآن مجید کی آیات سن لیتے ہیں تو ان کے دل میں قرآن کی صداقت اور حقانیت کی میخ گڑ جاتی ہے، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا جوا اپنی گردن پر رکھ کر باہر نکلتے ہیں، سیدھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور دائرہ اسلام میں داخل ہو کر اشاعت قرآن کا عہد کرتے ہیں۔

سبعہ معلقہ کا شاعر لبید سورۃ بقرہ کی چند آیات پڑھ کر بے اختیار بول اٹھا کہ خدا اور اس شخص کے سوا جس پر وحی نازل ہوتی ہے کوئی شخص ایسا کلام نہیں کر سکتا، اور وہ فوراً دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ جارج سیل مشہور مستشرق نے بھی لبید کے ایمان لانے کے واقعہ کی تصدیق اپنے

---

[1] PALMER INTRODUCTION P. 58

ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں کی ہے۔

خالد بن عتبہؓ، حضرت عثمانؓ بن مظعون، حضرت طفیلؓ بن عمرو اور بے شمار صحابہ تھے جنہوں نے قرآن کی چند آیات سنیں اور وہ مسلمان ہو گئے۔

جان ریسک جرمن فلاسفر کہتا ہے:

"جب کہ قرآن پیغمبرؐ کی زبان سے منکر سنتے تھے تو بے تاب ہو کر سجدے میں گر جاتے تھے اور مسلمان ہو جاتے تھے۔"[1]

جارج سیل لکھتا ہے:

قرآن مجید کا طرز بیان عموماً دلکش اور اس میں روانی ہے، اور بہت سے مقامات پر خصوصاً اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی عظمت و شان اور جلال کا ذکر ہے۔ اس کا طرز بیان اور بھی دلکش اور شاندار اور بلند پایہ ہے۔ وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس قدر کامیاب ہوا اور اس نے اپنے سامعین کے قلوب کو اس قدر مسخر کیا کہ کئی مخالف یہ خیال کرنے پر مجبور تھے کہ یہ گویا کسی جادو یا سحر کا اثر ہے۔"[2]

## عدم اختلاف کے لحاظ سے معجزہ

قرآن مجید تیئیس برس دکھ اور سکھ کے مختلف اوقات میں نازل ہوتا رہا ہے۔ اور یہ ایک ایسے شخص پر نازل ہوا جو محض امی تھا۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر مختلف حالات زندگی میں سے گزرنا پڑا کہ منصوبہ باز شخص ان حالات میں ایک حالت پر قائم ہی نہیں رہ سکتا۔ اس کے نظریات اور عقائد بدلتے رہتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک وہ وقت آیا جب اپنی قوم کی اصلاح اور بہتری کے لیے غار حرا میں آہ و بکا کیا کرتے تھے۔ پھر چادر نبوت اوڑھ کر میدان عمل میں آ گئے تو چاروں طرف سے مخالفت کے بادلوں میں گھر گئے۔ کیا اپنے اور کیا بیگانے سبھی جان لیوا بن گئے۔ آخر کار مکہ معظمہ سے ہجرت کرنا پڑی اور مدینہ چلے گئے۔ ان کے سر پر سیادت کا تاج رکھ دیا گیا۔ ایک چھوٹی سی ریاست کی بنیاد پڑ گئی۔ ریاست اور صحابہ کی جانوں کی حفاظت کے لیے میدان جنگ میں اترنا پڑا۔ تمام قبائل مخالف ہو گئے۔ مدینہ میں یہود در پیشہ دوانیوں میں مصروف ہو گئے۔ منافقوں کی ایک جماعت بن گئی۔ آپؐ ان پر خطر حالات میں اسلام کی کشتی کو سلامتی کے ساتھ پار اتارنے کے لیے کوشاں رہے۔ آخر وہ

---

[1] بحوالہ تاریخ القرآن مصنفہ عبدالقیوم ندوی ص۶۷

[2] SALE PRELIMINARY

وقت آگیا۔ مخالفت کے بادل چھٹ گئے۔ دشمن مغلوب ہو گئے۔

کیا کوئی انسان یہ بات ذہن میں لاسکتا ہے کہ اس قسم کے مختلف حالات میں انسان ایک ہی حالت پر قائم رہے اور جو وہ کلام پیش کرے اس میں اختلاف نہ ہو۔ یہ انسانی طاقت سے تو باہر ہے۔ ہاں، اختلاف سے پاک کلام وہی ہو سکتا ہے جو ایک علیم و خبیر ہستی کی طرف سے نازل ہو۔ قرآن مجید میں بھی منافقوں اور مخالفوں کو مخاطب کر کے کہا ہے:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا (نساء ۴: ۸۲) پھر کیا وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے اگر یہ غیر اللہ کیطرف سے ہوتا تو اس میں ضرور اختلاف پاتے۔

## غیب کی خبروں کا اعلان کرنے کے لحاظ سے معجزہ

قرآن مجید غیب کی خبروں سے بھرا پڑا ہے۔ یہ اس امر کا بین ثبوت ہے کہ یہ کتاب ایک ایسی ہستی کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو علیم و خبیر ہے۔ بعض وہ خبریں ہیں جو ماضی سے تعلق رکھتی ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان خبروں کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ بعض وہ خبریں ہیں جو مستقبل سے تعلق رکھتی ہیں۔

## بائبل کی تحریف

قرآن مجید نے بائبل میں تحریف و تغیر کا دعویٰ اس وقت کیا جب دنیا اس علمی حقیقت سے ناآشنا تھی۔ آج دنیا کے تمام محققین نے اس امر کا اعتراف کر لیا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ وَقَدْ کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ یَسْمَعُوْنَ کَلٰمَ اللّٰہِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَہٗ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْہُ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ (بقرہ ۲: ۷۵) پس کیا تم امید رکھتے ہو کہ وہ تمہاری بات مان لیں گے اور ان میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اللہ کے کلام کو سنتا ہے پھر سمجھ لینے کے بعد اس کو بدل دیتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے۔

پادری دیری اخبار نور افشاں لدھیانہ جلد ۲ نمبر ۲۸ صفحہ ۱۲۳ کالم ۲ مورخہ ۶ جولائی ۱۸۷۴ء میں لکھتا ہے۔

"جعلی انجیلوں کے موجود ہونے سے ہم ناواقف نہیں ہیں، بلکہ جن جعلی انجیلوں کا ہارن صاحب نے اپنی تصنیف میں حوالہ دیا ہے۔ وہ ہمارے پاس بھی موجود ہیں۔ ان کو بعض بدعتی عیسائیوں نے مروج کرنا چاہا تھا، مگر وہ اپنے فاسد ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکے۔"

پادری موشیم اپنی تاریخ کلیسا مطبوعہ ۱۸۶۰ء جلد دوم صفحہ ۳۶ پر لکھتا ہے۔

"متعدد وجوہ ایسے تھے جن کے باعث ضرورت محسوس ہوئی کہ پہلی صدی عیسوی میں

مروجہ انجیلوں کو ایک نسخہ میں جمع کر دیا جائے۔ دنیا میں بہت سی ایسی تحریریں پھیل گئی تھیں جن پر پاک پیغمبروں کے نام بطور مصنفین درج کر دیئے گئے تھے۔"

رومن تواریخ کلیسا مطبوعہ مرزاپور ۱۸۵۶ء صفحہ ۱۰ لکھا ہے۔

" بہت سے مسیحی کتابیں خود بخود کسی حواری مسیح یا حواری مسیح کے کسی خادم یا کسی بڑے اسقف کے نام سے مشہور کر دیتے تھے۔ ایسی جعلی کارروائیاں تیسری صدی عیسوی سے شروع ہوئیں اور کئی سو برس تک جاری رہیں۔ یہ نہایت ہی خلاف حق اور قابل شرم حرکت تھی۔"

ہارن صاحب اپنی تفسیر بائبل مطبوعہ لندن ۱۸۲۳ء جلد دوم صفحہ ۳۳۱ پر لکھتا ہے۔

" بلاشبہ بعض تحریفیں جان بوجھ کر ان لوگوں نے کی ہیں جو دین دار، پرہیزگار اور راہب تھے۔ غضب یہ ہے کہ بعد میں انہی تحریفات کے سچا ہونے پر اصرار کیا جاتا تھا، تاکہ اپنے مطلب دیں یا اپنے پر کوئی اعتراض نہ آنے دیں۔"

## فرعون کی لاش کے متعلق خبر

قرآن مجید نے فرعون موسیٰؑ کی لاش کے متعلق یہ خبر دی تھی کہ وہ موجود ہے۔ یہ اس زمانہ کی خبر ہے جب کسی کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ فرعون کی لاش محفوظ و مصئون ہوگی۔ ارشاد الٰہی ہے۔ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ (یونس ۱۰: ۹۲) ہم تیری لاش کو باہر نکال دیں گے تاکہ تو ان کے لیے جو تیرے پیچھے ہیں نشان رہے اور بہت سے لوگ ہمارے نشانوں سے بے خبر ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابل پر جو فرعون تھا اس کا نام رعمیسس ثانی تھا۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا میں مضمون ممی کے تحت لکھا ہوا ہے کہ رعمیسس ثانی کی لاش مصالح کے ذریعہ محفوظ ہے۔

## قوت دلائل کے لحاظ سے معجزہ

قرآن مجید کا نام بیّنہ ہے، جس کے معنی ہیں واضح اور کھلی دلیل۔ ارشاد الٰہی ہے: فَقَدْ جَاءَكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ (الانعام ۶: ۱۵۷) یقیناً تمہارے پاس تمہارے خدا کی دلیل آچکی ہے۔ قرآن کا قاری آسانی سے یہ جان سکتا ہے کہ قرآن مجید ہر دعویٰ کو دلائل و براہین قاطعہ کے ساتھ منواتا ہے۔

## ۲۔ نسل انسانی کی وحدت کا پیغام

قرآن مجید ہی ایک ایسی آسمانی کتاب ہے جو نسل انسانی کی وحدت کا پیغام دیتی ہے۔ قرآن میں آتا ہے: كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا (یونس ۱۰: ۱۹)

سب لوگ ایک ہی امت ہیں لیکن وہ آپس میں جھگڑتے ہیں۔
دوسری جگہ آتا ہے: اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ (المومنون ۲۳: ۵۲) یہ تمہاری قوم ایک ہی قوم ہے اور میں تمہارا رب ہوں۔

## ۳۔ اکمل ہونے کا دعویٰ

سماوی کتب میں سے قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے جس نے مکمل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ ۵: ۳) آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے تمہارا دین اسلام ٹھہرا کر راضی ہوا ہوں۔
مکمل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کتاب کی تعلیم زندگی کے ہر شعبہ کی راہنمائی کرتی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام ۶: ۳۸) یعنی نوع انسانی کی ضرورت کی کوئی ایسی چیز نہیں جو اس میں بیان نہ ہوئی ہو۔
دوسری جگہ آتا ہے: فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (۹۸: ۳) یعنی اس قرآن میں بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے علوم اولین و آخرین درج ہیں۔

## ۴۔ تکریم انسانیت

جو بلند مقام قرآن مجید نے انسان کو دیا ہے، کسی دوسری کتاب نے نہیں دیا۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ۔ اور ہم نے نوع انسان کو قابل تکریم بنایا ہے۔
اس کے برعکس ہندو اچھوتوں کو انسانیت کا درجہ دینے کو تیار نہیں۔ یہود غیر یہود کو بے دین کافر کہتے ہیں۔ انجیل غیر بنی اسرائیلیوں کو کتا اور سؤر کا نام دیتی ہے۔ غرض کہ ہندوؤں، یہودیوں اور عیسائیوں کے نزدیک غیر اقوام بے دین، پلید، سؤر اور کتے ہیں۔ قرآن مجید کا دنیا پر یہ ایک بڑا احسان ہے کہ اس نے تمام انسانوں کو انسانیت کے دائرہ میں داخل کر سب کو قابل تکریم قرار دیا ہے

## ۵۔ قرآن پہلی کتب کا مصدق ہے

قرآن مجید ہی ایک ایسی آسمانی کتاب ہے جو پہلی آسمانی کتب کی تصدیق کرتی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ (بقرہ ۲: ۴۱) یعنی، ایمان لاؤ جو میں نے اتارا اس کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس ہے۔ اس آیت کریمہ میں بنی اسرائیل کی کتب کی تصدیق ہے۔
دوسری جگہ آتا ہے: مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ (المائدہ ۵: ۴۸) قرآن مجید اس سے قبل تمام کتب منزلہ کی تصدیق کرتا ہے۔

**۶۔ قرآن پہلی شرائع کو منسوخ کرتا ہے**

قرآن مجید میں آتا ہے: مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا (البقرہ ۲: ۱۰۶) یعنی جو پیغام ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا اسے فراموش کرا دیتے ہیں۔ تو اس سے بہتر یا اس جیسا لے آتے ہیں۔

اس آیت کے سیاق و سباق سے ظاہر ہے کہ یہاں یہود یا شرائع سابقہ کے متبعین مخاطب ہیں۔ اس وجہ سے آیت سے مراد شرائع سابقہ ہیں۔

آیت کا لفظ رسالت اور پیغام کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

**۷۔ عالمگیر ہونے کا دعویٰ**

کسی آسمانی کتاب نے عالمگیر ہونے کا دعویٰ نہیں۔ ایک تو وجہ یہ ہے کہ تمام سابقہ کتب کسی ایک قوم کی راہنمائی کے لیے آتی تھیں، دوم جس زمانہ میں وہ کتب نازل ہوئی تھیں وہ عالمگیر دعوی کا مقتضی نہیں تھا۔ جب قرآن نازل ہوا۔ ایک تو اس نے عالمگیر ہونے کا دعوی کیا، دوم وقت بھی اس کا تقاضا کرتا تھا کہ کوئی ایسی کتاب نوع انسانی کی ہدایت کے لیے نازل ہو جو عالمگیر ہو تاکہ تمام نوع انسانی کو ایک قوم کی طرح بنا دے قرآن مجید میں آتا ہے: اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (یوسف ۱۲: ۱۰۴) یہ کتاب تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سبا ۳۴: ۲۸) اے رسول ہم نے تجھے تمام لوگوں کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

**۸۔ قرآن میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے:**

قرآن مجید اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں راہ اعتدال پر چلنے کی دعا سکھائی ہے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔ (۱: ۶-۷) اے خدا ہمیں سیدھا راستہ دکھا ان لوگوں کا راستہ جن پر تیرے انعام ہوئے ان لوگوں کا راستہ نہ دکھا جن پر تیرا غضب ہوا اور گمراہ ہوئے۔

غیر المغضوب علیہم سے مراد بفحوائے حدیث یہود ہیں۔ انہوں نے ایک نبی کا انکار کر کے تفریط کی راہ اختیار کی۔ ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں۔ جنہوں نے معصوم بندہ کو خدا کا رتبہ دے دیا اور افراط کا راستہ اختیار کیا۔ ایک مسلمان کو افراط اور تفریط کے راستہ سے بچ کر صراط مستقیم یعنی درمیانی راستہ پر چلنے کی دعا سکھائی ہے۔ اسی وجہ سے اُمت مسلمہ کو اُمت وسطی کہا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا (البقرہ ۲: ۱۴۳) اور اس طرح ہم نے تم کو اُمت

وسطیٰ بنایا ہے۔ امت وسطی سے مراد ایسی جماعت ہے جو افراط اور تفریط سے پاک ہونے کی وجہ سے ارفع سے ارفع مقام پر پہنچی ہو۔

## ۹۔ پہلی کتب کے اجمال کو کھولتا ہے

پہلی کتب سماوی میں جو اجمال اور ابہام رہ گیا تھا قرآن مجید ان کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَمَا كَانَ هَٰذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرَىٰ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ (یونس ۱۰: ۳۷) اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ اللہ کے سوا اوروں کا افترا ہو اس کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے ہے اور کتاب کی تفصیل ہے جس میں کوئی شک نہیں جہانوں کے رب کی طرف سے ہے۔

اس آیت میں قرآن مجید کی دو شانیں بیان ہوئی ہیں۔

۱۔ تصدیق بین یدیہ ۔ ۲۔ تفصیل کتاب

دوسری جگہ آتا ہے: الٓرٰ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ وَقُرْآنٍ مُبِينٍ (الحجر ۱۵: ۱) میں اللہ دیکھنے والا ہوں یہ کتاب کی آیات ہیں اور قرآن کی جو کھول کر بیان کرنے والا ہے۔

قرآن کے ساتھ مبین کی صفت لاکر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ ان تمام باتوں کو کھول کر بیان کرنے والا ہے جو پہلی کتب میں اجمال کے طور پر بیان ہوئی تھیں۔ مثلاً مسئلہ معاد، صفات الٰہیہ، ربوبیت باری تعالیٰ وغیرہ۔

## ۱۰۔ دعوی کے ساتھ دلیل

قرآن مجید کسی دعویٰ کو بغیر دلیل کے نہیں منواتا۔ اس وجہ سے شروع میں ہی قرآن مجید نے "لَا رَيْبَ" کہہ کر قارئین کی توجہ اس طرف پھیر دی ہے کہ دعوی کے ساتھ دلائل و براہین ہوں گے، جس کی وجہ سے شک و ابہام کی گنجائش نہیں رہے گی۔ یہ کتاب انسانی فطرت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر قسم کے دلائل دیتی ہے تاکہ شک و شبہ کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ مثلاً قرآن مجید نے اللہ کی ہستی منوانی ہے، تو انسانی فطرت کو مدنظر رکھ کر تین قسم کے دلائل پیش کرتا ہے۔

۱۔ مادی دلیل کائنات سے اخذ کی گئی ہے۔

۲۔ داخلی دلیل نفس انسانی کا داخلی تجربہ ہے۔ کیونکہ ہر انسان کے اندر ایک روشنی ہے جو اس کو بتاتی ہے کہ اس سے اوپر ایک غالب ہستی ہے۔

۳۔ روحانی دلیل وحی الٰہیہ سے اخذ ہوتی ہے۔ جب انسان نیک راہوں پر چل کر خدا سے مشرف بکلام ہوتا ہے۔

دوسری مذہبی کتب اپنے پیش کردہ عادی کے ثبوت کے لیے انسانوں کی محتاج

ہوتی ہیں۔

## ۱۱۔ عقائد باطلہ کی تردید

قرآن مجید میں آتا ہے: مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (النحل ۱۶: ۶۴) ہم نے اس کتاب کو تجھ پر اس لیے نازل کیا ہے تاکہ جو عقائد باطلہ عقول ناقصہ کی وجہ سے پیدا ہو گئے ہیں ان سب کا رد کیا جائے، ایمان داروں کے لیے ہدایت اور رحمت کا موجب ہے۔

تمام مذاہب عالم کے عقائد باطلہ کی فہرست تیار کرنا، پھر ان کا رد از روئے قرآن بیان کرنا طویل کام ہے اور نہ یہاں گنجائش ہے۔ یہاں صرف چند ایک مشہور مذاہب کے بڑے بڑے عقائد باطلہ کا رد بیان کیا جاتا ہے۔

## کفارہ کا رد

عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ رحم بلا بدل نہیں کر سکتا، اس لیے بیٹا (عیسیٰ) انسانوں کے گناہوں کے معاوضہ کے طور پر صلیب پر چڑھ گیا۔ اب جو بھی کفارہ پر ایمان لے آئے گا وہ نجات کا مستحق ہو جائے گا۔

قرآن مجید میں کفارہ کے رد میں آتا ہے: لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (الزمر ۳۹: ۷) کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ پھر تم نے اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے پس وہ تمہیں اس کی خبر دے گا جو تم کرتے ہو وہ سینوں کی بات جاننے والا ہے۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ کوئی بھی دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، تمام انسان خود اپنے گناہوں کے ذمہ دار ہوں گے۔

## عقیدہ تثلیث کا رد

یہ بھی عیسائیوں کا عقیدہ ہے۔ اس عقیدہ کی رد میں قرآن مجید میں آتا ہے۔ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (النساء ۴: ۱۷۱) پس اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور مت کہو۔ خدا تین ہیں اس سے رک جاؤ تمہارے لیے بہتر ہے اللہ صرف ایک ہی معبود ہے۔

## عقیدہ ابنیت کا رد

یہ یہود اور عیسائیوں کا عقیدہ ہے۔ یہود نے عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا بنا لیا تھا اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو۔ اس کے رد میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا (مریم ۱۹: ۹۲)

خدائے رحمان کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ بیٹا بنائے۔

## عقیدہ ثنویت کا رد

یہ عقیدہ زرتشت مذہب کا ہے۔ وہ دو خدا اہرمن اور یزدان کے قائل ہیں۔ اس کے رد میں قرآن مجید فرماتا ہے: وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (النحل ۱۶:۵۱) اور اللہ نے کہا کہ دو معبود مت بناؤ وہ صرف اکیلا ہی معبود ہے۔

## عقیدہ تناسخ

یہ عقیدہ ہندوؤں کا ہے۔ اس عقیدہ کی رو سے خدا گناہ معاف نہیں کر سکتا۔ اس وجہ سے ایک انسان کو اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لیے مختلف جونوں میں تبدیل ہونا پڑتا ہے۔ قرآن مجید نے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (جزا کے وقت کا مالک) ہیں اس عقیدہ کا رد کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مالک کا لفظ بجائے ملک کے اس لیے اختیار کیا ہے کہ ملک محدود اختیارات کا حاکم ہوتا ہے، وہ کسی مجرم کو چھوڑ نہیں سکتا۔ مالک کے اختیارات وسیع ہیں، جسے چاہے معاف کر دے۔ پس خدا تعالیٰ جزا و سزا کے دن جسے چاہے معاف کر سکتا ہے۔ پھر قرآن مجید میں آتا ہے: غافر الذنب وقابل التوب (۴۰:۳) یعنی اللہ گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔

## روح و مادہ کی ابدیت کا عقیدہ

یہ عقیدہ ہندو مذہب کا ہے۔ اس عقیدہ کی رو سے خدا کی صفات میں شرک لازم آتا ہے قرآن مجید نے ایک جگہ نہیں بے شمار جگہوں پر ہر قسم کے شرک کا رد کیا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (آل عمران ۳:۶۴) یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب بنائے۔

سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کو رب العالمین کہا ہے۔ رب کا لفظ استعمال کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں کوئی شریک نہیں، وہ مادہ اور روح کا بھی رب ہے۔ اس وجہ سے یہ خدا کی کسی صفت میں شریک نہیں ہو سکتے۔

# سُنت اور حدیث

اسلامی تعلیمات کا دوسرا ماخذ سنت اور حدیث ہے۔ سنت کے معنی لغت میں طریقہ، قاعدہ

یا کسی کا مذہب یا زندگی کا اسلوب ہے۔ قرآن مجید اور حدیث میں یہ لفظ انہی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ سُنَّةَ الْاَوَّلِین یعنی لوگوں کا طریقہ۔ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ (سورۃ الاحزاب ۳۳ : ۶۲) یہ اللہ کا طریقہ ہے ان لوگوں کے بارے میں جو گزر چکے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِی۔ یعنی تم پر یہ لازم ہے کہ میرے طریقہ زندگی کو اختیار کرو۔

عرب لوگ لفظ سنت کو ظہور اسلام سے قبل بھی اسی معنی میں استعمال کرتے تھے۔

**اصطلاحی معنی** سُنت سے مراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فعلی روش ہے، جو اپنے اندر تواتر کا رنگ رکھتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام الٰہی پر خود عمل کیا۔ پھر صحابہؓ نے دیکھ کر وہ کام کیا۔ اس کے بعد نسلاً بعد نسل تواتر کے ساتھ وہ عمل ہم تک پہنچا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نماز کا حکم دیا، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے اس حکم کو اپنے عمل سے بیان کیا کہ فجر کی نماز کیسے پڑھنی چاہیئے، ظہر کی نماز کیسے پڑھنی چاہیئے، عصر کی نماز کیسے پڑھنی چاہیئے، مغرب اور عشاء کی نمازیں کس طرح پڑھنی چاہئیں۔ پس وہ عملی نمونہ جو اب تک اس امت میں جاری ہے اسی کا نام سنّت ہے۔

**حدیث** حدیث کا لفظ تحدیث سے اسم ہے۔ تحدیث کے معنی خبر دینا ہے۔ ظہور اسلام سے پہلے بھی عرب حدیث کے لفظ کو اخبار کے معنی میں استعمال کرتے تھے۔ مثلاً وہ اپنے مشہور ایام کو احادیث کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ عربی محاورہ ہے: صَارَ حَدِیْثًا یعنی فلاں چیز ضرب المثل بن گئی۔

قرآن مجید نے بھی اسی مفہوم میں اس لفظ کو استعمال کیا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِهٖ (سورۃ الطور ۵۲ : ۳۴)

دوسری جگہ آتا ہے: اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا (سورۃ زمر ۳۹ : ۲۳)

بعض علماء کے نزدیک حدیث میں جدت کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔

**اصطلاحی معنی** حدیث سے مراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اقوال ہیں — جو راویوں کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں۔

**تدوین و حفاظت حدیث** تدوین اور حفاظت حدیث مختلف پانچ ادوار میں سے گزری ہے۔

## پہلا دور

حدیث کی حفاظت اور تدوین کی اساس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں ابلاغ (دوسروں تک زبانی پہنچانا) اور کتابت پر رکھ دی گئی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
الا لیبلغ الشاھد الغائب فلعل من یبلغہ ان یکون اوعی لہ من بعض سمعہ
(بخاری شریف جلد ۲ صـ۵۳) حاضر غائب کو میری باتیں پہنچا دے۔ بعض وہ لوگ جن تک میرا کلام پہنچایا جائے ہو سکتا ہے۔ وہ ان لوگوں سے زیادہ یاد محفوظ رکھنے والے ہوں جنہوں نے مجھ سے سنا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں وفد عبدالقیس آیا۔ آپؐ نے اس کے سامنے نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ کے احکام بیان فرمائے اور فرمایا: احفظوہ واخبروا من وراءکم یعنی اسے یاد کرو اور جنہیں تم نے پیچھے چھوڑا ہے۔ ان کو اس کی خبر دو۔

ایک اور موقع پر ابلاغ حدیث کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: نضّر اللہ عبدًا اسمع مقالتی فحفظھا ووعاھا وادّاھا کما سمع (مشکوۃ المصابیح صـ۲۸) اللہ تعالیٰ اس بندے کو خوش وخرم رکھے جس نے میری باتوں کو سنا اور یاد کر کے محفوظ رکھا، جس طرح سنا اسی طرح دوسروں تک پہنچا دیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کی نشر و اشاعت کے لیے لکھنے کا بھی حکم دیا تھا۔
حضرت عبداللہ بنؓ عمرو کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم کو مقید کر لو۔
حضرت عبداللہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ مقید کرنے کا کیا مطلب ہے؟ آپؐ نے فرمایا: لکھنا۔
(مجمع الزوائد صـ۱۵۲)

سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بنؓ عمرو کی روایت ہے کہ میں جو کچھ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتا تھا لکھ لیتا تھا تاکہ میں اس کو یاد رکھ سکوں۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ مجھ سے زیادہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو کوئی محفوظ نہیں رکھتا تھا۔ سوائے عبداللہ بنؓ عمرو کے، کیوں کہ وہ لکھ لیا کرتا تھا اور میں نہیں لکھتا تھا۔ (بخاری ۳: ۳۹)

## عہد نبوی کا تحریری سرمایہ

عہد نبوی میں حدیث کے تحریری سرمایہ کو تین حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:۔

۱۔ احادیث کا وہ ذخیرہ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے احاطہ تحریر میں لایا گیا۔
۲۔ وہ ذخیرہ جو صحابہ کرام نے قلمبند کیا، پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تصحیح

کی غرض سے پیش کیا۔

۳۔ وہ ذخیرہ جو صحابہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سُن کر یا صحابہ کرام سے پوچھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی لکھ لیا۔ تینوں قسم کے تحریری سرمایہ کے متعلق مختصراً لکھا جاتا ہے۔

عبداللہ بن حکیم سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تحریر ہمارے قبیلہ جہنیہ کے پاس پہنچی۔ جس میں مختلف احادیث تھیں، اور ان میں یہ حدیث بھی تھی کہ مُردہ جانوروں کی کھال اور پٹھے بغیر دباغت کے کام میں نہ لاؤ۔ (ترمذی جلد ۱ ص ۲۰۶)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تحریر لکھوا کر عمرؓ بن حزم کے ذریعہ اہل یمن کے پاس بھیجی۔ اس میں فرائض سنن اور خوں بہا کے متعلق مسائل تھے۔ (شرح معانی الآثار طحاوی جلد ۲ ص ۴۱۷)

فتح مکہ کے دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس کے متعلق حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ ابوشاہؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یہ خطبہ میرے لیے لکھوا دیا جائے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ یہ خطبہ ان کو لکھ کر دیا جائے۔ (ابوداؤد جلد ۳ باب کتابت العلم ص ۲۵۷)

حضرت وائلؓ ابن حجر مدینہ حاضر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور کچھ عرصہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے۔ جب گھر واپس جانے لگے تو آپؐ نے ایک صحیفہ لکھوا کر دیا۔ جس میں نماز، روزہ، شراب، سود کے احکام تھے۔ (طبرانی صغیر ص ۲۴۱، ۲۴۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں اپنے عاملوں کے پاس بھیجنے کے لیے کتاب الصدقہ تحریر کروائی تھی۔ لیکن وہ ابھی بھیجی نہیں گئی تھی کہ آپؐ کا انتقال ہو گیا۔ آپؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے وہ کتاب عاملوں کے پاس بھیجی تھی۔ اس کتاب میں جانوروں کی زکوٰۃ کے متعلق مسائل تھے (ترمذی جلد ۱ ص ۷۹)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب و عجم کے بادشاہوں اور امراء کو تبلیغی خطوط لکھے، جن کا ذکر احادیث میں موجود ہے۔ ایک خط مقوقس شاہ مصر کو لکھوا کر بھیجا گیا تھا۔ یہ خط مصر کے آثار قدیمہ کی کھدائی میں برآمد ہوا تھا۔ وہ آج بھی مصر میں موجود ہے۔ اس کی عبارت کتب احادیث کی روایت سے حیرت انگیز مطابقت رکھتی ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ کے پاس ایک لکھا ہوا احادیث کا مجموعہ تھا۔ حضرت معبد بن ہلال کی روایت ہے کہ جب احادیث کے متعلق ہم لوگ حضرت انسؓ سے زیادہ استفسار کرتے

تو حضرت انسؓ ایک چونگا نکال لاتے اور فرماتے: یہ وہ احادیث ہیں جنہیں میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر لکھا اور پھر آپؐ کی خدمت میں تصدیق اور توثیق کے لیے پیش کی تھیں۔

صحابہ کرامؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیٹھ جاتے اور حدیثیں لکھ لیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت ہے: بینما نحن حول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکتب (دارمی صفحہ ۶۸) ہم سب لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھ جاتے اور حدیث لکھ لیتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت ہے کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کہا: میرا خیال ہے کہ میں احادیث کی روایت کروں۔ اگر اجازت ہو تو احادیث یاد کرنے کے ساتھ لکھ بھی لیا کروں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اگر میری حدیث ہے تو تم کو لکھنے کی اجازت ہے۔ (دارمی صفحہ ۶۷)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ جو کچھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتا تھا لکھ لیا کرتا تھا۔ (ابوداؤد جلد ۳ صفحہ ۳۵۶)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے اسی تحریری مجموعہ احادیث کا نام صادقہ رکھا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے: فاما الصادقة صحیفة کتبتُها من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یعنی صادقہ وہ مجموعہ احادیث ہے جس کو میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر لکھا تھا۔

ما یرغبنی فی الحیٰوۃ اِلّا الصادقة۔ یعنی مجھے دنیا میں صادقہ سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہے۔

حضرت رافع بن خدیجؓ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہم لوگ آپؐ سے بہت سی باتیں سنتے ہیں اور ان کو لکھ لیتے ہیں، اس کے متعلق آپؐ کا کیا ارشاد ہے؟ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: لکھا کرو، اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۲۲۳۔ مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۱۵۱)

حضرت علیؓ کے پاس ایک لکھا ہوا صحیفہ تھا۔ اس میں خون بہا، اسیروں کی رہائی، زکوٰۃ اور دوسرے موضوع سے متعلق احادیث تھیں۔ (بخاری شریف باب کتابت العلم صفحہ ۳۳)

اور حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے: ما کتبنا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا القرآن وما فی ھذہ الصحیفة۔ یعنی ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز نہیں لکھی مگر قرآن کریم اور جو کچھ اس صحیفہ میں ہے۔

حضرت حسن بن عمر کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ کے سامنے ایک حدیث بیان کی۔ انہوں نے اس کا انکار کر دیا۔ میں نے کہا کہ یہ حدیث تو میں نے آپ سے سنی ہے حضرت ابوہریرہؓ نے جواب دیا اگر تم نے مجھ سے سنی ہوگی تو وہ میرے پاس لکھی ہوتی ہوگی۔ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور مجھ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی بہت سے کتابیں دکھائیں تلاش سے میری بیان کردہ حدیث ان کتابوں میں مل گئی تو حضرت ابوہریرہؓ نے کہا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ اگر وہ حدیث میں نے روایت کی ہوگی۔ تو میرے پاس لکھی ہوتی ہوگی ۔

(فتح الباری جلد ۱ صـ۱۴۵)

ان تاریخی شواہد سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی حفاظت تحریری صورت میں آپؐ کے عہد میں ہی شروع ہو گئی تھی۔

## دُوسرا دور

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں احادیث کی کتابت اور عام شہرت شروع ہو گئی۔ صحابہ کرام کے تحریری مجموعوں سے دوسرے لوگوں نے لکھنا شروع کر دیا۔ اور خلفاء نے جو بھی کوئی فیصلہ کرنا ہوتا تھا وہ قرآن اور فرمان رسولؐ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس طرح حدیث ایک ہاتھ سے نکل کر عوام کا سرمایہ بن جاتی تھی۔

حضرت ابوہریرہؓ کے متعلق بشیر بن نہیک کا بیان ہے کہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے حدیث کی کتابیں مانگ کر نقل کر لیا کرتا تھا۔ پھر انھیں سناتا تھا اور عرض کرتا کہ ان حدیثوں کو آپ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے؟ جواب دیتے ہاں۔ (دارمی صـ۶۸)

حضرت عکرمہؒ روایت کرتے ہیں کہ جس زمانہ میں حضرت عبداللہؓ بن عباس کی بینائی کمزور ہو گئی تھی اور وہ خود پڑھ نہیں سکتے تھے، اس زمانہ میں طائف کے کچھ لوگ حضرت ابن عباس کے پاس لکھے ہوئے حدیث کے چند نسخے لے کر پہنچے، تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تم لوگ خود سناؤ اور تمہارا سنانا اور میرا پڑھنا جواز روایت کے لیے دونوں یکساں ہیں، (ترمذی جلد ۲ صـ۳۳۸ طحاوی جلد ۲ صـ۳۸۴)

اسی خیال کی تائید دارمی کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ سعیدؒ بن جبیر ابن عباسؓ کے پاس بیٹھ کر صحیفوں میں حدیثیں لکھتے تھے۔ (دارمی صـ۶۹)

حضرت انسؓ نے اپنے بچوں کو مخاطب کر کے فرمایا: یَا بُنَیَّ قَیِّدُوا هٰذَا الْعِلْمَ۔ اے میرے بچو! اس علم کو لکھ لو۔ (دارمی صـ۶۸)

خلفاء راشدین کے پاس ہر روز مختلف قسم کے مقدمے آتے تو خلفاء راشدین فیصلہ

کرنے کے لیے قرآن اور احادیث نبویؐ کی طرف رجوع کرنے۔ اس طرح حدیث ایک سینہ سے نکل کر منظر عام پر آکر شہرت پکڑ جاتی۔

قبیصہؓ کی روایت ہے کہ ایک فوت شدہ شخص کی دادی حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئی اور ورثہ سے حق کا دعویٰ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ نہ اللہ کی کتاب سے اور نہ سنت رسولؐ سے آپ کو حق ملتا ہے۔ لیکن جب دوسروں سے پوچھا تو مغیرہؓ نے گواہی دی کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو چھٹا حصہ دیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان سے گواہ طلب کیا۔ محمدؓ بن مسلمہ نے مغیرہؓ کے بیان کی تصدیق کی۔ اس بنا پر حضرت ابوبکرؓ نے دادی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

حدیث کے درس و تدریس کا سلسلہ بڑے بڑے صحابہ کے گھروں پر جاری ہو گیا، حضرت ابوہریرہؓ کے آٹھ ہزار شاگرد تھے۔ حضرت عبداللہؓ بن عباس، حضرت عبداللہؓ بن عمر، حضرت عبداللہؓ بن عمرو، حضرت انسؓ بن مالک کے گھر درسگاہیں بنی ہوئی تھیں۔

صحابہ کرام نے ایک ایک حدیث کے سننے کے لیے سینکڑوں میل سفر اختیار کیے۔ جابرؓ بن عبداللہ نے مدینہ سے شام تک محض ایک حدیث سننے کے لیے سفر اختیار کیا۔ (فتح الباری ابوالفضل شہاب الدین جلد ۱ صـ۱۵۵)

**تیسرا دور** تیسرا دور تابعین کا دور ہے۔ اکابر تابعین نے احادیث کی تدریس کے لیے درسگاہیں قائم کر دیں۔ تمام لوگ درس گاہوں کی طرف رجوع کرتے۔ حدیث کے جواہر پاروں سے جھولیاں بھر بھر کر واپس وطنوں کو لوٹتے تھے۔

اس دور میں لکھنے کا عام رواج ہو چکا تھا۔ لوگ درس گاہوں میں جاتے اور حدیثوں کو لکھ لیتے تھے۔

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے مدینہ کے گورنر ابوبکرؓ بن محمد بن عمر بن حزم کو لکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث ملے اس کو لکھ لیا کرے، میں ڈرتا ہوں کہ کہیں علم مٹ نہ جائے اور علماء فنا نہ ہو جائیں۔ مجالس قائم کریں، تاکہ جو شخص نہیں جانتا وہ بھی جان لے۔ (بخاری کتاب العلم کیف یقبض العلم)

**چوتھا دور** اس دور میں احادیث کے تحریری مجموعے منظر عام پر آنا شروع ہو گئے سب سے پہلے جس شخص نے حدیث کی کتاب لکھی وہ امام عبدالملکؒ بن عبدالعزیز ابن جریج (م ۱۵۰ھ) ہیں۔ بعض کے نزدیک ربیعؒ بن صبیح (م ۱۶۰ھ) نے سب سے پہلے حدیث کی کتاب لکھی۔ ایک اور روایت کی رو سے سعیدؒ بن ابی عروبہ (م ۱۵۶ھ) نے۔

ان محدثین کے سن وفات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ احادیث کا کتابی صورت میں لکھا جانا دوسری صدی کے نصف کے قریب قریب ہو چکا تھا۔

ان محدثین کے علاوہ حسب ذیل محدثین نے علم حدیث کی خدمت سرانجام دی، مدینہ میں محمد بن اسحاق (م ۱۵۱ھ)، امام مالک بن انس (م ۱۷۹ھ) کوفہ میں سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ) شام میں امام اوزاعی (م ۱۵۶ھ) یمن میں معمر (م ۱۵۳ھ) خراسان میں عبداللہ بن المبارک (م ۱۸۱ھ) مصر میں لیث بن ثابت (م ۱۷۵ھ)۔

**پانچواں دور** پانچواں دور علم حدیث کا سنہری دور کہلاتا ہے جس میں احادیث کی کتابی صورت میں تدوین کی تکمیل ہوئی۔ اہل سنت والجماعت کی چھ معتبر کتب حدیث اسی دور میں مرتب ہوئیں، جن کا ذکر آگے آئے گا۔

# صحاح ستہ

**الجامع الصحیح** اس کتاب کا اصل نام ہے۔ الجامع الصحیح المسند من حدیث رسول اللہ وسننہ وایامہ۔ اس کے جامع محمد ابن اسمعیل بخاری ہیں۔ امام بخاری کی ولادت بخارا میں ۱۹۴ھ میں ہوئی۔ بچپن میں ہی والد کا انتقال ہو گیا اور ماں نے تربیت کی۔ دس سال کی عمر میں حدیث یاد کرنا شروع کی اور بچپن میں ہی عبداللہ بن مبارک کی تصانیف حفظ یاد کر لیں۔ بخارا میں محمد بن سلام سے، بلخ میں مکی بن ابراہیم سے، بغداد میں عفان سے، مکہ میں المقری سے، بصرہ میں ابو عاصم سے، کوفہ میں عبداللہ بن موسیٰ سے، شام میں ابی المغیرہ سے، عسقلان میں آدم سے، حمص میں ابوالیمان سے، دمشق میں ابو مسہر سے حدیث کا علم حاصل کیا۔

حضرت امام بخاری کا حافظہ بلا کا تھا۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ مجھ کو ستر ہزار سے زیادہ حدیثیں صحابہ اور تابعین جن کی میں نے حدیث قبول کی ہے ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہے کہ مجھ تاریخ ولادت، جائے پیدائش، وفات اور وطن کا علم نہ ہو۔ اور جس کسی صحابی یا تابعی کی بیان کرتا ہوں میرے پاس اس کی اصل موجود ہوتی ہے۔ (تاریخ خطیب بغدادی

زیادہ طلبہ نے صحیح بخاری آپ سے سنی۔ سولہ سال کے عرصہ میں اس کتاب ہر حدیث کو درج کرنے سے پہلے غسل کرتے، دو رکعت نماز پڑھتے،

اس کتاب کے مسودہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اور منبر کے درمیان بیٹھ کر صاف کیا۔
صحیح بخاری میں مکرر احادیث کی تعداد سات ہزار دو سو پچھتر ہے۔ اگر مکررات کو حذف کر دیا جائے تو تعداد چار ہزار رہ جاتی ہے۔
امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں "کتاب اللہ کے بعد بخاری اور مسلم صحیح ترین کتب ہیں" (فتاوی ابن تیمیہ مصر ج ۲ ص ۱۹۴)

**شرائط بخاری**

۱۔ راوی مسلم ہو، صادق ہو، مدلس نہ ہو، مختلط نہ ہو، صفت عدالت سے متصف ہو، ضابط ہو، سلیم الذہن ہو، قلیل الوہم ہو، صحیح الاعتقاد ہو۔

۲۔ امام بخاری نے دوسرے محدثین کی طرح کسی ایسے راوی کی حدیث قبول نہیں کی جس کی اپنے شیخ سے ملاقات ثابت نہ ہو۔ امام صاحب صرف ہم عمر ہونا ہی کافی نہیں سمجھتے تھے بلکہ دونوں کی ملاقات ضروری خیال کرتے تھے۔

صاحب کشف الظنون نے بخاری کی ۸۲ شرحوں کا ذکر کیا ہے۔ سب سے زیادہ مشہور ابن حجر کی فتح الباری ہے۔

امام صاحب کی دیگر تصانیف تاریخ کبیر، تاریخ اوسط، تاریخ صغیر، کتاب الکنی، کتاب الادب المفرد، کتاب الضعفاء ہیں۔

آپ کی وفات ۲۵۶ھ خرتنگ میں ہوئی۔

**صحیح مسلم**

صحیح مسلم حافظ مسلم بن الحجاج القشیری کی تصنیف ہے۔ آپ کی کنیت ابوالحسین ہے۔ امام صاحب کی پیدائش ۲۰۴ھ میں ہوئی۔ علم حدیث کی تحصیل کے لیے حجاز، عراق، شام، مصر، بغداد اور دوسرے بلاد اسلامیہ کا سفر اختیار کیا۔ یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری اور امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ جیسے جلیل القدر آئمہ حدیث سے استفادہ کیا۔

صحیح مسلم میں مکرر احادیث سمیت کل احادیث کی تعداد ۷۲۷۵ اور مکررات کے [illegible] تقریباً چار ہزار ہیں۔

امام صاحب نے اپنی تالیف میں انہی احادیث کو درج کیا جس کے راوی اپنے کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر دور اور ہر طبقہ میں کم از کم دو اشخاص ہو علاوہ امام صاحب نے راوی کے لیے صرف عادل ہونا ہی ضروری قرار شہادت کو بھی ضروری قرار دیا ہے۔

اسی وجہ سے حافظ ابوعلی نیشاپوری صحیح مسلم کے متعلق لکھتے ہیں: ما تحت ادیم السماء اصح من کتاب مسلم: یعنی روئے زمین پر مسلم سے بڑھ کر کوئی کتاب زیادہ صحیح نہیں۔

صحیح مسلم کی صحت اور مقبولیت پر ابوعلی زاغونی کا ایک کشف بھی ہے۔ ابوعلی کو ایک شخص نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کونسی چیز آپ کی نجات کا ذریعہ بنی ہے۔ زاغونی نے جواب دیا کہ مجھ کو ان اوراق کے ذریعہ نجات ملی ہے۔ جو میرے ہاتھ میں ہیں۔ وہ اوراق صحیح مسلم کے تھے۔۔۔۔۔۔

صحیح مسلم کی مشہور شرحیں اکمال المعلم قاضی عیاض، منہاج المحدثین فی شرح مسلم بن الحجاج امام نووی اور الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج امام سیوطی کی ہیں۔

امام صاحب نے صحیح مسلم کے علاوہ کتاب العلل، کتاب اوہام المحدثین، کتاب من لیس لہ الا راد واحد، طبقات التابعین، کتاب المخضرمین، کتاب المسند الکبیر تصنیف کی ہیں۔

امام صاحب کی وفات ۲۶۱ھ میں نیشاپور میں ہوئی۔

## سنن ابی داؤد

سنن ابی داؤد کے مولف ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی ہیں ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے۔ علم حدیث کی تحصیل میں عراق، خراسان، شام، مصر، الجزیرہ، حجاز اور دوسرے اسلامی بلاد کا سفر اختیار کیا۔ امام بخاری اور امام مسلم کے شیوخ و اساتذہ مثلاً امام احمد بن حنبل، عثمان بن ابی شیبہ اور قطبہ بن سعید سے حدیث کی سماعت کی۔

حافظ موسیٰ بن ہارون محدث نے فرمایا: خلق ابوداؤد فی الدنیا للحدیث وفی الآخرۃ للجنۃ۔ یعنی ابوداؤد دنیا میں حدیث کے لیے اور آخرت میں جنت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔

ابراہیم حربی نے سنن ابی داؤد کے متعلق فرمایا کہ ابوداؤد کے لیے علم حدیث اللہ تعالیٰ نے ایسا نرم کر دیا ہے جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا نرم ہوا تھا۔

امام صاحب نے امام احمد بن حنبل کی خدمت میں سنن پیش کی تو انہوں نے بہت پسند فرمایا۔

امام صاحب کو پانچ لاکھ حدیثیں یاد تھیں۔ انہی میں سے انتخاب کر کے سنن کو مرتب کیا اور اس میں چار ہزار آٹھ سو حدیثیں درج کیں۔

سنن ابی داؤد کی مشہور شرحیں معالم السنن مصنفہ ابوسلیمان احمد بن ابراہیم الخطابی۔ (م ۳۸۸ھ) اور المنہل العذب المورود فی شرح سنن ابی داؤد مصنفہ شیخ محمود محمد الخطاب

البسکی مصری (م ۳۵۲ھ) ہیں۔
امام صاحب کی وفات ۱۶ شوال ۲۷۵ھ میں ہوئی۔

**جامع ترمذی** جامع ترمذی کے مولف حافظ ابوعیسی محمد بن موسیٰ ہیں۔ ۲۰۹ھ میں ترمذ میں پیدا ہوئے۔ علم حدیث کی تحصیل کے لیے حجاز، خراسان، بصرہ، کوفہ، رے اور واسط کا سفر اختیار کیا۔ حضرت امام بخاری کے شاگرد ہیں۔ امام ابوداؤد سے بھی سماعت حدیث کی ہے۔ امام صاحب کا قوت حافظہ بلا کا تھا۔ چالیس چالیس حدیثیں ایک دفعہ سُن کر یاد کر لیتے تھے۔ زہد و تقوی میں بے نظیر تھے۔

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے جامع ترمذی کو چار خصوصیات کی وجہ سے دوسری کتب پر فوقیت دی ہے۔۔۔۔

اوّل: اس کی ترتیب عمدہ ہے اور تکرار نہیں۔

دوم: اس میں فقہاء کا مسلک اور اس کے ساتھ ساتھ ہر ایک کا استدلال بھی بیان کیا گیا ہے۔

سوم: اس میں حدیث کے انواع مثلاً صحیح، حسن، ضعیف، غریب، معلل بعلل وغیرہ بیان کیے گئے ہیں۔

چہارم: اس میں راویوں کے نام، ان کے القاب اور کنیت کے علاوہ ان امور کو بھی بیان کیا گیا ہے جن کا علم الرجال سے تعلق ہے۔

امام صاحب کا بیان ہے کہ جب وہ اپنی جامع تالیف کرنے سے فارغ ہوئے تو پہلے علماء حجاز کے سامنے پیش کی گئی۔ انہوں نے بہت پسند کیا۔ پھر علماء عراق کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے بہت تعریف کی۔ پھر علماء خراسان کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے خوب مدح کی۔ اس کے بعد میں نے اس کی تشہیر کی۔

اس کی مشہور شرحیں، عارضۃ الاحوذی فی شرح الترمذی، مصنفہ حافظ قاضی ابوبکر بن العربی مغربی اندلسی اور قوت المغتذی علم جامع الترمذی مصنفہ علامہ جلال الدین سیوطی ہیں۔

امام ترمذی نے ۲۷۹ھ میں ترمذ کے مقام پر وفات پائی۔

**سنن ابن ماجہ** سنن ابن ماجہ کے مولف حافظ ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی ہیں۔ ابن ماجہ کے عرف سے مشہور ہیں۔ ماجہ کے بارہ میں علماء اور محققین کا اختلاف ہے۔ بعض اسے حضرت امام صاحب کا باپ قرار دیتے ہیں۔ بعض دادا اور بعض کے نزدیک ان کی والدہ کا نام ہے۔

حضرت امام صاحب ۲۰۹ھ میں بمقام قزوین پیدا ہوئے۔ اکیس سال کی عمر تک اپنے وطن میں ہی علم حاصل کرتے رہے۔ آپ نے مشہور اساتذہ ابوالحسن طنافسی، ابوبکر قزوینی، ہارون

بن موسیٰ بن حیان تمیمی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ ۲۳۰ھ کے قریب بلاد عربیہ کی طرف سفر اختیار کیا۔ امام صاحب نے علم حدیث کی تحصیل کے لیے بصرہ، کوفہ، بغداد، دمشق کا سفر اختیار کیا۔

سنن ابن ماجہ بعض علماء حدیث کے نزدیک دو حیثیتوں سے صحاح ستہ میں ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔

۱ - حسن ترتیب - اس کتاب میں تمام احادیث کو باب وار اور بلا تکرار درج کیا گیا ہے۔ یہ حسن ترتیب دوسری صحاح میں نہیں پائی جاتی۔

۲ - حضرت امام صاحب نے اپنی سنن میں ایسی احادیث کو درج کیا ہے جو دوسری صحاح میں نہیں ملتیں۔

بعض صحابہ ایسے بھی تھے جو ایسی روایات بیان کرتے تھے جو دوسروں کو معلوم نہ ہوتی تھیں۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کا یہی طریقہ تھا۔

سنن ابن ماجہ میں چار ہزار احادیث ہیں۔

سب سے پہلے ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی نے "اطراف الکتب الستہ" میں ابن ماجہ کو صحاح ستہ میں شامل کیا ہے۔ سنن ابن ماجہ کی مشہور شروح "ماتمس الیہ الحاجۃ علی سنن ابن ماجہ" مولفہ ابن ملقن، "مصباح الزجاجۃ علی سنن ابن ماجہ" مصنفہ جلال الدین سیوطی اور "انجاح الحاجۃ"، مصنفہ شیخ عبدالغنی بن سعید مجددی کی ہیں۔

حضرت امام صاحب نے ۲۲ رمضان ۲۷۳ھ میں وفات پائی۔

**نسائی** صحیح نسائی کے مولف ابوعبدالرحمٰن بن شعیب ہیں۔ امام صاحب کی ولادت ۲۱۴ھ میں مقام نسا، خراسان کے ایک مشہور شہر میں ہوئی۔ خراسان، حجاز، عراق، شام اور مصر میں طلب علم کے لیے سفر اختیار کیے۔ سب سے پہلے قتیبہ بن سعید کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حدیث حاصل کیا۔

امام نسائی نے سنن کبیر کے نام سے احادیث کا ایک مجموعہ تیار کیا، تو امیر وقت نے ان سے دریافت کیا: کیا اس مجموعہ میں تمام احادیث صحیح ہیں؟ آپ نے جواب دیا، نہیں اس میں صحیح اور حسن دونوں درج ہیں۔ اس امیر نے کہا، ان تمام احادیث میں سے جن کی صحت اعلیٰ درجہ پر ہے میرے لیے وہ احادیث منتخب کر دیجئے۔ تب حضرت امام صاحب نے صحیح احادیث کو الگ کر کے سنن مجتبیٰ مرتب کی۔ اس کا دوسرا نام سنن صغریٰ بھی ہے۔ نسائی میں بخاری اور مسلم کے بعد سب سے کم ضعیف حدیثیں پائی جاتی ہیں۔

نسائی کی مشہور شروح "شرح ابن ملقن" اور "زہر الربی" مصنفہ علامہ جلال الدین سیوطی کی ہیں

امام صاحب ۲۰۳ھ میں فوت ہوئے۔

# مقامِ حدیث

اسلامی شریعت کے دو بڑے ماخذ ہیں۔ قرآن اور حدیث۔ قرآن مجید دو قسم کی آیات پر مشتمل ہے محکمات اور متشابہات۔ محکمات آیات سے مراد وہ آیات ہیں جن کی تشریح و توضیح کی ضرورت نہیں، اور متشابہات سے مراد وہ آیات ہیں جن کی تشریح کی ضرورت ہے۔ حدیث انہی متشابہات آیات کی تفسیر ہے۔ نماز کی ہیئت، اس کی رکعات اور اس کے اوقات وغیرہ۔ اسی طرح زکوٰۃ کے نصاب وغیرہ جاننے کے لیے حدیث ضروری ہیں۔

قرآن مجید میں آتا ہے: وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ (النحل ۱۶: ۴۴) اور ہم نے تیری طرف قرآن نازل کیا ہے تاکہ تو اس کی تعلیم کی تشریح کر دے جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں: اِنِّی اوتیتُ الکِتَابَ ومثلہ۔ یعنی مجھے کتاب اور اس کی مثل بھی دی گئی ہے۔ کتاب سے مراد وحی متلو یعنی قرآن مجید ہے اور مثل سے مراد وحی غیر متلو یعنی حدیث۔

حدیث بخاری میں روایت ہے: اِنِّی تَرَکتُ فِیکُمْ اَمْرَیْنِ اِنْ تَمَسَّکتُمْ بِہٖ لَنْ تَضِلُّوا کِتَابَ اللّٰہِ وَسُنَّتِی۔ یعنی میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم انھیں پکڑے رکھو گے گمراہ نہیں ہو گے، وہ اللہ کی کتاب اور میری سنت ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے: وَمَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا (الحشر ۵۹: ۷) یعنی رسول جو کچھ تمہیں دے اس کو لے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ۔

دوسری جگہ آتا ہے: لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (الاحزاب ۳۳: ۲۱) یعنی تمہارے لیے اللہ کے رسولؐ میں عمدہ نمونہ ہے۔ یعنی رسول کے نقش قدم پر چلو۔

## ایک غلطی کا ازالہ

بعض نادان مسلمان حدیث کو قرآن مجید پر مقدم کرتے ہیں۔ یہ غلط بات ہے۔ قرآن شریف مقدم اور قاضی ہے، اور حدیث قرآن کی تشریح و تفسیر۔ قرآن مجید ایک یقینی مرتبہ رکھتا ہے۔

اور حدیث کا مرتبہ ظنی ہے۔ حدیث وہی قابل قبول اور عمل ہوگی۔ جو قرآن کے مطابق ہو، جو قرآن کے مخالف حدیث ہوگی وہ مردود قول ہے۔

# فقہ

فقہ کے لغوی معنی شق اور فتح کے ہیں۔ جیسا کہ علامہ زمخشری لکھتے ہیں: الفقہ حقیقتہ الشق والفتح۔ یعنی فقہ کی حقیقت تحقیق کرنا اور مشکل مسائل کی گرہ کو کھولنا ہے۔

**علم فقہ کی تعریف** فقہ سے مراد وہ ضمنی قواعد ہیں جو ایک مجتہد قوم کی طبعی خصوصیات کے مطابق قرآن مجید اور سنت کی روشنی میں مرتب کرتا ہے۔

**فقہ کی بنیاد** قرآن مجید میں آتا ہے: وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ۔ (التوبۃ ۹: ۱۲۲) اور مومنوں کو یہ مناسب نہیں ہے کہ سب کے سب نکل پڑیں تو کیوں نہ ان کی ہر ایک جماعت میں سے ایک گروہ نکلے تاکہ وہ دین میں سمجھ حاصل کریں اور اپنی قوم کو ڈرائیں جب وہ ان کی طرف واپس جائیں تاکہ وہ بھی بچیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من یرد اللہ خیرًا یفقہہ فی الدین۔ (بخاری ومسلم) جس کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں بصیرت عطا کرتا ہے۔

ترمذی، ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو گورنر بنا کر بھیجا تو ان سے پوچھا کہ اگر تمہارے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہو تو کیسے فیصلہ کروگے؟ انہوں نے جواب دیا کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ پوچھا اگر کتاب اللہ میں اس کا ذکر نہ ہو تو؟ حضرت معاذ نے جواب دیا۔ پھر میں سنت رسول کی روشنی میں فیصلہ کرونگا پوچھا اگر سنت میں نہ پاؤ تو؟ انہوں نے جواب دیا تو فاجتہد رای ولا آلو جہدًا۔ اگر کتاب اور سنت میں مقدمہ کا فیصلہ نہ ہوا تو میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ اور اس میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھوں گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ان کا سینہ ٹھونکا اور فرمایا: تعریف ہے۔ اس خدا کے لیے جس نے اللہ کے رسول کے فرستادہ کی رائے کو اللہ کے رسول کی مرضی کے موافق کردیا۔

قرآن کی آیت اور یہ احادیث ظاہر کرتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک ہی میں ضمنی قواعد قرآن اور سنت کی روشنی میں مرتب کرنے کا رواج ہو گیا تھا۔

## فقہ کے ماخذ

فقہ کے دو بنیادی ماخذوں (قرآن، سنت رسول اللہ) کا ذکر ہو چکا ہے۔ بقیہ تین مصادر کا ذکر حسب ذیل ہے:

فقہ اسلامی کا تیسرا ماخذ اجتہاد ہے۔ یہ لفظ جہد سے مشتق ہے، جس کے معنی انتہائی کوشش کے ہیں۔ لیکن شرعی اصطلاح میں اجتہاد اس انتہائی کوشش کا نام ہے جو ایک مقنن کتاب اور سنت کی روشنی میں شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے کرتا ہے۔

اجتہاد کی بنیاد قرآن مجید اور حدیث ہے۔ قرآن مجید نے بار بار مذہبی اور دنیاوی امور میں عقل اور تدبر سے کام لینے کی ترغیب دی ہے۔ یہ الفاظ بار بار دہراتے ہیں: افلا تعقلون، افلا یتدبرون افلا تشعرون۔

حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی حاکم فیصلہ دینے میں صحیح اجتہاد کرے تو اس کے لیے دو اجر ہیں۔ اگر اس نے اجتہاد میں خطا کی تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ والی یمن کی مشہور حدیث گزر چکی ہے، جس میں حضرت معاذ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے استفسار پر یہ جواب دیا کہ اگر قرآن اور سنت میں کسی مقدمہ کا حل نہ ہوا تو میں اجتہاد سے کام لوں گا۔

علامہ سیوطی نے اپنی تصنیف تاریخ الخلفاء (صفحہ ۴۰) میں لکھا ہے کہ جب کوئی مسئلہ حضرت ابوبکرؓ کے سامنے پیش ہوتا تو پہلے قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے۔ اگر وہاں مسئلہ کا حل نہ ملتا تو سنت رسولؐ کی طرف رجوع کرتے اگر وہاں سے نہ ملتا تو صحابہ کو جمع کرتے۔ اگر کسی کو سنت رسول کا علم ہوتا تو وہ بتا دیتا۔ آپ خدا کا شکر بجا لاتے۔ اگر صحابہ میں سے کسی کو بھی سنت کا علم نہ ہوتا تو پھر صاحب الرائے اور عالم دین کا انتخاب کرتے اور ان سے رائے لیتے، اور کثرت رائے پر فیصلہ صادر فرما دیتے۔

## مجتہد کے اوصاف

۱۔ قرآن اور حدیث پر گہری نظر رکھتا ہو۔
۲۔ پیش آمدہ حالات و مسائل کے مالہ اور ماعلیہ کو اچھی طرح جاننے والا ہو۔

۳ - عربی زبان سے واقف ہو۔
۴ - متقی ہو، تاکہ لوگ دین کے معاملہ میں اس پر اعتماد کر سکیں۔
۵ - صحابہ، تابعین اور فقہاء سلف کے اقوال اور آراء کا علم رکھتا ہو۔

## اجتہاد کی شرعی حیثیت

اجتہاد ایک عالم دین کی رائے ہے جو کتاب، سنت نظائر اور قیاسات پر مبنی ہوتی ہے۔ اس کی حیثیت نص کی نہیں ہے۔ اس میں غلطی کا بھی امکان ہوتا ہے۔ کسی ایک عالم کی اجتہادی رائے کی بناء پر دوسروں کی تکفیر اور تفسیق کرنا درست نہیں۔ ائمہ اور فقہاء نے ان کی رائے سے اختلاف کرنے والوں کو کبھی بھی کافر اور فاسق قرار نہیں دیا۔

## اجماع

اجماع جمع سے مشتق ہے، جس کے معنی اکٹھا کرنا یا اکٹھا ہونا ہے۔ لیکن اسلامی اصطلاح میں مجتہدین امت کا کسی مسئلہ پر اتفاق اور اتحاد کر لینے کا نام اجماع ہے۔

**اجماع کے واجب ہونے کے دلائل:** قرآن مجید میں آتا ہے: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء ۴: ۵۹) اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اور اپنے میں سے صاحبان امر کی اطاعت کرو۔

دوسری جگہ آتا ہے۔ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا (النساء ۴: ۱۱۵) اور جو شخص رسولؐ کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ اس کے لیے حق کھل چکا اور مومنوں کے رستے کے سوائے اور راستہ کی پیروی کرے ہم اسے پھیر دیں گے جدھر وہ پھرتا ہے اور اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بڑی جگہ ہے۔

مشہور حدیث ہے: لاتجتمع امتی علی الخطاء او علی الضلالۃ۔ یعنی میری امت غلط بات پر یا گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔

ابن مسعودؓ کا قول ہے: مَا رَاٰہُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ۔ جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

## اجماع کی وسعت

اجماع کے دائرہ وسعت کے متعلق اختلاف ہے۔ حضرت امام مالکؒ صرف اہل مدینہ کی رائے کو ہی حجت تسلیم کرتے تھے۔ حضرت امام حنبلؒ اور داؤد ظاہری صحابہ کے اجماع کو معتبر خیال کرتے تھے۔ جمہور علماء کا

یہ مسلک ہے کہ اجماع کے لیے حد بندی درست نہیں ہے، بلکہ کسی زمانہ میں تمام مجتہدین کا کسی فیصلہ کے متعلق اتفاق کرلینا ہی اجماع ہے۔

اس بارہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا اجماع مجتہدین کی اکثریت سے وقوع میں آتا ہے یا کل مجتہدین کے اتفاق سے۔ فقہاء کی اکثریت یہ کہتی ہے کہ ایک زمانہ کے تمام مجتہدین کا ایک رائے پر اتفاق کرلینا ہی اجماع ہے۔ مگر بعض جید فقہاء یہ کہتے ہیں کہ اکثریت کی رائے سے بھی اجماع واقع ہوجاتا ہے، جیسا کہ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں: انہ ینعقد مع مخالفۃ الاقل یعنی اجماع اقلیت کے اختلاف کے باوجود بھی واقع ہوجاتا ہے۔

اجماع کی شرعی حیثیت کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ علماء کا ایک طبقہ اجماع کو شرعی حجت قرار دیتا ہے اور اس سے اختلاف کرنا معصیت۔ دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ اجماع سے اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ علماء کی دوسری جماعت پہلے فیصلہ کے خلاف فیصلہ دے سکتی ہے۔ ان کے نقلی اور عقلی دلائل یہ ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیانت دارانہ اختلاف رائے کو امت کے لیے باعث رحمت قرار دیا ہے۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ اجماع کا فیصلہ زمانہ کے تقاضوں کے مطابق ہوتا ہے۔ حالات اور تقاضوں کے بدلنے کے ساتھ اجماع کے فیصلوں میں تبدیلی لازمی ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو اسلامی شریعت انسانوں کے لیے زحمت بن جائے گی۔

صحابہ کرام کا اجماع مستثنیٰ ہے، جو بعد کے کسی اجماع سے منسوخ نہیں ہوسکتا۔

## معروف

اسلامی قانون کا چوتھا ماخذ معروف ہے۔ معروف سے مراد رواج اور دستور ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (بقرہ ۲: ۲۳۳) اور بچہ کے باپ پر دودھ پلانے والی کے کھانے اور کپڑے کی ذمہ داری دستور کے مطابق ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے: وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ، (نساء ۴: ۶) اور جو غریب ہو تو دستور کے مطابق اپنا خرچ لے لے۔

دستور کو شرعی حجت ہونے کے لیے دو شرائط کا حامل ہونا ضروری ہے:

۱۔ اس دستور کو عقل سلیم قبول کرتی ہو اور وہ اچھے لوگوں میں رائج ہو۔

۲۔ وہ دستور عدل و انصاف پر مبنی ہو۔

## قیاس

قیاس کے لغوی معنی ناپنا یا کسی چیز سے مقابلہ کر کے موازنہ کرنا ہے۔ فقہ کی اصطلاح میں دو مسئلوں میں اتحاد علت کی وجہ سے ایک کا حکم دوسرے پر لگا دینے کا نام ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں شراب حرام ہے۔ حرمت کی وجہ نشہ ہے، اب جو بھی نشہ آور اشیاء ہوں کی ان سب پر شراب کا حکم لگا کر حرام قرار دے دیا جائے گا۔

قیاس کے جواز کے بارہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ (سورہ عنکبوت ۲۹: ۴۳) اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور انھیں سوائے علم والوں کے اور کوئی نہیں سمجھتا۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا: اعرف الامثال والاشباہ وقس الامور عندك۔ یعنی امثال اور نظائر کو پہچانو اور سمجھو پھر مسائل کو ان پر قیاس کرو۔

### شرائط قیاس

۱۔ جس نص سے قیاس کیا جاتا ہو۔ اس کا حکم خاص واقعات اور حالات پر مبنی نہیں ہونا چاہیئے۔ مثلاً حدیث میں آتا ہے "خزیمہؓ جس کے حق میں گواہی دے دیں وہ اس کے لیے کافی ہے" اس سے یہ قانون نہیں بنایا جا سکتا کہ دعوی کے ثبوت کے لیے صرف ایک ہی شہادت کافی ہے۔ یہ حکم صرف خزیمہؓ کی ذات کے لیے ہے۔

۲۔ علت ایسا وصف ہو جو شرعاً قابل اعتبار ہو اور بالکل صریح واقع ہو۔

۳۔ اصل اور فرع میں ایک ہی وصف موجود ہو۔

۴۔ جو حکم قیاس سے استنباط کیا جائے اس کی وجہ سے نص کے حکم میں تبدیلی نہ واقع ہونی چاہیئے۔

۵۔ جو حکم قیاس سے استخراج کیا جائے اس کی نوعیت نص کے احکام کے ماحصل کی ہونی چاہیئے۔ کسی نص کے محض الفاظ پر قیاس کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔

## مصلحت

مصلحت سے مراد زمانہ کے حالات اور تقاضوں کی وجہ سے اجتماعی مفاد کے لیے قانون سازی کرنا ہے۔

اسلام نے اجازت دی ہے کہ جس امر میں اسلام نے نہ تو نفی کا حکم دیا ہو اور نہ اثبات کا، بلکہ

انتم اعلم بامور دنیاکم فرماکر ہمیں آزاد چھوڑ دیا ہو، اس بارہ میں مسلمانوں کی بھلائی دیکھ کر قانون کا استخراج کر لیا جاتے۔ لیکن یہ شرط ضروری ہے کہ وہ قانون اسلام کی روح کے منافی نہ ہو۔ اسی اصول کو مالکی استصلاح اور حنفی استحسان قرار دیتے ہیں۔

# فقہ اسلامی کا تدریجی ارتقاء

اسلامی قانون سازی مختلف ادوار میں سے گزری ہے۔ ہر دور میں نئے نئے ملکی، سیاسی اور دینی مسائل ابھرے۔ مجتہدین نے ان مسائل کو قرآن وحدیث کی روشنی میں حل کیا۔ فقہ اسلامی کی تدوین اور ارتقاء کے حسب ذیل ادوار تھے:

**پہلا دور عہد نبوت** یہ دور ابتداء رسالت یعنی ۶۱۰ء سے لے کر وفات یعنی ۶۳۲ء تک ممتد ہے۔ اس دور میں قانون سازی کا ماخذ صرف قرآن مجید ہی تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسائل کو قرآن مجید کی روشنی میں حل کرتے تھے آپؐ کے تمام ارشادات اور اقوال وحی خفی کے حکم میں ہیں۔ صحابہ کرام بلا چون وچرا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور اعمال کی پیروی کرتے تھے۔ کسی صحابی کو کوئی مسئلہ پیش آتا تو وہ آپ کی خدمت اقدس میں کرتا۔ صحابہ کرام خود شاذ ہی اجتہاد سے کام لیتے۔

**دوسرا دور عہد صحابہ** رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قانون سازی، فتاوی اور اجتہاد کا کام ان صحابہ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشکوۃ نبوت سے فیض پاکر اپنے تبحر علمی کی وجہ سے مشہور تھے۔

خلفاء راشدین کا مسائل کے حل کرنے کا یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو پہلے اس کو حل کرنے کے لیے قرآن کی طرف رجوع کرتے، اگر وہاں سے واضح حکم نہ ملتا تو سنت رسولؐ کی طرف رجوع کرتے، اگر وہاں بھی حکم نہ ملتا تو خلفاء راشدین صاحب علم اور صاحب رائے حضرات کو اکٹھا کرتے اور ان کے سامنے مسئلہ پیش کرتے تو وہ اسلام کی روح کے مطابق اس مسئلہ کا حل ڈھونڈتے۔ وہ مجتہدین صحابہ جن کے فتاوی محفوظ ہیں ایک سو انچاس ہیں۔

اس دور کے مشہور فقہاء اور مجتہدین خلفاء راشدینؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت عائشہؓ حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابوھریرہؓ ہیں۔

اس دور میں قانون سازی کے ماخذ قرآن مجید، سنت اور اجتہاد تھے۔

**تیسرا دور عہد تابعین** یہ دور دوسری صدی ہجری کے وسط تک جاتا ہے۔ خلافت راشدہ اور اس کے بعد اسلامی فتوحات کی کثرت ہوگئی۔ بڑی بڑی حکومتیں مسلمان فاتحین کے سامنے گرتی چلی گئیں۔ اسلامی حکومت کی وسعت کی وجہ سے اقتدار کے مختلف مراکز قائم ہوگئے، جن میں اہم سات مرکز ہیں: مدینہ، مکہ، کوفہ، بصرہ، شام، یمن، مصر۔

**چوتھا دور دور تدوین** یہ دور دوسری صدی کے ربع دوم سے شروع ہوکر تیسری صدی کے آخر تک ممتد ہے۔ یہ دور تدوین فقہ کا سنہری دور کہلاتا ہے جلیل القدر فقہاء اسی دور میں پیدا ہوئے اور امت نے ان فقہاء کی سیادت کو تسلیم کیا۔ اور ان کی مدون فقہ کی پیروی شروع کردی۔ قاضی ان کی فقہ کے مطابق فیصلے کرنے لگے۔ ان فقہاء اور ان کے مسلک کا ذکر بعد میں آئے گا۔ اس دور کے مصادر اور منابع قرآن، سنت، اجماع، قیاس، استصلاح، استحسان، معروف اور استدلال تھے۔

**پانچواں دور دور تکمیل و تقلید** یہ دور چوتھی صدی سے شروع ہوکر ساتویں صدی تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دور میں تقلید شروع ہوگئی۔ فقہاء اور آئمہ کی فقہ پر بڑی بڑی کتب مدون ہونے لگیں۔ فقہی مسائل کی تخریج کی گئی۔ مختلف فقہی مسالک کے مقلد اکابر علماء پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے اپنے امام کے فقہ کی ترویج اور تقلید کی۔ مسائل کی تحقیق و تائید میں جدل کی خوب گرم بازاری رہی۔

**چھٹا دور دور تقلید محض** اس دور میں اجتہاد کا دروازہ بالکل مسدود کردیا گیا۔ عوام اور خواص سب ائمہ فقہاء کے مقلد تھے۔ علم فقہ کی ترقی رک گئی۔ علماء کے اجتہادی قوتوں کے سوتے خشک ہوگئے۔ مفصل کی مختصرات اور مختصرات کی شروح لکھنا شروع کردیں۔

# فقہی مدرسہ ہائے فکر

**فقہ حنفی** حنفی مسلک کوفہ میں پیدا ہوا۔ کوفہ ملک عراق میں فقہاء کا مرکز تھا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (م ۳۲ھ) کو معلم اور قاضی بنا کر کوفہ بھیجا تھا۔ تقریباً دس سال وہاں اس عہدہ جلیلہ پر فائز رہے اور مسند درس و تدریس پر بیٹھ کر حدیث اور

فقہ کی تعلیم دی۔ حضرت علیؓ نے ۳۵ھ سے ۴۰ھ تک کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا اور لوگوں نے آپ کے علم سے فیض پایا۔ ان دونوں بزرگوں کے بے شمار شاگرد پیدا ہوئے جنہوں نے حدیث اور فقہ کی اشاعت کی۔

مذہب حنفی کے بانی حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت ہیں۔ حضرت امام صاحب کی ولادت ۸۰ھ (۶۹۹ء) میں اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے عہد میں ہوئی۔ امام صاحب تقریباً بارہ یا تیرہ سال کے تھے۔ جب حضرت انس خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، مگر ان سے حدیث نہیں سنی۔ سترہ سال کی عمر میں حصولِ علم طرف راغب ہوئے پہلے علم کلام کی طرف مائل ہوئے، پھر قومی ضرورتوں اور نئے اُبھرتے ہوئے مسائل کی وجہ سے علم فقہ کی طرف توجہ کی۔ حضرت امام صاحب غالباً ۱۰۱ھ میں امام حماد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علوم فقہ پڑھنا شروع کیے۔ کم و بیش بیس سال تک اپنے استاد کے چشمۂ علم سے سیراب ہوتے رہے۔

امام صاحب نے فقہ کی مجتہدانہ تحقیق کے لیے علم حدیث کی طرف توجہ کی۔ ابوالمحاسن نے امام ابوحنیفہ کے ترانوے مشاہیر مشائخ حدیث کے نام بیان کیے ہیں۔

امام صاحب نے علم حدیث کی تحصیل کے ساتھ دوسرے علوم بھی پڑھے۔ آپ خود فرماتے ہیں —

"میں نے جب علم (حدیث) حاصل کرنے کا ارادہ کیا تو تمام (بقیہ) علوم کو پڑھنے کا نصب العین قرار دیا اور ہر فن کو پڑھا۔"

امام حماد نے ۱۲۰ھ میں وفات پائی اور حضرت امام صاحب اپنے استاد کی مسند درس و تدریس و افتاء پر متمکن ہوئے۔

حضرت امام صاحب نے فقہ کے اصول اور ضوابط معین کیے۔ مسائل حل کرتے وقت عقل، رائے، قیاس اور استحسان سے کام لیتے۔ اس وجہ سے آپ کے مسلک کا نام اہل الرائے مشہور ہوگیا۔

جعفر بن ربیع فرماتے ہیں۔

"میں امام ابوحنیفہ کے یہاں پانچ سال تک رہا۔ میں نے ان سے زیادہ خاموش آدمی دیکھا۔ لیکن جب ان سے فقہ کے متعلق سوال کیا جاتا تو نالے کی طرح بہنے لگتے۔ غلغلہ انگیز کرتے۔ وہ قیاس و رائے کے امام تھے۔"

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں:

لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے محتاج ہیں:

مشہور محدث حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں۔

"میں نے ابوحنیفہ سے زیادہ پرہیزگار آدمی نہیں دیکھا۔ اس شخص کے متعلق کیا کہا جائے گا۔ جس کے سامنے دنیا اور اس کی دولت پیش کی گئی اور اس نے ٹھکرا دیا۔ کوڑوں سے پیٹا گیا لیکن ان کے پاؤں میں ذرہ بھر بھی لغزش نہ آئی۔ وہ مناصب جلیلہ جن کے پیچھے لوگ دوڑتے پھرتے ہیں کبھی قبول نہ کیے[1]"

امام صاحب نے ۱۵۰ھ (۷۶۷ء) میں وفات پائی۔

حنفی مذہب خلفاء عباسیہ کا سرکاری مذہب رہا ہے۔ اس طرح سلطنت عثمانیہ اور مصر، شام، لبنان میں حنفی مسلک چلا آرہا ہے۔ حکومت تیونس، اہل افغانستان، ترکستان، ہندوپاک اور چین کا یہی مذہب غالب ہے۔

ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں۔

"حنفیہ کل مسلمانوں کے دو تہائی ہیں[2]"

فقہ حنفی کی مقبولیت کی وجوہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ اس کے مسائل و حکم مصالح پر مبنی اور رعایت روایت کے ساتھ اصول و رایت کے عین مطابق ہیں۔

۲۔ فقہ حنفی آسان اور یسیر العمل ہے۔

۳۔ فقہ حنفی میں معاملات کے حصہ میں وسعت اور استحکام، جو تہذیب و تمدن کے لیے بہت ضروری ہے، دوسری تمام فقہوں سے زیادہ ہے۔

۴۔ فقہ حنفی نے غیر مسلم رعایا کو فیاضی سے حقوق بخشے جس سے نظم مملکت میں بڑی آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔

۵۔ احکام منصوصہ میں امام ابوحنیفہ کا پہلو مدلل ہوتا ہے۔

ان خصوصیات کی تفصیل سیرۃ النعمان حصہ دوم مصنفہ مولانا شبلی نعمانی میں ملاحظہ فرمایئے

**مشہور کتب** جامع صغیر، جامع کبیر، مبسوط، زیادات، السیر الصغیر، السیر الکبیر، امالی محمد کتاب الخراج۔

**مذہب مالکی** مذہب مالکی کا مولد مدینہ ہے۔ یہ شہر عہد نبوی ﷺ سے حضرت عثمان رضؓ کی شہادت تک بلاد اسلامیہ کا علمی گہوارہ رہا ہے

---

[1] الذہبی مناقب الامام ابی حنیفہ و صاحبیہ ص ۱۱۵۔ [2] مرقات ص ۴ ج ۲۔

یہاں کے مشہور مربی خلفاء راشدین، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ تھے۔ انہی بزرگوں کے جاری کردہ چشمہ علم سے حضرت امام مالکؒ نے تشنگی علم بجھائی۔

حضرت امام مالکؒ ۹۵ھ (۷۱۳ء) میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام حضرت انس بن مالک ہے۔ اور سلسلہ نسب یمنی قبیلہ ذی اصبح تک پہنچتا ہے۔

امام صاحب نے عبدالرحمٰن بن ہرمز، امام زہری، ابن ذکوان، امام جعفر صادق، محمد بن منکدر، یحیی بن سعید انصاری، ابوحازم، عبداللہ بن دینار، ربیعہ بن عبدالرحمٰن، محمد بن یحیی سے علم حاصل کیا۔

امام مالکؒ کو جب ان کے شیوخ نے روایت حدیث اور افتاء کی اجازت دے دی تب مسند روایت و افتاء پر بیٹھے۔ مسجد نبوی میں درس و تدریس اور افتاء کا سلسلہ قائم کیا۔ لوگ سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے ان کے پاس آتے اور ان سے حدیث اور فقہ پڑھ کر جاتے۔ تقریباً پچاس سال تک امام صاحب مسند افتاء پر متمکن رہے۔

امام صاحب اپنے فتاوی کی بنیاد قرآن مجید اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان حدیثوں پر جو ان کے نزدیک صحیح تھیں رکھتے۔ اہل مدینہ کے تعامل کو نہایت اہمیت دیتے تھے اس کے بعد یہ قیاس، مصالح مرسلہ (استصلاح) پر عمل کرتے۔ فتوی دیتے وقت بہت ہی احتیاط و عزم سے کام لیتے، ذرا بھی شک پڑ جاتا تو فرما دیتے: "لا ادری" میں نہیں جانتا

امام صاحب نے ۱۱ ربیع الاول ۱۷۹ھ (۷۹۵ء) میں وفات پائی۔

امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ "امام زہری کے شاگردوں میں سب سے زیادہ ثقہ اور قابل اعتماد امام مالک ہیں"

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں:

"تابعین کے بعد امام مالکؒ بندوں کے لیے اللہ کی سب سے بڑی نشانی ہے۔ امام مالکؒ میرے استاد ہیں۔ جب کوئی حدیث مالک کی روایت سے تم کو پہنچے تو اسے مضبوطی سے پکڑو، کیونکہ وہ علم حدیث کا ایک درخشاں ستارہ ہے۔" الانتقاد لابن البر ص ۲۹

حضرت امام مالکؒ نے کتاب موطا تصنیف کی ہے۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

"کتاب اللہ کے بعد امام مالکؒ کی کتاب سے زیادہ صحیح کوئی دوسری کتاب روئے زمین پر موجود نہیں"۔ تنویر الحوالک ص ۶

مالکی مذہب حجاز، مغرب اقصی، اندلس، الجزائر، تیونس، طرابلس، بالائی مصر، سوڈان

بحرین اور کویت میں پھیلا ہے۔

**مشہور کتب** سب سے پہلے مسائل مالک اسد بن فرات نے مدون کیے۔ ان سے سحنون نے حاصل کیے اور اسدیہ نام رکھا۔ ۱۱۸ھ میں سحنون اس کو لے کر ابن قاسم کے پاس پہنچے۔ ابن قاسم نے چند مسائل کی اصلاح کی۔ سحنون نے مدونہ ابن فرات کو از سر نو ترتیب دیا۔ اور بعض مسائل پر آثار کا اضافہ کیا۔ مدونہ سحنون کے مسائل کی تعداد ۳۶ ہزار ہے۔ مالکیہ کے نزدیک یہ مدونہ اساس فقہ مالکی ہے۔

مدونہ کے علاوہ مشہور کتب حسب ذیل ہیں:

مختصر کبیر، مختصر اوسط، مختصر صغیر، کتاب المبسوط علی مذہب المالکیہ۔

**مذہب شافعی** شافعی مذہب کے بانی امام محمد بن ادریس شافعی ۱۵۰ھ (۷۶۷ء) میں صوبہ عسقلان میں بمقام غزہ پیدا ہوئے۔ دو برس کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ماں کی آغوش محبت میں پرورش پائی۔ دس برس کی عمر میں قرآن مجید اور موطا حفظ کر لیا۔ پھر مکہ آئے تو مسلم بن خالد زنجی امام مکہ سے تحصیل فقہ کیا۔ تیرہ سال کی عمر میں حضرت امام مالکؒ کے درس میں شامل ہوئے۔ ان کو موطا سنائی اور فقہ پڑھی۔ پھر یمن تشریف لے گئے۔ وہاں کے علما اور فقہا سے علم حاصل کیا۔ یمن سے عراق پہنچے۔ امام محمد بن حسن شاگرد حضرت امام اعظم سے فقہ حنفی استفادہ کرنے لگے۔ اس طرح امام شافعیؒ طریقہ اہل حجاز بواسطہ امام مالک، طریقہ اہل عراق بواسطہ امام محمد اور طریقہ علماء حدیث کے جامع ہو گئے۔ ان مختلف مدرسہ فکر سے ملا جلا ایک مسلک مدون کیا، اس پر کتب لکھیں۔

حضرت امام شافعیؒ نے کتاب، سنت، اجماع اور قیاس چاروں مصادر سے فقہی مسائل کو حل کیا اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے استحسان اور حضرت امام مالکؒ کے مصالح مرسلہ کی شدت سے مخالفت کی ہے، البتہ وہ استدلال پر عمل کرتے ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص علم دین کے متعلق قلم اٹھاتا ہے اس کی گردن امام شافعیؒ کے احسان کے نیچے ہے۔

حضرت امام صاحب نے ۲۰۴ھ (۸۱۹ء) میں مصر میں وفات پائی۔

یہ مذہب سب سے پہلے مصر میں پھیلا، پھر عراق میں، پھر بغداد اور خراسان میں اس مذہب کے مقلدین شام، لبنان، انڈونیشیا، حجاز، ایران اور پاکستان میں پائے جاتے ہیں۔

**کتب** ائمہ اربعہ میں سے حضرت امام شافعیؒ ہی ایسے امام ہیں جنہوں نے خود کتب تصنیف کیں، جن میں سے چند اہم کتب یہ ہیں۔

رسالہ فی ادلۃ الاحکام، کتاب الام، فقہ شافعی میں حرملہ بن یحییٰ کی کتاب، بویطی کی مختصر کبیر، مختصر صغیر، کتاب الفرائض، مزنی کی مختصر صغیر، جامع کبیر، جامع صغیر، ابوبکر محمد بن عبداللہ الصیرفی کی کتب کتاب البیان فی الدلائل، الاعلام فی اصول الاحکام، شرح رسالہ شافعی اور کتاب الفرائض مشہور ہیں۔

**فقہ حنبلی** امام ابوعبداللہ احمد بن حنبل حنبلی مذہب کے بانی ہیں، ۱۶۴ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ دو برس کے تھے جب کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ ماں نے پرورش کی۔ سب سے پہلے قرآن حفظ کیا۔ پھر لغت کا علم حاصل کیا۔ اس کے بعد کتابت کے فن کی طرف توجہ دی۔ پھر علم حدیث کی طرف توجہ کی۔ حضرت امام ابویوسف کی مجلس میں جانا شروع کیا۔ اس کے بعد بغداد میں ہشیم بن بشیر بن ابی حازم کی خدمت میں چار سال تک رہے۔ پھر ہشیم کی وفات کے بعد ابی عینیہ سے حدیثیں سنیں۔ ۱۸۷ھ میں پہلی بار مکہ گئے۔ وہاں کے علماء سے حدیث سنی۔ ۱۹۶ھ میں دوبارہ مکہ پہنچے۔ تین برس وہاں رہے۔ پھر یمن گئے اور عبدالرزاق بن ہمام سے کسب علم کیا۔ اس طرح تمام علمی مراکز کے مشہور علماء سے علم حاصل کیا۔

ابوداؤد سجستانی فرماتے ہیں کہ میں نے دو سو مشائخ حدیث کو دیکھا ہے۔ ان سب میں امام احمد بن حنبل کی مانند کسی کو نہیں پایا۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بغداد میں احمد بن حنبلؒ سے بڑھ کر تقوی اور فقہ میں اور کوئی نہیں۔

امام صاحب فقہی مسائل کا استنباط قرآن، حدیث، اقوال و افعال صحابہ کرام اور قیاس سے کرتے تھے۔

امام صاحب کی فکر پر حدیث کا رنگ غالب تھا۔ اس وجہ سے بعض علماء نے آپ کو زمرہ محدثین میں شامل کیا ہے۔

آپ کی مشہور تصنیف المسند ہے۔ اس میں چالیس ہزار سے زائد احادیث ہیں۔ آپ نے ۱۶ سال کی محنت شاقہ کے بعد المسند تیار کی تھی۔ ترتیب و تہذیب سے قبل ہی ۲۴۱ھ میں وفات پا گئے۔ بعد میں آپ کے لڑکے عبداللہ نے صحابہ کے نام پر کتاب کو مرتب کیا۔ یعنی ہر صحابی کے نام کے تحت اس کی روایت کردہ حدیثیں بیان کر دیں۔ مرسل احادیث

کو تابعین کی ترتیب پر جمع کر دیا۔

امام صاحب کا مسلک بہت سادہ اور آسان ہے۔ اس پر حدیث کا رنگ غالب ہے۔ درایت اور عقل و جدل سے بہت کم کام لیا گیا ہے۔ قیاس سے وہ بوقت ضرورت اور بدرجہ مجبوری کام لیتے ہیں۔

**فقہ حنبلی کی کتب** اثرم نے کتاب السنن لکھی ہے جس میں مسائل میں شواہد حدیث کا التزام ہے۔

ابن راہویہ نے بھی فقہ میں کتاب السنن تالیف کی ہے۔

# مذاہب شیعہ

اہل تشیع کے تین فقہی مدرسہ ہائے فکر مشہور ہیں:

**۱۔ شیعہ امامیہ** یہ فرقہ بارہ اماموں کا قائل ہے، جس کی وجہ سے اثنا عشریہ کہلاتا ہے۔ اثنا عشری فرقہ کے سب زیادہ مشہور مجتہد اور فقیہ حضرت امام جعفر صادقؒ ہیں۔ ان کی فقہ ان کی طرف منسوب ہے۔ زرارہ بن اعین (م ۱۵۱ھ) ابوالنصر محمد بن مسعود، ابوعلی محمد بن الجنید نے نئی فقہ حضرت امام جعفرؒ کی طرف منسوب کی ہے اور اسے شائع کیا ہے۔

فرقہ اثنا عشریہ کے فقہ کے چار اصول ہیں، قرآن، سنت، اجماع اور عقل۔

ان کے نزدیک حدیثیں وہی معتبر اور ثقہ ہیں جو اہل بیت اور ان کے خاص متبعین سے مروی ہوں۔ وہ اقوال اہل بیت کو قرآن مجید کی طرح حجت شرعی تسلیم کرتے ہیں۔

اس فرقہ کے نزدیک کسی جماعت کا کسی مسئلہ پہ اتفاق کر لینے کا نام اجماع ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ اتفاق امام معصوم کی رائے سے ہم آہنگ ہو۔ اگر غیر امامیہ کسی مسئلہ پر اتفاق کر جائیں تو ان کے نزدیک یہ اجماع نہیں ہے۔ حضرت امام جعفر کا یہ مسلک ہے کہ جو مسئلہ قرآن، سنت اور اجماع سے حل نہ ہو تو عقل سے کام لے کر اس مسئلہ کو حل کر لینا چاہیئے۔۔۔

اس فرقہ کی مشہور کتب حسب ذیل ہیں۔

۱۔ کتاب شرائع الاسلام مصنفہ جعفر بن حسن علی عرف محقق۔

۲۔ اور اس کی شرح جواہر الکلام مصنفہ محمد حسن نجفی۔

۳۔ تذکرہ الفقہاء مصنفہ محسن بن یوسف علی۔
۴۔ کتاب مفتاح الکرامہ شرح قواعد العلامہ تصنیف محمد جواد بن محمد حسینی عاملی۔
۵۔ کتاب ومسائل الشیعہ الی سائل الشریعہ تصنیف محمد بن حسن بن علی۔
فرقہ اثنا عشریہ کے پیروکار ایران، ہندوستان، پاکستان، لبنان اور شام میں پائے جاتے ہیں۔

## ۲۔ شیعہ زیدیہ

یہ مذہب امام زید بن علی بن حسین بن علیؓ کی طرف منسوب ہے، جو ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں علم مخالفت بلند کرنے کی وجہ سے شہید کر دیئے گئے۔
اس مذہب کے سب سے بڑے داعی اور مصنف حسن بن علی بن الحسن بن زید بن عمر بن علی بن الحسن بن علی ہوتے ہیں۔
مشہور کتب حسب ذیل ہیں۔
۱۔ المجموع۔ یہ کتاب ان احادیث اور فتاوی پر مشتمل ہے جو امام زید بن علی سے روایت کیے گئے ہیں۔
۲۔ الروض النضیر شرح مجموع الفقہ الکبیر مصنفہ شرف الدین حسن بن علی احمد۔ شیعہ زیدیہ کا مرکز یمن ہے۔

## ۳۔ شیعہ اسماعیلیہ

یہ فرقہ چوتھی صدی میں مصر میں ظاہر ہوا، اور امام جعفر صادق کے بیٹے امام اسماعیل کی طرف منسوب ہے۔ معز لدین اللہ فاطمی مصری حکمران نے اس کو مصر میں رائج کیا۔ چھٹی صدی میں یہ مذہب وہاں سے ختم ہو گیا۔
اس فرقہ کی دو شاخیں ہیں: ۱۔ اسماعیلیہ شرقیہ۔ ۲۔ اسماعیلیہ غربیہ۔
اسماعیلیہ شرقیہ کا مرکز ہندوستان ہے۔ اس کے معتقد ایران اور وسط ایشیا میں پائے جاتے ہیں۔
اسماعیلیہ غربیہ۔ جنوبی عرب کے علاقہ میں خلیج فارس کے اردگرد اور شام میں حماۃ اور لاذقیہ کے پہاڑی علاقوں میں آباد ہیں۔
اس فرقہ کی مشہور کتاب دعائم الاسلام تصنیف قاضی نعمان بن محمد تمیمی مغربی ہے۔

# اسلامی تعلیمات

## عقائد

اسلام کے تعلیم کے لحاظ سے دو بڑے حصے ہیں: ایک اعتقادی اور دوسرا عملی۔ اعتقادی حصہ کو اصول ایمان یا اجزائے ایمان کہا جاتا ہے۔ عملی حصے سے مراد وہ تعلیم ہے جس کے مطابق ایک مسلمان زندگی بسر کرے۔

اصول ایمان یا اجزائے ایمان چھ ہیں: اللہ پر ایمان۔ فرشتوں پر ایمان۔ کتب سماوی پر ایمان۔ انبیاء علیہم السلام پر ایمان۔ بعث بعد الموت پر ایمان۔ تقدیر الٰہی پر ایمان۔

## اللہ پر ایمان

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جس کے اردگرد تمام اسلامی تعلیم گھومتی ہے۔ اور قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے پر بہت زور دیا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ (النساء ۴: ۱۳۶) اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ پر ایمان لاؤ۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ وَالشُّهَدَاءُ عِندَ رَبِّهِمْ (الحدید ۵۷: ۱۹)

اور جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے یہی اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (الحدید ۵۷: ۸) اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے۔

دلائل ہستی باری تعالیٰ: قرآن مجید نے ہستی باری تعالیٰ پر بے شمار دلائل دیئے ہیں، ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

کائنات کی گواہی: (۱) اللہ تعالیٰ کی ہستی پر کائنات کی تخلیق ایک بیّن دلیل ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات پر گہری نظر ڈالنے کی ترغیب دی ہے، کیونکہ اس نظام کائنات میں اللہ تعالیٰ کی ہستی کے دلائل و براہین پنہاں ہیں۔ دنیا و مافیہا کی تخلیق خود اس بات پر شاہد ہے کہ اس کائنات کا کوئی نہ کوئی خالق ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے:

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (البقرہ ۲ : ۲۹)

وہی ذات ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے فائدہ کے لئے پیدا کیا۔ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو ٹھیک سات آسمان بنائے اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے: أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (ابراہیم ۱۴ : ۱۰)

کیا خدا کی نسبت کوئی شک ہو سکتا ہے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے۔ ہمارا مشاہدہ اور تجربہ بتا رہا ہے کہ کوئی مصنوع بغیر صانع کے نہیں۔ ڈاکٹر آئنسٹائن کہتا ہے:

"میرا مذہب کیا ہے؟ اس نہایت ہی اعلیٰ ہستی کے آگے عاجزانہ تعریف جس کے بے شمار کرشموں میں سے چند ایک ہم اپنے کمزور اور محدود حواس سے معلوم کر سکتے ہیں۔ جب میں عالم کائنات کے حیران کن نظاروں اور لاانتہا وسعت کو دیکھتا ہوں تو دل گواہی دیتا ہے کہ اس کا بانی خدا ہے۔

(ب) تمام کائنات ایک ضابطہ اور قانون کے تحت چل رہی ہے، کہیں بھی کوئی رخنہ نہیں۔ کائنات کا یہ نظم اور اس کی ترتیب خود اس امر کی شاہد ہے کہ اس کے پیچھے ایک مدبر ہستی ہے جو اس کائنات کو ایک نظام، ترتیب اور ضابطہ کے ساتھ چلا رہی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً (البقرہ ۲ : ۲۲)

وہی ذات ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا اور آسمان کو عمارت ——— عمارت کہنے سے مراد یہ ہے کہ سب کچھ ایک نظام کے ماتحت ہے۔ جیسے ایک عمارت میں ترتیب ہوتی ہے۔ اگر اینٹیں، چونا، لوہا اور دوسرا سامان عمارت بغیر ترتیب کے ادھر ادھر پڑا ہوا ہو اس کو عمارت نہیں کہہ سکتے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آسمان اور زمین کو بنانے والی ایک مدبر اور با ارادہ ہستی ہے، اور اس وجہ سے اس کائنات میں ایک نظام اور ترتیب پائی جاتی ہے۔

دوسری جگہ اس مضمون کو اور واضح الفاظ میں بیان کیا ہے: الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَٰنِ مِن تَفَاوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِن فُطُورٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ (الملک ۶۷ : ۳، ۴) جس نے سات آسمانوں کو ایک دوسرے کے اوپر پیدا کیا ہے، تو رحمان کی پیدائش میں کوئی اختلاف نہیں پائے گا، پھر نظر کو لوٹا کیا کوئی خلل اور بگاڑ دیکھتا ہے، پھر نظر کو بار بار لوٹا۔ نظر تیری طرف حسرت سے

تھک کر واپس آجائے گی۔

(ج) کائنات میں ہر چیز جوڑا تخلیق کی گئی ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:
وَالَّذِی خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا (الزخرف ۴۳: ۱۲) وہ جس نے سب چیزوں میں جوڑے پیدا کئے
سائنس کی تحقیق نے یہ امر ثابت کر دیا ہے کہ کائنات کی ہر چیز کا جوڑا ہے۔ اگر ایک چیز اثر انداز ہوتی ہے تو دوسری اثر پذیر۔ کائنات کی اشیاء میں بعض میں قوت مؤثرہ رکھنا اور بعض میں قوت متاثرہ محض اتفاق نہیں بلکہ ایک منصوبہ اور منشاء کے مطابق ہے جو ایک مدبر حکیم اور علیم ہستی کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔

## دوسری دلیل: فطرتِ انسانی کی گواہی

انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ کی ہستی کا شعور موجود ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے:
وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی شَهِدْنَا (الاعراف ۷: ۱۷۲)
اور جب تیرے رب نے بنی آدم یعنی ان کی پیٹھوں سے ان کی نسل نکالی اور ان کو اپنے وجود پر گواہ کے طور پر ٹھہرایا، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، انہوں نے کہا ہم گواہ ہیں۔

دوسری جگہ آتا ہے
وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (العنکبوت ۲۹: ۶۱) اور اگر تو ان سے پوچھے کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور سورج اور چاند کو کام میں لگایا ہے تو وہ ضرور ضرور کہیں گے اللہ نے۔

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ کی ہستی کا احساس انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ ثبوت اس کا یہ ہے کہ اقوام عالم اس امر پر متفق ہیں کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے۔ یہ اتفاق فطری شہادت ہے۔

انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ کی ہستی کے احساس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب کوئی انسان مصائب اور آلام کے گرداب میں پھنس جاتا ہے اور اس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں پاتا، ہر طرف تاریکی ہی تاریکی نظر آتی ہے تو اس کا احساس بیدار ہو جاتا ہے اور آستانہ الوہیت پر گر جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس گرداب سے نکلنے کے لئے دعا کرتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَی الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ

دُعَآءٍ عَرِيضٍ (حٰمٓ السجدہ ۴۱ : ۵۱) اور جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو پھیر لیتا ہے۔ اور جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو وہ لمبی چوڑی دعا میں لگ جاتا ہے۔

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ سکھ آرام انسان کی فطرت پر غفلت وارد کر دیتا ہے، جسکی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ اور جب مصیبت اس پر وارد ہوتی ہے تو اس کا فطری نور چمک اٹھتا ہے اور اپنے حقیقی مولا اور پروردگار کی طرف رجوع کرتا ہے۔ مصائب میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ انسان کی فطرت میں عبادت اور اطاعت الٰہی کا جذبہ ودیعت شدہ ہے۔

## تیسری دلیل :۔ وحی الٰہی کی شہادت

اللہ تعالیٰ کے وجود پر سب سے روشن اور واضح دلیل وحی الٰہی ہے جس سے یقین کے افق سے شک و شبہ کے تمام بادل چھٹ جاتے ہیں اور حقیقت پردۂ مکنون سے ظاہر ہو جاتی ہے۔

وحی ایک عالمگیر تجربہ ہے۔ تمام اقوام عالم کی طرف انبیاء علیہم السلام آئے جنہوں نے وحی کے ذریعہ خدا کے وجود کا اقرار کیا ہے۔ پھر اس صداقت پر اس مضبوطی کے ساتھ کھڑے ہوئے کہ مصائب اور تکالیف کے سخت طوفان بھی ان کے پاؤں میں لغزش پیدا نہ کر سکے۔

وحی الٰہی میں تین ایسی خوبیاں ہوتی ہیں جو بیّن طور پر وجود باری تعالیٰ پر دلالت کرتی ہیں۔ ایک ظاہری خوبی، دوسری باطنی خوبی، تیسری پیشگوئیاں۔

وحی الٰہی کی ظاہری خوبی اس کی عبارت میں فصاحت و بلاغت، نزاکت، لطافت و ملائمت، شیرینی اور حسن ترتیب پائی جاتی ہے۔ اس کی مثل کوئی دوسرا آدمی بنانے کی قدرت نہیں رکھتا۔

باطنی خوبی یہ ہوتی ہے کہ اس میں ایسی روحانی تاثیر ہوتی ہے جو ہر سننے والے کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ گناہوں کی آگ کو سرد کرتی ہے۔ اور ساتھ ہی نیکی کے کرنے کی زبردست قوت پیدا کرتی ہے۔

تیسری خوبی کلام الٰہی کی یہ ہوتی ہے کہ اس میں دن سے زیادہ روشن پیشگوئیاں ہوتی ہیں۔

یہ تینوں خوبیاں قرآن مجید میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ وہ اپنی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے یکتا ہے۔ روحانی تاثیرات کے لحاظ سے بے مثل۔ اور اس میں لامحدود پیشگوئیاں موجود ہیں جو ہر دور میں پوری ہوتی رہیں گی۔

توحید باری تعالیٰ :۔ قرآن مجید کی رو سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی

ذات صفات اور افعال میں بے مثل ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (النحل ۱۶: ۶۰) اللہ کی صفت نہایت بلند ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا (الاعراف ۷، ۱۸۰) اور اللہ کے سب نام اچھے ہیں اور ان کے ساتھ اس کو پکارو۔

توحید کو نہایت ہی خوبصورتی کے ساتھ جامع اور مانع الفاظ میں سورۃ اخلاص میں بیان کر دیا گیا ہے: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (الاخلاص ۱۱۲: ۱-۴) کہہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے نہ اس کا بیٹا ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

قرآن مجید نے جہاں توحید الٰہی کے ہر گوشہ کی وضاحت کی، وہاں ہر قسم کے شرک کی بھی تردید کی ہے۔ کیونکہ شرک تمام بدیوں کا سرچشمہ ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (۳۱: ۱۳) یعنی شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے: اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (آل عمران ۳: ۶۴) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب بنائے۔

اس آیت میں تین قسم کے شرک کی نفی کی گئی ہے۔ اوّل، خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ دوم، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ سوم۔ کسی دوسرے آدمی کو رب تسلیم نہ کیا جائے۔

شرک کی چوتھی قسم سورۃ فرقان میں بیان ہوئی ہے اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (الفرقان ۲۵: ۴۳) یعنی کیا تو نے اسے دیکھا جو اپنی خواہش کو معبود بناتا ہے۔

غرض کہ شرک کی ممانعت سے قرآن مجید بھرا پڑا ہے۔ کیونکہ شرک سے نہ صرف انسان کی روحانی موت ہوتی ہے بلکہ مادی ترقی کے راستہ میں بھی سنگ گراں ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے وحدانیت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ننانوے مزید صفات بھی بیان کئے ہیں، تاکہ ان سے انسان کے دل پر اللہ کے حسن و احسان اور جلال کی تصویر مرتسم ہو جائے۔

## ملائکہ پر ایمان

ملائکہ ملک کی جمع ہے جس کے معنی فرشتہ کے ہیں۔ اس کا مادہ الک یا الوکہ ہے، جس کے

معنی رسالت یا پیغامبری ہے۔

ملائکہ وہ خارجی ہستیاں ہیں جو ہماری جسمانی اور روحانی ربوبیت کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ کائنات میں سورج، چاند، ستارے، ہوائیں، بادل وغیرہ تمام عناصر جو انسان کے لئے کام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں در پردہ یہ ملائکہ کے کام ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے:

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۙ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۙ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۙ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا

(الذاریات ۵۱: ۱-۴) یعنی ان ہواؤں کی قسم جو سمندروں سے بخارات کو جدا کرتی ہیں پھر ان ہواؤں کی قسم جو ان بوجھل بخارات کو اپنے اندر لے لیتی ہیں۔ پھر ان ہواؤں کی قسم جو ان بادلوں کو منزل مقصود تک پہنچانے کے لئے چلتی ہیں۔ پھر ان فرشتوں کی قسم جو یہ وہ ان تمام امور کو سرانجام دینے والے ہیں۔

ان آیات میں اوّلاً بادلوں کو برسنے کا سبب بیان کیا ہے، پھر آخر میں فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا لاکر تمام حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ ان جسمانی سلسلہ کو چلانے والا ایک روحانی سلسلہ ہے جو ملائکہ کے نام سے موسوم ہے۔ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا (النّٰزعٰت ۷۹: ۵) کہا ہے، یعنی معاملہ کی تدبیر کرنے والے۔

قرآن مجید کی رو سے ملائکہ پر ایمان لانے کی غرض یہ ہے کہ ملائکہ کی طرف سے جو نیکی کی تحریک ہو اس پر عمل کرنے سے سستی نہ کی جائے۔

ملائکہ کے کام:۔ ۱۔ فرشتہ انبیاء علیہم السلام پر وحی لاتا تھا۔ (۴: ۱۶۲)

۲۔ انبیاء علیہم السلام کی نصرت اور تائید کرتا ہے۔ (۲: ۷۷)

۳۔ مومنین کی نصرت کرتا ہے۔ (۵۸: ۲۲)

۴۔ مومنین کے دشمنوں کو تباہ کرتے ہیں۔ (۳: ۱۲۳، ۱۲۴)

۵۔ لوگوں کے اعمال لکھتے ہیں۔ (۲۸: ۱۰-۱۲)

۶۔ جان قبض کرتے ہیں۔ (۱۶: ۲۲)

۷۔ قیامت کے دن لوگوں کی شفاعت کریں گے۔

۸۔ اعمال صالحہ کے لئے تحریکات پیدا کرتے ہیں۔

شیطان:۔ قرآن مجید نے ایک اور مخفی خارجی ہستی کا ذکر کیا ہے۔ اس کی مختلف صفات کی وجہ سے اس کے مختلف نام رکھے ہیں۔ کہیں اس ہستی کا نام شیطان بیان کیا ہے، کہیں ابلیس اور کہیں جن۔ یہ ہستی انسان کے دل میں برائی کی تحریکات پیدا کرتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے: الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ (الناس ۱۱۴: ۵، ۶)

یعنی جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے جنوں اور انسانوں میں سے۔

**کتب سماوی پر ایمان:۔** قرآن مجید میں کتب سماوی کو تین ناموں سے پکارا ہے۔

۱۔ صحیفہ۔ ۲۔ زبور۔ ۳۔ کتاب۔

قرآن مجید نے کتب سماوی پر ایمان لانا ضروری قرار دیا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ (نساء ۴: ۳۰) ——— اے لوگو جو ایمان لائے ہو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو پہلے اتاری۔

دوسری جگہ آتا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

**تمام کتب سماوی کی تعلیم ایک تھی:۔** قرآن مجید میں آتا ہے:

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (یونس ۱۰: ۳۷)

اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ اللہ کے سوا اوروں کا افترا ہو بلکہ یہ اسکی تصدیق ہے جو اس سے پہلے ہے اور آسمانی تعلیم کی تفصیل ہے اس میں ذرا شک نہیں ہے جہانوں کے رب کی طرف سے ہے۔

کتب سماوی پر ایمان لانا اس وجہ سے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور فرامین کا مجموعہ ہوتی ہیں جن پر چل کر انسان فلاح حاصل کر سکتا ہے۔

کتب سماوی کی تکمیل قرآن مجید کی شکل میں ہوئی ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (۵: ۳)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کیا ہے اور اسلام کو بطور دین پسند کیا ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البینۃ ۹۸: ۳) یعنی قرآن مجید پہلی کتب سماوی کی تعلیمات کا نچوڑ اور عطر ہے۔

**کتب سابقہ میں تحریف:۔** تمام کتب سماوی میں تحریف ہو چکی ہے، جس کا اعلان آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے قرآن مجید نے کیا۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا (البقرہ ۲: ۷۵، ۷۹) ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اللہ کے کلام کو سنتے پھر اس میں تحریف کرتے بعد اس کے کہ اسے سمجھ لیا اور وہ جانتے ہیں..... سو ان کے لئے حسرت ہے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے عوض تھوڑی قیمت لے لیں۔

قرآن ایک محفوظ کتاب ہے:۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ قرآن مجید محفوظ اور غیر محرف کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق قیامت تک یہ کتاب محفوظ رہے گی۔ ارشاد الٰہی ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر ۱۵: ۹) یقیناً ہم نے ہی قرآن مجید کو اتارا اور ہم ہی اسکی حفاظت کریں گے۔

قرآن تمام عالم کے لئے ہدایت:۔ دوسری تمام کتب سماوی ایک قوم کی ہدایت کے لئے مختص تھیں۔ لیکن قرآن مجید دنیا کی تمام اقوام کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے نازل ہوا ہے ارشاد ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ (البقرہ ۲: ۱۸۵) رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کے لئے ہدایت کا موجب ہے۔

## انبیاء علیہم السلام پر ایمان

انبیاء علیہم السلام وہ مطہر اور مقدس ہستیاں ہیں جن کے قلوب پر حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر اترا تھا۔ رسول خدا کا ترجمان اور نمائندہ ہوتا ہے جو وحی کے ذریعے احکام الٰہی کو بندوں تک پہنچاتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم ۵۳: ۳، ۴) اور وہ خواہش نفس سے کلام نہیں کرتا اور وہ جو کچھ کہتا ہے وہی ہوتا ہے جو اسکی طرف وحی کی جاتی ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے:۔ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ (المائدہ ۵: ۱۱۷) میں نے ان سے اس کے سوا کچھ نہیں کہا جس کا آپ نے مجھے حکم دیا۔

رسالت وہبی چیز ہے:۔ رسالت اور نبوت وہبی چیز ہے۔ یہ کسی کے اعمال کے نتیجہ میں نہیں ملتی۔ جس طرح جسمانی ربوبیت کے لئے سورج، چاند، ہوا، زمین، پانی وغیرہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کا نتیجہ ہیں۔ کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ یہ اشیاء اس کے کسی عمل کے نتیجہ میں پیدا کی گئی ہیں۔ اسی طرح نبوت کا انعام ہے جو کسی کے عمل کے نتیجہ میں نہیں ملتا یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں نبوت کا ذکر صفت رحمانیت کے تحت آتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ

يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (الانعام ۶ : ۱۲۴) اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ منصب رسالت کس کو بخشے
پس رسالت اللہ تعالیٰ کا خصوصی عطیہ اور انعام ہے۔

رسول انسان ہوتے ہیں:۔ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل ۱۶ : ۴۳)
اور ہم نے آپ سے پہلے تمام رسول آدمی بھیجے ہیں جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے اہل کتاب سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔

انسان کو رسول بنانے کی حکمت بالغہ:۔ ارشاد الٰہی ہے:
: وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (النحل ۱۶: ۴۴)
اور ہم نے آپ کی طرف یہ قرآن نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو وہ تعلیم کھول کھول کر بیان کر دیں جو ان کے لئے نازل کی گئی ہے تاکہ وہ لوگ غور و فکر کریں۔

ہر قوم کی طرف رسول آئے:۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہر قوم کی طرف ہدایت کے لئے رسول بھیجے ہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ (یونس ۱۰: ۴۷) یعنی ہر امت کے لئے رسول بھیجا گیا ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے: وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (الفاطر ۳۵: ۲۴)
یعنی ہر امت میں ڈرانے والا گزر چکا ہے۔

تمام انبیاء علیہم السلام ایک ہی گروہ ہیں:۔ تمام انبیاء علیہم السلام چشمۂ الوہیت سے سیراب ہو کر تمام لوگوں کے دلوں کی کھیتیوں کو سرسبز کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ ایک ہی مشن اور کام ہونے کی وجہ سے تمام انبیاء علیہ السلام ایک ہی گروہ ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے: اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء ۲۱: ۹۲) یہ تمہاری امت ایک جماعت ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو میری عبادت کرو۔

رسولوں کے درمیان تفریق کفر ہے:۔ جب کہ اسلام نے تمام رسولوں کو ایک ہی امت قرار دیا ہے تو ان کے درمیان تفریق کرنا ناروا اور کفر ہے۔ ارشاد ہے: لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ
ہم رسولوں کے درمیان کسی قسم کی تفریق نہیں کرتے۔ (البقرہ ۲: ۲۸۵)

دوسری جگہ آتا ہے پس وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں اس کے درمیان راہ نکالیں وہ پکے کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے ذلیل و خوار کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (النساء ۴: ۱۵۰، ۱۵۱)

رسولوں کی بعثت کا مقصد: ۔ قرآن مجید نے رسولوں کی بعثت کا مقصد اس آیت کریمہ میں بیان کر دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (البقرہ ۲:۱۵۱) جیسا کہ ہم نے تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر ہماری آیات پڑھتا ہے اور تم کو پاک کرتا ہے اور تم کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔

ختم نبوت: ۔ قرآن مجید نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین قرار دیا ہے۔ اور اب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ قرآن مجید میں آتا ہے: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (الاحزاب ۳۳:۴۰) یعنی محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ لیکن اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

ختم نبوت پر نسل انسانی کا اتحاد ہے: جیسا کہ پہلے یہ ذکر گزر چکا ہے کہ رسول کریم علی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قوم کی طرف آتے تھے، اور ان کا دائرہ تبلیغ صرف اپنی قوم تک محدود ہوتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نے قومی نبوت کا زمانہ ختم کر دیا اور اس کی جگہ عالمگیر نبوت نے لے لی۔ جس سے تمام قومی امتیازات مٹ گئے اور نسل انسانی کے اتحاد کی بنیاد پڑ گئی۔

**قیامت کے دن پر ایمان:** ۔ قرآن مجید نے قیامت کے دن پر ایمان لانے کو بہت ہی اہمیت دی ہے۔ جہاں اللہ پر ایمان لانے کا ذکر ہے۔ وہیں یوم آخرت پر ایمان لانے کا ذکر ہے ارشاد الٰہی ہے مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ (البقرہ ۲:۶۲) یعنی جو ایمان لایا اللہ پر اور آخری دن (قیامت کے دن) پر اور نیک کام کئے پس ان کے لئے ان کے رب کے پاس اجر ہے۔

ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ (البقرہ ۲:۴) اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

یوم قیامت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے متعلق قرآن مجید کہتا ہے:

إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُم مُّنكِرَةٌ وَهُم مُّسْتَكْبِرُونَ (النحل ۱۶:۲۲)

تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے سو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے انکے

دل انکاری ہیں اور وہ تکبر کرتے ہیں۔

ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنَاکِبُوْنَ ۔ اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ سیدھی راہ سے ہٹے ہوتے ہیں۔ (المومنون ۲۳: ۷۴)

**قیامت کے دن پر ایمان لانے کا فائدہ:۔** قیامت کے دن پر ایمان لانے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے انسان کے دل میں نیک کاموں کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ جب ایک انسان کو یہ کامل یقین ہو کہ وہ ایک دن ایک علیم و خبیر ہستی کے سامنے اعمال کا جواب دہ ہوگا تو وہ لازمی طور پر بُرے کاموں سے اجتناب کرے گا اور نیک کاموں کی طرف رغبت کرے گا۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (البقرہ ۲: ۴۵، ۴۶) یقیناً یہ بڑی مشکل ہے مگر عاجزی کرنے والوں کے لئے نہیں جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور کہ وہ اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

**جنت اور دوزخ کا آغاز:۔** جنت اور دوزخ اسی دنیا سے شروع ہو جاتے ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے: وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ (الرحمٰن ۵۵: ۴۷) اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے کی فکر رکھتا ہے اسکے لئے دو جنت ہیں۔

ایک جنت تو اس دنیا میں مل جاتی ہے کیونکہ خوف الٰہی بدیوں اور برائیوں سے روکتا ہے، نیکی کے راستہ پر چلنے کی ترغیب دیتا ہے۔ نیکی ہی انسان کے دل میں ایک لذت اور سرور پیدا کرتی ہے۔ یہی بہشتی زندگی کی علامت ہے۔

**حشر اجساد کی ایک دلیل:۔** منکرین قیامت نے یہ اعتراض کیا أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيْدٌ (سورۃ ق ۵۰: ۳) کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو پھر ہمارا حشر اجساد ہوگا؟ یہ تو بعید از عقل بات ہے۔

اس اعتراض کا جواب حکیمانہ انداز میں اگلی آیات میں دیا ہے، فرمایا

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ (ق ۵۰: ۹-۱۱) اور ہم نے بادل سے برکت والا پانی اتارا پھر ہم نے اسکے ساتھ باغ اگائے اور دانہ جو کاٹا جاتا ہے اور لمبی لمبی کھجوریں جن کا گابھا تہ بتہ ہے بندوں کیلئے رزق ہے اور اسکے ساتھ ہم مُردہ بستی کو زندہ کرتے ہیں، اسی طرح نکلنا ہوگا۔

یہ آیت اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر دلالت کرتی ہے کہ وہ اپنی قدرت سے اشیاء کائنات کو نیستی سے ہستی میں لایا، تو وہ اسی قدرت سے مرنے کے بعد نئی پیدائش کیوں نہیں کر سکتا۔

دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے: اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰی وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ (یٰسین ۳۶: ۸۱،۸۲)

کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس بات پر قادر نہیں ہے کہ ان انسانوں کی مثل بنا سکے۔ ہاں وہ بڑا پیدا کرنے والا جاننے والا ہے اس کا حکم جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے صرف یہ کہتا ہے ہو جا وہ ہو جاتی ہے۔

دوسری دلیل:۔ عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ انسان جس قسم کے اعمال بجا لائے اس کے مطابق اس کو جزا و سزا ملے۔ نیک کام کرنے والے کو انعام اور برے کام کرنے والے کو سزا۔ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے: یُدْخِلُ مَنْ یَّشَآءُ فِیْ رَحْمَتِهٖ وَالظّٰلِمِیْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا (الدہر ۷۶: ۳۱) وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کے لئے اُس نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ (آل عمران ۳: ۱۹۵) میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا مرد ہو یا عورت تم سب ایک دوسرے سے ہو۔

قیامت کے مناظر:۔ قرآن مجید نے اس دنیا کی عام تباہی کا نام قیامت رکھا ہے: قرآن مجید نے اس عام تباہی کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً فَیَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ (الحاقۃ ۶۹: ۱۳-۱۵)

پس جب صور میں ایک پھونک سے پھونکا جائے گا اور زمین اور پہاڑ اٹھائے جائیں گے پھر ایک ہی مرتبہ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے سو اس دن ہو جانے والی بات ہو جائے گی۔

جنت اور دوزخ کی حقیقت:۔ قرآن مجید نے جنت و دوزخ کا فلسفہ نہایت ہی عمدہ رنگ میں بیان کیا ہے ارشاد الٰہی ہے:

وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (البقرہ ۲: ۲۵)

اور ان لوگوں کو خوشخبری دے دو جو ایمان لاتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں کہ ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو باغ کے ساتھ اور نہروں کو اعمال کے ساتھ مشابہت دی ہے۔ اس آیت میں حکیمانہ انداز میں یہ بیان کیا ہے کہ جو رشتہ اور تعلق نہروں کا باغ کے ساتھ ہے وہی تعلق اعمال کا ایمان کے ساتھ ہے۔ جسطرح کوئی باغ بغیر پانی کے سرسبز نہیں رہ سکتا اسی طرح ایمان بغیر عمل صالح کے زندہ نہیں کہلا سکتا۔ اگر ایمان ہو اور اعمال صالح نہ ہوں تو ایمان ہیچ، اگر ایمان نہ ہو تو اعمال اچھا نتیجہ پیدا نہیں کر سکتے۔

پس اسلامی عبت کی حقیقت ہی یہی ہے کہ وہ اس دنیا کے ایمان اور اعمال کا ایک ظل ہے۔ انسان کی بہشت اور دوزخ انسان کے اندر سے ہی نکلتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے: نَارُ اللّٰهِ الْمُوقَدَةُ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ (الھمزہ ۱۰۴: ۶-۷) اللہ کی جلائی ہوئی آگ جو دلوں پر جھانکتی ہے۔

عقیدہ آخرت کا اثر:۔ عقیدہ آخرت پر ایمان لانے سے انسان ہر وقت ڈرتا رہتا ہے کہ اسکو ایک دن علیم و خبیر ہستی کے سامنے اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ جب انسان کے دل میں خوف الٰہی پیدا ہو جاتا ہے تو وہ ہر قسم کی برائی سے اجتناب کرتا ہے اور ہر نیکی کی طرف قدم اٹھاتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ (رعد ۱۳: ۲۱) اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب کا خوف رکھتے ہیں۔

دوسری جگہ آتا ہے إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا (الدہر ۷۶: ۱۰) ہم اپنے رب سے تنگی اور سختی کے دن کا خوف رکھتے ہیں۔

## تقدیر پر ایمان

تقدیر کے معنی اندازہ کے ہیں۔ جب یہ لفظ اللہ کی طرف منسوب ہوتا ہے، یعنی تقدیر الٰہی، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز اور ہر فرد کو کسی خاص مقصد حاصل کرنے کیلئے ایک خاص اندازہ کے تحت پیدا کیا ہے۔ اس اندازہ کا نام تقدیر ہے جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى (الاعلیٰ ۸۷: ۱-۳) یعنی اپنے رب کے نام کی تسبیح بیان کر جو سب سے بلند و برتر ہے جس نے پیدا کیا پھر ٹھیک ٹھاک بنایا اور جس نے اندازہ کیا پھر ہر چیز کو اس کی پیدائش کی غرض حاصل کرنے کیلئے ایک خاص راستہ پر چلایا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی تقدیر دنیا کی ہر چیز میں کام کر رہی ہے۔ یہ تقدیر

دو قسم کی ہے: تقدیر مبرم اور تقدیر معلق۔

تقدیر مبرم:۔ وہ تقدیر ہے جسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔ نہ اس میں کوئی کمی بیشی کی جاسکتی ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے آگ کو پیدا کیا ہے۔ اس میں یہ تقدیر کام کر رہی ہے کہ وہ جلائے۔ پانی پیدا کیا ہے، اس میں یہ تقدیر کام کر رہی ہے کہ وہ پیاس بجھائے، حیوانات اور نباتات کے لئے باعث زندگی بنے۔ سورج پیدا کیا ہے۔ اس میں یہ تقدیر کام کر رہی ہے کہ وہ روشنی دے اور گرمی پہنچائے۔ غرض کہ دنیا کی ہر چیز میں اللہ کی تقدیر کام کر رہی ہے۔ یہ وہ تقدیر ہے جس کو تقدیر مبرم کہتے ہیں، یعنی اٹل قانون۔ اگر یہ قانون اٹل نہ ہوتے تو دنیا کا نظام ہی درہم برہم ہو جاتا ہے۔ مثلاً کبھی آگ جلاتی اور کبھی نہ جلاتی۔ کبھی پانی پیاس بجھاتا اور کبھی نہ بجھاتا۔ کبھی سورج گرمی دیتا اور کبھی نہ دیتا۔ تو اس طرح دنیا کا نظام ہی ختم ہو جاتا۔ یہ ایک عالمگیر تقدیر یا قانون الٰہی ہے جو دنیا کی تمام اشیاء میں جاری و ساری ہے۔

تقدیر معلق:۔ تقدیر معلق سے مراد وہ تقدیر ہے جو ٹل سکے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے یہ اندازہ اور قاعدہ بنا دیا ہے کہ انسان جب کبھی صحیح اسباب استعمال کرے گا تو نتیجہ صحیح نکلے گا۔ اگر غلط اسباب سے کام لے گا تو نتیجہ غلط نکلے گا۔ اس اندازہ کا نام تقدیر معلق ہے۔ اسی تقدیر کے تحت تمام سعی و عمل و ترقیات کا ظہور ہے۔ اس تقدیر کو معلق اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا ٹل جانا انسان کی سعی اور اسباب کی کیفیات پر مبنی ہے۔ مثلاً ایک بیمار ہے، اس کا علاج غلط ہو رہا ہے، تو وہ موت کے منہ میں چلا جائے گا۔ اگر اس کا صحیح علاج ہو رہا ہے تو وہ صحت یاب ہو جائے گا۔ یہ ایک تقدیر تھی جو اسباب کے ساتھ وابستہ تھی۔ جب صحیح اسباب مل گئے تو یہ ٹل گئی، اگر اسباب غلط ملے تو نہ ٹلی۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختار پیدا کیا ہے اور مجبور بھی۔ مثلاً انسان کے جسم میں مختلف اعضاء کام کر رہے ہیں۔ دل حرکت کر رہا ہے۔ خون رگوں میں گردش کر رہا ہے ان چیزوں میں انسان کا کوئی دخل نہیں۔ لیکن بعض اعضاء ایسے دیئے ہیں جن کے افعال انسان کی طاقت کے اندر ہیں۔ مثلاً آنکھ سے دیکھنا یا نہ دیکھنا، کان سے سننا یا نہ سننا، ہاتھ سے کام لینا یا نہ لینا۔

انسان اللہ کے سامنے صرف انہی اعمال کا جواب دہ ہے جن میں وہ مختار ہے۔ دراصل انسان کی برتری تمام دوسری کائنات پر اس مختاری میں ہے۔

جیسا کہ فرقہ جبریہ والے کہتے ہیں کہ انسان مجبور محض ہے، وہ انسان کو اس کے صحیح مقام سے گراتے ہیں۔ اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ انسان مجبور محض ہے، اس کو اپنے کسی فعل

میں اختیار نہیں۔ یہ عقیدہ قیامت کے دن جزا و سزا کے بھی مخالف ہے۔ اگر انسان مجبور محض ہے تو اس کو سزا کیسی اور جزا کیسی؟ کیوں کہ اس نے کوئی عمل اپنے اختیار سے کیا ہی نہیں۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دو تقدیریں اس دنیا میں کام کر رہی ہیں۔ ایک تقدیر مبرم یعنی وہ قاعدہ جو عالمگیر قانون کی حیثیت رکھتا ہے، اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں۔ دوسری تقدیر معلق جو انسان کی سعی صحیح اور ناقص سے وابستہ ہے۔ اگر انسان صحیح اسباب اور صحیح راستہ پر چل کر کام کرے گا تو نتیجہ انسان کے حق میں نکلے گا، اگر انسان غلط اسباب اور غلط راستہ اختیار کرے گا تو نتیجہ اس کے خلاف نکلے گا۔ یہ تقدیر انسان کی راہنمائی کرتی ہے کہ انسان کو ان راستوں پر چلنا چاہیئے اور ان اسباب کو اپنے استعمال میں لانا چاہیئے جو صحیح ہوں۔

ایک اور بات یاد رکھنی چاہیئے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان صحیح اسباب اختیار کرتا ہے لیکن نتائج حسب منشا نہیں نکلتے۔ اس میں یہ حکمت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزمانا چاہتا ہے، آیا اس کا بندہ اللہ کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے یا کہ نہیں۔ یہ بھی اللہ کی تقدیر ہے۔ اس سے انسان کی روحانی ترقی وابستہ ہے۔

تقدیر الٰہی پر ایمان لانے کا یہ مطلب ہے کہ ان تمام اسباب کو استعمال میں لایا جائے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کی ترقی کے لئے پیدا کئے ہیں۔

## عبادات

عبادات جمع ہے عبادت کی۔ امام راغب نے عبادت کے معنی انتہائی درجہ تذلل اور انکساری کے کئے ہیں۔ لسان العرب میں عبادت کے معنی اطاعت کے ہیں۔

انسان کی پیدائش کی غرض:۔ قرآن مجید نے بنی نوع انسان کی پیدائش کی غرض و غایت ہی عبادت قرار دی ہے ارشاد الٰہی ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات ۵۱: ۵۶) کہ میں نے جن و انس اس لئے پیدا کئے ہیں تاکہ وہ میری عبادت کریں۔

دوسری جگہ آتا ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (بقرہ ۲: ۲۱) اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور انہیں جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی بنو۔

اسلام میں عبادت کا مفہوم:۔ دین اسلام میں عبادت چند الفاظ اور حرکات کا نام نہیں ہے، بلکہ لفظ عبادت اپنے اندر ایک وسیع مفہوم لئے ہوئے ہے۔ اللہ ہمارے چند تعریفی کلمات کا محتاج نہیں۔ وہ غنی اور صمد ہے۔ اسلام میں اللہ کی عبادت کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ انسان

اللہ تعالیٰ کے عنایت کئے ہوئے نظریۂ حیات کا جوا اپنی گردن پر رکھے اور اس کے مطابق اپنی زندگی بسر کرے۔

## نماز

قرآن مجید میں جہاں مدح یا تحریص کے مقام پر نماز کا ذکر آیا ہے وہاں لفظاً اقام یا اس کے مشتقات کو استعمال کیا ہے جیسے یُقِیمُوْنَ الصَّلٰوۃَ، اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ، مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ۔ اقام کا مادہ قوم ہے۔ اقام الامر کے معنی ہیں کام کو درست اور صحیح حالت میں رکھنا۔ اللہ تعالیٰ کا لفظاً اقام یا اس کے مشتقات لفظ صلوٰۃ کے ساتھ ذکر کرنے سے یہ مطلب ہے کہ نماز اس کے آداب اور شرائط کے ساتھ ادا کی جائے۔

## نماز کے آداب و شرائط

۱۔ طہارت (جسم کپڑا اور جگہ) قرآن مجید میں آتا ہے یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (المدثر ۷۴: ۵) اے چادر اوڑھنے والے اٹھ اور ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر اور اپنے کپڑوں کو پاک صاف رکھ اور ناپاکی سے دور رہ۔

۲۔ باجماعت ادا کرنا۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (البقرہ ۲: ۴۳) یعنی جھکنے والوں کے ساتھ جھکو۔

۳۔ خشوع و خضوع: ارشاد الٰہی ہے: اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ (مومنون ۲۳: ۲) وہ لوگ جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔

اس کے برعکس نماز کی روح سے غافل نمازیوں کے متعلق آتا ہے:
فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ (الماعون ۱۰۷: ۴-۶)
پس ان نمازیوں کے لئے ہلاکت ہو جو اپنی نماز سے غافل ہیں اور جو ریاکاری سے پڑھتے ہیں۔

۴۔ نماز بدی برائیوں سے روک جائے:۔ قرآن مجید میں آتا ہے:
وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (عنکبوت ۲۹: ۴۵)
اور نماز کو قائم رکھو نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔

۵۔ باقاعدہ التزام اور دوام سے پڑھنا:۔
اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ (معارج ۷۰: ۲۳)
جو اپنی نماز کو دوام اور باقاعدگی سے پڑھتے ہیں۔

دوسری جگہ آتا ہے: وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ (معارج ۷۰: ۳۴) جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔

۶۔ استقبالِ قبلہ: فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ (بقرہ ۲: ۱۴۴) تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیرا اور جہاں کہیں بھی تم ہو مومنوں کو اس طرف پھیرو۔

۷۔ فہم و تدبّر: نماز میں جو کچھ پڑھا جائے اس کے معنوں کی طرف دل متوجہ ہو۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (النساء ۴: ۴۳) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو نماز کے قریب نہ جاؤ جب تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ جو تم کہو اس کو سمجھو۔

۸۔ قنوت: لغت میں قنوت کے معنی ہیں۔ اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری (۲) خاموش رہنا۔ قرآن مجید میں آتا ہے: قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ (بقرہ ۲: ۲۳۸) اور اللہ کے سامنے عجز اور خاموشی سے کھڑے ہو جاؤ۔

اس آیت کے نزول سے قبل نماز میں باتیں کر لیا کرتے تھے، جب یہ آیت اتری تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باتیں کرنے سے منع فرمایا۔

۹۔ اوقات مقررہ پر ادا کرنا: اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (النساء ۴: ۱۰۳) مومنوں پر نماز وقت مقررہ پر فرض ہے۔

۱۰۔ ستر عورت: ارشاد الٰہی ہے۔ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف ۷: ۳۱) اے آدم کی اولاد ہر نماز کے وقت اپنی زینت سے آراستہ ہو جایا کرو۔

## نماز کی حقیقت اور اہمیت

الصلوٰۃ کا مادہ صَلٰی ہے جس کے معنی آگ میں جلانا اور آگ میں داخل ہونا ہیں: جیسے يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى (الاعلیٰ ۸۷: ۱۲) سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا (النساء ۴: ۱۰) صَلٰوۃ کے معنی دعا اور برکت کے بھی ہیں: جیسے ارشاد الٰہی ہے: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ (الاحزاب ۳۳: ۵۶) اور اللہ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ الصَّلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (۹: ۱۰۳) تو ان لوگوں کے لیے دعا کر کیوں کہ تیری دعا ان کے لیے باعث سکون ہے۔

قرآن مجید میں صَلٰوۃ کا لفظ عبادت گاہ پر بھی بولا گیا ہے۔ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوٰتٌ وَمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا (الحج ۲۲: ۴۰) راہبوں کی کوٹھڑیاں اور گرجے اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے گرا دی جائیں۔

اسلامی اصطلاح :- اسلام میں صلوٰۃ سے مراد وہ عبادت ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے مخصوص ہیئت کے ساتھ سکھائی، جو ہم تک مسلمانوں کے متواتر عمل کے ساتھ پہنچی صلوٰۃ کا لفظ اپنے مادہ کے لحاظ سے اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو وہ نماز قبول ہے جس کے ساتھ دل کی سوز تپش اور رجلن ہے۔ قلبی جلن اور حرقت ہی انسان کو گناہوں سے پاک صاف کرتی ہے اور خدا کے بڑے بڑے فضلوں کا وارث بناتی ہے۔ معراج انسانیت تک پہنچاتی ہے۔ اخلاق فاضلہ کے زیور سے آراستہ کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے حقیقی ارتباط قائم کرتی ہے۔

اہمیت :- دنیا میں جتنے انبیاء علیہم السلام ہو گزرے ہیں اُنہوں نے اپنی اپنی امتوں کو نماز کا حکم دیا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث میں بھی اس فریضہ کی بجا آوری کے لئے بہت تاکید پائی جاتی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَاَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ اور نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو۔

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ نماز کا ادا نہ کرنا شرک کی ایک قسم ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے: وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۔ حدیث میں ہے: مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ (ترمذی) جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کی وہ کافر ہو گیا۔

پھر آپ نے فرمایا: اَلصَّلٰوةُ عِمَادُ الدِّيْنِ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ هَدَمَ الدِّيْنَ نماز دین کا ستون ہے پس جس نے اس کو چھوڑا اس نے دین کو گرا دیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں جن دو باتوں کی تاکید فرمائی تھی، ان میں سے ایک نماز تھی۔ آپ نے فرمایا: مسلمانو! اَلصَّلٰوةَ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ میری وفات کے بعد نماز کو قائم رکھنا اور غلاموں کے حقوق کی حفاظت کرنا۔

نماز کی غرض و غایت :- قرآن مجید نماز کی غرض و غایت تزکیہ نفس بیان کرتا ہے:
اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (عنکبوت ۲۹: ۴۵) یعنی نماز ہر قسم کی بے حیائی اور بے شرمی کی باتوں سے روکتی ہے۔

ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: بتاؤ تو سہی کہ اگر کسی کے دروازے کے سامنے نہر گزرتی ہو، اور وہ دن میں پانچ دفعہ اس میں نہائے

تو اس کے بدن پر کسی قسم کی میل رہ جاتی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: یہی حالت پانچ نمازوں کی ہے کہ وہ انسان کے گناہوں کے دھبوں کو صاف کر دیتی ہیں۔

**ارکان نماز:۔** نماز کی ابتداء قیام سے ہوتی ہے۔ نمازی اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر ادب کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے اور تکبیر تحریمہ کے بعد حسب ذیل الفاظ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ[1] یعنی پاک ہے تو اے اللہ اور تیری ہی تعریف ہے اور تیرا نام برکت والا ہے تیری شان بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

مندرجہ بالا دعا پڑھنے کے بعد یہ الفاظ پڑھے جاتے ہیں:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ یعنی میں شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

اس کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھی جاتی ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔ اٰمین

اللہ بے انتہا رحم کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ وہ جزا و سزا کے دن کا مالک ہے۔ ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں ہمیں سیدھے راستہ کی ہدایت کر راستہ ان لوگوں کا جن پر تو نے انعام کیا نہ ان لوگوں کا راستہ جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا۔

سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد قرآن مجید سے کم از کم تین آیات پر مشتمل سورت پڑھی جاتی ہے۔ جہاں صرف سورۃ اخلاص جس کا مضمون خالص توحید پر مشتمل ہے، درج کی جاتی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے انتہا رحم کرنے والا بار بار رحم کرنے والا ہے۔ کہہ وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے نہ وہ جنتا ہے اور نہ جنا گیا اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔

**رکوع:۔** اس کے بعد نمازی رکوع میں جاتا ہے۔ اس حالت میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ تین مرتبہ پڑھا جاتا ہے۔

**قیام بعد رکوع:۔** نمازی رکوع کی حالت سے قیام کی حالت میں آتا ہے اور دونوں ہاتھ کھلے رہتے ہیں اور سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ (خدا اسکی سنتا ہے جو اسکی تعریف کرتا ہے) کے الفاظ پڑھے جاتے ہیں اور ساتھ ہی رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ (اے ہمارے رب سب تعریف

---

[1] بخاری کتاب الصلوٰۃ باب ۸۸ مزید اس افتتاح بسبحانک

نیز سے لئے ہے) کے الفاظ کہے جاتے ہیں۔

سجدہ:۔ اس کے بعد نمازی اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں گر جاتا ہے اور اس حالت عاجزی میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰی (پاک ہے میرا رب جو بہت بلند ہے) کے الفاظ تین بار دہراتے جاتے ہیں۔ یہ ہیئت دو دفعہ اختیار کی جاتی ہے۔

مصلی تکبیر کہہ کر سجدہ سے سر اٹھاتا ہے اور جلسہ کی ہیئت میں بیٹھ جاتا ہے۔ اس وقت یہ دعا پڑھی جاتی ہے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي وَارْحَمْنِي وَاهْدِنِي وَعَافِنِي وَارْزُقْنِي وَاجْبُرْنِي وَارْفَعْنِي[1] اے خدا مجھے بخش دے مجھ پر رحم فرما اور میری راہنمائی فرما کر منزل مقصود تک پہنچا اور مجھے رزق عطا فرما، میرے معاملات کو درست کر دے اور مجھے بلندی عطا کر۔

قعدہ:۔ دو رکعت ختم ہونے پر قعدہ میں حسب ذیل دعا پڑھی جاتی ہے:

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

تمام قولی، بدنی اور مالی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اے نبیؐ تجھ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکات ہوں۔ سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

نماز کے آخری قعدہ میں تشہد کے بعد درود پڑھا جاتا ہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اے خدا! درود بھیج محمدؐ پر اور آل محمدؐ پر جس طرح تو نے درود بھیجا ابراہیمؑ پر اور آل ابراہیمؑ پر، بے شک تو تعریف کیا گیا ہے اور بزرگی والا ہے، اے اللہ! تو برکت بھیج محمدؐ پر اور آل محمدؐ پر جسطرح تو نے برکت بھیجی ابراہیمؑ پر اور آل ابراہیمؑ پر بے شک تو تعریف کیا گیا اور بزرگی والا ہے۔

اس کے بعد احادیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعائیں مروی ہیں وہ پڑھی جاتی ہیں۔

ایک دعا یہ ہے:

---

[1] ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب الدعا بین السجدتین

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ

۔ اے اللہ! بے شک میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا ہے اور تیرے سوا کوئی گناہوں کو بخش نہیں سکتا۔ پس مجھے بخش دے اپنی خاص مغفرت سے اور مجھ پر رحم فرما، بے شک تو ہی بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

اس کے بعد دائیں بائیں سلام پھیرا جاتا ہے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ سلام ہو تم پر اور اللہ کی رحمت۔

نماز وتر میں تیسری رکعت کے بعد یہ دعا پڑھی جاتی ہے:۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ وَنَسْتَغْفِرُکَ وَنُؤْمِنُ بِکَ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْکَ وَنُثْنِیْ عَلَیْکَ الْخَیْرَ وَنَشْکُرُکَ وَلَا نَکْفُرُکَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُکُ مَنْ یَّفْجُرُکَ اَللّٰھُمَّ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَلَکَ نُصَلِّیْ وَنَسْجُدُ وَاِلَیْکَ نَسْعٰی وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْا رَحْمَتَکَ وَنَخْشٰی عَذَابَکَ اِنَّ عَذَابَکَ بِالْکُفَّارِ مُلْحِقٌ۔

اے اللہ! ہم تجھ سے مدد مانگتے ہیں اور تیری بخشش چاہتے ہیں اور تجھ پر ایمان لاتے ہیں اور تجھ پر توکل کرتے ہیں اور تیری تعریف کرتے ہیں اور تیرا شکر کرتے ہیں اور تیری ناشکری نہیں کرتے، ہم علیحدہ ہو جاتے ہیں اور چھوڑتے ہیں اسکو جو تیری نافرمانی کرتا ہے۔ اے اللہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تیری ہی نماز پڑھتے ہیں۔ اور تیرے آگے سجدہ کرتے ہیں اور تیری طرف دوڑتے ہیں اور تیری خدمت میں حاضر رہتے ہیں اور ہم تیری رحمت کے امیدوار ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں بے شک تیرا عذاب کفار کو پہنچنے والا ہے۔

اگر نمازی غلطی کر جاتے تو نماز کے اختتام پر تسلیم سے پہلے سجدہ سہو کرنا ضروری ہے۔ سجدہ سہو دو سجدوں پر مشتمل ہے۔ اگر امام سے غلطی سرزد ہو جائے تو وہ بھی مقتدیوں کے ساتھ سجدہ سہو کرے۔

## فلسفہ نماز

نماز انفرادی اور اجتماعی ترقی کے دروازے کھولتی ہے۔ قرآن مجید نے نماز کو ذریعہ فلاح قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے، قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلٰوتِھِمْ خٰشِعُوْنَ مومن یقیناً کامیاب ہو گئے جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں۔

فلاح کا تعلق دنیا اور آخرت دونوں سے ہے۔ دنیا میں فلاح اچھی اور قابل قدر چیزوں کے حصول پر بولا جاتا ہے اور آخرت میں فلاح لقاء الٰہی سے تعبیر ہوتی ہے۔ چوں کہ فرد کی ترقی قوم کی ترقی پر منحصر ہے اس لئے پہلے فرد کی ترقی پر بحث کی جاتی ہے۔ (باقی صفحہ ۲۰۶ پر)

فرد کی ترقی کے اسباب:- ۱- انسان کی ترقی کا پہلا ذریعہ اخلاق حسنہ ہے۔ نماز انسان کے اخلاق سنوارنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (عنکبوت ۲۹: ۴۵) - یعنی نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔

۲- فرد کی ترقی کا دوسرا سبب فرض شناسی ہے۔ نماز انسان کو فرض شناسی اور احسن طریق سے کام سرانجام دینے کا سبق دیتی ہے۔ جس طرح سپاہیوں میں فرض شناسی پیدا کرنے کے لئے دن رات کئی دفعہ بگل بجا کر مقررہ جگہ پر اکٹھا کیا جاتا ہے، ان سے پریڈ کرائی جاتی ہے۔ یہ صرف فرض شناسی کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے کیا جاتا ہے ایک سطحی بین شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اجتماعی قواعد کا جنگ سے کیا تعلق۔ لیکن تجربے اور مشاہدہ نے یہ بات پایۂ یقین تک پہنچا دی ہے کہ سپاہیوں کی اجتماعی پریڈ لڑائی کی تیاری کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کو دن میں پانچ دفعہ مسجد میں آنے کے لئے اذان دی جاتی ہے کہ وہ تمام کام چھوڑ کر اللہ کے حضور کھڑے ہو جائیں۔ اللہ کے حضور پانچ دفعہ حاضری انسان کے اندر فرض شناسی کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔

۳- فرد کی ترقی کا تیسرا سبب ضبط نفس ہے۔ نماز میں ارکان کی پابندی، طہارت کی قید جسمانی حرکات، خاص دعاؤں اور تسبیحوں کا پڑھنا، امام کے ہر فعل کی پوری پوری اطاعت کرنا۔ یہ سب امور انسان کو ضبط نفس کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور یہ سب پابندیاں اور قیود انسان کی اپنی رائے اور خواہشات کو دفن کر دیتی ہیں۔

۴- فرد کی ترقی کا چوتھا سبب وقت کی پابندی ہے۔ نماز کے اوقات مقرر ہیں، جن میں نماز ادا کرنا فرض ہے۔ اوقات کا تعین انسان کو پابندیٔ وقت کا عادی بنا دیتا ہے۔

۵- فرد کی ترقی کا پانچواں سبب صحت ہے۔ ضابطہ نماز میں انسان کے لئے حفظان صحت کے اصول ضروری کر دیئے گئے ہیں۔ نماز پڑھنے سے پہلے جسم اور اعضاء کا پاک صاف کرنا ضروری ہے جو انسان کی صحت کے لئے ضروری ہے۔ اسی طرح حفظان صحت کے اصول سے صبح خیزی بھی بہت ضروری ہے، صبح کی نماز اس اصول کو نہایت خوبی سے پورا کرتی ہے۔

۶- فرد کی ترقی کا چھٹا سبب قوت عملیہ کو فعل میں لانا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:
وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (نجم ۵۳: ۳۹) اور انسان کے لئے کچھ نہیں مگر وہی جو وہ کوشش کرتا ہے۔
اسلامی نماز انسان کی قوت عملیہ کو جلا دینے اور حرکت اور فعل میں لانے کا بہترین

سبب ہے۔ سُستی اور کاہلی کو نماز کے آداب اور شرائط کے منافی قرار دیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:
لَا يَأْتُونَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى (توبہ ۹: ۵۴) یعنی منافق لوگ نماز میں سُستی اور کاہلی کی حالت میں آتے ہیں۔

۷۔ کسی فرد کی ترقی کا ساتواں سبب کسی کام میں مواظبت اور دوام اختیار کرنے میں ہے۔ نماز مسلمان کو مواظبت اور دوام اختیار کرنے کا سبق دیتی ہے۔ قرآن مجید میں اقامت صلوٰۃ کی ایک شرط یہ بیان کی ہے۔ اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ (معارج ۷۰: ۲۳) جو اپنی نمازوں کو مداومت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
احبُّ العَمَلِ اِلَى اللّٰهِ اَدْوَمُه وَاِنْ قَلَّ [1] اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے خواہ وہ کم ہی ہو۔

اجتماعی ترقی کے اسباب:۔ ۱۔ اجتماعی ترقی کا پہلا سبب اتحاد ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:
وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران ۳: ۱۰۳)
اور سب کے سب اللہ کی رسی کو پکڑ لے رکھو اور تفرقہ نہ کرو۔
اتحاد کو برقرار رکھنے کے لئے نماز بہترین ذریعہ ہے۔

۲۔ قومی ترقی کا دوسرا سبب مساوات ہے۔ جس قوم میں طبقاتی تقسیم ہو جیسا کہ ہندوؤں میں چار فائیں ہیں تو وہ قوم پستی کے گڑھے میں جا گرتی ہے۔ اسلام اس قسم کی طبقاتی تقسیم کو نہ صرف ختم کرتا ہے بلکہ تمام دنیا کی اقوام کو ایک برادری کے دائرہ میں داخل کرتا ہے:
يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (سورہ نساء ۴: ۱)
اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا۔
مساوات کا کامل نمونہ مسجد میں باجماعت نماز سے ملتا ہے۔ جب ایک امیر قیمتی لباس پہنے ہوئے ایک غریب کے دوش بدوش کھڑا ہوتا ہے۔ پھر ایک امیر دوسری یا تیسری صف میں کھڑا ہوتا ہے تو اس کا سر سجدہ کرتے وقت کسی غریب کے پاؤں کے قریب ہوتا ہے۔

۳۔ قومی ترقی کا تیسرا سبب جذبہ ہمدردی اور اخوت ہے۔ نماز مسلمانوں کے اندر ایک دوسرے سے ہمدردی اور بھائی چارہ کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ سورۃ فاتحہ نماز کی اہم شق ہے، جس کے پڑھے بغیر نماز ہی نہیں ہوتی۔ اس کا آغاز ہی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے ہوتا ہے۔ یعنی سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

---

[1] ابو داؤد باب ما یؤمر بہ من القصد فی الصلوٰۃ

جب ایک نمازی اللہ تعالیٰ کو رب العالمین کہہ کر پکارتا ہے تو اس کا دل روئے زمین کے تمام انسانوں کی ہمدردی سے بھر جاتا ہے اور نمازی صفت ربوبیت کے تحت تمام غرباء کی اعانت کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

۴۔ قوم کی ترقی کا چوتھا سبب اطاعت امیر ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء ۴: ۵۹)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اور اپنے میں سے صاحب امر کی اطاعت کرو۔

نماز مسلمانوں کو اپنے امیر کی اطاعت کرنے کا سبق دیتی ہے۔ مقتدیوں کو یہ حکم ہے کہ وہ اپنے امام کے ہر فعل کی پیروی کریں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مقتدی امام سے پہلے رکوع میں چلا جاتا ہے یا رکوع سے پہلے سر اٹھا لیتا ہے یا سجدہ میں پہلے چلا جاتا ہے یا سجدہ سے پہلے سر اٹھا لیتا ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے متعلق فرمایا کہ قیامت کے روز وہ گدھے کی صورت میں اٹھایا جائے گا۔

۵۔ قوم کی ترقی کا پانچواں سبب ایک مرکز سے وابستگی ہے۔ جس قوم کا ایک مرکز نہ ہو یا کوئی قوم اپنے مرکز سے علیحدگی اختیار کرے، وہ قوم تنزل کی اتھاہ گہرائیوں میں گر جاتی ہے۔ نماز میں تمام مسلمانوں کو قبلہ رخ کھڑا ہونے کا حکم ہے، جس میں مسلمانوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ ان کی ترقی ایک مرکز سے وابستگی میں ہے۔

## زکوٰۃ

زکوٰۃ کے معنی:۔ زکوٰۃ کا لفظ زکا سے مشتق ہے، کھیتی میں نمو آنے یا اس کے بڑھنے پر یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ اسے زکوٰۃ اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ اس سے قومی مال بڑھتا ہے یا اس سے تزکیہ نفس ہوتا ہے۔ اسلامی اصطلاح میں زکوٰۃ وہ مال ہے جو نصاب کے تحت امراء سے لیا جاتا ہے اور سورۃ توبہ کی آیت ۶۰ کی رو سے حاجت مندوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں زکوٰۃ کے لئے دو اور الفاظ استعمال ہوئے ہیں: صدقہ اور انفاق فی سبیل اللہ۔

صدقہ صدق سے مشتق ہے، جس کے معنی سچائی اور خلوص کے ہیں۔ گویا زکوٰۃ کو صدقہ اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ معطی کے ایمان میں سچائی اور خلوص کی چمک پیدا کرتی ہے جس سے اس کا باطن روشن ہو جاتا ہے۔ دوم، صدقہ کا لفظ معطی کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ

مال خلوص اور صدق دل سے دے۔

انفاق فی سبیل اللہ کے الفاظ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ غربا اور محتاجوں کو دینا گویا اللہ تعالیٰ کو دینا ہے۔

**حقیقت:** ۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے اور اس کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ ان تعالیٰ کی ان گنت صفات میں سے ایک صفت ربوبیت ہے۔ یہ صفت انسان سے تقاضا کرتی ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق صفتِ ربوبیت کا اظہار کرے۔ اسلام نے وہ اظہار زکوٰۃ، خیرات اور صدقات کی صورت میں بیان کیا ہے۔ زکوٰۃ دراصل اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا ظلی اور مجازی طور پر اظہار ہے۔

**اہمیت:** ۔ قرآن مجید نے اقامت صلوٰۃ کے ساتھ ساتھ ایتائے زکوٰۃ کا ذکر کیا ہے۔ جس میں یہ حکمت بالغہ ہے کہ انسان اس وقت تک صحیح تربیت یافتہ نہیں کہلا سکتا جب تک وہ اللہ کے حضور جھکنے کے ساتھ ساتھ مخلوق الٰہی کی خدمت بجا نہیں لاتا۔ کیونکہ یہ دونوں پہلو ہی تکمیل انسانیت کے لئے ضروری ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ یعنی نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ (توبہ ۹ : ۱۱)

اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (سورۃ لقمان ۳۱ : ۲-۴)

(سورۃ لقمان ۳۱ : ۲-۴) یہ حکمت والی کتاب کی آیات ہیں نیکی کرنے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال سے خرچ نہ کرنے والوں کے لئے قرآن مجید اور احادیث میں سخت تہدید آئی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (توبہ ۹ : ۳۴)

یعنی وہ لوگ جو سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی خبر دے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ نہ دینے والوں کے متعلق فرماتے ہیں

مُثِّلَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ لَهٗ زَبِيْبَتَانِ يُطَوَّقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ يَاْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ يَعْنِيْ بِشِدْقَيْهِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا مَالُكَ اَنَا كَنْزُكَ (موطا امام مالک کتاب الزکوٰۃ)

یعنی جس شخص کے پاس مال ہو اور اس نے اسکی زکوٰۃ نہیں نکالی قیامت کے دن اس کے مال کو ایک گنجے سانپ کی صورت دے دی جائے گی اور اس کے منہ میں زہر کی دو تھیلیاں ہونگی، وہ اس آدمی کی تلاش میں نکلے گا یہاں تک کہ اس پر قابو پالے گا اور اس سے کہے گا کہ میں تیرا خزانہ ہوں۔

زکوٰۃ کن اموال پر فرض ہے:۔ سونا، چاندی، نقدی خواہ سکے کی شکل میں ہو یا نوٹ ہوں، مال تجارت پر اور ان جانوروں پر جو سال کا اکثر حصہ چر کر اپنا پیٹ پالتے ہیں، اور زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ فرض ہے۔ زمین اور سکنی مکان، استعمال کی جانے والی چیزیں، جواہرات، ترکاری سبزیاں، پھل وغیرہ پر زکوٰۃ فرض نہیں۔

اسلام نے نہایت ہی حکمت بالغہ سے ان اشیاء پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ایک عرصہ تک محفوظ رہ سکتی ہیں اور ان میں ترقی و نشوونما کی صلاحیت موجود ہو۔ جو اشیاء زیادہ عرصہ تک محفوظ نہ رہ سکتی ہوں اور ان میں ترقی اور نشوونما کی صلاحیت بھی موجود نہ ہو، ان پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔

نصاب زکوٰۃ:۔ مختلف مالوں کا نصاب زکوٰۃ مختلف ہے، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

چاندی کی صورت میں ۲۰۰ درہم یا ۵۲½ تولے، تقریباً ۲۱ اونس۔

سونے کی صورت میں ۲۰ مثقال یا ۷½ تولے، تقریباً ۳ اونس۔

نقدی اور مال تجارت کی صورت میں قیمت کا شمار اور نصاب چاندی کے معیار پر ہوگا۔

زیورات اگر چاندی کے ہیں تو چاندی کا نصاب، اگر سونے کے زیور ہیں تو سونے کا نصاب ہوگا۔

حیوانات کی صورت میں نصاب اونٹوں کے لئے پانچ، بیلوں اور گائیوں کے لئے تیس اور بکریوں کے لئے چالیس ہے۔

اناج کی صورت میں نصاب پانچ وسق۔

زکوٰۃ کی شرح:۔ جب کسی مال پر ایک سال گزر جائے تو اس پر حسب ذیل شرح سے زکوٰۃ واجب ہوگی۔

جمع شدہ مال پر اڑھائی فی صد اور حیوانات کی شرح کا نقشہ حسب ذیل ہے:

| اونٹ | تعداد | شرح زکوٰۃ |
|---|---|---|
| | ۵ - ۹ | ایک بکری |
| | ۱۰ - ۱۴ | دو بکریاں |
| | ۱۵ - ۱۹ | تین بکریاں |
| | ۲۰ - ۲۴ | چار بکریاں |
| | ۲۵ - ۳۵ | اونٹ کا ایک سال کا بچہ |

اونٹ

| تعداد | شرح زکوٰۃ |
|---|---|
| ۲۵-۳۶ | اونٹ کا دو سالہ بچہ |
| ۴۶-۶۰ | تین سال کا اونٹ کا بچہ |
| ۶۱-۷۵ | چار سال کا اونٹ |
| ۷۶-۹۰ | دو سال کے دو بچے |
| ۹۱-۱۲۰ | تین سال کے دو بچے |

۱۲۰ کے بعد ہر چالیس پر دو سال کا ایک بچہ اور ہر پچاس پر تین سال کا ایک بچہ۔

**بکری** : ایک سے ۳۹ تک کی تعداد پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔

| | |
|---|---|
| ۴۰ — ۱۲۰ | ایک بکری |
| ۱۲۱ — ۲۰۰ | دو بکریاں |
| ۲۰۱ — ۳۰۰ | تین بکریاں |

پھر ہر سو پر ایک ایک بکری۔

**گائے، بیل، بھینس** :

ایک سے انتیس تک کی تعداد پر زکوٰۃ نہیں۔

| | |
|---|---|
| ۳۰ پر | ایک دو سالہ بچھڑا |
| ۴۰ " | تین سالہ بچھڑا |
| ۶۰ " | دو سال کے دو بچھڑے |
| ۷۰ " | ایک تین سال کا اور ایک سال کا |
| ۸۰ " | تین سال کے دو |
| ۹۰ " | دو سال کے تین |
| ۱۰۰ " | دو سال کے دو اور تین سال کا ایک |

**زمین** : زمین کی دو قسمیں ہیں : وہ زمین جو بارش یا قدرتی چشموں سے سیراب ہوتی ہے تو حکومت اس کی پیداوار کا دسواں حصہ لے گی۔ جب زمین کنوؤں یا مصنوعی ذرائع سے سیراب ہوتی ہو تو اس سے پیداوار کا بیسواں حصہ لیا جاتا ہے۔

**رکاز (دفینہ)** اسلامی تعلیم کی رو سے اگر کسی کو دفینہ مل جائے تو حکومت اس کے پانچویں حصہ کی مالک ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے : اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

فی .... فی الرکاز الخمس ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دفینہ میں اسلامی حکومت کا پانچواں حصہ ہے۔

مصارف زکوٰۃ :۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان کئے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے:
اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (توبہ ۹: ۶۰) زکوٰۃ صرف فقراء کے لئے ہے مساکین اور اس صیغہ میں کام کرنے والوں اور ان لوگوں کے لئے ہے جن کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنا ہے اور غلاموں کو آزاد کرنے کے لئے اور قرض داروں کے لئے اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کے لئے یہ اللہ کی طرف سے ضروری ٹھہرایا گیا ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

۱۔ فقراء :۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کسی جسمانی معذوری کی وجہ سے روزی کمانے کے اہل نہ ہوں یا جن پر کوئی سخت مصیبت آن پڑی ہو۔ وہ اس قابل نہ ہوں کہ وہ اپنے پاؤں پہ کھڑے ہو سکیں اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پال سکیں۔

۲۔ مساکین :۔ مسکین سے مراد وہ شخص ہے جو کمانے کے لائق ہو مگر غربت یا عدم ذرائع کی وجہ سے کچھ کما نہ سکتا ہو۔

۳۔ عاملین علیہا (کارندے) یہ وہ کارکن ہیں جو صدقات اور زکوٰۃ جمع کرتے اور بیت المال میں پہنچاتے ہیں۔

۴۔ المولفۃ قلوبھم (تالیف قلوب) یہ دو قسم کے لوگ ہیں: اول ایسے لوگ جو دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے اور ان کو اسلام کے قریب لانے کی ضرورت ہے۔

دوم، وہ نو مسلم جن کے قلوب میں اسلام ابھی پورے طور پر راسخ نہیں ہوا۔ ان کی امداد اور ان کو تعلیم اسلام سے واقف کرانے کے لئے زکوٰۃ کے فنڈ سے خرچ کیا جائے۔

تالیف قلوب اتم اعلیٰ اصول ہے۔ لیکن اس اصول کو مسلمانوں نے نسیا منسیا کر دیا ہے، جس وجہ سے کوئی بھی اپنے ہم قوم اور عزہ واقارب سے بگاڑ کر اسلام کو قبول کرنے کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس عیسائیوں نے اس اصول کو اپنا لیا ہے اور تالیف قلوب کی مد سے کروڑوں روپے خرچ کر رہے ہیں۔ اس احسان اور امداد کو دیکھ کر لوگ دھڑا دھڑ آغوش نصرانیت میں جا رہے ہیں۔

۵۔ فی الرقاب (یعنی غلاموں کو آزاد کرنا) اسلام کے علاوہ کوئی ایسا مذہب نہیں جس نے غلاموں کے لئے باضابطہ طور پر بیت المال سے ایک حصہ مقرر کیا ہو۔ یہ آزادی تین طرح

سے ہو سکتی ہے :

۱ - حکومت مالکوں سے غلام خرید کر آزاد کر دے ۔

۲ - اسیران جنگ کا فدیہ دیا جائے

۳ - ان غلاموں کی مدد کی جائے جو مالک سے مکاتبہ کر کے آزاد ہونا چاہتے ہیں ۔

۶ - الغارمین (مقروض) قرض دار دوں کا قرضہ اتارنے کے لئے زکوٰۃ فنڈ سے خرچ کیا جائیگا

۷ - فی سبیل اللہ یعنی اللہ کے راستہ میں ۔ اس سے مراد جہاد ہے ۔ جہاد تین قسم کا ہے :

جہاد سیفی، جہاد قلمی اور جہاد لسانی ۔

تینوں جہاد مسلمانوں کی زندگی کے لئے ضروری ہیں اور اس کے لئے روپے کی ضرورت ہے ۔ اس ضرورت کو زکوٰۃ فنڈ سے پورا کیا جائے گا ۔

۸ - ابن السبیل یعنی مسافر ۔ زکوٰۃ فنڈ سے مسافروں کی امداد کرنے کا حکم ہے ۔ بعض اوقات سفر میں ایسے مرحلے بھی آجاتے ہیں کہ مسافر بیمار ہو جاتا ہے، اسکی رقم گر جاتی ہے تو وہ بالکل تہی دست ہو جاتا ہے ۔ اس صورت میں وہ مالی امداد کا بہت محتاج ہوتا ہے ۔

**زکوٰۃ کے آداب و شرائط :** ۱ - زکوٰۃ دینے والے کے سامنے صرف رضاء الٰہی ہو ۔ ذاتی شہرت اور منفعت مقصود نہ ہو ۔ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے : وَمَا تُنْفِقُونَ اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ (سورۃ بقرہ ۲ : ۲۷۲) اور تم خرچ کرتے ہو سوائے اس کے اللہ کی رضا حاصل ہو ۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَّلَا شُكُوْرًا (الدہر ۷۶ : ۹) ہم تم کو صرف اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے کھلاتے ہیں ہم تم سے کوئی بدلہ اور شکریہ نہیں چاہتے ۔

۲ - جسے خیرات دی جائے اس پر احسان نہ جتایا جائے اور نہ اسکی دل آزاری کی جائے ۔ ارشاد الٰہی ہے : يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ (سورۃ بقرہ ۲ : ۲۶۴) اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور تکلیف دے کر باطل نہ کرو اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے ۔

۳ - خیرات اچھی اور طیب کمائی سے کرنی چاہیئے ۔

قرآن مجید میں آتا ہے :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ (بقرہ ۲ : ۲۶۷)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اچھی چیزوں سے خرچ کرو جو تم
کماتے ہو اور اس سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا اور ردی چیز دینے کا قصد نہ
کرو کہ اس میں سے تم خرچ کرنے لگو۔

اس آیت میں دو باتیں بیان ہوئی ہیں۔ ۱۔ زکوٰۃ کسب حلال سے دینی چاہیئے۔

۲۔ مال ردی نہ ہو۔

دوسری جگہ قرآن مجید میں آتا ہے: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ
(آل عمران ۳: ۹۲) تم نیکی ہرگز حاصل نہیں کر سکو گے یہاں تک کہ اس مال
سے خرچ کرو جس سے تمہیں محبت ہو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا اے لوگو! اللہ پاک ہے وہ پاک مال سے
صدقہ زکوٰۃ قبول کرتا ہے۔

۴۔ خیرات اعلانیہ بھی دینی چاہیئے اور خفیہ بھی۔

ارشاد الٰہی ہے: إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا
الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (سورۃ بقرہ ۲: ۲۷۱) اگر تم خیرات
کھلے طور پر دو تو کیا ہی اچھا ہے اور اگر تم اسے چھپا کر دو اور فقراء کو دو تو وہ تمہارے لئے
بہتر ہے۔

علماء نے اس آیت سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ زکوٰۃ اعلانیہ اور اختیاری خیرات چھپا کر دینی چاہیئے۔

۵۔ خیرات کرتے وقت قلبی مسرت ہونی چاہیئے۔ قرآن مجید نے منافقین کی ایک علامت یہ
بیان کی ہے کہ وہ انفاق فی سبیل اللہ کو چٹی سمجھتے ہیں اور حتی الامکان بخل سے کام لیتے
ہیں۔ قرآن مجید میں آیا ہے وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا (توبہ ۹: ۹۸)
ان اعراب میں سے بعض وہ لوگ بھی ہیں جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے
کو چٹی سمجھتے ہیں۔

دوسری جگہ آتا ہے: هٰأَنْتُمْ هٰؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ (محمد ۴۷: ۳۸)
سن لو! تم لوگ ایسے ہو کہ تم کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو کہا جاتا ہے تو تم میں
سے کچھ لوگ بخل کرتے ہیں اور جو کوئی اس کام میں بخل کرتا ہے وہ خود اپنے لئے
ہی بخل کرتا ہے۔

۶۔ زکوٰۃ کی بیت المال میں جمع ہونی چاہیئے۔ جیسا کہ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا (کارکنان زکوٰۃ) کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں۔ اگر زکوٰۃ انفرادی طور پر خرچ کرنا جائز ہوتی تو یہ الفاظ بیان نہ ہوتے

۷۔ خیرات میں میانہ روی ہونی چاہیئے۔

اسلام انسانی طبائع اور فطرت کے عین مطابق ہے۔ وہ عیسائیت کیطرح یہ تعلیم نہیں دیتا کہ اللہ کی بادشاہت میں داخل ہونے کے لئے سب کو خیرات کر دیا جائے۔ کہ کوئی ساجت مند کرتا مانگے تو پاجامہ بھی اتار کر دے دیا جائے۔ اس قسم کی تعلیم پر عمل کرنا انسانی طبائع پر دوبھر ہے۔

اسلام میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (سورۃ بنی اسرائیل ۱۷: ۲۹) اور اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھو اور نہ اسے حد سے زیادہ کھول دو ورنہ تو ملامت کیا ہوا اور درماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ گے۔

حدیث میں آتا ہے: مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ جو شخص خرچ میں میانہ روی اختیار کرتا ہے وہ تنگ دست نہیں ہوتا۔

۸۔ صدقہ و زکوٰۃ صرف مستحقین کو دی جانی چاہیئے تاکہ غریب طبقہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے اور قوم اور ملک کے لئے تقویت کا باعث بن سکے۔

## فلسفہ زکوٰۃ

انفرادی فوائد: زکوٰۃ تزکیہ نفس کا موجب ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (توبہ ۹: ۱۰۳) یعنی ان کے مالوں سے زکوٰۃ لے تاکہ اس سے انہیں پاک اور صاف کرے۔

انسان کو سب سے زیادہ عزیز اور محبوب چیز مال ہے۔ اسی وجہ سے قرآن مجید نے مال کو فتنہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات محبوب چیز کی وجہ سے انسان احکام الٰہی کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ زکوٰۃ انسان کے دل سے مال کی محبت کم کرتی ہے۔ مال کی محبت کی کمی کی وجہ سے انسان بے شمار برائیوں سے بچ جاتا ہے اور بے شمار نیکیوں کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ ایک تو ناجائز طریقہ سے روپیہ کما کر اپنے پیٹ کے دوزخ کو نہیں بھرتا۔ دوم بخل کی قبیح عادت سے نجات مل جاتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے: مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (سورۃ الحشر ۵۹: ۹) اور جو اپنے دل کو حرص اور لالچ سے بچائے گا

دہی کا میاب ہونے والے ہیں۔ سوم۔ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے جو تمام نیکیوں کی جڑ ہے اور انسان کی زندگی کا منتہائے مقصود اور جوہر مطلوب ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: مَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ (سورہ بقرہ ۲: ۲۶۵) اعدان لوگوں کی مثال جو اپنے مالوں کو رضائے الٰہی کے حصول کے لئے خرچ کرتے ہیں اور کچھ اپنے آپ کو مضبوط کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں اس باغ کی مثال کی طرح ہے جو اونچی جگہ پر ہو

اس آیت کریمہ میں زکوٰۃ کی یہ حکمت بیان کی ہے کہ جو لوگ رضاء الٰہی کے لئے صدقات دیتے ہیں وہ ایمان کی ایک مستحکم چٹان پر کھڑے ہو جاتے ہیں، ان کے دل اللہ کی محبت سے بھر جاتے ہیں اور انکی طبیعت خود بخود نیکی کی طرف بہہ نکلتی ہے اور اپنے آپ کو حصن حصین میں پاتے ہیں جہاں شیطان کا گذر نہیں ہوتا۔

## اجتماعی فوائد

۱۔ **اقتصادی اور معاشی ترقی**۔ زکوٰۃ قوم کی اقتصادی اور معاشی ترقی کا بہترین ذریعہ ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ (البقرہ ۲: ۲۷۶) اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے: مَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (بقرہ ۲: ۲۶۱) ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ایک دانہ کی مثال ہے جو سات بالیں اگائے ہر ایک بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے کئی گنا کر دیتا ہے اور اللہ بہت دینے والا اور جاننے والا ہے۔

زکوٰۃ کا لفظ بھی قوم کی معاشی اور اقتصادی ترقی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ زکوٰۃ کا مفہوم ہی بڑھوتی ہے۔

کسی قوم کی اقتصادی اور معاشی ترقی کا انحصار چند اشخاص کے ہاتھوں میں دولت کے جمع ہونے پر نہیں ہے بلکہ ساری قوم کی مجموعی خوشحالی سے وابستہ ہے۔ جب غرباء میں زکوٰۃ تقسیم ہوگی تو روپیہ چند ہاتھوں سے نکل کر قوم کے بے شمار دوسرے افراد میں تقسیم ہو جائے گا۔ دوم، وہ اس مالی امداد سے اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ اپنی روزی کما سکیں۔ اس طرح ملک کی اقتصادی اور معاشی حالت مستحکم بنیادوں پر قائم ہو جائے گی۔

۲۔ زکوٰۃ قوم کی ترقی کا ذریعہ ہے۔

قرآن مجید نے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو قوم کی ترقی کا ذریعہ بیان کیا ہے۔ سورۃ بقرہ میں

حضرت حزقیل کا ایک رویا بیان ہوا ہے کہ وہ ایک تباہ حال بستی (یروشلم) پر سے گزرے۔ اس کو دیکھ کر حضرت حزقیل نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ یہ بستی کب آباد ہوگی، کب اس کے رہنے والے ترقی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو رویا میں بتایا کہ یہ بستی سو سال کی تباہی کے بعد آباد ہوگی۔ اسی رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے احیاء موتی کی کیفیت کا سوال کرتے ہیں۔ معاً اس رکوع کے بعد انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر آجاتا ہے۔ تباہ حال بستی اور احیاء موتی کے ذکر کے معاً بعد اللہ کی راہ میں خرچ کا بیان یہ ظاہر کرتا ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کا تباہ حال بستی کی آبادی اور احیاء موتی کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ وہی قوم دنیا کے نقشہ پر ترقی کے ساتھ ابھرتی ہے جو قومی، ملی مفاد کی خاطر خرچ کرنا جانتی ہے۔ آغاز اسلام میں مسلمان کس مپرسی اور غربت کی حالت میں تھے۔ انہوں نے اس حالت میں بھی ملی اور قومی مفاد کے لئے خرچ کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی ضرورت کے لئے چندہ کی اپیل کرتے ہیں تو صحابہؓ اپنے گھر کا اثاثہ لاکر پیش کر دیتے ہیں۔ اگر کسی کے پاس کچھ نہیں تو وہ مزدوری کرکے چند ٹکے کما کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیتا ہے۔ آخر اس قربانی کے نتیجہ میں یہ قوم اللہ کے فضلوں کی وارث بنی اور بڑی بڑی حکومتیں ان کے قدموں پر آن پڑیں۔

۳۔ غرباء کی ربوبیت:۔ زکوٰۃ قوم کے غرباء کی ربوبیت و کفالت کا بہترین ذریعہ ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰہَ افْتَرَضَ عَلَیْھِمْ صَدَقَۃً تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَائِھِمْ فَتُرَدُّ فِیْ فُقَرَائِھِمْ

(مسلم جلد ا کتاب الایمان)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر (مسلمانوں پر) زکوٰۃ فرض کی ہے کہ وہ امراء سے لے کر حاجت مندوں میں تقسیم کی جائے۔

۴۔ زکوٰۃ قوم کی اخلاقی حالت درست رکھنے کا ذریعہ ہے۔ بھوک، غربت اور افلاس ہمیشہ جرائم کے ارتکاب کا سبب بنتے ہیں جس قوم کے افراد غربت اور افلاس کے چنگل میں پھنس جاتے ہیں اس قوم میں جرائم کی کثرت ہو جاتی ہے۔ روزمرہ کے واقعات اس پر کافی گواہ ہیں کہ بعض لوگ مالی عسرت کی وجہ سے چوری، قزاقی اور لوگوں کی جیبیں کاٹنی شروع کر دیتے ہیں۔ بعض اوقات جب یہ عسرت اور افلاس اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو یہ لوگ دن دہاڑے امراء کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنا شروع کر دیتے ہیں اور ملک کا امن تہس نہس ہو جاتا ہے۔

غربت کی وجہ سے انسان جرائم کا ہی ارتکاب نہیں کرتا، بلکہ اس میں اور بھی بے شمار اخلاقی کمزوریاں آجاتی ہیں۔ فقر اور مسکنت انسان کو دنی اور خسیس بنا دیتے ہیں۔ ایمان، اللہ اور

سے نکل جاتا ہے۔ وہ امراء کو ہی اندادًا من دون اللہ (اللہ کے سوا دوسرے کو معبود بنالینے) تصور کرنا شروع کر دیتا ہے۔ انہی کو اپنا پالن ہار اور مربی خیال کرتا ہے، ان کا خوف خدا کے خوف سے بڑھ کر دل پر مستولی ہوتا ہے۔ یہی وہ اخلاقی بیماریاں ہیں جن کی وجہ سے انسان کی طبعی استعدادیں دب جاتی ہیں اور وہ قردۃ خاسئین کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔

## زکوٰۃ کا معاشی نظام میں مقام

اس وقت دنیا میں دو معاشی نظام چل رہے ہیں: ایک سرمایہ داری نظام ہے اور دوسرا کمیونزم۔ سرمایہ داری نظام کا مزاج اس قسم کا ہے کہ اس سے چند ہاتھوں میں ہی دولت جمع ہو جاتی ہے اور دوسری تمام قوم افلاس کے دلدل کے منہ میں چلی جاتی ہے۔ اسی نظام کے ردعمل سے دوسرا نظام معاشی نظام اشتراکیت ظاہر ہوا۔ جس کا اصول یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے کمائے ہوئے مال کا مالک نہیں ہے سب دولت حکومت کی ہے، وہ تمام لوگوں کو ضروریات کے مطابق دے گی۔

یہ دونوں نظریات افراط اور تفریط کے شکار ہیں۔ اگر سرمایہ داری نظام مزدور طبقہ کے افلاس کا سبب بنتا ہے اور ان کی محنت کی بے وقری ہوتی ہے تو دوسری طرف اشتراکی نظام نے بھی محنت کی بے وقری کی ہے۔ کیونکہ اشتراکی نظام میں مزدور محنت سے کمائی ہوئی چیز کا خود مالک نہیں بن سکتا۔ اس سے زیادہ محنت اور کوشش کرنے کی تحریک اور جذبہ سرد پڑ جاتا ہے۔

اسلام نے دونوں نظاموں کے برعکس محنت کی توقیر اور عزت کی ہے۔ ملکیت کو بھی جائز قرار دیا ہے تاکہ محنت کرنے کا جذبہ زندہ رہے۔ دوسری طرف تقسیم دولت کے لئے زکوٰۃ جیسا حکمت بالغہ پر مبنی قانون بنا دیا ہے تاکہ دولت چند ہاتھوں میں جمع نہ ہونے پائے، بلکہ ساری قوم میں گردش کرتی رہے۔ کیونکہ زکوٰۃ کا یہ اصول ہے کہ ہر سال جمع شدہ سرمایہ کا چالیسواں حصہ غرباء کے لئے قومی بیت المال میں داخل کیا جائے۔ ایک تو اس لازمی خیرات کی وجہ سے سرمایہ دار ہمیشہ اپنے سرمایہ کو کاروبار میں لگائے رکھے گا تاکہ زکوٰۃ بھی تمام سرمایہ کو نہ کھا جائے۔ کاروبار میں سرمایہ لگانے سے روپیہ لوگوں کے ہاتھوں میں گردش کرتا رہتا ہے اور مزدور طبقہ بھی اپنی محنت کا پھل حاصل کرتا رہتا ہے۔ دوسرے امراء اور غرباء کے تعلقات خوشگوار رہتے ہیں۔ امراء غرباء کو اپنا بھائی خیال کرتے ہیں اور ان کے بارہ میں ہمدردی اور مواسات کے جذبات اپنے دل میں لئے ہوئے ہوتے ہیں۔ دوسری طرف امراء کے جذبہ ہمدردی کی وجہ سے غرباء کے دلوں میں محبت کے جذبات موجزن رہتے ہیں۔ دونوں طبقوں کے باہمی استحاد اور اتفاق اور مواخات کی وجہ سے ملک اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے محفوظ رہتا ہے۔

# روزہ (صوم)

صوم کے لغوی اور اصطلاحی معنی:۔ صوم کے لغوی معنی رکنے کے ہیں لیکن شریعت کی اصطلاح میں صبح صادق سے غروب آفتاب تک ارادۃً کھانے پینے اور مباشرت سے رُکے رہنے کا نام ہے۔

روزہ عالمگیر عبادت ہے:۔ روزہ سب مذاہب میں بطور عبادت کے فرض ہے قرآن مجید میں آتا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (سورہ بقرہ ۲: ۱۸۳) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔ طرح ان لوگوں پر فرض کئے گئے تھے جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔

انسائیکلوپیڈیا برٹینکا میں لکھا ہے:

اس کے طریقے اور اسکی اغراض آب وہوا، قوم ونسل اور تہذیب وتمدن اور دوسرے حالات کے پیش نظر سب کچھ مختلف ہیں۔ لیکن کسی ایسے قابل ذکر مذہبی سلسلے کا نام لینا مشکل ہے جس میں روزہ سے کلیتہً انکار کیا گیا ہو اور اسے تسلیم نہ کیا گیا ہو۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹینکا از مضمون روزہ (FASTING)

روزہ کی اہمیت:۔ قرآن مجید میں آتا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ (۲:۱۸۳) اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلی امتوں پر فرض کئے گئے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ يَتْرُكُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ وَشَرَابَهُ مِنْ أَجْلِي فَالصِّيَامُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ كُلُّ حَسَنَةٍ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ إِلَّا الصِّيَامَ فَهُوَ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ۔ (موطا امام مالک کتاب الصیام)

یہ حدیث مسلم اور بخاری میں تھوڑے سے الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ آتی ہے یعنی قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے کیونکہ روزہ دار اپنی شہوت اور اپنا کھانا اور پینا میری خاطر ترک کرتا ہے پس وہ میرے لئے ہی روزہ رکھتا ہے اور میں ہی اسکو بدلہ

دوں گا۔ دوسری تمام نیکیوں کا بدلہ میرے ہاں دس گنا سے سات سو گنا تک دیا جاتا ہے سوائے روزہ کے کیونکہ روزہ دار روزہ صرف میرے لئے ہی رکھتا ہے اس لئے میں ہی اسکا بدلہ ہوں۔

اسلامی عبادات میں روزہ کو اتنی اہمیت دو وجہ سے ہے: ایک تو اس وجہ سے کہ تمام عبادات ظاہری ارکان پر مشتمل ہیں جن کو ادا کرنے سے وہ عبادت تمام ہوتی ہے۔ ظاہری ارکان کی ادائیگی کی وجہ سے عابد کو ہر کوئی دیکھ سکتا ہے لیکن روزہ کا تعلق انسان کے باطن سے ہے، سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ دوسرے، روزہ سے انسان کے بہیمی جذبات دب جاتے ہیں۔ بہیمی جذبات کے محرکات حواس خمسہ ہیں۔ روزہ میں ان حواس خمسہ کو قابو میں رکھا جاتا ہے، جس وجہ سے بہیمی جذبات دب جاتے ہیں۔

روزہ کی حقیقت:۔ روزہ کی حقیقت قرآن مجید نے ایک لفظ "تقویٰ" سے تعبیر کی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ اے مسلمانو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسطرح تم سے پہلی امتوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو۔

اسلامی اصطلاح میں تقویٰ اپنے آپ کو گناہوں کی آلودگیوں سے بچانے اور اللہ کی صفات میں اپنے آپ کو رنگین کرنے کا نام ہے۔

## روزہ کے آداب

۱۔ ذکر الٰہی اور صدقات:۔ احادیث صحیحہ سے یہ ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مہینہ میں تلاوت قرآن مجید، ذکر الٰہی اور صدقات و خیرات کثرت سے کرتے تھے۔ آپ نے رمضان کے مہینے کو شهر المواساة (ہمدردی کا مہینہ) فرمایا ہے۔ (مشکوٰۃ کتاب الصوم) جب رمضان کا مہینہ آتا تو کسی قیدی کو پابند قید نہ رکھتے۔ ہر سائل کی حاجت پوری کرتے۔

إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ أَطْلَقَ كُلَّ أَسِيرٍ وَأَعْطَى كُلَّ سَائِلٍ

(مشکوٰۃ کتاب الصوم) جب رمضان کا مہینہ شروع ہوتا تو ہر قیدی کو چھوڑ دیتے اور ہر سائل کی ضرورت کو پورا کرتے۔

بخاری میں آتا ہے: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدَ النَّاسِ وَكَانَ أَجْوَدَ مَا يَكُونُ فِي رَمَضَانَ (بخاری ۱:۱) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ فیاض تھے لیکن آپ کی فیاضی رمضان میں اور بڑھ جاتی۔

۲۔ حرام اور ممنوع چیزوں سے اجتناب:۔ ویسے تو اسلام نے ہر حالت میں حرام اور ممنوع

چیزوں سے مجتنب رہنے کی تعلیم دی ہے لیکن روزے کی حالت میں خاص تاکید کی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اِذَا صُمْتَ فَلْیَصُمْ سَمْعُكَ وَبَصَرُكَ وَلِسَانُكَ وَیَدُكَ وَكُلُّ عُضْوٍ مِنْكَ ۔ یعنی تو روزہ رکھے تو تیرے کان تیری آنکھ تیری زبان تیرے ہاتھ اور تیرے تمام اعضاء ناپسندیدہ اور حرام باتوں سے رُکے رہیں۔

وَمَنْ لَمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَیْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِیْ اَنْ یَدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ (بخاری) جس کسی نے روزے کی حالت میں جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا ترک نہ کیا تو اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ بھوکا رہے۔

## روزہ کے احکام

۱۔ روزہ کی حالت میں صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور مباشرت سے منع کیا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

اُحِلَّ لَكُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَیْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْاٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَكُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ (۲:۱۸۷) یعنی تمہارے لئے روزوں کی رات میں اپنی عورتوں سے مباشرت کرنا حلال کیا گیا ہے وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو۔ اللہ جانتا ہے کہ تم اپنی جانوں کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے سو وہ تم پر رجوع برحمت ہوا اور تم کو معاف کیا پس اب ان سے میل جول کرو جو اللہ نے تمہارے لئے فرض کیا ہے چاہو اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لئے صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے الگ ہو جائے پھر روزہ کو رات تک پورا کرو

۲۔ روزے بالغ، مقیم اور تندرست پر فرض ہیں۔ مریض تندرست ہونے پر اور مسافر سفر سے واپسی پر۔ حیض والی عورت دوسرے رمضان کی آمد سے پہلے پوری کریں۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ (بقرہ ۲:۱۸۵) یعنی جو کوئی اس مہینے کو پائے تو چاہیئے کہ اس کے روزے رکھے اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں سے روزوں کی گنتی پوری کرے۔

شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ سے ان تمام مقامات کو خارج کر دیا ہے جہاں دن رات

بہت لمبے ہونے کی وجہ سے مہینوں کی تقسیم نہیں ہوتی۔ کئی کئی دن تک یا کئی کئی مہینوں تک سورج نہیں نکلتا یا غروب نہیں ہوتا، کیونکہ وہاں مہینہ ہی نہیں۔

۳۔ بوڑھے مرد اور عورتیں، حاملہ عورتیں، مرضعہ عورتیں، معذور اور اپاہج لوگ، دائم المریض لوگ جنکی بیماری بڑھ جانے کا اندیشہ ہو، مزدور طبقہ جو سخت مشقت سے معاش حاصل کرتا ہے۔ اس قسم کے لوگوں کے لئے اسلام نے آسانی کے طور پر روزہ کے بدلہ صرف ایک مسکین کا کھانا بطور فدیہ مقرر کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ (البقرہ ۲: ۱۸۴) اور جو روزہ رکھنے میں مشقت پاتے ہیں وہ ایک مسکین کا فدیہ دیں۔

## فلسفہ روزہ

انفرادی فوائد۔

۱۔ روحانی قوت تیز ہوتی ہے:۔ ماہ رمضان میں صائم کی روحانی قوت تیز ہوتی ہے اس وجہ سے صوفیاء کرام ماہ رمضان کو تنویر قلب کا مہینہ کہتے ہیں۔ اس ماہ میں سچی رویا اور مکاشفات کا دروازہ کھلتا ہے۔ خدا کی محبت اور قدرت کا کرشمہ دیکھتا ہے۔ اسرار اور رموز پر اطلاع پاتا ہے۔ قرآن مجید نے روزہ رکھنے والے کو بھی اسی وجہ سے سائح کہا ہے۔ سائح کے معنی ہیں: روحانی منازل طے کرنے والا ہے۔

۲۔ تعمیر سیرت:۔ روزہ صرف کھانے پینے اور مباشرت کے ترک کرنے کا ہی نام نہیں، بلکہ ہر قسم کی برائیوں سے اجتناب کرنے کا نام ہے۔ اس وجہ سے جو لوگ برائیوں سے اجتناب نہیں کرتے اور صرف بھوک پیاس کی مصیبتیں جھیلتے ہیں ان کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ إِلَّا الظَّمَأُ (مشکوٰۃ ص ۱۷۴) یعنی کتنے روزہ دار ہیں جن کو روزہ سے بھوک پیاس کے سوا کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔

۳۔ ضبط نفس:۔ روزہ ضبط نفس کی تعلیم دیتا ہے۔ صائم صبح صادق سے قبل سحری کھا لیتا ہے اور غروب آفتاب تک کسی کھانے پینے والی چیز کی طرف ہاتھ نہیں بڑھا سکتا۔ یہ روک ضبط نفس کے لئے عمدہ تعلیم اور مشق ہے۔

۴۔ روزہ اللہ کی ہستی کا تصور زیادہ راسخ کرتا ہے۔ اسلام کی تمام عبادات کا مقصد وحید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا تصور انسان کے دل میں جاگزین ہو جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا تصور ہی انسان کو بدیوں سے بچاتا ہے۔

جب انسان روزہ رکھتا ہے۔ بھوک پیاس کے باوجود پوشیدگی میں کھانے پینے سے اجتناب

کرتا ہے۔ اس کا یہ اجتناب صرف اللہ تعالیٰ کو علیم وخبیر جاننے کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ صائم جانتا ہے کہ کھا پی کر لوگوں کو دھوکا دیا جاسکتا ہے لیکن علیم وخبیر کو دھوکا نہیں دیا جاسکتا۔ سو ایک ماہ روزہ رکھنے سے اللہ تعالیٰ کی ہستی کا تصور انسان کے دل میں زیادہ راسخ ہو جاتا

۵۔ اطاعت امر الٰہی:۔ روزہ اطاعت امر الٰہی کی مشق کراتا ہے۔ صائم اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک ماہ تک معینہ وقت کے دوران حلال چیزوں سے اجتناب کرتا ہے۔ ایک ماہ کی مشق سے جذبہ اطاعت انسان کی طبیعت میں راسخ ہو جاتا ہے۔

۶۔ قوت صبر کی نمو:۔ روزہ صائم کو صابر بناتا ہے۔

۷۔ طبی فائدہ: روزہ سے انسان کے بدن سے رطوبات ردیہ اور مواد غلیظہ تحلیل ہو جاتے ہیں۔ معدہ اور جگر کو ایک ماہ تک آرام مل جانے کی وجہ سے مضبوط ہو جاتے ہیں۔

## اجتماعی فوائد

۱۔ انسانی ہمدردی اور مواسات:۔ روزے انسانی ہمدردی اور مواسات کا پیغام لے کر آتے ہیں اس وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے مہینے کو شہر المواساۃ فرمایا ہے۔
انسانی فطرت ہے کہ جب کسی چیز کا عملی احساس نہ ہو، اس وقت تک اس چیز کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ اسلام نے امراء کو بھوک اور پیاس کا عملی احساس دلانے کے لئے روزوں کی تعلیم دی ہے تاکہ ان کو غرباء کی بھوک اور پیاس کا احساس ہو جائے اور ان کے دل میں غرباء کی ہمدردی اور مواسات کا جذبہ پیدا ہو۔

۲۔ مساوات اور اتحاد کا ذریعہ ہے:۔ جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو مسلمانوں کے اندر مساوات کی ہمہ گیر لہر دوڑ جاتی ہے۔ تمام دنیا کے مسلمان حکم خداوندی کے تحت پو پھٹنے سے لے کر غروب آفتاب تک اکل وشرب سے رک جاتے ہیں اور ایک ہی حالت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اس طرح ماہ رمضان دنیا کے تمام مسلمانوں کو اتحاد اور مساوات کی لڑی میں منسلک کر دیتا ہے۔

## حج

لغوی اور اصطلاحی معنی:۔ حج کے لغوی معنی ہیں زیارت کا قصد کرنا۔ لیکن اصطلاح شریعت میں اسکے معنی ہیں ضروری عبادات کی بجا آوری کے لئے بیت اللہ کا قصد کرنا۔ (راغب)
حج کی اہمیت:۔ حج بعض شرائط کے ساتھ ہر مسلمان عاقل بالغ پر فرض ہے۔ قرآن مجید میں آتا:

وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (آل عمران ۳ : ۹۷) اور لوگوں پر اللہ کے لئے اس گھر کا حج کرنا فرض ہے اس پر جو اس تک راہ پا سکے اور جس نے انکار کیا تو اللہ جہانوں سے بے نیاز ہے۔

استطاعت سے مراد یہ ہے کہ

۱۔ حج کرنے والا آزاد ہو۔

۲۔ صحت ایسی ہو کہ وہ سفر کی صعوبتیں برداشت کر سکے۔

۳۔ راستہ میں جان کا کوئی خطرہ نہ ہو، یعنی راستہ پُرامن ہو۔

۴۔ اتنا روپیہ ہو جس سے وہ اپنا زادِ راہ بھی لے سکے اور اپنے اہل و عیال کے لئے بھی پیچھے چھوڑ جائے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رض کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوا ! اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے لہٰذا حج کرو۔

مسلم میں آتا ہے: اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ (کتاب الحج)

(کتاب الحج) مقبول حج کا بدلہ جنت ہے۔

**حج کی حقیقت:۔** حج کی رسوم کی ادائیگی کی تہ میں ایک سرِ اور بھید ہے، وہ یہ کہ انسان انقطاع نفس کر کے اللہ کی محبت کے اتھاہ سمندر میں غرق ہو جائے۔ اور اللہ کی ذات سے ایسا رابطہ اور توسل قائم کرے کہ انسان کی اپنی مرضی ہی نہ رہے بلکہ اس کی مرضی اللہ کی مشیت کے تحت آجائے۔ یہ رابطہ اور توسل سخت آزمائش میں بھی ٹوٹنے نہ پائے۔

**حج کے اقسام:۔** حج کے تین اقسام ہیں: حج افراد، حج قران، حج تمتع۔

۱۔ حج افراد یہ ہے کہ حاجی احرام صرف حج کی نیت سے باندھے۔

۲۔ حج قران یہ ہے کہ حاجی حج اور عمرہ دونوں کی نیت سے احرام باندھے پھر مکہ پہنچ کر احرام نہ کھولے جب تک کہ مناسک حج سے فارغ نہ ہو جائے۔

۳۔ حج تمتع۔ حج کے مہینوں میں صرف عمرہ کی نیت سے احرام باندھا جائے۔ مکہ پہنچ کر عمرہ کے ارکان پورے کر کے احرام کھول دیا جائے۔ پھر یوم حج میں حج کے لئے احرام باندھے۔

**حج کے مہینے:۔** حج کے مہینے یہ ہیں: شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن۔

# مناسک حج

**احرام:۔** جب حاجی میقات پر پہنچے تو وہ احرام باندھے۔ احرام کا لباس صرف بغیر دو سلی چادروں کا ہوتا ہے۔ ایک چادر بطور تہ بند کے باندھی جائے۔ دوسری چادر جسم کے اوپر کے حصّہ کے لئے ہوتی ہے۔ یہ چادر اس طرح اوڑھی جاتی ہے کہ اس کا ایک سرا دائیں بغل سے نکال کر بائیں کندھے پر اور دوسرا بائیں بغل سے نکال کر دائیں کندھے پر لٹکایا جاتا ہے۔

**طواف:۔** جب حاجی مکہ پہنچے تو سب سے پہلے وہ بیت اللہ کا طواف کرے۔ اس طواف کو طواف قدوم کہا جاتا ہے۔ یہ طواف مسنون ہے، فرض نہیں۔

مناسک حج ادا کرنے کے بعد گھر واپس آنے سے قبل طواف کیا جاتا ہے، اس کو طواف وداع کہا جاتا ہے۔ یہ طواف حنفی مذہب میں واجب ہے۔

جو طواف ایام النحر (دسویں، گیارھویں اور بارھویں تاریخ) کو بعد قربانی اور حلق کیا جاتا ہے، اس کو طواف زیارت کہا جاتا ہے۔ یہ طواف حج کی ضروری عبادات میں سے ہے۔

**سعی صفا و مروہ:۔** قرآن مجید میں آتا ہے: فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ (البقرہ ۲: ۱۵۸) پس جو شخص خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ان دونوں کا طواف کرے اور جو کوئی شوق سے نیکی کرتا ہے تو یقیناً اللہ بڑا قدر دان اور جاننے والا ہے۔

**عرفات میں وقوف:۔** ارشاد الٰہی ہے: ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ پھر وہاں سے پلٹو جہاں سے لوگ پلٹتے ہیں اور اللہ کی حفاظت مانگو بے شک اللہ حفاظت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ (البقرہ ۲: ۱۹۹)

**مزدلفہ میں قیام:۔**

فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ (البقرہ ۲: ۱۹۸)

پھر جب تم عرفات سے واپس لوٹو تو مشعر الحرام (مزدلفہ) کے پاس اللہ کا ذکر کرو اور اسے یاد کرو اور ایسے یاد کرو جیسے اس نے تمہیں ہدایت دی اور اگر اس سے پہلے تم یقیناً گمراہوں میں سے تھے۔

**منیٰ میں قربانی:۔** حاجی ۱۰ ذی الحجہ کی صبح کو منیٰ میں پہنچ جائے۔ جمرۃ العقبہ کو سات بار کنکریاں مارے۔ ہر کنکری مارتے وقت اللہ اکبر کہے۔ پہلی کنکری کے ساتھ ہی تلبیہ ختم کر دے۔ کنکریاں مارنے کے بعد قربانی کی جائے۔ پھر سر منڈا لیا جائے۔ پھر حاجی حالت احرام سے نکل آتا ہے

قربانی سے پہلے حجامت بنوانا جائز نہیں ہے ارشاد الٰہی ہے: وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ (البقرہ ۲ : ۱۹۶) اور اپنے سروں کو نہ منڈواؤ یہاں تک کہ قربانی اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائے۔

معذور فدیہ دے فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ (البقرہ ۲ : ۱۹۶) پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو اس کا فدیہ روزوں سے یا صدقہ سے یا قربانی سے دے۔

حالت احرام میں شکار: حالت احرام میں شکار حرام ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ (المائدہ ۵ : ۹۵) اے لوگو جو ایمان لائے ہو شکار نہ مارو جب تم حالت احرام میں ہو۔

## آداب حج

**ظاہری آداب:** ۱۔ زاد راہ حلال اور طیب کمائی سے ہو۔

۲۔ حج کرنے والے کی مالی حالت اچھی ہو کہ جب وہ حج کے لئے نکلے تو اپنے پیچھے اہل و عیال کے لئے اتنا چھوڑ جائے کہ وہ اس کی عدم موجودگی میں آسانی سے گزارا کر سکیں۔

۳۔ ایام حج میں لڑائی جھگڑا، فسق و فجور سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

۴۔ گھر سے جب حاجی حج کے لئے نکلے تو سادہ لباس میں نکلے۔

۵۔ حج کے سفر میں نیک آدمی کی مصاحبت اختیار کی جائے، تاکہ نیک آدمی کی صحبت سے روحانی قوتوں میں جلا پیدا ہو۔

**باطنی آداب:** ایام حج میں کثرت سے دعائیں کی جائیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا جائے کہ جس طرح حاجی کسی جانور کی قربانی دے رہا ہے اسی طرح وہ اپنے نفس امارہ کی سرکش اونٹنی کو ذبح کر دے گا۔

۳۔ حج دنیاوی اغراض و مقاصد سے نہ ہو، بلکہ جذبہ عشق کے تحت ہو۔

۴۔ حج خالص توحید کا سبق دیتا ہے۔ اس وجہ سے حاجی کو اپنے دل سے تمام دنیاوی سہاروں کو بت توڑ دینے چاہئیں اور حاجی کی روح ہمیشہ آستانہ الوہیت پر گری رہے اور اسی سے اعانت طلب کرے

# فلسفۂ حج

حج عشق الٰہی کا عملی اظہار ہے:۔ عشق اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ محب اپنے محبوب کی رضا کی خاطر جان و مال، آرام اور راحت، عزہ و اقارب اور گھر بار قربان کرنے کے لئے تیار کھڑا رہے۔ جتنا عشق کامل ہوگا اتنا ہی قربانی کا ولولہ اور جذبہ زیادہ ہوگا۔ پھر جتنا محبوب کامل ہوگا اتنا ہی عشق کامل ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کے عشق کے عملی اظہار کے لئے چند ایک عبادات مقرر کردی ہیں۔ ان میں سے ایک عبادت حج کی ہے۔

حج کے ایام میں ایک فرمانبردار بندہ گھر بار، اعزہ و اقارب کو الوداع کہتا ہے، اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی ہوئی پونجی سے زادِ راہ لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوجاتا ہے۔ جب میقات پر پہنچتا ہے تو تمام حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام قرار دیتے ہوئے دو چادریں پہن لیتا ہے لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کی صدائیں بلند کرنا شروع کردیتا ہے۔ مکہ پہنچ کر والہانہ عشق میں بیت اللہ کا طواف کرتا ہے، کیونکہ یہی وہ جگہ ہے جہاں پہلے عشق والوں کو دیدارِ الٰہی ہوا تھا۔ حجرِ اسود کو بوسہ دیتا ہے صفا و مروہ پہاڑیوں کے درمیان دوڑتا پھرتا ہے اور حضرت ہاجرہؑ کی قربانی کی یاد دل میں تازہ کرتا ہے۔ منیٰ، عرفات اور مزدلفہ کے میدانوں میں دیدارِ الٰہی کے لئے عبادت میں مشغول رہتا ہے۔

حج شفقت مخلوق کی تعلیم دیتا ہے:۔ عشق الٰہی اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک اسکی مخلوق سے محبت نہ کی جائے۔ حج مخلوق الٰہی سے محبت کرنے کا سبق دیتا ہے۔ احرام باندھنے کے بعد حاجی کسی سے لڑ نہیں سکتا۔ نہ کسی کو گالی دے سکتا ہے۔ نہ کسی کی طرف بدنظر سے دیکھ سکتا ہے۔ نہ کسی کی گری ہوئی چیز اٹھا سکتا ہے۔ یہ تمام باتیں مخلوق الٰہی سے شفقت اور محبت کرنے کا سبق دیتی ہیں۔

حج سادگی سے زندگی بسر کرنے کی تعلیم دیتا ہے:۔ حج میں میقات پر حاجی کو احرام باندھنے کا حکم ہے۔ احرام صرف بغیر سلی دو چادریں ہوتی ہیں۔ اس احرام کی جہاں اور بے شمار حکمتیں ہیں وہاں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ انسان کو سادہ زندگی بسر کرنا چاہیئے۔

حج کسب حلال کی تعلیم دیتا ہے:۔ حج بنی نوع انسان کو کسب حلال اور حکم الٰہی کے تحت خرچ کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ کیونکہ حج کے مصارف کسب حلال سے پورے کرنے ضروری ہیں۔

حج عالمگیر اتحاد ملی کا ذریعہ ہے:۔ حج تمام مسلمانوں کو اتحاد و اخوت کی لڑی میں پرونے کا بہترین ذریعہ ہے، جس سے مسلمانوں کی سیاسی قوت بڑھ سکتی ہے۔ ایک دوسرے کے مسائل سمجھنے اور ان کو حل کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کے مسلمانوں کو ایک جگہ جمع ہونے کا حکم دیا ہے۔ اگر حج کے ایام میں اتحاد ملی کے لئے کانفرنس منعقد کی جائیں تو حج کی غرض و غایت پوری ہو جاتی ہے اور تمام اسلامی ممالک اتحاد و اخوت کی سلک میں منسلک ہو جائیں گے اور اپنے دشمنوں کے مقابل بنیان مرصوص بن جائیں گے۔

حج مساوات کی تعلیم دیتا ہے:۔ حج مساوات کا بہترین عملی سبق ہے دنیا کے چاروں کونوں سے مسلمان ایک لباس میں ملبوس ہو کر مکہ میں جمع ہوتے ہیں۔ گورے کالے کی تمیز مٹ جاتی ہے۔ غریب اور امیر کی تقسیم ختم ہو جاتی ہے۔ ہر طبقہ کے لوگ بغیر کسی امتیاز کے مناسک حج ادا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حج کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اخوت اور مساوات کا مشہور خطبہ دیا تھا کہ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں، نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر فضیلت ہے، نہ کسی گورے کو کالے پر اور نہ کسی کالے کو گورے پر فضیلت ہے۔ ہاں اگر کسی کو دوسرے پر فضیلت حاصل ہے تو وہ صرف تقویٰ کی وجہ سے ہے۔

حج اقتصادی ترقی کا ذریعہ ہے:۔ اسلام نے ایام حج میں تجارت کرنے سے منع نہیں کیا بلکہ قرآن مجید میں آیا ہے: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ (سورۃ بقرہ: ۲: ۱۹۸) تم پر کوئی گناہ نہیں کہ اپنے رب سے فضل کی تلاش کرو۔

مکہ ایام حج میں عالمگیر تجارتی منڈی بن جاتا ہے۔ ہر ملک کی صنعت اور تجارتی سامان منیٰ کی منڈی میں پہنچ جاتا ہے۔ حج کی ادائیگی کے بعد لوگ منیٰ جاتے ہیں خرید و فروخت کرتے ہیں۔ اس تجارت سے صرف اہل مکہ کو ہی فائدہ نہیں بلکہ تمام اسلامی ممالک کو بھی ہے، کیونکہ ہر ملک کی صنعت سے لوگ روشناس ہو جاتے ہیں۔

## جہاد

جہاد کے معنی:۔ لفظ جہاد جَہد یا جُہد سے مشتق ہے۔ جہد یا جاہد کے معنی ہیں: ایک شخص نے کوشش کی، محنت کی، یا لیاقت خرچ کی جاھد فی الامر کے معنی ہیں: اس نے خوب سعی کی، اپنی لیاقت اور طاقت سے پورا کام کیا۔ جہادًا حاصل مصدر ہے، یعنی مشقت محنت، تکلیف:

جوہری اپنی صحاح میں لکھتا ہے: جَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللهِ مُجَاهَدَةً وَجِهَادًا اور نیز اجتھد اور جَاهَدَ کے معنی ہیں: اس نے خوب زور لگایا اور جفاکشی کی۔

امام راغب جہاد اور مجاہدہ کے معنی دشمن اور دفاع کے لئے طاقت خرچ کرنا لکھتا ہے۔ پھر بیان کرتا ہے، جہاد تین قسم پر مشتمل ہے:۔ ۱۔ کھلے دشمن کے خلاف ۲۔ شیطان کے خلاف۔

۳۔ نفس کے خلاف۔

قرآن مجید اور احادیث میں بھی انہی معنی میں لفظ جہاد استعمال ہوا ہے۔

**جہاد کا لفظ جنگ کے مترادف نہیں:۔** مستشرقین اور بعض مسلمان علماء جہاد کے معنی صرف کفار کے ساتھ جنگ کرنے کے لیتے ہیں۔ جیسا کہ جہاد کی لغوی بحث سے یہ واضح ہوتا ہے۔ جہاد کا لفظ نہ قرآن مجید میں، نہ حدیث میں اور نہ لغت میں صرف جنگ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ بلکہ جنگ کے لئے عربی زبان میں حرب و قتال کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

عرب استعارہ اور تشبیہ کے طور پر یہ الفاظ رد ع (فزع و خوف) شر (اصل معنی بدی کے ہیں) هیاج (برانگیختگی) مغضبة (غصہ و ناراضی) لڑائی کے معنی میں استعمال کرتے تھے۔ اسی طرح جنگ کو چکی سے بھی تشبیہ دی ہے اذا ادارت رحی الحرب الزبون جب جنگ کی چکی چلتی ہے۔

## اسلام نے کب جنگ کی اجازت دی

**پہلا داعیہ: مدافعت:** اسلام صرف مدافعت اور حفاظت خود اختیاری کے لئے لڑائی کی اجازت دیتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ (الحج ۲۲: ۳۹) ان لوگوں کو اجازت دی گئی ہے جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس لئے کہ ان پر ظلم کیا گیا۔

دوسری جگہ قرآن مجید میں آتا ہے وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (بقرہ ۲: ۱۹۰) اور اللہ کے راستہ میں جنگ کرو ان لوگوں سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں۔

**دوسرا داعیہ: نقض عہد:۔** اسلام نے ان لوگوں سے جنگ کرنے کی اجازت دی ہے جو نقض عہد کرتے ہیں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نقض عہد خرمن امن کو بھسم کر دیتی ہے۔ اور دنیا میں اس وقت تک امن قائم نہیں ہو سکتا جب تک معاہدات کی پابندی نہ کی جائے۔ اس لئے اسلام نے معاہدات کی پابندی پر بہت زور دیا ہے اور اس قوم سے لڑنے کی اجازت دی ہے جو معاہدات کرنے کے بعد بار بار توڑتی ہے، پھر مسلمانوں کی بقاء کے لئے خطرہ کا موجب بنتی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: الَّذِينَ عَاهَدْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ (الانفال ۸: ۵۶) وہ جن سے تو عہد کرتا ہے پھر وہ اپنا عہد ہر بار توڑ دیتے ہیں اور وہ عہد کے توڑنے کے جرم سے نہیں بچتے۔

پھر فرمایا فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ

(الانفال ۸: ۵۷) سو اگر تو ان کو جنگ میں پائے تو انکو عبرت ناک سزا دے کر منتشر کر دے تاکہ ان کی آنے والی نسلیں نصیحت حاصل کریں۔

**تیسرا داعیہ:** ۔ احترام انسانیت اور مظلوموں کی دست گیری: ۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا

(نساء ۴: ۷۵)

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کے راستہ میں جنگ نہیں کرتے اور کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کے لئے جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم کو اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور اپنی جناب سے ہمارا کوئی دوست بنا اور اپنی جناب سے ہمارا کوئی مددگار اور معاون بنا۔

**چوتھا داعیہ: استعمار پسند حکومت کے خلاف جنگ:** ۔ اگر کوئی حکومت ملک گیری کی ہوس میں امن کو خراب کرنے کی کوشش کرے تو اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ اس استعماریت کے خلاف جنگ کرے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ

(بقرہ ۲: ۱۹۳) تم ان سے لڑتے رہو جہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لئے ہو جائے پھر اگر وہ باز آجائیں تو ظالموں کے سوا دست درازی سے رک جاؤ۔

**اسلامی جنگوں میں اخلاقی قدریں۔** اسلام سے قبل جنگوں میں انسانیت سوز افعال کا ارتکاب کیا جاتا تھا۔ اسلام نے ان تمام افعال کو یکسر موقوف کر دیا اور جنگی اصلاحات کی تعلیم دی۔

**پہلی اصلاح:** ۔ اسلام نے صرف مدافعت اور انسانیت کے احترام اور مظلوم کی حمایت میں جنگ کی اجازت دی۔

**دوسری اصلاح:** ۔ اسلام نے غیر مقاتلین کو قتل کرنے کی ممانعت کی ہے۔ چنانچہ ابوداؤد میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فوج کو روانہ کرتے وقت فرمایا! اللہ کا نام لے کر اللہ کی مدد سے اور اللہ کے رسولؐ کی ملت پر قائم رہتے ہوئے چل پڑو۔ کسی بوڑھے ضعیف، چھوٹے بچے اور عورت کو قتل نہ کرنا، مالِ غنیمت میں سے چوری نہ کرنا، جنگ میں جو کچھ ہاتھ آئے ایک جگہ جمع کرنا، صلح کی روش اختیار کرنا، احسان کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والے کو پسند کرتا ہے۔

تیسری اصلاح :۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم غفلت یا نیند کی حالت میں حملہ کرنے سے احتراز فرماتے تھے حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر پر چڑھائی کی۔ آپ رات کے وقت وہاں پہنچے اور آپ کا یہ دستور تھا کہ جب کسی محارب قوم پر رات کے وقت پہنچتے تو آپ حملہ نہ کرتے جب تک صبح نہ ہو جاتی۔

لیکن اگر دشمن قوم کے ساتھ جنگ جاری ہے تو ایسی صورت میں رات کے وقت حملہ کرنا جائز ہے۔

چوتھی اصلاح :۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غصب و نہب کی ممانعت فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضؓ سے روایت ہے : نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن النھبی و المثلۃ (بخاری) کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوٹ مار اور مثلہ سے منع فرمایا ہے۔

پانچویں اصلاح :۔ اسلام نے تباہ کاری اور فساد برپا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے : تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (قصص ۲۸ : ۸۳) ہم آخرت کا گھر جنت میں ان لوگوں کے لئے مخصوص کریں گے جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں نیک انجام متقیوں کے لئے ہے۔

چھٹی اصلاح :۔ اسلام نے مال غنیمت میں سے خیانت کی ممانعت کی ہے قرآن مجید میں آتا ہے : وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (آل عمران ۳ : ۱۶۱) اور جو کوئی مال غنیمت میں خیانت کا مرتکب ہوگا وہ جو کچھ اس نے خیانت کی ہے قیامت کے دن لائے گا۔

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لَا تَغُلُّوْا فَاِنَّ الْغُلُوْلَ نَارٌ وَعَارٌ عَلٰی اَصْحَابِہٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ (احمد)

یعنی مال غنیمت میں خیانت نہ کرو کیونکہ خیانت دنیا کے اندر اور آخرت میں مرتکبین کے لئے عذاب اور شرمندگی کا باعث ہے۔

ساتویں اصلاح :۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفراء اور قاصدوں کے قتل سے منع فرمایا چنانچہ مسیلمہ کذاب کے دو قاصد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا :

ما واللہ لولا ان الرسل لا تقتل لضربت اعناقکما (ابوداؤد۔ احمد)

اللہ کی قسم اگر قاصدوں کا قتل ممنوع نہ ہوتا تو میں تمہاری گردن الگ کر دیتا۔

آٹھویں اصلاح :۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سپاہیوں کو ہر قسم کی بدنظمی اور سرکشی کی

ممانعت فرمائی۔ آپ نے فرمایا: من ضیق منزلا او قطع طریقا فلا جہاد لہ
یعنی جو کوئی راستے کے لوگوں کو تنگ کرے یا راستے میں لوٹ مار کرے تو اس کا کوئی جہاد نہیں۔

**نویں اصلاح:** ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدات کو دنیاوی منفعت کے لئے توڑنے سے منع فرمایا۔ آپ نے فرمایا: من کان بینہ وبین قوم عہد فلا یحلن عقدہ حتی ینقضی امدہا او ینبذ الیہم علی سواء (ابوداؤد۔ ترمذی)
کہ جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہو وہ اس وقت تک معاہدے کا بندھن نہ کھولے جب تک اس کی مدت نہ گزر جائے یا برابر کا لحاظ کر کے اس قوم کی طرف پھینک دے
کا مطلب یہ ہے کہ معاہد قوم کو صاف طور پر اطلاع دے دی جائے کہ ان کے معاندانہ رویہ اور امن سوز حرکات کی وجہ سے معاہدہ کو فسخ کیا جاتا ہے۔

**دسویں اصلاح:** ۔ اسلام نے اسیروں سے حسن سلوک کی تعلیم دی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا (محمد ۴۷: ۴)

پس جب کافروں سے مٹھ بھیڑ ہو تو پہلے گردنیں مارنا ہے یہاں تک کہ تم ان پر غالب آجاؤ پھر قید کے بندھن مضبوط کرو اس کے بعد تمہیں اختیار ہے یا تو احسان کے طور پر یا فدیہ لے کر چھوڑ دو یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے۔

بنو نضیر، بنو قینقاع اور بنو قریظہ کے یہود مدینہ سے جلاوطن کئے گئے۔ فتح مکہ کے موقع پر عام معافی دی گئی۔ ان سب کو فدیہ لئے بغیر رہا کر دیا گیا۔

## جہاد بالقول (تبلیغ)

جہاد بالسیف کے علاوہ جہاد کی اور بھی اقسام ہیں۔ ان میں سے تبلیغ جہاد کی ایک اعلیٰ قسم ہے۔ مسلح سپاہیوں کے ذریعہ اگر دشمن سے جہاد کا دفاع کیا جاتا ہے اور اسلامی سرحدوں کی حفاظت کی جاتی ہے تو تبلیغ کے ذریعہ اسلام کی سچائی اور حقانیت واضح کی جاتی ہے اور معترضین کے اعتراضات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔ جہاد بالسیف ضروری ہے اتنی ہی تبلیغ تحریر یا تقریر کے ساتھ ضروری ہے۔

تبلیغ کی اہمیت از روئے قرآن مجید:۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ (یوسف ۱۲: ۱۰۸)

یعنی کہہ دے یہ میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں سمجھ بوجھ کر میں اور جو میری پیروی کرتے ہیں اور اللہ پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں"

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ دعوت الی اللہ تمام انبیاء کرام صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے جو شخص اس کام کو فرض منصبی نہیں سمجھتا، وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ سے ہٹا ہوا ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (آل عمران ۳: ۱۱۰)

تم سب سے اچھی امت ہو جو لوگوں کی بھلائی اور بہبودی کے لئے پیدا کی گئی ہو تم اچھے کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

ایک اور جگہ ارشاد الٰہی ہے:

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (۳: ۱۰۴)

اور چاہیئے کہ تم میں سے ایک گروہ ہو جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیکی کے کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب میری امت دنیا کی عظمت میں کھو جائے گی تو اسلام کی ہیبت ان کے قلوب سے نکل جائے گی اور جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کر دے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہو جائے گی۔ جب ایک دوسرے کو سب و شتم کرنا شروع کر دے گی تو اللہ کی نگاہ سے گر جائے گی۔

## جہاد بالمال

مالی جہاد قوم کی ترقی، استحکام اور عزت کا باعث ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے انفاق سبیل اللہ پر بہت زور دیا ہے۔ جہاں نماز، جو روحانی ترقی کا زینہ ہے، کا ذکر کیا ہے وہاں انفاق کا ذکر کیا ہے جو قوم کی بہبودی اور ملک کی ترقی کا ذریعہ ہے۔ صلوٰۃ (نماز) اور انفاق فی سبیل اللہ کو اکٹھا لا کر مسلمانوں کو یہ سبق دیا ہے کہ روح کی پاکیزگی کے ساتھ ساتھ مادی ترقی کی طرف قدم بڑھانا بھی ضروری ہے۔ قرآن مجید میں مالی جہاد کے متعلق ارشاد الٰہی ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ (الحجرات ۴۹: ۱۵)

حقیقت میں وہی لوگ مومن ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں پھر وہ شک نہیں کرتے بلکہ اس کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں یہی لوگ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں ایمان کی عملی صورت، مال اور جان سے جہاد کرنا بتایا ہے اور مالی جہاد کو جانی جہاد پر مقدم کیا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران ۳:۹۲) یعنی تم ہرگز نیکی حاصل نہیں کر سکتے جب تک تم اپنی محبوب ترین چیز خرچ نہ کرو۔

پھر ایک اور جگہ ارشاد الٰہی ہے: فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (النساء ۴:۹۵)
یعنی اللہ نے مال اور جان سے جہاد کرنے والوں کو گھر میں بیٹھے رہنے والوں پر درجات میں فضیلت دی ہے اور اللہ نے سب سے نیکی کا وعدہ کیا ہے۔

پھر ارشاد الٰہی ہے: وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الحدید ۵۷:۱۰) یعنی تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمان اور زمین اللہ کی میراث ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے: عَنْ خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَنْفَقَ نَفَقَةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كُتِبَ لَهٗ بِسَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ (ترمذی۔ نسائی) خریم بن فاتک سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں کچھ مال خرچ کرتا ہے تو اللہ کی طرف سے اسکے لئے سات سو گنا اجر لکھا ہوا ہے۔

## جہاد بالنفس

جہاد بالنفس سے مراد نفس امارہ کی سرکوبی اور شیطانی قوتوں کو دبانا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (العنکبوت ۲۹:۶) اور جو کوئی جہاد کرتا ہے وہ اپنے نفس کے لئے جہاد کرتا ہے اللہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نفس کے ساتھ جہاد کو جہاد اکبر قرار دیا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ صحابہ جب لڑائی سے آرہے تھے تو آپؐ نے فرمایا: تمہارا آنا مبارک۔ تم چھوٹے جہاد (غزوہ) سے بڑے جہاد کی طرف آئے ہو، کہ بڑا جہاد بندہ کا اپنے ہوائے نفس سے لڑنا ہے[1]

---

[1] تاریخ خطیب بغدادی بحوالہ سیرۃ النبی از مولانا سلیمان ندوی۔

ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا: "بہترین جہاد یہ ہے کہ تم خدا کے لئے اپنے نفس اور اپنی خواہش سے جہاد کرو۔"

ایک اور حدیث ہے: "مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔" (ترمذی)

# اسلام کی اخلاقی تعلیم

اَخلاق خُلق کی جمع ہے۔ عربی زبان میں دو الفاظ خَلق، خُلق ہیں۔ دونوں کے معنی پیدائش کے ہیں، لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ خَلق ظاہری پیدائش پر بولا جاتا ہے اور خُلق باطنی پیدائش پر۔ علماء نے خلق کی بے شمار تعریفیں کی ہیں۔ سب سے عمدہ تعریف یہ ہے کہ اخلاق فاضلہ وہ اعمال ہیں جو خدا کی صفات مختلفہ کی مقتضیات ہوں۔ اور جو افعال صفات الٰہیہ کی مقتضیات کے برعکس ہوں گے ان کو اخلاق رذیلہ یا سیئات کہا جائے گا جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے:

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (البقرہ ۱۳۸) یعنی اللہ کا رنگ اختیار کرو اس کے رنگ سے اچھا اور کس کا رنگ ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا رنگ اس کی صفات حسنیٰ ہیں۔ اس آیت کریمہ میں یہ تعلیم دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مختلفہ کی مقتضیات کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہیئے۔

**ایمان اور اخلاق فاضلہ:** قرآن مجید نے بے شمار مقامات پر ایمان اور عمل صالح (اخلاق فاضلہ یا حسنات) کو اکٹھا بیان کیا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے: مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرہ ۶۲) جو اللہ اور آخری دن پر ایمان لائیں اور نیک کام بجالائیں بس انہیں لئے ان کے پاس اجر ہے ان کو نہ کوئی خوف لاحق ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

دوسری جگہ آتا ہے: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ (البقرہ ۲: ۸۲) اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ بجالائے وہی لوگ جنت کے وارث ہوں گے اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ ایمان اور اعمال صالح (اخلاق فاضلہ) لازم و ملزوم ہیں۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے سے ہی انسان کے دل میں خوف پیدا ہوتا ہے جو انسان کو برائیوں سے روکتا اور نیکی کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

**عبادات اور اخلاق فاضلہ:** قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی عبادات بجالانے کا ذکر آتا ہے وہاں ان عبادات کی غرض و غایت ہی اخلاق بیان فرمائی ہے۔ نماز کا فلسفہ یہ بیان کیا ہے کہ بری باتوں سے

روکتی ہے۔ روزہ تقویٰ کی تعلیم دیتا ہے اور زکوٰۃ کا مقصد بنی نوع انسان سے شفقت اور ہمدردی کرنا ہے۔ حج کے بے شمار مقاصد میں سے ایک مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کی سرکش اور منی کو رضاء الٰہی کے حصول کے لئے ذبح کر دے۔ جو انسان اپنے سرکش نفس پر قابو پا لیتا ہے وہ سالکوں کے راستہ پر تیزی سے گامزن ہو جاتا ہے اور خدا کا قرب حاصل کر لیتا ہے۔

**اخلاق فاضلہ کی اہمیت از روئے قرآن مجید و حدیث:** ۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض بیان کرتے ہوئے فرمایا: هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

(سورۃ جمعہ ۶۲:۲) اللہ وہ ذات ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہیں رسول بھیجا جو انہی میں سے ہے وہ ان کے سامنے اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو گناہوں کی میل سے پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت کی باتیں سکھاتا ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے: قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا

سورۃ الشمس ۹۱: ۹-۱۰ کا یہ ہے۔ ہو گیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو پاک کیا اور ناکام و نامراد ہو گیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو گناہوں کی میل سے ملوث کیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق حسنہ پر بہت زور دیا ہے، آپؐ فرماتے ہیں:۔

۱۔ بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۵) میں اسلئے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق حسنہ کی تکمیل کروں۔

۲۔ أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا (ترمذی) مومنوں میں سے ایمان کے لحاظ سے کامل وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔

۳۔ خِيَارُكُمْ أَحْسَنُكُمْ أَخْلَاقًا (بخاری) تم میں سے سب سے اچھا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔

۴۔ مَا مِنْ شَيْءٍ يُوضَعُ فِي الْمِيزَانِ أَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ (ترمذی) قیامت کے دن عدل کے ترازو میں حسن خلق سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہ ہوگی۔

۵۔ أَحَبُّ عِبَادِ اللهِ أَحْسَنُهُمْ أَخْلَاقًا (عبرانی) اللہ کے بندوں میں اللہ کا سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔

**اخلاق فاضلہ کی اقسام:** ۔ اخلاق حسنہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ اخلاق قلب ۲۔ اخلاق جوارح۔

اخلاق جوارح کی پھر دو قسمیں ہیں: ۱۔ اخلاق حسنہ ۲۔ اخلاق شنیعہ

**اخلاق قلب:۔** اسلام کے نزدیک اخلاق صرف ظاہری اعمال سے ہی تعلق نہیں رکھتے بلکہ ان کا تعلق دل سے شروع ہوتا ہے کیونکہ اعمال کا سرچشمہ دل ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے: وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (۶: ۱۵۱)
اور بے حیائی کی باتوں کے قریب مت جاؤ جو ان میں سے ظاہر ہوں اور جو چھپی ہوئی ہوں۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اخلاق کا تعلق صرف ظاہری اعمال سے ہی نہیں بلکہ ان اعمال سے بھی ہے جن کا مرتکب دل ہوتا ہے، گو ان کو معلوم کرنے کا طریقہ لوگوں کے پاس نہیں ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہستی ہے جو دلوں کے بھیدوں کو جانتی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ انسان کے دل میں کیا کیا خیالات موجزن ہیں اور وہ کیا کیا برائیاں اپنے دل کے پردوں میں چھپائے ہوئے ہے۔

دوسری جگہ اس مضمون کو اور وضاحت سے بیان کیا گیا ہے وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ (بقرہ ۲: ۲۸۴) اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے یا اسے چھپاؤ اللہ اس کا تم سے حساب لے گا۔

پھر ارشاد الٰہی ہے: وَلَٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ (۲: ۲۲۵)
اور لیکن اللہ تعالیٰ مواخذہ کرے گا جو تمہارے دلوں نے کمایا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ یعنی اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

اگر ایک انسان عمدہ کام کرتا ہے، لیکن اس کی نیت خراب ہے تو وہ اس عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل مواخذہ ہے۔ یہ حدیث ظاہر کرتی ہے کہ کسی عمل کی اچھائی یا برائی کا فتویٰ دل کے خیال پر مبنی ہے۔ اگر خیال اچھا ہے اور عمل بھی اچھا ہے تو اس عمل پر اجر مرتب ہو جائے گا۔ اگر خیال برا ہے، خواہ عمل اچھا ہی تو اس پر اجر مرتب نہیں ہوگا بلکہ وہ عمل قابل مواخذہ ہوگا۔

ایک اور حدیث ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

إِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ (بخاری و مسلم) یقیناً جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے خبردار وہ دل ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے: قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ (سورۃ الاعلیٰ ۸۷: ۱۴)
جس نے نفس و دل کو پاک کیا وہ کامیاب ہو گیا

اسی مضمون کو دوسری جگہ بیان کیا: قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا (سورہ شمس ۹۱: ۹)

یقیناً بامراد ہوا وہ شخص جس نے اپنے دل کو پاک کیا۔

جو لوگ دل کی پاکیزگی کی طرف توجہ نہیں دیتے ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یقیناً ناکام ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے اپنے دل کو گناہوں کی میل سے ناپاک کیا قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا اس بارہ میں ایک استثناء بھی ہے، وہ یہ کہ اگر کسی کے دل میں ایک آن بُرا خیال آتا ہے لیکن وہ اس کو دبا جاتا ہے، وہ خیال قابل مواخذہ نہیں ہوگا بلکہ قابل تعریف ہوگا اور وہ شخص اجر کا مستحق ہوگا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: مَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حَسَنَةً كَامِلَةً (بخاری) اگر کسی شخص کے دل میں بُرا خیال پیدا ہوتا ہے اور اس خیال کو عملی جامہ نہیں پہناتا بلکہ دل میں ہی دبا دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک پوری نیکی لکھ دے گا۔

بُرے خیالات اس وقت قابل مواخذہ ہوتے ہیں جب انسان ان خیالات کو عملی جامہ پہنانے کا راستہ تلاش کرنا شروع کر دیتا ہے گو وہ بُرا خیال عمل کے لباس میں ظاہر نہ ہوا ہو، لیکن اللہ کے نزدیک وہ بُرا خیال بداخلاقی میں شمار ہوگا۔

**اخلاق حسنہ:** - اخلاق حسنہ میں وہ تمام اعمال شامل ہیں جن کے ذریعے انسان کوشش کرتا ہے کہ اس کے بھائی بندوں کو فائدہ پہنچے اور معاشرہ صحیح خطوط پر ترقی کرے۔

۱- **صدق:** - صدق سب نیکیوں کی جڑ اور تمام بھلائیوں کی اصل ہے۔ اس وجہ سے قرآن مجید اور احادیث میں صدق پر بہت زور دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ (مائدہ ۵: ۱۱۹) یہ دن (قیامت) ہے کہ سچے بندوں کو ان کا سچ کام آئے گا۔

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ (احزاب ۳۳: ۲۴) تاکہ اللہ سچا اترنے والوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (توبہ ۹: ۱۱۹) اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کا خوف رکھو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

حدیث شریف میں آتا ہے: ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! مجھ میں چار بُری خصلتیں ہیں۔ ایک یہ کہ بدکار ہوں، دوسری یہ کہ چوری کرتا ہوں، تیسری یہ کہ شراب پیتا ہوں، چوتھی یہ کہ جھوٹ بولتا ہوں۔ ان میں سے جس ایک کو فرمائیے آپؐ کی خاطر چھوڑ دوں۔ ارشاد ہوا کہ جھوٹ نہ بولا کرو۔ چنانچہ اس نے عہد کیا۔ اب جب رات ہوئی تو شراب پینے کو اس کا جی چاہا اور پھر بدکاری کے لئے آمادہ ہوا تو اس کو خیال گزرا کہ صبح کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پوچھیں گے کہ رات تم نے شراب پی اور بدکاری کی؟ تو کیا جواب دوں گا۔

اگر ہاں کہوں تو شراب اور زنا کی سزا دی جائے گی، اگر نہیں کہوں تو عہد کے خلاف ہوگا۔ یہ سوچ کر ان دونوں سے باز رہا۔ جب رات گزری اور اندھیرا خوب چھا گیا تو چوری کے لئے گھر سے نکلنا چاہا، لیکن پھر اسی خیال نے اس کا دامن تھام لیا کہ کل پوچھ گچھ ہوئی تو کیا کہوں گا۔ ہاں کروں گا تو ہاتھ کٹے گا اور نہیں کرتا تو بدعہدی ہوتی ہے۔ اس خیال کے آتے ہی اس جرم سے بھی باز آیا۔ صبح ہوئی تو وہ دوڑ کر خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! جھوٹ نہ بولنے سے میری چاروں بری خصلتیں مجھ سے چھوٹ گئیں۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسرور ہوئے۔[1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سچائی کو اپنے اوپر لازم کرو۔ کیونکہ سچائی نیکی کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ اور آدمی ہمیشہ سچ بولتا اور سچ بولنے کی کوشش کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ خدا کے نزدیک صدیق لکھا جاتا ہے۔ اور جھوٹ سے بچو، کیونکہ جھوٹ فسق و فجور کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ اور فسق و فجور جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔ اور انسان ہمیشہ جھوٹ بولتا اور جھوٹ بولنے کی کوشش کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ خدا کے نزدیک کذاب لکھا جاتا ہے۔ (صحیحین)

۲۔ صبر:۔ صبر کے لغوی معنی ہیں روکنا۔ جب کسی جانور کو باندھ کر مارا جائے تو عرب کہتے ہیں: اصطلاح میں صبر کو اس لئے صبر کہا جاتا ہے کہ انسان دل کو گریہ وزاری سے، زبان کو شکوہ و گلا سے اور جوارح کو بے قراری اور اضطراب سے روک لیتا ہے۔

محقق دوانی لکھتے ہیں کہ صبر کے معنی ہیں خواہشات سے مقابلہ کرنا تاکہ ان کو رفع کر کے لذات قبیحہ کے استعمال سے باز رہے۔

قرآن مجید میں نو سے مقامات پر صبر کا ذکر ہوا ہے۔ صبر کی توصیف میں چند ایک آیات درج کی جاتی ہیں:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (بقرہ ۲: ۴۵) صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔

اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا (آل عمران ۳: ۲۰۰) صبر رکھو اور آپس میں صبر کی تعلیم دو۔

اصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ (احقاف ۴۶: ۳۵)

صبر کیجئے جیسا کہ صاحب عزم رسولوں نے صبر کیا اور ان کے لئے جلدی نہ کیجئے۔

۴۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ (آل عمران ۳: ۱۴۶) اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ محبت کرتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبر کی توصیف میں فرماتے ہیں:

۱۔ اَلصَّبْرُ رِدَائِیْ صبر میرا لباس ہے۔

۲۔ حضرت امام بخاری کتاب الادب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں

---

[1] سیرۃ النبی حصہ ششم 261، 262 مصنفہ سلیمان ندوی

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ایمان کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اَلصَّبْرُ مِفْتَاحُ الْفَرَجِ یعنی صبر اور سیر چشمی۔

۲۔ اَلصَّبْرُ وَالسَّمَاحَۃُ یعنی صبر کشائش کی چابی ہے۔

۳۔ اَلنَّصْرُ مَعَ الصَّبْرِ یعنی فتح صبر کے ساتھ ہے۔

صبر کی تین اقسام ہیں:

۱۔ طاعت الٰہی پر صبر۔

۲۔ معصیت الٰہی سے صبر۔

۳۔ امتحان الٰہی پر صبر۔

طاعت الٰہی پر صبر سے مراد یہ ہے کہ طاعت الٰہی پر دوام اختیار کیا جائے۔ معصیت الٰہی سے صبر سے مراد یہ ہے کہ اپنے نفس کو احکام ربانی کے توڑنے سے روکا جائے۔

امتحان الٰہی پر صبر سے مراد یہ ہے کہ تنگی، مصیبت اور لڑائیوں میں اپنے جوارح کو جزع و فزع کرنے سے روکا جائے۔

صبر کی تین حالتیں ہیں:

۱۔ صبر باللہ۔ ۲۔ صبر للہ۔ ۳۔ صبر مع اللہ۔

صبر باللہ سے مراد یہ ہے کہ صبر اللہ کے لئے ہو، جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے:

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ (نحل ۱۲۷:۱۶) صبر کیجئے اور آپ کا صبر اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے ہو۔

صبر للہ سے مراد یہ ہے کہ صبر رضاء الٰہی اور تقرب الٰہی کے لئے ہو نہ کہ شہرت حاصل کرنے اور قوت نفس کا اظہار کرنے کے لئے۔

صبر مع اللہ سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو احکام الٰہی کا مکمل طور پر مطیع و منقاد بنائے۔

۳۔ حیاء: ۔ حیا وہ ملکہ اور قوت ہے جو انسان کو بھلائی کی طرف لے جاتی ہے اور برائیوں سے روکتی ہے۔ پس جس قدر انسان میں یہ ملکہ زیادہ ہوگا اتنا ہی اس سے زیادہ نیکیوں اور بھلائیوں کا صدور ہوگا۔ جتنا یہ ملکہ کمزور اور کم ہوگا اتنے ہی زیادہ اس سے اعمال قبیحہ سرزد ہوں گے۔

قرآن مجید میں آتا ہے: اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ (الاحزاب ۵۳:۳۳) یہ بات نبیؐ کو تکلیف دیتی ہے مگر وہ تم سے حیا کرتا ہے۔

ام المومنین حضرت زینبؓ کے نکاح میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو

دعوت ولیمہ میں بلایا۔ دعوت کھانے کے بعد لوگ آپس میں باتوں میں مصروف ہو گئے۔ آپؐ چاہتے تھے کہ لوگ اٹھ کر چلے جائیں، لیکن وہ وہیں بیٹھے رہے۔ آپؐ کو یہ حرکت ناگوار گزری، لیکن آپ شرم و مروت کی وجہ سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار نہ کر سکے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

۱۔ اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِنَ الْاِیْمَانِ — حیاء ایمان کی شاخ ہے۔

۲۔ اَلْحَیَاءُ لَا یَاْتِیْ اِلَّا بِخَیْرٍ — حیاء نیکی کے علاوہ دوسری کوئی چیز نہیں لاتی۔

۳۔ عن ابن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال استحیوا من اللہ عز وجل حق الحیاء فقیل یا رسول اللہ فکیف نستحی من اللہ عز وجل حق الحیاء قال من حفظ الراس وما حوی والبطن وما وعی وتذکر ذینۃ الحیوۃ الدنیا وذکر الموت والبلی فقد استحیا من اللہ عز وجل حق الحیاء (ترمذی، احمد)

ابن مسعود سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سے حیاء کرو اس وجہ کا جو حیاء کا حق ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم اللہ کی درگاہ میں حیاء کا حق کس طرح ادا کریں؟ آپؐ نے فرمایا سر اور جو اس میں محفوظ ہے اور پیٹ اور جو اس میں محفوظ ہے ان کی حفاظت کے ذریعہ۔ دنیاوی زینت کے ترک کرنے اور موت اور بدن کے گل سڑ جانے کی یاد کے ذریعہ سے حیاء کا پورا حق اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں ادا ہوتا ہے۔

عملی اعتبار سے حیاء کے تین شعبے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ سے حیاء۔

۲۔ لوگوں سے حیاء۔

۳۔ اپنے نفس سے حیاء۔

اللہ تعالیٰ سے حیاء کا مطلب یہ ہے کہ احکام ربانی کو نہ توڑے۔ لوگوں سے حیاء کا یہ مطلب ہے کہ حقوق العباد کو ادا کرے۔ اور اپنے نفس سے حیاء کا یہ مطلب ہے کہ حقوق النفس ادا کرے۔

۴۔ **احسان:** ۔ احسان حسن سے مشتق ہے جس کے معنی خوبی اور رعنائی کے ہیں۔ اسلام میں لفظ احسان حقوق اللہ اور حقوق العباد کو نہایت ہی خوبصورتی اور رعنائی کے ساتھ ادا کرنے پر بولا گیا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ (مسلم) احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے گویا تو اسے دیکھتا ہے، اگر تو نہیں اسے دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

اس حدیث میں عبادت کے معنی میں احسان کو استعمال کیا گیا۔ اسلام میں عبادت صرف نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے ادا کرنے کا نام ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے کامل فرمانبرداری کرنے کا نام ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے: وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ (النساء ۴:۱۲۵) اس سے زیادہ خوبصورت دین کس کا ہوگا جس نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا اور وہی محسن ہے۔

اس آیت میں اسلام کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنے والے کو محسن کہا گیا ہے۔

جب یہ لفظ انسانوں کے لئے استعمال ہوگا تو اس سے مراد ہر وہ نیکی ہے جو ایک انسان کرتا ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے:

۱۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى (نحل ۱۶:۹۰) اللہ انصاف کا اور احسان کرنے کا اور قریبی رشتہ داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔

۲۔ وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ (قصص ۲۸:۷۷) اور جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی دوسروں کے ساتھ احسان کر۔

۳۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (توبہ ۹:۱۲۰) بے شک خدا احسان کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

احادیث میں احسان کی توصیف میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بے شمار ہیں، چند ایک حدیثیں رقم کی جاتی ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شے پر احسان کرنا فرض کیا ہے۔ اگر تمہیں کسی کو شرعی حکم کے سبب سے جان سے مارنا بھی پڑے تو اس کو بھی اچھائی کے ساتھ مارو۔ کسی جانور کو ذبح کرنا چاہو تو بھی اچھائی اور خوبی کے ساتھ ذبح کرو۔ چھری کو خوب تیز کر لیا کرو اور اپنے ذبیحہ کو راحت پہنچاؤ[1]

---

[1] صحیح مسلم کتاب الصید والذبائح۔

۲۔ ایسے نہ ہو کہ خود تمہاری گرہ میں عقل نہ ہو، صرف دوسروں کی دیکھا دیکھی کام کرو۔ کہتے ہو کہ اگر لوگ احسان کریں گے تو ہم بھی احسان کریں گے اور اگر وہ ظلم کریں تو ہم بھی کریں گے۔ بلکہ اپنے آپ کو اس پر مطمئن کرو کہ اگر دوسرے احسان کریں تو تم احسان کرو گے ہی اور اگر وہ برائی بھی کریں تو تم ظلم نہ کرو گے[1]

احسان کے تقاضے:۔ بعض لوگوں کی یہ عادت ہے کہ جب کسی پر احسان کرتے ہیں تو بعد میں اس کو جتاتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو سخت ناپسندیدگی سے دیکھا ہے۔ اسلام کا یہ منشاء ہے کہ انسان دوسروں کے ساتھ نیکی محض رضاالٰہی کے لئے کرے۔

۱۔ احسان جتانا نہیں چاہیئے:۔

قرآن مجید میں آتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (بقرہ ۲ : ۲۶۴) اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر باطل نہ کرو اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتا سو اسکی مثال اس صاف چٹان کی سی ہے جس پر مٹی ہو پھر اس پر زور کا مینہ برسے اور اسے بالکل صاف کر کے چھوڑ دے اس میں سے کچھ بھی نہ پا سکیں گے جو کمایا تھا اور اللہ کافر لوگوں کو راہ نہیں دکھاتا۔ اس آیت میں احسان کے تین تقاضے بیان کئے ہیں:

۱۔ احسان جتانا نہیں چاہیئے۔ ۲۔ تکلیف نہیں دینی چاہیئے۔ ۳۔ احسان دکھاوے کے لئے نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اس سے مقصود محض رضاالٰہی ہو۔

۲۔ زیادہ معاوضہ کی نیت سے احسان نہیں کرنا چاہیئے:۔ دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے: وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (المدثر ۷۴ : ۶) اور کسی کو اس غرض سے مت دو کہ دوسرے وقت زیادہ معاوضہ چاہو۔

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ احسان زیادہ معاوضہ کی نیت سے نہیں کرنا چاہیئے بلکہ نیکی اور بھلائی خلوص نیت اور رضاالٰہی کے واسطے ہو۔

---

[1] جامع ترمذی باب ما جاء فی الاحسان والعفو۔

۳۔ بلا درخواست احسان کرنا چاہیئے:۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ (طٰہٰ ۲۰: ۳۶، ۳۷)

اور یقیناً ہم نے تجھ پر ایک بار (پہلے بھی) احسان کیا جب ہم نے تیری ماں کی طرف وحی کی جو (اب) وحی کی جاتی ہے۔

اس آیت کریمہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس پر اس کی خواہش اور درخواست کے بغیر احسان کیا گیا ہے اس میں بنی نوع انسان کو یہ تعلیم دی ہے احسان بلا درخواست بھی کرنا چاہیئے۔

۴۔ احسان صرف اپنوں اور دوستوں پر نہیں ہونا چاہیئے بلکہ بے مروت اور دشمنوں کے ساتھ بھی ہونا چاہیئے:۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے کہا: "یارسول اللہ! میں ایک شخص کے پاس سے گزرتا ہوں تو وہ میری مہمانی نہیں کرتا، جب وہ میرے پاس آئے تو میں بھی اس کی کچ خلقی کا بدلہ یہی دوں؟ آپؐ نے فرمایا: "نہیں، تم اس کی مہمانی کرو۔" (جامع ترمذی)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ایک نمونہ ہے کہ فتح مکہ کے دن ان تمام مخالفین کو معاف کر دیا جن کے ظلم و ستم سے بے کس و بے بس اور نہتے مسلمانوں کا خون زمین پر گرا۔ اس سے بڑھ کر احسان کرنے کی مثال دنیا کی کسی تاریخ میں نہیں ملتی۔

اسلام نے اگر احسان کرنے والوں پر کچھ اخلاقی پابندیاں عائد کی ہیں جن کا پورا کرنا ضروری ہے تو دوسری طرف ان لوگوں پر بھی کچھ پابندیاں عائد کر دی ہیں جن پر احسان کیا جاتا ہے۔

۱۔ احسان یاد رکھنے کا حکم:۔ قرآن مجید میں آتا ہے: يٰبَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا بِعَهْدِيٓ أُوفِ بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ (البقرہ ۲: ۴۰) اے بنی اسرائیل میری نعمت کو یاد کرو جو میں نے تمہیں عطا کی اور میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا اور مجھ سے ہی ڈرو۔

۲۔ محسن کا احسان ماننا:۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

وَرَٰوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَن نَّفْسِهِۦ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَٰبَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُۥ رَبِّيٓ أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُۥ لَا يُفْلِحُ الظَّٰلِمُونَ (یوسف ۱۲: ۲۳) (حضرت یوسف علیہ السلام / جس کے گھر میں تھا اس نے اسے اپنے ارادہ سے پھیرنا چاہا اور دروازے بند کر لئے اور کہا ادھر آ، اس نے کہا اللہ کی پناہ چاہتا ہوں

وہ تیرا خاوند، میرا مربی اور محسن ہے اس نے مجھے کیسی اچھی طرح رکھا۔ ایسا حق فراموش کامیاب نہیں ہوتا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کا احسان مانتے ہوئے فرمایا کہ ابوبکرؓ کے احسان کا بدلہ اللہ ہی قیامت کو دے گا۔

۳۔ **احسان کا بدلہ احسان:** ۔ احسان کا یہ تقاضا ہے کہ اگر کوئی احسان کرے تو اس کے ساتھ بھی نیکی کرنا چاہیئے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

احسان کا بدلہ احسان ہے۔ هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ اگر کسی سے قرضہ لیتے تو واپسی کے وقت اس کی اصل رقم سے کچھ زیادہ دیتے۔ اگر کوئی آپؐ کو ہدیہ دیتا تو اس سے بہتر تحفہ دیتے (الرحمن ۵۵: ۶۰)

۵۔ **احصان (پاک دامنی)** احصان سے مراد پاک دامنی ہے جو مرد اور عورت کی قوت شہوت سے تعلق رکھتی ہے۔ محصن یا محصنہ اس مرد یا عورت کو کہا جاتا ہے جو بدکاری اور اس کے مقدمات سے اجتناب کر کے پاک بازی سے زندگی بسر کرتے ہیں۔

قرآن مجید اور احادیث میں احصان (پاک دامنی) پر بہت زور دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

۱۔ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ (المومنون ۲۳: ۵) اور وہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

۲۔ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا (نور ۲۴: ۳۳) چاہیئے کہ وہ لوگ جن کو نکاح کا موقع میسر نہیں آتا وہ اپنے آپ کو (بدکاری سے) بچائے رکھیں۔

۳۔ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ (معارج ۷۰: ۲۹) اور جو اپنی شہوت کی جگہ کی حفاظت کرتے ہیں۔

۴۔ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ (احزاب ۳۳: ۳۵) اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

زانی جس وقت زنا کرتا ہے، شرابی جس وقت شراب پیتا ہے، چور جس وقت چوری کرتا ہے اور لوٹنے والا جس وقت سب کی آنکھوں کے سامنے لوٹتا ہے تو مسلمان نہیں رہتا۔

(بخاری کتاب الحدود باب الزنا و شراب الخمر)

پاک دامن رہنے کے لئے پانچ علاج۔

۱۔ غض بصر: ۔ یعنی اپنی نظر کو نامحرم پر ڈالنے سے بچانا۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ (النور ۲۴: ۳۰) مومنوں کو کہہ دے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزہ ہے اللہ اس سے باخبر ہے جو وہ کرتے ہیں۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ (النور ۲۴: ۳۱) اور مومن عورتوں کو کہہ دے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔

۲۔ پردہ:۔ قرآن مجید میں آتا ہے:۔ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ (۲۴: ۳۱) اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو عادتاً کھلا رہتا ہے اور چاہیئے کہ وہ اپنی اوڑھنیاں اپنے سینوں پر ڈال رکھیں۔

۳۔ نکاح:۔ ارشاد الٰہی ہے:

(ا) وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ (النساء ۴: ۲۵)

اور جو شخص تم میں سے یہ طاقت نہیں رکھتا کہ آزاد مومن عورتوں سے نکاح کرے تو تمہاری ان مومن لونڈیوں سے نکاح کرے جن کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے۔

ب۔ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (النور ۲۴: ۳۲)

اور جو تم میں سے مجرد ہیں ان کے نکاح کر دو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو صلاحیت رکھتے ہیں اگر وہ محتاج ہوں گے تو اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا اور اللہ فراخی والا علم والا ہے۔

اگر نکاح نہ ہو تو حدیث میں آتا ہے کہ مرد روزہ رکھیں، کیونکہ روزہ شہوانی جذبات کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔

۴۔ کسی کے گھر جانا ہو تو اجازت سے پہلے پردہ اٹھا کر اس کے اندر جھانکنا نہیں چاہیئے (ترمذی کتاب الاستیذان باب الاستیذان قبل البیت)

۵۔ عورت تیز خوشبو لگا کر باہر نہ نکلے:۔

بعض مذاہب نے پاک دامنی کا علاج رہبانیت (ترک دنیا) قرار دیا ہے۔ یہ علاج غیر فطری ہے۔ اسلام نے رہبانیت سے منع فرمایا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

وَرَهْبَانِيَّةَ ِۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ

فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا (حدید ۵۷ : ۲۷) بعض مذاہب نے رہبانیت کا طریقہ خود ایجاد کیا ہے ہم نے اسے ان پر لازم نہیں کیا مگر اللہ کی رضا کو حاصل کرنے کے لئے (لگالی) پر اسکی وہ نگہداشت نہ کر سکے جو اس کی نگہداشت کا حق ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ یعنی اسلام میں ترکِ دُنیا ناجائز ہے۔

۶۔ **امانت داری۔ دیانت داری:۔** امانت کا لفظ جامع ہے ان تمام امانتوں کے لئے جو خدا تعالیٰ نے یا معاشرے نے یا افراد نے کسی شخص کو سپرد کی ہوں۔

قرآن مجید اور احادیث میں امانت اور دیانت کو اختیار کرنے کی بہت تاکید ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

۱۔ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ (مومنون ۲۳ : ۸)
اور جو اپنی امانتوں اور وعدہ کا پاس رکھتے ہیں۔

۲۔ فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ (بقرہ ۲ : ۲۸۲)
پس جو امین بنایا گیا ہے اس کو چاہیئے کہ اپنی امانت ادا کر دے اور چاہیئے کہ اپنے پروردگار رب سے ڈرے۔

۳۔ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (انفال ۸ : ۲۷) اور اپنی امانتوں میں خیانت (نہ) کرو حالانکہ تم جانتے ہو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

۱۔ جو امانت دار نہیں اس کا ایمان نہیں، جسے اپنے عہد کا پاس نہیں اس کا دین نہیں (المشکوٰۃ)

۲۔ منافق کی تین علامتیں ہیں اگرچہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور اپنے تئیں مسلمان سمجھے: (۱) جب بات کہے جھوٹ بولے۔ (۲) جب وعدہ کرے خلاف کرے۔ (۳) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

۳۔ جو تیرے پاس امانت رکھے اسکی امانت ادا کر دے اور جس نے تیری خیانت کی تو اسکی خیانت نہ کر۔

۴۔ میری امت اس وقت تک فطری صلاحیت پر قائم رہے گی جب تک وہ امانت کو غنیمت کا مال اور زکوٰۃ کو جرمانہ نہیں سمجھے گی۔ یعنی جو امانت ان کے سپرد کی جائے گی اور اس کو ادا کریگی اور زکوٰۃ کو بطیب خاطر ادا کرے گی۔

۷۔ **وفائے عہد:۔** وفائے عہد زبان اور عمل کی سچائی کا نام ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

۱۔ أَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا (بنی اسرائیل ۱۷ : ۳۴)

اپنے عہد کو پورا کرو اس لئے کہ قیامت کے دن عہد کے متعلق پوچھا جائے گا۔

۲۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ (۲۳ : ۸) (مومن)

وہ ہیں جو اپنی امانتوں اور عہدوں کے محافظ ہیں۔

۳۔ اُذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا (مریم ۱۹ : ۵۴) اور یاد کر کتاب (قرآن) میں (حضرت) اسماعیل کا ذکر یقیناً وہ وعدہ کا سچا تھا اور خدا کا رسول اور نبی تھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

۱۔ "اپنے بھائی سے جھگڑا مت کرو۔ اور نہ اس سے ٹھٹھا کرو اور نہ اس سے کوئی ایسا وعدہ کرو جس کو پورا نہ کر سکو"۔ (ترمذی)

۲۔ لَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ (احمد، طبرانی، ابن حبان) یعنی جس میں عہد کا پاس نہیں اس کا دین نہیں۔

۸۔ شکر: شکر کے لغوی معنی یہ ہیں کہ جانور میں تھوڑا سا چارہ ملنے پر بھی تر و تازگی پوری موجود ہو، دودھ زیادہ دے۔

اسلامی اصطلاح میں شکر سے مراد یہ ہے کہ کسی کی نیکی پر دل، زبان اور عمل سے پورا پورا اجر دیا جائے۔

عربی زبان میں شکر کے مقابل پر کفر کا لفظ ہے، جس کے لغوی معنی ڈھانپنا اور چھپانا ہیں۔ لیکن عام مفہوم میں کسی کی نیکی یا نعمت کی ناشکری پر بولا جاتا ہے۔ کفران نعمت کا لفظ اردو میں عام مستعمل ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے بھی شکر کے مقابل میں کفر کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ تم میرا شکریہ ادا کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔

شکر کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ اللہ کا شکر۔ ۲۔ بندوں کا شکر۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا (فرقان ۲۵ : ۶۱، ۶۲) بابرکت ہے وہ ذات

جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں ایک چراغ اور اجالا کرنے والا چاند بنایا اور اسی نے رات اور دن بنائے ۔ مگر ایسے آتے ہیں یہ سب

نعمتیں ان لوگوں کے ہیں جو یاد کرنا اور شکر کرنا چاہیں۔

۲۔ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (نحل ۱۶: ۷۸)

اور اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے باہر نکالا جب کہ تم کچھ نہ جانتے تھے اور تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو۔

۳۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ (البقرہ ۲: ۱۷۲) اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں پاک چیزیں بطور رزق کے دی ہیں انہیں کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو۔

شکر کی دوسری قسم بندوں کا شکر ادا کرنا ہے۔

انسان مدنی الطبع ہے۔ اس کو ایک دوسرے کی مدد کی ضرورت ہے۔ اس باہمی تعاون سے ہی معاشرہ صحیح خطوط پر چل سکتا ہے۔ اس وجہ سے اس دنیا میں ہر انسان کی گردن کسی نہ کسی دوسرے انسان کے احسان کے جوا کے نیچے ہے۔ اس لئے یہ اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے محسن کے احسانات کا شکر ادا کرے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

۱۔ مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ لَا يَشْكُرُ اللّٰهَ (ترمذی) جو انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ خدا کا شکر ادا نہیں کرتا۔

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضورؐ! ہم کونسا مال جمع کریں۔ آپؐ نے فرمایا: "ذکر کرنے والی زبان اور شکر کرنے والا دل"[1]

شکر کے طریقے:۔ اظہار شکر کے تین طریقے ہیں: (ا) قلبی (ب) قولی (ج) عملی

قلبی شکر کا یہ مطلب ہے کہ محسن کی محبت انسان کے دل میں ہو۔ قولی شکر سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے محسن کی نعمت کا زبان سے اقرار اور اس کی تعریف کرے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ تو اپنے پروردگار کی نعمتوں کا ذکر کر۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ موجود ہے کہ آپؐ ہر لحظہ اور ہر آن خدا تعالیٰ کی تعریف کرتے رہتے تھے۔ رات کو عبادت الٰہی میں اتنا لمبا قیام کرتے کہ آپؐ کے پاؤں متورم ہو جاتے۔ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ اس حالت کو دیکھ کر ایک دن میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] احیاء العلوم للغزالی کتاب الشکر ص۔

سے عرض کی: یارسول اللہ! آپؐ کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے، پھر آپؐ اتنی محنت اور مشقت کیوں برداشت کرتے ہیں؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

ایک اور حدیث ہے کہ جس نے اللہ کی ثنا کی اس نے شکر ادا کیا، جس نے نعمت کو چھپایا اس نے کفر کیا۔

عملی شکر سے مراد یہ ہے کہ محسن نے جو نعمتیں انسان کو دی ہیں وہ اسی کی ہدایت اور رضا کیلئے استعمال کرے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو آنکھ، کان، ہاتھ پاؤں وغیرہ دیئے ہیں تو وہ ان اعضاء کو غلط رنگ میں استعمال نہ کرے۔ اگر کسی کو دولت سے نوازا ہے تو وہ اپنی دولت کو احکام الٰہی کے مطابق خرچ کرے۔

علامہ مجدد الدین فیروز آبادی نے شکر کو پانچ قواعد پر مبنی قرار دیا ہے:

۱۔ محسن کے لئے فروتنی و انکساری۔
۲۔ محسن سے محبت کرنا۔
۳۔ نعمت کا اعتراف کرنا۔
۴۔ نعمت کی بناء پر محسن کی تعریف۔
۵۔ اس نعمت کو محسن کی مرضی کے مطابق استعمال کرنا۔

یہ پانچ باتیں شکر کی بنیاد ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی ضائع ہو جائے تو شکر کے قواعد میں سے ایک قاعدہ ضائع ہو گیا۔

۹۔ عفو:۔ عفو سے مراد دوسرے کی خطا اور غلطی کو معاف کر دینا ہے لیکن عیسائیوں کے معاف کرنے کی طرح نہیں کہ اگر کوئی آدمی ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا بھی اس کے سامنے کر دیا جائے۔ بلکہ اسلام میں عفو اس صورت میں مناسب ہے جب خاطی اپنی خطا اور غلطی پر نادم ہو اور اس کو معاف کر دینا اس کے لئے اصلاح کا موجب ہو۔

عام طور پہ عفو صفح اور مغفرت کے معنوں میں بھی استعمال ہو جاتا ہے۔

اسلامی اخلاق میں عفو کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

۱۔ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا (نساء ۴: ۱۴۹)
یا کسی برائی کو معاف کرو تو یقیناً اللہ معاف کرنے والا قدرت والا ہے۔

۲۔ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (نور ۲۴: ۲۲) اور چاہیئے کہ وہ معاف کریں اور درگزر کریں۔

کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا تم کو معاف کر دے اور اللہ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

۳۔ وَ اِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ (شوریٰ ۴۲: ۳۷) اور جب انہیں (مومنوں کو) غصہ آئے تو معاف کرتے ہیں (۴۲) وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ جو غصہ کو دبا جاتے ہیں اور جو لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں ایسے نیکوکار لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں۔ (آل عمران ۳: ۱۳۴)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

۱۔ وَمَا زَادَ اللّٰهُ رَجُلًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا (ترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی التواضع) اور اللہ اس شخص کی جو عفو سے کام لیتا ہے عزت بڑھا دیتا ہے۔

۲۔ ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر پوچھا: یا رسول اللہ! میں اپنے خادم کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں۔ آپؐ پہلے تھوڑی دیر خاموش رہے۔ اس نے پھر پوچھا، تب آپؐ نے فرمایا: ہر روز ستر دفعہ (ترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی ادب الخادم)

۱۰۔ **عدل و انصاف:۔** عدل و انصاف سے مراد یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کا حق ٹھیک ٹھیک دینا اور کسی پر زیادتی نہ کرنا۔ عدل کے مقابلے میں عربی زبان میں لفظ ظلم ہے، جس کے معنی یہ ہیں: وضع الشئ فی غیر محلہ یعنی کسی چیز کو اس کے مناسب مقام پر نہ رکھنا۔

عدل و انصاف کی قرآن اور حدیث میں بہت اہمیت ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

۱۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (سورۃ نحل ۱۶: ۹۰) یقیناً اللہ عدل اور نیکی کرنے کا حکم دیتا ہے۔

۲۔ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (نساء ۴: ۳) اگر تمہیں ڈر ہو کہ کئی بیویوں میں انصاف نہیں کر سکو گے تو ایک ہی بیوی کرنا۔

۳۔ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى (سورۃ انعام ۶: ۱۵۲) اور جب کوئی بات کہو تو انصاف کا پاس کرو خواہ کسی رشتہ دار کے خلاف ہی کیوں نہ کہنا پڑے۔

۴۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (سورۃ مائدہ ۵: ۸) اے لوگو جو ایمان لائے ہو خدا کی رضا کے واسطے انصاف کے ساتھ گواہی دینے کو آمادہ رہو اور لوگوں کی عداوت تم کو اس جرم پر

نہ اکسائے کہ معاملات میں انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو کہ انصاف تقویٰ سے قریب تر ہے۔

۵۔ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (نساء ۴: ۵۸)

اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

قیامت کے دن جب کہ خدا کے سایہ کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا سات شخصوں کو خدا اپنے سایہ میں لے گا، جن میں ایک شخص امام عادل ہوگا (بخاری کتاب المحاربین باب فضل من ترک الفواحش)

**۱۱۔ تواضع وخاکساری:** ۔ خدا کی رضا اور مخلوق پر رحم وکرم کی وجہ سے اپنے اصل مقام سے کم راضی ہو جانا اور خود کو پست کر دینے کا نام تواضع ہے۔

وضع اور تواضع میں بڑا فرق ہے۔ وضع سے انسان کی خودداری اور عزت نفس مجروح ہوتی ہے۔ اور تواضع سے کبر نفس کی سرکش اونٹنی ذبح ہوتی ہے۔ اول الذکر رذیلہ ہے اور موخر الذکر فضیلت۔

علامہ زبیدی وضع اور تواضع میں فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"تواضع اور وضع (ذلت) میں یہ فرق ہے۔ کہ تواضع خدا کی ذات وصفات کی معرفت اس کے جلال وجبروت اور محبت کے علم اور اپنے نفس کے عیوب ونقائص کے علم سے پیدا ہوتی ہے۔ جو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی جناب میں انکسار قلب اور مخلوق کے حق میں رحم اور نیازمندی کے ساتھ جھک جانے کا نام ہے۔

اور جو پستی اور اہانت حظوظِ نفس کی خاطر خودداری اور عزت نفس کو مٹا کر اختیار کی جاتی ہے اس کا نام وضع (ذلت) ہے۔ اس لئے پہلی صفت فضیلت ہے اور دوسری رذیلہ ہے" (اتحاف السادہ شرح احیاء العلوم جلد ۸ صفحہ ۲۵)

قرآن مجید میں آتا ہے۔

۱۔ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا (الفرقان ۲۵: ۶۳)

اور خدا کے بندے زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں۔

۲۔ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا (لقمٰن ۳۱: ۱۸)

اور تکبر میں لوگوں سے اپنے گال نہ پھلا اور نہ زمین پر اکڑ کر چل۔

۳۔ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (شعراء ۲۶: ۲۱۵)

اور اپنے بازو اس کے لئے جھکا جو مومنوں میں سے تیری پیروی کرتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

فرماتے ہیں:

۱۔ طوبیٰ لمن تواضع فی غیر مسکنۃ ۔ یعنی اس شخص کے لئے بشارت ہے جو نفس کو ذلیل کئے بغیر تواضع کرتا ہے۔ (رواہ البخاری فی التاریخ)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ وحی بھیجی ہے کہ خاکساری اختیار کرو تاکہ کوئی کسی پر ظلم نہ کرے اور کوئی کسی کے مقابل میں فخر نہ کرے۔ (ابوداؤد کتاب الادب باب فی المواخاۃ)

۳۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ منبر پر کھڑے ہوئے اور کہا: اے لوگو! خاکساری اختیار کرو کیونکہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جو شخص صرف خدا کے لئے تواضع اور خاکساری اختیار کرتا ہے خدا اس کو بلند کرتا ہے اور وہ شخص اپنے نفس میں حقیر ہے مگر لوگوں کی آنکھوں میں بڑا ہے۔ اور جو شخص تکبر کرتا ہے خدا اس کو پست کرتا ہے تو وہ لوگوں کی نظروں میں حقیر اور اپنی آنکھ میں بزرگ ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ لوگوں کے نزدیک کتے اور سور سے بھی زیادہ ذلیل ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

۴۔ جو شخص خدا کے لئے فروتنی اختیار کرتا ہے خدا اس کو بلند کر دیتا ہے (ترمذی ابواب البر والصلہ باب ماجاء فی التواضع)

۱۲۔ حلم و بردباری: ۔ ہیجان غضب کے وقت ضبط نفس سے کام لینے کا نام حلم و بردباری ہے۔ حلیم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اس صفت سے اس خلق کی عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

اِنَّہٗ کَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا (اسرائیل ۱۷: ۴۴) بے شک وہ (اللہ) بے حد بردبار اور بخشنے والا ہے۔

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق آتا ہے:

اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاہٌ مُّنِیْبٌ (ھود ۱۱: ۷۵) بے شک ابراہیمؑ بردبار، نرم دل اور رجوع کرنے والے تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

۱۔ مَنْ حَلُمَ سَادَ وَمَنْ تَفَقَّہَ ازداد (ادب الدنیا والدین ص۱۶۳)

جو حلم سے کام لے وہ سردار ہے اور جس میں سمجھ حاصل کرنے کا شوق ہے اس میں سمجھ بڑھنے کے لئے راہ کھل جاتی ہے۔

۲۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے متعلق فرمایا کہ تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جنہیں خدا اور اس کا رسول پسند کرتے ہیں: ایک بردباری ہے اور دوسری آہستگی۔

(ترمذی ابواب البر والصلۃ باب ما جاء فی التانی والعجلۃ)

۱۲۔ جو شخص باوجود قدرت کے غصہ کو دبا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن سب کے سامنے بلاکر انعام خاص کا مستحق ٹھہرائے گا۔ (ترمذی ابواب البر والصلۃ باب ما جاء فی کظم الغیظ)

۱۳۔ رحم :۔ مکارم اخلاق میں رحم کو بلند مقام حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دو صفات رحمان اور رحیم لفظ رحم سے ہی مشتق ہیں۔ قرآن مجید کی ہر سورۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع ہوتی ہے۔ اس سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ خلق رحم اور شفقت اللہ تعالیٰ کو کتنا عزیز اور پیارا ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے:

۱۔ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا (مومن ۴۰: ۷) اے ہمارے رب! تیری رحمت اور علم ہر چیز پر پھیلا ہوا ہے۔

۲۔ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ (مومنون ۲۳: ۱۰۹) اور تو سب رحم کرنے والوں میں سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔

۳۔ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً (حدید ۵۷: ۲۷) اور جو لوگ ان کے پیرو ہوئے ان کے دلوں میں مہربانی اور رحم ڈالا۔

۴۔ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (الفتح ۴۸: ۲۹) اور جو اس کے (رسول کریمؐ) کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں قوی اور آپس میں رحم کرنے والے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

۱۔ اَلرَّحِمُ شَجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ (بخاری کتاب الادب باب من وصل وصله اللہ) رحم ایمان کی جڑ سے نکلی ہوئی شاخ ہے۔

۲۔ مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ (صحیح بخاری کتاب الادب باب رحمۃ الناس والبہائم) جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔

۳۔ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ لَا يَرْحَمُهُ اللّٰهُ تَعَالٰى (مسلم و بخاری) جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا خدا اس پر رحم نہیں کرتا۔

۴۔ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ فِي تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى (بخاری کتاب الادب باب رحمۃ الناس والبہائم) تو دیکھے گا کہ مسلمان ایک دوسرے پر مہربانی کرنے اور ایک دوسرے سے دوستی رکھنے اور باہم شفقت کرنے میں ایک

جسم کی طرح ہیں کہ جب ایک عضو بیمار ہوتا ہے تو جسم کے باقی اعضاء بیداری اور بخار میں مؤانست کرتے ہیں۔

۱۴۔ **سخاوت:** ۔ اسلام میں سخاوت کے معنی اپنے کسی حق کو بطیب خاطر کسی دوسرے کے حوالہ کر دینے کے ہیں۔ سخاوت کے مفہوم میں صرف مال کو خرچ کرنا ہی شامل نہیں، بلکہ جسمانی اور ذہنی قوتوں کو بھی دوسروں کی بھلائی اور بہبودی کے لئے خرچ کرنے پر استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

۱۔ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (بقرہ ۲: ۳) اور جو ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ خرچ کرتے ہیں۔

۲۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (بقرہ ۲: ۲۵۴) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اس میں سے جو ہم نے تم کو دیا ہے خرچ کرو اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہو گی نہ کوئی دوستی ہے نہ کوئی سفارش ہے اور کافر ہی ظالم ہیں۔

۳۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ (آل عمران ۳: ۹۲)
تم نیکی ہرگز حاصل نہ کرو گے یہاں تک کہ اس سے خرچ کرو جس سے تم محبت رکھتے ہو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ رشک دو ہی پر جائز ہے: ایک اس پر جس کو اللہ نے دولت دی ہے تو وہ اس کو صحیح مصرف میں خرچ کرتا ہے، دوسرے اس پر جس کو اللہ نے علم دیا ہو تو وہ اسکے مطابق بتا رہا ہے اور سکھا رہا ہے (صحیح بخاری کتاب العلم)

۲۔ حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ حسین، سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔ (بخاری)

۳۔ حضرت جابر رضؓ سے روایت ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگا گیا ہو اور آپؐ نے فرمایا ہو میں نہیں دیتا۔ (بخاری۔ مسلم)

۴۔ حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کل کے لئے کوئی چیز بھی ذخیرہ نہ کر رکھتے تھے۔ (ترمذی)

اَلْجَنَّةُ دَارُ الْاَخْيَارِ یعنی جنت سخیوں کا گھر ہے۔

۱۵۔ **شجاعت:** ۔ شجاعت کے لغوی معنی بہادری کے ہیں۔ لیکن اصطلاح میں

باطل قوتوں کے مقابلہ کے وقت مصائب اور خطرات کا خندہ پیشانی اور ثابت قدمی کے ساتھ سامنا کرنے کا نام شجاعت ہے۔

شجاعت کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم تو وہ ہے جس کا ذکر تعریف میں کیا گیا ہے۔ دوسری قسم، غصہ کے وقت ضبط نفس کا نام بھی بفحوائے حدیث شجاعت ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیس الشدید بالصرعۃ انما الشدید الذی یملک نفسہ عند الغضب ۔ یعنی کشتی میں کسی کو پچھاڑ دینا اصل بہادری نہیں ہے بلکہ حقیقی معنوں میں بہادر وہ ہے جو غضب کے وقت اپنے نفس پر قابو پالیتا ہے۔

۱۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ (انفال ۸: ۱۵) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تم ان سے جو کافر ہیں جنگ کی حالت میں ملو تو ان سے پیٹھ نہ پھیرو۔

۲۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا (انفال ۸: ۴۵)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تم کسی دستہ سے ملو تو ثابت قدم رہو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ کفار مکہ ابو طالب کے پاس گئے اور کہا کہ اپنے بھتیجے کو سمجھا دو کہ ہمارے بتوں کو برا بھلا نہ کہے، ہمارے آباء و اجداد کی تذلیل نہ کرے، ہمیں گمراہ اور دوزخی نہ کہے۔ اگر آپ کا بھتیجا ان باتوں سے باز نہ آیا تو ہم آپ سے جنگ کریں گے۔

ابو طالب نے اپنے بھتیجے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر قوم کا ایک ایک حرف کہہ سنایا اور کہا کہ ہم اس قابل نہیں کہ قوم کا مقابلہ کر سکیں، اس وجہ سے مجھے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالئے۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ابو طالب کے دل پر قوم کی دھمکی کا بہت اثر ہوا ہے تو آپ نے فرمایا: "اے چچا! اگر آپ قوم کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو بے شک معاونت سے دست کش ہو جائیں"۔ پھر فرمایا: "اے مہربان چچا! قسم بخدا اگر کفار مکہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں پر چاند رکھ دیں اور کہیں کہ اس کے عوض میں تبلیغ اسلام کو ترک کر دوں تو مجھے منظور نہ ہوگا۔ اگر مجھے اس راہ میں ہلاکت نظر آئے تو میں پیچھے نہیں لوٹوں گا"۔

حضرت براء کہتے ہیں کہ جب لڑائی نہایت خون ریز اور سخت ہوتی تو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ ڈھونڈا کرتے تھے۔ اور ہم میں سے بڑا دلیر وہ شخص ہوتا تھا جو آنحضرت ؐ

کے پہلو میں کھڑا ہوتا تھا۔ (بخاری و مسلم)

حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ خوبصورت تھے اور سب سے زیادہ سخی اور سب سے بڑھ کر شجاع اور دلیر تھے۔ (بخاری و مسلم)

غزوہ حنین میں جب مشرکین نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چاروں طرف سے گھیر لیا تو آپؐ ثابت قدم رہے اور فرمایا:

میں جھوٹا نبی نہیں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

۱۶۔ ایثار:۔ ایثار کا معنی یہ ہے کہ دوسروں کی ضرورتوں کو اپنی ذاتی ضرورت پر مقدم رکھا جائے۔ قرآن مجید میں آتا ہے وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (الحشر ۵۹: ۹)

اور وہ اپنے آپ پر انہیں مقدم رکھتے ہیں گو انہیں تنگی ہی ہو اور جو شخص اپنے نفس کے بخل سے بچ جائے تو وہی کامیاب ہوں گے۔

اس آیت میں انصار کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ باوجود تنگی کے مہاجرین اپنی ذات اور اہل و عیال پر ترجیح دیتے تھے۔

اس آیت کی تفسیر میں بخاری میں ایک صحابی کا واقعہ لکھا ہے جس کے سپرد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہمان کو کیا۔ اس کے گھر میں سوائے بچوں کے کھانے کے کچھ نہ تھا۔ میاں بیوی نے بچوں کو بھوکا ہی سلا دیا اور چراغ بجھا کر جو کچھ کھانے کو تھا وہ مہمان کو کھلا دیا اور خود بھوکے رہے اور کھانے کو ہاتھ تک نہ لگایا۔

۱۷۔ حق گوئی:۔ حق گوئی سے مراد یہ ہے کہ سچی بات کا بغیر کسی کے ڈر کے برملا اظہار کر دینا۔ حق گوئی بہت بڑا انسانی وصف ہے۔ اس کا تعلق شجاعت سے ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتے ہیں۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ (الحجر ۱۵: ۹۴) پس تم کو جو حکم دیا جاتا ہے اس کو کھول کر بیان کر دو اور مشرکین کی کچھ پرواہ نہ کرو۔

دوسری جگہ آتا ہے: وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ (مائدہ ۵: ۵۴)

اور یہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

افضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جابر یعنی بہترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے انصاف کی بات کہنا ہے۔

ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو آپؐ نے فرمایا:
"جب کسی کو کوئی حق بات معلوم ہو تو اس کے کہنے سے انسانوں کا خوف مانع نہ ہو۔"
حضرت ابوسعید خدری رضؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ایک لمبا خطبہ دیا جس میں فرمایا: "ہوشیار رہنا کہ کسی کی ہیبت تم کو حق گوئی سے باز نہ رکھے۔"
(ترغیب وترہیب منذری ۲ باب الترہیب من الغضب بحوالہ تہذیبی)

۱۸۔ اعتدال:۔ امت مسلمہ کو امت وسطاً (درمیانی امت) کہا گیا ہے۔ جس میں یہی سر مضمر ہے کہ امت مسلمہ کا راستہ افراط اور تفریط سے پاک ہے۔ قرآن مجید نے مسلمانوں کو نماز میں دعا ہی یہ سکھائی ہے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ اے اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ صراط مستقیم وہی راستہ ہوتا ہے جو افراط اور تفریط کے درمیان ہو۔ پھر اس کے بعد غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ۔ نہ ان لوگوں کا راستہ جو گمراہ ہوئے۔ المغضوب سے مراد یہودی ہیں اور الضالین سے مراد عیسائی۔

عیسائی اور یہودی دونوں نے افراط اور تفریط کا راستہ اختیار کیا۔ سورۃ فاتحہ میں صراط مستقیم کی دعا کے بعد یہ بھی دعا سکھائی کہ اللہ تعالیٰ یہودی اور عیسائیوں کے راستہ پر نہ چلائے جنہوں نے افراط اور تفریط کا راستہ اختیار کیا۔

اسلام زندگی کے ہر شعبہ میں اعتدال پسندی کی تعلیم دیتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

۱۔ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ (لقمان: ۱۹) اور اپنی رفتار میں اعتدال اختیار کر۔

۲۔ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا (بنی اسرائیل ۱۷: ۲۹) اور نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھ اور نہ اسے بالکل کھلا چھوڑ دے کہ ملامت زدہ اور عاجز ہو کر رہ جائے۔

۳۔ وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا (الفرقان ۲۵: ۶۷) اور جو لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ درمیانی راستہ اختیار کرتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما احسن القصد فی الغنی وما احسن القصد فی الفقر وما احسن القصد فی العبادۃ۔ یعنی دولت مندی میں اعتدال کتنا اچھا ہے، محتاجی میں درمیانی کتنی اچھی ہے اور عبادت میں میانہ روی کتنی اچھی ہے۔ (بروایت کنز العمال جلد دوم صـ حیدرآباد دکن)

۱۹۔ رفق و نرمی :۔ رفق کے معنی کلام اور معاملات وغیرہ میں نرمی اور سہولت سے کام لینے کے ہیں ویسے تو یہ خلق ہر آدمی کے لئے زیور ہے، لیکن خاص طور پر مبلغ کے لئے یہ خلق نہایت ہی ضروری ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کو پیغام حق پہنچانے کے لئے حکم دیا تو ارشاد فرمایا: فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (طٰہٰ ۲۰: ۴۴) سو تم دونوں اس سے نرم بات کہنا شاید وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈر رہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ خطاب کر کے فرماتا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ (آل عمران ۳: ۱۵۹)

سو اللہ کی رحمت سے تو ان کے لئے نرم ہے اور اگر تو سخت کلام سخت دل ہوتا تو تیرے اردگرد سے تتر بتر ہو جاتے پس تو ان کو معاف کر اور ان کے لئے بخشش مانگ۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

۱۔ مَنْ يُّحْرَمُ الرِّفْقَ يُحْرَمُ الْخَيْرَ (مسلم کتاب البر والصلۃ باب فی فضل الرفق) جو نرمی سے محروم رہا وہ بھلائی سے محروم ہو رہا۔

۲۔ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَّحْرُمُ عَلَى النَّارِ وَتَحْرُمُ عَلَيْهِ النَّارُ عَلٰى كُلِّ قَرِيْبٍ هَيِّنٍ سَهْلٍ (ترمذی ابواب الزہد) کیا میں تم لوگوں کو بتاؤں کہ کون شخص آگ پر حرام ہے اور کس پر آگ حرام ہے ہر اس شخص پر جو لوگوں سے قریب ہو، نرم ہو اور آسان ہو۔

۳۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضؓ سے فرمایا: عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ وَاِيَّاكِ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ اِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُوْنُ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا زَانَهٗ وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا شَانَهٗ (مشکوٰۃ) تم نرمی کو اپنے اوپر لازم کرو اور سختی اور گالی گلوچ سے بچو کیونکہ نرمی جس چیز میں ہوتی ہے اس کے لئے زینت کا باعث ہے اور جس چیز سے نرمی کھینچ لی جاتی ہے وہ اس کو عیب دار کر دیتی ہے۔

## اخلاق شنیعہ

جو افعال صفات الٰہیہ کی مقتضیات کے خلاف ہوں وہ رذائل اخلاق کہلاتے ہیں۔ اگر اخلاق فاضلہ معاشرہ کی بہبود اور بھلائی کے ضامن ہیں تو اخلاق سیئہ معاشرہ کے بگاڑ اور فساد کا موجب ہیں۔

۱۔ **کذب** (جھوٹ) امر واقع کے خلاف، کسی قول یا فعل کو کذب کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث میں کذب سے اجتناب کی بہت تاکید کی ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے:

۱۔ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ (الحج ۲۲:۳۰) اور ہر جھوٹی بات سے بچو۔

۲۔ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ (النور ۲۴:۷) اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو۔

لعنت کے معنی ہیں اللہ کی رحمت سے محروم اور عذاب الٰہی کا مستحق۔ اس آیت کریمہ میں کاذب کو لعنتی قرار دیا ہے۔ یعنی کاذب اللہ کی رحمت سے محروم ہے اور عذاب الٰہی کا مستحق ہوتا ہے۔

۳۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ (زمر ۳۹:۳) بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص کو راہ نہیں دکھاتا جو جھوٹا ناشکر گزار ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ دوزخ کی طرف اور جھوٹ بولتے بولتے آدمی خدا کے ہاں جھوٹا لکھا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الادب باب قول تعالیٰ وکونوا مع الصادقین)

۲۔ جو شخص لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولتا ہے اس پر افسوس اس پر افسوس۔

(سنن ابی داؤد کتاب الادب باب التشدید فی الکذب)

۲۔ **وعدہ خلافی**:۔ وعدہ خلافی بھی دراصل ایک جھوٹ ہے یعنی ایک شخص کسی سے وعدہ کرے اور نیت یہ ہو کہ وہ پورا نہ کرے گا تو یہ جھوٹ ہی ہے۔

۱۔ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل ۱۷:۳۴) بے شک وعدہ کی بازپرس ہوگی۔

۲۔ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ (التوبہ ۹:۷۷) سو اس نے انہیں بدلہ دیا کہ ان کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا اس دن تک کہ وہ اس سے ملیں اس لئے کہ انہوں نے اللہ سے اس کے خلاف کیا جو اس سے وعدہ کیا تھا اور اس لئے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

صحیحین میں ہے کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بولے جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے خلاف کرے، جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے

۳۔ **خیانت**:۔ اللہ اور بندوں کے حقوق کو باحسن طریق ادا نہ کرنا خیانت ہے۔ اگر کوئی

کے پاس کوئی امانت رکھی گئی ہے اس میں بے جا تصرف کرنا اور طلب پر واپس نہ کرنا یا واپس کرنے سے انکار کر دینا یہ بھی خیانت ہے۔ اسلام نے خیانت کو نہایت ہی مذموم فعل قرار دیا ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔

۱۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (انفال ۸: ۲۷) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ اور رسولؐ سے خیانت نہ کرو اور نہ آپس کی امانتوں میں خیانت کرو اور تم جانتے ہو کہ خیانت کرنے سے معاشرہ میں کیا بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔

اللہ اور رسولؐ سے خیانت کرنے سے مراد اسلامی حقوق کو ادا نہ کرنا ہے۔

۲۔ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (آل عمران ۳: ۱۶۱) جو کوئی خیانت کرے جو کچھ کسی نے خیانت کی ہے قیامت کے دن وہ لائے گا پھر ہر شخص کو جو اس نے کمایا پورا دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

۳۔ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ (مومن ۴۰: ۱۹) اللہ آنکھوں کی خیانت کاری کو جانتا ہے اور جو سینے چھپاتے ہوتے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منافق کی تین علامتیں ہیں ان میں سے ایک علامت یہ ہے کہ جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو وہ اس میں خیانت کرتا ہے۔ (صحیحین)

۴۔ کبر (غرور) دوسروں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور باقیوں کو کم تر اور حقیر جاننے کا نام کبر ہے۔ غرور بدترین اخلاقی مرض ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام رذائل اخلاق کی اساس ہی کبر ہے۔ یہی وہ مرض ہے جس کی وجہ سے شیطان راندہ درگاہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ (اعراف ۷: ۱۳) پھر اس حالت سے اتر جا تیرے لئے یہ زیبا نہیں کہ تو اس پر تکبر کرے سو نکل جا تو ذلیل ہونے والوں میں سے ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے:

۱۔ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (لقمان ۳۱: ۱۸) ——— تو غرور میں لوگوں سے بے رخی نہ کر اور نہ زمین میں اکڑتا ہوا چل اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اترانے والے

اور شیخی خورده ہیں۔

۲۔ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا (بنی اسرائیل ۱۷: ۳۷) اور زمین میں اکڑ تا ہوا نہ چل کیونکہ نہ تو زمین کو پھاڑ ڈالے گا اور نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکے گا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

۱۔ ان العجب لیاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب یقیناً عجب نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو۔

۲۔ جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (ابوداؤد باب ما جاء فی الکبر)

۳۔ دوزخ اور جنت میں باہم دلیل بازی ہوئی۔ دوزخ نے کہا مجھ میں جبار اور متکبر لوگ داخل ہوتے ہیں اور جنت نے کہا کہ مجھ میں کمزور اور مسکین لوگ۔ (مسلم صفات المنافقین و احکام باب النار یدخلها الجبارون)

۴۔ کیا میں تم کو بتاؤں کہ جنتی کون ہے؟ ہر وہ شخص جو کمزور ہے اور لوگ اس کو کمزور سمجھیں۔ کیا میں تم کو بتاؤں کہ دوزخی کون ہے؟ ہر اکھڑ، بدخو، متکبر شخص۔ (بخاری کتاب الادب باب الکبر)

تکبر کا علاج ذکر الٰہی اور خدمت خلق ہے۔

۵۔ حسد:۔ کسی آدمی کے فضل اور کمالات کو دیکھ کر رنجیدہ خاطر ہونا، پھر اس کے کمالات کی تباہی کا آرزومند ہونا حسد کہلاتا ہے۔

یہ بھی ان اخلاقی امراض میں سے ایک مرض ہے جس کی آگ کی تپش سے انسان کی عقل اور دل کی تمام استعدادیں بھسم ہو جاتی ہیں۔

قرآن مجید میں آتا ہے:

۱۔ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ (النساء ۴: ۵۴) وہ لوگوں سے اس بات پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دیا۔

۲۔ وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ (بقرہ ۲: ۱۰۹) اہل کتاب میں سے بہت سے چاہتے ہیں کہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں کافر بنا دیں اپنے حسد کی وجہ سے اس کے بعد کہ ان پر حق کھل گیا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے حاسد کے شر سے بچنے کے لئے دعا سکھائی ہے: وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ (فلق ۱۱۳ : ۵) میں تیری پناہ چاہتا ہوں حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

۱۔ بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔ نہ لوگوں کے عیوب کو ٹٹولو۔ نہ بے سود خبروں کی تجسس کرو۔ نہ باہم حسد کرو۔ نہ ایک دوسرے سے روگردانی کرو۔ نہ باہم بغض رکھو۔ بلکہ اے خدا کے بندو بھائی بھائی ہو جاؤ۔ (بخاری کتاب الادب باب ما ینہی عن التحاسد والتدابر)

۲۔ اے لوگو! پہلی امتوں کا مرض تمہاری طرف آہستہ آہستہ آرہا ہے، اور وہ ایک حسد اور بغض ہے۔ یہ مرض بالوں کو نہیں بلکہ دین کو مونڈنے والا ہے۔ (ترمذی)

۳۔ إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ

(ابوداؤد کتاب الادب باب فی الحسد) تم لوگ حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

۶۔ **خودستائی:۔** خودستائی سے مراد اپنے نفس سے غیر معمولی محبت ہے۔ اس مرض کے دو نقصان ہیں! ایک نقصان تو یہ ہے کہ خود بین اور خودنما شخص دوسروں کو حقیر جاننا شروع کر دیتا ہے۔ دوسرا نقص یہ ہے کہ تمام خوبیوں اور کمالات کا اپنے نفس کو مصدر اور منبع تصور کرتا ہے، اور خدا کی ذات سے بھروسہ ختم ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خودستائی اور خودنمائی کو برا سمجھا ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے:

۱۔ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوا وَّيُحِبُّونَ أَن يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُم بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (آل عمران ۳ : ۱۸۸) ہرگز خیال نہ کرو کہ جو لوگ اس پر خوش ہوتے ہیں جو انہوں نے کیا اور پسند کرتے ہیں کہ اس کے لئے ان کی تعریف کی جائے جو انہوں نے نہیں کیا یہ ہرگز خیال نہ کرو کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

۲۔ فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ (النجم : ۳۲) سو اپنے نفسوں کو پاک نہ ٹھہراؤ اللہ خوب جانتا ہے جو تقویٰ اختیار کرتا ہے۔

۳۔ جنگِ حُنین میں اسلامی فوج اپنی کثرت پر اترانے لگی تو آغازِ جنگ میں سوائے رسول کریمؐ

اور چند ہی لمحے کے تمام اسلامی فوج میدان جنگ سے منہ پھیر گئی۔ بعد ازاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر منتشر فوج جمع ہوئی اور دشمن کو شکست دی۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا (توبہ ۹: ۲۵)

اور حنین کے دن جب تمہاری کثرت تعداد نے تم میں خود ستائی پیدا کر دی تھی تو عددی کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی۔

۴۔ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ

(انفال ۸: ۴۷) اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھاتے نکلے۔

۵۔ لَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ (حدید ۵۷: ۲۴) خدا نے جو دیا ہے اس پر مت اترائو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں کی تعریف کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس طرح انسان میں خود ستائی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ ایک شخص کسی کی مبالغہ آمیز طریقہ پر تعریف کر رہا تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے اس کو ہلاک کر دیا ہے (بخاری کتاب الادب باب مایکرہ من التماح)

۷۔ غیبت:۔ کسی شخص کی عدم موجودگی میں ایسی بات کرنا جس سے اس کی پردہ دری یا تحقیر ہوتی ہو۔ قرآن اور حدیث میں اس فعل کو مذموم قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

لَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ (الحجرات ۴۹: ۱۲)

ایک دوسرے کی پیٹھ پیچھے برائی نہ کرو، کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے تو تم اس سے کراہت کرتے۔ اور اللہ سے ڈرو یقیناً اللہ تعالیٰ رجوع پر رحمت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ شب معراج کو میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ میں نے جبرائیلؑ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیلؑ نے جواب دیا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے اور ان کی عزت و آبرو لیتے تھے۔

(ابو داؤد کتاب الادب باب فی الغیبۃ)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو! تمہیں معلوم ہے کہ غیبت کیا چیز ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ خدا اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: تمہارا اپنے بھائی کو ایسی بات سے یاد کرنا جو اسے اچھی نہ لگے۔ کسی نے عرض کیا! اگر میرے بھائی میں وہ بات موجود ہو جو میں کہتا ہوں تو پھر آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا: اگر اس میں وہ بات پائی جاتی ہے جو تو کہتا ہے تو تو نے اسکی غیبت کی اور اگر وہ بات اس میں نہیں جو تو کہتا ہے تو تو نے اس پر بہتان طرازی کی۔ (مسلم)

حضرت ابو سعید رضؓ اور حضرت جابر رضؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غیبت زنا سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ آدمی زنا کر کے توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ زانی توبہ کرتا ہے تو خدا اس کو بخش دیتا ہے اور غیبت کرنے والے کو نہیں بخشتا جب تک وہ شخص نہ بخشے۔ اور حضرت انس کی روایت میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ زانی توبہ کرتا ہے اور غیبت کرنے والے کے لئے توبہ نہیں۔

۸۔ **تمسخر**: تمسخر کے معنی ہیں ٹھٹھا مخول کرنا یعنی کسی آدمی کو دوسروں کی نظروں میں گرانے کے لئے نشانہ تضحیک بنا لینے کا نام تمسخر ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ (الحجرات ۴۹: ۱۱) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم میں سے کوئی قوم دوسری قوم سے تمسخر نہ کرے ممکن ہے وہ ان سے بہتر ہوں۔

۹۔ **بدظنی**: کسی دوسرے شخص کے متعلق جھوٹا وہم کر لینا اس کی طرف ان ہونی بات منسوب کر دینے کا نام بدظنی ہے۔ اس سے باہمی نفرت اور دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدظنی سے باز رہنے کی تاکید کی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (الحجرات ۴۹: ۱۲) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو بہت بدگمانی سے بچا کرو۔ بیشک بعض بدگمانی گناہ ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تم بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے (بخاری و مسلم)

۱۰۔ **بخل**: کسی انسان کا ضرورت کے مطابق اپنی جان، اہل و عیال، رشتے دار یا معاشرہ کے مستحقین پر خرچ کرنے کا نام بخل ہے۔ اس عادت سے بے شمار بداخلاقیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بے مروتی، تنگ نظری حرص، دنائیت قسم کی بداخلاقیاں بخل کے بطن سے ہی جنم لیتی ہیں اور معاشرہ میں فساد پیدا کر دیتی ہیں۔ بخل کے علاج کے لئے اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اور صدقات ادا کرنے کی تعلیم دی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ اس عادت کو نہایت ہی ناپسندیدہ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

قرآن مجید میں آتا ہے:

۱۔ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

(آل عمران ۳: ۱۸۰) جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت دی ہے اور پھر وہ بخل کرتے ہیں وہ یہ خیال نہ کریں کہ یہ بخیلی ان کے لئے بہتر ہے بلکہ یہ ان کے لئے انتہائی بُری ہے جو کچھ وہ جمع کر رہے ہیں وہی قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق بن جائے گا۔

۲۔ اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ (حدید ۵۷: ۲۴)

یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو خود بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بخل کی ترغیب دیتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

۱۔ سچے مومنوں میں دو خصلتیں جمع نہیں ہوتیں: ۱۔ بخل۔ ۲۔ بدخلقی۔ (ترمذی)

۲۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

اے خدایا! میں بخل، سستی، کبر سنی، قبر کے عذاب، زندگی اور موت کی آزمائش سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ (صحیح مسلم)

**۱۱۔ بُہتان:** ۔ بہتان یہ ہے کہ جان بوجھ کر کسی کی طرف ناکردہ گناہ منسوب کر دیا جائے۔

قرآن مجید اور حدیث میں اس فعل کی بہت مذمت بیان ہوئی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

۱۔ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا (نساء ۴: ۱۱۳) اور جو کوئی گناہ کرے پھر وہ اس کی تہمت کسی بے گناہ پر لگا دے یقیناً وہ اپنے اوپر بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ لیتا ہے۔

۲۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (النور ۲۴: ۲۴) جو لوگ پاک دامن بے خبر عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو کوئی اپنے غلام پر تہمت لگائے حالانکہ اس نے وہ گناہ نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس مالک کی پیٹھ پر کوڑے مارے گا۔ (سنن ابی داؤد کتاب الادب)

ایک اور حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس میں جو برائی نہیں اس کی نسبت اس کی طرف کرنا بہتان ہے۔ (سنن ابی داؤد کتاب الادب)

۱۲۔ **چغل خوری:** ۔ چغل خوری دو آدمیوں کے درمیان پھوٹ اور جھگڑا ڈالنے کے لئے جھوٹی سچی باتیں بیان کرنے کا نام ہے۔ یہ فعل معاشرہ میں فساد اور ایک دوسرے سے نفرت پیدا کرنے کا موجب ہے۔ اس وجہ سے قرآن مجید اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چغل خوری کی بہت مذمت کی ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے:

هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ (قلم ۶۸: ۱۱) عیب لگانے والا چغلیاں لگانے والا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں بتاؤں کہ سب سے بُرے لوگ کون ہیں؟ آپؐ نے خود ہی بتایا:

۱۔ المشاؤن بالنميمة المفسدون بين الاحبة (مسند احمد جلد ۶ ص ۴۵۹ عن اسماء بنت یزید) جو چغلیاں کھاتے پھرتے ہیں اور دوستوں کے آپس کے تعلقات میں بگاڑ پیدا کرتے ہیں۔

۲۔ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ (بخاری) حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ چغل خور جنت میں نہیں جائے گا۔

۳۔ عبدالرحمٰن بن غنم اور اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کے بہترین بندے وہ ہوتے ہیں کہ جب ان کو دیکھا جائے تو خدا یاد آجائے۔ اور خدا کے بُرے بندے وہ ہیں جو چغلیاں کھاتے پھرتے ہیں اور دوستوں میں جدائی ڈالتے اور پاک لوگوں پر تہمت لگاتے ہیں۔

۱۳۔ **ظلم:** ۔ ظلم کے معنی ہیں: وضع الشيء في غير محله یعنی ظلم کسی چیز کو غیر مناسب جگہ پر رکھنے کا نام ہے۔ اسی وجہ سے قرآن میں ظلم شرک کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے:

إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (لقمان ۳۱: ۱۴) یعنی شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ یہاں صرف ایک بندے کا دوسرے پر زیادتی کرنا مراد ہے۔ یہ لفظ یعنی اور عدوان کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے:

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۔ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِم مِّن سَبِيلٍ ۔ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (شوریٰ ۴۲: ۴۰، ۴۲)

اور برائی کا بدلہ اس کی مثل برائی ہے پھر جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ پر ہے وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔ اور جس پر ظلم ہوا ہے اور وہ اس کے بعد بدلہ لے یہ وہ لوگ ہیں جن پر

کوئی الزام نہیں، الزام انہی لوگوں پر ہے جو ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق زیادتی کرتے پھرتے ہیں انہی لوگوں کے لئے دردناک دُکھ ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حدیث قدسی بیان کرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! میں نے اپنے لئے اور تمہارے لئے آپس میں ظلم کو حرام کیا ہے، تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو۔ (صحیح مسلم باب تحریم الظلم)

دوسری حدیث ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ظلم سے بچو کہ ظلم قیامت کے دن ظلمات بن جائے گا۔ (صحیح مسلم باب تحریم الظلم)

ایک اور حدیث ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ظالم کو خدا مہلت دیتا ہے، پھر جب اس کو پکڑتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا۔ (صحیح مسلم باب تحریم الظلم)

**۱۴۔ منافقت** (دورُخاپن) منافقت صرف زبان سے اقرار کرنے اور خلوص قلب سے کسی سے وابستگی پیدا نہ کرنے کا نام ہے۔ اسلام نے دوغلے پن کو نہایت ہی بُرے الفاظ سے بیان کیا ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے:

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ (البقرہ ۱۵) اور جب یہ لوگ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں اور جب علیحدگی میں اپنے سرداروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں اور ان سے تو ہم محض مذاق کر رہے تھے۔

ان لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا (النساء ۱۴۶) بے شک منافق دوزخ کے سب سے نچلے حصے میں ہونگے اور تم وہاں کسی کو بھی ان کا مددگار نہ پاؤ گے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

۱۔ مَنْ كَانَ ذَا وَجْهَيْنِ فِى الدُّنْيَا كَانَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَّارٍ (دارمی) دُنیا میں جس کے دو رُخ ہوں گے قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہونگی۔

تَجِدُوْنَ شَرَّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ذَا الْوَجْهَيْنِ الَّذِىْ يَاْتِىْ هٰٓؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَهٰٓؤُلَاءِ بِوَجْهٍ (بخاری) قیامت کے دن تم دورُخ کو سب لوگوں سے بدتر حالت میں پاؤ گے جو کچھ لوگوں کے پاس تو ایک طریق سے جاتا ہے دوسرے لوگوں کے پاس دوسرے طریق

سے جاتا ہے۔

ایک طریق اور دوسرے طریق سے جانے کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کے پاس جاتا ہے ان کی ہاں میں ہاں ملاتا ہے اور دکھاوے کے لئے انہی کی راہ اختیار کرتا ہے۔

**۱۵۔ خوشامد:۔** کسی آدمی کو محض خوش کرنے کے لئے اس کی جھوٹی تعریف کرنا خوشامد کہلاتا ہے۔ اسلام میں یہ فعل نہایت مذموم ہے۔ حدیث میں تو یہاں تک آیا ہے کہ کسی کی سچی تعریف بھی اس کے منہ پر نہیں کرنی چاہیئے مبادا کہ اس کے دل میں تکبر اور خود ستائی پیدا ہو جائے۔

قرآن مجید میں آتا ہے:

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَا اَتَوْا وَّ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (آل عمران ۳: ۱۸۸) تم مت خیال کرو کہ جو لوگ اس پر خوش ہوتے ہیں جو انہوں نے کیا اور اس پر تعریف کئے جانے کو پسند کرتے ہیں جو انہوں نے نہیں کیا یہ ہرگز خیال نہ کرو کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت عثمان رضؓ کے منہ پر ان کی تعریف کی تو حضرت مقداد رضؓ نے اس کے منہ پر خاک پھینک دی اور فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: خوشامد اور تعریف کرنے والوں سے ملو تو ان کے منہ میں خاک جھونک دو (صحیح مسلم و ابوداؤد کراھیۃ التمادح)

**۱۶۔ فحش گوئی:۔** فحش گوئی سے مراد ہر وہ کلام ہے جو تہذیب و شائستگی سے گری ہوئی ہو۔ قرآن مجید نے فحش گوئی کو رَفَث کہا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ (بقرہ ۲: ۱۹۷) یعنی حج کے ایام میں نہ فحش گوئی کرو نہ گناہ کی بات اور نہ لڑائی کی۔

دوسری جگہ آتا ہے:

دُوسری جگہ آتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (نور ۲۴: ۱۹) جو لوگ چاہتے ہیں کہ بے حیائی کی باتیں ان لوگوں میں پھیلیں جو ایمان لائے ہیں ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ابوذر رضؓ نے ایک غلام کو ماں کی گالی دی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں جاہلیت کا اثر باقی ہے (بخاری کتاب الادب باب ما ینھی من السباب واللعن)

**۱۷۔ ریاء:۔** ریاء کے معنی دکھاوا اور نمائش کے ہیں۔ لیکن اصطلاح میں ان انسانی اعمال پر بولا جاتا ہے جن کے ساتھ خلوص نیت شامل نہ ہو۔ اسلام میں تمام اعمال کا دارومدار حسن نیت پر ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے،

۱۔ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ

انفال ۸ : ۴۷) اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اترائے ہوئے اور لوگوں کے دکھاوے کے لئے اپنے گھروں سے نکلے۔

۲۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ بقرہ

۲ : ۲۶۴) اے لوگو! جو ایمان لاتے ہو اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور تکلیف دے کر باطل نہ کرو اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کو دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتا۔

قرآن مجید نے منافق کی نشانی دکھاوا بیان کی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں آتا ہے:

۳۔ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَىٰ يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا (نساء ۴ : ۱۴۲) منافق اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں اور وہ ان کو دھوکا بازی کی سزا دے گا اور جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر بہت ہی کم۔

۴۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ (۱۰۷ : ۴-۶) پس ان نمازیوں کے لئے ہلاکت ہو جو اپنی نماز سے غافل ہیں جو دکھاوا کرتے ہیں۔ (ماعون:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کیا میں تم کو وہ چیز بتاؤں جو میرے نزدیک تمہارے لئے مسیح دجال سے بھی زیادہ خطرناک ہے؟ صحابہؓ نے کہا ہاں فرمایئے۔ آپ نے فرمایا: شرک خفی اور یہ کہ آدمی نماز کے لئے کھڑا ہو اور اس کو زیب و زینت کے ساتھ ادا کرے اس لئے کہ وہ دیکھ رہا ہے کہ اس کو دوسرا شخص دیکھتا ہے۔ (ابن ماجہ باب الریاء والسمعۃ)

۱۸۔ حرص و طمع: ۔ اپنے مال اور دولت کو جائز طریقہ سے بڑھانے کے لئے ہر وقت تگ و دو کرتے رہنے کا نام حرص ہے۔ اس سے انسان کے اندر دناءت، بخل، تنگ ظرفی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن مجید اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرص اور طمع سے منع فرمایا ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے:

۱۔ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا (نساء ۴: ۱۲۸) دلوں میں بخل ہوتا ہے اور اگر تم احسان کرو اور تقویٰ کرو تو اللہ اس سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے۔

۲۔ وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (تغابن ۶۴: ۱۶) اور خرچ کرو یہ تمہارے نفسوں کے لئے بہتر ہے اور جو اپنے نفس کے بخل سے بچ جائے تو وہی کامیاب ہیں۔

۳ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (حشر ۵۹: ۹) وہ اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں گو انہیں تنگی ہی ہو اور جو شخص اپنے نفس کے بخل سے بچ جائے تو وہی کامیاب ہوں گے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حرص و طمع سے بچو کہ اسی نے تم سے پہلوں کو تباہ و برباد کیا، اسی نے ان کو آمادہ کیا کہ وہ خون بہائیں اور حرام کو حلال سمجھیں (صحیح مسلم باب تحریم الظلم)

آپؐ نے فرمایا: ایمان اور حرص ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ (نسائی)

**۱۹۔ غیظ و غضب:** ۔ جذبات بہیمیہ میں اشتعال کا نام غیظ و غضب ہے۔ چونکہ اس اشتعال سے ظلم و تعدی کے راستے کھلتے ہیں اس وجہ سے قرآن اور حدیث نے جذبات پر قابو رکھنے کی تعلیم دی ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے:

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ (آل عمران ۳: ۱۳۴) یعنی سچے مسلمان وہ ہیں جو غصے کو دبا جاتے ہیں۔

دوسری جگہ آتا ہے: وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ (شوریٰ ۴۲: ۳۷) اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"پہلوان وہ نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ کو دبا جاتا ہے۔"

(صحیح مسلم باب من یملک نفسہ عند الغضب)

ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ آپؐ نے فرمایا: غصہ نہ کیا کرو۔ اس کو یہ معمولی بات معلوم ہوتی تو اس نے دوبارہ عرض کی آپ نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ "غصہ نہ کیا کرو" (صحیح بخاری مسند احمد ابن حبان و طبرانی

باب التربیب من الغضب)

**۲۰۔ عیب لگانا:۔** قرآن مجید میں آتا ہے:
وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (۴۹:۱۱) ایک دوسرے کے خلاف عیب نہ لگاؤ۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
مَنْ عَيَّرَ اَخَاهُ بِذَنْبٍ لَمْ يَمُتْ حَتّٰى يَعْمَلَهٗ (ترمذی) جو شخص اپنے کسی بھائی پر گناہ کا عیب لگائے تو جب تک وہ خود اس گناہ میں مبتلا نہ ہوگا نہیں مرے گا۔

## معاشرتی تعلیم

**معاشرہ کا مفہوم:۔** معاشرہ کا لفظ عَشَرَ سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں زندگی بسر کرنا۔ معاشرہ باہمی زندگی بسر کرنے کا نام ہے۔ اسلام نے معاشرہ کو ترقی کے راستہ پر چلانے اور امن کی فضا قائم کرنے کے لئے چند بنیادی اصول مقرر کئے ہیں

## اسلامی معاشرہ کے چند بنیادی اصول

**۱۔ مساوات:۔** قرآن مجید میں آتا ہے:
يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (الحجرات ۴۹: ۱۳) اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے اللہ جاننے والا خبردار ہے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے، ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، سُرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سُرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔ (مسند احمد)

**۲۔ اخوت:۔** ارشاد الٰہی ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات ۴۹:۱۰) سب مومن بھائی بھائی ہیں۔

دوسری جگہ آتا ہے: وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً (المومنون: ۵۲) اور تم سب ایک ہی جماعت ہو۔

حدیث میں آتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کل مسلم اخو المسلم وان المسلمین اخوۃ (مستدرک حاکم، طبری، ابن اسحاق) ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے

اور مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔

كُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا (بخاری) تم اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن جاؤ۔

۳۔ اتحاد اور اتفاق:۔ ارشاد الٰہی ہے: وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران ۳:۱۰۲) اور سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑلو اور تفرقہ نہ کرو۔

دوسری جگہ آتا ہے: وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ آل عمران ۳:۱۰۴) اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے تفرقہ کیا اور اختلاف کیا اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلی دلیلیں آچکی ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ایک مومن دوسرے مومن کے لئے ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک عمارت۔ ایک جزو دوسرے جز کو قوت دیتا ہے۔ پھر اپنی انگلیوں کو ملا کر مثال بتائی، اس طرح ایک دوسرے سے مل کر قوت دیتے ہیں۔ آپؐ بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک شخص سائل آیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے اس شخص کی مجھ سے سفارش کرو تم کو ثواب ہوگا اور اللہ اپنے نبی کی زبان پر جو چاہتا ہے پورا کرتا ہے (بخاری کتاب الادب)

ایک اور حدیث ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو مومنوں کو ایک دوسرے سے رحم اور محبت اور مہربانی میں ایسا دیکھے گا جیسا کہ بدن میں ایک عضو بیمار ہو جاتے تو سارے اعضا بخار اور بیداری میں اس کے شریک ہو جاتے ہیں (بخاری کتاب الادب)

۴۔ انصاف:۔ قرآن مجید میں آتا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (المائدہ ۵:۸)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کے لئے کھڑے ہونے والے انصاف کی گواہی دینے والے ہو جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو انصاف کرو یہ تقویٰ سے قریب تر ہے اللہ کا تقویٰ کرو اور اللہ اس سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔

۵۔ جان، مال اور آبرو کی حرمت:۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ (بنی اسرائیل ۱۷:۳۳)

اور اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے سوائے اس کے کہ انصاف چاہو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"تمہاری جانیں اور تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں ویسی ہی حرمت رکھتی ہیں جیسے آج کے دن کی حرمت ہے۔" (بخاری کتاب الحج)

۶۔ مذہبی آزادی :۔ ارشاد الٰہی ہے : لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرہ ۲: ۲۵۶) دین میں کوئی جبر نہیں ہے ہدایت کی راہ گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔

۷۔ ملکیت میں دوسروں کا حق :۔ ارشاد الٰہی ہے۔
وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (البقرہ ۲: ۳) متقی وہ لوگ ہیں کہ جو ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔
دوسری جگہ آتا ہے : وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (الذٰریٰت ۵۱: ۱۹) اور ان کے مالوں میں سوالی اور نہ مانگنے والے محتاج کا حق ہے۔

۸۔ کسی کو غلام نہ بنایا جائے :۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں : اِنَّ مِنْ شِرَارِ النَّاسِ الَّذِيْنَ يَبِيْعُوْنَ النَّاسَ (بخاری) بہت برے وہ لوگ ہیں جو آدمیوں کو فروخت کرتے ہیں۔

۹۔ ذمہ داری کا احساس :۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :
كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ (بخاری) تم میں سے ہر ایک نگران اور ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اسکی ذمہ داری کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

۱۰۔ تکریم انسانیت :۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو قابل احترام بنایا ہے۔ اس وجہ سے اسلامی معاشرہ میں ہر انسان کا احترام ضروری ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے : وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ (بنی اسرائیل ۱۷: ۷۰) اور یقیناً ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی ہے۔

ہمارا معاشرہ وحدت کے باوجود کئی حصوں اور اکائیوں میں بٹا ہوا ہے۔ اسلام نے ہر اکائی کے متعلق تعلیم دی ہے۔ اختصار کے ساتھ تمام اکائیوں سے متعلق اسلامی تعلیم کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

## عائلی زندگی

نکاح کے فوائد : قرآن مجید سے یہ امر واضح ہے کہ شادی کے پانچ فوائد ہیں : ایک، عفت۔ دوسرا، سکون قلب۔ تیسرا محبت، چوتھا بقائے نسل۔ پانچواں، حفظ صحت۔

۱۔ عفت :۔ عفت اور پرہیزگاری انسانیت کا ایک قیمتی جوہر ہے اور یہ جوہر شادی سے حاصل ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے : وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (نور ۲۴: ۳۳) اور جو شادی کا سامان نہیں پاتے اپنے تئیں بچائے رکھیں یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے۔

صحیح مسلم اور بخاری میں حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفروج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ وجاء

اے جوانوں کے گروہ! جو کوئی تم میں سے نکاح کی طاقت رکھتا ہو تو چاہیئے کہ وہ نکاح کرے کیونکہ نکاح آنکھوں کو نیچے رکھنے اور شرمگاہوں کی حفاظت کا ذریعہ ہے اور جو نکاح کی قدرت نہیں رکھتا تو وہ روزہ رکھے کہ وہ خصی کر دیتا ہے۔

دوسری جگہ قرآن میں آتا ہے: هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ

عورتیں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم عورتوں کے لئے لباس ہو۔

۲۔ سکونِ قلب: ۔ شادی سکونِ قلب کا ذریعہ ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا (الاعراف: ۱۸۹)

وہ خدا ہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا کہ اس سے سکون حاصل کرے۔

۳۔ نکاح محبت اور رحمت کا ذریعہ ہے: قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے: وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً (الروم ۳۰: ۲۱)

اور اللہ کی نشانیوں میں سے یہ ایک نشانی ہے کہ اس نے تمہارے نفسوں سے جوڑے پیدا کئے تاکہ ان سے تسکین پاؤ، تمہارے درمیان محبت اور رحم پیدا کیا۔

۴۔ بقائے نسل: ۔ قرآن مجید میں آتا ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (النساء ۴: ۱) اے لوگو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا ہے اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔

۵۔ حفظ صحت: بعض اوقات غیر شادی شدہ خلاف فطرت ضبط اور بعض اوقات غلط کاریوں کا شکار ہو جانے کی وجہ سے خطرناک قسم کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ شادی خلاف فطرت ضبط اور غلط کاریوں سے بچاتی ہے اور انسان کی صحت برقرار رہتی ہے۔

نکاح کی اہمیت: ۔ اسلام نے نکاح کو ایک متبرک اور مقدس معاہدہ قرار دیا ہے، جس میں ہر مسلمان کو شامل ہونا ضروری اور لابدی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن

فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (نور ۲۴ : ۳۲) اور جو تم میں سے مجرد ہیں ان کے نکاح کر دو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو صلاحیت رکھتے ہوں اگر وہ ضرورت مند ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے انکو غنی کر دے گا اور اللہ فراخی والا جاننے والا ہے۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا (الفرقان : ۵۴) اللہ وہی ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا پھر اسے نسب اور سسرال والا بنایا۔

## خاوند اور بیوی کے حقوق و فرائض

اسلام میں عورت کی حیثیت :۔ اسلام سے قبل ہر قوم اور ہر مذہب میں عورت کو کمتر اور حقیر سمجھا جاتا تھا۔ اسلام آیا تو اس نے عورتوں کے حقوق متعین کئے اور ان کے مقام کو بلند کیا، وہ بھی انسانی سوسائٹی کا ایک فرد سمجھی جانے لگیں۔ روحانی نقطہ نگاہ سے عورت کی حیثیت کو مرد کی حیثیت کے برابر قرار دیا گیا۔ ارشاد الٰہی ہے: اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ (سورۃ آل عمران ۳ : ۱۹۵) میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا مرد ہو یا عورت تم سب ایک دوسرے سے ہو۔

دوسری جگہ آتا ہے: وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ (سورۃ المومن ۴۰ : ۴۰) اور جو نیک عمل کرتا ہے مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو وہ جنت میں داخل ہوں گے

مادی لحاظ سے بھی عورت کے حقوق کو مرد کے برابر قرار دیا ہے۔ وہ مرد کی طرح روپیہ کما سکتی ہیں اور جائیداد کی مالک ہو سکتی ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے: لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ (سورۃ نساء ۴ : ۳۲) مردوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں اور عورتوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں۔

عورتوں کو مردوں کی طرح ورثہ کا حق دار ٹھہرایا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ (نساء ۴ : ۷) مردوں کے لئے اس سے ایک حصہ ہے جو ان کے والدین اور قریبی رشتے داروں نے چھوڑا اور عورتوں کے لئے اس سے ایک حصہ ہے جو ان کے ماں باپ اور قریبی رشتے دار چھوڑ مریں۔

ایک مستشرق اسلام میں عورت کے رتبہ کے بارہ میں لکھتا ہے: آپ نے عورت کو مملوکیت کے درجہ سے نکال کر مالکیت کا درجہ بخشا اور اس کو پہلا "شرعی" وارث قرار دیا جس کے اغراض کی حفاظت قانون اسلام پر واجب ہے۔

## بیوی کے حقوق

اسلام نے ایک مرد کے لئے ایک عورت کو اپنے حلقہ زوجیت میں لانے کے لئے ایک معاہدہ کا پابند ٹھہرایا ہے، جس کو اسلامی اصطلاح میں نکاح کہا جاتا ہے ارشاد الٰہی ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا (نساء ۴: ۳)

ایسی عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں پسند ہوں دو دو اور تین تین اور چار چار اگر تمہیں خوف ہو کہ عدل نہیں کر سکو گے تو ایک ہی یا جس کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے یہ زیادہ نزدیک ہے تاکہ تم ناانصافی نہ کرو۔

نکاح کے لئے حق مہر اور ولی کا ہونا ضروری قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (نساء ۴: ۲۵)

سو انہیں ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح میں لاؤ اور ان کو دستور کے موافق ان کے مہر دے دیا کرو۔

اسلام نے عائلی زندگی کو خوش گوار بنانے اور نظم و نسق درست رکھنے کے لئے شوہر اور بیوی دونوں کے لئے فرائض مقرر کر دیئے ہیں جن کی بجاآوری سے گھریلو زندگی نمونہ جنت بن جاتی ہے۔

**عورتوں کے ساتھ حسن سلوک:۔** قرآن مجید میں عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق ارشاد ہے:

وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (نساء ۴: ۱۹) اور عورتوں کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَ اَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ (ترمذی) تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل کے حق میں بہتر ہو اور میں اپنے اہل کے حق میں تم سے بہتر ہوں۔

اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَ اَلْطَفُهُمْ لِاَهْلِهٖ

ترمذی) سب سے کامل ایمان والا مومن وہ ہے جو خلق میں سب سے اچھا ہو اور اپنے اہل و عیال سے نرم سلوک کرے۔

**نفقہ و سکنیٰ:۔** شوہر کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کے گزارے کے لئے انتظام کرے۔ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے: اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ

بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ (نساء ۴: ۳۴) مرد
عورتوں کے گزارہ کے ذمہ دار ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے
اور اس لئے کہ انہوں نے اپنے مالوں سے کچھ خرچ کیا ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے: "چاہیئے کہ وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جس
پر اس کی روزی تنگ ہے تو چاہیئے کہ وہ اس سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا۔ اللہ کسی شخص
پر کچھ لازم نہیں کرتا مگر اسی کے مطابق جو اسے دیا ہے"۔ (سورۃ الطلاق)

باہمی مصالحت:۔ اگر خاوند اور بیوی کے درمیان اختلاف اور رنجش پیدا ہو جائے تو دونوں میں مصالحت
کرانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (النساء ۴: ۱۲۸)

اور اگر ایک عورت کو اپنے خاوند کی زیادتی یا بے رغبتی کا خوف ہو تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ
آپس میں صلح کر لیں اور صلح اچھی چیز ہے۔

حق مہر کی ادائیگی:۔ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے: وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً (نساء ۴: ۴)
اور عورتوں کو ان کے مہر بلا بدل دو۔

دوسری جگہ آتا ہے: فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ (نساء ۴: ۲۵)
پس عورتوں کے مقررشدہ مہر دو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "جن شرطوں کو تم پورا کرتے ہو ان سب میں زیادہ
ضروری اس شرط کو پورا کرنا ہے جس کی وجہ سے تم نے عورتوں کے ناموس کو اپنے لئے حلال کیا
ہے"۔ (بخاری و مسلم)

بیویوں میں عدل:۔ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ
ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا (نساء ۴: ۳) پس اگر تمہیں خوف ہو کہ عدل نہیں کر سکو گے تو
ایک ہی یا جس کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے یہ زیادہ نزدیک ہے تاکہ تم ناانصافی نہ کرو۔

خلع کا حق:۔ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ
يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ
حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (بقرہ ۲: ۲۳۰) اور تمہارے لئے یہ جائز
نہیں کہ تم اس مال سے کچھ لو جو تم نے انہیں دیا ہے سوائے اس کے کہ دونوں کو ڈر ہو کہ اللہ کی

حدوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے پس اگر تمہیں یہ ڈر ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہیں کر سکیں گے تو پھر ان پر اس کے بارے میں کچھ گناہ نہیں جو عورت فدیہ دے دے یہ اللہ کی حدیں ہیں پس ان سے آگے نہ بڑھو اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھتے ہیں وہی ظالم ہیں۔

**پاعصمت عورتوں کی عزت کی حفاظت:** ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصِنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (نور ۲۴: ۲۳)

جو لوگ پاک دامن بے خبر مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

## شوہر کے حقوق

قرآن اور سنت میں ازدواجی زندگی کو استوار رکھنے کے لئے بیوی کے چند فرائض متعین کئے ہیں۔ ان کا بجالانا عورت کے لئے بہت ضروری ہے۔ وہ فرائض حسب ذیل ہیں:

۱۔ رویہ درست رکھنا۔ ۲۔ اطاعت۔ ۳۔ حفظ غیب۔ ۴۔ گھر کی دیکھ بھال۔

قرآن مجید میں آتا ہے: فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ (نساء ۴: ۳۴)

نیک عورتیں اپنے خاوندوں کی اطاعت گزار ہوتی ہیں اور انکی عدم موجودگی میں مال اور آبرو کی حفاظت کرتی ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: المرأۃ اذا صلت خمسھا وصامت شھرھا واحصنت فرجھا واطاعت بعلھا فتدخل من ای باب الجنۃ (صحیحین) عورت جب پانچوں وقت نماز ادا کرے اور ماہ رمضان کے روزے رکھے اور اپنی آبرو کی حفاظت کرے اور اپنے خاوند کی اطاعت کرے تو جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔ لو کنت امرا احدًا ان یسجد لاحد لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجھا

(مشکوٰۃ المصابیح باب عشرۃ النساء صفحہ ۲۸۳) اگر میں کسی کو کسی کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

گھر کی دیکھ بھال کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: المرأۃ راعیۃ علیٰ بیت زوجھا وھی مسئولۃ یعنی عورت اپنے خاوند کے گھر نگران ہے اور جواب دہ ہے۔

# والدین کے حقوق

نیک سلوک:۔ قرآن اور حدیث میں والدین کے حقوق پر بہت زور دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:
وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (نساء ۴: ۳۶)
اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔
۲۹: ۸) دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے: وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا (عنکبوت
اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔
شکر گزاری:۔ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ (لقمان ۳۱: ۱۴) ہم نے انسان کو وصیت کی کہ وہ میرا شکر ادا کرے اور اپنے والدین کا۔
ادب اور نرمی سے گفتگو کرنا:۔ فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا (بنی اسرائیل ۱۷: ۲۲) تو ان کو اُف تک نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو اور ان سے ادب کے ساتھ گفتگو کرو۔
عاجزی سے پیش آنا:۔ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ (بنی اسرائیل ۱۷: ۲۴) اور ان دونوں کے آگے رحم کے ساتھ عاجزی کا بازو جھکا۔
اطاعت بالمعروف:۔ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (العنکبوت ۲۹: ۸) اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ سے نیکی کرنے کا تاکیدی حکم دیا ہے اور اگر وہ تجھ پر زور دیں کہ میرے ساتھ دوسروں کو شریک کرے جس کا تجھے علم نہیں تو ان کی بات نہ مان تمہیں میری طرف لوٹ کر آنا ہے پس میں تمہیں بتاؤں گا جو تم کرتے ہو۔"
دوسری جگہ آیا ہے: "اور اگر وہ تجھ پر زور دیں کہ میرے ساتھ اسے شریک کرے جس کا تجھے علم نہیں تو ان کی بات نہ مان اور دنیا میں ان کا اچھی طرح ساتھ دے اور اس کے راستہ کی پیروی کر جو میری طرف رجوع کرتا ہے پھر میری طرف تمہارا لوٹ کر آنا ہے سو میں تمہیں بتاؤں گا جو تم کرتے ہو۔" (لقمٰن ۳۱: ۱۵)
والدین کی اندھی تقلید جہالت ہے: ارشاد الٰہی ہے: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ (البقرہ ۲: ۱۷۰)
اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کرو جو اللہ نے اتارا ہے کہتے ہیں بلکہ ہم تو اس کی پیروی

کریں گے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا اگرچہ ان کے بڑے نہ کچھ عقل سے کام لیتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں۔

دعا :۔ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا (بنی اسرائیل ۱۷: ۲۴)

اور کہہ میرے رب تو ان پر رحم کر جس طرح انہوں نے مجھے چھوٹے ہوتے پالا۔

والدین کے لئے خرچ کرنا :۔

يَسْئَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلْ مَا أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ (البقرہ ۲: ۲۱۵)

تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہہ جو کچھ بھی اچھے مال سے خرچ کرو پس وہ والدین کے لئے ہے۔

## اولاد کے حقوق

افلاس کے خوف سے قتل نہ کرو :۔ قرآن مجید میں آتا ہے :

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا (بنی اسرائیل ۱۷: ۳۱) اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے نہ مار ڈالو ہم ہی انہیں رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی ان کا مار ڈالنا بڑی غلطی ہے۔

دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے : قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (الانعام ۶: ۱۴۱) بے شک وہ گھاٹے میں ہیں جنہوں نے اپنی اولاد کو بے وقوفی سے لاعلمی میں قتل کر دیا۔

اولاد کی صحت اور تعلیم وغیرہ سے غفلت بھی قتل اولاد میں شامل ہے۔

اولاد کی تربیت :۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ۔ (تحریم ۶۶: ۶)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "ایک آدمی کا اپنی اولاد کو ادب دینا ایک صاع خیرات کرنے سے بہتر ہے۔" (ترمذی)

"کسی باپ نے اپنی اولاد کو نیک ادب سے افضل کوئی عطیہ نہیں دیا۔" (ترمذی)

شفقت و مہربانی :۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک اعرابی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا، کیا تم بچوں کو چومتے ہو، ہم تو انہیں نہیں چومتے۔ آپؐ نے فرمایا، کیا تیرے لئے میرے اختیار میں ہے جب کہ اللہ نے تیرے دل سے رحمت کا جذبہ ہی کھینچ لیا ہے۔

عفو اور درگزر کرنا : يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ وَإِن تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (التغابن ۶۴: ۱۴) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے

دشمن بھی ہیں سو ان سے بچتے رہو اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو تو اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

دعا کرنا: وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ احقاف ۴۶: ۱۵ میرے لئے میری اولاد کی اصلاح کر۔

میراث: یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ فَاِنْ کُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَھُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَکَ وَاِنْ کَانَتْ وَاحِدَۃً فَلَھَا النِّصْفُ (نساء ۴: ۱۱) اللہ تمہاری اولاد کے متعلق تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے مرد کے لئے دو عورتوں کے حصّہ کے برابر ہو پھر اگر اولاد میں دو یا اس سے اوپر عورتیں ہوں تو ان کے لئے اس کی دو تہائی ہے اور اگر اکیلی ہو تو اس کے لئے نصف ہے۔

رسول کریم ؐ فرماتے ہیں: "جب بچہ پیدا ہو کر روئے تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے اور وارث قرار دیا جائے۔

نکاح: وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ (النور ۲۴: ۳۲) اور جو تم میں سے مجرد ہیں انکے نکاح کر دو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس کے ہاں لڑکا پیدا ہوا سے اس کا اچھا نام رکھنا چاہیئے اور جب بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کرنی چاہیئے۔ اگر وہ بالغ ہوا اور اس کی شادی نہ ہوا اور اس نے گناہ کیا تو اس کا گناہ باپ کے سر ہے۔

## رشتہ داروں کے حقوق

قرآن مجید نے اقرباء کے بارہ میں تفصیلی ہدایات دی ہیں اور ان کے حقوق بیان کئے ہیں، جو حسب ذیل ہیں۔

حسن سلوک: وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی (البقرہ ۲: ۸۳) اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک اور دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ بھی۔

صلہ رحمی: وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ (نساء ۴: ۱) اللہ کے حقوق کی جس کے ذریعہ سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رحموں کی نگہداشت کرو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "جس کو یہ پسند ہو کہ اس کے رزق میں وسعت اور اسکی عمر میں برکت ہو اسے صلہ رحمی کرنا چاہیئے۔" (بخاری)

مالی امداد: فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ وَالْمِسْکِیْنَ (الروم ۳۰: ۳۸) پس تو قرابت والے کو اس کا حق ادا کر دو۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ (بنی اسرائیل ۱۷: ۲۶) اور رشتہ داروں کا حق ادا کرو۔
وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی (البقرہ ۲: ۱۷۶) حقیقی نیکی یہ ہے کہ مال کی محبت کے باوجود اقربا کو دے۔

## یتامیٰ کے حقوق

انسانی سوسائٹی میں یتامیٰ کمزور لیکن اہم جزو ہیں۔ اسلام نے ان کے حقوق متعین کر دیئے ہیں اور مسلمانوں کو پابند بنایا ہے کہ وہ ان کی نگہداشت کریں۔

نیک سلوک:۔ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی (نساء ۴: ۳۶) اور ماں باپ رشتہ دار اور یتیموں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کسی یتیم لڑکی یا یتیم لڑکے کے ساتھ نیک سلوک کرے گا جو اس کے پاس ہے تو میں اور وہ جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح اکٹھے ہوں گے" اور آپؐ نے انگلیوں کو ملا کر دکھایا۔

یتیموں کی عزت:۔ کَلَّا بَلْ لَّا تُکْرِمُوْنَ الْیَتِیْمَ (الفجر ۸۹: ۱۷) ہرگز نہیں بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے۔
فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ (الضحیٰ ۹۳: ۹) یتیم کو کبھی نہ جھڑکو۔

کھانے کی امداد:۔ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا اور اس کی محبت کی وجہ سے مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ (الدھر ۷۶: ۸)

یتیم کی جائیداد کی حفاظت:۔ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ (الانعام ۶: ۱۵۲) اور یتیم کے مال کے قریب نہ پھٹکو مگر ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو یہاں تک کہ وہ سن بلوغت کو پہنچ جائے

سدھارنا:۔ وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْیَتٰمٰی قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ (۲: ۲۲۰) اور لوگ آپؐ سے یتیموں کے متعلق پوچھتے ہیں ان کو کہہ دیجئے کہ ان کے اخلاق کو سدھارنا بہتر ہے۔

انصاف:۔ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی بِالْقِسْطِ (نساء ۴: ۱۲۷) اور یہ کہ یتیموں کے بارہ میں انصاف کے ساتھ قائم رہو۔

## پڑوسی اور ساتھی کے حقوق

حسن سلوک:۔
وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِهٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی

وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا (نساء ۴: ۳۶) ——— اور اللہ

کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور قریبیوں کے ساتھ بھی اور یتیموں اور مسکینوں اور قریبی پڑوسی اور دُور کے پڑوسی اور پاس والے ساتھی اور مسافر اور ان کے ساتھ بھی جن کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے اللہ اسے پسند نہیں کرتا جو بڑا بڑا اور فخر کرنے والا ہو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرائیل مجھے ہمسایہ کی نسبت ہمیشہ تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ وہ ہمسایہ کو وارث بنا دیں گے۔ (بخاری و مسلم)

"وہ شخص کامل ایمان والا نہیں ہے جو خود تو سیر ہو کر کھانا کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔"

## مسافروں اور مہمانوں کے حقوق

وَابْنَ السَّبِيْلِ (النساء ۴: ۳۶) اور نیک سلوک کرو مسافر کے ساتھ۔

اسلام نے باضابطہ طور پر مسافروں کا حصّہ مالِ غنیمت میں رکھ دیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (سورہ انفال ۸: ۴۱)

اور جان لو کہ جو چیز تم فتح پاکر حاصل کرو اس کا پانچواں حصّہ اللہ کے لئے ہے اور رسولؐ کے لئے اور قریبیوں کے لئے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے۔

مہمانوں کی تکریم کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص خدا اور قیامت پر ایمان لایا اس کو چاہیئے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔

## محتاجوں کے حقوق

وَالْمَسَاكِيْنِ (النساء ۴: ۳۶) اور مسکینوں کے ساتھ نیکی کرو۔

دوسری جگہ ارشادِ الٰہی ہے: وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا (دھر ۷۶: ۸) اور اس کی محبت کی وجہ سے مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ عام طور سے کسی مسکین کے بغیر کھانا نہ کھاتے تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی محتاج اور سوالی آتا تو آپؐ صحابہ سے فرماتے کہ تم سفارش کرو تو تمہیں بھی ثواب ملے گا۔

## بیمار کے حقوق

ارشاد الٰہی ہے: وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ (نور ۲۴: ۶۱) اور نہ بیمار پر کوئی تنگی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "جب کوئی صبح کو کسی بیمار کی عیادت کرتا ہے تو شام تک فرشتے اس کی معافی کی دعا مانگتے ہیں اور جب وہ شام کو عیادت کرتا ہے تو صبح تک فرشتے اسکی معافی مانگتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کی جائے۔

## ملازم کے حقوق

ارشاد الٰہی ہے: وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ..... وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (نسآء ۴: ۳۶) اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو ..... ان سے جن کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے۔

حضرت ابوذر رضؓ روایت کرتے ہیں: لونڈی غلام تمہارے بھائی بہن ہیں، خدا نے ان کو تمہارے ماتحت کر دیا ہے۔ تو جس کے بھائی بہن کو اللہ تعالیٰ اس کے ماتحت کر دے اس کو چاہیئے کہ جیسا وہ خود کھاتا ہے ویسا ہی ان کو کھلائے اور جیسا خود پہنتا ہے ویسا ہی ان کو پہنائے۔ ان کو ایسے کام کی تکلیف نہ دے جو ان کی طاقت سے باہر ہو۔ اگر کبھی ایسا کام پیش آجائے تو خود اس کام میں اس کی مدد کرے۔ (بخاری)

حضرت ام سلمہ رضؓ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپؐ اپنے مرض الموت میں فرماتے تھے کہ لوگو! نماز کو قائم رکھنا اور خدمت گزاروں کے حقوق کی نگہداشت کرنا۔ (ابوداؤد)

ایک اور حدیث ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس میں تین خصلتیں ہوں خدا اسکی موت کو آسان کر دیتا ہے اور اسے جنت میں داخل کرے گا: ۱۔ ناتواں اور کمزوروں کے ساتھ نرمی کا سلوک کرنا۔ ۲۔ والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا۔ ۳۔ غلام سے احسان کرنا۔

# مسلمانوں کے باہمی حقوق

اخوت :۔ اسلام نے مسلمانوں کو وحدت اور اخوت کی ایک لڑی میں منسلک کر دیا ہے۔ اور وہ جسم کے مختلف اعضاء کی طرح ہیں کہ اگر کسی ایک عضو کو تکلیف پہنچے تو تمام جسم اس تکلیف اور درد میں شریک ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا (آل عمران ۳ : ۱۰۲ : ۱۰۳)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے اور تم نہ مرو مگر اس حالت میں کہ تم حقیقی فرمانبردار ہو۔ اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لے رکھو اور ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو اور اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو تم آپس میں دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم اللہ کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے ایک دوسرے سے محبت کرنے، رحم کرنے اور شفقت کرنے کی مثال ایک جسم کی طرح ہے کہ جب ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (مسلم)

ایک روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط کرتا ہے۔ (مسلم)

جان کی حرمت :۔ قرآن مجید میں آتا ہے : وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا (نساء ۴ : ۹۳) اور جو کوئی کسی مسلمان کو عمداً قتل کرتا ہے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ کا غضب اور اس کی لعنت اس پر ہے اور اس نے اس کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا : لا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض۔ یعنی میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔

ایک اور حدیث ہے : سباب المومن فسوق و قتال کفر (مسلم) کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔

تکفیر بازی سے اجتناب:۔ مسلمانوں کے زوال کی ایک وجہ تکفیر بازی ہے۔ فروعی اور معمولی اختلاف کی وجہ سے علماء نے ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگائے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں آتا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (نساء ۴: ۹۴)

اور جو شخص تیرے سامنے اسلام کا اظہار کرے تو اس سے تم یہ نہ کہو۔ کہ تم مسلمان نہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہتا ہے تو کفر ان دونوں میں سے کسی ایک پر لوٹ آتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے باہمی حقوق و فرائض نہایت عمدگی کے ساتھ بیان کر دیئے ہیں۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا مال، اس کی عزت اور اس کا خون حرام ہے۔ کسی مسلمان کے لئے یہ برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو بنظر حقارت دیکھے (مسلم)

## دشمن کے حقوق

عدل و انصاف:۔ اسلام دشمنوں کے ساتھ عدل و انصاف کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (المائدہ ۵: ۸)

اے ایمان والو! اللہ کے حقوق کی حفاظت کرنے والے انصاف کی گواہی دینے والے ہو جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو یہ تقویٰ سے قریب تر ہے اور اللہ کا تقویٰ کرو بے شک اللہ اس سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔

ظلم سے گریز:۔ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (بقرہ ۲: ۱۹۰) جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی ان کے ساتھ اللہ کے راستہ میں لڑو لیکن زیادتی نہ کرو کیونکہ زیادتی کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔

دغابازی سے بچنا:۔ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ اگر تم کو کسی قوم کی طرف سے دغابازی کا خوف ہو تو مساوات کو ملحوظ رکھ کر ان کے عہد کو ان کی طرف پھینک دو یقیناً اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (انفال ۸: ۵۸)

صلح کی طرف مائل ہونا:۔ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (انفال ۸: ۶۱) اور اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اسکی طرف

جھک جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

دین کے بارہ میں زبردستی :۔ لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (بقرہ ۲ : ۲۵۶) دین میں کسی قسم کی زبردستی نہیں۔

## غیر مسلموں کے حقوق

اس عنوان پر بحث "اسلامی حکومت" کے ضمن میں آئے گی۔

## جانوروں کے حقوق

اللہ تعالیٰ نے انسان کے منافع اور فائدہ کے لئے جانوروں کو پیدا کیا ہے جب کہ انسان جانوروں سے فوائد حاصل کر رہا ہے اللہ تعالیٰ نے بھی اس پر کچھ فرائض متعین کئے ہیں۔

قرآن مجید میں آتا ہے :۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طَآئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ (الانعام ۶ : ۳۸) اور زمین میں کوئی جاندار نہیں اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے دو پروں سے اڑتا ہے مگر وہ بھی تمہاری طرح جماعتیں ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ جس طرح تم اپنی جماعتوں کے آرام اور آسائش کا خیال رکھتے ہو اسی طرح تم کو جانوروں کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرنا چاہیئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین آدمیوں کو بہت گناہ گار قرار دیا ہے۔ ایک جس نے کسی عورت سے شادی کی اور اس سے لطف اندوز ہوا، پھر بعد میں اس کو طلاق دے دی اور مہر ادا نہ کیا۔ دوسرے جس نے کسی مزدور سے کام لیا اور اجرت نہ دی۔ تیسرے جس نے کسی جانور کو بیکار ہلاک کر دیا۔ (مستدرک حاکم جلد ۲)

ایک مرتبہ جہاد کے ایک سفر میں صحابہ کرام ایک چڑیا کے دو بچے پکڑ لائے۔ چڑیا بچوں کی محبت کی وجہ سے صحابہ کے اردگرد بے قراری میں منڈلاتے لگی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو پوچھا کہ اس کے بچوں کو پکڑ کر کس نے بے قرار کیا ہے؟ ان کو فوراً چھوڑ دو۔

بعض صحابہ نے چیونٹیوں کے گھر جلا دیئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا: آگ کی سزا دینا صرف خدا کے لئے سزاوار ہے۔ (ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی کراہۃ احراق العدو فی النار)

ایک عورت کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ صرف اس وجہ سے عذاب

الٰہی میں مبتلا ہے کہ اس نے ایک بلی کو باندھ دیا تھا اور اس کو کھانا نہ دیا تھا ۔ آخر وہ بھوک سے مرگئی ۔

# سیاسی تعلیم

اسلام کا یہ اساسی اور بنیادی عقیدہ ہے کہ حقیقی حاکمیت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور انسان اس کا نائب ہے ۔ قرآن مجید میں آتا ہے : اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (یوسف ۱۲: ۴۰) یعنی اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں ۔

فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ (مومن ۴۰: ۱۲) پس حکم اللہ کا ہی ہے جو سب سے بلند اور سب سے بڑا ہے ۔

اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (الاعراف ۷: ۱۲۸)

درحقیقت زمین اللہ کی ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے ۔

خلیفہ رسول کریم ؐ کا نائب ہے : اسلام کی رو سے خلافت کی دو قسمیں ہیں : خلافت خاصہ اور خلافت عامہ ۔

خلافت خاصہ سے مراد وہ خلافت ہے جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کو لوگوں کی ہدایت کے لئے مامور کرتا ہے ۔ تمام انبیاء علیہم السلام خلافت خاصہ کے حامل ہوتے ہیں ۔

خلافت عامہ جب کوئی مامور وفات پا جائے تو اس کے مشن کو چلانے کے لئے اس کا نائب خلافت عامہ کا حامل ہوتا ہے ۔

کسی مامور کے جانشین کو اللہ کا خلیفہ بنانا سخت غلطی اور علی الغرتن ہے ۔ اسی وجہ سے جب حضرت ابوبکرؓ کو بعض لوگوں نے خلیفۃ اللہ کہنا شروع کیا تو آپ نے ایسا کہنے سے منع فرما دیا اور کہا : لستُ خليفة الله ولكني خليفة رسول الله صلى الله عليه وسلم میں اللہ کا خلیفہ نہیں ہوں میں تو اللہ کے رسول ؐ کا خلیفہ ہوں ۔

خلیفہ یا امیر کی ضرورت : ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں : الوالی من الرعیۃ کالروح من الجسد (کنوز الحقائق حدیث ۱۰۲) حاکم رعیت میں ایسا ہے جیسے روح جسم میں ۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا : اسلام بغیر جماعت کے نہیں اور جماعت امارت کے بغیر نہیں ۔

خلیفہ کا انتخاب : ۔ اسلام موروثی خلافت اور امارت کو جائز قرار نہیں دیتا ۔ اسلام انعقاد خلافت کے لئے انتخاب کو لازمی قرار دیتا ہے ۔ اور انتخاب عوام یا ارباب حل وعقد کے ذریعہ ہوتا ہے ۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے : وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (الشوریٰ ۴۲ : ۳۸)
مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ آپس میں باہمی مشاورت سے کاروبار چلائیں۔
**خلیفہ کا معزولی :** ۔ اگر خلیفہ یا رئیس مملکت پاگل ہو جائے یا اور کسی وجہ سے معذور ہو جائے یا قرآن اور حدیث کے بتائے ہوئے رستہ سے ہٹ جائے تو اس کو مسلمانوں کی قیادت و سیادت سے الگ کر دیا جائے گا۔

## خلیفہ کے اوصاف

۱۔ متقی یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (الحجرات ۴۹ : ۱۳)
اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تم کو کنبوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم و محترم وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

۲۔ علم و حواس اور اعضاء کی سلامتی : اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (بقرہ ۲ : ۲۴۷) یقیناً اللہ نے اسے تمہارے مقابلہ میں اس کو چن لیا ہے اور اسے علم اور جسم میں کشادگی دی ہے۔
یہ آیت خلیفہ کے لئے علم اور حواس اور اعضاء کی سلامتی کو ضروری قرار دیتی ہے۔
علم سے مراد صرف لکھنا پڑھنا ہی نہیں بلکہ وہ علم مراد ہے کہ جس سے انسان کے اندر معاملہ فہمی، ژرف نگاہی اور مسائل کے حل کرنے کا ملکہ پیدا ہو جائے۔
حواس اور اعضاء کی سلامتی اس وجہ سے ضروری ہے کہ نقص سے ایک تو کارکردگی پر اثر پڑتا ہے۔ دوم، دل میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔

۳۔ کفایت سے مراد سیاست حاضرہ اور زمانہ کے تقاضوں کو اچھی طرح جاننا ہے۔
ارشاد الٰہی ہے : وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ (ص ۳۸ : ۲۰)
یعنی ہم نے داؤد علیہ السلام کو حکمت اور فیصلہ کن بات کرنے کی صلاحیت دی۔

۴۔ امین : قَالَ اجْعَلْنِىْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّىْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ (یوسف ۱۲ : ۵۵)
یوسف نے کہا کہ مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کیجئے میں حفاظت کرنے والا اور باخبر ہوں۔

**خلیفہ کے اختیارات :** ۔ اسلام جمہوریت کا حامی ہے۔ اس وجہ سے خلیفہ یا رئیس مملکت ہر معاملہ میں عوام کے سامنے جواب دہ ہے۔ ارشاد الٰہی ہے :
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ

مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ اور اپنے میں سے حاکم کی اگر تمہارا حاکم سے کسی معاملہ میں اختلاف ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ اور رسول ؐ کے احکام کے مطابق کرو۔ (نساء ۴: ۵۴)

رسول کریمؐ فرماتے ہیں: لا طاعة في معصية انما الطاعة في المعروف (بخاری) معصیت میں کوئی فرمانبرداری نہیں اطاعت صرف نیکی میں ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے مسند خلافت پر بیٹھتے ہوئے سب سے پہلے یہ خطبہ دیا:

اے لوگو! میں تمہارا ولی بنایا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں اچھا کام کروں تو میری مدد کرو، اگر میں بھٹکوں تو مجھے راہ راست پر لانا۔"

خطبہ کے آخر میں فرمایا:

"میری اطاعت اس وقت تک کرو جب تک میں اللہ اور اس کے احکام کی تابعداری کروں۔ اگر میں ذرہ بھر بھی راہ مستقیم سے ہٹوں تو مجھے سیدھا کرنا۔"

صحابہؓ کے قول نے اور بھی واضح کر دیا کہ خلیفہ عوام کے سامنے جواب دہ ہے۔ صحابہؓ نے فرمایا، "اگر تو ٹیڑھا چلے گا تو ہم اپنے نیزوں کی انیوں سے آپ کو سیدھا کریں گے۔"

## شہریت کے حقوق

جان و مال اور عزت کی حفاظت:۔ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ بنی اسرائیل ۱۷: ۳۳ کسی جان کو جسے اللہ نے حرام کیا ہے حق کے بغیر قتل نہ کرو۔

لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (بقرہ ۲: ۱۸۸) اپنے مال آپس میں ناجائز طریقوں سے مت کھاؤ۔

لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ (الحجرات ۴۹: ۱۱) کوئی قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: كل المسلم على المسلم حرام دمه وماله وعرضه (مسلم) مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے اس کا خون بھی اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی۔

شخصی آزادی:۔ اسلامی ریاست میں ہر شخص کی آزادی محفوظ ہوگی جب تک کہ وہ اسے دوسروں کے مفاد کو نقصان پہنچانے میں استعمال نہیں کرتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا يوسر رجل في الاسلام بغير عدل (موطا) اسلام میں کوئی شخص بغیر عدل کے قید نہیں کیا جا سکتا۔

مذہبی آزادی:۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (بقرہ ۲: ۲۵۶) دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔
لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۱۰۹:۶ یعنی تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین۔

قانونی مساوات:۔ اسلامی ریاست کا ہر شہری خواہ وہ امیر ہو یا غریب، قانون کی نظر میں برابر ہوتا ہے۔
ارشاد الٰہی ہے: اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ (بقرہ ۲: ۲۸۵)
رسول ایمان لایا اس چیز پر جو اللہ کی طرف سے اتاری گئی اور مومنین بھی۔

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ (المائدہ: ۴۸) پس تم لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے کرو اور اس قانون حق کو چھوڑ کر جو تمہارے پاس آیا لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (المائدہ ۵: ۴۴)
اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے نہیں کرتے پس وہ لوگ کافر ہیں۔

معاشرتی مساوات: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (الحجرات ۴۹: ۱۳) ——— اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف شاخوں اور قبیلوں میں اس لئے تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو اللہ کے نزدیک وہی عزت والا ہے جو زیادہ متقی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: "لوگو! ہاں بیشک تمہارا رب ایک ہے۔ یاد رکھو عربی کو عجمی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔ (مسند احمد)

عدل و انصاف:۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ۱۶: ۹۰ النحل اللہ تعالیٰ ہمیں عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (النساء ۴: ۵۸) اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (المائدہ ۵: ۸) ——— اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کے لئے کھڑے ہونے والے انصاف کی گواہی دینے والے بن جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو، انصاف کرو یہ تقویٰ سے

قریب تر ہے اور اللہ سے ڈرو اللہ اس سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔

تعلیم کا انتظام : قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (زمر ۳۹ : ۹)

کہہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ یعنی علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

خذ الحکمۃ ولا یضرک من ای وعاء خرجت

تو علم و حکمت حاصل کر۔ وہ جس برتن سے بھی نکلے تجھے نقصان نہیں ہوگا۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جس عبادت میں علم شامل نہ ہو اس میں کوئی خیر نہیں اور جس علم میں فہم نہیں اس میں بھی کوئی بھلائی نہیں اور جس قرأت میں تدبر نہ ہو اس میں بھی کوئی خیر نہیں (داری کتاب العلم)

آزادی اجتماع کا حق :۔ وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (آل عمران ۳ : ۱۰۴)

اور چاہیئے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے اور وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

نجی زندگی کی حفاظت :۔ وَلَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا (نور ۲۴ : ۲۷)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک کہ اجازت نہ لے لو۔

ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حق :۔ لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظُلِمَ (النساء ۴ : ۱۴۸) اللہ بری بات کے مشہور کرنے کو پسند نہیں کرتا سوائے اس کے جس پر ظلم کیا گیا ہو۔

مذہبی دلآزاری سے تحفظ :۔ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ (الانعام ۶ : ۱۰۸)

ان بتوں کو برا بھلا نہ کہو جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔

آزادی سکونت سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ (العنکبوت ۲۹ : ۲۰)

زمین میں چلو پھرو دیکھو کس طرح اس نے پہلی بار پیدا کیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کونوا حیث شئتم وبیننا وبینکم ان لا تفسکوا دما ولا تقطعوا سبیلا ولا تظلموا احداً (نیل الاوطار)

تم جہاں چاہو رہو اور ہمارے اور تمہارے درمیان صرف یہ شرائط ہیں کہ نہ تم خون ریزی کرو اور نہ تم راہ زنی کرو اور نہ کسی پر ظلم کرو۔

کسی کو غلام نہ بنایا جائے: ۔ان من شرار الناس الذین یبیعون الناس (بخاری)
بہت بُرے وہ لوگ ہیں جو آدمیوں کو فروخت کرتے ہیں۔
اشرار الناس الذین یشترون الناس ویبیعونہم (ترمذی) بُرے
لوگ وہ ہیں جو انسانوں کی خرید و فروخت کرتے ہیں۔

ملکیت کا حق: ۔ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ (الجمعہ ۶۲: ۱۰)
خدا کے فضل کی تلاش کے لئے زمین میں پھیل جاؤ۔
لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (النجم ۵۳: ۳۹) کہ انسان کے لئے کچھ نہیں مگر
وہی جو وہ کوشش کرتا ہے۔
کُلُّ امْرِیٍٔ بِمَا کَسَبَ رَھِیْنٌ (الطور ۵۲: ۲۱) ہر آدمی اپنے کئے کا پھل
پانے کا حق دار ہے۔

اسلام ذاتی ملکیت کو جائز قرار دیتا ہے لیکن محدود اور چند اخلاقی، معاشرتی اور قانونی پابندیوں کے ساتھ۔ اگر کمانے والا ان پابندیوں پر کاربند نہیں رہتا تو حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ مفاد عامہ کے لئے اس کو ملکیت سے دست بردار کر دے۔

بیرونی خطرات سے حفاظت: ۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا اے لوگو! جو ایمان لائے ہو صبر کرو اور مقابلہ میں بڑھ کر صبر دکھاؤ اور اپنی سرحدوں کی حفاظت کرو۔ (آل عمران ۳: ۲۰۰)

حکومت کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ وہ ملک کی آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے سرحدوں کی حفاظت کرے:

دوسری جگہ آیا ہے: وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْھِبُوْنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَعَدُوَّکُمْ وَاٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِھِمْ لَا تَعْلَمُوْنَھُمْ اَللّٰہُ یَعْلَمُھُمْ (الانفال ۸: ۶۰) اور تم ان کے لئے تیار کرو جو کچھ کر سکتے ہو قوت اور سرحدوں پر گھوڑے باندھنے سے تم اس کے ذریعہ اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو ڈراؤ گے اور ان کے علاوہ دوسروں کو بھی جن کو تم نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے۔

## غیر مسلم رعایا کے حقوق

غیر مسلم رعایا کی دو قسمیں ہیں: ایک معاہد جو کسی صلح نامے یا معاہدے کے ذریعہ اسلامی حکومت کے زیر اثر آگئے ہوں۔ دوسرے اہل العنوہ یعنی لڑائی میں شکست کھا کر مغلوب ہوئے ہوں۔

معاہدین کے متعلق تعلیم :۔ اہل نجران کے عیسائیوں کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تحریری معاہدہ کیا، اس میں معاہدین کے حقوق بیان ہوئے ہیں۔ اس کا اردو ترجمہ نقل کیا جاتا ہے :

"نجران اور اس کے اطراف کے باشندوں کی جانیں، ان کا مذہب، ان کی زمینیں، ان کا مال، ان کے حاضر و غائب، ان کے قافلے، ان کے قاصد، ان کی مورتیں اللہ کی امان اور اس کے رسولؐ کی ضمانت میں ہیں۔ ان کی موجودہ حالت میں کوئی تغیر نہ کیا جائے گا اور نہ ان کے حقوق میں سے کسی حق میں دست اندازی کی جائے گی اور نہ مورتیں بگاڑی جائیں گی۔ نہ کوئی اسقف اپنی اسقفیت سے، کوئی راہب اپنی رہبانیت سے، کنیسہ کا کوئی منتظم اپنے عہدہ سے نہ ہٹایا جائے گا۔ اور جو بھی کم یا زیادہ ان کے قبضہ میں ہے اسی طرح رہے گا۔ ان کے زمانہ جاہلیت کے کسی جرم یا خون کا بدلہ نہ لیا جائے گا۔ نہ ان سے فوجی خدمت لی جائے گی اور نہ ان پر عشر لگایا جائے گا اور نہ اسلامی فوج ان کی سرزمین کو پامال کرے گی۔ ان میں سے جو شخص اپنے کسی حق میں مطالبہ کریگا تو اس کے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔ نہ ان کو ظلم کرنے دیا جائے گا اور نہ ان پر ظلم ہوگا۔ ان میں سے جو شخص سود کھائے گا وہ میری ضمانت سے بری ہے۔ اس صحیفہ میں جو لکھا گیا ہے اسکے ایفا کے بارہ میں اللہ کی امان اور محمد النبی کی ذمہ داری ہے یہاں تک کہ اس بارہ میں خدا کا کوئی دوسرا حکم نازل نہ ہو۔ جب تک وہ لوگ مسلمانوں کے خیرخواہ رہیں گے ان کے ساتھ جو شرائط کئے گئے ہیں ان کی پابندی کریں گے۔ ان کو ظلم سے کسی بات پر مجبور نہ کیا جائے گا"[1]

ایک اور حدیث ہے :

"خبردار جو شخص کسی معاہد پر ظلم کرے گا یا اس کے حقوق میں کمی کرے گا یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈالے گا یا اس سے اس کی مرضی کے خلاف کوئی چیز حاصل کرے گا۔ اسکے خلاف قیامت کے دن میں خود مستغیث بنوں گا"

## مفتوحین کے حقوق

۱۔ روزی اور کفاف کا ذمہ : اہل ذمہ اپنی روزی کمانے سے عاجز آجائے تو اس کے گذارہ کے لئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا جائے گا۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے اپنے عامل عدی بن ارطاۃ کو حکم بھیجا کہ اپنے علاقہ کے ذمیوں کے حالات معلوم کرو جو بوڑھے ہو چکے ہوں اور روزی کمانے کے قابل نہیں، ان کے گذران کے لئے بیت المال سے وظیفے مقرر کئے جائیں۔

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص۷۶ مطبوعہ مصر و کتاب الخراج امام یوسف بحوالہ دین رحمت مصنفہ شاہ معین الدین احمد ندوی ص۲۳۸

حضرت عمرؓ نے ایک بوڑھے ذمی کو دیکھا کہ در در بھیک مانگتا پھرتا ہے۔ آپ نے اس سے فرمایا: ہم نے تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا، جب تم جوان تھے اور کماتے تھے تو ہم نے تم سے جزیہ وصول کیا، اب جب تم کمانے کے قابل نہیں رہے اب ہم نے تم کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے اس کے لئے وظیفہ مقرر کر دیا۔[1]

اگر ذمی دشمن کے قبضہ میں آجائے اور فدیہ دے کر چھڑانے کی ضرورت پیش آئے تو اس کا فدیہ بیت المال سے دیا جائے گا۔[2]

۲- جان کی حفاظت:- اسلامی حکومت میں ذمیوں کی جان مسلمانوں کی جان کے برابر ہے۔ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کرے گا تو قاتل کو مقتول کے قصاص میں قتل کر دیا جائے گا۔ اگر مقتول کے ورثاء قصاص لینے کی بجائے خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں تو قاتل کو خون بہا دینا پڑے گا۔

بیہقی نے روایت کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک مسلمان نے ایک ذمی اہل کتاب کو قتل کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مقدمہ پیش ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ مجھ پر ذمی کے عہد کو پورا کرنے کی زیادہ ذمہ داری ہے اور مسلمان کو قصاص میں قتل کر دیا۔[3]

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی ذمی کو قتل کر دیا وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا۔ حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی دوری سے محسوس ہوگی۔ (بخاری، احمد)

۳- مال کی حفاظت:- ذمی کی جان کی حفاظت کی طرح اس کے مال کی حفاظت بھی اسلامی حکومت کے ذمہ ہے۔ صعصعہؓ سے روایت ہے کہ میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ ہم لوگ جب ذمیوں کی بستیوں سے گزرتے ہیں تو ان کی چیزوں میں سے کوئی چیز لے لیتے ہیں۔ انہوں نے پوچھا بلا قیمت؟ میں نے عرض کیا ہاں بلا قیمت۔ ابن عباسؓ نے فرمایا: آخر تم لوگ اس بارے میں کہتے کیا ہو کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ انہوں نے فرمایا تم لوگ وہی بات کہتے ہو جو اہل کتاب کہتے ہیں کہ

لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ

---

[1] کتاب الاموال ابو عبیدہ صفحہ نمبر ۴۶۔
[2] کتاب الاموال ابو عبیدہ صفحہ ۱۲۷۔
[3] سنن بیہقی ج ۸ ص ۳۰، ۳۱۔
[4] کتاب الاموال ابو عبیدہ صفحہ ۱۲۶۔

حضرت عمرؓ جابیہ میں تھے کہ ایک ذمی نے آکر ان سے شکایت کی کہ لوگوں نے اس کا انگوروں کا باغ تباہ کر دیا ہے۔ حضرت عمرؓ تحقیق کے لئے خود وہاں گئے دیکھا کہ ان کے ساتھیوں میں سے ایک صاحب ٹوکرا میں انگور لئے جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اچھا آپ بھی ہیں۔ انہوں نے جواب دیا: یا امیرالمومنین بھوک شدت سے لگی ہوئی تھی، اس وجہ سے یہ حرکت کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ باغ کے مالک کو اس کے انگوروں کی قیمت ادا کر دی جائے۔[1]

## مذہبی حقوق

ذمی اپنی کنیسوں میں مذہبی فرائض بجالانے میں آزاد ہیں اور ان کے مذہبی حقوق پر کسی قسم کی پابندی عائد کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ ابوعبیدہؓ نے تلوار کے ذریعے فتح کئے ہوئے مقامات کی ایک فہرست دینے کے بعد لکھا ہے:

"یہ سارے مقامات بزور شمشیر فتح ہوئے ہیں اور ان میں ان کے باشندوں کو ان کے مذہب و شریعت کی پابندی آزادی کے ساتھ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔"[2]

۱۔ تحفظ عزت:۔ ذمی کو تکلیف دینا ویسا ہی ناجائز ہے جیسے ایک مسلمان کو۔ چنانچہ درالمختار میں لکھا ہے: "اس کو تکلیف دینے سے باز رہنا واجب ہے اور اس کی غیبت اسی طرح حرام ہے جیسی مسلم کی غیبت حرام ہے۔"[3]

۲۔ شخصی معاملات:۔ ذمیوں کے اپنے مذہب کے قانون میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی جائے گی۔ اسلامی عدالت میں ان کے قانون کے مطابق ہی فیصلے ہوں گے۔ خلفاء راشدین کے دور میں اسی پر عمل ہوتا رہا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حسن بصریؒ سے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ خلفاء راشدین نے ذمیوں کے محرمات کے ساتھ نکاح اور شراب اور سور کے معاملہ میں آزاد چھوڑ دیا؟

حسن بصریؒ نے جواب دیا:

"انہوں نے جزیہ دینا اسی وجہ سے قبول کیا ہے کہ انہیں ان کے عقیدے کے مطابق زندگی بسر کرنے کی آزادی دی جائے۔ آپ کا کام انہی کے نقش قدم کی پیروی کرنا ہے اور اپنی طرف سے کوئی نئی بات ایجاد نہیں کرنی چاہیئے۔"[4]

---

[1] کتاب الاموال ابوعبیدہ صفحہ ۱۵۱۔
[2] کتاب الاموال ابوعبیدہ ص۱۵۰۔
[3] درمختار جلد ۲ ص ۲۷۳، ۲۷۴۔ [4] کتاب الاموال ابوعبیدہ ص۳۶۔

تاریخ سپین کا مصنف لکھتا ہے:

"جن عیسائیوں نے مفتوحہ ملک میں رہنا پسند کیا ان کے جان و مال کی پوری حفاظت کی گئی۔ انہیں پورا حق حاصل تھا کہ اپنے طور پر اپنی عبادت کریں۔ معینہ حدود میں انہی کے قوانین رائج تھے۔ بعض ملکی اور قومی عہدوں پر ان کا تقرر کیا گیا۔ ان کی عورتوں کو اجازت تھی کہ وہ فاتحوں کے ساتھ شادی بیاہ کریں۔ غرض اندلس کے قانون ان کے ساتھ کوئی ایسا برتاؤ نہیں کیا جاتا تھا جس سے مفتوح یا غلام معلوم ہوں۔"[1]

۳۔ جزیہ اور خراج وصول کرنے میں نرمی:۔ جزیہ اور خراج کی وصولی میں سختی سے منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے شام کے گورنر حضرت ابو عبیدہؓ کو لکھا: مسلمانوں کو ان پر ظلم کرنے اور انہیں ستانے اور ناجائز طریقہ سے ان کے مال کھانے سے منع کر دو۔[2]

## شہریوں کے فرائض اور اسلامی ریاست کے حقوق

۱۔ سمع و طاعت: اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (النساء ۴: ۵۹)
اطاعت کرو اللہ کی اور رسولؐ کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہیں۔
حدیث شریف میں آتا ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر کوئی حبشی غلام مقرر کر دیا جائے جس کا سر کشمش کی طرح ہو جب تک کہ وہ کتاب اللہ کے مطابق تم کو حکم دے۔ (بخاری)
"ہر مسلم پر سمع و طاعت لازم ہے خواہ وہ خوشی سے کرے یا ناپسندیدگی سے تاوقتیکہ کہ اس کو گناہ کا حکم نہ دیا جائے۔ پھر اگر گناہ کا حکم دیا جائے تو نہ سمع ہے نہ طاعت۔"

۲۔ قانون کی پابندی: وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا (الاعراف ۷: ۸۵)
زمین میں اس کی اصلاح ہو جانے کے بعد فساد نہ کرو۔ فساد ہمیشہ قانون شکنی سے ہوتا ہے۔

۳۔ تعاون: تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَ التَّقْوٰی (المائدہ ۵: ۲) نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو۔

۴۔ مالی قربانی: یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (البقرہ ۲: ۲۱۹)
وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں کہہ دو ان کی ضرورت سے بچ جائے وہ سب خرچ کر دو۔

۵۔ جانی قربانی: مَا لَکُمْ اِذَا قِیْلَ لَکُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَی الْاَرْضِ (توبہ ۹: ۳۸) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم کو خدا کی راہ میں نکلنے کے لئے کہا جاتا ہے تو تم زمین

---

[1] الہارون صفحہ ۲۸۴ [2] کتاب الخراج صفحہ ۸۲

پر جم جاتے ہو۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۔
(البقرہ ۲: ۱۹۰) اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

## اسلامی حکومت کی خارجہ پالیسی

### خارجہ پالیسی کے بنیادی اصول:

۱۔ اسلامی حکومت اس بات کا خیال رکھے کہ غیر مسلم حکومت سے اس قسم کے معاہدات نہ کرے جس سے کسی دوسری اسلامی حکومت کے مفادات مجروح ہوتے ہوں۔
ارشاد الٰہی ہے: لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ (آل عمران: ۳ تا ۱۲۸) اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا سہیر و اور دوست نہ بنائے۔
اگر کوئی غیر مسلم حکومت کسی اسلامی حکومت پر حملہ کرے تو دنیا کے تمام اسلامی ممالک کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اسلامی حکومت کی مدد کریں۔

۲۔ دوسرا اصول یہ ہونا چاہیئے کہ اسلامی حکومت کے تمام معاملات صلح اور امن پر مبنی ہونے چاہئیں۔ کیونکہ اسلام سلامتی، صلح اور امن کا پیغام لے کر آیا ہے۔ اسلامی حکومت کی خارجہ پالیسی میں ہر رنگ میں امن کی روح قائم رہنی چاہیئے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (الانفال: ۶۱) اور اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی مائل ہو جاؤ۔

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ کے لئے ہو پھر اگر وہ رک جائیں تو سزا ظالموں کے سوائے اور کسی کے لئے نہیں۔ (بقرہ ۲: ۱۹۳)

۳۔ تیسرا اصول یہ ہونا چاہیئے کہ اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی ایک عالمی انسانی برادری قائم کرنے والی ہو اور تمام اقوام عالم کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے والی ہو۔ کیونکہ اسلام وحدت نسل انسانی کا پیغام لے کر آیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:
كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا (یونس ۱۰: ۱۹) سب لوگ

ایک ہی امت ہیں لیکن وہ آپس میں جھگڑتے ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ (بیہقی) ساری مخلوق اللہ کی عیال ہے اور اللہ سب سے زیادہ محبت اس سے کرتا ہے جو اللہ کے عیال سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہے۔

۴۔ چوتھا اصول یہ ہونا چاہیئے کہ اسلامی حکومت عہد و پیمان کا احترام کرنے والی ہو۔ ارشاد الٰہی ہے:

اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل) ۱۷:۳۴

عہد پورا کرو یقیناً عہد کے متعلق پوچھا جائے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ مائدہ ۵:۱ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے معاہدے پورے کرو۔

۵۔ پانچواں اصول یہ ہے کہ خارجہ پالیسی بین الاقوامی عدل پر مبنی ہو۔ ارشاد الٰہی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (مائدہ ۵:۸)

اے ایمان والو! اللہ کے نام پر انصاف کیساتھ گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جاؤ کسی قوم کی دشمنی تم کو اس امر پر نہ اکسائے کہ عدل کا دامن چھوڑ دو تم ہر حال انصاف کا معاملہ کرو یہ بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

۶۔ چھٹا اصول جنگ کے متعلق یہ ہے کہ جارح قوم کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیئے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا (بقرہ ۲:۱۹۰) اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تمہارے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور حد سے آگے نہ بڑھو۔

ظلم کو مٹانے کے لئے جنگ کرنا ناگزیر ہے لیکن اسلام جنگ میں بھی تعدی سے منع کرتا ہے اور بدلہ اتنا ہی لینا چاہیئے جتنا حق ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (الشوریٰ ۴۲:۴۰) اور بدی کا بدلہ اس کی مثل سزا ہے۔

## شعبہ بیت المال

اسلامی ریاست کے خزانہ مرکزی (بیت المال) کے ذرائع آمدن حسب ذیل ہیں:

۱۔ **زکوٰۃ** :۔ وہ خدائی ٹیکس ہے جو ایک سال کے گزرنے کے بعد جمع شدہ مال پر مسلمان سے لیا جاتا ہے۔

۱۔ سونا چاندی۔ سونا بیس مثقال اور چاندی دو سو درہم ہو، ان پر ایک سال گزر جائے تو ڈھائی دینا پڑتا ہے۔

۲۔ **مویشی** :۔ ان میں اونٹ گائے بیل اور بھیڑ بکریاں داخل ہیں

۳۔ **سامان تجارت** :۔ تجارت کا سامان اگر سونے چاندی کے نصاب تک پہنچ جائے تو ایک سال گزرنے کے بعد ڈھائی دینا پڑتا ہے۔

۴۔ **غلہ اور پھل** :۔ اگر قدرتی وسائل سے زمین سیراب ہوتی ہو تو اس کی پیداوار کا ۱/۱۰ لیا جاتا ہے۔ اگر سیراب کرنے میں محنت اٹھانی پڑتی ہے تو اس کا ۱/۲۰ حصہ لیا جاتا ہے۔

۲۔ **صدقات** :۔ یہ وہ مال ہے جو امراء لوگ مجموعی طور پر غربا کی امداد کے لئے بیت المال کو دیتے ہیں۔

۳۔ **خمس** :۔ مال غنیمت کا پانچواں حصہ۔ مال رکاز۔ دفینوں اور کانوں سے نکلی ہوئی معدنیات کا پانچواں حصہ۔

۴۔ **فئی** :۔ وہ مال جو دشمن سے بغیر جنگ کے حاصل ہوتا ہے۔

۵۔ **خراج** :۔ وہ سرکاری لگان ہے جو غیر مسلم کاشت کاروں کی مقبوضہ اراضیات پر سالانہ لگایا جاتا ہے۔ خراج کی مقدار زمین کی پیداوار، زرخیزی اور وسائل آب پاشی کی آسانیوں کو ملحوظ رکھ کر مقرر کی جاتی ہے۔

۶۔ **عُشر**۔ مسلمان کاشت کاروں پر عائد شدہ لگان کو عشر کہا جاتا ہے۔ بارانی زمین پر ۱/۱۰ اور چاہی زمین پر ۱/۲۰۔

۷۔ **جزیہ** :۔ یہ وہ ٹیکس ہے جو ان غیر مسلم افراد پر عائد کیا جاتا ہے جو اسلامی ریاست کے باشندے ہوتے ہیں۔ یہ ٹیکس ان کے مال، جائیداد، جان اور عزت کی حفاظت کے لئے وصول کیا جاتا ہے۔ جزیہ کی مقدار حسب ذیل ہے :

| | | |
|---|---|---|
| ۱۔ دولت مندوں سے | ۴۸ درہم سالانہ | (بارہ روپے) |
| ۲۔ متوسط طبقہ سے | ۲۴ درہم سالانہ | (چھ روپے) |
| ۳۔ ادنیٰ طبقہ سے | ۱۲ درہم سالانہ | (تین روپے) |

غربا، اپاہج، اندھوں اور معذور افراد سے جزیہ ساقط ہو جاتا ہے بلکہ ان کی کفالت اسلامی حکومت کے ذمہ ہوتی ہے۔

۸۔ عشور :۔ وہ تجارتی ٹیکس ہے جو اس مال پر عائد کیا جاتا ہے جو غیر مسلم تاجر اسلامی ریاست میں بغرض تجارت لے کر داخل ہوتے ہیں۔

۹۔ کرایہ الارض :۔ اسلامی ریاست کی اراضیات کا مقررہ لگان جو کاشت کاروں کی باہمی رضامندی سے وصول کیا جاتا ہے۔

۱۰۔ وقف :۔ وہ سرمایہ یا جائیداد جو اُمراء مفاد عامہ کے لئے اجتماعی ملکیت میں دے دیتے ہیں۔

۱۱۔ خراب :۔ وہ ٹیکس ہے جو امراء پر اس وقت عائد کیا جاتا ہے جب وہ اسلامی معاشی قوانین پر عمل نہیں کرتے اور عوام کی غربت اور افلاس کا سبب بنتے ہیں۔ معاشی توازن قائم رکھنے کے لئے یہ ٹیکس جبراً وصول کیا جائے گا۔

۱۲۔ اموال فاضلہ :۔ وہ سرمایہ جس کا کوئی وارث نہ ہو۔

**مصارف :۔** اسلام نے بیت المال سے خرچ کرنے کی بعض مدات صراحتہً بیان کر دی ہیں۔ اور بعض کی وضاحت نہیں کی، بلکہ وہ عام قوانین کے ذیل میں آتی ہیں۔ زکوٰۃ کا مال خرچ کرنے کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے : اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (توبہ ۹: ۶۰) اس آیت کی رو سے حسب ذیل اشخاص زکوٰۃ کے مستحق ہیں۔

۱۔ فقراء ۲۔ عاملین زکوٰۃ (کارکن) ۳۔ مولفۃ القلوب ۴۔ فی الرقاب (غلاموں کی رہائی کے لئے) ۵۔ غارمین ۶۔ فی سبیل اللہ (جہاد، تبلیغ) ۷۔ ابن السبیل (مسافر)[1]

عشر کے مصارف بھی وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں۔

عشور جو مسلمانوں سے لیا جائے اس کے مصارف بھی یہی ہیں۔

**مال غنیمت کی تقسیم :** وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔

مال غنیمت کے پانچ حصے کئے جاتے ہیں جن میں سے چار حصے تو مجاہدین میں تقسیم کر دیئے جاتے ہیں اور پانچواں حصہ بیت المال میں جمع ہوتا ہے، جن کے مصارف کے متعلق مندرجہ بالا آیت میں وضاحت کی گئی ہے۔

---

[1] تشریح پہلے گزر چکی ہے۔

# اسلامی قانون کے ماخذ

**قرآن :** ۔ اسلامی قانون کا پہلا ماخذ قرآن مجید ہے ۔ یہ وہ کتاب ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت روح الامین ؑ کے ذریعے تیئس سال تک نازل ہوتی رہی ۔ قرآن کا نام خود اس کتاب میں کئی بار آیا ہے ۔ ارشاد الٰہی ہے : شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ (بقرہ ۲ : ۱۸۵)

رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اتارا گیا ہے لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ ہے اور ہدایت کی کھلی دلیلیں ہیں اور حق اور باطل کو الگ الگ کرنے والے دلائل ہیں ۔

قرآن کو اس وجہ سے قرآن کہا گیا ہے کہ یہ سارے اولین اور آخرین کے علوم کا مجموعہ ہے ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ نحل ۱۶ : ۸۹ ۔

یعنی ہم نے تجھ پر ایک ایسی کتاب اتاری ہے جو تمام چیزوں کو واضح کرنے والی ہے ۔

دوسری جگہ آتا ہے : وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (الانعام ۶ : ۵۹)

یعنی اصول دین کے لئے کوئی خشک یا تر بات ایسی نہیں جو اس واضح کتاب میں نہ ہو ۔

اس کتاب کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے : اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ الحجر ۱۵ : ۹ یعنی ہم نے ہی اس ذکر (قرآن) کو اتارا ہے اور ہم ہی اسکی حفاظت کریں گے ۔

ایک اور جگہ ارشاد الٰہی ہے : لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ

یعنی باطل نہ اس کے آگے سے آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے ۔ (حٰمٓ السجدہ ۴۰ : ۴۲)

**سنت اور حدیث :** ۔ اسلامی قانون کا دوسرا ماخذ سنت اور حدیث ہے ۔ اسلامی اصطلاح میں سنت سے مراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال ہیں اور حدیث سے مراد آپ ؐ کے اقوال ۔ سنت اور حدیث قرآن مجید کی تشریح و توضیح ہیں حدیث اور سنت کی حفاظت اور جمع و تدوین کی بنیاد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہی پڑ گئی تھی اور اس کی تدوین اور جمع ہوتے ہوتے کئی ادوار گزرے ۔ حتیٰ کہ تقریباً دو سو سال بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور اعمال کے مجموعے کتب کی صورت میں لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچے ۔

قرآن مجید نے سنت اور حدیث کو واجب الاتباع ٹھہرایا ہے ۔ ارشاد الٰہی ہے :

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب ۳۳ : ۲۱)

یعنی تمہارے لئے اللہ کے رسول میں عمدہ نمونہ ہے ۔ یعنی رسول کے نقش قدم پر چلو ۔

دوسری جگہ آتا ہے قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (النور ۲۴: ۵۴)
کہہ اللہ کی اور رسولؐ کی اطاعت کرو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں: انی ترکت فیکم امرین ان تمسکتم بہ لن تضلوا کتاب اللّٰہ و سنتی ——— یعنی میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں جب تک انہیں تھامے رہو گے گمراہ نہیں ہو گے وہ اللہ کی کتاب اور میری سنت ہے۔

تعامل صحابہ:۔ اسلامی قانون کا تیسرا ماخذ تعامل صحابہ ہے۔ اسلامی قوانین کا ایک بڑا حصہ اسی ماخذ سے ماخوذ ہے۔ صحابہ کرام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مقدسہ میں تربیت یافتہ اور آپؐ کا کامل اتباع کرنے والے تھے۔ اس لئے ان کا کوئی ایسا فعل نہیں ہو سکتا جو دین اسلام کی روح کے منافی ہو۔ اسلام انہی کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے، اس وجہ سے اس پہلی اور مضبوط کڑی کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ تعامل صحابہ کی حجت کے بارہ میں حدیث شریف میں آتا ہے:

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم یعنی میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جن کا بھی اتباع کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تم پر لازم ہے کہ تم میری سنت اور میرے برحق اور ہدایت یافتہ جانشینوں کی سنت کو تھامے رکھو۔

تعامل صحابہ کے مختلف مدارج ہیں۔ طوالت کے خوف سے ان پر بحث نہیں کی جاتی۔ فقہ کی کتب کی طرف رجوع کیا جائے۔

اجماع:۔ اسلامی قانون کا چوتھا ماخذ اجماع ہے۔ اجماع سے مراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اہل حل وعقد کا کسی معاملہ میں اتفاق اور اتحاد کر لینا ہے۔ اجماع کا واجب ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (نساء ۴: ۶۰) اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے صاحب امر ہے اس کی اطاعت کرو۔

دوسری جگہ آتا ہے: وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الْھُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصْلِہٖ جَھَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا (نساء ۴: ۱۱۵) اور جو شخص اللہ کے رسولؐ کی مخالفت کریگا جب کہ ہدایت ظاہر ہو گئی ہو اور مومنوں کی راہ ترک کر کے دوسرا رستہ اختیار کرے گا تو ہم اس کا رخ ادھر پھیر دیں گے جدھر وہ ہے اور اسے جہنم میں ڈالیں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ مومنوں کے راستے کے علاوہ دوسرا راستہ گمراہی ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے: اُمتی لاتجتمع علی الخطاء او علی الضلالۃ

یعنی میری امت غلط بات پر یا گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔

ابن مسعود رضؓ کا قول ہے: ما راٰہ المسلمون حسنا ھو عند اللہ حسن

جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

**قیاس:** اسلامی قانون کا پانچواں ماخذ قیاس ہے۔ قیاس کی تعریف یہ ہے کہ قیاس اصل سے فرع کی جانب حکم کے متعدی ہونے کو کہتے ہیں جب کہ یہ تعدیہ کسی ایسی علت کی بنا پر ہو جو اصل و فرع دونوں میں پائی جاتی ہے اور جس کا علم محض لغت سے نہیں ہو سکتا۔ مثلاً قرآن مجید میں شراب حرام ہے، حرمت کی وجہ نشہ ہے، اب جو بھی نشہ آور اشیاء ہوں گی ان سب پر شراب کا حکم عائد کر کے حرام قرار دیا جائے گا۔

قیاس کا جواز قرآن سے ثابت ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ (عنکبوت ۲۹: ۴۳)

یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں اور انہیں سوائے علم والوں کے اور کوئی نہیں سمجھتا

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ کو لکھا: اعرف الامثال والاشباہ وقس الامور عندک۔ یعنی امثال اور نظائر کو پہچانو اور سمجھو پھر مسائل کو ان پر قیاس کرو۔

**شرائط قیاس:** ۱۔ مقیس علیہ نص (جس نص سے قیاس کیا جاتا ہے) کا حکم خاص واقعات اور حالات پر مبنی نہیں ہونا چاہیئے۔

۲۔ علت ایسا وصف ہو جو شرعاً قابل اعتبار ہو اور بالکل صریح واضح اور معین ہو۔

۳۔ اصل و فرع میں ایک ہی وصف موجود ہو۔

۴۔ جو حکم قیاس سے استنباط کیا جائے، اس کی وجہ سے نص کے حکم میں تبدیلی نہ واقع ہوتی ہو۔

۵۔ جو حکم قیاس سے استخراج کیا جائے، اس کی نوعیت نص کے احکام کے ماحصل کی ہونی چاہیئے۔ کسی نص کے محض الفاظ پر قیاس کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔

## اسلامی ریاست کی خصوصیات

۱۔ حاکمیت اللہ کی ہے: اسلام کی رو سے حقیقی فرماں روا حاکم اللہ تعالیٰ ہے ارشاد الٰہی ہے

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (یوسف ۱۲: ۴۰) یعنی حقیقی فرماں روائی عرب

اللہ کی ہے۔

۲۔ **قانون کی حکومت**:۔ اسلامی ریاست میں قانون کو بالادستی حاصل ہوتی ہے، رئیس مملکت اور تمام شہری قانون کی نظر میں برابر ہوتے ہیں، ارشاد الٰہی ہے:

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ

پس لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے کر اور قانون کو چھوڑ کر جو تمہارے پاس آچکا ہے۔ لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کر۔ (مائدہ ۵: ۴۸)

۳۔ **مشورائی نظام**: اسلامی ریاست میں تمام ملکی مسائل عوام یا صاحب رائے کے مشوروں سے انجام پاتے ہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ یعنی مسلمانوں کے اجتماعی امور باہم مشورہ سے انجام پاتے ہیں۔ (الشوریٰ ۴۲: ۳۸)

دوسری جگہ آتا ہے: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (آل عمران ۳: ۱۵۸)

ان سے باتوں (کاموں) میں مشورہ لیتے رہا کیجئے۔

۴۔ **انتخاب**:۔ اسلام سے قبل بادشاہت کا دور دورہ تھا۔ اسلام نے بادشاہت کو ختم کرکے رئیس مملکت کا انتخاب عوام یا ارباب حل وعقد کے ہاتھ میں دے دیا۔ اسلام کے دور اول میں جب خلفاء راشدین کے انتخاب پر نظر دوڑائیں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ خلفاء راشدین کا انتخاب براہ راست شوریٰ کے ذریعہ ہوا۔

۵۔ **بیت المال کو عوام کا مال سمجھنا**:۔ شخصی حکومت میں خزانہ رئیس مملکت کا ذاتی مال سمجھا جاتا تھا۔ وہ اپنی مرضی سے جس قدر چاہتا خزانہ سے خرچ کرسکتا تھا کوئی شخص حرف گیری کرنے کا مجاز نہ تھا۔ لیکن اسلامی حکومت میں بیت المال کو عوام کی امانت قرار دیا جاتا ہے۔ خلیفہ حرف گزارہ الاونس لینے کا مجاز ہے۔

۶۔ **حکومت اور انسانیت**:۔ اسلامی حکومت کی اساس انسانیت پر ہوتی ہے۔ خلافت راشدہ دنیا کی پہلی حکومت ہے جسکی اس ارفع اور پاکیزہ تصور پر بنیاد تھی۔ اسلامی حکومت نہ تو قومیت پر مبنی ہوتی ہے اور نہ بین الاقوامیت پر بلکہ اس کی بنیاد انسانیت پر مبنی ہوتی ہے۔ اسلامی حکومت اپنے کاموں میں مرضی عامہ مساوات، حقوق انسانی کا بڑا خیال رکھتی ہے۔ جب تک ایک شخص بھی غریب ہے ضروریات زندگی کا محتاج ہے تو رئیس مملکت جوابدہ ہے۔

۷۔ **اسلامی حکومت** قبائلی عصبیتوں سے پاک ہوتی ہے تمام رعایا اتحاد اور مساوات کی لڑی میں منسلک ہوتی ہے۔ تمام فیصلے گروہ بندی سے بالاتر

ہوکر کئے جاتے ہیں۔

۸۔ **اصلاح معاشرہ:** ۔ اسلامی حکومت ان تمام معاشرتی، اقتصادی، تمدنی اور سیاسی برائیوں کا قلع قمع کر دیتی ہے جو سوسائٹی کے بگاڑ کا موجب ہوتی ہیں۔ مثلاً زنا، قمار بازی، سود خوری، چوری رشوت خوری۔ اقربا پروری سرمایہ داری جاگیرداری، ڈاکہ زنی، کم تولنا، جھوٹ فریب وغیرہ۔

۹۔ **قیام عدل:** ۔ عدل و انصاف ہی کسی حکومت کے استحکام کا ذریعہ ہوتا ہے اسلامی حکومت عدل و انصاف کو زندگی کے ہر شعبہ میں نافذ کرتی ہے۔ عدل کی تین صورتیں ہیں۔ سماجی عدل، قانونی عدل، اقتصادی عدل۔ اسلامی حکومت ہر سہ صورتوں کو کما حقہٗ نافذ کرتی ہے۔

۱۰۔ **عوام کی فلاح و بہبودی:** ۔ زمینی حکومتیں جب کسی علاقے کو فتح کرتی ہیں تو اپنی قاہرانہ سفاکانہ شان دکھانے کے لئے ہر قسم کا ظلم اور سفاکی کرتی ہیں۔ لیکن اسلامی حکومت امن کا پیغام لے کر آتی ہے۔ ملک میں امن و سلامتی قائم رکھنا اور عوام کی خیر خواہی کرنا اور انہیں ترقی کے بام عروج تک لے جانے کی کوشش کرنا اس کے فرائض میں شامل ہے۔

۱۱۔ **ہمسایہ ممالک سے برادرانہ تعلقات:** ۔ دنیاوی حکومتیں حرص و ہوس گیری کے نشہ میں کمزور حکومتوں پر بلا وجہ جارحانہ حملے کرتی ہیں۔ اس کے بالمقابل اسلامی حکومت اپنے ہمسایہ ممالک کے ساتھ دوستانہ برادرانہ تعلقات رکھتے ہوئے ان کی بہبود کا خیال رکھتی ہے۔

## معاشی امور کے متعلق تعلیم

ابتدائے آفرینش سے "روٹی کے مسئلہ" کو بہت ہی اہمیت حاصل رہی ہے لیکن اس دور میں اس مسئلہ پر دو سیاسی نظام چل رہے ہیں: ایک سرمایہ داری نظام ہے اور دوسرا اشتراکیت۔ سرمایہ داری نظام بے قید ذاتی ملکیت کا حامی ہے۔ اکتساب دولت اور صرف پر کسی قسم کی قدغن اور پابندی عائد نہیں کرنا چاہتا۔ اس کے برعکس اشتراکیت حقوق ملکیت حکومت کو سونپتی ہے۔ ان دونوں انتہا پسند نظاموں کے برعکس اسلام نے اعتدال کی راہ اختیار کی ہے۔ نہ تو وہ سرمایہ داری نظام کی طرح بے قید ذاتی ملکیت کا حامی ہے اور نہ اشتراکیت کی طرح تمام حقوق ملکیت حکومت کے حوالے کرتا ہے۔ اسلام کائنات کی ہر چیز کو اللہ کی ملکیت قرار دیتا ہے اور اس میں تمام انسانوں کو برابر کا حصہ دار قرار دیتا ہے۔ ہر شخص خدا کی پیدا کردہ اشیاء کو حاصل کرنے اور ان سے فائدہ لینے کا مجاز ہے۔ گویا کائنات کی کوئی شے فی حد

ذاتہ کسی کی ملکیت نہیں ہے بلکہ ہر شے لوگوں کے درمیان مشترکہ مملوکہ ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

قَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا (حٰمٓ السجدہ ۴۱: ۱۰) یعنی ہم نے زمین میں سے سب انسانوں کے لئے کھانے پینے کے سامان پیدا کر دیئے ہیں۔

تمام انسان جو حاجت مند ہیں ان میں برابر کے حصہ دار ہیں سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ (حٰمٓ السجدہ ۴۱: ۱۰)

اسلام چونکہ ایک فطری اور امن کا دین ہے اس لئے اس نے رفع نزع اور حصول انتفاع کے لئے پابندیوں کے ساتھ ذاتی ملکیت کو تسلیم کیا ہے۔ اصول اشتراکیت کے بیان کرنے میں اسلام نے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ تمام اشیاء کا حقیقی مالک تو اللہ تعالیٰ کو ہی سمجھو لیکن چند پابندیوں کے ساتھ جو حقوق ملکیت اللہ تعالیٰ نے تمہیں بخشے ہیں ان کو پورا کرو۔ اگر تم نے ان پابندیوں کو پورا نہ کیا تو وہ ذاتی ملکیت زمین میں فساد کا موجب بنے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کہیں اس ذاتی ملکیت کو فضل[1]، کہیں حسنہ[2]، کہیں طیبہ[3]، کہیں زینۃ[4]، کہیں ذریعہ قیام[5] فرمایا۔ اور اس کے برعکس اس ذاتی ملکیت کو متاع الغرور[6] اور کہیں فتنہ[7] کے الفاظ سے پکارا ہے۔

**انفرادی ملکیت اور پابندیاں** لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ (نساء ۴: ۳۲) مردوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں اور عورتوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں۔

وَإِنْ آتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا

اور تم اسے سونے کا ڈھیر دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ نہ لو۔ (النساء ۴: ۲۰)

وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ (البقرہ ۲: ۲۷۹) اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لئے تمہارے اصل مال ہیں۔

وَآتُوهُم مِّن مَّالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ (النور ۲۴: ۳۳) اور ان کو اللہ کے مال سے جو اس نے تمہیں دیا کچھ دو۔ وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَ

---

[1] لِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (۱۶: ۴۱)

[2] رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (۲: ۲۰۱)

[3] يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ (۲: ۱۷۲)

[4] يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف ۷: ۳۱)

[5] الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا (۴: ۵)

[6] وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ (۳: ۱۸۵)

[7] وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (۸: ۲۸)

اَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا اور تمہیں ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا وارث بنایا اور ایسی زمین کا بھی جس پر تم نے قدم نہیں رکھا۔ (احزاب ۳۳: ۲۷)

یہ قرآنی آیات اشتراکیت کے خلاف انفرادی ملکیت کو جائز تسلیم کرتی ہیں۔

**اکتساب مال پر شرعی پابندیاں:۔**

ا۔ سودی کاروبار خواہ کسی شکل میں ہو حرام قرار دیا۔ ارشاد الٰہی ہے: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (بقرہ ۲: ۲۷۵) اور اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت کو جائز قرار دیا ہے اور سود کو حرام۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

ان کل ربا موضوع ولکن لکم رؤس اموالکم[1] یعنی ہر قسم کا سود ساقط ہے مگر اصل رقم تمہاری ہے۔

مسلم میں حدیث ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربٰوا وموکلہ وشاھدیہ وکاتبہٗ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے پر کھلانے والے پر گواہوں پر اور اس کے کاتب پر لعنت فرمائی ہے۔

ب۔ جوا کے ذریعہ مال و دولت کمانا حرام ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (مائدہ ۵: ۹۰) شراب اور جوا اور بت اور پاسے ناپاک کام صرف شیطان کے عمل سے ہیں سو ان سے بچو تاکہ تم کامیاب ہو۔

ج۔ جن چیزوں کا کھانا پینا حرام ہے ان کی خرید و فروخت بھی ناجائز ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (البقرہ ۲: ۲۱۹) ——— مجھ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ دو کہ ان دونوں میں بڑی برائی ہے اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں اور ان کی برائی ان کے فائدے سے بڑھکر ہے۔

لایحل ثمن شیء لا یحل اکلہ وشربہ[2]۔ یعنی کسی ایسی چیز کی قیمت لینا جسکا

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ج ۲۔

[2] اخرجہ الدارقطنی عن تمیم الداری

کھانا اور پینا حرام ہے جائز نہیں ہے۔

سوء الکسب اجرۃ الزمارۃ وثمن الکلب [1] یعنی گانے بجانے اور کتے کی قیمت سب سے بُرا کسب ہے۔

دولت کمانے کے لئے وہ تمام طریقے ناجائز اور حرام ہیں جن سے دوسرے افراد یا سماج کو نقصان پہنچتا ہو۔ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (النساء ۴: ۲۹) اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ ہاں اگر آپس کی رضامندی سے تجارت ہو تو اس میں کھا سکتے ہو۔ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ اِنِّیْٓ اَرٰىكُمْ بِخَیْرٍ وَّاِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ (ہود ۱۱: ۸۴) اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ دیانتی کی وجہ سے تم خوش حال ہو میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب کا ایسا دن نہ آجائے جو سب پر چھا جائے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپنے اور تولنے والوں سے فرمایا کہ تم لوگوں کے متعلق ایسی دو چیزیں کی گئی ہیں جن کی وجہ سے پہلی امتیں ہلاک ہوگئی تھیں۔ (ترمذی ابواب البیوع)

بڑی خیانت والا وہ حاکم ہے جو اپنی رعایا میں تجارت کرے۔ (کنوز الحقائق طبرانی)

**دولت جمع رکھنے کے متعلق پابندی:** اکتناز (دولت جمع کرنا) احتکار (ذخیرہ اندوزی) ممنوع ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے: وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ اور وہ لوگ جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خبر دو۔ (التوبہ ۹: ۳۴)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْمُحْتَكِرُ مَلْعُوْنٌ احتکار کرنے والا ملعون ہے۔ (ابن ماجہ)

"جو شخص چالیس دن تک غلہ اس نیت سے ذخیرہ کر کے رکھے تاکہ نرخ بڑھ جائے تو وہ شخص گویا خدا سے بیزار ہوگیا اور خدا نے بھی اس سے اپنا تعلق منقطع کر لیا۔" (تیسیر الوصول ج ۱)

**دولت کے ناجائز استعمال اور تصرف پر پابندیاں:**

اسلام نے دولت کے استعمال پر پابندیاں عائد کی ہیں:۔

---

[1] ابو بکرہ بن مقسم عن ابی ہریرۃ۔

**اسراف اور تبذیر کی ممانعت:۔** كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ (الاعراف: ۳۱) کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو کیونکہ بے شک اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۱۷:۲۶،۲۷ فضول خرچی نہ کرو کیوں کہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کھاؤ پیو اور صدقہ کرو مگر اس میں اسراف یا گھمنڈ نہ ہو۔[1]

اور ابن عباسؓ نے کہا: اسراف اور غرور سے اجتناب کرتے ہوئے جو دل چاہے کھاؤ اور جو چاہو پہنو۔[2]

مغیرہؓ بن شعبہ نے کہا ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اللہ نے تمہارے لئے تین چیزوں کو ناپسند فرمایا ہے: قیل و قال کرنا، مال ضائع کرنا اور کثرت سے سوال کرنا۔[3]

اسراف اور تبذیر کا لازمی نتیجہ لذت اندوزی، تنعم اور عیش کوشی ہے۔ اسلام نے عیش کوشی سے منع فرمایا ہے کیونکہ عیش کوشی معاشرہ میں فساد اور خلل ڈالتی ہے۔ حضرت معاذؓ بن جبل روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں یمن بھیجا تو فرمایا: خبردار! عیش کوشی سے اجتناب کرنا کیونکہ اللہ کے بندے عیش کوش نہیں ہوتے۔[4]

**تقسیم دولت کے شرعی مدات:** اب تک یہ بحث کی گئی ہے کہ دولت کس طرح کمائی جاتی اور کس طرح خرچ کی جائے اب اختصار کے ساتھ یہ بحث کی جائے گی کہ جائز طریقے سے جو دولت جمع کی جائے اس کو بھی تقسیم کرنے کے لئے اسلام نے کیا تعلیم دی ہے۔

**صدقات:۔** اسلام میں صدقات دو قسم کے ہیں۔ ایک لازمی خیرات ہے جس کا نام اسلامی اصطلاح میں زکوٰۃ ہے جو ہر سال ادا کی جاتی ہے۔ اس کا نصاب حدیث اور فقہ کی کتب میں تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔

دوسری قسم کی خیرات طوعی ہے، یعنی ایک دولت مند جتنا چاہے غرباء اور مساکین کو دے۔

قسم اول کے متعلق قرآن مجید میں آتا ہے: خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا (توبہ ۹: ۱۰۳) کہ ان کے مالوں سے زکوٰۃ لو تاکہ تو انہیں پاک صاف کرے۔

دوسری جگہ آتا ہے: وَوَيْلٌ لِلْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ حٰمٓ السجدہ آیت ۶، ۷ اور ہلاکت ہے ان مشرکوں کے لئے جو زکوٰۃ نہیں دیتے۔

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ (البقرہ ۲: ۴۳) اور نماز قائم کرو

---

[1] بخاری کتاب اللباس
[2] مشکوٰۃ المصابیح باب فضل الفقراء
[3] بخاری کتاب الزکوٰۃ باب قولہ تعالیٰ لا یسئلون الناس الحافا

کر اور زکوٰۃ دو

طوعی خیرات کے متعلق ارشاد الٰہی ہے: وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً (فاطر، ۴) اور اس سے جو ہم نے انہیں دیا چھپ کر اور علانیہ خرچ کرو۔

ورثہ:۔ قرآن مجید نے متوفی کے سب سے قریبی ورثاء میں حصص مقرر کر دیئے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے، وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا (نساء ۴: ۳۳) ——— جو کچھ ترکہ ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں تو ان میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے حق دار ٹھہرا دیئے ہیں اور جن عورتوں سے تمہارا نکاح ہو چکا ہے پس چاہیئے کہ جو کچھ جس کا حصہ ہے اس کو دے دیا جائے اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيْبٌ مَّفْرُوْضًا (نساء ۴، ۷) مردوں کے لئے اس سے ایک حصہ ہے جو ان کے والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑیں اور عورتوں کا ایک حصہ ہے جو ان کے ماں باپ اور قریبی رشتہ دار چھوڑیں خواہ وہ تھوڑا ہو یا بہت ایک مقررہ حصہ۔

وراثت کی حکمت اللہ تعالیٰ خود بیان فرماتا ہے: كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ (الحشر ۵۹: ۷) یعنی ایسا نہ ہو کہ دولت صرف امراء میں ہی محدود ہو کر رہ جائے۔

کفارات:۔ مزید برآں دولت کے پہنچانے کا ایک ذریعہ کفارات ہیں۔ کوئی شخص بلا عمد کسی مسلمان کو قتل کر دے۔ یا قسم کھا کر اسے توڑ دے۔ رمضان کے مہینے میں روزہ رکھ کر توڑ دے۔ یا اپنی بیوی سے ظہار کرے تو اس قسم کی صورتوں میں مال کا ایک حصہ غرباء کے لئے خرچ کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

صدقۃ الفطر:۔ عید الفطر کے موقع پر صاحب نصاب لوگوں پر محتاجوں کے لئے صدقۃ الفطر دینا لازم کیا گیا ہے۔

خراج و جزیہ:۔ خراج ایک قسم کا لگان ہے جو اسلامی حکومت اپنی مملوکہ زمین پر وصول کرتی ہے۔

جزیہ وہ ٹیکس ہے جو ذمیوں سے ان کی جان و مال کی حفاظت کے لئے وصول کیا جاتا ہے۔

نفقات :۔ اسلام نے ہر انسان پر یہ فرض قرار دیا ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کی کفالت کرے۔

عشر :۔ ان اراضیات کی پیداوار پر واجب ہے جو بارش سے سیراب ہوں۔ اور اگر وہ زمین اپنی محنت سے ہوتی ہو تو کل پیداوار کا بیسواں حصّہ وصول کیا جائے گا۔

وصیّت :۔ اسلام مالک جائیداد کو یہ اجازت دیتا ہے کہ وہ جائز ورثاء کے علاوہ خیراتی کاموں کے لئے بھی وصیّت کرے۔ ارشاد الٰہی ہے : كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ (البقرہ ۲ : ۱۸۰) تم پر جب تم میں سے کسی پر موت آجائے عمدگی کے ساتھ وصیت کرنا لازمی ٹھہرایا گیا ہے اگر وہ بہت مال و دولت ماں باپ کے لئے اور قریبی رشتہ داروں کے لئے چھوڑ لے یہ پرہیزگاروں پر فرض ہے۔

وقف :۔ اسلام میں وقف کے یہ معنی ہیں کہ دائمی طور پر کسی جائیداد کو مذہبی یا خیراتی کاموں کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔

ضروریات سے زائد مال خرچ کرنے کی تعلیم :۔ مندرجہ بالا مدات میں خرچ کرنے کے بعد بھی اگر کسی کے پاس دولت بچ جائے تو اس کے متعلق قرآن مجید کا ارشاد ہے ،

وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ (البقرہ ۲ : ۲۱۹) وہ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں، کہہ دیجئے جو کچھ ضروریات اور حاجت سے زیادہ ہو۔

اجتماعی ملکیت :۔ ایسی اشیاء جو افادہ عام کے لئے ضروری ہوں اور جن پر انفرادی ملکیت ہو جانے کی وجہ سے افراد تنگی اور تکلیف محسوس کریں، ان کی اجتماعی ملکیت قرار دیا جائے گا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصولی ہدایت دیتے ہوئے فرمایا :

المسلمون شركاء في ثلث في العلو الكلاء والنار یعنی تمام مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں : پانی، گھاس اور آگ۔ (بحوالہ حجۃ اللہ البالغہ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصولی طور پر صرف تین امور کا ذکر کیا ہے۔ درحقیقت اس حدیث کا منشاء یہی ہے کہ قدرتی وسائل پیدائش جن پر انسان کی محنت نہ لگی ہو اور وہ ہوں افادہ عام کے لئے تو وہ قدرتی وسائل حکومت کی تحویل میں ہوں گے۔ ہمارے فقہاء نے بھی صرف مذکورہ اشیاء کو ہی اجتماعی ملکیت قرار نہیں دیا بلکہ اس حدیث کو اصول تقسیم کر کے مزید قدرتی وسائل پر انفرادی ملکیت کو ناجائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن قدامہ نے نمک، گندھک، مومیائی اور مٹی کے تیل کے متعلق لکھا ہے :

لانملك بالاحياء ولا يجوز اقطاعها من الناس ولا احتجارها دون المسلمين لان فيه ضرر للمسلمين وتضييقا عليهم

نہ آباد کرنے اور نہ حکومت سے جاگیر ملنے کی صورت میں ان کا کوئی مالک بن سکتا ہے اور نہ یہ امر جائز ہے کہ عام مسلمانوں کو ان اشیاء سے فائدہ حاصل کرنے سے روک دیا جائے کیونکہ اس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا اور ان پر تنگی ہوگی۔

## اسلام اور سرمایہ داری

اکتناب مال، تقسیم دولت کے لئے شرعی مدات ضروریات سے زائد مال کو خرچ کرنے کی تعلیم اور اجتماعی ملکیت سے متعلق گزشتہ بحث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام سرمایہ داری کو جائز نہیں سمجھتا۔

## اسلام اور جاگیرداری

بعض علماء نے جاگیرداری نظام کو جائز قرار دیا ہے اور اس کی دلیل یہ دی ہے کہ حضرت امام یوسف رح نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فتح عراق کے بعد کسریٰ اور اس کے خاندان اور ان لوگوں کی اراضیات جو جنگ میں مارے گئے تھے ان مجاہدین کو دے دیں جو خدمات اسلامی میں ممتاز اور رفیع مقام رکھتے تھے۔

اگر یہ علماء قطیعہ (جاگیرداری) کی تعریف، زمین کے آباد کرنے اور اس کو کرایہ پر دینے کے متعلق اسلامی تعلیم کو پیش نظر رکھتے تو وہ موجودہ جاگیردارانہ نظام کو کبھی جائز قرار نہ دیتے۔

علماء سلف نے "القطیعۃ" کی یہ تعریف کی ہے: قطیعہ وہ زمین ہے جو امام عادل کی طرف سے اس شخص کو دی جاتی ہے جو اسلامی خدمات سرانجام دینے میں ممتاز مقام رکھتا ہے"۔

اس تعریف کی رو سے جاگیر وہ جائز ہوگی جو امام عادل نے دی ہو۔ دوم جس کو عطا کی جا رہی ہے اس نے اسلامی خدمات سرانجام دی ہوں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بنی امیہ کے امراء اور شاہی خاندان کے افراد سے وہ تمام جاگیریں واپس لے لی تھیں جو انہوں نے غیر مسلموں کی زمینیں آپس میں تقسیم کر لی تھیں۔

اس سے یہ امر بھی کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ جو تقسیم عدل کی بناء پر نہ ہوئی ہو اس جاگیر کو حکومت واپس لینے کی مجاز ہے۔ بلکہ اسلامی ریاست کے سربراہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس قسم کی تمام جاگیروں کو حکومت کی تحویل میں لے لے۔

جب ہم موجودہ نظام جاگیرداری کو دیکھتے ہیں تو یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ نظام جاگیرداری کی بنیاد غیر عادلانہ اور مفسدانہ ہے۔ کیونکہ یہ جاگیر ان سب لوگوں کو کسی اسلامی خدمت کے بدلہ میں نہیں ملی بلکہ خدمات کفر کے صلہ میں ملی ہے۔

کاشت کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ واضح حکم ہے کہ جس شخص کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ زمین ہو اسے وہ خود کاشت کرے یا اپنے بھائی کو عطا کر دے یا اپنی زمین کو یونہی پڑا رہنے دے۔ آخری جملہ رسول کریم صلے تنبیہ کے رنگ میں فرمایا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہ قانون تھا کہ جو شخص تین سال تک اپنی زمین بیکار چھوڑ رکھے تو حکومت اس زمین کو اپنی تحویل میں لے لے۔ چنانچہ ابن عبیدہ اپنی کتاب "کتاب الاموال" میں لکھتا ہے:

"ایک صحابی کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین عطا کی۔ لیکن وہ اس کو آباد نہ کر سکا۔ حضرت عمر رضؓ نے ان سے وہ زمین لے لی اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دی۔"

موجودہ جاگیردار کتنے ہیں جو خود کاشت کرتے ہیں۔ خود کاشت کرتا تو ایک طرف رہا، ان لوگوں کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کی زمین کتنی ہے اور زمین کا اکثر حصہ غیر آباد پڑا رہتا ہے۔

## اسلام اور بڑی صنعت کاری

اسلام کے اقتصادی نظام کا بنیادی اصول اجتماعی مصالح ہے۔ اگر کوئی کاروبار افادہ عامہ اور اجتماعی مصالح کو مجروح کرنے والا ہو گا تو اسلامی فقہ کے اصول "داستحسان" کی رو سے اسلامی حکومت پر فرض عائد ہو جاتا ہے کہ وہ اصلاح حال کے لئے اس صنعت یا کاروبار کو انفرادی ملکیت سے نکال کر اپنی تحویل میں لے لے۔

جب اس بنیادی اصول کو سامنے رکھ کر پاکستان کے صنعتی کاروبار کو دیکھتے ہیں تو یہ بات سورج کی طرح روشن ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ ہمارا صنعتی کاروبار افادہ عامہ اور اجتماعی مصالح کو تباہ و برباد کر رہا ہے۔ بڑے بڑے صنعت کار اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے ملکی سیاست پر چھائے ہوتے ہیں۔ گویا ملک کے وہی حاکم اور وہی صنعت کار اور تاجر۔ اب پاکستان کی نہ تو ملکی سیاست پاک ہو سکتی ہے اور نہ اجتماعی مصالح محفوظ رہ سکتے ہیں جب تک حکومت تمام بڑی بڑی صنعتوں کو قومیاتی نہیں اب ملکی حالات کا یہ تقاضا ہے کہ حکومت کا سربراہ اس امر کی طرف سنجیدگی سے غور کرے تاکہ ملک امن اور ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکے۔

# اسلام اور مذہبی گدیاں

مذہبی گدیاں صرف سرمایہ داری کا منبع ہی نہیں بلکہ اخلاق سوزی اور بے حیائی کے بھی اڈے ہیں۔ قرآن مجید میں مذہبی گدیوں کی مذمت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (توبہ ۹: ۳۴)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو یقیناً بہت سے علماء اور راہب لوگوں کے مال ناجائز رنگ میں کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔

ہماری گورنمنٹ کا یہ اقدام نہایت ہی قابل ستائش ہے کہ اس نے ملک کی بے شمار گدیوں کی آمدن اور جائیداد اپنی تحویل میں لے لی ہے۔ اس طرح عوام کا روپیہ جو غلط راستہ پر ضائع ہو رہا تھا، اب وہ اجتماعی مصالح پر خرچ ہو رہا ہے۔

# اشاعتِ اسلام

متعصب عیسائی مشنریوں نے اسلام کی طرف یہ غلط الزام منسوب کیا ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں جہاد کے عنوان کے تحت لکھا ہے: "اسلام کی اشاعت بزور شمشیر عام طور پر مسلمانوں کا ایک مذہبی فریضہ ہے۔ بالفاظ دیگر جہاد صرف جنگ ہی نہیں بلکہ اسلام پھیلانے کی غرض سے تلوار اٹھانے کا نام ہے۔"

کلمین نے ریلیجن آف اسلام میں لکھا ہے:

"جہاد یعنی منکرین اسلام کے خلاف اس مقصد کے لئے جنگ کرنا کہ یا تو انہیں اسلام کے اندر جذب کر لیا جائے یا اگر وہ قبول اسلام سے انکار کر دیں تو انہیں مطیع و منقاد بنا لیا جائے اور ان کی بیخ کنی کر دی جائے۔ اور یہ کہ اسلام کی اشاعت اور اس کو تمام مذاہب پر غالب کرنا مسلمان قوم کا ایک مقدس فریضہ سمجھا جاتا ہے۔"

یہ اعتراض اسلام کی تعلیم اور تاریخی واقعات کے سراسر خلاف ہے۔ نہ قرآن مجید میں کوئی ایسی آیت ملتی ہے اور نہ کوئی ایسی حدیث صحیحہ ہے جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے دائرہ اسلام میں داخل کرنے کے لئے جبر کی تعلیم دی ہو۔ اس کے برعکس اسلام محبت اور الفت کے ساتھ پیغام حق پہنچانے کی تلقین کرتا ہے۔

# اشاعت اسلام کے متعلق قرآنی اصول

قرآن مجید میں آتا ہے۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (النحل ۱۶: ۱۲۵) اے نبیؐ اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دو اور لوگوں سے اچھے طریقہ سے مجادلہ کرو۔

قُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (بنی اسرائیل ۱۷: ۵۳) اور تو میرے بندوں کو کہہ دے کہ ان کو چاہیئے کہ وہ بڑی عمدگی اور اچھے طریقہ سے گفتگو کریں۔

لَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ (انعام ۶: ۱۰۸)

ان کو گالیاں مت دو جو اللہ کو چھوڑ کر دوسرے بتوں کو پکارتے ہیں۔

لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ (البقرہ ۲: ۲۵۶)

یعنی دین میں کوئی جبر نہیں ہے کیونکہ ہدایت کی راہ گمراہی کے مقابلہ میں واضح ہو چکی ہے۔

یہ آیات واضح طور پر بتا رہی ہیں کہ قرآن مجید نے اسلام کی اشاعت کے لئے نرمی اور محبت کی تعلیم دی اور سخت کلمات اور جبر سے روکا ہے۔

اصولی تعلیم بیان کرنے کے بعد قرآن مجید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے متبعین کو یہ ہدایت دی ہے کہ وہ لوگوں کی مرضی پر اسلام کی قبولیت کو چھوڑ دیں۔

قرآن مجید میں آتا ہے:

اِنَّ ھٰذِہٖ تَذْکِرَۃٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیْلًا (سورۃ مزمل ۷۳: ۱۹)

یعنی یہ نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کا راستہ اختیار کرے۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ (سورۃ کہف ۱۸: ۲۹)

(سورہ کہف ۱۸: ۲۹) یعنی تو کہہ دے یہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے پس جو چاہے اس کو قبول کرے اور جو چاہے اس کا انکار کر دے۔

وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ فَمَنِ اھْتَدٰی فَاِنَّمَا یَھْتَدِیْ لِنَفْسِہٖ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ (سورۃ نمل ۲۷: ۹۳) اور میں حکم دیا گیا ہوں کہ میں قرآن پڑھ کر سناؤں پس جو ہدایت پا گیا اس کا فائدہ اس کے نفس کو ہی پہنچے گا اور جو گمراہ ہو گیا پس کہہ دے میں تو ڈرانے والا ہوں۔

قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَمَنِ اھْتَدٰی فَاِنَّمَا یَھْتَدِیْ لِنَفْسِہٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْھَا وَمَآ اَنَا عَلَیْکُمْ بِوَکِیْلٍ

(سورۃ یونس ۱۰: ۱۰۸) کہہ اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آگیا پس جو ہدایت پاتا ہے پس اس کا فائدہ اس کی جان کو پہنچتا ہے اور جو گمراہ ہوتا ہے اس کا نقصان اسی کو پہنچتا ہے اور میں تم پر کارساز نہیں ہوں۔

یہ آیات صاف الفاظ میں بیان کرتی ہیں کہ انسان کو یہ کامل اختیار ہے کہ وہ چاہے اسلام کے پیغام حق کو قبول کرلے چاہے وہ رد کردے، رسولؐ کا صرف یہ کام ہے کہ وہ اس پیغام کو لوگوں تک پہنچادے۔ ارشاد الٰہی ہے: مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ (سورہ مائدہ ۵: ۹۹) یعنی رسول پر صرف پیغام کا پہنچا دینا ہے۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس الزام کا کھوکھلا پن اور بھی واضح ہوجاتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی تو مصائب و آلام سے تھی۔ آپؐ کو اور صحابہ کو ہجرت کرنا پڑی۔ مدنی زندگی اقتدار کی زندگی تھی۔ اس زندگی میں ایک مثال بھی نہیں ملتی جس کا معترضین سہارا لے کر اپنے الزام کو مضبوط بنا سکیں۔ مدینہ پر کفار نے بار بار حملے کئے۔ ہر جنگ میں مسلمانوں کا پلّہ بھاری رہا۔ دشمنوں کے قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے، آپؐ نے فدیہ لے کر یا احسان کے طور پر رہا کردیا۔ ایک مثال بھی نہیں ملتی کہ آپؐ نے کسی قیدی کو جبر و اکراہ کے ساتھ اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کی ہو۔

**اسلام کیسے پھیلا:** ۔ اسلام قرآن مجید کی روحانی تاثیر اور اس کی مقدس تعلیم کی کشش سے پھیلا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہد نبوی میں مخالفین لوگوں کو قرآن مجید کے سننے سے روکتے تھے۔ اسی طرف قرآن مجید نے اشارہ کیا ہے: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ (حٰمٓ السجدہ ۴۱: ۲۶) کفار کہتے ہیں اس قرآن کو مت سنو جب قرآن پڑھا جارہا ہو تو اس وقت شور کرو تاکہ تم غالب آجاؤ۔

تاریخ اسلام میں ایک مثال نہیں سینکڑوں مثالیں ہیں کہ اشد مخالفین قرآن مجید کی چند آیات سن کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ حضرت عمرؓ انہی لوگوں میں سے ہیں جو قرآن مجید کی چند آیات سن کر مسلمان ہوئے تھے۔

خالد بن عتبہ قرآن مجید سن کر بے اختیار بول اٹھا: وَاللّٰهِ اِنَّ لَهٗ لَحَلَاوَةً وَاِنَّ عَلَيْهِ لَطَلَاوَةً وَاِنَّ اَسْفَلَهٗ لَمُغْدِقٌ وَاِنَّ اَعْلَاهُ لَمُثْمِرٌ وَمَا يَقُوْلُ هٰذَا بَشَرٌ بخدا اس میں عجیب شیرینی ہے اس میں عجیب تر و تازگی ہے اس کی جڑیں سیراب ہیں اور اس کی شاخیں پھل سے لدی ہوئی ہیں۔ بشر تو ایسا کہہ نہیں سکتا۔

چنانچہ جان ریلیک جرمنی فلاسفر کہتا ہے:

" جب کہ قرآن پیغمبر کی زبان سے سنکر سنتے تھے تو بے تاب ہوکر سجدے میں گر پڑتے تھے اور مسلمان ہو جاتے تھے۔

**اسلام یا جزیہ یا جنگ کا مفہوم:** ۔ اسلام نے جنگ کی کب اجازت دی ہے۔ اس کا ذکر جہاد کے عنوان کے تحت ہو چکا ہے۔ یہاں ایک اور غلط فہمی کا ازالہ کرنا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ خلفاء راشدین کے عہد کی لڑائیوں کے سلسلہ میں یہ الفاظ بکثرت سامنے آتے ہیں کہ مسلمان سفراء جنگ سے قبل دشمن فوج کے سامنے تین چیزیں پیش کرتے تھے، یا اسلام قبول کرو یا جزیہ دو یا جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ان الفاظ سے مستشرقین نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اسلامی لڑائیاں محض اشاعت اسلام کے لئے تھیں۔

بعض مسلمان علماء نے بھی مستشرقین کی ہم نوائی کی ہے۔ یہ الفاظ عہد خلافت کی جنگوں میں ان سفراء کے ہیں جو دشمن قوم کے پاس خیر سگالی کا پیغام لے کر جاتے تھے۔ اگر خلفاء راشدین کے ان خطبات کا مطالعہ کیا جائے جو انہوں نے سریر خلافت پر بیٹھتے ہی دیئے تھے تو واضح ہوتا ہے کہ وہ قرآن کریم اور سنت نبوی ؐ کی پیروی کو اپنے لئے کتنا ضروری قرار دیتے تھے۔ جب کہ قرآن مجید کی تعلیم اور سنت نبوی ؐ جارحانہ لڑائیوں کے خلاف ہے۔ پھر وہ ایسے راستہ پر کیوں کر چل سکتے تھے جس پر چلنے سے قرآن مجید اور رسول ؐ کی مخالفت ہو۔

اس کے علاوہ اگر تاریخی واقعات کو بھی سامنے رکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ خلافت اسلامیہ کی جنگیں جارحانہ نہ تھیں۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب عرب میں بغاوت کی آگ پھیل گئی تو حضرت ابوبکر رضؓ اس آگ کے بجھانے میں مصروف تھے۔ ایران اور روم کی حکومتوں نے روپے اور آدمیوں کے ذریعے باغیوں کی کھلم کھلا امداد کی، چنانچہ ڈبلیو میور لکھتا ہے:

" چالڈیا اور جنوبی سیریا فی الحقیقت عرب میں شامل تھے۔ جو اقوام اس علاقہ میں آباد تھیں ان میں کچھ تو بت پرست اور زیادہ تر (گو برائے نام ہی سہی) عیسائی تھے۔ وہ عرب نسل کا ایک جزو لاینفک تھے اور اس وجہ سے بلاواسطہ نئے مذہب کے خلقہ اثر میں تھے۔ لیکن جب سرحد پر مسلمانوں سے یہ قومیں متصادم ہوئیں تو ان کے اپنے اپنے ہم مذہب حاکموں نے ان کی امداد کی۔ مغربی علاقہ میں رہنے والوں کی قیصر نے مدد کی اور مشرقی علاقہ میں رہنے والوں کی خسرو نے مدد کی۔ اس طرح یہ کشمکش زیادہ بڑھ گئی "[1]

ایران اور روم دونوں نے ہی مسلمانوں پر حملہ کرنے میں سبقت کی۔ اس کا آغاز رسول کریم ؐ

---

[1] دی کیلیفیٹ ص ۴۶۱۔

کے عہد میں ہو چکا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود رومیوں کے حملہ کی خبر سن کر رجب ۹ھ ہجری کو تیس ہزار کا لشکر لے کر مدینہ سے تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ لیکن مسلمانوں کا لشکر جرار دیکھ کر رومی مقابلہ پر نہ آئے۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ جبراً مسلمان بنانا ہوتا تو آپؐ روم کی سرحد میں داخل ہو جاتے اور تلوار کے زور سے دشمن قوم کو مسلمان بنا لیتے۔ لیکن آپؐ کا مقصد صرف سرحدوں کا دفاع تھا۔ اس وجہ سے جب دیکھا کہ دشمن مقابلہ پر نہیں آیا تو آپؐ بغیر جنگ کے واپس آ گئے۔

عہد خلافت میں جب بھی ان بڑی سلطنتوں کے جرار لشکر کا مسلمانوں کے قلیل لشکر کے ساتھ مقابلہ ہوا، تو ہر میدان میں ان کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ ہر شکست ان کے جوش انتقام کو اور بڑھا دیتی اور زیادہ تیاری کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے۔

چونکہ مسلمانوں کی زندگی خطرے میں تھی۔ مزید برآں مسلمانوں کا امن اور سکون ان سلطنتوں کے بار بار حملہ آور ہونے کی وجہ سے برباد ہو چکا تھا۔ اس وجہ سے بین الاقوامی اصول کے ماتحت کوئی اور چارہ نہ تھا کہ ان بڑی سلطنتوں کے غرور کو خاک میں ملایا جاتا اور ان کی طاقتوں کو پاش پاش کیا جاتا، تاکہ وہ دوبارہ اسلامی علاقہ پر حملہ آور نہ ہو سکیں اور مسلمان امن کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔ قرآن مجید اس حد تک لڑائی کی اجازت دیتا ہے کہ فتنہ باقی نہ رہے[1]

کتنی پیاری تعلیم ہے کہ اسلام اس وقت تک جنگ لڑنے کی اجازت دیتا ہے جب تک امن سوز محرکات ختم نہیں ہو جاتے۔ امن سوز محرکات کو ختم کرنا بین الاقوامی اصول کے تحت ضروری ہے۔

**اسلامی جنگوں میں عیسائیوں کا شریک ہونا:** اسلامی جنگوں میں صرف مسلمان ہی شریک نہیں ہوتے تھے بلکہ عیسائی فوجیں بھی اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے لئے مسلمانوں کے دوش بدوش لڑتی تھیں۔ اگر جنگوں کی غرض صرف جبراً مسلمان بنانا ہوتا تو وہ اپنے لشکر میں عیسائیوں کو کیسے شریک کرتے۔

بعض مفتوحہ علاقوں نے نہ اسلام قبول کیا نہ جزیہ دیا، بلکہ اس شرط پر صلح کی کہ وہ بھی مسلمانوں کے ساتھ مل کر دشمن کے خلاف لڑائی لڑیں گے۔ مثلاً فتوحات شام میں اہل جرموؔ اور فتوحات ایران میں رئیس جرجان اور باب کے رئیس نے جزیہ کی بجائے فوجی امداد پر صلح کر لی۔

---

[1] هُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (۲: ۱۹۳) اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔

یہ تمام تاریخی حقائق اسلام یا جزیہ یا تلوار کے اس غلط مفہوم کو باطل کرتے جو معترضین نے سمجھ رکھا ہے۔

صحیح مفہوم:۔ گزشتہ بحث سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ نہ تو اسلام جبراً منوایا گیا ہے اور نہ عہد خلافت میں سفراء نے جنگ کرنے سے پہلے مخالفوں کو یہ پیغام اس رنگ میں دیا تھا کہ یا تو اسلام قبول کرو یا جزیہ دو یا جنگ کے لئے تیار ہوجاؤ۔ اسلام یا جزیہ یا جنگ کا مفہوم ان آیات کے تابع متعین کرنا ہوگا:

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا (بقرہ ۲:۱۹۰)

یعنی اے مسلمانو! اللہ کے راستہ میں ان لوگوں سے لڑائی لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا (حج ۲۲:۳۹) ان لوگوں کو لڑائی کی اجازت دی گئی ہے جن پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے گئے ہیں۔

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ (توبہ ۹:۱۱) اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔

اسلام جنگ میں بنی نوع انسانوں کے لئے رحمت بن جاتا ہے اور مسلمانوں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ زیادتی کرنے والے دشمن کے خلاف جوابی کارروائی کرنے کی بجائے اسلام کی تعلیم پیش کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ سفراء دشمن کے سامنے پہلے اپنی پستی اور بداخلاقیوں کا ذکر کرتے تھے، پھر اس روحانی انقلاب کا ذکر کرتے تھے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ظہور پذیر ہوا تھا۔ اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو دشمن کی تمام زیادتیوں اور ظلم وستم کے افعال کو نسیاً منسیاً کردیا جائے اور انکو اپنے حلقہ اخوت میں شامل کرلیا جائے۔ اگر وہ دائرہ اسلام میں داخل نہ ہوں تو پھر انکے سامنے جزیہ پیش کیا جائے۔ اگر وہ جزیہ دینے سے بھی انکار کردیں تو پھر اپنے دشمن کی زیادتیوں سے بچنے کے لئے اور اسلامی سرحدوں کی حفاظت کیلئے جنگ کیجائے۔ لیکن جنگ میں یہ بات سامنے رہنی چاہیئے کہ ان پر جوش غضب کی وجہ سے زیادتی نہ ہو۔

پس اسلام یا جزیہ یا جنگ کا وہ مفہوم نہیں ہے جو معترضین نے سمجھا ہے بلکہ اسکی صرف یہ حقیقت ہے کہ جنگ سے حتی الامکان بچا جائے تاکہ انسان کے مقدس خون سے زمین سرخ نہ ہو۔ جنگ سے بچاؤ کی بہترین تدبیر یہی ہے کہ دشمن بھی دین رحمت کو مان لے تاکہ ایک دوسرے سے کامل اطمینان حاصل ہوجائے۔ اگر اسلام قبول نہ کریں تو جزیہ دیں، اس سے بھی دشمن کی طرف سے اطمینان ہوجاتا ہے۔ جب دونوں شرائط مسترد ہوجائیں تب دشمن کی طاقت کو توڑنے کے لئے جنگ کی جائے۔ اگر آخری مرحلہ پر جنگ نہ کی جائے تو دنیا سے امن وامان بالکل اٹھ جائے گا۔ اس مرحلہ پر جنگ کرنا بقاء امن کے لئے ضروری ہے۔

# اسلامی فرقے

## شیعہ

شیعہ مذہب کی ابتداء اور مصادر کے متعلق مورخین اور علماء میں اختلاف ہے۔ پروفیسر ڈوزی کے نظریہ کے مطابق شیعیت ایران اور فارس کی پیداوار ہے۔ جس طرح اہل ایران خاندانی بادشاہت کے معتقد تھے اسی طرح اہل تشیع خاندانی امامت و خلافت کے قائل ہیں۔

بعض مستشرقین کا یہ خیال ہے کہ مسلک یہودیت سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔ امام شعبی رح اور امام ابن حزم رح نے شیعہ مذہب کو اس امت کے یہود قرار دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شیعہ مسلک نہ تو ایرانی پیداوار ہے اور نہ یہودیت سے ماخوذ بلکہ شیعیت کا تخم وہ صحابہ کی جماعت ہے جو حضرت علی رض کو خلافت کی زیادہ حق دار سمجھتی تھی۔ ان میں سے مشہور حضرت عباس رض، حضرت ابوذر غفاری رض، حضرت مقداد رض بن اسود، حضرت عمار رض بن یاسر رض اور حضرت سلمان فارسی رض تھے۔ جابر بن عبداللہ۔ ابی بن کعب۔ حذیفہ اور دیگر بہت سے صحابہ تھے۔ اس جماعت کا حضرت علی رض کو کسی پہلو میں افضل جاننے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ نعوذ باللہ خلفاء ثلاثہ کو غاصب تصور کرتے تھے۔ بلکہ تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ سب صحابہ نے خلفاء ثلاثہ کی بیعت کا جوا اپنی گردن پر رکھ لیا تھا۔ اور حضرت علی رض نے تینوں خلفاء کی برضا و رغبت بیعت کی اور ان کے ممد و معاون رہے۔

اس دور کے بعد حضرت علی رض کے افضل ہونے کے تصور نے بہت ہی اہمیت حاصل کر لی۔ اس تصور پر ایک فرقہ کی عمارت کھڑی ہوئی۔ چنانچہ شیعان علی کہتے ہیں کہ "امامت ان مصالح عامہ میں سے نہیں ہے جسے امت کی فکر و نظر کے سپرد کر دیا جائے اور جو امت کے متعین کر دینے سے متعین ہو جائے۔ بلکہ یہ تو دین کا رکن اور اسلام کی بنیاد ہے نبی کے لئے جائز ہی نہیں کہ وہ اسے یونہی چھوڑ جائے اور امت کے حوالے کر جائے بلکہ نبی کا فریضہ ہے کہ وہ امت کے لئے ایک امام کو مقرر کر کے جائے وہ امام کبائر و صغائر سے معصوم ہونا چاہیئے۔ رسول اللہ صلعم نے حضرت علی رض کو امامت کے لئے متعین فرما دیا تھا۔ اس مقصد کے لئے وہ چند نصوص بھی نقل کرتے ہیں اور ان کی تاویلیں اپنے مذہب کے مطابق کرتے ہیں مگر یہ نصوص ایسی ہیں جن کو نہ علمائے حدیث پہچانتے ہیں اور نہ ناقلین شریعت۔ ان میں سے زیادہ تر موضوع اور سندات کے اعتبار سے مطعون یا انکی فاسد تاویلات سے بہت ہی بعید ہیں۔[1]

---

[1] مقدمہ ابن خلدون

## شیعیت کا آغاز:

حضرت عثمان رضؓ کے عہد خلافت میں عبداللہ بن سبا یہودی نے اسلام کا لبادہ اوڑھکر اس خیال کو ہوا دینی شروع کی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد حضرت علی رضؓ کی خلافت کی وصیت کی تھی۔ ساتھ ہی حضرت عثمان رضؓ اور ان کے عمال کے خلاف پراپاگنڈہ شروع دیا۔ آخر سبائی تحریک حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کا سبب بنی اور ان کی شہادت کے بعد حضرت علی رضؓ کو خلیفہ بنالیا گیا۔ امت نے حضرت علی رضؓ کو خلیفہ اس وجہ سے منتخب نہیں کیا تھا۔ کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی تھے بلکہ اس وجہ سے منتخب کیا تھا کہ زندہ صحابہ میں خلافت کے سب سے زیادہ اہل تھے۔

حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کے ساتھ ہی امت مسلمہ میں اختلاف اور انتشار اور خانہ جنگیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس نازک دور میں حضرت علی رضؓ نے نہایت ہی تدبر اور ہوشمندی سے کام لیا۔ افتراق اور انتشار کو ختم کرنے کی سعی کی۔ چونکہ شہادت نے مسلمانوں میں غلط فہمیاں اور رنجشیں پیدا کردی تھیں اور قبائلی جذبات بھڑک اٹھے تھے، اس وجہ سے اسلامی سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک حصہ کے امیر حضرت معاویہ رضؓ ہوگئے اور دوسرے کے امیر اور خلیفہ حضرت علی رضؓ۔ امیر معاویہ رضؓ کے طرفدار شیعان معاویہ کہلانے لگے اور حضرت علی رضؓ کے طرف دار شیعان علی رضؓ۔ مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ شیعان علی پر مذہبی رنگ چڑھنا شروع ہوگیا، اور کچھ اصول اور عقائد مرتب کر لئے۔

## اصول شیعہ

۱۔ امامت:۔ امامت وہ امتیازی اصول ہے۔ جو شیعہ فرقہ اور دوسرے اسلامی فرقوں کے درمیان حد فاصل ہے۔ محمد حسین آل کاشف الغطاء ابن حسن نجفی امامت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "امامت و منصب الٰہی ہے جو نبوت کی طرح پروردگار عالم کی جانب سے ہدایت خلق کے لئے عطا ہوتا ہے"[۱]

۲۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ امام معصوم عن الخطا ہوتا ہے۔

۳۔ تیسرا اصول یہ ہے کہ امام کی معرفت جزو ایمان ہے۔

۴۔ چوتھا اصول یہ ہے کہ امامت کے حق دار صرف حضرت علی رضؓ اور ان کی اولاد ہے۔

۵۔ پانچواں اصول یہ ہے کہ امام کا انتخاب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

امامت کیا ہے:۔ اہل تشیع کا اصل الاصول اور مرکزی نقطہ "امام" ہے۔ امام کا کیا مقام ہے

---

[۱] اصل واصول شیعہ صـ۲۔

اس کے متعلق شیعوں کی مشہور کتاب اصول کافی مرتبہ محمد بن یعقوب کلینی سے وضاحت کی جاتی ہے۔
رسول اور امام میں یہ فرق ہے کہ رسول کے پاس جبریل امین وحی لے کر آتے ہیں تو وہ انہیں دیکھتے ہیں ان سے بات چیت کرتے ہیں لیکن امام کے پاس فرشتے وحی لے کر آتے ہیں وہ ان سے باتیں کرتا ہے مگر انہیں دیکھ نہیں سکتا۔

ابو حمزہ سے مروی ہے کہ امام جعفر نے فرمایا کہ اللہ کی اطاعت وہی کرتا ہے جو اس کی معرفت رکھتا ہے اور جو معرفت نہیں رکھتا وہ یونہی گمراہی سے اس کا پرستار بنا ہوا ہے۔ میں نے پوچھا گمراہی سے آپ کی مراد کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ عزوجل کی تصدیق، حضرت علی کی موالات اور ان کی پیروی۔ آئمہ ہدیٰ کی پیروی اور ان کے دشمنوں سے اللہ کے سامنے برات ان چیزوں کا نام ہے اللہ کی معرفت۔

امام جعفر نے فرمایا کہ ہم علم الٰہی کے خزانہ دار ہیں اور وحی الٰہی کے ترجمان۔ جو لوگ زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے ہیں ان سب پر ہم اللہ کی حجت ہیں۔

امام گناہوں سے معصوم اور عیبوں سے بری ہوتا ہے۔ لوگوں نے سخت غلطی کی اور جھوٹ گھڑا کہ جان بوجھ کر اہل بیت کو چھوڑا اور اللہ و رسول کے انتخاب سے منہ موڑا۔ امام جعفر نے فرمایا کہ ہم شجر نبوت اور رحمت کا گھر ہیں اور علم کا معدن، رسالت کا مقام اور ملائکہ کی آمد و رفت کا موقعہ ہیں۔ اللہ کے بندوں کے پاس ہم اللہ کی امانت ہیں ہم اس کے حرم اکبر ہیں اور ہم اس کا ذمہ دار عہد ہیں جس نے ہمارا عہد پورا کیا۔ اس نے اللہ کا عہد پورا کیا اور جس نے ہمارا عہد توڑا اس نے اللہ کا عہد توڑا۔ آئمہ کے پاس وہ ساری کتابیں ہیں جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئیں اور وہ ان سب کو باوجود زبانوں کے اختلاف کے سمجھتے ہیں پھر اللہ نے آئمہ کو اس کتاب کا وارث بنایا جس میں ہر شے کی تصریح ہے۔ مکمل قرآن سوائے آئمہ کے کسی کے پاس نہیں ہے اور وہی اس کا پورا علم رکھتے ہیں۔ جو شخص یہ دعوے کرے کہ اس نے پورا قرآن جمع کر لیا ہے وہ جھوٹا ہے۔ کسی نے اس کو جس طرح پر وہ نازل ہوا نہ جمع کیا نہ حفظ کیا سوائے علی ابن طالب اور ان آئمہ کے جو ان کے بعد ہیں آئمہ کے پاس اسم اعظم ہے۔ اور وہ حفر بھی رکھتے ہیں جو چمڑے کا ایک تھیلا ہے۔ جس میں انبیاء کرام و اولیاء عظام نیز گذشتہ انبیاء و علماء بنی اسرائیل کے تمام علوم ہیں۔ ان کے پاس مصحف فاطمہ ہے اور اس میں تمہارے قرآن کا ایک حرف بھی نہیں ہے۔

آئمہ جب کسی شے کا علم چاہتے تو اللہ ان کو بتلا دیتا ہے وہ جانتے ہیں کہ کب مریں گے اور جب مرتے ہیں تو اپنے اختیار سے مرتے ہیں۔

جو کچھ پیدا ہوا۔ یا ہونے والا ہے آئمہ سب کا علم رکھتے ہیں۔ اور ان کے سامنے کوئی چیز مخفی

نہیں رہتی۔ اللہ نے اپنے رسول کو کوئی علم نہیں سکھایا مگر یہ کہ ان کو حکم دیا کہ امیرالمومنین علیؓ کو سکھلادیں۔ اس لئے وہ علم میں نبی کے شریک تھے۔ پھر یہ تمام علوم آئمہ کو ملے۔

اللہ نے آئمہ کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور ان کی نافرمانی سے منع کیا ہے وہ بمنزلہ رسولوں کے ہیں بجز اس کے نبی نہیں ہیں۔

اللہ، رسول نے ہر ایک امام کی یکے بعد دیگرے تصریح کردی ہے ہر امام اپنے بعد کے امام کو امامت سپرد کردیتا ہے اور اس کے لئے ایک ملفوف کتاب اور پاک وصیت نامہ چھوڑ جاتا ہے۔ جس میں آدم کی تخلیق سے لے کر دنیائے عالم تک جو ضرورتیں پیش آنے والی ہیں۔ سب کا حل ہے۔ امام کے لئے غیبت بھی ہے جب اس کی غیبت کی خبر سنو تو انکار نہ کرو اور بارہویں امام غائب میں وہی مہدی ہیں جو روئے زمین کو جب وہ ظلم و ستم سے بھر جائے گی عدل و انصاف سے بھر دیں گے"۔

فرقہ امامیہ اثنا عشریہ:۔ اس فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے متعلق خلافت کی وصیت کی تھی۔ پھر ان کے بعد امامت فاطمی اولاد میں ہی محصور ہے اور آئمہ کو معصوم عن الخطا اور ان کی معرفت اصول ایمان مانتے ہیں۔ یہ فرقہ بارہ ائمہ کا قائل ہے۔ ان کا سلسلہ امام غائب تک پہنچتا ہے۔ شیعہ اثنا عشریہ کے نزدیک سب سے زیادہ مشہور مجتہد حضرت امام جعفر صادق ہیں اس فرقہ کی فقہ ان ہی کی طرف منسوب ہے۔ اس فرقہ کے بارہ امام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت علی بن طالب (م ۲۰ رمضان ۴۰ھ)
۲۔ حضرت امام حسن (م ۵۰ھ)
۳۔ حضرت امام حسین (م ۶۱ھ)
۴۔ حضرت علی زین العابدین (م ۹۴ھ)
۵۔ امام ابو جعفر محمد باقر (م ۱۱۳ھ)
۶۔ امام ابو عبداللہ جعفر صادق (م ۱۴۸ھ)
۷۔ امام موسیٰ کاظم (م ۱۸۳ھ)
۸۔ امام ابوالحسن علی رضا (م ۲۰۲ھ)
۹۔ امام ابو جعفر محمد جواد (م ۲۲۰ھ)
۱۰۔ امام علی ہادی (م ۲۵۴ھ)
۱۱۔ امام ابو محمد حسن عسکری (م ۲۶۰ھ)
۱۲۔ امام محمد (مہدی منتظر) ۲۶۰ھ میں غائب ہوئے۔

[۵] طلوع اسلام اپریل مئی ۱۹۵۸ء)

شیعہ زیدیہ :- یہ فرقہ پانچویں امام حضرت زید بن علی کی امامت کے قائل ہیں۔ یہ گروہ اہل سنت والجماعت کے قریب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام زید واصل بن عطا کے شاگرد تھے اور ان پر ان کی تعلیم کا اثر تھا۔ یہ فرقہ خلفاء ثلاثہ کی امارت کا قائل ہے۔ ان کے نزدیک افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت جائز ہے۔

اس فرقہ کے نزدیک ایک ہی وقت میں دو مختلف علاقوں میں الگ الگ دو امام ہو سکتے ہیں۔ زیدیہ کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب ابدی جہنمی ہے تاوقتیکہ وہ توبۃ النصوح نہ کرے۔

شیعہ اسماعیلیہ :- یہ فرقہ اسماعیلؒ کی امامت کا قائل ہے۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ امام جعفر صادق کے بیٹوں میں سے امامت موسیٰؒ کاظم کی طرف منتقل نہیں ہوئی، بلکہ اسماعیل امام ہوئے۔ ان کی نسبت کی وجہ سے یہ فرقہ اسماعیلیہ کہلاتا ہے۔ اس فرقہ کو باطنیہ بھی کہا جاتا ہے۔

اس فرقہ کے نزدیک امام کسی کے سامنے جوابدہ نہیں، خواہ وہ کیسے ہی افعال کرلے، کوئی انگشت نمائی نہیں کر سکتا۔

ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ امام کا ظاہر ہونا ضروری نہیں، وہ غائب اور مستور بھی ہوتا ہے۔ لیکن ہر حالت میں اس کی پیروی لازمی ہے۔

شیعیت کے عناصر :- جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ شیعیت کی ابتداء چند صحابہ کے اس نظریہ سے ہوئی جو حضرت علی کو ان کی صفات کی وجہ سے خلافت کا زیادہ اہل تصور کرتے تھے۔ وہ لوگ واقعی خلوص اور نیک نیتی سے یہ نظریہ رکھتے تھے اور وہ حضرت علیؓ کے ساتھ خلوص اور محبت رکھتے تھے۔ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد وہ لوگ بھی اس فرقہ میں شامل ہو گئے تھے جو اموی اور عباسی حکومتوں سے خوش نہ تھے قبائل عرب کا وہ طبقہ بھی شیعوں کے ساتھ مل گیا جو قدیم سے بنوامیہ کے خلاف تھا۔ اسی طرح موالی بھی اس فرقہ کے حامی بن گئے۔ اس فرقہ کو سب سے زیادہ تقویت اہل ایران نے دی تھی۔ کیونکہ بنوامیہ کے دور میں اہل ایران کے ساتھ عربوں کے مساوی برتاؤ نہیں کیا جاتا تھا۔

شیعیت کی روح :- شیعیت کی روح حبِ آل بیت ہے جیسا کہ پہلے یہ ذکر ہو چکا ہے کہ کچھ صحابہ حضرت علیؓ کو خلافت کا زیادہ حق دار سمجھتے تھے انہی میں یہ ایک سادہ سا نقطہ نگاہ تھا۔ حضرت عثمانؓ کے دور میں اس خیال نے زیادہ شدت اختیار کر لی۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد جب بنوامیہ برسر اقتدار آ گئے۔ تو انہوں نے اہل بیت پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھانے شروع کرائے اور سانحہ کربلا کے بعد حبِ آل بیت پر ایک تحریک اٹھ کھڑی ہوئی جس کو عوام کی زبردست تائید حاصل ہو گئی۔ بنوامیہ کے دور میں حبِ آل بیت پر کئی آدمی اٹھے اور انہوں نے

حکومت سے ٹکر لی اور آخر یہی روح بنوامیہ کے زوال کا باعث بنی۔ اسی روح پر شیعہ فرقہ کے عقائد اور فلسفہ کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ اسی روح نے بعض غلط عقائد کو بھی جنم دیا مثلاً حضرت علیؓ کی الوہیت کا عقیدہ۔ عقیدہ رجعت (حضرت علیؓ دوبارہ اس دُنیا میں آئیں گے اور اس دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے) اسی سے آئمہ کے غائب اور مخفی ہونے کا عقیدہ بھی پیدا ہوا

علم غیب (حضرت علی کو ہر چیز کا علم تھا) وغیرہ گویہ عقائد غلو پسند شیعیوں کے ہیں۔ اور شیعہ کے بڑے بڑے علماء ان غلوانہ عقائد کی تائید نہیں کرتے۔ یہ تحریک اپنے دور کی ایک طبعی اور قدرتی تحریک تھی۔ اس تحریک نے مصائب و آلام کے طوفانوں میں آل بیت کے تقدس کی مقدس امانت کو بعد کی نسلوں تک پہنچایا۔ اگر یہ تحریک پیدا نہ ہوتی تو نامعلوم آل بیت کی تاریخ ہم تک کن کن الفاظ میں پہنچتی۔ اس تحریک کو نہ صرف مذہبی اہمیت حاصل ہے بلکہ اس تحریک نے تاریخ کے ان اوراق کو بھی محفوظ رکھا۔ جس کو بنوامیہ اور بنو عباس نے ختم کرنے کی ہر ممکن سعی کی۔

## خوارج

خوارج وہی گروہ ہے جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کیا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد بظاہر حضرت علیؓ کی بیعت کر لی تھی اور خلیفہ وقت کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ ایک الگ جماعت کا آغاز جنگ صفین میں واقعہ تحکیم سے ہوا۔ حضرت امیر معاویہؓ کا لشکر جب شکست کھانے لگا تو شامیوں نے قرآن نیزوں پر بلند کئے اور حضرت علیؓ کی فوج سے کہا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان کتاب اللہ حکم ہے۔ حضرت علیؓ کی فوج کے عراقی گروہ نے یہ دیکھ کر لڑائی بند کر دی اور کہا کہ ہمیں قرآن کا فیصلہ منظور ہے۔ حضرت علیؓ نے ہر چند سمجھایا کہ یہ شامیوں کی چال ہے لیکن عراقی گروہ نہ مانا۔ مسعر بن فدکی اور اس کے ساتھیوں نے کہہ دیا کہ اگر آپ نے قرآن کے فیصلہ کو منظور نہ کیا تو ہم ساتھ چھوڑ دیں گے۔ مجبوراً حضرت علیؓ کو تحکیم پر راضی ہونا پڑا۔

جب حضرت علیؓ عراقیوں کے اصرار پر تحکیم پر راضی ہوئے تو ان میں سے ایک گروہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہا: حکم الٰہی میں تم نے انسانوں کو ثالث کیوں بنایا ہے؟ حضرت علیؓ ہر چند یہی کہا کہ تمہارے اصرار پر میں نے یہ کام کیا ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا ہم نے کفر کیا ہے۔ ہم اقرار کرتے ہیں، تم بھی اقرار کرو کہ تم نے کفر کیا ہے۔ حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو سمجھانے کے لئے بھیجا۔ قرآنی اور عقلی دلائل سننے کے بعد بھی وہ نہ مانے۔ دراصل اس گروہ کا مقصد اسلام کا شیرازہ منتشر کرنا تھا۔

جب حضرت علیؓ نے ثالثی کیلئے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو چار سو آدمیوں کے ساتھ دومۃ الجندل

کی طرف روانہ کیا، تو باغی گروہ اٹھ کھڑا ہوا اور عبداللہ بن وہب کے مکان پر جمع ہوئے اور ان کے خطیب نے یہ خطبہ فرمایا:

" امابعد! ان لوگوں کے لئے یہ ہرگز ہرگز زیبا نہیں جو خدائے رحمٰن پر ایمان رکھتے ہوں۔ اور قرآن کے فیصلوں کی طرف رجوع کرتے ہوں کہ دُنیا کے مفادات عاجلہ ان کے نزدیک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور حق بات کا اعلان کرنے سے کسی طرح راجح قرار پا جائیں۔ خواہ اس پر کتنے ہی احسانات کیوں نہ کئے جائیں اور خواہ ان کو کتنی ہی ایذائیں کیوں نہ پہنچائی جائیں جن لوگوں پر اس دنیا میں احسان جتائے جاتے اور ایذائیں دی جاتی ہیں تو قیامت کے دن ان کا ثواب ان لوگوں کو رضائے الٰہی کی شکل میں حاصل ہوگا اور وہ جنت میں ہمیشہ ہمیشہ آرام اور چین کریں گے۔

بھائیو! آؤ اس آبادی سے نکل چلیں جس کے باشندے ظالم ہیں اور آؤ کسی پہاڑ کی کھوہ کی طرف چل دیں۔ یا کسی دوسرے شہر کی طرف ہجرت کر جائیں اور وہاں جا کر ہم ان بدعات کا انکار کر دیں"[1]

عبداللہ بن وہب کو اپنا قائد بنا لیا۔

حضرت علی سے خوارج کی علیحدگی:۔ اس کے بعد یہ گروہ کوفہ کے قریب ایک حروراء نامی بستی کی طرف نکل گئے۔ اس بستی کی نسبت سے ان کا نام حروریہ بھی پڑ گیا ان کا ایک نام محکمۃ بھی تھا۔ یعنی وہ لوگ جو "لَا حُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ" کے قائل ہیں۔ ان کو خارجی اس لئے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ سے خروج کیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خوارج لفظ "خروج فی سبیل اللہ" سے ماخوذ ہے۔ جو اس آیت سے لیا گیا ہے۔ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ - (۴:۱۰۰)

جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کر کے نکلتا ہے اور پھر اسے موت آلیتی ہے۔ تو اس کا اجر خدا کے ذمہ واجب ہے۔ ان لوگوں کا ایک نام شُرَاۃ بھی ہے یعنی وہ لوگ جنہوں نے اپنی جانوں کو فروخت کر دیا ہے جو قرآن کی اس آیت سے ماخوذ ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ (۲:۲۰۷)

ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی جانیں خدا کی رضا کی طلب میں فروخت کر دیتے ہیں۔

حضرت علیؓ نے خوارجیوں کو جنگ نہروان میں شکست دی۔ اس جنگ میں خوارج کے کئی سردار مارے گئے۔ اس شکست کے بعد عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرت علیؓ کو قتل کرنے کی سازش کی۔ عبدالرحمٰن بن ملجم ایک ایسی عورت کا خاوند تھا جس کے قبیلے کے بہت سے اشخاص جنگ نہروان میں مارے گئے تھے۔

---

[1] طلوع اسلام اپریل مئی ۱۹۵۸ء جلد ۱۱۔

خوارج کے عقائد: ۱۔ خلیفہ کا انتخاب بغیر کسی حسب نسب اور قوم کے آزادانہ اور منصفانہ ہونا چاہیئے جس میں تمام مسلمان حصہ لیں۔

۲۔ جب تک خلیفہ عدل و انصاف اور تنفیذ شریعت کا کام کرے اس وقت تک وہ منصب خلافت پر قائم رہ سکتا ہے۔

۳۔ یہ گروہ ہر خاطی اور گناہ گار کو کافر سمجھتا تھا۔

۴۔ خوارج کا بنیادی اصول "لا حکم الا اللہ" ہے، یعنی اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں۔

خوارج کے فرقے:

۱۔ فرقہ ازارقہ: یہ فرقہ نافع بن ازرق کی طرف منسوب ہے یہ ان کا بہت بڑا فقیہہ اور عالم تھا۔ اس نے اپنی جماعت کے سوا تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا۔ اور کہا اگر اس کے ساتھیوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی غیر خارجی کے ساتھ نماز پڑھے۔ اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ وہ غیر خارجی کے ہاتھ کا ذبیحہ کھائے۔ یا ان میں شادی بیاہ کرے۔ خارجی غیر خارجی کا وارث نہیں ہو سکتا۔ اور اسی کے نام کی نسبت سے ازارقہ مشہور ہوا۔ یہ لوگ نماز، روزہ صدقہ وغیرہ شرعی اعمال کو جزو ایمان سمجھتے تھے۔ گناہ کبیرہ کے ارتکاب کرنے والے کو کافر سمجھتے تھے۔ غیر خارجی لوگوں کو وہ کفار اور مشرکین عرب کی طرح سمجھتے تھے۔ اس لئے ان کا یہ نظریہ تھا، ان سے بجز اسلام یا تلوار کے کوئی دوسری چیز قبول نہیں کی جا سکتی۔ ان کا ملک دارالحرب ہے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا جائز ہے۔ تقیہ کرنے کو حرام سمجھتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۷۷/۴ ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو انسانوں سے اس طرح ڈرتے ہیں جیسے کوئی خدا سے ڈرتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ لوگوں سے عہد شکنی کو ناجائز سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک قدرت رکھنے والا شخص جہاد میں شریک نہ ہو وہ کافر ہے۔

۲۔ فرقہ نجدات: اس گروہ کا قائد نجدہ بن عامر تھا۔ اس فرقہ کی اہم ترین تعلیمات میں سے ایک چیز یہ ہے کہ گناہ گار کو کوشش کر لینے کے بعد معذور ہے نیز یہ کہ دین دو چیزوں کا نام ہے خدا کی معرفت اور رسول کی معرفت۔ یہ لوگ جھوٹ بولنے کے جرم کو زنا کرنے اور شراب پینے کے جرم سے زیادہ سنگین خیال کرتے تھے۔ یہ فرقہ جہالت کو عذر قرار دیتا تھا۔ یعنی جو شخص اجتہاد سے کسی حرام چیز کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے دیتا تھا۔ وہ معذور ہے۔

۳۔ فرقہ ریاضیہ: اس فرقہ کا قائد عبداللہ بن ریاض تمیمی تھا۔ اس کی نسبت سے یہ فرقہ ریاضیہ کہلاتا تھا۔

یہ گروہ فرقہ ازارقہ کی نسبت اپنے نظریات میں غلو سے کام نہیں لیتا تھا۔ یہ غیر خارجیوں سے شادی بیاہ کرنا اور خارجی مسلمان کا غیر خارجی مسلمان کا وارث ہونے کو جائز سمجھتے تھے۔ غیر خارجیوں پر دھوکہ اور چھپ کر حملہ کر دیتا اور ان کو گرفتار کر لینا ناجائز خیال کرتے تھے۔ اور غیر خارجیوں سے اس وقت تک جنگ کرنا جائز نہیں سمجھتا تھا۔ جب تک ان کو دعوت نہ دی جاتے۔ اس فرقہ کے لوگ بلاد مغرب میں پائے جاتے تھے جو آج تک موجود ہیں۔

۴۔ فرقہ صفریہ :۔ چوتھا گروہ صفریہ کہلاتا تھا۔ یہ لوگ زیاد بن اصفر کے پیرو تھے۔ یہ لوگ اپنے افکار اور نظریات میں ازارقہ سے کم درجہ متشدد تھے۔ کبائر کا ارتکاب کرنے والوں کو مشرک نہیں سمجھتے تھے۔

۵۔ فرقہ عجاردہ : پانچواں فرقہ عجاردہ تھا۔ یہ لوگ عبدالکریم بن عجرد کے پیرو تھے۔ یہ فرقہ اپنے نظریات اور افکار کے اعتبار سے نجدات کے قریب تھا۔

۶۔ فرقہ یزیدیہ : یہ فرقہ یزید بن ابی انیہ کے پیرو تھے۔ اس گروہ کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ حجیوں میں سے ایک رسول مبعوث فرمائے گا جو شریعت محمدیہ کو منسوخ کرے گا۔

۷۔ فرقہ میمونیہ :۔ یہ لوگ میمون عجردی کے پیرو تھے۔ اس فرقہ کے نزدیک بنات اولاد اور بھائی بہنوں کی اولاد کی بیٹیوں سے نکاح جائز ہے۔ علماء اسلام فرقہ یزیدیہ اور میمونیہ کو خارج از اسلام سمجھتے ہیں۔

خوارج کی بد تنظیمی :۔ خوارج پر عربیت اور بدویت کا رنگ غالب تھا۔ ان میں وحدت اور اتحاد مفقود تھا۔ اور وہ کبھی بھی ایک ہاتھ پر جمع نہیں ہوتے۔ اگر یہ فرقہ اپنے عقائد میں حد درجہ متشدد نہ ہوتا اور ان میں اتحاد قائم رہتا تو جس طرح یہ لوگ جان پر کھیل جاتے تھے۔ اس قسم کے لوگوں کا مقابلہ کرنا مشکل ہوتا ہے بنو امیہ کے لئے آغاز میں ہی انتہائی خطرہ کا باعث بن جاتے۔ اور ان کی قوت کو دبانا حکمران کے لئے آسان نہ ہوتا۔

خوارج کے عناصر :۔ خلافت کے بارہ میں خوارج کے جمہوری نظریہ کی وجہ سے عرب بدو اور موالیوں نے اس مذہب کو زیادہ قبول کیا۔ خلافت کے بارے میں خوارج کا یہ عقیدہ تھا کہ خلیفہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ قریشی ہی ہو یا عربی۔

خوارج کی خصوصیات :۔ یہ لوگ روزہ اور نماز کے سختی سے پابند ہوتے تھے۔ طویل طویل سجدوں کی وجہ سے ان کی پیشانیاں زخمی ہو جاتیں اور ان کے ہاتھوں اور ٹخنوں پر گٹے پڑے ہوتے تھے۔ ابو حمزہ خارجی اپنے ساتھیوں کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ "وہ لوگ نوجوان ہیں مگر اپنی جوانی میں شب بیداریاں کرتے رہے۔ برائی سے حیا انتی کہ ان کی آنکھیں جھکی ہوئی۔

باطل سے ان کے پاؤں بوجھل رہتے ہیں۔ عبادت میں ہر دم مشغول رہنے والے اور شب بیداری میں شیر خدا آدھی رات کے وقت جب بھی ان کو دیکھتا ہے۔ تو قرآن کے اجزاء کی تلاوت کرتے ہوئے ان کے پہلوؤں کو بستروں سے علیحدہ دیکھتا ہے۔ جب ان میں سے کوئی آدمی کسی ایسی آیت کی تلاوت کرتا ہے جس میں جہنم جنت کا تذکرہ ہوتا ہے تو غلبہ اشتیاق سے آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے اور جب کسی ایسی آیت سے گزرتا ہے جس میں جہنم کی آگ کا تذکرہ ہوتا ہے تو وہ یوں بلک بلک کر روتا ہے کہ شاید جہنم کی آگ کی گونج اس کے کانوں میں آرہی ہے مسلسل جفاکشی کی زندگی بسر کرنے والے ان کے دن کی جفاکشی، رات کی جفاکشی سے پیوست ہو جاتی ہے۔ زمین نے ان کے گھٹنوں ہاتھوں، ناکوں اور پیشانیوں کو کثرت سجود کی وجہ سے کھالیا ہے۔ خدا کے حقوق و واجبات کے مقابلہ میں وہ اپنی عبادتوں اور ریاضتوں کو ہیچ سمجھتے ہیں اور جب میدان جنگ میں وہ دیکھتے ہیں کہ ہر طرف تیروں کی بارش ہو رہی ہے سامنے تیر تنے ہوتے ہیں، تلواریں سونت لی گئی ہیں اور مقابل فوج موت کی کڑک اور گرج کے ساتھ چمکتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہے تو وہ خدا کی وعید کے مقابلہ میں مقابل فوج کی دھمکیوں کا مضحکہ اڑاتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ ان سب کا ہر نوجوان آگے بڑھتا ہے حتیٰ کہ اس کے پاؤں اپنے گھوڑے کی گردن پر ادھر سے ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے چہرہ کے محاسن پر خون کا خضاب لگا کر زمین پر گر پڑتا ہے[1]

## فرقہ جبریہ

جبر اور قدر کا مفہوم متعین کرتے ہیں علماء نے افراط اور تفریط کی راہ اختیار کی ہے۔ اور اس سے دو فرقے پیدا ہوئے ایک فرقہ جبریہ کہلایا اور دوسرا قدریہ۔

فرقہ جبریہ کا بانی:۔ اس فرقہ کا بانی اور موسس معلوم کرنا مشکل ہے۔ لیکن یہ بات واضح ہے کہ عقیدہ جبریہ اموی دور کے آغاز میں پیدا ہوا اور آخری دور میں ایک مسلک کی صورت اختیار کر لی۔

مرتضیٰ نے اپنی کتاب المنیۃ والامل میں عبداللہ بن عباس رضؓ اور حسن بصری رحؒ کے خطوط کا ذکر کیا ہے۔ جس میں اہل جبریہ کو مخاطب کرتے ہوئے عقیدہ جبریہ سے منع فرمایا ہے۔ عبداللہ بن عباس رضؓ لکھتے ہیں: اما بعد تم دوسروں کو تقویٰ کا حکم دیتے ہو، حالانکہ صاحب تقویٰ تمہاری

---

[1] طلوع اسلام اپریل مئی ۱۹۵۸ء جلد ۱۱۔

وجہ سے گمراہ ہو گئے۔ اور گناہ گار تمہاری وجہ سے رونما ہوئے۔ اے اولاد منافقین! اور اے ظالموں کی پشت پناہی کرنے والو! تمہارے دم سے بدکاری کی مسجدیں آباد ہیں۔ تم سب خدا پر جھوٹ باندھنے والے ہو اور اپنے جرم اعلانیہ اس پر تھوپ دیتے ہو۔"[1]

علی بن عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: ابن عباس! یہاں ایک قوم ہے جس کا دعویٰ ہے کہ ہر چیز خدا کے یہاں سے آتی ہے اور خدا نے انہیں جبراً گناہوں پر لگا رکھا ہے۔ فرمایا: اگر مجھے پتہ چل گیا کہ ایسا کوئی آدمی یہاں موجود ہے تو میں اس کا گلا ایسا دبوچوں گا کہ اس کی روح نکل جائے۔ یہ نہ کہو کہ خدا نے گناہوں کے ارتکاب پر مجبور کیا ہے یہ کہنا بھی زیبا نہیں کہ خدا اس بات سے قطعی طور پر بے خبر ہے کہ کیا کچھ کر رہے ہیں۔"[2]

مسلمانوں نے یہ عقیدہ کہاں سے اخذ کیا؟ مورخین کا اس بارہ میں اختلاف ہے۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ یہ عقیدہ مسلمانوں نے یہودیوں سے سیکھا۔ اور بعض کا یہ خیال ہے کہ یہ نظریہ اہل فارس کا تھا۔ تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ یہود اور اہل فارس دونوں نظریہ جبر پر کے قائل تھے۔

جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ عقیدہ یہودی ذہن کی پیداوار ہے وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں جعد بن درہم یہ نظریہ پھیلانے والا ہے، جو مسلمان تھا۔ اس نے یہ نظریہ ابان بن سمعان سے اور اس نے طالوت بن اعصم یہودی سے سیکھا۔ طالوت نامی یہودی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم عصر تھا۔

جو مورخ اہل فارس کے ذہن کی پیداوار قرار دیتے ہیں وہ اس روایت پر بنیاد رکھتے ہیں:

"حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فارس کا ایک شخص آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوا۔ "میں نے دیکھا ہے کہ اہل فارس اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو اپنے نکاح میں لاتے ہیں۔ اور جب ان سے وجہ پوچھی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ خدا کی تقدیر یونہی تھی۔" یہ سن کر آپؐ نے فرمایا: میری امت میں ایک فرقہ ایسا پیدا ہوگا جو اس کا قائل ہوگا۔ یہ میری امت کے مجوس ہوں گے۔"[3]

---

[1] المنیۃ والامل بحوالہ اسلامی مذاہب مصنفہ ابو زہرہ مصری ص ۱۴۴ ب

[2] المنیۃ والامل بحوالہ اسلامی مذاہب مصنفہ ابو زہرہ مصری ص ۱۴۵۔

[3] ایضاً ص ۱۴۶۔

عقیدہ جبریہ پر ایک مسلک اور فرقہ کی عمارت استوار کرنے والا جہم بن صفوان ہے اسی وجہ سے اس فرقہ کو جہمیہ بھی کہا جاتا ہے۔

عقیدہ جبریہ کا مفہوم: اس نظریہ کا یہ مفہوم ہے کہ انسان کو اپنے اعمال پر کوئی اختیار نہیں تمام اعمال کا مصدر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں مجبور محض ہے۔

تنقید:۔ یہ مفہوم صرف اسلامی تعلیم کے ہی خلاف نہیں بلکہ روز جزاء سزا کو بھی باطل قرار دیتا ہے۔ اگر انسان اللہ کے ہاتھ میں مجبور محض ہے اور انسان تمام اعمال اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور مشیت سے ہی کرتا ہے تو جزاء سزا کیسی ہے؟ صحیح مسلک یہ ہے کہ انسان ایسے اعمال پر مختار کل ہے جن پر جزاء سزا مرتب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی۔ پھر عقل کی راہنمائی کے لئے رسول بھیجے ادیان کے ذریعہ احکام سکھائے۔ پھر انسان کو یہ اختیار دیا کہ وہ راہ مستقیم پر چلے یا کج روی اختیار کرے۔ اگر راہ مستقیم پر چلے گا تو جزا پائے گا، اگر کج روی اختیار کرے گا تو سزا پائے گا۔

جہم بن صفوان کے دیگر عقائد

۱۔ جنت اور دوزخ فنا ہونے والے ہیں۔ قرآن مجید میں جس خلود کا ذکر ہے اس سے مراد طویل مدت ہے۔

۲۔ وہ خدا کے کلام کو حادث خیال کرتا تھا۔ اس وجہ سے وہ خلق قرآن کا قائل تھا۔

۳۔ وہ خدا کو اشیاء میں داخل خیال نہیں کرتا تھا۔

۴۔ وہ قیامت کے روز دیدار الٰہی کا منکر تھا۔

۵۔ وہ ایمان کو صرف معرفت کا نام دیتا تھا۔ اس عقیدہ کے مطابق اس کے نزدیک جو یہود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف سے باخبر تھے مومن تھے۔

۶۔ وہ خدا کی صفات کی نفی کرتا تھا جہم کہا کرتا تھا کہ خدا کی ایسی صفات نہیں ہو سکتیں۔ جو اس کی ذات سے الگ ہوں۔ قرآن میں جو سمیع، بصیر وغیرہ صفات بیان ہوئی ہیں وہ ظاہری معنی پر محمول نہیں ان کی تاویل ضروری ہے۔ اگر ظاہری معنی پر محمول کیا جائے تو تشبیہ بالمخلوق کو مستلزم ہے۔ جو خدا کے لئے جائز نہیں۔

ان عقائد کے خلاف علماء اٹھ کھڑے ہوئے کیونکہ عقیدہ جبریہ کے دو بھاری نقصان تھے۔ ایک عقیدہ جبر پر بھروسہ کر کے انسان عمل سے عاری ہو جاتا دوم خدا کی صفات کی نفی کرنے سے قرآن کے معنی اور مطالب میں خطرہ لاحق ہوتا تھا۔

# فرقہ قدریہ

عقیدہ جبریہ کے ردعمل میں عقیدہ قدریہ ظہور میں آیا۔ فرقہ قدریہ کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان اپنے اعمال میں مختار کل ہے۔ سب کام اپنے اختیار اور ارادہ سے کرتا ہے۔ اس عقیدہ کے حامی اسی حد تک نہیں ٹھہرے بلکہ وہ تقدیر الٰہی کی نفی کرنے لگ پڑے اور کہنے لگے کہ جب امور وقوع میں آتے ہیں تب اللہ تعالیٰ کو ان کا علم ہوتا ہے۔

فرقہ قدریہ کا بانی :۔ جس طرح فرقہ جبریہ کے موسس اول کے بارہ میں اختلاف ہے اسی طرح فرقہ قدریہ کے بانی اول کے بارہ میں اختلاف ہے۔ بعض مصنفین کا یہ خیال ہے کہ فرقہ قدریہ اس وقت بصرہ میں ظہور میں آیا جب وہاں عقائد کے بارہ میں موشگافیاں ہو رہی تھیں اور نظری معرکہ آرائیاں زوروں پر تھیں۔

ابن نہایہ نے شرح العیون میں لکھا ہے کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جس شخص نے پہلے پہل تقدیر کے مسئلہ پر گفتگو کی وہ پہلے نصرانی تھا، پھر اسلام آیا اور بعد ازاں پھر نصرانی مذہب اختیار کر لیا۔ اس سے معبد جہنی اور غیلان دمشقی نے یہ عقیدہ اخذ کیا۔[1]

عقیدہ قدریہ کے داعی معبد جہنی نے عراق میں دعوت دینا شروع کی اور غیلان دمشقی نے شام میں اپنے خیالات کا پرچار کرنا شروع کر دیا۔

عقیدہ قدریہ پر تنقید :۔ یہ عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ کو وقوع امور و حوادث کے وقت علم ہوتا ہے، پہلے نہیں ہوتا، خدا کی صفت علیم کو ناقص گردانتے کے مترادف ہے۔ قرآن مجید کی رو سے اللہ تعالیٰ کا علم ہر شے پر حاوی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت الباطن ہے، جس کے معنی ہیں چھپی ہوئی خبروں اور امور کا جاننے والا

# فرقہ معتزلہ

فرقہ معتزلہ کے ظہور میں مورخین میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ معتزلہ وہ لوگ ہیں کہ جب حضرت حسن رضؓ نے امیر معاویہ رضؓ کے ہاتھ میں زمام خلافت دے دی تو ان کے حامیوں کی ایک جماعت سیاست سے الگ ہو کر علم و عبادت میں مصروف ہو گئی۔ چنانچہ ابوالحسن الطرائفی اپنی کتاب "اصل الاھواء والبدع" میں لکھتے ہیں۔

---

[1] بحوالہ اسلامی مذاہب مصنفہ ابو زہرہ مصری صفحہ ۱۵۔

"انہوں نے اپنا نام معتزلہ رکھا۔ اس لئے کہ جب حضرت حسنؓ بن علیؓ نے حضرت معاویہؓ کی بیعت کی اور خلافت انہیں تفویض کر دی تو ان لوگوں نے حسنؓ اور معاویہؓ دونوں سے کنارہ کشی کر لی۔ بلکہ سب سے الگ ہو گئے۔ یہ لوگ اصحاب علیؓ تھے۔ اب ان کی سرگرمیوں کا مرکز و محور گھر رہ گیا یا مسجد۔ یہ کہا کرتے تھے ہمیں صرف علم اور عبادت سے سروکار ہے"[1]

ایک گروہ کا خیال ہے کہ اس فرقہ کا بانی واصل بن عطا تھا۔ یہ حضرت حسن بصریؒ کے شاگرد تھا۔ ایک مرتبہ ان کے حلقہ درس میں یہ سوال اٹھا کہ آیا گناہ کبیرہ کا مرتکب مسلمان ہے یا نہیں۔

واصل بن عطا نے حضرت حسن بصریؒ کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب علی الاطلاق مسلمان نہیں بلکہ کفر اور ایمان کے بین بین ہے۔

واصل نے حسن بصریؒ کے حلقہ درس سے علیحدگی اختیار کر لی اور الگ حلقۂ درس قائم کر لیا۔

معتزلہ کے علماء نے خود اس امر کا اقرار کیا ہے کہ یہ فرقہ واصل بن عطا سے پہلے کا تھا۔

واصل بن عطا کو بانی صرف اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس نے اس فرقہ کے عقائد اور نظریات کی اشاعت شروع کی تھی۔

ڈاکٹر احمد امین نے اپنی کتاب فجر الاسلام میں اس فرقہ کا سرچشمہ یہودی فرقہ فردیشم کو قرار دیا ہے جس کے معنی ہیں معتزلہ۔

مشہور علماء:۔ اس فرقہ کے مشہور علماء حسب ذیل ہیں۔

عمرو بن عبیداللہ (۶۹۹ء - ۷۶۱ء) یہ خواجہ حسن بصری کا شاگرد تھا۔ واصل نے انہیں اپنا ہم خیال بنا لیا۔ قدریہ عقیدہ رکھتے تھے۔ معتزلہ کی شاخ عمریہ انہیں سے منسوب ہے۔ واصل کا گروہ بغداد اور عمر کا گروہ بصرہ سے تعلق رکھتا تھا۔

ابو الہذیل (ولادت ۷۵۳ء - وفات ۸۴۹ء یا ۸۴۰ء) مامون کے استاد اور بصرہ کے علماء اعتزال کے امام تھے۔ ہذیلیہ کی شاخ انہیں سے منسوب ہے۔ اس کے خاص خاص عقائد یہ تھے۔

۱۔ خدا کا علم، اس کی قدرت، اس کا وجود عین ذات ہیں۔

۲۔ خدا کے بعض ارادے ایسے ہیں جن کا کوئی محل نہیں جیسے خدا کا قول کن اور بعض ارادوں کا محل ہے جیسے اوامر و نواہی۔

---

[1] بحوالہ اسلامی مذاہب مصنفہ ابو زہرہ ص ۱۲۳

۳۔ خدا کے مقدرات محدود ہیں۔ کسی چیز کو وجود میں لانا، فنا کرنا اور مارنا اس کے دائرۂ قدرت سے باہر ہے۔

۴۔ احکام شرع کے واجب ہونے سے پہلے عقل کے ذریعہ خدا کا پہچاننا واجب ہے۔

۵۔ خدا کا ارادہ اور وہ ہر چیز کا ارادہ کرتا ہے دونوں ایک ہیں [1]

نظام :۔ (ولادت ۸۰۱ء وفات ۸۳۵ء اور ۸۴۵ء کے درمیان) بصرہ میں نشو ونما ہوا اور عمر کا آخری حصہ بغداد میں گزارا۔ ان کے خاص نظریات یہ تھے۔

۱۔ بدی اور گناہ خدا کی قدرت سے خارج ہیں۔

۲۔ احکام شرح کے وارد ہونے سے پہلے عقلی دلائل سے خدا کی معرفت حاصل کرنا چاہیئے۔

الجاحظ :۔ (متوفی ۸۶۵ء یا ۸۶۹ء) نظام کا شاگرد تھا۔ اور معتزلہ کا بڑا مقبول اور مشہور عالم تھا۔ ان کے خاص نظریات یہ تھے۔

۱۔ کوئی مادی جسم معدوم نہیں ہوتا۔

۲۔ خدا گناہوں کا ارادہ نہیں کرتا۔

۳۔ خدا کی رویت ناممکن ہے۔ شاخ جاحظیہ انہیں کی طرف منسوب ہے۔

الجبائی : (متوفی ۹۱۵ء) صفات باری کو عین قرار دیتا تھا۔

اصول خمسہ :۔ اس فرقہ کے اصول خمسہ ہیں۔ وہ یہ ہیں :

۱۔ توحید۔ ۲۔ عدل۔ ۳۔ وعدہ و وعید۔ ۴۔ بین بین۔ ۵۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ عقل کا غلبہ

۱۔ توحید :۔ توحید اسلامی تعلیمات کا بنیادی پتھر ہے اور اصول ایمانیات میں سے ہے، ہر مسلمان توحید کا اقرار کرتا ہے۔ اس فرقہ نے توحید کی تشریح دوسرے علماء سے مختلف کی ہے۔ یعنی ذات الٰہی کو صفات سے منزہ و پاک قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک صفات بذات خود قائم نہیں بلکہ عین ذات الٰہی ہیں۔

اس تشریح کے پیش نظر قیامت کے دن رویت باری تعالیٰ کو محال سمجھتے ہیں کیونکہ رویت سے خدا کی جسمانیت لازم آتی ہے۔ قرآن کو مخلوق سمجھتے ہیں کیونکہ وہ صفت تکلم کو خدا کی صفت قرار نہیں دیتے۔

۲۔ عدل :۔ ہر مسلمان اللہ تعالیٰ کو عادل سمجھتا ہے۔ لیکن معتزلہ نے عدل کی تشریح اس رنگ میں کی ہے جس سے جبریہ کے اس نظریہ کی تردید ہو جائے کہ بندہ مجبور محض ہے اور وہ اپنے افعال میں مختار نہیں۔

---

[1] سالنامہ نگار :۔ ۵ء صفحہ ۹۷۔

فرقہ معتزلہ کہتا ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے۔ اس وجہ سے اس کے افعال پر جزا و سزا مرتب ہوتی ہے۔ اگر بندہ اپنے افعال میں مختار نہ ہو تو سزا اور جزا کیسی؟

۳۔ وعدہ و وعید:۔ وعدہ و وعید سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن افعال پر ثواب کا وعدہ کیا ہے اور جن جن پر وعید اور دھمکی دی ہے وہ لامحالہ پوری ہو کر رہے گی۔ کبیرہ گناہ توبہ کئے بغیر معاف نہیں ہوتے۔ توبہ کی قبولیت کا جو وعدہ ہے وہ بھی پورا ہوگا۔ ایمان صرف قلبی تصدیق کا ہی نام نہیں بلکہ اعمال حسنہ کرنا بھی اس کا جزو ہے۔

اس اصول سے فرقہ مرجیہ کے اس نظریہ کی تردید مقصود ہے کہ ایمان کی موجودگی میں گناہ سے کوئی نقصان اور ضرر نہیں پہنچتا، جس طرح کفر کی موجودگی میں عبادت کا کوئی فائدہ نہیں۔

۴۔ بین بین:۔ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا نہ مومن اور نہ کافر بلکہ فاسق ہے۔

۵۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر:۔ معتزلہ کے نزدیک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے تاکہ زمین میں فساد ختم ہو اور حق کا بول بالا ہو۔ ان کے نزدیک اگر کامیابی کی امید قوی ہو تو تلوار کے ساتھ خروج بھی جائز ہے۔ اسی اصول کی بنا پر عہد عباسی میں محدثین اور فقہاء پر ظلم کئے گئے اور ان کو تلوار اور قوت سے اپنا ہم نوا بنانا چاہا۔

۶۔ عقل کا غلبہ:۔ معتزلین عقل کے تسلط کے قائل تھے اور کہتے تھے کہ عقل خود ہی کسی چیز کی حُسن و قبح کی معرفت حاصل کر سکتی ہے۔

عقائد:۔ معتزلہ نہ تو قیامت کے دن رویت باری تعالیٰ بالابصار کے قائل ہیں، نہ شفاعت نبوی کے۔ نہ عذاب قبر کو تسلیم کرتے ہیں۔ قرآن مجید کو مخلوق سمجھتے ہیں۔ احادیث کا انکار کرتے ہیں۔

## مرجئہ

مرجئہ کی وجہ تسمیہ:۔ مرجئہ کا لفظ "اَرْجَاءٌ" سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی "مہلت دینا" اور "موخر کرنا" ہوتے ہیں۔ انہیں مرجئہ اس لئے کہا جاتا تھا کہ انہوں نے ان لوگوں کے معاملات کو جنہوں نے ایک دوسرے کا خون بہایا۔ قیامت کے دن پر موخر کرتے ہیں۔

بعض علماء نے مرجئہ کے لفظ کو اس "اَرْجَاءٌ" سے ماخوذ مانا ہے جس کے معنی ہیں رجا اور امید۔ کیونکہ ان لوگوں کا یہ نظریہ تھا کہ ایمان کے ساتھ گناہ کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔ اور ہر گناہ گار مومن نجات کا امیدوار ہے۔

صدر اول کے صحابہ کی ایک ایسی جماعت تھی۔ جنہوں نے اس نزاع اور جھگڑے سے بالکل الگ تھلگ رہے جو حضرت عثمان رضؓ کے عہد کے آخر میں نمودار ہوا۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر

حضرت عمران بن حصین، حضرت اسامہ بن زید وغیرہ۔

انہوں نے اپنی علیحدگی کی بنیاد اس حدیث پر رکھی جو حضرت ابوبکرؓ سے مروی ہے۔ حضرت ابوبکر کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسے فتنے آنے والے ہیں جن میں بیٹھ جانے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا جب یہ فتنے پیدا ہو جائیں تو یاد رکھو جس کے پاس اونٹ ہوں وہ اپنے اونٹوں کو لے کر کہیں نکل جائے جس کے پاس بکریاں ہوں وہ اپنی بکریاں لے کر کہیں چلا جائے۔ جس کے پاس زمین کا کوئی ٹکڑا ہو وہ اپنی زمین میں لگ جائے۔ اس پر کسی نے عرض کیا، یا رسول اللہ جس کے پاس نہ اونٹ ہوں نہ بکریاں ہوں اور نہ زمین تو وہ کیا کرے۔ آپ نے فرمایا کہ اسے چاہیئے کہ اپنی تلوار لے کر پتھروں پر مار مار کر اسے توڑ ڈالے اور اس کے بعد کسی طرف سے بھی ان فتنوں میں حصہ نہ لے۔ اور جس طرح بھی نجات حاصل کر سکتا ہو ان فتنوں سے نجات حاصل کرے یہ وہ بنیاد ہے۔ جس پر آگے چل کر فرقہ مرجئہ کی عمارت استوار ہوئی۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد دو فرقے پیدا ہو گئے تھے ایک فرقہ خوارج کا تھا اور دوسرا فرقہ شیعہ تھا۔ ان فرقوں کی پیدائش سے لاہوتی مسائل کی تحقیق اور بحث و مناظر کے دروازے وا ہو گئے۔ ان میں سے ایمان۔ کفر، مومن کفر کے مسائل خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

خارجیوں نے گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر کہا۔ اہل تشیع نے امام کی معرفت کو جزو ایمان بنا دیا اور کہا امام پر ایمان لائے بغیر کوئی مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اس غلو کے ردعمل میں ایک گروہ ظہور میں آیا، جس نے ایمان کی بنیاد صرف لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر رکھی۔ اعمال کو اس سے خارج کر دیا۔ ان کے نزدیک ہر وہ شخص مسلمان ہے جو کلمہ توحید کا اقرار کرتا ہے۔ نیک اور بد اعمال کی جزا و سزا قیامت کے دن ہوگی۔

مرجئہ کے دو گروہ ہیں: ایک گروہ صرف تصدیق بالجنان کو ایمان قرار دیتا ہے۔ دوسرا تصدیق باللسان کو بھی، مگر اعمال دونوں کے نزدیک خارج از امکان ہیں۔

کہتے ہیں امام ابوالحسن اشعری رحؒ نے امام ابوحنیفہ رحؒ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ مرجئہ مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن یہ بات بالکل خلاف واقع ہے۔

نظریات:۔ ۱۔ ہر وہ شخص جو کلمہ توحید پڑھتا ہے وہ دائرہ اسلام میں داخل ہے۔

۲۔ کسی گناہ گار کلمہ گو کو دائرہ اسلام سے خارج قرار نہیں دیا جا سکتا۔

۳۔ کسی مسلمان کا خون بہانا جائز نہیں۔

جب امور مشتبہ ہوں ایک فرقہ دوسرے فرقے کو کافر بنا رہا ہو تو ان کا معاملہ خدا کے

سپرد کر دینا چاہیئے کہ خدا ہی قیامت کے دن ان کے باہمی اختلافات میں فیصلہ دے گا۔

۵۔ خوارج نے غلطی کی کہ وہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو کافر قرار دیتے ہیں وہ دونوں خدا کے بندے تھے۔ جنہوں نے خدا کی معرفت حاصل ہو جانے کے بعد کبھی شرک نہیں کیا۔

فرقہ کا خاتمہ:۔ چونکہ یہ فرقہ نہ بنوامیہ کو کافر کہتا تھا نہ خوارج کو اور نہ شیعوں کو۔ اس لئے سلطنت عباسیہ نے اس فرقہ کے ساتھ تعلق رکھنے والوں کو ختم کر دیا۔ یہ فرقہ دوسرے فرقوں میں مدغم ہو گیا اس طرح اس فرقہ کی انفرادی حیثیت ختم ہو گئی۔

## اشاعرہ

فرقہ اشاعرہ امام ابوالحسن اشعریؒ کی نسبت سے مشہور ہے۔ امام ابوالحسنؒ ۲۶۰ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے اور ۳۳۰ھ کے قریب وفات پائی۔ امام صاحب کے استاد ابوعلی جبائی تھے، جو فرقہ معتزلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

نظریات:۔ فرقہ اشاعرہ معتزلہ کے برعکس رویت باری تعالیٰ، شفاعت نبویؐ اور عذاب قبر کے قائل ہیں۔ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا ہی لفظاً کلام خیال کرتے ہیں۔ صلحاء اور اولیاء امت سے کرامت کا صدور تسلیم کرتے ہیں۔ میت کی طرف سے صدقہ کرنا اور اس کے حق میں دعا کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ احادیث سے حجت پکڑتے ہیں۔ گناہوں کی وجہ سے اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک شرک کے علاوہ اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ دوزخ کا عذاب دائمی نہیں، بلکہ دوزخ پر ایک ایسا وقت آئے گا جب اس سے تمام دوزخیوں کو نکال لیا جائے گا۔ افعال خدا کے پیدا کردہ ہیں، بندے سے کسب کا صدور ہوتا ہے، اسی وجہ سے اسے مکلف بالاحکام کہا جاتا ہے اور جزا و سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

اشاعرہ صفات خداوندی کا اثبات کرتے ہیں اور انہیں غیر ذات قرار دیتے ہیں۔

## ماتریدیہ

یہ فرقہ ابو منصورؒ ماتریدی کی نسبت سے مشہور ہے۔ ابو منصور کا نام محمد بن محمد بن محمود ہے۔ سمرقند محلہ ماترید میں تیسری صدی ہجری کے نصف میں پیدا ہوئے اور ۳۳۳ھ میں وفات پائی۔

آپ نے حنفی فقہ اور علم الکلام نصیر بن یحییٰ بلخی سے سیکھا۔ آپ نے حسب ذیل کتب تصنیف کیں:

کتاب تاویل القرآن۔ کتاب ماخذ الشرائع۔ کتاب الجدل۔ کتاب المقالات فی الکلام۔ کتاب التوحید۔ رد کتاب الامامۃ لبعض الروافض الرد علی القرامطہ۔

نظریات:۔ ۱۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت عقل و فکر سے کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نظام کائنات میں غور و فکر کرنے کے لئے قرآن مجید میں بار بار تاکید کی ہے۔ اس وجہ سے عقل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ممکن ہے۔

۲۔ اشیاء کا حسن و قبح ذاتی ہے۔ عقل اس کا ادراک کر سکتی ہے۔ ان کے نزدیک اشیاء کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ وہ اشیاء جن کے حسن و قبح کا ادراک عقل انسانی کر سکتی ہے۔

۲۔ وہ اشیاء جن کے حسن و قبح کا ادراک شارع سے کیا جاتا ہے۔

۳۔ ماتریدیہ کے نزدیک افعال خداوندی حکمت و مصلحت کے تحت ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ حکیم و علیم ہستی ہے۔ نیکوں کو جزا اور گناہ گاروں کو سزا خدا کی حکمت کے تحت ہے۔

۴۔ بندوں کے افعال خدا کے پیدا کردہ ہیں اور اس کی عنایت کردہ قوت سے ظہور میں آتے ہیں۔ بندہ افعال کرنے اور نہ کرنے پر قادر ہے۔ گویا وہ آزاد اور خود مختار ہے، چاہے وہ کسی فعل کو کرے چاہے وہ ترک کر دے، اسی پر جزا و سزا کا مستحق ہے۔

۵۔ ماتریدی صفات الٰہیہ کا اثبات کرتے ہیں، لیکن ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ صفات عین ذات ہیں قائم بذات نہیں، اور نہ ذات سے الگ ان کا کوئی وجود ہے۔

۶۔ قرآن قدیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی کلام ہے، کیونکہ تکلم خدا کی ایک صفت ہے جو قائم بالذات ہے۔

۷۔ ماتریدی قیامت کے دن رویت باری تعالیٰ کے قائل ہیں۔

۸۔ اعمال جزو ایمان نہیں ہیں۔ گناہ کا ارتکاب کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ کبائر کا ارتکاب کرنے والا ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا۔ امام ماتریدی قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ یعنی جو برے اعمال لائے گا ویسا ہی بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا (الانعام ۶: ۱۶۰)

۹۔ مادہ مخلوق ہے اور کائنات عدم محض سے پیدا ہوئی ہے۔

## اشراقیین

اس فرقہ کا بانی شہاب الدین سہروردی (۱۱۵۳ء - ۱۱۹۱ء) تھے وہ فلسفہ میں ارسطو اور ابن سینا

کے منبع تھے۔ انہوں نے فلسفہ، مذہب اور تصوف تینوں کو ملا کر ایک نیا نظریہ مذہب اور اخلاق کا پیش کیا۔ جسے حکمت اشراق کہتے ہیں[1] شہاب الدین سہروردی حکمائے ایران کے معتقد تھے اور ان کے نظریات کو زندہ کرنا چاہتے تھے۔ اور اپنی مشہور کتاب حکمۃ الاشراق میں مختلف مقامات پر زردشت وغیرہ کا نام بڑے احترام کے ساتھ لیا ہے اور ان کے فلسفیانہ نظریات کی تائید کی ہے۔ ان پر فقہاء نے کفر و الحاد کا فتویٰ لگایا اور ۳۶ سال کی عمر میں سلطان صلاح الدین کے حکم سے قتل کر دیئے گئے۔

## سلفیہ

سلفیہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو اسلاف کے عقائد اور افکار کے متبع سمجھتے ہیں، اور اہل حدیث، اہل اثر، اہل سنت کے ناموں سے بھی پکارے جاتے ہیں۔ یہ لوگ حنابلہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے تمام عقائد اور افکار کا ماخذ حضرت احمد بن حنبل رح (۱۶۴ھ ۲۶۲ھ) کے اقوال اور آراء ہیں۔ ساتویں صدی ہجری میں امام ابن تیمیہ رح (۱۲۲۸ء-۱۲۶۳) نے اس جماعت کو حیات نو بخشی۔ بارھویں صدی میں امام محمد بن عبدالوہاب رح نے ان عقائد کی نشر و اشاعت کی۔

عقائد و نظریات: ۱۔ توحید کو تعلیمات اسلام کا عمود اور اساس قرار دیتے ہوئے چند امور کو توحید کے منافی سمجھا ہے۔

(۱) فوت شدگان سے توسل کرنا اور ان سے فریاد رسی چاہنا۔

(۲) روضہ نبوی ص کے اردگرد طواف بجالانا۔

(۳) کسی بزرگ کی قبر پر برکت حاصل کرنے کے لئے جانا۔

(۴) اولیاء کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرنا۔

۲۔ سلفیہ کتاب اور سنت میں اللہ تعالیٰ کی جو صفات بیان ہوئی ہیں ان سب کو بلا تاویل مانتے ہیں۔ صرف اتنا کہتے ہیں کہ یہ صفات مخلوقات جیسی نہیں۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

"جادہ مستقیم یہی ہے جس پر آئمہ ہدایت گامزن تھے، اور وہ یہ ہے کہ خدا کی وہی صفات ذکر کی جائیں جو کتاب و سنت میں وارد ہوئی ہیں۔ نہ کتاب و سنت سے تجاوز کیا جائے اور نہ گزشتہ اہل علم و ایمان کی پیروی کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے پائے"[2]

---

[1] تاریخ فلسفہ اسلام صفحہ ۳۵۔

[2] اسلامی مذاہب ص ۲۶۳۔

۳۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو وحی کے ذریعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ امام تیمیہؒ کے نزدیک قرآن مجید غیر مخلوق ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کائنات کی تخلیق اور اوامر و نواہی کی بنیاد حکمت اور مصالح پر رکھی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت حکیم ہے۔

۵۔ تقدیر پر ایمان لانا، خیر ہو یا شر، جزو ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ارادہ ہر چیز پر محیط ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے اور اس کی قوتوں کا خالق ہے۔ بندہ جو کچھ کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے ارادہ سے کرتا ہے۔

۶۔ قرآن مجید کے ساتھ حدیث اور سنت کو اسلامی شریعت کا سرچشمہ قرار دیتے ہیں۔

۷۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نیز دیگر انبیاء علیہم السلام کی عصمت، عبودیت اور بشریت کے قائل ہیں۔ اللہ کے سوا کسی کو عالم الغیب نہیں مانتے۔

مولانا سید سلیمان ندوی رح تحریک اہل حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اس تحریک کا یہ فائدہ ہوا کہ مدتوں کا زنگ طبیعتوں سے دور ہوا اور جو یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ اب تحقیق کا دروازہ بند اور نئے اجتہاد کا راستہ مسدود ہو چکا ہے رفع ہو گیا اور لوگ از سر نو تحقیق و کاوش کے عادی ہونے لگے۔ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ سے دلائل کی خو پیدا ہوئی اور قیل و قال کے مکدر گڑھوں کی بجائے ہدایت کے اصل سرچشمہ مصفا کی طرف واپسی ہوئی۔"[1]

## علمی کارنامے

تفاسیر: تفسیر ابن کثیر۔ فارسی ترجمہ فتح الرحمٰن مصنفہ شاہ ولی اللہ۔ فتح البیان مصنفہ نواب صدیق حسن۔ تفسیر القرآن لکلام الرحمان مصنفہ مولانا ثناء اللہ امرتسری۔ تفسیر وحیدی مصنفہ وحید الزمان۔ تفسیر احسن التفاسیر مصنفہ مولانا سید احمد حسن دہلوی۔

کتب حدیث کی شروحیں: فتح الباری حافظ ابن حجر۔ عون المعبود شرح سنن ابی داؤد۔ التعلیق المغنی علی کتاب السنن للدارقطنی مصنفہ مولانا شمس الحق دیانوی عظیم آبادی۔ فتح العلام شرح بلوغ المرام۔ عون الباری فی حل ادلۃ البخاری (شرح تجرید البخاری) السراج الوہاج شرح صحیح مسلم مصنفہ نواب صدیق حسن خاں۔ تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی مع مقدمہ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری۔ امام احمد کی ترتیب از حافظ عبدالحکیم نصیر آبادی۔ المصفی اور المسوی شرح موطا امام مالک از حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔

---

[1] تراجم علمائے حدیث ہند مقدمہ ص ۲۷

سیرت: ۔زاد المعاد فی ھدی خیر العباد مصنفہ ابن قیم رحمۃ للعالمین مصنفہ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری۔ سیرت مصطفےٰ از مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی۔
علم کلام: حجۃ اللہ البالغہ مصنفہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔

## تصوّف

لفظ صوفی کے مشتقات اور معنی: ۔صوفی کے ماخذ کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔

۱۔ بعض اسے صفا سے مشتق مانتے ہیں کیونکہ صوفیوں کے لئے صفائے قلب ضروری چیز ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں وہ صفوی ہوتا نہ کہ صوفی۔

۲۔ بعض نے صف سے مشتق قرار دیا ہے کیونکہ خدا سے تعلق رکھنے والوں میں وہ پہلی صف میں آتے ہیں۔ لیکن اس صورت میں اُسے صفی ہونا چاہیئے تھا۔

۳۔ بعض اس کا استخراج صفہ قرار دیتے ہیں۔ اگر یہ لفظ صُفّہ سے ماخوذ ہوتا تو اُسے صُفّی ہونا چاہیئے تھا۔

۴۔ بعض کے نزدیک لفظ صوفی یونانی لفظ سوف سے لیا گیا ہے جس کے معنی حکمت کے ہیں اور ایرانیوں نے سین کو صاد سے بدل دیا۔

۵۔ بعض کہتے ہیں کہ لفظ صوفی صوف سے نکلا ہے جس کے معنی اُون کے ہیں۔ گویا صوفی کے معنی ہیں پشمینہ پوش، (آخری نام پشمینہ پوش) فارسی زبان میں تارک الدنیا فقراء کا لقب تھا۔ اس رائے کو سب سے پہلے ابو نصر السراج (م ۳۷۸ھ) نے اپنی کتاب "اللمعہ" میں بیان کیا ہے۔

تصوف کا مادہ: صوف ہے، جس کے معنی میلان، استواری اور کثرت کے ہیں۔ صاف عن کذا۔ مَالَ۔ صاف یصوف۔ صوفا۔ عَدَلَ۔ صاف الکبش۔ کثُرَ صُوفُہٗ (اقرب الموارد۔ المنجد)

باب تفعل میں استعمال ہوتے پر اس کے یہ معنی لکھے ہیں: تصوف الرجل۔ صار صوفیاً۔ تخلق باخلاق الصوفیۃ فھو متصوف۔

تعریف: تصوف دل کو مخلوقات کی موافقت سے پاک کرنے، طبعی ابتدائی اخلاق سے ترقی کرنے، بشری خواہشات کو بجھانے، نفسانی دعاوی سے اجتناب کرنے، صفات روحانیہ سے ہم کنار ہونے اور علوم حقیقت سے تعلق پیدا کرنے کا نام ہے[1]

---

[1] اقرب الموارد۔

الشیخ علی الہجویری رح لکھتے ہیں:

"اس نام (صوفی) کی تحقیق میں لوگوں کے مختلف خیالات ہیں اور بہت سے اقوال ہیں۔ ایک گروہ کے نزدیک چونکہ یہ لوگ جامۂ صوف پہنتے تھے، اس لئے صوفی کہلاتے۔ بعض کا خیال ہے کہ لفظ صوفی کا ماخذ صف اول ہے۔ یہ لوگ چونکہ صف اول میں رہتے تھے۔ اس لئے ان کا نام صوفی پڑ گیا۔ ایک گروہ کا نظریہ ہے کہ چونکہ ان لوگوں کو اصحاب صفہ سے خاص محبت تھی اس لئے یہ صوفی کے نام سے موسوم ہوئے۔ ایک اور جماعت اس لفظ کا اشتقاق لفظ صفا سے بیان کرتی ہے اور ہر گروہ اپنی تائید میں عجیب و غریب نکات پیدا کرتا ہے۔ لیکن لغت سے کسی قول کی بھی تائید نہیں ہوتی۔"[1]

امام عبدالکریم قشیری رح فرماتے ہیں: "جو کہتے ہیں کہ صوفی صَفَا یا صَفْوَت سے مشتق ہے تو قیاس لغوی کے پیش نظر ان کا خیال بھی بعید از حقیقت معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر کہا جائے کہ صوفیا صوف (اُون) پوش تھے۔ اور یوں ان کو صوفیا کہا جاتا تھا تو یہ بات بھی اپنے اندر واقعیت نہیں رکھتی، کیونکہ اُون صوفیا ہی نہیں پہنا کرتے تھے کہ یہ ان کی صفت امتیازی ٹھہرتی۔ مگر میرا جہاں تک خیال ہے اگر اس لفظ کو صوف (اُون) سے مشتق مانا جائے تو اس کا اس طرف اشارہ ہوگا کہ صوفیا نے دنیاداروں کی طرح زرق برق لباس سے اجتناب کر کے ان کے مقابلہ میں اپنا مخصوص لباس صوف یا موٹا جھوٹا لباس اختیار کیا تھا اور یہی لباس ان کے لئے امر فارق ہو گیا اور طرۂ امتیاز۔"[2]

تصوف کے ماخذ: فان کریمر اور ڈوزی نے اسلامی تصوف کو ہندی ویدانت سے ماخوذ قرار دیا ہے۔ مرکس اور نکلسن نے نو افلاطونیت کو اور عیسائیت کی طرف منسوب کیا ہے۔ براؤن نے اسے سامی مذہب کے خلاف آریائی ردعمل قرار دیا ہے۔

علماء اسلام کا یہ کہنا ہے کہ قرآن اور حدیث میں صوفیانہ نظریہ کی طرف اشارات موجود ہیں قرآن مجید کی سورت واقعہ میں تین قسم کے انسانوں کا ذکر ہے۔ اصحاب المیمنہ (داہنے ہاتھ والے) اصحاب المشئمۃ (بائیں ہاتھ والے) مقربین۔

ارشاد الٰہی ہے:

فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ (۸-۱۱)

---

[1] کشف المحجوب ص ۲۲۔

[2] ترجمہ مقدمہ ابن خلدون فصل گیارہ جلد ۳ ص ۴۸۶ مطبوعہ کراچی۔

سو داہنے ہاتھ والے۔ داہنے ہاتھ والوں کی اچھی حالت ہے اور بائیں ہاتھ والے (بدبخت) بائیں ہاتھ والوں کی کیا بُری حالت ہے۔ اور آگے بڑھنے والے سب سے آگے ہی ہیں۔ وہی مقرب ہیں۔
شیخ شہاب الدین سہروردی عوارف المعارف (باب اول) میں رقمطراز ہیں۔ کہ اگرچہ لفظ صوفی قرآن مجید میں نہیں استعمال ہوا۔ لیکن اس کے مفہوم کو لفظ مقرب سے ظاہر کیا۔
تصوّف کا آغاز: تصوف کا آغاز دوسری تیسری صدی میں ہوا، جب مُسلمان روحانی دولت کو چھوڑ کر حرص، طمع اور جلبِ زر کا شکار ہو چکے تھے۔ لوگوں کو حرص اور طمع کے دیو کے چنگل سے نجات دلانے کے لئے صلحا اور اتقیا میں یہ تحریک پیدا ہوئی کہ محبتِ مال سے اجتناب کر کے ان کے لئے اسوہ حسنہ قائم کیا جائے اور سنتِ نبوی اور اسوہ صحابہ پر چلایا جائے۔ اس قسم کے لوگوں کو صوفی کے لفظ سے پکارا جانے لگا۔
مولانا جامی (۱۴۱۴ - ۱۴۹۲ء) کے تذکرہ صوفیہ (نفحات الانس) سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا شخص جس نے تصوف کی تعلیم دی۔ ذوالنون مصری (۲۴۶ - ۲۴۵) تھے۔ وہ مالک بن انس کے شاگرد تھے ذوالنون کی تعلیمات کو جنید بغدادی (م ۲۹۷) احاطہ تحریر میں لائے۔ جنید کے اصولوں کی تبلیغ ابوبکر شبلی خراسانی (م ۳۳۵) نے کی۔ ان کی تعلیمات ابو نصر سراج (م ۳۷۸) نے اپنی کتاب اللمع میں اور ابوالقاسم القشیری (م ۴۳۷) نے اپنے رسائل میں قلمبند کیا۔ حضرت امام غزالی نے اس کو فلسفہ کا رنگ دیا۔
صوفیا کے طبقات:۔ حضرت الشیخ الہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں اہل تصوف کے تین طبقات۔ صوفی۔ متصوف، اور متصوف بیان فرماتے ہیں یہ لکھتے ہیں:
"صوفی وہ ہے جو اپنے نفس سے فانی ہو کر حق میں زندہ اور باقی ہو اور مادیت سے گزر کر حقیقت تک رسائی حاصل کر چکا ہو۔ متصوف وہ ہے جو معاہدے کر کے یہ راہ طے کر رہا ہو۔ اور اس منزل تک رسائی کی کوشش میں ہو۔ متصرف وہ ہے جو محض جاہ و مال کے لئے دنیا طلبی کی خاطر اپنے کو صوفیہ و متصوفہ کے مشابہ بنا دے۔ اور حقیقتاً ان دونوں سے بے بہرہ ہو کسی نے خوب کہا ہے کہ متصوف صوفی کی نظر میں مکھی کی طرح حقیر ہوتا ہے اور دوسروں کی نظر میں بھیڑیے کی مانند۔ جس کی غذا ہی گوشت اور خون ہے۔ (کشف المحجوب بحوالہ التصوف اسلام ص ۶۴)
امام عبدالکریم القشیری نے بھی جعلی صوفیوں کو ذباب (مکھی) ذباب (بھیڑیے) قرار دیا ہے اپنی تصنیف رسالۃ القشیریۃ میں ان کی شدید مذمت کی ہے۔
درجے: اہل تصوف کے دو درجے ہیں: صوفی اور صافی۔ ان کو تصوف کی اصطلاح میں صاحب الحال اور صاحب المقام کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ صوفی اس سالک کا نام ہے جو اپنی تمام

عقل، تمام اطاعت اور تمام انہماک اور مجاہدہ سے روحانی منازل طے کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنا چاہتا ہے۔ یہ اس مسافر کی طرح ہے جو منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے درمیانی منازل طے کرتا ہے۔ اگر مقصود تک پہنچنے سے قبل ہی بیٹھ جائے تو وہ اپنے ٹھکانہ تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اس سالک کو صاحب الحال بھی کہا جاتا ہے۔

صافی وہ سالک ہے جو سلوک کی تمام منازل طے کرنے کے بعد قرب الٰہی میں جا بیٹھتا ہے اور وصال سے بہرہ یاب ہو جاتا ہے۔ حفاظت کے ایسے مقام پر جا پہنچتا ہے کہ جہاں شیطان کا گزر نہیں ہوتا۔ شرعی اعمال کے بجالانے میں لذت محسوس کرتا ہے۔ اسی کا دوسرا نام صاحب المقام ہے۔

مقاصد:۔ علامہ ابن خلدون نے تصوف کے مقاصد بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"تصوف کے مقاصد اصلیہ یہ ہیں کہ انسان عبادت الٰہی میں جان کھپائے۔ پوری طرح اللہ کا ہو لے اور دنیا اور دنیا کی لغویات و خرافات سے بالکل منہ موڑ لے۔ اور عام دنیا دار جن چیزوں پر مٹے پڑتے ہیں یعنی لذات دنیویہ اور مال وجاہ وہ ان سے قطعی کنارہ کش ہو جائے۔ عبادت کے لئے عزلت نشینی اور گوشہ نشینی کو پسند کرے"[1]

صوفی خانوادے:

| | | |
|---|---|---|
| ۱۔ زیدیہ | بانی | عبدالوحید بن زید (م ۱۷۷ھ) |
| ۲۔ عیادیہ | // | فضل بن عیاد (م ۱۸۷ھ) |
| ۳۔ ادہمیہ | // | ابراہیم بن ادھم (م ۱۶۱ھ) |
| ۴۔ عجمیہ | // | حبیب عجمی (م ۱۵۶ھ) |
| ۵۔ کرخیہ | // | معروف کرخی (م ۲۰۰ھ) |
| ۶۔ سقطیہ | // | سری سقطی (م ۲۵۳ھ) |
| ۷۔ طیفوریہ | // | بایزید بسطامی (م ۲۶۰ھ) |
| ۸۔ جنیدیہ | // | جنید بغدادی (م ۲۹۷ھ) |
| ۹۔ جیریہ | // | جیرہ البصری (م ۲۸۷ھ) |
| ۱۰۔ چشتیہ | // | خواجہ علوی نباوری (م ۲۹۹ھ) |
| ۱۱۔ غزنویہ | // | ابواسحٰق غزنوی (م ۴۲۶ھ) |
| ۱۲۔ طوسیہ | // | علاء الدین طوسی (م ۴۲۶ھ) |
| ۱۳۔ سہروردیہ | // | ابو نجیب سہروردی (۵۶۳ھ) |
| ۱۴۔ فردوسیہ | // | نجم الدین کبریٰ (م ۶۱۸ھ) |

---

[1] مقدمہ ابن خلدون اردو ترجمہ مطبوعہ کراچی ص ۴۸۶۔

| | | |
|---|---|---|
| ۱۵- خزانیہ | بانی | ابو سعید الخزاز |
| ۱۶- نوریہ | 〃 | حضرت ابو حسین النوری |
| ۱۷- ملامتیہ | 〃 | حمدون القصار |
| ۱۸- رفاعیہ | بانی | احمد بن ابی الحسین الرفاعی (م ۵۷۰ھ) |
| ۱۹- شاذلیہ | 〃 | ابو الحسن علی بن عبداللہ بن عبدالجبار الشاذلی (م ۶۵۶ھ) |

۲۰- فارسیہ (جو طریقہ مولویہ کے نام سے بھی معروف ہے) بانی۔ جلال الدین رومی (م ۶۷۲ھ)
۲۱- عربیہ (یہ طریقہ بدوی بھی کہلاتا ہے) بانی ابو العباس احمد البدوی (م ۶۷۵ھ)

ہندوستان میں صوفیہ کے چار سلسلے پائے جاتے ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| ۱- قادریہ | بانی | شیخ عبدالقادر جیلانی (م ۵۶۱ھ) |
| ۲- سہروردیہ | 〃 | شیخ ابو النجیب سہروردیؒ (م ۵۶۳ھ) |
| ۳- چشتیہ | 〃 | خواجہ معین الدین چشتی (م ۶۳۳) |
| ۴- نقشبندیہ | 〃 | خواجہ بہاؤ الدین نقش بندی (م ۱۳۳۹ء) |

نظریات:۔ صوفیا کرام کے مشترکہ نظریات:۔

---

مختلف صوفیاء کرام کے مختلف نظریات ہیں، جن پر بحث کرنا طوالت سے خالی نہیں۔ لیکن بعض ایسے نظریات ہیں جو سب صوفیاء کرام کے مشترکہ نظر آتے ہیں، وہ یہ ہیں کہ وحی اور الہام ہی علم کا ماخذ ہے۔ تزکیہ نفس پر زیادہ زور دیتے تھے۔ تزکیہ نفس عبادت، مراقبہ، مجاہدہ، عشق اور ترک ماسوا کے ذریعے ہوتا ہے۔

خدا کا تخیل:۔ تصور باری تعالیٰ کے اعتبار سے صوفیہ کے تین گروہ ہیں۔

ایجادیہ۔

وجودیہ، اور

شہودیہ۔

۱- ایجابیہ :- اس مسلک کو ماننے والوں کے مطابق کائنات کی تخلیق لاشے سے ہوئی ہے اور خالق کا جوہر مخلوقات سے جدا ہے۔ یہ نظریہ "ہمہ از اوست" (سب اسی نے بنایا) کے قائل ہیں اور ان کا کلمہ "لا معبود الا ھُو" ہے۔ اس نظریہ کے مطابق خدا اور انسان کا تعلق خالق اور مخلوق، حاکم اور محکوم کا سا ہے۔

۲- وجودیہ :- اس مسلک کے ماننے والوں کے مطابق کائنات میں بجز خدا کے اور کچھ نہیں ہے خالق اور مخلوق کا جوہر ایک ہے۔ یہ نظریہ "ہمہ اوست" (سب وہی ہے) کے قائل ہیں۔ ان کا کلمہ لا موجود الا ہو ہے۔ یہ لوگ کائنات کی ہر چیز میں خدا کا ظہور دیکھتے ہیں۔ بایزید بسطامی (م ۸۷۴ء) ابو سعید خراسانی (۹۶۷ء - ۱۰۴۹ء) اور محی الدین ابن عربی (۱۱۶۵ - ۱۲۴۰ء) اس فلسفہ کے مبلغ تھے۔

شہودیہ :- شہود کے معنی دیکھنے یا مشاہدہ کرنے کے ہیں اور اہل تصوف کی اصطلاح میں یہ ایک مقام ہے جس کے حاصل ہو جانے کے بعد سالک کو تمام موجودات میں جلوۂ حق نظر آتا ہے۔ اس مسلک کو ماننے والے شہودی کہلاتے ہیں۔ اس مسلک کے بانی شیخ رکن الدین علاء الدولہ تھے۔

فنا فی اللہ :- جب انسان کا نفس، اور قلب کثرت عبادات و مجاہدات سے آلائشوں سے پاک صاف اور منزہ ہو جاتا ہے اور خدائی صفات اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے۔ اور خدا کے رنگ میں کلی طور پر رنگ جاتا ہے تو صوفیا اس حالت کو فنا فی اللہ کہتے ہیں۔ حسین بن منصور حلاج نے اسی کیفیت میں انا الحق کا نعرہ بلند کیا تھا۔

فنا فی الرسول :- رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر چل کر حضور کے اوصاف کو اپنے اندر پیدا کر لینے کا نام صوفیا کے "فنا فی الرسول" رکھا ہے۔

تخلیق عالم :- تخلیق عالم کو صوفیا کی اصطلاح میں تنزل کہا جاتا ہے۔ اس نظریہ کی تائید میں حدیث قدسی بیان کی جاتی ہے یعنی میں (خدا) ایک مخفی خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں پس میں نے مخلوقات کو پیدا کیا۔

صوفیا کے نزدیک ساری کائنات دو حصوں میں منقسم ہے۔ عالم امر، عالم خلق، عالم امر سے مراد وہ لطیف اشیاء ہیں جو لفظ کُن سے پیدا ہو گئیں اور یہ غیر فانی ہیں اور عالم خلق سے مراد وہ اشیاء ہیں جو مادّے سے تخلیق کی گئیں۔ یہ فانی ہیں ان دو عالموں کو ملا کر عالم کبیر کہتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں انسان کو عالم صغیر کہا جاتا ہے۔ جو عالم امر کے پانچ عناصر (قلب، روح، سر، خفی، اخفاء) اور عالم خلق کے پانچ عناصر (نفس، خاک، باد، آتش

آب) کی ترکیب سے بنا ہے۔

طریقۃ تصوف :۔ تصوف کی اصطلاح میں روحانی زندگی کو "سفر" کہتے ہیں۔ طالب حق روح کو سالک کہا جاتا ہے اس کی منزل مقصود "معرفت" ہے راستہ طریقت، اور مختلف مقامات اور احوال سے گزر کر منزل تک پہنچ کر "فنا فی الحقیقت یا فنا فی اللہ" ہونا چاہتی ہے فنا فی الحقیقت ہونے کے لئے روح سات منازل سے گزرتی ہے ہفت منازل کے بارے میں صوفیاء میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک وہ ہفت منازل یہ ہیں ۱۔ عبودیت ۲۔ عشق ۳۔ زہد ۴۔ معرفت ۵۔ وجد ۶۔ حقیقت ۷۔ وصل، بعض چار منازل تسلیم کرتے ہیں۔ یعنی شریعت طریقت، معرفت حقیقت۔

کشف :۔ تصوف کی اصطلاح میں خواب یا بیداری کی حالت میں بعض اسرار کی حقیقت کے انکشاف کا نام کشف ہے۔ صوفیاء کشف کے قائل ہیں۔ اور اس نعمت سے وہ شخص متمتع ہوتا ہے جو دنیاوی الائشوں سے اپنے آپ کو صاف کر کے خدا کے رنگ میں رنگین ہو جاتا ہے۔

جذب :۔ صوفیاء کی اصطلاح میں حقیقت میں مدغم ہو جانے کا نام جذب ہے۔ جب کسی صوفی پر جذب کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو اس کی زبان سے ایسے فقرے نکلتے ہیں۔ جو قشر اور ظاہر پرست کی نظر میں غیر شرعی معلوم ہوتے ہیں۔ درحقیقت وہ روحانیت کی کوچے سے نابلد ہوتے ہیں۔ یہی وہ علماء ہیں جنہوں نے حسین بن منصور حلاج کو انا الحق کا نعرہ بلند کرنے کی وجہ سے قتل کرنے کا فتویٰ جاری کیا۔ انا الحق کا نعرہ حلاج نے ہی بلند نہیں کیا تھا بلکہ بایزید بسطامی نے بھی اس قسم کے فقرے کہے تھے۔ مثلاً "میرے جبہ میں خدا کے سوا کوئی نہیں"، میری شان کیسی عالی ہے، فی الحقیقت میں خدا ہوں"، میرے سوا کوئی خدا نہیں اس لئے میری پرستش کرو، وہ خواب میں "معراج" حاصل ہونے کے بھی مدعی ہیں انہیں کا قول ہے کہ عشق، عاشق اور معشوق تینوں ایک ہیں۔ میں اور تو (خدا) کی تفریق سے خدا کی توحید میں فرق پڑتا ہے۔

انہی فقرات کی وجہ سے فقہاء متکلمین نے تصوف کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا۔ ابن تیمیہ نے ابن العربی پر کفر کا فتویٰ صادر کیا۔ جب مشہور صوفیاء کے سوانح حیات اور تعلیمات پر نظر دوڑائیں تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ہر صوفی نے شریعت کو ہی واجب الاطاعت قرار دیا ہے۔ اور شریعت کی پیروی کو ہی منزل مقصود تک پہنچنے کا وسیلہ قرار دیا ہے۔ جس راستہ سے ایک صوفی حقیقت کو پاتا ہے۔ اس راستہ کے خلاف وہ کیسے کلام کر سکتا ہے۔ درحقیقت اس قسم کے فقرے توحید الٰہی کا اقرار ہوتے ہیں۔ ایک ظاہر بین شخص اسے دعویٰ الوہیت

سمجھ لیتا ہے جب ایک سالک سلوک کی منازل طے کر کے تمام دنیاوی الائشوں سے اپنا دل صاف کر لیتا ہے تو اس وقت اس کا دل مہبط انوار الٰہیہ بن جاتا ہے۔ وہ سالک انا الحق کا نعرہ بلند کرتا ہے۔ کیونکہ اس صوفی کا وجود ہستی باری تعالیٰ ہر اعتبار سے دلیل ہوتا ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہے کہ جیسے لوہے کو آگ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ تو کچھ عرصہ کے بعد اس لوہے پر آگ غلبہ حاصل کر لیتی ہے تو وہ لوہا آگ بن جاتا ہے۔ جب وہ لوہا آگ کے اوصاف اپنے اندر لے لیتا ہے تو اس کو آگ بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ حقیقت میں وہ لوہا ہی ہوتا ہے۔ یہی ایک سالک اور باخدا صوفی کی مثال ہے جب وہ خدا کی صفات کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے تو وہ جذب کی حالت میں بے اختیار انا الحق کہہ اٹھتا ہے۔ درحقیقت اس وقت صفات الٰہیہ کا ظہور اس سالک کے ذریعہ ہو رہا ہوتا ہے۔ کیونکہ صوفی کا نصب العین ہی اپنے ترکیبی عناصر کو منزہ کر کے خدا کا عرفان حاصل کرنا اور اپنے آپ کو اس کی صفات میں رنگین کرنا ہے۔

تصوف کا دور انحطاط:۔ اس صافی چشمے کا منبع قرآن اور سنت تھا مگر آہستہ آہستہ دوسری اقوام کے اختلاط سے ان کے عقائد کا رنگ چڑھنا شروع ہوا۔ تصوف میں بدعات اور غیر شرعی امور داخل ہونے شروع ہوئے متصوفین نے شریعت سے انحراف شروع کر دیا۔ اس طرح حقیقی نظام تصوف ایک جامد اور زنگ خوردہ حیثیت اختیار کر گیا۔ اس سلسلہ میں کسی نے خوب نقشہ کھینچا ہے۔

"تصوف حال تھا لیکن اپنے دور انحطاط میں برا حال بن گیا۔ وہ اجتناب تھا لیکن اس نے اکتساب کی صورت اختیار کر لی۔ وہ استتار تھا مگر اب وہ اشتہار نظر آنے لگا۔ وہ سلف کا دوسرا نام تھا لیکن اب وہ خود سری اور بے عملی بن گیا پہلے وہ صدور کی عمارت تھا اب غرور کا مرکز بن گیا۔ پہلے وہ تقشف تھا اب تکلف کا جامہ اس نے پہن لیا۔ پہلے وہ تخلق تھا اب تملق بن گیا۔ پہلے وہ قناعت تھا اب اس نے مجاعت کا روپ بھر لیا۔"

## اسلام میں فرقہ بندی کی حقیقت

اسلام میں جتنے بھی فرقے پائے جاتے ہیں ان کے بیشتر اختلافات فروعی قسم کے ہیں۔ اسلام کا بطن اتنا پاکیزہ اور صاف ہے کہ اس میں کوئی غیر قرآنی نظریہ دیر پا قائم نہیں رہ سکتا۔ عہد عباسیہ میں خلق قرآن کا نظریہ پیدا ہوا، باوجود حکومت کی سرپرستی کے یہ عقیدہ نشو ونما نہ پا سکا۔ انکار حدیث کا فتنہ اٹھا۔ لیکن خود ہی اپنی موت مر گیا۔ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو اسلام کو دوسرے مذاہب سے ممتاز کرتی ہے۔ دوسرے تمام مذاہب کے فرقوں

میں اختلافات اصولی ہیں۔ اگر کسی مذہب کا ایک فرقہ بانی مذہب کو انسان تسلیم کرتا ہے تو دوسرا اس کو خدا بناتے ہوئے ہے۔ لیکن اسلام کے فرقوں میں ایسا نہیں ہے۔ فروعی اختلافات کی وجہ سے ہر فرقہ کا الگ الگ نام ہے۔ اس سے صرف اس فرقہ کی خصوصیتوں کا اظہار مقصود ہے۔ مثلاً خلافت کے متعلق مختلف الخیال تین فرقے ہیں، ان کے تعارف کے لئے ان کا نام سنی، شیعہ اور خوارج رکھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ تینوں مسلمان نہیں۔ تینوں دائرہ اسلام میں داخل ہیں۔ اسی طرح اسلام کے دوسرے فرقوں کے نام ان کی خصوصیات کو ظاہر کرتے ہیں۔ اسلام کے تقریباً تمام فرقے فروعی اختلافات کی پیداوار ہیں، کسی فرقہ میں اصولی اور اعتقادی اختلاف بہت کم تھے۔

اسلام کے اکثر فرقوں کی مثال ایسی ہے جیسطرح دنیا میں نوع انسان میں سے کسی کو افغان کہہ دیتے ہیں، کسی کو سید اور کسی کو مغل کے نام سے پکار دیا جاتا ہے۔ یہ نام صرف تعارف اور ایک دوسرے کی خصوصیات کو ظاہر کرنے کے لئے بولے جاتے ہیں۔ قرآن مجید نے بھی اس ضرورت کو محسوس کیا ہے، ارشاد الٰہی ہے: وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا الحجرات ۱۳:۴۹ اور ہم نے تمہیں شاخیں اور قبیلے بنایا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔

دنیا کے تمام انسانوں کا مختلف نسلوں اور قبائل میں تقسیم ہونا نسل انسانی میں تفرقہ اور اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ صرف ان کی خصوصیات جتانے کے لئے مختلف نام رکھے گئے ہیں۔ حالانکہ سب قبائل اور نسلیں دائرہ انسانی میں شامل ہیں۔ اسی طرح اسلام کے تمام فرقے فروعی اختلاف کی وجہ سے مختلف خصوصیات رکھتے ہیں، ان خصوصیات کو ظاہر کرنے کے لئے ان کے نام الگ الگ ہیں۔

امت مسلمہ کے فرقوں میں بنیادی عقائد اور اصولوں میں اختلاف نہیں ہے۔ اس وجہ سے کہا جاسکتا ہے کہ اسلام میں کوئی فرقہ نہیں ہے۔ فروع میں اختلاف طبعی امر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانوں کے مزاج اور خیالات میں اختلاف ہے۔ فروعات انہی خیالات کے ماتحت مستنبط ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے اختلاف ضروری ہے۔ یہ اختلافات انسانی ترقی کا ذریعہ ہیں۔

## اسلام اور عصر حاضر

اسلام کے فلسفہ حیات کو عصر حاضر میں دو نظام ہائے زندگی سے مقابلہ ہے: ایک نظام سرمایہ داری ہے اور دوسرا نظام اشتراکیت۔ ان دونوں نظاموں کے پیچھے مضبوط حکومتیں ہیں اور یہ دونوں نظام ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ سرمایہ داری نظام بے لگام انفرادی ملکیت کو جائز قرار دیتا ہے اور اصحاب ثروت کو کھلی چھٹی دیتا ہے کہ وہ جیسطرح چاہیں دولت جمع کر کے اپنی تجوریاں بھرتے چلے جائیں۔ اس کے برعکس اشتراکیت انفرادی ملکیت کو ناجائز قرار دیتی ہے۔

دنیا کے مفکرین ہر سہ نظامہائے زندگی کے فلسفوں کا مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اسلام ہی ایک ایسا فلسفہ حیات ہے جو اعلیٰ ہے، نوع انسان کا نجات دہندہ ہے۔ چنانچہ مشہور فلسفی برنارڈ شا کہتا ہے:

"میں نہایت ہی وثوق کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ بشریت اور انسانیت کا نجات دہندہ اگر کوئی دین ہو سکتا ہے تو وہ اسلام ہے۔" (مقالات برنارڈ شا)

عصر حاضر کے مسائل:۔ عصر حاضر میں تمام دنیا گوناگوں مسائل میں الجھی ہوئی ہے۔ ان میں سے اہم مسائل اخلاقی، معاشرتی، سیاسی، اقتصادی۔ حقوق انسانی، قیام امن اور قومیت ہیں۔

اخلاقی مسئلہ:۔ دنیا میں فساد اور بگاڑ کی وجہ اخلاق باختگی ہے۔ جب تک فرد اور اقوام عالم اخلاق حسنہ کے زیور سے آراستہ نہیں ہوتیں دنیا کا کوئی مسئلہ بھی حل نہیں ہوگا۔ کیونکہ تمام مسائل اخلاق حمیدہ کے اردگرد گھومتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ کی اہمیت ان الفاظ میں بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں: بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ (موطا مالک حسن اخلاق) میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ مسند احمد، بیہقی اور ابن سعد وغیرہ میں یہ الفاظ ہیں۔ اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ میں تو اسی لئے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق حسنہ کی تکمیل کر دوں۔

گویا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض ہی اخلاق حسنہ کی عمارت کی تکمیل ہے۔

اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا یعنی مومنوں میں کامل ایمان اسکا ہے جس اخلاق سب سے اچھے ہیں۔ حدیث ترمذی۔ ابن حنبل۔ ابوداؤد اور حاکم میں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں ایمان کے کمال کا معیار حسن اخلاق ہے۔ اخلاق حسنہ کو پانچ بڑے بڑے عنوانات کے تحت تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

اخلاق عمومیہ:۔ وہ اخلاق ہیں جن کا عملی پہلو صرف بنی نوع انسان سے ہی مخصوص نہیں بلکہ تمام چرند، پرند کا احاطہ کئے ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں اخلاق عمومیہ کی تبلیغ مختلف پیرایہ میں کی گئی ہے۔ لیکن طوالت کے خوف سے صرف قرآن مجید کی ایک جامع مانع آیت درج کی جاتی ہے۔ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (بقرہ ۲: ۱۹۵)
نیکی کرو بے شک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اخلاق خصوصیہ:۔ وہ اخلاق ہیں جن کا عملی پہلو مخصوص طبقہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن کسی حد تک اس شعبہ کا عمومیہ کے ساتھ بھی وابستگی ہے قرآن مجید میں آتا ہے:

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ الشعراء ۲۶:۲۱۵

یعنی اپنے بازو ایمان والوں کے لئے جھکاؤ۔

۲۔ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (فتح ۴۸: ۲۹) یعنی مومنوں کی شان یہ ہے کہ وہ کفار پر سخت گیر ہوتے ہیں اور آپس میں محبت اور پیار سے رہتے ہیں۔

۳۔ وَلَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ اپنوں کے سوا کسی اور کو اپنا رازدار دوست نہ بناؤ۔ (آل عمران ۳: ۱۱۸)

اخلاق تمدنیہ:۔ اس شعبہ سے وہ اخلاق مراد ہیں جن میں فلسفہ تمدن کو اجاگر کیا گیا ہے۔

۱۔ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا سب کے سب خدا کی رسی کو پکڑے رکھو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔ (آل عمران ۳: ۱۰۳)

۲۔ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ (۲: ۶۰) زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔

۳۔ أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ۵:۱ عہد کو پورا کرو۔

۴۔ لَا تَأْكُلُوا الرِّبَوٰا ۲:۲۷۸ سود مت کھاؤ۔

۵۔ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ اپنی اولاد کو غربت کے ڈر سے قتل نہ کرو۔

۶۔ لَيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ انسان کے واسطے وہی ہے جو اس نے کوشش کی:

۷۔ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ عورتوں سے نیک سلوک کرو۔ (۴: ۱۹)

۸۔ لَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ گواہی مت چھپاؤ۔ (۲: ۲۸۲)

اخلاق حقوقیہ:۔ ایک انسان کی زندگی کسی طرح دوسرے لوگوں کی زندگی سے وابستہ ہے۔ اس وجہ سے ضروری ہے کہ ایک دوسرے کے کچھ حقوق ہوں جن کی ادائیگی انسان کی زندگی کو خوشگوار بنائے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر طبقہ کے افراد کے حقوق متعین کروائے ہیں۔ ان کی ادائیگی ہی قیام امن کی ضامن ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

۱۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اور قرابت والوں، یتامیٰ اور مساکین، ہمسایہ، قرابت والوں، ہمسایہ اجنبی، ساتھ والے ساتھی، مسافر، اور خادموں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ (۴: ۳۶)

۲۔ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ (۲:۲۵۴) اور جو ہم نے تمہیں دیا اس سے بنی نوع انسان کی بہبودی کے لئے خرچ کرو۔

۳۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (۱۶:۹۰)
اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

اخلاق ادیہ:۔ اس شعبہ سے مراد وہ اخلاق ہیں جو دوسری حکومتوں اور مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

۱۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (۲:۲۸۵) یعنی ہم کسی رسول کے ماننے میں تفریق نہیں کرتے۔

۲۔ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ تفرقہ چھوڑ کر آؤ ہم ایک مشترکہ بات پر اکٹھے کر لیں۔ (۳:۶۴)

۳۔ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ
نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔ اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ (المائدہ ۵:۸)

معاشرتی مسئلہ:۔ اسلام نے معاشرتی مسائل کو حل کرنے کے لئے چند اصول مقرر کئے ہیں۔

وحدت نسل انسانی:۔ اسلام وحدت نسل انسانی کا داعی ہے تفریق بین الناس کا شدید مخالف ہے۔ قومی، لونی، لسانی اور نسلی امتیازات کو جڑ سے کاٹتا ہے۔ نسل انسانی کی وحدت کا نظریہ وہ نظریہ ہے جس کی نظیر دوسرے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں نہیں ملتی یہی وہ نظریہ ہے جس پر امن کی عمارت کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً (۴:۱) اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا ہے۔ اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔

حج کی عبادت کا بھی ایک عظیم مقصد جاہلیت کے امتیازات کو مٹانا ہے حجۃ الوداع کے موقع پر رسول کریم صلعم نے وحدت نسل انسانی کے پیغام کو دہراتے ہوئے فرمایا:

ایھا الناس الا ان ربکم واحد و ان اباکم واحد الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقوی (احمد، ابوداؤد) لوگو! ہاں بے شک تمہارا

رب ایک ہے، اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے۔ ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، سُرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔

۲۔ احترام انسانیت :۔ صحت مند معاشرہ کی تشکیل کا دوسرا اصول احترام انسانیت ہے۔ معاشرہ میں انسان ہونے کی حیثیت سے سب برابر ہیں۔ نہ تو امارت کسی کے لئے وجہ تکریم ہے اور نہ غربت وجہ ذلت۔ اور نہ کوئی نسل کے لحاظ سے مسند صدارت پر بیٹھنے کا زیادہ مستحق ہو سکتا ہے۔ کا ہر فرد انسان ہونے کے لحاظ سے احترام کا مستحق ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ ہم نے آدم کے بیٹوں کو عزت کے قابل بنایا ہے۔ اب رہا یہ کہ معاشرہ میں لوگوں کی عزت اور ذلت کا معیار کیا ہے۔ سو اس کے لئے قرآن مجید نے اچھے اعمال اور تقوے کو معیار مقرر کیا ہے۔

۳۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر : اسلام معاشرہ کے لئے ایک ایسا ضابطہ اخلاق مقرر کرتا ہے جس سے کسی کو بھی سر مو تجاوز کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ صرف اس ضابطہ اخلاق کو خود اپنانا ہی لازمی قرار نہیں دیتا بلکہ یہ بھی حکم دیتا ہے کہ جو شخص اس سے انحراف کرنے کی طرف مائل ہو اسے روکا جائے۔ اس ضابطہ اخلاق سے ہی معاشرہ میں حسن اور نظم پیدا ہو سکتا ہے۔ اس کے بغیر معاشرہ میں فساد اور بگاڑ ہو جاتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ [1]

نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ [2]

تم سب سے اچھی جماعت ہو جو لوگوں کی بھلائی کے لئے پیدا کی گئی ہے تم اچھے کاموں کا حکم دیتے ہو اور بُرے کاموں سے روکتے ہو۔

رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں: من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان [3]

تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اس کو ہاتھ سے درست کر دے اور اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل میں بُرا جانے اور یہ کمزور ترین ایمان ہوگا۔

---

[1] المائدہ ۵ : ۲ [2] آل عمران ۳ : ۱۱۰

[3] مشکوٰۃ المصابیح کتاب الآداب باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر۔

۴۔ مساوات :۔ قرآن مجید نے مساوات کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ تمام انسان ایک ہی اصل سے پیدا ہوئے۔ ارشاد الٰہی ہے : يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً[1]

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر اپنے مشہور خطبہ میں فرمایا :

ایھا الناس الا ان ربکم واحد وان اباکم واحد الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقویٰ

اے لوگو! ہاں بے شک تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر سرخ کو سیاہ اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔

۵۔ آزادی : اسلام سوائے خدا اور قانون الٰہی کی غلامی کے ہر قسم کی غلامی سے آزادی دلاتا ہے۔ آزادی کا مقصد شتر بے مہار ہونا نہیں ہے فیثاغورث سے ایک بار دریافت کیا گیا کہ آزاد آدمی کون ہے۔ اس نے جواب دیا جو نیکی کے لئے وقف ہو جائے۔ اسلام ہر فرد کو شریعت کی حدود کے اندر رہ کر اپنے حقوق سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دیتا ہے قرآن مجید میں آتا ہے :

لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ (الکفرون ۱۰۹ : ۶) یعنی تمہارے لئے تمہارا دین میرے لئے میرا دین۔

۶۔ رواداری : معاشرہ میں بگاڑ کی وجہ تنگ نظری اور تعصب ہوتا ہے اسلام نے تنگ نظری اور تعصب کو ختم کر کے معاشرہ کی تشکیل رواداری کے اصول پر کرتا ہے۔ قرآن اس بات کی صراحت کرتا ہے کہ توحید کا پیغام بنی نوع انسان کے ہر طبقہ تک پہنچا یا گیا ہے اور ہر مذہبی کتاب اور ہر پیغمبر کو تسلیم کیا جائے اور ان میں کسی قسم کی تفریق نہ کی جائے۔ یہی وہ سنہری اصول ہے جس سے محبت اور آشتی کی فضا معاشرہ میں پیدا ہوتی ہے قرآن مجید میں آتا ہے :

وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (فاطر : ۱۰) کوئی گروہ ایسا نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ (یونس آیت ۴۷) ہر قوم کے لئے ایک رسول ہے۔

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ (البقرہ ۲ : ۲۸۵)

---

[1] النساء ۴ : ۱

رسول اس پر ایمان لایا جو اس کے رب سے اس کی طرف اتارا گیا اور مومن بھی سب اللہ اور اسکے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے ۔

رواداری کو فروغ دینے کے لئے دوسرا اصول یہ مقرر کیا ہے کہ معاشرہ مذہبی سیاسی اور اقتصادی جبر سے پاک ہو قرآن مجید میں آتا ہے ۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرہ ۲/۲۵۶) دین کے بارے میں کسی طرح جبر نہیں ۔ اسلام نے اصول متعین کرنے کے بعد ان تمام افراد اور اجزاء کے جن سے معاشرہ تشکیل پاتا ہے ۔ حقوق و فرائض مقرر کر دیئے ہیں تاکہ وہ اپنی حدود کے اندر رہ کر زندگی بسر کریں ۔ معاشرہ کے اہم اجزاء والدین ۔ زوجین ۔ رشتہ دار یتامیٰ ۔ بیمار حاجت مند ۔ مزدور ، خادم آقا وغیرہ ہیں ۔ ان کے حقوق و فرائض پر بحث پہلے گزر چکی ہے ۔

سیاسی مسئلہ :۔ اسلام نے اس وقت حکومتی اور سیاسی مسئلہ کو حل کیا جب دنیا میں بادشاہت کا دور دورہ تھا ۔ اور بادشاہ کا حکم ہی قانون سمجھا جاتا تھا ۔ عوام کا حکومتی امور میں کوئی دخل نہ ہوتا تھا ۔ اسلام نے اس وقت چند ایسے اصول مقرر کئے ۔ جن سے سیاسی مسئلہ ہمیشہ کے لئے حل ہو گیا ۔ اس دور میں بھی جو سیاسی مسائل الجھے ہوتے ہیں وہ انہی اصولوں کی روشنی میں حل ہو سکتے ہیں ۔

پہلا اصول :۔ اسلام منتظمین کی جماعت کے لئے ایک عالمگیر اصول پیش کرتا ہے وہ ہے مشاورت ۔

قرآن مجید میں آتا ہے : وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (الشوریٰ ۴۲ : ۳۸)

(اور منتظمین کی جماعت) کا فریضہ ہے کہ باہمی مشاورت سے حکومتی کاروبار چلائیں ۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (آل عمران ۳ : ۱۵۹) ان سے (حکومتی کاموں میں) مشورہ لیتے رہا کیجئے ۔

دوسرا اصول :۔ منتظمین اور عوام سب قانون کی نظر میں برابر ہیں ۔ قرآن مجید میں آتا ہے :

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (المائدہ ۵ : ۴۵)

اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہ کریں پس وہ ظالم ہیں ۔

تیسرا اصول :۔ اسلام تمام انسانوں کو آزادی کی نعمت سے نوازتا ہے اور قرآن مجید انسان کی گردن ہر قسم کی غلامی سے آزاد کی ہے ۔ قرآن مجید میں آتا ہے : وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ (الاعراف ۷ : ۱۵۷) ان سے ان کا (غلامی) کا بوجھ اتارتا ہے اور (غلامی) کا طوق بھی جو ان پر ہے ۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ (البلد ۹۰ : ۱۱-۱۳)

سو وہ اونچے گھاٹی پر چڑھنے کی ہمت نہیں کرتا اور تجھے کیا خبر اونچی گھاٹی کیا ہے کسی گردن

کا آزاد کرنا۔ اسلام ہی وہ دین ہے جس نے ہر رنگ کی غلامی سے مخلوق کو نجات دی ہے۔

چوتھا اصول: اسلام انسانوں میں باہمی مساوات کا سبق دیتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا (النساء ۴: ۱)

اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔ اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور اللہ کے (حقوق کی) جس کے ذریعہ سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے رہو اور رحموں کی نگہداشت کرو اور اللہ تم پر نگہبان ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ان العباد کلھم اخوۃ (احمد، ابوداؤد) انسان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا "لوگو! ہاں بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔

اس دور کا سب سے اہم مسئلہ ہی قومی، لونی، نسلی تفریق کا مسئلہ ہے۔ جس نے دنیا کو جہنم کے گڑھے کے کنارہ پر لا کھڑا کیا ہے۔ دنیا کی تمام اقوام لونی۔ قومی اور نسلی تفاخر اور تفریق کی دلدل میں پھنسی ہوئی ہیں۔ ہر قوم دوسری قوم سے اپنے آپ کو افضل اور بہتر سمجھتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک سلطنت میں رہنے والے تفاخر کے مرض میں مبتلا ہیں۔ بھارت میں ہندو اچھوت کو مساوی درجہ نہیں دیتے امریکہ میں گورا کالے کو ہم رتبہ نہیں دیتا۔

پانچواں اصول: اسلام حکومت کے تمام امور میں عدل و انصاف کو مرکزی حیثیت دیتا ہے۔ اس وجہ سے قرآن مجید میں عدل پر بہت زور دیا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ۔ (النحل ۱۶: ۹۰)

اللہ تعالیٰ تمہیں عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ (النساء ۴: ۵۸)

اور جب لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔

چھٹا اصول: اسلام جنگ اور صلح میں معاہدوں کی پابندی لازمی قرار دیتا ہے اور ان میں کسی قسم کی بدعہدی کرنا حرام ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

وَاَوْفُوْا بِعَھْدِ اللّٰہِ اِذَا عٰھَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْکِیْدِھَا (النحل ۱۶: ۹۱)

اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب تم عہد کر لو اور قسموں کو ان کے پکا کرنے کے بعد مت توڑو۔

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل ۱۷: ۳۴)

اور عہد کو پورا کرو کیونکہ ہر عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

ساتواں اصول:۔ اسلام معاشرہ میں استوار حالات پیدا کرنے کے لئے یہ بات ضروری قرار دیتا ہے کہ انتظام سلطنت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہو جن کا ذہن اور عمل صالح اور متوازن ہو تاکہ عوام میں بھی صالح اور متوازن ذہن پیدا کریں۔ اور ان کے سپرد کی ہوئی امانت کو احسن طور پر ادا کر سکیں۔ ارشاد الٰہی ہے اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۴: ۵۸

بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں (جملہ حقوق کی امانتیں) اس کے اہل کے سپرد کرو۔

اقتصادی مسئلہ: عصر جدید میں معاشی مسئلہ کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے مختلف قسم کی تحریکیں اٹھی ہیں۔ ان میں سے کمیونزم اور سرمایہ داری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ لیکن یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکا۔ اس کا حل صرف اسلام کی تعلیم میں ہی مضمر ہے۔

اسلام اقتصادی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے چند اصول وضع کرتا ہے۔

پہلا اصول: انسان کی ملکیت اصالتاً نہیں ہوگی بلکہ نیابتاً ہوگی۔ گویا جو دولت کسی انسان کی ملکیت میں ہے وہ خدا کی طرف سے اس پر وکیل ہے اصیل نہیں ہوگا۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ اور اس سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں اپنا نائب بنایا ہے۔ (الحدید ۵۷: ۷)

دوسرا اصول:۔ حصول دولت اور تصرف دولت پر ایسی قیود اور پابندیاں عائد کر دیگئی ہیں جن کی وجہ سے انسانی معاشرہ میں کسی قسم کی بدنظمی اور اضطراب پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ معاشرہ اتحاد اور اخوت کی سلک میں منسلک ہو جاتا ہے۔ اسلام حصول دولت کے متعلق اصولی طور پر یہ حکم دیتا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے مالوں کو آپس میں ناحق کے ساتھ مت کھاؤ۔ ۴/۲۹

اسلام نے حسب ذیل حصول دولت کے ناجائز ذرائع کو حرام قرار دیا ہے۔ یہی وہ ذرائع ہیں جن کو اختیار کرنے سے معاشی توازن میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے

۱۔ سود، ۲۔ احتکار۔ ۳۔ اکتناز۔ ۴۔ قمار۔ لاٹری۔ سٹہ وغیرہ۔ ۵۔ بیع و شرا کی وہ تمام صورتیں جن سے کسی ایک فریق کو نقصان پہنچتا ہو۔ ۶۔ حرام چیزوں کی خرید و فروخت۔

ان ناجائز ذرائع کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

تصرف دولت کے متعلق ارشاد الٰہی ہے : وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (الفرقان ۲۵ : ۶۷)
اور وہ جو جب خرچ کرتے ہیں نہ بے جا خرچ کرتے ہیں اور نہ موقع پر تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ ان دو حالتوں کے درمیان اعتدال پر ہے۔

تیسرا اصول۔ اسلام نے کسب شدہ دولت پر چند احکام مقرر کئے ہیں۔

ا۔ زکوٰۃ۔ یعنی ہر سال اپنے سرمایہ کا کچھ مقررہ حصہ ضرورت مندوں پر خرچ کیا جائے۔

ب۔ انفاق یا خیرات:۔ یہ عمل زکوٰۃ کے علاوہ ہے کہ صاحب ثروت زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد بھی اپنی خوشی سے غربا و مساکین کی بہبود پر خرچ کریں۔

ج۔ سرمایہ کو کار آمد بنانا۔ اسلام سرمایہ کو دبا کر رکھنے اور حصول دولت میں اس سے کام نہ لینے کو ناجائز قرار دیتا ہے اور سرمایہ روکنے والوں کو سخت تہدید کی خبر دیتا ہے قرآن مجید میں آتا ہے: وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی خبر دے۔ (توبہ ۹ : ۳۴)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اَلْمُحْتَكِرُ مَلْعُوْنٌ (موطا امام مالک کتاب البیوع) قیمتوں میں گرانی کے لئے ذخیرہ کرنے والا ملعون ہے۔

د۔ نفقات:۔ اسلام نے صاحب ثروت اشخاص پر یہ فرض عاید کیا ہے کہ اپنے غریب رشتہ داروں کی کفالت کرے ارشاد الٰہی ہے: فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ (الروم ۳۰ : ۳۸) پس تو عزیز و اقارب، محتاج اور مسافر کو ان کا حق دے۔

ر۔ وصیت:۔ مالک جائیداد، جائز ورثاء کے علاوہ خیراتی کاموں کے لئے وصیت کرے ارشاد الٰہی ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨ الْوَصِيَّةُ

تم پر جب تم میں سے کسی کے لئے موت آموجود ہو عمدگی کے ساتھ وصیت کرنا ضروری ٹھہرایا گیا ہے۔ (البقرہ ۲ : ۱۸۰)

ہ۔ ورثہ:۔ اسلام نے متوفی کے مال میں سب قریبی ورثاء کو شریک قرار دیا ہے تاکہ دولت کئی ہاتھوں میں تقسیم ہو جائے ارشاد الٰہی ہے: وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ (نساء ۴ : ۳۴) اور سب کے لئے اس میں جو وہ (متوفی) چھوڑ گئے ہم نے ماں باپ اور قریبی وارث بنائے ہیں۔

ی۔ وقف:۔ اسلام میں وقف کے یہ معنی ہیں کہ دائمی طور پر کسی جائیداد کو مذہبی اور

خیراتی کاموں کے لئے مخصوص کر دی جائے۔ اسلامی تاریخ اس امر پہ شاہد ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صحابہ نے اپنی دولت کو خیراتی کاموں کے لئے وقف کیا تھا۔

چوتھا اصول :۔ مندرجہ بالا احکام ادا کرنے کے بعد اگر کسی کے پاس دولت بچ جائے تو اس کو افادہ عامہ کے لئے خرچ کر دینا چاہیئے۔ ارشاد الٰہی ہے :

وَيَسْـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ وہ تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہہ دیجئے جو کچھ ضروریات اور حاجات سے زائد ہو۔ (البقرہ ۲۱۹)

پانچواں اصول : اسلام ایسی اشیاء کو جو افادہ عامہ کے لئے ضروری ہوں اور جن پر انفرادی ملکیت ہو جانے کی وجہ سے افراد تنگی اور تکلیف محسوس کریں۔ اجتماعی ملکیت قرار دیتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصولی ہدایت دیتے ہوئے فرمایا "تمام مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں۔ پانی۔ گھاس اور آگ"۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصولی طور پہ صرف تین چیزوں کا ذکر کیا ہے۔

درحقیقت حدیث کا منشا یہ ہے کہ قدرتی وسائل پیدائش افادہ عامہ کے لئے حکومت کی تحویل میں ہوں گے۔

یہ دور صنعتی دور ہے۔ ملک کی معیشت کا زیادہ دارومدار بڑی بڑی صنعتوں پر ہے اگر یہ صنعتیں افراد کے ہاتھوں میں ہوں گی تو سرمایہ دار اور مزدور کے درمیان طبقاتی جنگ کا چھڑ جانا ضروری ہے جو ملک کی معاشی اور سیاسی زندگی کے لئے مہلک ہے۔ اس لئے تمام کلیدی صنعتیں حکومت کی تحویل میں ہونی چاہئیں۔

چھٹا اصول :۔ اگر کوئی صاحب نصاب اور صاحب ثروت شخص مذکورہ بالا اصولوں کو نظر انداز کرتا ہے۔ فقہاء کے اصول استحسان کے تحت حکومت کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ ایسے شخص کی جائیداد ضبط کر لے۔ کیونکہ پہلے اصول میں یہ بتلایا گیا ہے کہ انسان کی ملکیت "اصالتاً" نہیں ہوتی بلکہ نیابتہ ہوتی ہے۔ جب ایک شخص نیابتی کے فرائض ادا نہیں کرتا۔ تو حکومت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اس کو نیابت کو ختم کر دے۔

حقوق انسانی :۔ سترھویں صدی سے قبل اہل مغرب میں حقوق انسانی کا کوئی تصور نہ تھا۔ اٹھارویں صدی کے آخر میں امریکہ اور فرانس کے دساتیر میں ملتا ہے۔ ۱۹۴۸ء میں اقوام متحدہ نے حقوق انسانی کا اعلان کیا۔ لیکن ان اعلانات کے باوجود ہر جگہ انسانی حقوق کو پامال کیا جا رہا ہے۔ آج سے چودہ سو سال قبل اسلام نے جو حقوق انسانی کا چارٹر دنیا کے سامنے پیش کیا تھا وہ دور حاضر کے تمام مدبر بن مل کر بھی اس سے بہتر تیار نہیں کر سکے۔

اسلامی چارٹر کی خوبی یہ ہے کہ رسول کریم نے منشور کی ہر دفعہ پر خود عملی نمونہ پیش کیا۔

۱۔ انسانی مساوات:۔ اسلام میں بغیر امتیاز رنگ و نسل تمام انسان مساوی ہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات: ۱۳) اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا پھر مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ اللہ کے نزدیک معزز اور مکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ دل میں خدا خوفی رکھتا ہے

۲۔ حفاظت جان:۔ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ اور بغیر حق کے کسی کی جان نہ لی جائے۔ (بنی اسرائیل: ۳۳)

۳۔ آزادی: اسلام میں کسی آزاد انسان کو پکڑ کر غلام بنانا حرام ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ایک نبی کے لئے شایاں نہیں کہ اس کے قبضہ میں قیدی ہوں جب تک کہ وہ زمین میں جنگ کر کے غالب نہ آئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: (۸:۶۷)

ان من شرار الناس الذین یبیعون الناس

بہت برے وہ لوگ ہیں جو آدمیوں کو فروخت کرتے ہیں۔

۴۔ محنت کا پورا پورا حق: ہر فرد اپنی محنت اور کسب کا ثمرہ پانے کا مستحق ہے۔

لَيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (النجم: ۳۹) انسان قانون کی حدود میں رہ کر جو کسب معاش کے لئے جد و جہد کرتا ہے اس کا ثمرہ پانے کا وہ مستحق ہے۔

كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ (الطور: ۲۱) ہر آدمی اپنے کئے کا پھل پانے کا حق دار ہے۔

۵۔ ملکیت میں دوسروں کا حق:۔ ارشاد الٰہی ہے: وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (الذٰریٰت: ۱۹) ان کے اموال میں سائل اور مفلس افراد کا بھی حصہ ہے۔

۶۔ مذہبی آزادی کا حق: ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ جس مذہب کو چاہے اختیار کرے اور جسے چاہے ترک کر دے ارشاد الٰہی ہے: لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ دین کے معاملہ میں کوئی جبر و کراہ نہیں۔ (البقرہ ۲: ۲۵۶)

۷۔ عزت نفس کا تحفظ:۔ انسان کی ذہنی نشوونما اور ترقی عزت نفس سے ہی وابستہ ہے۔

اس وجہ سے اسلام عزت نفس کے تحفظ کا پورا پورا حق دیا ہے۔

قرآن مجید میں اس حق کی پوری تفصیل سورۃ حجرات میں بیان کی گئی ہے ارشاد الٰہی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ اے لوگو جو ایمان لائے ہو" ایک قوم دوسری قوم پر ہنسی نہ کرے شاید وہ ان سے بہتر ہوں۔ (الحجرات ۴۹: ۱۱)

۸۔ مزدور کا حق:۔ اس دور میں مزدور کا حق ہر طرف پامال ہو رہا ہے۔ اور مزدور اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے کوشاں ہیں جس سے مزدور اور مالک کے درمیان تصادم ہو جاتا ہے۔ اور ملک کی معیشت اور سیاست پر ناخوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اسلام نے محنت کا معاوضہ اور ثمرہ پورا ادا کرنے کی تعلیم دی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ (الطور ۵۲: ۲۱) ہر شخص اپنی کمائی کا ثمرہ پانے کا حق دار ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اعطوا الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقہ (ابن ماجہ باب الاجارہ) مزدور کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔

فرمایا: تین قسم کے انسان ایسے ہیں جن سے میں قیامت کے دن جھگڑا کروں گا اور جس سے میں جھگڑا کروں گا اس کو مغلوب و مقہور کر کے چھوڑوں گا ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو مزدور سے کام تو پوری طرح لیتا ہے اور اس کے تناسب اس کی اُجرت نہیں دیتا

۹۔ مظلوم کو فریاد کا حق: اسلام مظلوم کو فریاد کرنے اور ظالم سے بدلہ لینے کا حق دیتا ہے۔ اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ مظلوم خواہ کسی قوم و ملت کا ہو۔ اس کی داد رسی کرے ارشاد الٰہی ہے:

وَلَمَنِ انتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِم مِّن سَبِيلٍ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (الشوریٰ ۴۲: ۴۱، ۴۲) اور جو کوئی اپنے اوپر ظلم کے بعد بدلہ لیتا ہے تو ان لوگوں پر الزام کا راستہ نہیں۔ الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق زیادتی کرتے ہیں انہی کے لئے دردناک عذاب ہے۔

۱۰۔ آثار دی بکونت:۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ (العنکبوت ۲۹: ۲۰) کہہ زمین میں چلو پھرو۔ پھر دیکھو کس طرح اس نے پہلی بار پیدا کیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:
تم جہاں چاہو رہو۔ کُونُوا حَیْثُ شِئْتُمْ (نیل الاوطار جلد ۷ صہ ۱۲۹)

۱۱۔ ہجرت کا حق:۔ اَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃٌ فَتُھَاجِرُوْا فِیْھَا (نسا ۴: ۹۷)
اللہ کی زمین وسیع ہے تم اس میں منتقل ہو سکتے ہو۔
اَللّٰہُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا (المومن ۴۰: ۶۴)
اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو ٹھیرنے کی جگہ بنایا۔

۱۲۔ حق رزق:۔ ہر شخص کو ضروریات زندگی مہیا کرنے کی ذمہ داری حکومت پر ہے۔
ارشاد الٰہی ہے:
اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْھَا وَلَا تَعْرٰی وَاَنَّکَ لَا تَظْمَؤُا فِیْھَا وَلَا تَضْحٰی (طٰہٰ ۲۰: ۱۱۸)
تیرے لئے یہ ہے کہ تو اس میں نہ بھکا رہے اور نہ ننگا رہے اور یہ کہ تو اس میں نہ پیاسا رہے اور نہ دھوپ میں رہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ابن آدم کا حق سوائے ان تین چیزوں کے اور کسی شے سے وابستہ نہیں گھر جس میں وہ رہے کپڑا جس سے وہ تن ڈھانپے اور خشک روٹی اور پانی (ترمذی)

۱۳۔ عصمت کی حفاظت کا حق:۔ اسلام بلا امتیاز رنگ و نسل و مذہب و ملت عورت کی عصمت کو قابل احترام سمجھتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی (۱۷: ۳۲)
زنا کے قریب نہ پھٹکو۔ اگر کوئی شخص عورت کی عصمت کے ساتھ کھیلتا ہے تو اسلام نے اس شخص کے اس فعل کی سزا مقرر کر دی ہے۔ عورت کی عصمت کے احترام کا یہ ارفع تصور اسلام کے سوا اور کہیں نہیں ملتا۔ تاریخ عالم اس بات پر شاہد ہے کہ جب کوئی فاتح قوم کسی غیر قوم کے ملک پر قبضہ کر لیتی ہے تو اس ملک کی عورتوں کا جو حشر ہوتا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں صرف اسلام ہی کی تاریخ اس بدنما دھبے سے پاک ہے مسلمانوں نے بڑی بڑی سلطنتوں کو زیر کیا لیکن عورتوں کی عصمت پر ہاتھ نہیں ڈالا۔ مفتوحہ علاقہ کی عورتوں کی عصمت کو قابل احترام سمجھا۔

۱۴۔ تکریم انسانیت:۔ اسلام میں تمام روئے زمین کے انسان قابل تکریم ہیں۔ یہ وہ انسانی حق ہے جو اسلام کے علاوہ کسی دستور اور کسی مذہب نے نہیں دیا ہندو اچھوتوں کو انسانیت کا درجہ دینے کو تیار نہیں۔ یہود غیر یہود کو بے دین کافر کہتے ہیں امریکہ میں گورے کالوں کو قابل احترام نہیں سمجھتے اور ان کو اپنے مدارس میں داخلہ دینے کو تیار نہیں۔ یہ اسلام ہی کی خصوصیت ہے جس نے دنیا کے تمام انسانوں کو بلا امتیاز رنگ و نسل قابل احترام ٹھہرایا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ (بنی اسرائیل ۱۷:۷۰) ہم نے نوع انسان کو قابل تعظیم بنایا ہے۔

۱۵۔ عدل و انصاف:۔ یہ وہ بڑا اہم حق ہے جو اسلام نے تمام انسانوں کو دیا ہے۔ جس کی پامالی سے دنیا میں فساد رونما ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (المائدہ ۵:۹)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کے لئے کھڑے ہونے والے انصاف کی گواہی دینے والے ہو جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو انصاف کرو یہ تقویٰ کے قریب تر ہے۔

۱۶۔ مذہبی دلآزاری سے تحفظ:۔ اسلام اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ دوسرے مذہب کے لوگوں کے مذہبی پیشواؤں کو برا بھلا کہا ہے اسلام ہر مذہب کے پیشوا کی عزت کرنے کی تعلیم دیتا ہے بلکہ یہاں تک کہتا ہے کہ دوسروں کے بتوں کو بھی برا بھلا نہ کہو۔ ارشاد الٰہی ہے: وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ (الانعام ۶:۱۰۸) اور ان کو گالی نہ دو۔ جن کو یہ اللہ کے سوائے پکارتے ہیں۔

۱۷۔ ایذا رسانی سے تحفظ:۔ اسلام اذیت کو خواہ جسمانی ہو خواہ ذہنی قول، قلبی جرم قرار دیتا ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ (البروج ۸۵:۱۰)

وہ لوگ جو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دکھ دیتے ہیں پھر توبہ نہیں کرتے تو ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے اور ان کے لئے جلنے کا عذاب ہے۔

۱۸۔ نجی زندگی کا تحفظ:۔ انسان کے بنیادی حقوق میں سے اہم حق اس کی نجی زندگی کا تحفظ ہے ارشاد الٰہی ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا (النور ۲۴:۲۷) اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوائے (دوسرے) گھروں میں داخل نہ ہو جب تک کہ اجازت نہ لے لو۔

۱۹۔ مدارج کا تعین افراد کے ذاتی جوہر اور کردار کی رو سے:۔ یہ انسانی حق سوائے اسلام کے دنیا کے کسی دستور میں نہیں۔ صرف اسلام نے ہی مدارج کا تعین افراد کے ذاتی جوہر اور کردار کی بنا پر کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات ۴۹:۱۳) تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے شریف وہ ہے

جو سب سے پرہیزگار ہے۔
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: لوگو! ہاں تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے۔ ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے (مسند احمد)

۲۰۔ ہر شخص اپنے افعال کا ذمہ دار ہے:۔ ارشاد الٰہی ہے: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَىٰ (الانعام ۶: ۱۶۴) اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

۲۱۔ حصول علم کا حق:۔ علم ہی شرف انسانیت کا ذریعہ ہے اور علم کی وجہ سے آدم مسجود ملائکہ بنا۔ اسلام نے ہر انسان کو حصول علم کا مستحق ٹھیرایا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:
اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔ انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ (العلق ۹۶: ۴، ۵)

۲۲۔ مقاتلین و غیر مقاتلین حقوق:۔ مقاتلین کے حقوق سے متعلق مغربی دنیا پہلی مرتبہ سترھویں صدی کے مفکر گروشیوس کے ذریعہ آشنا ہوئی مگر عملی طور پر بین الاقوامی قوانین جنگ کی تدوین انیسویں صدی کے وسط میں ہوئی۔ مگر کوئی قوم بھی ان قوانین پر عمل نہیں کرتی۔ جب کسی فاتح قوم کے ہاتھوں میں مفتوحہ قوم کے مقاتلین اسیر ہو جاتے ہیں تو ان پر ہر قسم کے مظالم ڈھائے جاتے ہیں۔ اور ملک میں عام غارت گری اور لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہوتا ہے اسلام نے مقاتلین اور غیر مقاتلین کے حقوق مقرر کر دیے ہیں۔
غیر مقاتلین کے حقوق:۔ ۱۔ کسی بوڑھے، کسی بچے اور کسی عورت خانقاہ نشین راہبوں کو قتل نہ کیا جائے۔ غنیم کے ملک میں غارت گری اور لوٹ مار نہ کی جائے۔ مفتوحہ علاقے کے لوگوں سے کوئی چیز مفتوحہ بلا اجازت نہ لی جائے۔
مقاتلین کے حقوق:۔ ۱۔ آگ کا عذاب نہ دیا جائے۔ ۲۔ زخمی پر حملہ نہ کیا جائے۔
۲۳۔ قیدی کو قتل نہ کیا جائے۔ ۴۔ باندھ کر قتل نہ کیا جائے۔ ۵۔ دشمن کی لاشوں کی بے حرمتی نہ کی جائے۔ ۶۔ قیدیوں سے حسن سلوک کیا جائے۔ ۷۔ معاہدات کی خلاف ورزی نہ کی جائے۔

## شہریوں کے حقوق

ریاست کے زیر عنوان شہریوں کے حقوق پر بحث کی جا چکی ہے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ قیام امن :۔ پہلی جنگ عظیم کی ہولناک تباہیوں کو دیکھ کر دنیا میں امن قائم کرنے کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا گیا۔ چنانچہ اس عالمی ضرورت کے پیش نظر لیگ آف نیشنز وجود میں آئی تاکہ دنیا کو جنگوں کی تباہی سے نجات دلائے۔ لیکن یہ انجمن بھی اقوام عالم کو جنگ کی بربادیوں سے نجات نہ دلا سکی۔ اس کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ انجمن کی وہ ناانصافیاں ہیں جو اس نے پہلی جنگ عظیم میں شکست خوردہ اقوام سے کی تھیں۔ اس انجمن کی اساس معاہدہ ورسیلز تھی، جو محض ہاری ہوئی اقوام کو ذلیل و خوار کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔

اس معاہدہ کی رُو سے جرمنی پر ایک بھاری جنگی تاوان ڈالا گیا۔ اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ اسی طرح ترکی کی طاقت کمزور کرنے کے لئے عربوں کو کئی ریاستوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ شکست خوردہ اقوام نے مجبوری کے تحت معاہدہ پر دستخط تو کر دیئے تھے لیکن اندرونی طور پر کوشش ان کی یہی تھی کہ وہ اپنی کھوئی ساکھ کو قائم کریں۔ چنانچہ ہٹلر کی قیادت میں جرمنی نے زبردست فوجی طاقت حاصل کر لی، جو دُنیا کے امن کے لئے خطرہ بنی اور دوسری عالمگیر جنگ چھڑ گئی۔

دوسری عالمگیر جنگ کے بعد دوبارہ خواہش پیدا ہوئی کہ اقوام عالم پھر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوں اور امن قائم کرنے کے لئے کوشش کریں۔ چنانچہ انجمن اقوام متحدہ وجود میں آئی۔ اب آثار نظر آ رہے ہیں کہ اس کا حشر بھی وہی ہوگا جو لیگ آف نیشنز کا ہوا تھا۔

اسلام نے امن قائم کرنے کے لیے حسب ذیل اصول مقرر کیے ہیں۔

۱۔ دُنیا میں تمام لڑائیاں صرف اس وجہ سے ہوتی ہیں کہ طاقتور ملک نے کمزور ملک پر قبضہ کرنے اور اس کی دولت چھیننے کے لئے حملہ کر دیا۔ اسلام اس قسم کے حملوں کو نہایت ہی ناپسندیدہ نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ (طٰہٰ ۲۰: ۱۳۱)

اور اپنی نگاہیں اس کے پیچھے لمبی نہ کرو جو ہم نے ان میں سے قسم قسم کے لوگوں کو دنیا کی زندگی کی آرائش کے لئے سامان دیا ہے تاکہ ہم ان کو اس کے ذریعہ سے آزمائیں اور تیرے رب کا رزق بہتر اور زیادہ دیرپا ہے۔

ہر دور میں کمزور ریاستوں کی دولت لوٹنے کیلئے طاقتور ریاستوں نے الگ الگ طریقے اختیار کئے ہیں۔ کبھی یہ طریقہ ہوتا تھا کہ کمزور ریاست پر حملہ کیا اور اس کو محکوم بنا لیا۔ عصر حاضر میں حملہ کر کے دولت لوٹنے کا طریقہ ختم ہو گیا ہے۔ اب ترقی یافتہ

ممالک ترقی پذیر اور کمزور ممالک کی دولت گھر بیٹھے لوٹ رہے ہیں اور ترقی پذیر ممالک کو اپنا اقتصادی غلام بنا رکھا ہے۔

یہ آیت ہر قسم کے استحصال دولت کو ناجائز قرار دیتی ہے خواہ حملہ کر کے دولت لوٹی جائے خواہ اقتصادی غلام بنا کر۔

۲۔ دنیا میں امن کی بربادی کا ایک بڑا سبب معاہدات کی خلاف ورزی ہے۔ اسلام معاہدات کی پابندی پر بہت زور دیتا ہے تاکہ دنیا کا امن تہ و بالا نہ ہو۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا

یعنی عہد پورا کرو جب تم خدا سے عہد کر چکو اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو (۱۶: ۹۱)

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ (۱۶: ۹۲)

اور اس عورت کی طرح نہ بن جاؤ جو سوت کاتنے کے بعد اس کو خود ہی توڑ ڈالتی ہے اپنی قسموں (معاہدات) کو باہمی دھوکے کا ذریعہ نہ بناؤ اس خیال سے کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے زیادہ فائدہ میں رہے۔

ایک اور جگہ ایمانداروں کی تعریف میں ارشاد ہے: وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا اور اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوتے ہیں جب وہ عہد باندھ لیتے ہیں۔ ۲: ۱۷۷

۳۔ دو متحارب قوموں کے درمیان صلح کرانا:۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (الحجرات ۴۹: ۹)

اور اگر مومنوں میں سے دو گروہ جنگ کریں تو ان میں صلح کرا دو پس اگر ایک دوسرے پر زیادتی کرتا ہے تو اس سے جنگ کرو جو زیادتی پر ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے پس اگر وہ رجوع کرے تو ان کے درمیان عدل سے صلح کرا دو اور انصاف کرو کیونکہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں بین الاقوامی امن و صلح کے حسب ذیل اصول بیان کئے ہیں:

اوّل:۔ جب دو قوموں کے درمیان لڑائی چھڑنے کا اندیشہ ہو تو دوسری قومیں ایک دوسرے کی طرف داری کرنے کی بجائے متحارب قوموں کو نوٹس دے دیں کہ وہ قوموں کی انجمن میں اپنے تنازعہ کا تصفیہ کرائیں۔

دوم ۔ اگر کوئی قوم انجمن اقوام کے نوٹس کی پرواہ نہ کرے تو سب قومیں مل کر باغی قوم کے خلاف لڑائی لڑیں۔ یہ ظاہر ہے کہ ایک قوم دنیا کی تمام اقوام کا مقابلہ نہیں کر سکتی، وہ لازمی طور پر صلح کی طرف مائل ہو جائے گی۔

سوم ۔ جب باغی قوم صلح کی طرف مائل ہو جائے تو متحارب فریقین کے درمیان انصاف اور عدل کے ساتھ صلح کرا دیں۔ سرکش قوم پر ظلم و تعدی کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ ظلم و تعدی سے آپس میں تباغض اور تحاسد ترقی کرتا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَنْ لَا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ

اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو انصاف کرو یہ تقویٰ سے قریب تر ہے اور اللہ کا تقویٰ کرو اللہ اس سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔ (المائدہ ۵:۸)

۴: حق میں تعاون اور باطل میں عدم تعاون: ۔ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (المائدہ ۵:۸)

اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ کا تقویٰ کرو اللہ بدی کی سزا دینے میں سخت ہے۔

اگر اقوام متحدہ قرآن مجید کے اس اصول پر عمل کریں کہ حق میں تعاون کریں، تعدی اور باطل میں عدم تعاون تو دنیا سے فساد مٹ سکتا ہے۔ دنیا میں فساد کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ قومیں باطل کی طرفداری شروع کر دیتی ہیں جس سے باطل قوتیں مضبوط جڑ پکڑ جاتی ہیں اور دنیا میں فساد برپا ہو جاتا ہے۔

۵: شہادت حق اور قیام عدل وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ

اور گواہی نہ چھپاؤ اور جو شخص اسے چھپاتا ہے تو اس کا دل ضرور گنہ گار ہوتا ہے (البقرہ ۲: ۲۸۳)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ (۵/۸) اے لوگو جو ایمان لائے ہو انصاف پر قائم رہو۔ اللہ کے لئے سچی سچی گواہی دو۔

دنیا میں فساد کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ بڑی بڑی حکومتیں اپنے سیاسی مفادات کے پیش نظر شہادت حق کو چھپاتی ہیں اور عدل و انصاف کو قائم نہیں کرتیں۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ باطل قوتیں مضبوط جڑیں پکڑتی جا رہی ہیں اور امن کا پودا مرجھاتا چلا جا رہا ہے۔ ایک وقت آئے گا جب دنیا تیسری عالمگیر جنگ کی لپیٹ میں آ جائے گی۔

یہ آیت حکومتوں کو یہ سبق سکھاتی ہے کہ تمام سیاسی مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر

عدل والنصاف کے بلند مینار پر کھڑی ہو جائیں۔ اگر کوئی حکومت فساد کرتی ہے تو اس کے خلاف سچی سچی گواہی دیں اور اس کو تخریبی کارروائیوں سے روکیں۔

قومی مساوات :۔ دنیا میں امن کی بربادی کا ایک سبب قومی برتری کا خیال ہے۔ دوسری عالمگیر جنگ کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ جرمن قوم یہ خیال کرتی تھی کہ وہ سب سے اعلیٰ قوم ہے اور وہ دنیا میں حکومت کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اس لئے اس نے اپنا دائرہ حکومت بڑھانے کے لئے اردگرد کی حکومتوں پر حملے کرنا شروع کر دیئے۔ قرآن مجید کہتا ہے :

لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ ایک قوم دوسری قوم پر ہنسی نہ کرے شاید وہ ان سے بہتر ہوں۔ (الحجرات ۴۹ : ۱۱)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں : یا ایھا الناس الا ان ربکم واحد وان اباکم واحد الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی الاسود ولا لاسود علی الا بالتقوی (مسند احمد) اے لوگو! ہاں بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب۔

یہ ہے مختصر سا خاکہ اسلامی عالمگیر برادری کے لشکر اور دنیا میں امن قائم کرنے کے اصولوں کا، جو اسلام دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔ انہوں اصولوں پر عمل کر کے دنیا حقیقی امن سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔

مسئلہ قومیت :۔ قومیت کی تعریف بھی مختلف مفکرین نے مختلف کی ہے۔

قومیت ایک روحانی جذبہ یا اصول ہے جو لوگوں کی ایک ایسی تعداد کے اندر پیدا ہو جاتا ہے جو ایک خاص خطۂ زمین میں رہتے ہوں۔ اور جن میں ایک ہی زبان، ایک ہی مذہب، یکساں تاریخ و روایات، مشترک اغراض و مقاصد اور مشترک سیاسی میل جول اور مطمح نظر موجود ہو۔"

برائس قومیت کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے :

"ایک قومیت ایک ایسی آبادی ہے جو بعض رشتوں سے مربوط ہوئی ہو۔ مثال کے طور پر زبان و ادب، خیالات، مراسم اور طور طریقے اور اپنے میں ایسے مکمل اتحاد کا احساس کرے جس کے ذریعے وہ ایسی غیر آبادی سے متفرق ہو جائے جو اپنے طریقے پر اسی طرح مربوط ہوئی ہو۔"

(نظری سیاسیات از شاہ فرید الحق ص ۲۳۷)

"قومیت سے مراد وہ مضبوط جذبہ ہے جو عموماً ایک ہی قسم کی روایات و ثقافت کے حامل انسانوں اور ایک مخصوص علاقے میں بسنے والے افراد اور واحد منتہائے مقصود رکھنے

والے اشخاص کو آپس میں متحد رکھنے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ یہ جذبہ قوموں اور ریاستوں کی تخلیق میں اصول اور سرچشمہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے جو افراد کو اپنے وطن، اپنی قوم اور اپنی تہذیب و ثقافت کی خدمت اور اس کے تحفظ و بقا کے لئے سعظیم سے عظیم قربانی دینے پر ابھارتا ہے۔" (رسالہ ثانوی تعلیم مقالہ قومیت اور اسلام از پروفیسر امان اللہ)

# قومیت یا قوم پرستی کے نقصانات

قومیت دنیا میں جنگ، نفرت اور تعصب کے جذبات کو فروغ دیتی ہے۔ اور رواداری کے اصولوں کو پامال کرتی ہے۔ اس دور میں باہمی منافرت اور امن کی بربادی کی وجہ محض قومیت ہے۔ پروفیسر کوہن لکھتا ہے: "قومیت پرستی کا احساس نفرت سے پیدا ہوتا ہے اور عداوت سے پرورش پاتا ہے۔ ایک قوم کو اپنی ہستی کا احساس ہی اس وقت ہوتا ہے جب وہ کسی دوسری قوم سے متصادم ہو۔ پھر ان اقوام کا جذبہ عداوت دیرپا کیا اپنی قومی وحدت کی تکمیل پر ہی ختم نہیں ہو جاتا۔ جوں ہی کوئی قوم اپنے حق استقلال و خود مختاری کو مسلط کر لیتی ہے تو ان اقوام کو دبانا شروع کر دیتی ہے جو اپنے لئے خود مختاری کی مدعی ہوں ..... ان تمام وجوہات کی بناء پر اس نتیجہ پر پہنچا جائے گا کہ کسی نظام حکومت کے لئے قومیت پرستی کی بنیاد بڑی ہی خطرناک ہے۔"[1]

پلسبرگ PILLSBURG لکھتا ہے:

"قومیت کی تشکیل اور جامعیت میں سب سے موثر جذبہ نفرت کا ہے۔ اور تاریخ بتاتی ہے کہ قریب قریب تمام قومیں بڑی بڑی لڑائیوں یا دوسری قوموں سے طول و طویل مخاصمت کی پیدا کردہ ہیں۔"[2]

میسن لکھتا ہے:

"جنگ کی بنیاد نیشنلزم ہے۔ جس طرح افراد میں باہمی تنازع کی بنیاد جذبہ انانیت ہوتا ہے۔ ارتقائے جنگ کی ساری تاریخ کا سراغ اسی بنیاد سے لگ سکتا ہے۔"[3]

پروفیسر ولیم برنڈ WILLIAM BREND اپنی کتاب (FOUNDATIONS OF HUMAN CONFLICTS) کے مقدمہ میں رقمطراز ہے:

"اغلب یہی ہے کہ موجودہ جنگ کے بعد اقوام یورپ چند سال تک عملی تر و آزمائی میں نہ الجھیں گی۔

---

[1] بحوالہ انسان نے کیا سوچا از پرویز ص ۲۲۷

[2] بحوالہ انسان نے کیا سوچا از پرویز ص ۲۲۷

[3] CREATIVE FREEDOM

کیونکہ ان میں سے بعض تو بہت تھکی ہوئی ہونگی اور بعض کو ان کے فاتحین دبا کر رکھیں گے لیکن قومیت پرستی NATIONALISM یعنی وہ جذبہ جو جنگ کا اصلی ذمہ دار ہے باقی رہے گا۔ اس لئے مستقبل میں جنگ (کے امکانات) کو ختم کرنے کے لئے آج کی سیاست دانی کی پرکھ اس سے ہوگی کہ موجودہ جنگ کے بعد قومیت پرستی کے اس جذبہ کے متعلق کیا تدابیر اختیار کی جاتی ہیں۔[1]

عظیم مورخ ٹوئن بی نے ۱۹۵۴ میں شکاگو میں کہا۔ "بنی نوع انسان کو ایک کنبہ بن جانا چاہیئے یا اپنے آپ کو ختم کر دینا چاہیئے۔ عالمی قوم کے انسانی شعور کی نشوونما ہی بقا کی کلید ہے قوم پرستی آج دنیا کو فنا کی طرف لے جا سکتی ہے۔"[2]

۲۔ نیشنلزم نے انسانیت میں غیر فطری تقسیم کر دی ہے۔ ہر قوم دوسری قوم کو ہیچ اور کمتر سمجھتی ہے۔ پروفیسر ولیم برنٹ WILLIAM BRENT لکھتا ہے:

"آج ایک براعظم کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک زرخیز کھیت ہے، جس میں انسانوں نے نہایت نامعقولیت سے دیواریں کھڑی کر رکھی ہیں، یعنی وادیوں کی اطراف و جوانب سڑکیں، دریا وغیرہ جن کا مصرف اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ انہوں نے ایک گروہ کو دوسرے سے الگ کر رکھا ہے، اور جذبہ وطنیت وہ سیمنٹ ہے جو ان زندہ اینٹوں کو باہمد گر مربوط کئے ہوئے ہے جس سے انسان خود ساختہ جیل خانوں میں محبوس ہیں۔"[3]

آگے چل کر یہی پروفیسر لکھتا ہے:

"وطنیت کا جذبہ اتحاد انسانی کے راستہ میں سب سے بڑا پتھر ہے..... انسان کے سامنے دو ہی راستے ہیں: یا تو یہ کہ وہ اپنی قومیت کو قائم رکھے اور اس طرح دنیا میں جنگ کا سلسلہ جاری رہے اور یا کسی قسم کے بین الاقوامی اتحاد کا راستہ اختیار کرے۔"[4]

۳۔ نیشنلزم اخلاق کی تباہی کا باعث ہے۔ ہکسلے ALDOUS HUXLEY اپنی کتاب (SCIENCE LIBERTY AND PEACE) میں رقمطراز ہے:

نیشنلزم اخلاق کی تباہی کا باعث اس طرح بنتی ہے کہ اس کی رو سے عالمگیر انسانیت خدائے واحد اور احترام آدمیت کے تمام عقائد باطل قرار پاجاتے ہیں اور ان کی بجائے علیحدگی

---

[1] بحوالہ انسان نے کیا سوچا از پریڈ ص ۲۳۸

[2] مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے مصنفہ مولوی نور احمد ص ۲۳۲

[3] بحوالہ انسان نے کیا سوچا از پریڈ ص ۲۳۸۔

[4] ایضاً ص ۲۳۸۔

تکبر، انانیت، خود اکتفائیت کے عقائد پیدا ہو جاتے ہیں۔

۴۔ نیشنلزم قوموں میں جاہلانہ عصبیت پیدا کرتی ہے۔ گورے کالے، مشرقی مغربی اور عربی و عجمی کا مسئلہ قومیت کا پیدا کردہ ہے۔ قومیت کے اس پہلو پر تبصرہ کرتے ہوئے سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

"کیا انسان کے لئے اس سے زیادہ غیر معقول ذہنیت اور کوئی ہو سکتی ہے کہ وہ نالائق، بدکار اور شریر آدمی کو ایک لائق، صالح اور نیک نفس پر صرف اس لئے ترجیح دے کہ پہلا ایک نسل میں پیدا ہوا ہے اور دوسرا کسی اور نسل میں؟ پہلا سفید ہے اور دوسرا سیاہ؟ پہلا ایک پہاڑ کے مغرب میں پیدا ہوا ہے اور دوسرا اس کے مشرق میں؟ پہلا ایک زبان بولتا ہے اور دوسرا کوئی اور زبان؟ پہلا ایک سلطنت کی رعایا ہے اور دوسرا کسی اور سلطنت کی؟ کیا جلد کے رنگ کو روح کی صفائی و کدورت میں کوئی دخل ہے؟ کیا عقل اس کو درکار ہے کہ اخلاق و اوصاف انسانی کے صلاح و فساد سے پہاڑوں اور دریاؤں کا کوئی تعلق ہے؟ کیا کوئی صحیح الدماغ انسان یہ تسلیم کرتا ہے کہ مشرق میں جو چیز حق ہو وہ مغرب میں باطل ہو جاتی ہے؟ کیا کسی قلب سلیم میں اس تصور کی گنجائش نکل سکتی ہے کہ نیکی، شرافت اور جوہر انسانیت کو رگوں کے خون، زبان کی بولی، مولد و مسکن کی خاک کے معیار پر جانچا جائے؟ یقیناً عقل ان سوالات کا جواب نفی میں دے گی۔ مگر نسلیت، وطنیت اور اس کے مہین بھائی نہایت بے باکی کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہاں ایسا ہی ہے۔"[1]

۵۔ نیشنلزم ایک خالص لادینی تحریک ہے اور مذہب کی جڑ پر تبر رکھتی ہے اور دلوں سے مذہب کا اثر زائل کرتی ہے۔ امریکی پروفیسر ہینز کوہن اس امر کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"بادراب میں اپنی بات کو غلط فہمی سے مبرا رکھنے کے لئے واضح کرتا ہوں کہ قومیت بنیادی طور پر ایک لادینی تحریک ہے۔ میرے نقطہ نظر سے قومیت کی تحریک ایک لادین معاشرے میں ہی پنپ سکتی ہے۔"[2]

ہکسلے اپنی کتاب ENDS AND MEANS میں لکھتا ہے:

"ہر نیشنلزم ایک بت پرستانہ مذہب ہے جس میں مملکت نے خدا کی حیثیت اختیار کر رکھی ہے۔"

---

[1] اسلامی ریاست از سید ابوالاعلیٰ مودودی

[2] NATIONALISM IN THE THE MIDDLE EAST P. 64

جے ایم مرے اپنی کتاب (ADAM AND EVE) میں رقمطراز ہے:
"چونکہ انسانوں کے دل سے خدا کا عقیدہ نکل گیا ہے اس لئے اس خالی مکان پر نیشنلزم کے شیطان نے قبضہ کرلیا ہے اب انسانوں کو ایک ایسے مذہب کی ضرورت ہے جو نیشنلزم کے جذبہ پر غالب آسکے"[1]

عالمگیر برادری کا تصور:۔ اسلام قومیت اور عوامل قومیت کے برعکس ایک عالمگیر برادری کا نظریہ پیش کرتا ہے۔ اس نے انسان اور انسان کے درمیان کسی مادی اور حسی تفریق کو تسلیم نہیں کیا۔ جو بھی انسان اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے وہ ایک ہی اصل کی فرع ہے اور لونی، نسلی، وطنی، لسانی، اقتصادی اور سیاسی تمام غیر عقلی تفریقات ہیں اور یہی نوع انسان کی ہلاکت اور بربادی کا سبب ہیں۔

اسلام کہتا ہے کہ سب انسان ایک ہی اصل سے ہیں، ارشاد الٰہی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (النساء ۴: ۱) اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔

اللھم ربنا ورب کل شیٔ انی اشھد ان العباد کلھم اخوۃ (احمد، ابوداؤد)
اے ہمارے اور ہر چیز کے پروردگار میں گواہی دیتا ہوں کہ انسان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

اس اسلامی نظریہ کے حسب ذیل فوائد ہیں۔

۱۔ گروہ بندی اور انسانی تفریق کا خاتمہ۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (آل عمران ۳: ۱۰۵)

اور ان کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے تفرقہ کیا اور اختلاف کیا اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلی باتیں آچکی تھیں اور انہی کے لئے بڑا عذاب ہے۔

۲: تعصب کا خاتمہ: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصبیت جاہلیہ کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

لیس منا من دعا الی عصبیۃ ولیس منا من قاتل فی عصبیۃ ولیس منا من مات علی عصبیۃ (ابوداؤد) وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت کی دعوت دے اور وہ بھی ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت پر جنگ کرے اور وہ بھی ہم سے نہیں ہے جس کی موت عصبیت پر واقع ہو۔

---

[1] 67 و 66 بحوالہ انسان نے کیا سوچا ۲۴۲۔

عصبیت کی وضاحت خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ واثلہ بن الاسقع کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا یارسول اللہ عصبیت کیا ہے۔ فرمایا: ان تعین قومك على الظلم (مشکوٰۃ باب المفاخر) عصبیت اس کا نام ہے کہ تم ظلم پر اپنی قوم کی ناجائز مدد کرو۔

اے قوم قریش! اب جاہلیت کا غرور اور نسبیت کا فخر خدا نے مٹا دیا ہے تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ خدا کا فرمان ہے لوگو میں نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے کہ آپس میں ایک دوسرے سے پہچان لئے جاؤ۔ لیکن خدا کے نزدیک شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو"[1]

۳۔ نسل، وطن، زبان اور رنگ کی تفریق کا خاتمہ:۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے مشہور خطبہ میں فرمایا:

ایها الناس الا ان ربكم واحد وان اباكم واحد الا لا فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي ولا لاحمر على اسود ولا لاسود على احمر الا بالتقوىٰ[2]

لوگو! ہاں بے شک تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ

اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے شریف وہ ہے جو سب سے پرہیزگار ہے اللہ جاننے والا خبردار ہے۔

• یہ آیت نسلی تفریق کا خاتمہ کرتی ہے۔ اس میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ روئے زمین کے تمام انسانوں کی اصل ایک ہے۔ نسل کے بڑھ جانے کی وجہ سے جو مختلف قبیلے بن گئے ہیں وہ صرف پہچان کا ذریعہ ہیں کہ فلاں شخص فلاں قبیلے سے تعلق رکھتا ہے اور فلاں شخص فلاں قبیلے سے۔ کسی خاص قبیلے سے تعلق رکھنے کی وجہ سے اس کو عزت حاصل نہیں ہو جاتی۔ ہاں عزت کا ذریعہ صرف خدا خوفی ہے۔ جو شخص بھی متقی ہوگا خواہ کسی قبیلے یا نسل یا علاقے سے تعلق رکھتا ہو وہ مکرم و محترم ہوگا۔

اسلام مساوات کا حامی ہے۔ تمام روئے زمین کے لوگوں کو ایک ہی اصل کی شاخیں

---

[1] مسند احمد

[2]

قرار دیتا ہے۔ کسی شخص کو رنگ، نسب، وطن وغیرہ کی وجہ سے دوسرے پر فضیلت حاصل نہیں ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضؓ امت اسلامیہ کے ایک فرد تھے ان کو اہل بیت میں شمار کیا جاتا تھا۔ اس میں حضرت بلال حبشی رضؓ تھے جن کے متعلق کہا جاتا تھا کہ بلال ہمارا آقا ہے۔ اس میں حضرت صہیب رومی رضؓ تھے جنہیں حضرت عمر رضؓ نے اپنی جگہ نماز میں امامت کے لئے کھڑا کیا۔ اس میں حضرت حذیفہ رضؓ کے غلام سالم رضؓ تھے جن کے متعلق حضرت عمر رضؓ نے انتقال کے وقت کہا تھا کہ اگر آج سالم رضؓ مولی حذیفہ رضؓ زندہ ہوتے تو خلافت کے لئے ان کو نامزد کرتا۔ اس میں حضرت زید بن حارثہ رضؓ تھے جن کے نکاح میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی پھوپھی زاد بہن زینب رضؓ دے دی۔ اس میں حضرت اسامہ رضؓ تھے جن کو ایک ایسے لشکر کا قائد مقرر کر دیا جس میں بڑے بڑے صحابی تھے۔

# خصائص اسلام

۱۔ محفوظیت :۔ اسلام کی پہلی خصوصیت تعلیمات اسلامیہ کی بے نظیر محفوظیت ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا سے رحلت کئے ہوئے چودہ سو سال گزر گئے ہیں۔ اس وقت سے لے کر اب تک دنیا میں ہزارہا انقلابات آئے ہیں۔ لیکن اسلام کی وہ کتاب جس پر اس کی اساس ہے ہر قسم کے تغیر و تبدل سے محفوظ ہے۔ قرآن مجید کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (حجر ۱۵: ۹) یقیناً ہم نے ہی قرآن اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔

مستشرقین نے بھی قرآن مجید کی محفوظیت کا اقرار کیا ہے۔ سر ولیم میور اپنی کتاب لائف آف محمد کے دیباچہ میں لکھتے ہیں، "جہاں تک ہماری معلومات ہیں دنیا بھر ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو اس (قرآن مجید) کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کے تحریف سے پاک رہی ہو۔

۲۔ تکمیل تعلیم :۔ اسلام کی تعلیم ہر پہلو سے کامل ہے۔ زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جس کے متعلق اسلام راہنمائی نہ کرتا ہو خواہ وہ اعتقادی ہو یا سیاسی معاشی ہو یا معاشرتی، دنیوی ہو یا اخروی۔ سماوی کتب میں قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے۔ جس نے اکمل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (مائدہ ۵: ۳)

یعنی آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے اور تمہارا دین اسلام ٹھہرا کر راضی ہوں۔

۳۔ وحدانیت :۔ دنیا کے تمام مذاہب کی بنیاد وحدانیت پر ہے۔ لیکن ایک مذہب بھی ایسا نہیں جس نے اپنی اساس کو برقرار رکھا ہو۔ تقریباً تمام مذاہب توحید سے ہٹ کر دو یا کثیر التعداد خداؤں کو پوجنے لگ گئے ہیں اس پر تفصیلی بحث مذاہب عالم پر گفتگو کرتے ہوئے گزر چکی ہے۔ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کی اساس برقرار ہے۔ اور شرک کو اپنے اندر داخل ہونے نہیں دیا۔ قرآن مجید میں توحید پر ایک مکمل جامع انداز میں بحث کی گئی ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (الاخلاص ۱۱۲: ۱-۴)

کہہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے نہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

۴۔ اتحاد انسانی:۔ اسلام کا نسل انسانی کی وحدت کا نظریہ انسانی تہذیب پر بہت بڑا احسان ہے جس کی نظیر دوسری کتب سماوی میں نہیں ملتی۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (نساء ۴: ۱)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک اصل سے پیدا کیا۔ دوسری جگہ آتا ہے،

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا (یونس ۱۰: ۹)

انسانوں کی ایک ہی امت تھی پھر الگ الگ ہو گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان العباد کلھم اخوۃ (احمد، ابوداؤد) انسان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اسلام کے اس پیغام نے تفریق بین الناس کے تمام محرکات اور تعصبات کو جڑ سے کاٹ کر رکھ دیا ہے۔

۵۔ رواداری:۔ عصر حاضر میں رواداری پر بہت زور دیا جا رہا ہے۔ کیونکہ رواداری کے فقدان کی وجہ سے دنیا آگ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑی ہے۔ مذاہب عالم اور عالمی تحریکات میں اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جو رنگ، نسل، عقیدہ اور مجلسی مقام سے بالاتر ہو کر بین الانسانی محبت اور رواداری کی تعلیم دیتا ہے اسی تعلیم پر گامزن ہو کر انسان سلامتی اور امن سے ہم کنار ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرہ ۲: ۲۵۶) دین کے بارے میں کوئی جبر نہیں۔

دوسری جگہ آتا ہے، وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (الانعام ۶: ۱۰۹) اور ان لوگوں کو گالی نہ دو جو غیر اللہ کو پکارتے ہیں۔

بین الاقوامی قانون دان پروفیسر رافیل کیمکن جس نے نسل کشی کے ضمن میں اقوام متحدہ کی قرار دادوں کا مسودہ تیار کیا۔ وہ قرار داد کی اصل شرائط کا حوالہ دیتے ہوئے کہتا ہے "مسلمانوں کے لئے مزید کہوں گا کہ میں نے جس قرار داد کا مسودہ تیار کیا ہے وہ پوری طرح قرآن کے مطابق ہے کیونکہ انسانی علم کے مطابق اسی میں سب سے زیادہ رواداری اور بین الاقوامی شعور والا مذہب مذکور ہے۔ یہودیت نصرانیت کے پیغمبروں کو قبول کرنا اور دوسرے لوگوں کی عبادت گاہوں کی بے حرمتی سے منع کرنا اس دین اسلام کی انسان دوستی اور جذبہ رواداری کی مثالیں ہیں" مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے

مصنفہ مولوی نور احمد ص۲۲۳ )

۶۔ حریت :۔ اسلام سے قبل انسان طرح طرح کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ اسلام نے حریت انسانی کا صور اس بلند آہنگی سے پھونکا کہ سوئی ہوئی دنیا جھاگ اٹھی۔ معاشرہ کے ہر طبقہ نے یہ جان لیا کہ اس کے بھی حقوق ہیں اور اس کی بھی دنیا میں کوئی ہستی ہے۔ قرآن میں آتا ہے وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۔ ان سے ان کا ( غلامی ) کا بوجھ اتارتا ہے اور ( غلامی ) کا طوق بھی جو ان پر ہے۔

۷۔ قوی التاثیر اور سریع التاثیر :۔ اسلام کی تعلیم قوی التاثیر اور سریع التاثیر ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے :۔ لَوْ أَنْزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۵۹/۲۱ اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اتارتے تو تو اسے اللہ کے خوف سے گرا ہوا پھٹا ہوا دیکھتا۔ اس آیت میں قوت تاثیر کا ذکر کیا گیا ہے

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ( نصر ۱۱۰:۲ )
اور تو نے لوگوں کو اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے دیکھ لیا۔

اس آیت میں سرعت تاثیر کا بیان ہے کہ کس قدر جلد اسلام اکناف عالم میں پھیل گیا مسٹر سیل قرآن مجید کے اپنے انگریزی ترجمہ کے دیباچہ میں رقمطراز ہیں۔
" دنیا میں اسی دین کو وہ قبولیت حاصل ہوئی جس کی مثال اور نظیر نہیں ملتی "

۸۔ تسہیر تعلیم :۔ اسلامی تعلیمات کو ہر طبقہ، ہر ملک اور ہر عمر کا انسان مرد ہو یا عورت آسانی سے سمجھ سکتا ہے اور اس پر آسانی سے عمل کر سکتا ہے۔ کیونکہ اسلامی تعلیمات معتدل اور فطرت انسانی کے مناسب ہے۔ مثلاً ہر مسلمان مرد اور عورت پر ماہ رمضان میں فرض ہے لیکن مجبور، معذور، اور مسافر وغیرہ کے لئے آسانی رکھ دی گئی ہے۔ نماز کے لئے شرط طہارت ہے یعنی نمازی کو وضو اور غسل کی ضرورت ہو۔ تو وہ وضو اور غسل کرے۔ لیکن اگر پانی نہ ملے یا پانی کا استعمال نقصان دے تو وضو اور غسل کی بجائے پاک مٹی سے تیمم کر لیا جائے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:
فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ( لیل ۹۲:۷ ) ہم اسے آسانی کی طرف لے جائیں۔
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں : بُعِثْتُ بِالْمِلَّةِ الْحَنِيفِيَّةِ السَّمْحَةِ السَّهْلَةِ الْبَيْضَاءِ میں ایک ایسے دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں جو ایک اللہ کے ساتھ تعلق پیدا کرتا ہے اس میں تنگی نہیں اور سہل ہے اور روشن ہے۔

۹۔ اسلام عالمگیر دین ہے :۔ ابتدائے آفرینش میں اقوام عالم مختلف ممالک میں الگ الگ پڑی ہوئی تھیں۔ میل جول کے ذرائع اور رسائل مفقود تھے۔ اور ان کی استعدادیں

بھی اس قابل نہ تھیں کہ وہ ایک مکمل ضابطہ حیات اور ہدایت کی حامل ہو سکیں۔ اس لئے یہ ضروری تھا کہ ہر قوم کی رشد و ہدایت کے لئے الگ الگ نبی آتے اور ان کی ضرورت کے مطابق ہی احکام لاتے۔ اگر دنیا کے تمام مذاہب کا بنظر تعمق مطالعہ کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ قرآن مجید کے نزول سے قبل تمام انبیاء علیہم السلام کے پیغام اپنے اندر عالمگیر حیثیت نہیں رکھتے تھے قرآن مجید میں آتا ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ (۷:۵۹) ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔

حضرت ہود علیہ السلام کے متعلق آتا ہے: وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا (۷:۶۵)

قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ حضرت صالح علیہ السلام کے متعلق

اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صٰلِحًا (۷:۷۳) ثمود قوم کی طرف ان کا بھائی صالح نبی بن کر آیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا یعنی مدین کی طرف ان کا بھائی شعیبؑ آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَکَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (۱۴:۵) اور ہم نے موسیٰؑ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا کہ وہ اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

رَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول تھا۔

مذاہب عالم کی کتب بھی یہی ظاہر کرتی ہیں کہ ان کی تعلیم خاص خاص قوموں کے لئے تھی۔ توریت میں آتا ہے: "موسیٰ نے ہم کو ایک شریعت دی جو بنی اسرائیل کی میراث ہوئی" (استثناء ۳۳: ۴)

پس اب تو جا میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں میرے لوگوں کو جو بنی اسرائیل کی ہیں مصر سے نکال"۔ (کتاب خروج باب سوم آیت ۱۰)

ایک اور آیت ہے: "بنی اسرائیل میرا بیٹا بلکہ میرا پلوٹھا ہے"۔ (خروج ۴: ۲۲)

ان تمام آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت صرف بنی اسرائیل کی طرف ہوئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق انجیل میں آتا ہے: "میں بنی اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے علاوہ اور کسی کے لئے نہیں بھیجا گیا۔ مناسب نہیں کہ لڑکوں (بنی اسرائیل) کی روٹی کتوں کے لئے پھینک دوں"۔ (انجیل متی ۱۵: ۱۰)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بارہ حواریوں کو تبلیغ کے لیے روانہ کیا اور فرمایا:

غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا۔ (متی ۱۰ : ۵)

ہندو مت کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے ہندو جاتی کے سوا کبھی اپنے عروج کے زمانہ میں کسی قوم تک اپنے مذہب کی تعلیم نہیں دی، اور کسی غیر مذہب کے پیرو کو اپنے مذہب میں داخل نہیں کیا۔ ان کی مقدس کتب میں صاف لکھا ہے کہ وید صرف برہمن ہی پڑھ سکتے ہیں، عبادت گاہوں میں شودروں کو داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ مذہب قومی مذہب ہے۔

صرف اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جس نے عالمگیر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ——— (سبا ۳۴ : ۲۸) اور ہم نے تجھے تمام قوموں کے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

دوسری جگہ آتا ہے: قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اعراف ۷ : ۱۵۸) کہہ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، وہ جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (انبیاء ۲۱ : ۱۰۷) اور ہم نے تجھے تمام لوگوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کان کل نبی یبعث الی قومہ خاصۃ وبعثت الی کل احمر واسود (مسلم باب المساجد) ہر نبی اپنی خاص قوم کی طرف بھیجا گیا تھا اور میں تمام سرخ اور سیاہ قوموں کی طرف بھیجا گیا ہوں

## دلائل

اکمل تعلیم:۔ قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جس کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ کامل ترین کتاب ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (۵ : ۳) یعنی آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے اور تمہارا دین اسلام ٹھہرا کر راضی ہوا ہوں۔

قرآن مجید کے مکمل ہونے کی یہ دلیل ہے کہ انسان کی زندگی کے ہر شعبہ میں راہنمائی کرتا ہے۔ خواہ اعتقادی شعبہ ہو یا اخلاقی، معاشرتی ہو یا سیاسی، معاشی ہو یا مبادی، دنیوی ہو یا اخروی۔ قرآن مجید میں آتا ہے مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (۶ : ۳۹) اس کتاب میں انسانی

زندگی کے ہر شعبہ کے لئے جس قسم کی تعلیم کی ضرورت ہے وہ اس میں بیان کر دی گئی ہے۔

بین الاقوامی اتحاد:۔ ہر قوم کی ہدایت کے لئے قومی نبی آنے کی وجہ سے انسانوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ وہی قوم خدا کی محبوب ہے اور وہی قوم اللہ کی تمام نعمتوں کی وارث ہے اور دوسری اقوام عالم ہیچ ہیں۔ اس تنگ نظری سے قومیت کا نظریہ پیدا ہوا، جو امن عالم کے لئے نہایت ہی خطرناک ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مشیت ازلی یہ تھی کہ دنیا کی تمام اقوام کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرے۔۔ اس مشیت کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمگیر شریعت دے کر بھیجا تاکہ دنیا کی تمام قوموں کو اتحاد کی لڑی میں منسلک کرے۔ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو نسل انسانی کی وحدت کا نظریہ پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا (۱۰:۹) سب لوگ ایک ہی امت ہیں وہ آپس میں جھگڑتے ہیں۔

دوسری جگہ آتا ہے: یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا (نساء ۴:۱) اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا پھر ان دو سے مردوں اور عورتوں کو پھیلایا۔

اس پیغام وحدت کے ساتھ یہ بھی اعلان کیا کہ ہر قوم کا نبی ایک ہی چشمہ ہدایت سے سیراب ہوتا تھا۔ اور سب ایک ہی دین کے رسول تھے۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا مغز اور نچوڑ قرآن مجید کی شکل میں نازل کیا گیا ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی کتابوں کو سچا قرار دے کر ایک مسلمان کے لئے یہ لازمی قرار دے دیا کہ وہ سب انبیاء علیہم السلام اور ان کی کتب پر ایمان لائے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (۲:۱۳۶) ہم کسی رسول کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔

دوسری جگہ آتا ہے: اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ (۲:۲۸۵) مومن سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔

ایک اور جگہ فرمایا: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ اے لوگو! اللہ نے تمہارے لئے دین وہی مقرر کیا ہے جس کی وصیت

حضرت نوح علیہ السلام کو کی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی دین کی وصیت کی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی یہی حکم دیا تھا کہ وہ اسی دین کو قائم رکھیں اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔ (الشوریٰ ۴۲ : ۱۳)

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا ایک ہی دین چلا آرہا ہے اور ایک ہی راستہ پر لوگوں کو چلنے کی تلقین کرتے چلے آرہے ہیں۔

گویا اسلام کو تسلیم کرنا تمام مذاہب کو بنیادی طور پر سچا قرار دینا ہے۔ اور تمام اقوام عالم کو متحد کرنے کا یہی موثر طریقہ ہے جس کو اسلام نے اختیار کیا ہے۔ اس طریقہ سے ہی مذہبی، قومی، لونی اور لسانی تعصبات ختم ہو سکتے ہیں۔ اور یہی تعصبات اتحاد کے راستہ میں حائل ہوتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ہر قسم کے تعصبات کو ختم کرتے ہوئے یہ اعلان فرمایا: لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا ابیض علی اسود ولا لاسود علی ابیض الا بتقوی (زادالمعاد جلد ۲ صـ۲۲) یعنی اہل عرب کو کسی عجمی پر فضیلت نہیں نہ کسی عجمی کو عربی پر فضیلت ہے، نہ کسی گورے کو کالے پر فضیلت ہے اور نہ کسی کالے کو کسی گورے پر تفوق حاصل ہے ہاں اگر ہے تو صرف تقویٰ کی وجہ سے ہے۔

آج دنیا کے تمام مفکر اس بات کو برملا کہتے ہیں کہ قومیت ہی تباہی کا موجب ہے۔ چنانچہ ہکسلے نے ۱۹۴۷ء میں لکھا تھا:

"قومیت پرستی اخلاقی تباہی کا موجب ہے۔ کیونکہ یہ عالمگیریت کے تصور کے منافی اور ایک خدا کے انکار پر مبنی ہے۔ اور انسانوں کی قیمت بحیثیت انسان کچھ نہیں سمجھتی۔ دوسری طرف یہ تفرقہ انگیزی کا موجب ہے۔ انانیت اور تکبر پیدا کرتی ہے۔ باہمی نفرت بڑھاتی ہے اور جنگ کو نہ صرف ضروری قرار دیتی ہے بلکہ مقدس بھی ٹھہراتی ہے"۔

اسلام کے بین الاقوامی اتحاد کے نظریہ کو عملی طور پر حج کی شکل میں ظاہر کیا گیا ہے۔ جب اکناف عالم سے حج کا فریضہ ادا کرنے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔

بین الاقوامی عدل و انصاف: اسلام نے وحدت نسل انسانی کا پیغام دینے کے ساتھ بین الاقوامی عدل و انصاف کی بھی تعلیم دی ہے، اور اسلام کے عالمگیر ہونے کی یہ ایک بڑی دلیل ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (۵ : ۹) اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو، انصاف کرو یہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

العصبیۃ ھی ان یعین الرجل قومہ علی الظالم

(منداما م احمد کنز الحقائق حدیث ۲۰۸) عصبیت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنی قوم کی امداد ظلم پر کرے۔

جب دنیا کے دوسرے مذاہب اور دنیاوی تحریکوں کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ کسی مذہب کی موجودہ تعلیم بین الاقوامی عدل و انصاف کی علمبردار نہیں، نہ کسی تحریک کی۔

یہود کہتے ہیں کہ صرف یعقوب کی اولاد ہی اللہ کو پیاری ہے، باقی سب اس کی غلامی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اسی طرح تورات کا ایک یہ حکم ہے: تو اپنے بھائی سے سود نہ لے۔ (استثناء ۲۳: ۱۹-۲۰ واحبار: ۲۵-۳۷)

اگر سود لینا بُرا ہے تو غیر یہودیوں سے لینا کیوں کر اچھا ٹھہرا۔ یہ تعلیم عدل و انصاف کے بنیادی اصولوں کے ہی خلاف ہے۔

ہندو مذہب میں چار ذاتوں کا نظریہ ہی بین الاقوامی عدل و انصاف کے سراسر منافی ہے۔ پھر ہر ذات کے متعلق ایسے اصول مقرر کر دیتے ہیں جو تفریق اور عداوت پر مبنی ہیں۔ ان اصولوں پر بین الاقوامی عدل و انصاف کی عمارت کھڑی نہیں کی جا سکتی۔

منو کہتا ہے: "اگر شودر دھن جمع کرے تو راجہ کا فرض ہے کہ وہ اس سے چھین لے کیونکہ شودر مال دار برہمنوں کو دکھ دیتا ہے۔" (منو ادھیائے ۹ شلوک ۶۷)

اسی طرح لکھا ہے: "اگر برہمن ایک بنیے سے قرض لیتا ہے، لیکن وہ ادا نہیں کر سکتا تو شودر کا فرض ہے کہ وہ برہمن سے کوئی روپیہ نہ لے۔ لیکن اگر شودر نے برہمن کا روپیہ دینا ہے اور شودر غریب ہے تو اونچی ذات والوں کی مزدوری کر کے برہمن کے قرض کو ادا کر لے۔" (منو ادھیائے ۸ شلوک ۵۳)

پھر لکھتا ہے: "برہمن شودر سے دولت لے لے اس میں کوئی وچار نہ کرے کیونکہ وہ دولت جو اس نے جمع کی ہے وہ اس کی نہیں بلکہ برہمن کی ہے۔" (منو ادھیائے ۸ شلوک ۴۱۷)

عیسائیت کا پیغام ہی یہ ہے کہ شریعت ایک لعنت ہے (گلتیوں باب ۲)

جب شریعت ہی لعنت ہوئی تو پھر اس کا ہر حکم اور پیغام لعنت ہی ہوگا۔ اس لعنتی پیغام اور حکم سے دنیا میں عدل و انصاف قائم نہیں ہو سکتا۔ پھر عیسائیت جس قسم کی محبت کی تعلیم دیتی ہے عیسائی خود اس پر عمل نہیں کر سکتے۔

مذاہب کے علاوہ دنیا کی دو بڑی تحریکیں ہیں: سرمایہ داری اور مارکسیت۔ سرمایہ داری تحریک امراء کے حقوق کی نگہداشت کرتی ہے، مارکسیت صرف غرباء کے حقوق کو محفوظ کر کے امراء کو فنا کے گڑھے میں اتارتی ہے۔

تمام مذاہب اور تحریکوں میں صرف اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جو ٹھوس بنیادوں پر بین الاقوامی عدل و انصاف کی عمارت کھڑی کرتا ہے۔

بین الاقوامی امن:۔ عدل و انصاف خود امن کا ضامن ہے۔ جب دنیا میں عدل و انصاف کی حکمرانی ہوگی امن خود بخود قائم ہو جائے گا۔ لیکن اسلام نے دُنیا میں امن قائم کرنے کے لئے ایک ہی عمدہ اصول مقرر کر دیا ہے، وہ یہ ہے، تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (۵/۲) اے دنیا کی قوموں! نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

کیا ہی عمدہ اصول ہے کہ ہر قوم دوسری قوم کے ساتھ نیکی اور بھلائی کی بنیادوں پر تعاون کرے۔ جب کوئی قوم ظلم کا راستہ اختیار کر رہی ہو تو اقوام عالم قوم کا ساتھ دیں تاکہ دُنیا سے ظلم ہٹ جائے۔ دوسری جگہ آتا ہے:

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (۴۹: ۹)

اگر مومنوں میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو اگر کوئی قوم دوسری قوم پر زیادتی کرتی ہے تو اس سے جو زیادتی کرتی ہے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئیں پس اگر وہ رجوع کرے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کرو کیونکہ اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں بین الاقوامی امن اور انصاف کے تین اصول مقرر کئے ہیں:

۱۔ جب دو قومیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دینی چاہیئے۔

۲۔ اگر کوئی قوم صلح پر رضامند نہ ہو بلکہ زیادتی اور ظلم کا راستہ اختیار کرے تو دنیا کی تمام اقوام ظالم قوم کے ظلم کے خلاف اٹھ کھڑی ہوں اور ظالم قوم کو ظلم اور عدوان سے روک دیں۔

۳۔ جب ظالم قوم دوبارہ صلح پر رضامند ہو جائے تو عدل و انصاف کے ساتھ دونوں متحارب قوموں کے درمیان صلح کرا دی جائے۔

قوۃ اصلاح:۔ عالمگیر مذہب کی ایک شان یہ ہے کہ وہ اپنے اندر قوت اصلاح رکھتا ہو۔ یعنی ہر دور کے مسائل کو حل رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ یہ شان سوائے دین اسلام کے

اور کسی مذہب میں نہیں۔ دین اسلام نے ہر دور کے تقاضوں کو پورا کیا ہے اور ہر دور کے مسائل کو حل کیا۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ہمارے عصر جدید میں بے شمار مسائل ابھرے ہیں۔ ان کو حل کرنے کے لئے مختلف تحریکات نے جنم لیا ہے اور بے شمار حکماء اور فلاسفہ نے ان مسائل کے حل لکھے ہیں۔ لیکن مسائل سلجھنے کے الجھ کے رہ گئے ہیں۔ صرف اسلام ہی ایک دین ہے جس کی تعلیم کی روشنی میں ان مسائل کو حل کیا جا سکتا ہے۔

دوام اور محفوظیت :۔ عالمگیر مذہب کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ محفوظ ہو۔ جب اس اصول کے تحت دنیا کے مذہب کا مطالعہ کرتے ہیں تو سوائے اسلام کے اور کوئی مذہب بھی اس کسوٹی اور اصول پر پورا نہیں اترتا۔ مذاہب پر بحث کرتے ہوئے یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ دنیا کے مذاہب کی کوئی کتاب بھی محفوظ نہیں۔ اور اس کا اقرار خود اس مذہب کے ماننے والوں نے کیا ہے۔ صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے۔ جس کی کتاب محفوظ ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۱۵/۹ قرآن مجید کو ہم نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ قرآن مجید کے محفوظ ہونے کے متعلق شہادتیں یورپین فضلاء نے بھی دی ہیں سر ولیم میور لائف آف محمد صفحہ ۲۸ پر لکھتا ہے۔

"گویا ممکن ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قرآن خود ہی بنایا ہو مگر جو قرآن ہمارے پاس موجود ہے وہی ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔

توحید خالص :۔ دنیا کے تمام مذاہب کی اساس توحید ہے۔ گویا بقول توحید، انسانیت کا عالمگیر بین الاقوامی عقیدہ ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۲۱/۲۵ ہم نے آپ سے پہلے کوئی نبی نہیں بھیجا مگر ہم نے اس کو وحی کے ذریعہ بتایا کہ کوئی معبود نہیں مگر میری عبادت کرو۔

جب مذاہب عالم کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ تمام مذاہب خالص توحید کے تصور سے خالی ہو چکے ہیں۔ اگر کوئی مذہب خالص توحید کا حامل ہے تو وہ صرف اسلام ہی ہے۔ خالص توحید انسانی عقل کا فطری اور مرکزی نقطہ ہے اور فطرت کائنات کے مطابق ہے کیونکہ نظم کائنات اور قوانین فطرت میں وحدت پائی جاتی ہے۔ جو سائنس کے قوانین کی بنیاد ہے نظم کائنات اور قوانین فطرت میں وحدت اس بات کی دلیل ہے کہ خالق کائنات بھی واحد ہے۔ اس لئے کوئی ایسا دین عالمگیر کہلانے کا مستحق نہیں۔ جو توحید سے خالی ہو۔ اسلام نے صرف خالص توحید ہی کی تعلیم نہیں دی

بلکہ شرک کی ہر قسم کی نفی کی ہے۔ قرآن مجید نے توحید کو نہایت ہی خوبصورتی کے ساتھ جامع اور مانع الفاظ میں سورۃ اخلاص میں بیان کیا ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔

(۱۱۲:۱-۴) کہہ اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے نہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ شرک کی نفی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (۳۱:۱۳)